مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

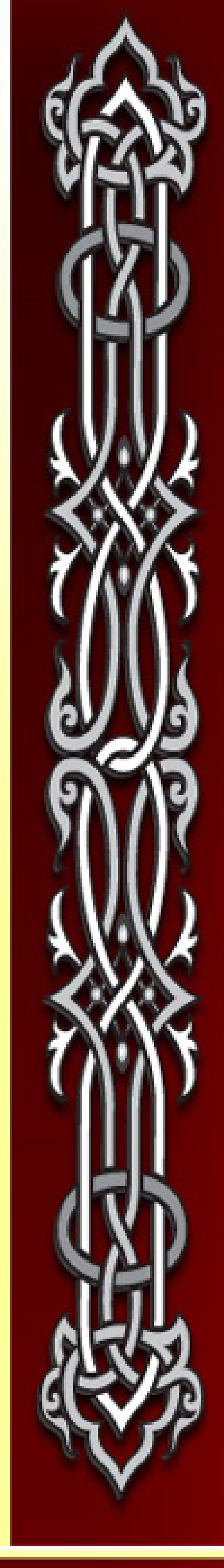
مشکوٰۃ المصابیح

مصنف

جلد (پنجم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات



بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب النکاح

نکاح کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نکاح نکح سے بنا بمعنی ضم یعنی ملنا،چونکہ نکاح کی وجہ سے دو شخص یعنی خاوندوبیوی دائمی مل کر زندگی گزارتے ہیں بلکہ نکاح سے عورت و مرد کے خاندان بلکہ نکاح سے کبھی دو مُلک مل جاتے ہیں اس لیے اسے نکاح کہتے ہیں۔اصطلاح شریعت میں یہ لفظ مشترک ہے صحبت و عقد دونوں پر بولا جاتا ہے،نکاح کا رکن زوجین کا ایجاب و قبول ہے،شرط دو گواہ۔نکاح اور ایمان یہ دو ایسی عبادتیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئیں اور تاقیامت رہیں گی،نکاح بہترین عبادت ہے کہ اس سے نسل انسانی کا بقا ہے یہ ہی صالحین و ذاکرین و عابدین کی پیدائش کا ذریعہ ہے۔ نکاح انسان مرد کا صرف انسان عورت ہی سے ہوسکتا ہے نہ جن سے ہوسکتاہے نہ دریائی انسان سے نہ کسی جانور سے کیونکہ نکاح میں ہم جنس ہونا شرط ہے۔(در مختار،شامی) جنت میں انسان مَردوں کا نکاح حوروں سے یہ وہاں کی خصوصیات سے ہے،ورنہ حوریں انسان یعنی اولاد آدم نہیں اس لیے آدم علیہ السلام کو جب جنت میں رکھا گیا تو انہیں وہاں کے پھل وغیرہ کھانے کی تو اجازت تھی مگر حوروں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی بلکہ ان کی ہم جنس بی بی حوّا پیدا فرمائی گئیں،نیز ادریس علیہ السلام اور شہدا کی روحیں جو جنت میں ہیں انہیں وہاں کھانے پینے کی اجازت ہے مگر حوروں کی اجازت نہیں یہ اجازت بعد قیامت ہوگی کیونکہ قیامت سے پہلے نکاح کے لیے جنسیت شرط ہے۔حسن ابن زیاد کا قول ہے کہ انسان مرد کا نکاح جنی عورت سے جائز ہے اس کے عکس نہیں مگر اس پر فتویٰ نہیں۔(درمختار)خیال رہے کہ نکاح بحالت سکون سنت ہے اور اندیشہ زنا یعنی زیادتی جوش کی حالت میں فرض اور نامرد پر جرم جو عورت کے خرچہ پر قادر نہ ہو یا جو ظلم کا صحیح اندیشہ کرتا ہو اس کے لیے مکروہ۔(مرقات، اشعہ،لمعات،و درمختاروغیرہ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے جوانو کی جماعت ۱؎ تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھے وہ ضرور نکاح کرے ۲؎ کیونکہ نکاح نگاہ نیچی کرنے والا ہے اور شرمگاہ کا محافظ ۳؎ اور جو طاقت نہ رکھے وہ روزے لازم کرے کہ یہ روزے اس کی حفاظت ہیں ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ معشر عشیرۃ سے بنا بمعنی کنبہ،قبیلہ،گروہ یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی گروہ شباب،شاب بمعنی جوان کی جمع ہے،فاعل کی جمع بروزن فعال آتی ہے۔ بلوغ سے لے کر تیس سال کی عمر جوانی کی ہے، شوافع کے نزدیک چالیس سال تک جوانی ہے،انسانی عمر کی حدود اور ان کے نام ہماری تصنیف حاشیۃ القرآن میں دیکھئے ۔جوانوں سے اسی لیے خطاب فرمایا کہ اگلا مضمون ان ہی کے لائق ہے۔

۲؎ باء،بات،باھت،باہ ان چاروں لفظ کے ایک ہی معنی ہیں گھر یا منزل،پھر صحبت یا نکاح پر بھی یہ لفظ بولا جانے لگا اس کے لیے گھر کی ضرورت ہوتی ہے،اسی سے ہے باءً یبوء لوٹنے کے معنی میں یہاں مضاف پوشیدہ ہے یعنی جو نکاح کے مصارف کی طاقت رکھے یہ امر نسبت کے لیے ہے۔یعنی جس میں نکاح کے مصارف برداشت کرنے کی طاقت ہو وہ نکاح کرے،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ نوافل سے نکاح افضل ہے،شوافع کے ہاں نوافل میں مشغول رہنا نکاح سے افضل ہے۔

۳؎ یعنی بیوی والا آدمی پاک دامن و نیک ہوتا ہے نہ تو غیر عورتوں کو تکتا ہے،نہ اس کا دل بدکاری کی طرف مائل ہوتا ہے،غرضیکہ نکاح آدمی کے لیے حفاظتی قلعہ ہے۔

۴؎ وِجَاءٌ کے معنے ہیں خصیے کوٹ دینا جس سے نامرد ہوجائے یعنی روزہ انسان کی شہوت کو اس طرح مار دیتا ہے جیسے خصی کردینا،کیونکہ بھوک سے نفس ضعیف ہوتا ہے اور شہوت قوت نفس سے زیادہ ہوتی ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کو توڑنے کے لیے بھوک سے زیادہ کوئی چیز نہیں اسی لیے قریبًا ہر دین میں روزہ کا حکم ہے۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن مظعون کو بے نکاح رہنے کی اجازت نہ دی۱؎ اگر آپ انہیں اس کی اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہوجاتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضرت عثمان ابن مظعون نے جو سرداران مہاجرین سے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک دنیا کی زندگی گزارنے کی اجازت چاہی کہ نکاح نہ کریں ساری عمر عبادات و ریاضات میں گزاریں،حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمادیا۔خیال رہے تبتل بناہے تبل سے بمعنی انقطاع و علیحدگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تَبَتَّلْ اِلَیۡہِ تَبْتِیۡلًا"اب دنیا سے علیحدگی کو تبل کہا جاتا ہے، اسی سے ہے بتول حضرت مریم علیہا السلام کو بتول کہتے ہیں کہ وہ نکاح سے علیحدہ رہیں،فاطمہ زہرا کا لقب بھی بتول ہے کہ آپ دنیاوی الجھنوں سے علیحدہ رہیں کبھی دنیا میں دل نہ لگایا۔

۲؎ یا تو خصی ہونے سے ظاہری معنے مراد ہیں کہ ہم لوگ ترک دنیا کے لیے خود کو خصی کرلیتے ہیں شاید ان بزرگوں کو اس وقت یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ انسان کو اور حرام جانوروں کو خصی کرنا حرام ہے اور حلال جانوروں کا خصی کرنا ان کے بچپن میں جائز ہے بڑے ہونے پر حرام اس لیے یہ فرمارہے ہیں،یا خصی ہونے سے مراد ہے بالکل ہی عورتوں سے علیحدگی یعنی ہم گویا خصی ہوجاتے ۔ (لمعات و مرقات)یہ حدیث بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ نوافل سے

نکاح افضل ہے۔حدیث شریف میں نکاح کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتارہا ہے کہ نکاح اعلیٰ عبادت ہے ورنہ حضور ترک دنیا کی زندگی گزارتے لہذا قول امام اعظم بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال پر خاندان پر حسن پر اور دین پر تم دِین والی کو اختیار کرو۱ گرد آلود ہوں تمہارے ہاتھ ۲(مسلم،بخاری)	

۱یعنی عام طورپر لوگ عورت کے مال،جمال اور خاندان پر نظر رکھتے ہیں ان ہی چیزوں کو دیکھ کر نکاح کرتے ہیں مگر تم عورت کی شرافت ودینداری تمام چیزوں سے پہلے دیکھو کہ مال و جمال فانی چیزیں ہیں دین لازوال دولت،نیز دیندار ماں دیندار بچے جنتی ہے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا شعر۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

ماں فاطمہ جیسی ہو تو اولاد حسنین جیسی ہوتی ہے،ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔شعر

بتولے باش پنہا ں شوازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

۲یعنی اگر تم ہمارے اس فرمان پر عمل نہ کرو تو پریشان ہوجاؤ گے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت کا صرف مال دیکھ کر نکاح کرے گا وہ فقیر رہے گا،جو صرف خاندان دیکھ کر نکاح کرے گا وہ ذلیل ہوگا اور جو دین دیکھ کر نکاح کرے گا اسے برکت دی جائے گی (مرقات) مال ایک جھٹکے میں،جمال ایک بیماری میں جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا ایک برتنے کا سامان ہے۱ اور دنیا کا بہترین سامان نیک بی بی ہے ۲(مسلم)	

۱کہ انسان اسے برت کر چھوڑ جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"قُلۡ مَتٰعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ"۔صوفیا فرماتے ہیں کہ اگر دنیا دین سے مل جائے تو لازوال دولت ہے قطرے کو ہزار خطرے ہیں دریا سے مل جائے تو روانی طغیانی سب کچھ اس میں آجاتی ہے اور خطرات سے باہر ہوجاتا ہے۔

۲کیونکہ نیک بیوی مرد کو نیک بنادیتی ہے وہ اخروی نعمتوں سے ہے۔حضرت علی نے "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة"کی تفسیر میں فرمایا کہ خدایا ہم کو دنیا میں نیک بیوی دے آخرت میں اعلیٰ حور عطا فرما اور آگ یعنی خراب بیوی کے عذاب سے بچا۔(مرقات) جیسے اچھی بیوی خدا کی رحمت ہے ایسی ہی بری بیوی خدا کا عذاب۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سواری کرنے والی عورتوں میں سے اچھی عورتیں زنان قریش ہیں۱ اولاد پر بچپن میں بہت مہربان اور خاوند کے مقبوضہ مال کی بہترین محافظ۲ (مسلم، بخاری)

۱یعنی عرب کی عورتوں میں قریش خاندان کی عورتیں بہت اعلیٰ ہیں،چونکہ اہل عرب کی عام سواری اونٹ ہے اس لیے یوں ارشاد فرمایا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں،حضرت مریم تو قریشی بیویوں سے افضل تھیں۔(مرقات) خیال رہے کہ عورت کو گھوڑے کی سواری ممنوع ہے"**لعن اللہ الفروج علی السروج**"۔

۲یہ قریشی عورتوں کی بہتری کی وجہ کا بیان ہے اس جملہ کی بہت شرحیں ہیں آسان ترین شرح یہ ہے کہ قرشی عورتیں بچوں پر مہربان ہوتی ہیں ان کی پرورش بہت عمدہ طریقہ سے کرتی ہیں اور خاوند کی خیر خواہ کہ اس کی جان تو کیا اس کے مال کی بھی حفاظت کرتی ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ بچے سے مراد یتیم یا بے ماں کے بچے ہیں،اور خاوند کی چیز سے مراد ان کی اپنی ذات ہے یعنی وہ بیویاں خاوند کے لاوارث بچوں کی بھی خوب پرورش کرتی ہیں اوراپنی پارسائی کی حفاظت کرتی ہیں یہ سمجھ کر کہ میں اپنے خاوند کی ہوں۔**احناء حنو سے بنا بمعنی شفقت اور ہٗ ضمیر خلق کی طرف لوٹتی** ہے یعنی ساری مخلوق میں قرشی عورتیں بچوں پر زیادہ مہربان ہیں یا اس کا مرجع صنف عورت ہے اور صنف مذکر،لہذا ضمیر مذکر ارشاد ہوئی۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے پیچھے مردوں پر زیادہ مضر فتنہ عورتوں سے بڑھ کر کوئی نہ چھوڑا۱ (مسلم،بخاری)

۱یعنی دنیا میں مردوں کے لیے عورتیں بڑے فتنہ کا باعث ہیں کہ عورت کے سبب آپس کی عداوت،لڑائی جھگڑے بلکہ خونریزی بہت ہوگی،عورت ہی حب دنیا کا ذریعہ ہے اور حب دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے۔مِنۡ بَعۡدِیۡ فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں عورتوں کے فتنہ کا ظہور صحابہ کرام پر نہ ہوا کہ وہ حضرات نور مصطفوی سے بہت منور تھے بعد میں اس کا ظہور ہوا آج بھی عورتوں کی وجہ سے فسادو قتل وخون بہت ہورہے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ زمین میں پہلا قتل عورت کی وجہ سے ہوا کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو اقلیما عورت کی وجہ سے مارا۔شعر

جھگڑے کی بنیادیں تین زن ہے زر ہے اور زمین

عورتوں کے فتنے سے بچنے کاواحد ذریعہ شریعت اسلامیہ کی مضبوطی سے پیروی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا میٹھی اور ہری بھری ہے۱ اور یقینًا اللہ تعالٰی تم کو اس میں دوسروں کے پیچھے مالک کرے گا۲ تو دیکھے گا کہ کیا

عمل کرتے ہو لہٰذا دنیا سے احتیاط کرو۳؎ اور عورتوں کے بارے میں محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے متعلق ہوا۴؎(مسلم)	

۱؎ یعنی دنیا دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے دل کو پسند آتی ہے چونکہ اہل عرب سبزے کو بہت ہی پسند کرتے ہیں اس لیے اسے سرسبز فرمایا گیا،نیز اسے سبز فرمانے میں اشارہ ہے کہ دنیا قریب الفناء ہے جیسے سبزہ بہت جلد خشک ہوجاتا ہے ایسے ہی دنیا بہت جلد ختم ہوجاتی ہے۔

۲؎ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے دنیا تم سے پہلے دوسروں کے پاس تھی پھر ان سے منتقل ہو کر تمہارے پاس آئی،تم گزشتہ لوگوں کے خلیفہ بنے ایسے ہی تم سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس پہنچے گی۔شعر

چناں کہ دست بدست آمد است ملک بما　　　　بدست یک دگراں ہم چنیں بخواہد رفت

تم پچھلوں کے خلیفہ ہو،آئندہ نسلیں تمہاری خلیفہ بنیں گی،یا یہ مطلب ہے کہ دنیا کا مالک حقیقی تو حق تعالٰی ہی ہے،تم سب اس کے برتنے میں اس کے خلیفہ یا وکیل ہو،لہٰذا مالک کی مرضی کے بغیر اسے استعمال نہ کرو،یا صحابہ کرام کو پیش گوئی ہے کہ میرے بعد عرب و عجم کی دولتیں ممالک تمہارے قبضہ میں آنے والے ہیں،ذرا درست رہنا۔

۳؎ یعنی اس سے دھوکا نہ کھاؤ یا ناجائز طور پر استعمال نہ کرو یا اس میں مشغول ہو کر بھول نہ جاؤ اسے دینا بھی آتا ہے اور چھیننا بھی،جو سی سکتا ہے وہ ادھیڑ بھی سکتا ہے کیونکہ ع ہر کہ داند دوخت او داند درید۔دنیا کو ایسے استعمال کرو جیسے عقل مند مکھی شہد لیتی ہے کہ کنارہ میں رہ کر چوس لیتی ہے اگر اس میں گرے تو مرجائے دنیا جسم پر رہے دل میں نہ آئے تم دنیا میں رہو،تم میں دنیا نہ رہے۔

۴؎ اس فرمان عالی میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک اسرائیلی نے اپنے چچا سے درخواست کی کہ مجھے اپنی بیٹی بیاہ دو۔اس نے انکار کیا اس کے بھتیجے نے اسے قتل کردیا تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرے اور اس کے مال کا وارث بن جائے،اسی واقعہ پر ذبح گائے کا واقعہ پیش آیا جو سورۂ بقرہ میں مذکور ہے۔(مرقات و لمعات) یا اس میں بلعام ابن باعورا کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جسے اسم اعظم یاد تھا اور وہ مقبول الدعاء تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم جبارین پر لشکر کشی کی تو بلعام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنے کے لیے اس سے درخواست کی،وہ نہ مانا تب قوم نے اس کے سامنے حسینہ عورت پیش کی اور کہا کہ اگر تو موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرے تو ہم اس کا نکاح تجھ سے کردیں تب اس نے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنی چاہی جو خود اس پر پڑی اور اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:"فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ"الایہ۔اس کا مفصل واقعہ تفاسیر میں اور اسی جگہ مرقات میں مذکور ہے۔اس صورت میں یا تو فتنہ سے مراد بڑا فتنہ ہے یا اولیت سے مراد اضافی اولیت ہے نہ کہ حقیقی کیونکہ بنی اسرائیل میں معمولی فتنے اس سے پہلے بھی ہوچکے تھے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نحوست عورت میں اور گھر میں اور گھوڑے میں ہے۔(مسلم،بخاری) اور ایک روایت میں	

	ہے کہ نحوست تین چیزوں میں ہے عورت میں گھر میں اور گھوڑے میں ہے۱؎

۱؎ شوم بنا ہے شام سے یمن کا مقابل، یمن کے معنی ہیں برکت، لہذا شوم کے معنی ہیں نحوست، اس حدیث کے بہت معنی کیئے گئے ایک یہ کہ اگر کسی چیز سے نحوست ہوتی تو ان تین میں ہوتی، دوسرے یہ کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ اولاد نہ جنے اور خاوند کی نافرمان ہو، مکان کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو وہاں اذان کی آواز نہ آئے اور اس کے پڑوسی خراب ہوں، گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ مالک کو سواری نہ دے، سرکش ہو۔ بہرحال یہاں شوم سے مراد بدفال نہیں کہ اس کی وجہ سے رزق گھٹ جائے یا آدمی مرجائے کہ اسلام میں بدفالی ممنوع ہے۔ لہذا یہ حدیث لاطیرۃ کی حدیث کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ بعض بندے اور بعض چیزیں مبارک تو ہوتی ہیں کہ ان سے گھر میں مال میں عمر میں زیادتیاں ہوجاتی ہیں جیسے عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں "وَجَعَلَنِیۡ مُبَارَکًا" مگر کوئی چیز اس کے مقابل معنی میں منحوس نہیں، ہاں کافر، کفر، زمانۂ عذاب منحوس ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: "فِیۡ یَوۡمِ نَحۡسٍ"۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد میں تھے تو جب ہم لوٹے مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نیا شادی شدہ ہوں ۱؎ فرمایا کیا تم نے نکاح کرلیا میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کنواری سے یا بیوہ سے میں نے کہا بلکہ بیوہ سے، فرمایا کنواری سے کیوں نہ کیا کہ اس سے پوری الفت کرتے وہ تم سے پوری محبت کرتی ۲؎ پھر جب ہم پہنچ گئے اور گھر جانے لگے تو فرمایا ٹھہرو تاکہ ہم رات میں یعنی عشاء کے وقت داخل ہوں ۳؎ تاکہ پراگندا بال کنگھی سے سلجھائے جائیں اور پوشیدہ جگہ صاف کرلی جائے لوہے سے ۴؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ کسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کے نکاح میں شرکت نہ کی ہوگی اور انہوں نے ابھی تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ کی تھی اس کا موقعہ نہ ملا تھا ورنہ علی العموم صحابہ کرام ایسے موقعوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت ضروری سمجھتے تھے۔

۲؎ یعنی بہتر تھا کہ تم کسی کنواری عورت سے نکاح کرتے کیونکہ بیوہ عورت کے دل میں پہلے خاوند اور پہلی سسرال کا خیال رہتا ہے ذرا سی تکلیف میں ان لوگوں کو یاد کرتی ہے اس لیے خاوند سے الفت جیسی کنواری عورت کو ہوتی ہے ویسے بیوہ کو نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود آپ بیوگان سے نکاح فرمانا دوسری مصلحتوں کی بنا پر تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے سوائے عائشہ صدیقہ کے کسی کنواری بیوی سے نکاح نہ کیا۔ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ

کنواری لڑکی سے نکاح کرنا مستحب ہے یہ ہی فقہاء فرماتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنی عورت سے ملاعبت وخوش طبعی بہتر ہے کہ اس میں صدہا حکمتیں ہیں ۔

۳؎یعنی اپنے گھر،اپنے مدینہ پہنچ جانے کی اطلاع تو بھیج دو،مگر رات آنے سے پہلے خود نہ جاؤ،جس حدیث میں فرمایا کہ رات میں سفر سے واپس گھر نہ پہنچو،وہاں بغیر اطلاع پہنچنا مراد ہے سنت یہ ہے کہ مسافر پہلے اپنے گھر اپنی آمد کی اطلاع بھیجے پھر وہاں پہنچے۔

۴؎یعنی اس تاخیر میں مصلحت یہ ہے کہ تمہاری بیوی تمہاری آمد کی اطلاع پا کر نہا دھو لے گی بالوں میں کنگھی،اندرونی صفائی کرلے گی جس سے تم اسے اچھی حالت میں پاؤ گے اور اس سے آپس کی محبت بڑھے گی،کبھی اچانک گھر پہنچ جانے سے بیوی کو ایسی حالت میں دیکھنا ہوتا ہے کہ طبیعت میں گھن و نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔خیال رہے کہ عمومًا عورتیں استرے سے اندرونی صفائی نہیں کرتیں بلکہ چونا وغیرہ سے کرتی ہیں اسی لیے محدثین نے تستحد سے مراد لی ہے چونا وغیرہ سے صفائی کرلینا۔ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو اندرونی صفائی کے لیے استرہ کا استعمال کرنا جرم نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد فرمانا الله کے ذمہ کرم پر لازم ہے ۱؎وہ مکاتب غلام جو ادا کا ارادہ رکھتا ہو ۲؎ وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ کرے ۳؎اور الله کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی ۴؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی ان تین شخصوں کی غیب سے مدد کرتا ہے اس کا وعدہ ہے اور جو کوئی ان تینوں کی مدد کرے رب تعالٰی ان سے بہت ہی راضی ہوتا ہے کہ ان کی مدد سنت الٰہیہ ہے۔

۲؎مکاتب وہ غلام ہے جس سے مولا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنی رقم مجھے دے دےتو تو آزاد ہے،ایسے غلام کی مدد کرنا اور اس کے آزاد کرانے کی کوشش کرنا بہت ثواب ہے ایسے ہی مقروض کو قرض سے نجات دلانا،مظلوم قیدی کو قید سے چھوڑانا بہت ہی ثواب ہے۔

۳؎نکاح خود سنت ہے اور جب کہ اس میں بہ نیت خیر بھی شامل ہوجائے تو نورٌ علی نور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں جہیز ملنے،شہوت پوری کرنے کسی اونچے آدمی سے قرابت قائم ہونے کی نیت نہ کرے محض اپنے کو گناہوں سے بچانے کی نیت کرے ایسے ناکح کی مالی بدنی مدد کرنا ثواب ہے مگر مالی مدد ضروریات نکاح پوری کرنے کے لیے ہو نہ کہ حرام رسوم ادا کرنے کے لیے۔

۴؎لہٰذا غازی فی سبیل الله کو کھانا،ہتھیار سواری وغیرہ مہیا کردینا بہت ہی افضل ہے کہ اس کی امداد درحقیقت رب تعالٰی کے دین کی مدد ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہیں پیغام نکاح وہ شخص دے ۱؎ جس کی دینداری اور اخلاق تم کو پسند ہیں تو نکاح کردو ۲؎ اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنے اور لمبے چوڑے فساد برپا ہوجائیں گے ۳؎(ترمذی)

۱؎اس میں خطاب لڑکی کے اولیاء کو ہے چونکہ عادۃً عورت خصوصًا باکرہ لڑکی کے اولیاء سے ہی نکاح کی گفت و شنید کی جاتی ہےاس لیے ان سے خطاب فرمایا۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لڑکے والے پیغام دیں لڑکی والوں کو اگرچہ اس کے عکس بھی جائز ہے۔

۲؎یعنی جب تمہاری لڑکی کے لیے دیندار عادات و طوار کا درست لڑکا مل جائے تو محض مال کی ہوس میں اور لکھ پتی کے انتظار میں جوان لڑکی کے نکاح میں دیر نہ کرو،لڑکے کے خلق سے مراد تندرستی،عادت کی خوبی،نفقہ پر قدرت سب ہی داخل ہیں۔

۳؎اس لیے کہ اگر مالدار کے انتظار میں لڑکیوں کے نکاح نہ کیے گئے تو ادھر تو لڑکیاں بہت کنواری بیٹھی رہیں گی اور ادھر لڑکے بہت سے بے شادی رہیں گے جس سے زنا پھیلے گا اور زنا کی وجہ سے لڑکی والوں کو عارو ننگ ہوگی،نتیجہ یہ ہوگا کہ خاندان آپس میں لڑیں گے، قتل و غارت ہوں گے، جس کا آج کل ظہور ہونے لگا ہے ۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ کفایت میں صرف دین کا لحاظ ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں،دیگر امام فرماتے ہیں کہ کفایت میں چار چیزیں ملحوظ ہیں:دین،حریت نسب،پیشہ،لہذا مسلم کا نکاح کافر سے نہیں ہوسکتا،یوں ہی صالحہ لڑکی کا نکاح فاسق و بدکار مرد سے نہ کرنا چاہیے۔حرہ کا نکاح غلام سے،اعلیٰ خاندان والی کا نکاح خسیس ذلیل خاندان والے سے،اعلیٰ پیشہ والے کا نکاح ذلیل پیشہ والے سے نہ ہونا چاہیے۔اگر لڑکی خلاف کفو سے نکاح کرلے جس سے اس کے اولیاء کو ذلت ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔(مرقات و لمعات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محبت کرنے والی بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو۱؎کیونکہ میں تمہاری وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎کیونکہ زوجین کی محبت سے گھر کی آبادی ہے اور بچوں کی پیدائش سے مقصود نکاح کا حصول ہے،زوجین کی عداوت گھر تباہ کردیتی ہے،خیال رہے کہ بیوہ عورت کے یہ دونوں وصف اس کی گزشتہ زندگی سے معلوم ہوں گے اور کنواری کے یہ اوصاف اس کی خاندانی عورتوں سے ظاہر ہوں گے کیونکہ اکثر لڑکیاں اپنی خاندانی عورتوں سے پہچانی جاتی ہیں(اشعہ)

۲؎یعنی کل قیامت میں مجھے اس چیز سے بہت خوشی ہوگی کہ میری امت تمام امتوں سے زیادہ ہو اور ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا،اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوں گی اور چالیس صفیں سارے نبیوں کے امتی،بلکہ دنیا میں بھی کثرت تعداد ترقی قوم کا ذریعہ ہے آج کثرت رائے سے سلطنت

وزارت وغیرہ بنتی ہیں۔ مرقات نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بتایا کہ محبت والی بچے جننے والی عورتوں کو نکاح میں رکھو کہ اگر ایسی عورت میں اور کوئی دوسری شکایت بھی ہوں تو اس کی پرواہ نہ کرو محبت و اولاد اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سالم ابن عتبہ[1] ابن عویم ابن ساعدہ انصاری سے[2] وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[3] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کنواریوں کو اختیار کرو[4] کہ وہ منہ کی میٹھی رحم کی صاف اور تھوڑے پر رضا مند ہوجانے والی ہوتی ہیں[5] (ابن ماجہ،ارسالًا)[6]	

[1] سالم و عتبہ دونوں تابعی ہیں عویم صحابی۔

[2] عویم ابن ساعدہ صحابی ہیں، انصاری اوسی ہیں،دونوں بیعت عقبہ میں شریک ہوئے بدروتمام غزوات میں شامل رہے عہد فاروقی میں وفات پائی ٦٥ سال عمر شریف ہوئی آپ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایات لیں۔(مرقات واکمال)

[3] یعنی عبدالرحمان اپنے والد سالم سے راوی اور سالم اپنے والد عتبہ سے راوی جو عبدالرحمان کے دادا ہیں اسی لیے صاحب مشکوۃ نے اس حدیث کو مرسل فرمایا کہ عتبہ تابعی ہیں اگر یہاں سالم کے دادا عویم مراد ہوتے تو حدیث مرسل کیوں ہوتی،عویم توصحابی ہیں (مرقات وغیرہ)

[4] یعنی بہتر یہ ہے کہ کنواریوں سے نکاح کرو،یہ علیکم الزام کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ"۔

[5] یعنی کنواری لڑکی باتیں میٹھی کرتی ہے کہ اس نے پہلے کوئی شوہر دیکھا نہیں ہوتا تاکہ دونوں خاوندوں کا موازنہ کرتی رہے اور ذرا سی بات میں پہلے خاوند کو یاد کرکے اس خاوند سے منہ موڑے،نیز کنواری لڑکی پوری جوان ہے رحم میں حرات طبیعت میں شہوت قوی ہے لہذا اس سے اولاد بھی زیادہ ہونے کی امید ہیں، نیز خاوند کی تھوڑی کمائی پر گزرا کرنے میں تامل نہ کرے گی کہ اس نے ا س سے پہلے مالدار خاوند کو دیکھا ہی نہیں ہے،تاکہ اس کی عادت زیادہ خرچ کرنے کی پڑچکی ہو۔

[6] اس حدیث کو امام سیوطی نے جامع صغیر میں بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی عویم ان ساعدہ سے روایت کیا اس صورت میں یہ حدیث متصل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو محبت چاہنے والوں کے لیے	

	نکاح جیسی کوئی چیز نہ دیکھی گئی۔ا

ا؎اس حدیث کی روایت دو طرح کی ہے لم تری مخاطب معروف کے صیغہ سے اور لم یُری غائب مجہول کے صیغہ سے یعنی اے سننے والے تو نے نکاح کیطرح کوئی اور چیز محبت پیدا کرنے والی نہ دیکھی یا نہ دیکھی گئی۔مقصد یہ ہے کہ جن دو شخصوں یا خاندانوں میں محبت پیدا کرنی ہو تو ان کے آپس میں ایک دوسرے کے ہاں لڑکیاں بیاہ دو ان شاءاللہ محبت پیدا ہوجائے گی،مثل مشہور ہے کہ روٹی بیٹی محبت کی جڑ ہے یا یہ مطلب ہے کہ محبت کے بعد نکاح بہت الفت کا ذریعہ ہے اسی لیے نکاح سے پہلے آپس میں ہدایا تحفے دیئے جاتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہوجائے تو اس سے زنانہ کرے کہ پھر بغض پیدا ہوجائے گا بلکہ نکاح کرے تب محبت دائمی رہے گی (لمعات و اشعہ) خیال رہے کہ نکاح محبت کی زنجیر جب ہے جب کہ رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے اگر محض مال و جمال کے لیے کیا جائے تو کبھی بغض وعدوات کا ذریعہ بھی ہوجاتا ہے،جیسا آج بہت جگہ دیکھا جارہا ہے حدیث صحیح ہے ہمارا طریق کا ر غلط ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰی سے پاک و صاف ملنا چاہتا ہو وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔ا

ا؎طاہر سے مراد ہے گناہوں سے پاک ،مطہر سے مراد ہے برائیوں سے صاف،لہذا مطہر بمقابلہ طاہر عام ہے،یا طاہر سے مراد ہے خود پاک اور مطہر سے مراد ہے اس کے بال بچے پاک یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تم مع اپنے خاندان کے پاک وصاف دنیا سے جاؤ تو آزاد عورت سے نکاح کرو کیونکہ عمومًا آزاد عورتیں بمقابلہ لونڈیوں کے زیادہ پاکیزہ مہذب اور شائستہ ہوتی ہیں بال بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت، گھر کا انتظام بھی آزاد عورت ہی سے اچھا ہوتا ہے کیونکہ عمومًا لونڈیاں غیر مہذب غیر منتظم ہوتی ہیں۔یہ اکثر قاعدہ ہے،اہلِ عرب کہتے ہیں کہ آزاد عورت گھر کی اصلاح ہے لونڈی گھر کا فساد،لونڈی گھر سے جا کر اپنے مالک کی خدمت میں مشغول رہے گی گھر کو کب سنبھالے گی۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں کہ مؤمن نے اللہ سے خوف کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی نعمت نہ پائی ا؎کہ اگر اس بیوی کو حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے ۲؎اور اگر اسے دیکھے پسند آئے ۳؎اور اگر اس پر قسم کھالے تو اس کی قسم پوری کرے ۴؎اور اگر اس سے غائب ہو تو اپنی ذات اور خاوند کے مال میں خیر خواہی کرے ۵؎یہ تینوں حدیثیں ابن ماجہ نے روایت کیں۔

ا؎یعنی مؤمن کے لیے سب سے بڑی نعمت تو خوف خدا ہے،اگر نصیب ہوجائے کہ اس خوف ہی کی وجہ سے وہ گناہوں سے بچتا ہے نیکیاں کرتا ہے دین و دنیا کی بھلائی کا ذریعہ تقویٰ ہے اس کے بعد نیک بیوی جس میں اگلی تین صفات ہوں کہ ایسی بیوی خاوند کو تقویٰ پر قائم رکھے گی اور متقی اولاد جنے گی۔

۲؎یعنی خاوند کے ہر جائز حکم میں اس کی مطیع ہو کہ ناجائز حکم میں کسی کی اطاعت نہیں (احمد و مرقات)
۳؎یعنی اس کی سیرت بھی اچھی ہو صورت بھی چونکہ سیرت کی عمدگی خوبصورتی سے افضل ہے اس لیے حسن سیرت کا ذکر پہلے فرمایا خوبصورتی سے صرف آنکھیں لذت پاتی ہیں،اچھی سیرت سے دل و روح کو فرحت پہنچتی ہے، خوبصورتی قریب الزوال ہے، خوش سیرتی نعمت لازوال، خوبصورتی صرف دنیا بلکہ جوانی ہی میں کام آتی ہے، اچھی عادت دین و دنیا میں کار آمد اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں ہزار ہا حکمتیں ہوتی ہیں۔
۴؎یعنی اگر خاوند اپنی بیوی کے کسی ایسے کام میں قسم کھا جائے جو اس بیوی پر سخت وگراں ہو تو وہ محض اپنے خاوند کی قسم پوری کرنے کے لیے مشقت برداشت کرکے وہ کام کرے جیسے خاوند کہے کہ قسم خدا کی تو اپنے میکہ نہ جاوے گی تو وہ محض یہ قسم پوری کرنے کے لیے وہاں نہ جائے ماں باپ کو اپنے سسرال میں بلا کر ملاقات کرلیا کرے۔
۵؎سبحان اللہ! کیا جامع اور پاکیزہ کلمہ ہے یعنی خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی شرمگاہ،آنکھ،کان،پاؤں کی حفاظت کرے سمجھے کہ میں اپنے خاوند کی دولت ہوں میرے آنکھ کان وغیرہ میرے پاس اسی کی امانت ہیں،غیر مرد کو دیکھے نہیں غیر کا گانا تو کیا اس کی آواز بھی نہ سنے بغیر خاوند کی اجازت گھر سے قدم باہر نہ نکالے،یہ نہ ہو کہ خاوند گھر نہیں بیوی کو ڈر نہیں،نیز خاوند کا مال بغیراس کی اجازت کے خرچ نہ کرے الافی الضرورات۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے نے نکاح کرلیا تو اپنا آدھا دین مکمل کرلیا اب باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے۱؎

۱؎کیونکہ فساد دین کی بڑی وجہیں دو ہیں،شرمگاہ اور پیٹ کے متعلق بے احتیاطیاں جسے خدا نکاح کی توفیق دے دے تو اس کی شرمگاہ کی حفاظت ہوگئی،اب چاہیے کہ اپنے پیٹ کو حرام غذا سے بچائے،امام غزالی فرماتے ہیں کہ شرمگاہ اورپیٹ ہی شیطان کا ہیڈ کوارٹر ہے جب یہاں سے اسے نکال دیا تو ان شاءاللہ دوسرے اعضاء سے بھی نکل جائے گا۔(از مرقات مع زیادت)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم ہو۱؎یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

۱؎یہ کلمہ نہایت جامع ہے یعنی جس نکاح میں فریقین کا خرچ کم کرایا جائے،مہر بھی معمولی ہو،جہیز بھاری نہ ہو،کوئی جانب مقروض نہ ہوجائے،کسی طرف سے شرط سخت نہ ہو اللہ کے توکل پر لڑکی دی جائے وہ نکاح بڑا ہی بابرکت ہے ایسی شادی خانہ آبادی ہے آج ہم حرام رسموں بیہودہ رواجوں کی وجہ سے شادی کو خانہ بربادی بلکہ خانہائے بربادی بنالیتے ہیں۔اللہ تعالٰی اس حدیث پاک پر عمل کی توفیق دے۔

باب النظرالی المخطوبۃ وبیان العورات

باب جس عورت کو پیغام دیا جائے اسے دیکھ لینا اور ستر کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ مخطوبۃ خطبہ سے بنا ہے،بکسر خاء خطبہ اور خطبہ زیر و پیش سے،دونوں لفظ خطاب سے ماخوذ ہیں،بمعنی کسی سے کلام کرنا،اسی سے ہے مخاطب مگر خطبہ خاء کے پیش سے،اس کا فاعل خطیب ہے اور خطبہ بکسر خاء اس کا فاعل خاطب مفعول مخطوب خطبہ بضم خاء ہر وعظ و خطاب کو کہتے ہیں اور خطبہ خاء کے زیر سے پیغام نکاح کو کہا جاتا ہے جو عورت یا اس کے اولیاء کو دیا جائے لہذا مخطوبہ وہ عورت ہے جس کے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو یا دینا ہو مخطوبہ کو پیغام نکاح سے پہلے دیکھ لینا یا دکھوالینا مستحب ہے، امام مالک کے ہاں اجازت سے جائز بغیر اجازت ممنوع ہے(اشعہ)مگر بہتر یہ ہے کہ پیغام سے پہلے دیکھا جائے اور وہ بھی کسی بہانہ سے کہ عورت کو پتہ نہ لگے تاکہ ناپسندیدگی کی صورت میں عورت کو رنج نہ ہو۔عورات عورت کی جمع ہے،یہ لفظ عار بمعنی شرم سے بنا،ستر کو اس لیے عورت کہتے ہیں کہ اس کے اظہار سے شرم ہوتی ہے اس لیے عورت کو عورت کہتے ہیں کہ اس کی بے پردگی باعث ننگ و شرم ہے۔بری بات کو حکم عوراء کہتے ہیں جس کا بولنا باعث غیرت ہو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ۱ بولا میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح لینا ہے ۲ فرمایا اسے دیکھ لو ۳ کیونکہ انصار کی آنکھ میں کچھ ہوتا ہے ۴(مسلم)	

۱ یہ شخص غیر انصاری تھا جسے انصار کی عورتوں کے متعلق کچھ خبر نہ تھی اگر انصاری ہوتا تو خود ہی تمام چیزوں سے خبردار ہوتا،اسے یہ بتانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

۲ یہ ترجمہ ہی مناسب ہے کیونکہ بعد نکاح عورت دیکھ لی ہی جاتی ہے،نیز پھر دیکھنا بے کار ہے کہ نکاح تو ہو ہی چکا،تزوج سے مراد ہے ارادۂ نکاح۔

۳ دیکھنے سے مراد چہرہ دیکھنا ہے کہ حسن وقبح چہرے ہی میں ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ ہی صورت ہے جو ابھی عرض کی گئی یعنی کسی بہانہ سے دیکھ لینا یا کسی معتبر عورت سے دکھوالینا،نہ کہ باقاعدہ عورت کا انٹرویو(Interveiw)کرنا جیسا کہ آجکل کے بے دینوں نے سمجھا۔

۴؎یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو ان کے مَردوں پر قیاس کیا کہ مَردوں کی آنکھیں نیلگوں تھیں تو عورتوں کی بھی ایسی ہی ہوں گی،یا کسی نے حضور سے یہ عرض کیا ہو گا یا اس لیے کہ حضور ہر کھلے چھپے سے خبردار ہیں یا حضور انور سے مسلمان عورتوں کا پردہ نہیں کہ حضور والد ہیں مگر یہ توجیہ کچھ کمزور سی ہے کیونکہ احترام و ادب میں والد ہیں نہ کہ شرعی احکام میں لہذا حضور سے پردہ فرض ہے جو بیبیاں حضور کے سامنے آئی ہیں وہ رضاعی ہمشیرہ وغیرہ تھیں یا کوئی اور طرح محرم۔(اشعہ و مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں غیبت یعنی کسی کی برائی پس پشت بیان کرنا جائز ہے جب کہ کسی فساد کا روکنا منظور ہو،آج محدثین راویان حدیث کے عیوب بیان کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اختلاط کرے کوئی عورت دوسری عورت سے پھر اپنے خاوند سے اس کی تعریف یوں کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی یہ ممنوع ہے کہ عورت اپنے خاوند سے دوسری عورت کے حسن کا تذکرہ کرے یہ بھی فتنہ کا باعث ہے کیونکہ۔شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا ایں دولت از گفتار خیزد

بعض اوقات سن کر عشق پیدا ہوجاتا ہے اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ عشقیہ فحش گانے اور عورتوں کے حسن کے اشعار سننا حرام ہے کہ باعث فتنہ ہے یہ بیماری عموماً عورتوں میں پائی جاتی ہے کہ دوسری عورتوں کے حسن کا تذکرہ اپنے خاوندوں سے کرتی ہیں سخت جرم ہے۔اس حدیث کی بنا پر بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ حیوان کی بیع سلم جائز ہے کہ بعض بیان مثل عیان کے ہوتے ہیں،ہوسکتا ہے کہ حیوان کے پورے اوصاف بیان کردیئے جائیں جس سے وہ متعین ہوجائے دیکھو سرکار فرماتے ہیں گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے مگر ہمارے امام صاحب کے ہاں ممنوع ہے کیونکہ جانوروں کے باطنی اوصاف بیان میں نہیں آسکتے،اور بیع سلم میں پورا علم چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی مرد کسی مرد کا ستر دیکھے نہ عورت کسی عورت کا ستر ۱؎اور نہ مرد دوسرے مرد سے ایک کپڑے میں اختلاط کرے اور نہ عورت کسی عورت سے ایک کپڑے میں اختلاط کرے ۲؎(مسلم)	

۱؎ناف سے گھٹنے تک کے اعضاء مطلقًا چھپانا واجب ہیں کہ نہ مرد مرد کے یہ اعضاء دیکھے نہ عورت عورت کے لیکن عورت مرد اجنبی کے لیے سر سے پاؤں تک لائق پردہ ہے اور نماز کے لیے عورت سر سے پاؤں تک جسم ڈھکے سوائے چہرہ کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنے کے نیچے پاؤں کے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ بے داڑھی مونچھ کا امرد لڑکا بھی بعض احکام میں عورت کی طرح ہے کہ اس کو دیکھنے سے بھی احتیاط کرے۔(اشعہ)ضرورتًا شریعت کے احکام جداگانہ ہیں کہ بچہ جنتے

وقت دایہ ستر دیکھتی ہے،یوں ہی بعض صورتوں میں مرد کو ننگا کرناپڑتا ہے۔محرم مرد اپنی محرمہ عورت کا چہرہ ہاتھ پاؤں سر دیکھ سکتا ہے،خاوند بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں،اس سے کسی عضو کا چھپانا واجب نہیں،ہاں شرمگاہ کا دیکھنا بینائی ضعیف کرتا ہے ماں باپ اپنے جوان بیٹے بیٹی کو چوم سکتے ہیں،سونگھ سکتے ہیں یوں ہی جوان لڑکا،لڑکی اپنے ماں باپ کو چوم سکتا ہے دیکھنے و چھونے کے مکمل احکام شامی عالمگیری وغیرہ باب اللمس و النظر میں دیکھئے۔

۲؎ یعنی مرد مرد کے ساتھ یوں ہی عورت عورت کے ساتھ ننگے نہ لیٹیں کہ یہ حرام بھی ہے اور بے غیرتی بھی لہذا دو ننگے مرد ایک چادر اوڑھ کر نہ سوئیں،یوں ہی دو ننگی عورتیں سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کوئی مرد کسی شادی شدہ عورت کے پاس رات نہ گزارے ۱؎ مگر یہ کہ اس کا خاوند یا محرم رشتہ دار(مسلم)	

۱؎ یعنی جس عورت سے نکاح درست ہے اس کے ساتھ رات میں اکیلے رہنا حرام ہے،شادی شدہ کی قید اس لیے ہے کہ کنواری لڑکی عمومًا شرمیلی ہوتی ہے وہ خود ہی کسی کے ساتھ نہیں اٹھتی بیٹھتی،شادی شدہ بے باک بھی ہوتی ہے،بے خوف بھی کہ اس کا زنا چھپ سکتا ہے کہ اگر اولاد ہوجائے تو لوگ سمجھیں گے اس کے خاوند کی ہے رات گزارنے کی قید اس لیے لگائی گئی کہ رات کی تنہائی بمقابلہ دن کی خلوت کے زیادہ خطرناک ہے ورنہ مطلقًا خلوت اجنبیہ سے حرام ہے۔

۲؎ محرم وہ مرد ہے جس کا نکاح اس عورت سے ہمیشہ کے لیے حرام ہے،محرم دو قسم کے ہیں:ایک وہ جو ذی رحم بھی ہو،جیسے باپ بیٹا بھائی وغیرہ دوسرے وہ جو ذی رحم نہ ہو،جیسے رضاعی بھائی اور داماد۔خیال رہے کہ بہنوئی اس حکم سے خارج ہے کہ اس سے نکاح اگرچہ حرام ہے مگر دائمی حرام نہیں بہن کی طلاق یا وفات کے بعد حلال ہے لہذا سالی بہنوئی سے پردہ کرے ،بلکہ جوان ساس بھی جوان داماد سے خلوت کرنے میں احتیاط رکھے یوں ہی جوان سسر اپنی جوان بہو کے ساتھ خلوت کرنے میں احتیاط رکھے۔اگرچہ ان کے لیے خلوت درست ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو ۱؎ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ دیور کے متعلق فرمایئے فرمایا دیور تو موت ہے۔۲؎(مسلم بخاری)	

۱؎ پچھلی حدیث میں خلوت کا ذکر تھا یہاں بے پردہ آمنے سامنے آنا کا ذکر ہے یعنی غیر محرم عورت کے پاس بے پردہ نہ جاؤ اگرچہ ذی رحم ہی ہو،جیسے چچا زاد، خالہ زاد،پھوپھی زاد بھائی بہن کہ ان سے پردہ چاہیے کہ اگرچہ ذی رحم تو ہیں مگر محرم نہیں ان سے نکاح درست ہے۔

۲؎ یعنی بھاوج کا دیور سے بے پردہ ہونا موت کی طرح باعث ہلاکت ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حمو سے مراد صرف دیور یعنی خاوند کا بھائی ہی نہیں بلکہ خاوند کے تمام وہ قرابت دار مراد ہیں جن سے نکاح درست ہے جیسے خاوند کا چچا

ماموں پھوپھا وغیرہ اسی طرح بیوی کی بہن یعنی سالی اور اس کی بھتیجی بھانجی وغیرہ سب کا یہ ہی حکم ہے۔خیال رہے کہ دیور کو موت اس لیے فرمایا کہ عادتًا بھاوج دیور سے پردہ نہیں کرتیں بلکہ اس سے دل لگی،مذاق بھی کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبیہ غیر محرم سے مذاق دل لگی کسی قدر فتنہ کا باعث ہے اب بھی زیادہ فتنہ دیور بھاوج اور سالی بہنوئی میں دیکھے جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد کی اجازت مانگی۱؎ تو حضور نے ابو طیبہ کو حکم دیا کہ ان کی فصد کریں ۲؎ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابو طیبہ ان کے دودھ کے بھائی تھے یا نابالغ لڑکے ۳؎(مسلم)

۱؎عرض کیا مجھے اجازت دی جائے کہ فصد لینے والے سے فصد کرادوں،معلوم ہوا کہ عورت کے لیے بہتر یہ ہی ہے حکیم ڈاکٹر کا علاج خاوند کی اجازت سے کرائے خصوصًا جب کہ علاج میں بے پردہ ہونا پڑتا ہو کیونکہ فصد میں یقینًا فصد کی جگہ کو دیکھنا پڑے گا۔

۲؎ابو طیبہ کا نام نافع ہے محیصہ ابن مسعود انصاری کے آزاد کردہ غلام ہیں، صحابی ہیں،مدینہ منورہ میں فصد کھولنے کے بڑے ماہر تھے(اکمال)

۳؎علماء فرماتے ہیں کہ علاج و فصد ختنہ کے لیے مریض کی جاء مرض اجنبی حکیم بھی دیکھ سکتا ہے۔(مرقاۃ و اشعہ)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایسے علاج کے لیے عورت کا محرم حکیم ہو تو بمقابلہ اجنبی کے اس سے علاج کرانا بہتر ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ سے پردہ نہیں۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں ۱؎کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو حضور نے مجھے نظر پھیر لینے کا حکم دیا ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی اگر اجنبیہ عورت پر بلا قصد نظر پڑ جائے تو اس میں گناہ کیا ہے اور اس کا کفارہ کیا ہے۔

۲؎یعنی اس اچانک نظر پڑ جانے میں تو گناہ نہیں مگر فورًا نگاہ ہٹا لو اگر دوبارہ دیکھ لیا یا اسے دیکھتے رہے تو گنہگار ہوں گے کہ اس میں گناہ کا ارادہ پالیا گیا۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ عورت پر منہ چھپانا واجب نہیں بلکہ مرد پر نگاہ نیچی رکھنا ضروری ہے کیونکہ سرکار نے مرد کو نظر پھیر لینے کا حکم دیا(مرقات)مگر یہ اسدلال ضعیف ہے اگلی حدیث میں آئے گا کہ عورت بھی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اگرچہ مرد نابینا ہو یہاں وہ صورت مراد ہے کہ عورت بے پردہ نہ تھی پھر مرد کی نظر پڑ گئی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت شیطان کی شکل میں تو

آتی ہے اور شیطان کی صورت ہی میں جاتی ہے۱؎ جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت بھلی معلوم ہو اور اس کے دل میں کچھ وسوسہ پڑ جائے تو اپنی بیوی کی طرف قصد کرے اس سے قصد کرے ۲؎یقینًا یہ عمل اس کے دل کے وسوسہ کو دفع کرے گا۔(مسلم)	

۱؎یعنی اجنبی عورت کو آتے ہوئے آگے سے دیکھو یا جاتے ہوئے پیچھے سے دیکھو مرد کے دل میں وسوسے اور برے شہوانی خیال پیدا کرتی ہے جیسے شیطان برے خیال ووسوسے پیدا کرتا ہے لہذا اس سے ایسا ہی ڈرنا چاہیے جیسے شیطان سے ڈرتے ہیں کوئی متقی پرہیزگار اپنے تقویٰ پر پرہیزگاری پر اعتماد نہ کرے اور اجنبی عورتوں سے احتیاط رکھے اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ بلا ضرورت عورت گھر سے نہ نکلے اور مرد اجنبی عورت کو کپڑوں پر سے بھی نہ دیکھے کہ فتنہ اندیشہ ہے،نیز عورت کو لازم ہے کہ لباس فاخرہ عمدہ برقعہ اوڑھ کر نہ باہر جائے کہ بھڑک دار برقعہ پردہ نہیں بلکہ زینت ہے۔(نووی و مرقات)

۲؎یہ عمل حصول تقویٰ اور دفع وسوسے کے لیے اکسیر ہے صحبت کرلینے سے شہوت کا جوش جاتا رہے گا یہ جوش ہی میلان کی وجہ تھی،علماء فرماتے ہیں کہ عورت کو چاہیے کہ خاوند کے بلانے پر بغیر پس و پیش آجائے کوئی مانع نہ ہو کہ بسا اوقات اکثر جوش شہوت بدن و قلب کو بیمار کردیتا ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو پیغام نکاح دینے لگے ۱؎تو اگر اس کو دیکھ سکے جسے نکاح کی دعوت دیتا ہے تو ضرور کرلے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ ترجمہ نہایت مناسب ہے یعنی پیغام نکاح دینے کے بعد عورت کو نہ دیکھے ورنہ ناپسندیدگی کی صورت میں عورت کو صدمہ ہوگا بلکہ دیکھنے کے بعد پیغام دے،دیکھنے کی صورتیں پہلے بیان ہوچکیں کہ یا تو کسی حیلہ بہانے سے خود دیکھے یا کسی معتبر عورت سے دکھوالے،مرقات نے بھی خطب کے معنی ارادہ پیغام کیے۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نکاح میں عورت کے حسب و نسب دینداری وغیرہ کے ساتھ صورت کا بھی لحاظ رہے،دوسری چیزوں کی تحقیقات تو اور طرح بھی ہوسکتی ہے مگر صورت کی تحقیق دیکھ کر ہی ہوسکتی ہے جن احادیث میں صورت و حسن کی بنا پر نکاح کرنے سے منع فرمایا گیا وہاں صرف صورت کا لحاظ کردینا دینداری کی پرواہ نہ کرنا مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔دوسرے یہ کہ مرد تو عورت کو دیکھنے کی کوشش کرے مگر عورت مرد کو دیکھنے کی

کوشش نہ کرے،کیونکہ مرد کی تندرستی اخلاق اور کمائی دیکھی جاتی ہے، حسن عورت کا زیور ہے اور یہ چیزیں مرد کا زیور ہیں۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں میں نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا۱؎ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا اسے دیکھ لو کہ یہ دیکھنا تمہاری آپس کی دائمی محبت کا ذریعہ ہے ۲؎(احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یا تو پیغام دینا چاہا یا ابھی معمولی بات چیت ہوئی پختہ بات ہوجانے اور ارادہ نکاح کرچکنے کے بعد یہ حکم نہ دیا۔
۲؎ کیونکہ اگر بغیر دیکھے تم نے عورت سے نکاح کرلیا بعد نکاح دیکھنے پر تم کو پسند نہ آئی تو یا اسے طلاق دو گے یا اسے بغیر محبت کے بھگتو گے،جس سے تمہاری زندگی بھی تلخ ہوئی اور اس عورت کی بھی،دیکھ کر نکاح کرنے میں یہ اندیشے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک عورت پر پڑ گئی جو اچھی معلوم ہوئی۱؎ تو حضور انور بی بی سودہ کے پاس تشریف لائے وہ خوشبو تیار کررہی تھیں اور ان کے پاس عورتیں تھیں انہوں نے خلوت کا موقع دے دیا حضور نے حاجت پوری فرمائی ۲؎ پھر فرمایا جو مرد کسی عورت کو دیکھ لے جو اسے بھلی معلوم ہو تو وہ اپنی بیوی کے پاس آجائے کہ اس کے پاس بھی وہ ہی ہے جو اس کے پاس ہے ۳؎(دارمی)	

۱؎ یہ نظر اچانک پڑی تھی دیدہ و دانستہ نہ تھی اور پسند آنا غیر ارادی تھا، بہ تقاضاء بشریت یہ پسندیدگی نہ گناہ ہے نہ خطا،جیسے یوسف علیہ السلام کا زلیخا کی طرف میلان طبعی غیر اختیاری رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ"یقینًا زلیخا نے حضرت یوسف کا قصد کرلیا اور یوسف علیہ السلام نے زلیخا کا یعنی قصد زلیخا اختیاری تھا اور قصد یوسف علیہ السلام غیر اختیاری جو جرم نہیں۔بعض مفسرین نے اس کے معنے کیے کہ یوسف علیہ السلام بھی قصد کرلیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھتے،روزہ دار گرمی کی شدت میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوتا ہے مگر پی لینے کا وہم بھی نہیں کرتا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اندازًایہ واقعہ معلوم کرلیا ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ حضور نے خود بیان فرمایا ہو چونکہ اس واقعہ میں مسلمانوں کو تقویٰ کی تعلیم کی ہے لہٰذا اس کا بیان کردینا خلاف غیرت نہیں۔یونانی طبیب تجربہ کے لیے پوشیدہ باتیں بتاتے بھی ہیں کرکے دکھاتے بھی ہیں مردہ کی اندام نہانی میں شگاف دے کر ہر چیز دکھاتے ہیں دیکھو لاہور کے میو ہسپتال کے مردہ گھر کے حالات اس حدیث پر بے شرمی کا اعتراض کرنا چکڑالویوں کی انتہائی بے وقوفی ہے۔

۳؎سبحان اللہ! کیسے نفیس طریقہ سے سمجھایا کہ لذت جماع تو اپنی قوت پر مبنی ہے جس قدر منی غلیظ ہوگی اور مرد میں طاقت زیادہ ہوگی اسی قدر لذت محسوس ہوگی عورت کے حسن کو اس لذت میں دخل نہیں جو لذت اس دیکھی ہوئی عورت سے صحبت کرنے میں ہوتی ہو وہ ہی اپنی بیوی سے صحبت کرنے میں ہے پھر حرام کاری سے منہ کالا کیوں کرتے ہو،آج یہ باتیں سمجھانے کے لیے سیمناؤں میں فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ عورت چھپانے کے لائق ہے۱؎جب عورت نکلتی ہے تو اسے شیطان گھورتا ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎عورت کے معنی مَایُعَارُفِیْ اِظْھَارِہٖ جس کا ظاہر ہونا قابل عارو شرم ہو عورت کا بے پردہ رہنا میکے والوں کے لیے بھی ننگ و شرم کا باعث ہے اور سسرال والوں کے لیے بھی۔

۲؎استشراف کے معنی ہیں کسی چیز کو بغور دیکھنا یا اس کے معنی ہیں لوگوں کی نگاہ میں اچھا کردینا تاکہ لوگ اسے بغور دیکھیں۔(مرقات واشعہ)یعنی عورت جب بے پردہ ہوتی ہے تو شیطان لوگوں کی نگاہ میں اسے بھلی کردیتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ اسے تکتے ہیں،مثل مشہور ہے کہ پرائی عورت اور اپنی اولاد اچھی معلوم ہوتی ہے اور پرایا مال اپنی عقل زیادہ معلوم ہوتے ہیں،سرکار کا یہ فرمان بالکل دیکھنے میں آرہا ہے بعض لوگ اپنی خوبصورت بیویوں سے متنفر ہوتے ہیں دوسری بدصورتوں پر فریفتہ۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا اے علی ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ نہ کرو کہ تم کو پہلی نظر ہی جائز ہے دوسری جائز نہیں ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱؎پہلی نگاہ سے مراد وہ نگاہ ہے جو بغیر قصدا جنبی عورت پر پڑ جائے اور دوسری نگاہ سے مراد دوبارہ اسے قصدًا دیکھنا ہے اگر پہلی نگاہ بھی جمائے رکھی تو بھی دوسری نگاہ کے حکم میں ہوگی اس پر بھی گناہ ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ علماء مشائخ کو بھی جائز نہیں کہ اپنی شاگردنی یا مریدنی کو قصدًا دیکھیں۔حضرت علی علماء و اولیاء کے سردار ہیں ان کو یہ حکم ہورہا ہے غور کرو اور ڈرو،ان سے بڑھ کر پاکباز کون ہوسکتا ہے۔جائز سے مراد ہے جس پر گناہ نہ ہو،جائز نہیں ناجائز کا مقابل ہوتا ہے کبھی فرض و واجب کا،ہوسکتا ہے کہ لک کالام نفع کا ہو یعنی بغیر ارادہ والی نظر تمہارے لیے مفید ہے کہ جب تم فورًا نگاہ نیچی کر لو گے تو ثواب پاؤ گے تو لامحالہ دوسری نظر مضر ہی ہوگی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کردے تو اس کا ستر ہر گز نہ دیکھے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر ہر گز نہ دیکھے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی لونڈی کا ستر مولا بھی دیکھ سکتا ہے چھو بھی سکتا ہے مگر جب کہ اس کا نکاح کسی سے کردے اگرچہ اپنے غلام سے ہی کردے تب ستر چھونا تو کیا دیکھ بھی نہیں سکتا کہ اب یہ لونڈی اس بارے میں اس کے لیے اجنبی ہوگئی،اس سے صحبت بھی حرام ہوگئی اور صحبت کے لوازمات بھی۔

۲؎ یہ جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی ایسی لونڈی کے دیکھنے سے جو منع فرمایا گیا اس سے مراد ستر دیکھنا ہے،چہرہ ہاتھ پاؤں تو اب بھی دیکھ سکتا ہے،کیونکہ اب بھی مولیٰ کو اس سے خدمت لینے کا تو حق ہے اور خدمت میں یہ اعضاء ضرور دیکھنے پڑ جاتے ہیں۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ لونڈی کا ستر مرد کی طرح ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک،آزاد عورت کا تمام جسم ستر ہے سوا چہرے کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنے سے نیچے پاؤں کے فقہاء کا یہ حکم اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

	روایت ہے حضرت جرہد سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ران ستر ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ جرہد بروزن جعفر ابن خویلد ہیں،صحابی ہیں،اصحاب صفہ میں سے ہیں،اہل مدینہ سے تھے، ۶۱ھ میں وفات پائی آپ سے آپ کے بیٹوں،عبداللہ، عبدالرحمان،سلیمان اور مسلم نے احادیث نقل کیں۔

۲؎ یہ سوال زجر کا ہے یعنی یہ مسئلہ جاننا ضروریات دین سے ہے،کیا تم نے اب تک اتنا ضروری مسئلہ بھی نہ سیکھا کہ مرد کی ران ستر عورت ہے اسی حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ و شافعی و احمد ابن حنبل مرد کی ران کو ستر مانتے ہیں،امام مالک کے ہاں ستر نہیں لہذا ران کھول کر نماز درست نہیں،مگر خیال رہے کہ یہ اختلاف مرد کی ران میں ہے عورت کی ران کو سب ستر مانتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان سے فرمایا اے علی نہ اپنی ران کھولو ۱؎ اور نہ کسی زندہ مردہ کی ران دیکھو ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی کسی کے سامنے ران نہ کھولو اور نہ بلا ضرورت تنہائی میں کھولو رب تعالٰی سے شرم کرو کیونکہ ران ستر ہے اس سے آج کل کے نیکر پہننے والے عبرت پکڑیں جن کی آدھی رانیں کھلی ہوتی ہیں اور وہ بے تکلف لوگوں میں پھرتے ہیں اللہ تعالٰی ایمانی غیرت نصیب کرے۔

۲؎یعنی کسی مُردہ بالغ مسلمان کی ران نہ دیکھو اور کسی ایسے زندہ کی ران نہ دیکھو جن کا تم سے ستر ہے لہذا اس دوسرے حکم سے اپنی بیوی اور اپنی لونڈی خارج ہے ۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ران ستر ہے،جس کا چھپانا فرض ہے،لہذا یہ حدیث امام مالک کے خلاف ہے، دوسرے یہ کہ مردہ کا احترام زندہ کی طرح ہے کہ اس کا ستر دیکھنا حرام ہے لہذا غسال بھی میت کو ستر ڈھک کر غسل دے اسے بھی ستر دیکھنا جائز نہیں۔

روایت ہے حضرت محمد ابن جحش سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمر پر گزرے،حالانکہ ان کی رانیں کھلی تھیں ۲؎تو فرمایا اے معمر اپنی رانیں ڈھک لو،کیونکہ رانیں ستر ہیں ۳؎(شرح سنہ)	

۱؎محمد ابن جحش جیم اورحاء کے فتح سے ان کے حالات نہ معلوم ہوسکے غالبًا آپ صحابی ہیں اور یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ متصل ہے(اشعہ)

۲؎معمر ابن عبداللہ قرشی عدوی صحابی ہیں بڑے پرانے مسلمان ہیں اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں چونکہ یہ حضرات پہلے سے ستر ڈھانپنے کے عادی نہ تھے نیز انہیں خبر نہ تھی کہ ران بھی ستر ہے اس لیے بے خیالی میں ران کھولے بیٹھے تھے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صحابی ستر کھولے کیوں بیٹھے تھے۔

۳؎یعنی گھٹنوں سے ناف تک کا بدن ستر ہے اس کا چھپانا واجب ہے ناراضی کا اظہار اس لیے نہ فرمایا کہ یہ حضرت مسئلہ سے بے خبر تھے یا بے خیالی میں ان کی ران کھل گئی تھی،غرض کہ بے خبری اور بے خیالی اور دیدہ دانستہ جرم کرنا کچھ اور۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ ننگے ہونے سے بچو ۱؎کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے سوائے پیشاب پاخانہ کے اور اس وقت کے جب مرد اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے ۲؎تو ان سے شرم کرو اور ان کا احترام کرو ۳؎(ترمذی)	

۱؎یعنی اکیلے میں بھی ستر نہ کھولو جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ان سے مراد اعمال لکھنے والے اور محافظین فرشتے ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ صرف کاتبین فرشتے مراد ہوں کیونکہ حافظین تو پاخانہ وغیرہ میں بھی ساتھ رہتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملائکہ شرمیلے ہیں انسان کا ستر دیکھنے میں شرم کرتے ہیں تو ہم کو بھی ان سے شرم چاہیے، اللہ کے بندوں سے حیاء کرنا ایمانی تقاضا ہے۔

۳؎اس لیے پاخانہ اور صحبت کے وقت بات کرنا منع ہے کہ بات لکھنے کے لیے کاتبین فرشتوں کو ہمارے پاس آنا پڑے گا اور وہ اس وقت پاس آنا نہیں چاہتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت ستر کھولنا ممنوع ہے۔اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ پاخانہ،پیشاب،بیٹھتے وقت کھڑے ہوتے وقت ننگا نہ ہوجائے بلکہ زمین کے قریب پہنچ کر کپڑا اٹھائے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ وہ اور بی بی میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں ۱؎ کہ جناب ام مکتوم آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرو ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں کہ ہم کو دیکھتے نہیں، ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں ۵؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ام سلمہ کے گھر میں رونق افروز تھے اور بی بی میمونہ ملنے کے لیے وہاں آئی ہوئی تھیں۔ اسی لیے لفظ میمونہ کو معطوف فرمایا اور معطوف علیہ سے اس کا کچھ فاصلہ کردیا۔ جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ" تاکہ معلوم ہو بنائے کعبہ میں ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور حضرت اسماعیل ان کے معاون۔

۲؎ آپ وہ ہی عبدا للہ ابن ام مکتوم ہیں جن کے متعلق سورۂ عبس شریف نازل ہوئی آپ اجازت لے کر دولت خانہ میں حاضر ہوئے۔

۳؎ یا تو حضرت عبداللہ کے اندر آتے وقت اندر پہنچنے سے پہلے حضور انور نے یہ حکم دیا یا آپ پہلے داخل ہو گئے داخل ہوتے ہی یہ فرمایا پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پہلے پردہ کرایا جاتا ہے پھر آنے والے کو بلایا جاتا ہے۔

۴؎ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مرد کو حرام ہے کہ اجنبی عورت کو دیکھے، عورت کے لیے اجنبی عورت کو دیکھنا حرام نہیں، اور حضرت عبداللہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھتے نہیں پھر ہم پردہ کیوں کریں۔

۵؎ جواب عالی کا مقصد یہ ہے کہ عورت و مرد پر دو طرفہ پردہ واجب ہے کہ نہ تو مرد اجنبی عورت کو دیکھے نہ اجنبی عورت مرد کو۔ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء کا فرمان ہے کہ عورت بھی اجنبی مرد کو نہیں دیکھ سکتی، بعض نے فرمایا کہ دیکھ سکتی ہے ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشیوں کا کھیل دکھایا، اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود پردہ ہو کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے کہ کوئی مرد تو آپ کو نہ دیکھ سکا، مگر آپ حبشیوں اور ان کے کھیل کو دیکھتی رہیں، یہ کھیل دکھانے کا واقعہ ۷ھ میں ہوا جب کہ جناب عائشہ کی عمر شریف سولہ سال تھی اور پردہ کا حکم آچکا تھا، نیز نماز جماعت میں عورتوں کو حاضری کا حکم تھا مردوں سے علیحدہ ہو کر نماز پڑھتی تھیں مردوں سے پیچھے رہتی تھیں کہ مرد تو ان کو نہ دیکھ سکتے تھے مگر بیویاں یقینًا اپنے سے آگے کے مردوں کو دیکھ سکتی تھیں لہذا حق یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان احتیاط کے لیے یہ تمام تحقیق ان پاک باز کے متعلق ہے جہاں بے حیائی کا خیال بھی نہ پیدا ہو، لیکن اگر اس کا خدشہ ہو تو عورت کا مردوں کو دیکھنا بھی سخت حرام ہے۔ (از لمعات، و مرقات، واشعہ مع زیادۃ)

روایت ہے حضرت بہزابن حکیم سے وہ اپنے والد سے	

وہ اپنے دادا سے راوی[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے ستر چھپاؤ،سوائے اپنی بیوی یا مملوکہ لونڈی کے[2] میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے کہ جب مرد تنہا ہو فرمایا کہ اللہ حق دار ہے کہ اس سے شرم کی جائے[3] (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)[4]	

[1] یہ بہز اوران کے والد حکیم دونوں تابعی ہیں،ہاں بہز کے دادا معاویہ ابن عیدہ صحابی ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بصرہ میں رہے،خراسان میں وفات پائی،یہاں جدہ کا مرجع بہز ہیں یعنی حکیم نے اپنے والد جو بہز کے دادا ہیں،ان سے روایت کی لہذا حدیث متصل ہے(اشعہ)

[2] صحیح یہ ہے کہ یہاں حفاظت سے مراد بے پردگی سے حفاظت ہے یعنی اپنی بیوی اور مملوکہ لونڈی سے تو پردہ نہیں باقی تمام سے ستر چھپانا واجب ہے اس کی مؤید وہ آیت کریمہ ہے"وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوٰجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمٰنُہُمۡ"۔معلوم ہوا کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہوسکتے ہیں

[3] یعنی اللہ تعالٰی اپنے بندہ کا برہنہ ہونا پسند نہیں کرتا اور وہ تو تم کو برہنگی کی حالت میں دیکھ رہا ہے لہذا اس کے فرمان کی مخالفت سے شرم کرو۔حدیث کا مقصد یہ نہیں کہ رب تعالٰی کپڑے پہنے ہوئے کا ستر نہیں دیکھتا کپڑا اس کے لیے آڑ بن جاتا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلاوجہ برہنہ نہ رہے۔

[4] یہ حدیث احمد،بیہقی،حاکم وغیرہم نے بھی کچھ فرق سے روایت فرمایا۔

روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان بھی ہوتا ہے[1] (ترمذی)	

[1] یعنی جب کوئی شخص اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے خواہ دونوں ہی کیسے پاکباز ہوں اور کسی مقصد کے لیے جمع ہوں شیطان دونوں کو برائی پر ضرور ابھارتا ہے اور دونوں کے دلوں میں ضرور ہیجان پیدا کرتا ہے،خطرہ ہے کہ زنا واقع کرادے اس لیے ایسی خلوت سے بہت ہی احتیاط چاہیے۔گناہ کے اسباب سے بھی بچنا لازم ہے بخار روکنے کے لیے نزلہ و زکام روکو۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جن عورتوں کے خاوند غائب ہوں ان کے پاس نہ جاؤ[1] کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے خون کے دوران کے ساتھ گردش کرتا ہے[2] ہم نے عرض کیا یارسول اللہ اور آپ کے بھی[3] فرمایا	

میرے بھی لیکن اللہ نے مجھے اس پر مدد دی چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا ۴؎(ترمذی)	

۱؎یعنی ان اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بہت ہی بچو،جن کے خاوند پردیس میں ہیں،یہ قید اس لیے لگائی کہ خاوند والی عورت لذت جماع سے واقف ہے اور خاوند کی غیر موجودگی سے اس کی شہوت غالب ہے،ایسی عورت کے لیے ادنی محرک بھی خطرناک ہے،مٹی کے تیل میں بھیگی ہوئی روئی اور پیٹرول دور سے آگ لے لیتے ہیں۔

۲؎یعنی عورت مرد دونوں کے رگ رگ میں شیطان اثر کرتا ہے جیسے خون اور جیسے خون نظر نہیں آتا مگر جسم میں گردش کرتا ہے یوں ہی شیطان نظر نہیں آتا مگر اپنا کام کیے جاتا ہے،چھپا دشمن کھلے دشمن سے زیادہ خطرناک ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"۔

۳؎صحابہ کرام سمجھے تھے کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان کے پاس شیطان پھٹکتا بھی نہیں ہوگا اس لیے یہ سوال کیا جواب میں بتادیا گیا کہ عصمت شیطان کے آجانے کے خلاف نہیں شیطان معصوموں کے پاس بھی پہنچ جاتا ہے۔

۴؎یہاں اس سے مراد قرین شیطان ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اسلم کے یہ ہی معنی ٹھیک ہیں کہ وہ اسلام لے آیا اب وہ میری اطاعت ہی کرتا ہے،یعنی میرا قرین شیطان میری صحبت کی برکت سے مسلمان ہوگیا۔سبحان اللہ! پارس کے پاس رہنے سے لوہا سونا بن جاتا ہے نبی کے ساتھ رہنے سے شیطان مسلمان بن گیا گویا اس کی حقیقت ہی بدل گئی۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضرت صدیق وفاروق سایہ کی طرح حضور کے ساتھ رہنے کے باوجود مؤمن نہ ہوسکے،ارے حضور کی صحبت تو حقیقت بدل دیتی ہے۔بعض لوگوں نے اسے اُسَلَّم پڑھا ہے مضارع مجہول متکلم یعنی میں اس کے شر سے محفوظ و سلامت رکھا جاتا ہوں مگر پہلے معنی بہت ہی قوی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جناب فاطمہ کے پاس ایسے غلام کے ساتھ تشریف لائے جو آپ انہیں بخش چکے تھے ۱؎اور جناب فاطمہ پر ایسا کپڑا تھا کہ جب اس سے سر ڈھکتیں تو پاؤں تک نہ پہنچتا اور جب اس سے اپنے پاؤں ڈھانپتیں تو آپ کے سر تک نہ پہنچتا اور ۲؎جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دشواری دیکھی جو آپ پا رہی تھیں تو فرمایا کہ تم پر کوئی حرج نہیں یہ آنے والے تمہارے والد ہیں اور تمہارے غلام ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎بِعَبْدٍ کی ب مصاحبت کی ہے بمعنی ساتھ،اس غلام کا نام معلوم نہ ہوسکا،حضور نے یہ غلام حضرت فاطمہ کو پہلے ہی دیا تھا،آج دینے کے لیے تشریف نہ لائے تھے جیسا کہ وَهَبَهٗ ماضی سے معلوم ہوا۔

۲؎ یعنی اس وقت آپ کے پاس صرف دوپٹہ یا چادر تھی وہ بھی اتنی چھوٹی جو بیک وقت سرو پاؤں نہیں چھپا سکتی۔
۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع اس غلام کے دروازے پر کھڑے تھے داخلہ کی اجازت مانگی جواب میں دیر ہوئی تب تحقیق فرمانے پر جناب فاطمہ کا یہ تکلف معلوم ہوا تب یہ فرمایا۔فرمان عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تمہارے والد ہیں اور یہ دوسرا تمہارا مملوک غلام ان دونوں سے تمہارا پردہ نہیں سر کھلا رہنے دو اور ہم کو آنے کی اجازت دے دو۔اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ جیسے مولیٰ سے لونڈی پر پردہ لازم نہیں ایسے ہی مملوک غلام سے مالکہ پر پردہ واجب نہیں مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالغ خادم اپنی مالکہ کیلیے اجنبی مرد کی طرح ہے کہ اس سے پردہ واجب ہے،اگرچہ غلام خصی ہی ہو،امام شافعی کا یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ یہ غلام نابالغ اور غیر محل شہوت تھا،عربی میں غلام نابالغ بچے کو کہتے ہیں،جس پر قرآن مجید و احادیث و لغت کی کتب گواہ ہیں۔خیال رہے کہ نابالغ اور اپنے محرم غلام سے پردہ نہیں اور آیت "مَا مَلَكَتْ اَيْمٰنُهُمْ" میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ہاں لونڈیاں مراد ہیں۔(از مرقات و اشعہ)خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں بالغ غلام اپنی مولاۃ مالکہ کے لیے اجنبی مرد کی طرح ہے کہ اس کا چہرہ ہاتھ پاؤں ضرورۃً دیکھ سکتا ہے،مگر امام شافعی کے ہاں محرم کی طرح ہے کہ اس کا سر بازو پنڈلی بھی دیکھ سکتا ہے یہاں حضرت فاطمہ کے سر شریف کا ذکر ہے اس لیے وہ اس سے دلیل پکڑتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے اور گھر میں ایک ہیجڑا تھا ۱؎ عبداللہ ابن امیہ جو جناب ام سلمہ کے بھائی ہیں سے کہہ رہا تھا کہ اے عبداللہ کہ کل اگر اللہ تمہیں طائف کی فتح دے ۲؎ تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی کا پتا دیتا ہوں ۳؎ جو آتی ہے چار سے اور جاتی ہے آٹھ سے ۴؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ ہر گز تمہارے پاس نہ آیا کریں ۵؎ (بخاری،مسلم)	

۱؎ مخنَّث نون کے فتح سے بھی پڑھا جاتا ہے اور نون کے کسرہ سے بھی۔مخنث وہ ہے جو حرکات و سکنات،گفتار و رفتار میں عورتوں کی طرح ہو اگر قدرتی یہ حالت ہو تو وہ گنہگار نہیں اور اگر مرد ہے مگر عورت کی شکل بناتا ہے تو بفرمان حدیث ملعون ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد بننے والی عورتوں پر اور عورت بننے والے مردوں پر لعنت فرمائی،یہ قدرتی مخنث تھا۔حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے سمجھا کہ یہ غیر اُولِی الاربہ میں داخل ہے جن سے پردہ نہیں اس

لیے اسے گھر میں آنے کی اجازت دے دی حضور انور نے اس کی یہ گفتگو سن کر اسے غیر اُولِی الاربہ میں داخل نہ فرمایا اس مخنث کا نام ماطغ یا ہیت تھا۔

۲؎ کل سے مراد آئندہ زمانہ ہے یہ واقع فتح طائف سے پہلے کا ہے جب طائف پر حملہ ہونا والا تھا اور فتح طائف سے مراد قلعہ طائف کا فتح کرنا ہے۔

۳؎ غیلان طائف کے ایک شخص کا نام تھا اس کی اس بیٹی کا نام بادیہ تھا یہ فتح طائف کے بعد حضرت عبدالرحمان ابن عوف کے نکاح میں آئی۔(اشعہ)

۴؎ یعنی وہ لڑکی اتنی موٹی ہے کہ موٹاپے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں یعنی بلٹیں ہیں جسے عربی میں عکنہ کہتے ہیں جب سامنے آتی ہے تو چاروں بلٹیں پوری نظر آتی ہیں اور جب پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو ان چاروں بلٹوں کے دو طرفہ کنارے نظر آتے ہیں ہر سلوٹ و بلٹ کے چار کنارے تو دو کے آٹھ ہوئے عموماً مرد موٹی عورت کو پسند کرتے ہیں اس لیے وہ مخنث اس کی موٹائی بیان کررہا ہے۔

۵؎ اس حکم سے پہلے خنثوں یعنی ہیجڑوں کا گھروں میں آنا ممنوع نہ تھا کیونکہ یہ عورت کے قابل نہیں ہوتے جیسے بہت چھوٹے لڑکے یا بہت بوڑھے مرد یا خصی یا مجبوب (ذکر کٹا ہوا) مگر آج پتہ لگا کہ ہیجڑوں کا گھروں میں آنا فساد کا باعث ہے جیسے وہ دوسری عورتوں کا ذکر ہم سے کرتے ہیں ہماری عورتوں کا ذکر دوسروں سے ضرور کریں گے،اس لیے ان کو مسلمانوں کے گھروں سے روک دیا گیا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ خصی مجبوب(ذکر کٹا) بلکہ آوارہ بدمعاش عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں کہ مؤمنہ عورتیں ان سے پردہ کریں ان کا فساد مردوں کے فساد سے بھی زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا تو میرے چلنے کی حالت میں میرا کپڑا اتر گیا میں اسے لے نہ سکا ۲؎ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مجھ سے فرمایا اپنے پر کپڑا لے لو اور ننگے نہ چلو ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے،زہری ہیں،قرشی ہیں عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھانجہ ہیں ۲ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور بقر عید ۸ھ میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوئے شہادت عثمان تک مدینہ پاک ہی رہے اس کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے،امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید ابن معاویہ کی بیعت سے انکار کردیا جب یزید نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کرکے کعبہ معظمہ پر پتھر برسائے تو آپ کے ایک پتھر لگا اس سے حطیم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا یہ واقعہ ربیع الاول ۶۴ھ میں ہوا۔

۲؎ یعنی کسی واقعہ پر مجھے پتھر اٹھانا پڑا صرف تہبند بندھا تھا وہ گر گیا جس سے آپ بالکل برہنہ ہوگئے ہاتھ گرے ہوئے تھے،اس لیے آپ تہبند نہ اٹھا سکے۔

۳؎ عراۃ عاری کی جمع ہے اور قاضی کی قضاۃ ناجی کی نجاۃ یہ حکم عام ہے کہ کوئی باہوش شخص اگرچہ بالغ نہ ہو ننگا نہ رہے نہ پھرے ستر ڈھانپنا فرض ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کبھی نہ دیکھا ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ بعض روایات میں ہے کہ نہ میں نے حضور کی کبھی شرمگاہ دیکھی نہ حضور نے میرا ستر کبھی دیکھا یہ ہے اس سید المحبوبین کی شرم و حیاء۔خیال رہے کہ زوجین ایک دوسرے کے شرمگاہ دیکھ سکتے ہیں یہ دیکھنا زیادتی شہوت کا باعث ہے اس میں شرعًا کچھ حرج نہیں مگر اس سے نگاہ کمزور ہوتی ہے نیز یہ عمل اعلیٰ قسم کی شرم کے خلاف ہے اس لیے حضور کا اس پر عمل رہا ۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ بوقت صحبت دونوں کے بالکل ننگے ہونے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر صحبت کرنے سے اولاد بے شرم پیدا ہوتی ہے اور صحبت کی حالت میں باتیں کرنے سے اندیشہ ہے کہ اولاد گونگی ہو حضور کے اعمال شریف میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی مسلم نہیں جو اچانک کسی عورت کی خوبیاں پہلی بار دیکھے تو فورًا اپنی نگاہ نیچے کرلے ۱؎ مگر اللہ اسے ایسی عبادت دیتا ہے جس کی وہ لذت پاتا ہے ۲؎(احمد)

۱؎ یعنی اگر کسی مرد کی نظر اجنبی عورت کے حسن و جمال یا زیور و لباس پر اچانک پڑ جائے اس کا دل چاہے کہ دیکھتا رہے مگر خوف خدا سے دل کو مارے نگاہ نیچی کرے۔

۲؎ یعنی اس صبر اور دل کو روکنے کی برکت سے خدا تعالٰی اسے کسی عبادت کی لذت نصیب فرمائے گا یا نماز کی یا روزے کے یا حج و زیارت کی ۔خیال رہے کہ کھانا وغیرہ کی طرح عبادات میں بھی مختلف لذتیں ہیں جسے محسوس کرنے کے لیے باطنی حواس درست چاہئیں،یہ عمل اس درستی حواس کے لیے بہت ہی مفید ہے رب تعالٰی عمل کی توفیق بخشے اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو رب تعالٰی اسے انہیں عبادتوں میں لذت بخشے گا یا کسی اور نئی عبادت کی توفیق دے گا جیسے جہاد وغیرہ اور پھر اس کی لذت بھی نصیب فرمائے گا۔

	روایت ہے حضرت حسن سے ارسالًا ۱؎ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ لعنت کرے دیکھنے والے پر اوراس پر جو دیکھی جائے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ حسن سے مراد خواجہ حسن بصری ہیں چونکہ آپ تابعی ہیں اور صحابی کا نام آپ نے لیا نہیں اس لیے حدیث مرسل ہوئی اور آپ کی یہ نقل ارسال،احناف کے ہاں ثقہ کا ارسال معتبر ہے۔

۲؎حدیث میں کسی قدر اجمال ہے مطلب یہ ہے کہ جو مرد اجنبی عورت کو قصدًا بلا ضرورت دیکھے اس پر بھی لعنت ہے اور جو عورت قصدًا بلا ضرورت اجنبی مرد کو اپنا آپ دکھائے اس پر بھی لعنت غرضکہ اس میں تین قیدیں لگانی پڑیں گی اجنبی عورت کو دیکھنا بلا ضرورت دیکھنا قصدًا دیکھنا۔

باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ

نکاح میں ولی کا بیان اور عورت سے اجازت لینے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ولی بمعنی متولی ہے یہاں ولی سے مراد وہ ہے جو عزیز قریبی لڑکی کے نکاح کا متولی و منتظم ہو،احناف کے نزدیک نابالغہ کا نکاح بغیر ولی کی اجازت کے نہیں ہوسکتا،نیز نابالغہ کے لیے ولی کو جبر کا حق ہے کہ جہاں چاہے اس کا نکاح کردے۔بالغہ لڑکی کے لیے نکاح میں اجازتِ ولی مستحب ہے شرط نہیں،نیز بالغہ پر ولی کو جبر کا حق نہیں بالغہ خواہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ ہاں دیوانی بالغہ اور لونڈی کے نکاح کے لیے ولی یا مالک کی اجازت شرط ہے،نیز ان دونوں پر ولی و مالک کوجبر کا حق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے اجازت لے لی جائے ۱؎اور کنواری کا نکاح اس کی بلا اجازت نہ کیا جائے ۲؎لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کنواری کی اجازت کیسی ہے فرمایا اس کی خاموشی ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎عربی میں اَیِّمْ بے خاوند والی عورت کو کہتے ہیں،کنواری ہویا بیوہ یا مطلقہ،مگر یہاں بیوہ یا مطلقہ مراد ہے کیونکہ کنواری کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎خلاصہ فرمان عالی یہ ہے کہ بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح اس کے بغیر اجازت نہیں ہوسکتا،خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ،بیوہ یا مطلقہ،عاقلہ بالغہ اپنے نفس کی مختار ہے کوئی ولی اس پر جبر نہیں کرسکتا۔

۳؎یعنی عاقلہ بالغہ کے نکاح میں اس کی اجازت ضروری ہے مگر نوعیت اجازت میں فرق ہے،کنواری کی خاموشی یا آنسوؤں سے رونا ہی اجازت ہے۔بشرطیکہ ولی یا ولی کا وکیل اجازت لے اور بیوہ یا مطلقہ میں صاف اجازت دینا ضروری ہے،خیال رہے کہ احناف کے ہاں بلوغ و صغر کا اعتبار ہے اور شوافع کے ہاں باکرہ و ثیبہ ہونا معتبر ہے،یعنی بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہو خواہ شادی شدہ اس کے نکاح کے لیے اجازت شرط ہے۔نابالغہ بچی کا ولی ہی نکاح کرسکتا ہے اس کی اپنی اجازت شرط نہیں خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔یہ بھی خیال رہے کہ جو لڑکی بیماری یا زیادتی حیض یا زنا کی وجہ سے ثیبہ ہوگئی وہ باکرہ ہی ہے کہ اس کی خاموشی ہی اجازت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے فرمایا بے خاوند والی عورت اپنے نفس کے مقابل اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے[1] اور کنواری سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے[2] ایک اور روایت میں ہے کہ شادی شدہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اجازت لی جائے اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے اور ایک روایت میں فرمایا شادی شدہ اپنے نفس کے بمقابلہ اپنے ولی کے بہت حقدار ہے،اور کنواری سے اس کا باپ اجازت لے گا اس کے نفس کے متعلق اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے،[3] (مسلم)[4]

[1] یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ بے خاوند والی بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ اپنے نفس کی مختار ہے کہ اگر اس کا ولی کسی اور سے اس کا نکاح کردے اور یہ خود کسی دوسرے سے نکاح کرے تو اس کا اپنا کیا ہوا نکاح معتبر ہوگا نہ کہ ولی کا کیا ہوا نکاح۔معلوم ہوا کہ عاقلہ بالغہ کے نکاح کے لیےاجازت ولی شرط نہیں اس کے بغیر بھی ہوسکتا ہے،جیسا کہ من ولیھا سے معلوم ہوا۔

[2] یہاں باکرہ کا ذکر علیحد ہ فرمانا اس حکم کو بیان کرنے کے لیے ہے یعنی باکرہ و ثیبہ کے حکم میں صرف یہ کہ باکرہ کی خاموشی اجازت ہے اور ثیبہ کی نہیں اسے صاف الفاظ میں اجازت دینا ہوگی،باقی مختار ہونے میں دونوں برابر ہیں یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے۔

[3] خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث بہت سی روایات سے مروی ہے جن کے الفاظ میں قدرے فرق ہے مگر معنی و منشاء سب کا یکساں ہے وہ یہ کہ عاقلہ بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ،خواہ طلاق والی اپنے نفس کی مختار ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا،اور اس کے نکاح کے لیے ولی شرط نہیں اور باکرہ کی خاموشی اس کی اجازت ہے مگر خاموشی اس وقت اجازت مانی جائے گی جب کہ اذن لینے والا اس کا ولی یا ولی کا وکیل ہو اور دولہا کا نام پتہ وغیرہ بتا کر اجازت مانگی جائے جس سے اسے دولہا کاپورا پتہ لگ جائے اگر ان میں سے کوئی چیز کم رہی تو خاموشی اجازت نہ ہوگی۔

[4] نیز یہ حدیث احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت سے مرفوعًا نقل کی البتہ الفاظ میں کچھ فرق ہے(مرقات)

	روایت ہے حضرت خنساء بنت خذام[1] سے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کردیا جب کہ وہ شادی شدہ تھی انہوں نے یہ نکاح ناپسند کیا[2] تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے اس کا

	نکاح رد کردیا۳(بخاری)اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اس کے باپ کا کیا ہوا نکاح رد کیا۔

۱آپ کا نام خنساء بنت خذام ابن خالد ہے،انصاریہ ہیں،اسدیہ ہیں،صحابیہ ہیں۔حق یہ ہے کہ ان کے والد کا نام خذام نقطہ والی ذال سے ہے،نہ کہ دال سے۔

۲یعنی وہ بالغہ تھیں پہلے ان کا نکاح ہوچکا تھا،بیوہ یا مطلقہ تھیں۔اب والد نے ان کی ناپسندیدگی کے باوجود نکاح کردیا۔

۳خیال رہے کہ مذہب حنفی میں بالغہ پر ولی کو جبر کا حق نہیں خواہ کنواری ہو یا بیوہ اور مذہب شافعی میں ثیبہ پر ولی کو حق جبر نہیں،خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہمارے ہاں اس ردنکاح کی وجہ لڑکی کا بلوغ تھا اور شوافع کے ہاں اس کا ثیبہ ہونا لہذا یہ حدیث نہ ہمارے خلاف ہے نہ شوافع کے چونکہ حضرت خنساء نکاح کا انکار کرچکی تھیں اس لیے حضور انور نے نکاح رد فرما دیا ورنہ اگر یہ خاموش رہی ہوتیں تو انہیں اختیار ملتا کہ نکاح جائز رکھیں یا رد کردیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب وہ سات سال کی لڑکی تھیں ۱اور رخصت ہوئیں جب وہ نو۹ برس کی لڑکی تھیں،ان کے کھلونے ان کے ساتھ تھے۲اور حضور نے انہیں چھوڑ کر وفات پائی وہ جب ۱۸ سال کی تھیں ۳(مسلم)

۱یعنی چھ سال کی ہو کر ساتویں سال میں داخل ہوچکی تھیں لہذا یہ روایت ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی مذکور ہے بہرحال آپ اس وقت بالغہ نہ تھیں۔معلوم ہوا کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح ولی کرسکتا ہے۔نکاح کے لیے بلوغ شرط نہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ الّٰٓیِٔۡ یَئِسۡنَ مِنَ الْمَحِیۡضِ"یعنی جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور انہیں طلاق ہوجائے تو ان کی عدت تین ماہ ہے اگر بچی نابالغہ کا نکاح درست نہ ہوتا تو اسے طلاق کیسی اور اس کی عدت تین ماہ کیسی آج بعض منکرین حدیث نابالغہ لڑکی کے نکاح کا انکار کرتے ہیں ان کا یہ انکار صریحی آیت قرآنی کے خلاف ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح چھ سال کی عمر میں حدیث متواتر سے ثابت ہے،حضرت قدامہ ابن مظعون نے زبیر کی بیٹی کا نکاح تمام صحابہ کی موجودگی میں اسی دن کیا جس دن وہ پیدا ہوئی،نابالغ بچوں کے نکاح کے جواز پر تمام امت متفق ہے اور نابالغہ بالغ ہو کر باپ دادا کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کرسکتی باقی اولیاء کا کیا ہوا نکاح فسخ کرسکتی ہے۔(مرقات)بعض حالات میں نابالغ اولاد کا نکاح کرنا ضروری ہوجاتا ہے باپ قریب موت ہے اور بچی چھوٹی ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اس کا زندگی میں نکاح کرجاؤں تاکہ میرے بعد یہ یتیمہ دھکے نہ کھائے اور میری روح کو تکلیف نہ ہو،غرض کہ اس اجازت میں صدہا حکمتیں ہیں۔

۲غالب یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین اس وقت بالغہ ہوچکی تھیں لڑکی کی کم ازکم عمر نو برس ہے اور اگر قریب بلوغ بھی ہو تب بھی رخصتی ہوسکتی ہے۔اس حدیث کی بنا پر علماء نے فرمایا کہ بچیوں کو گڑیاں اور کھلونوں سے کھیلنا جائز ہے

گڑیوں سے اسے سینا پرونا،امور خانہ داری کا طریقہ آجاتا ہے اگر کھلونوں اور گڑیوں کے آنکھ ناک نہ ہوں تب تو اس کے جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

۳؎ یعنی حضرت ام المؤمنین نو برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھار سال کی تھی اور ترپین(۵۳)سال کی عمر میں وفات ہوئی، ۵۷ھ میں پینتیس سال اسی طرح گزارے کہ نہ حضور کی میراث پائی نہ رہنے کو گھر ملانہ کسی سے نکاح جائز۔یہ ہے حضرت صدیق کی قربانی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا بغیر ولی نکاح نہیں ۱؎(احمد ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں عورت کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط ہے عورت بالغہ ہویا نابالغہ ہمارے ہاں نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح میں ولی شرط ہے،بالغ کے لیے نہیں یہ حدیث ظاہری معنی میں امام شافعی کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بالغ لڑکے کا نکاح بغیر ولی جائز مانتے ہیں یہاں لڑکے یا لڑکی کی قید نہیں۔ہمارے امام صاحب کے ہاں اس حدیث میں نابالغ یا مجنون یا لونڈی غلام مراد ہیں یا یہاں نفی استحباب ہے یعنی بغیر ولی لڑکے لڑکی کا نکاح بہتر نہیں۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں نیز ظاہری معنی سے یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہوگی کہ رب تعالٰی نے فرمایا:"فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوٰجَهُنَّ"عورتیں اپنے خاوندوں سے نکاح کریں تو تم انہیں نہ روکو،اور گزشتہ مسلم کی حدیث کے بھی خلاف ہوگی کہ الایم احق بنفسہا من ولیہا۔(مسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،مالک)لہذا امام اعظم کی توجیہ نہایت ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت بغیر اجازت ولی اپنا نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے ۱؎ لیکن اگر مرد نے اس سے صحبت کرلی تو اسے مہر ملے گا،اس کے عوض کہ اس نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا ۲؎ پھر اگر اولیاء اختلاف کریں تو بادشاہ اس کا ولی ہے،جس کا کوئی ولی نہیں ۳؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی) ۴؎	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی طرح ضعیف و مضطرب ہے چنانچہ اس حدیث سے عائشہ صدیقہ کا امام زہری نے انکار فرمایا دیکھو طحاوی،ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے اس حدیث کے متعلق پوچھا انہوں نے اس سے انکار کیا۔(مرقاۃ)امام احمد نے بھی اس حدیث کی صحت کا انکار کیا۔(اشعہ)اگر صحیح مان بھی لی جائے تو عورت سے مراد لونڈی یا دیوانی عورت مراد ہے یا وہ صورت مراد ہے کہ عورت غیر کفو میں بغیر اجازت ولی نکاح کرے کہ یہ نکاح درست نہیں ورنہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہوگی اور گزشتہ حدیث مسلم کے بھی، رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ"یعنی طلاق والی سے نکاح خاوند اولیٰ نہ کرے حتی کہ یہ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ بہرحال مذہب حنفی اس بارے میں بہت قوی ہے،جب آزاد عورت اپنے مال کی مختار ہے تو اپنے نفس کی بھی مختار ہے۔

۲؎ یعنی ایسے نکاح کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند اس سے صحبت کرلے پھر قاضی ان دونوں کی علیحدگی کا حکم دے تو اسے مقرر شدہ مہر یا مہر مثل ملے گا۔معلوم ہوا کہ یہاں باطل سے مراد فاسد ہے کہ نکاح فاسد کا یہ ہی حکم ہے کہ حاکم تفریق کرادے گا مگر صحبت ہوچکنے کی صورت میں عورت کو مہر ملے گا،نکاح فاسد و باطل کا فرق اور ان کے احکام ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یعنی اگر کسی عورت کے نکاح میں ایک درجہ کے اولیاء مختلف ہوں کہ کوئی ولی کہیں نکاح کرنا چاہے دوسرا ولی کہیں اور، جیسے عورت کے چند بھائی یا چند چچا ولی ہوں اور یہ اختلاف واقع ہو تو پھر حاکم وقت سلطان یا سلطان کا مقرر کردہ حاکم ولی ہوگا وہ جہاں چاہے نکاح کرے کیونکہ اولیاء کا اختلاف ان کو کالعدم بنادیتا ہے اور جس کا ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے،اس کا ولی بھی سلطان ہوگا۔

۴؎ اسے نسائی حاکم نے بھی روایت کیا اور طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورتیں زانیہ ہیں جو اپنا نکاح بغیر گواہوں کے کرلیں ۱؎ اور زیادہ درست یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ بغایا باغیۃ کی جمع ہے اور باغیہ بغاء سے بنا بمعنی زنا یعنی جو عورت کسی سے تنہائی میں بغیر گواہ نکاح کرلے تو یہ نکاح درست نہیں اور صحبت زنا کی طرح حرام ہوگی کیونکہ نکاح کے لیے دو گواہ شرط ہیں اسی پر تمام صحابہ و تابعین بلکہ تمام مسلمین کا اتفاق ہے کہ بغیر گواہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔(مرقات و لمعات)

۲؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کا اپنا قول ہے مگر ایسی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کہ یہ بات صحابی اپنے اجتہاد سے نہیں فرماتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرماتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یتیم لڑکی سے اس کی جان	

	کے بارے میں اجازت لی جائے ۱؎ پھر اگر وہ خاموش رہے تو وہ ہی اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کردے تو اس پر جبر نہیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یہاں یتیمہ سے مراد بالغہ کنواری لڑکی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوٰلَهُمْ" یہاں بالغوں کو یتیم فرمایا گیایعنی جو پہلے یتیم تھی۔

۲؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا ہاں کنواری کی خاموشی یا صرف آنسوؤں یا باریک آواز سے رونا اجازت ہے بشرطیکہ اجازت لینے والا ولی یا ولی کا وکیل ہو۔خیال رہے کہ ثیبہ نابالغہ کا نکاح اگر دادا کردے تو نکاح درست بھی ہے اور لازم بھی کہ لڑکی بالغہ ہو کر فسخ نہیں کرسکتی اور اگر دادا کے سوا کوئی اور قریبی ولی کر دے تو نکاح درست تو ہے مگرلازم نہیں لڑکی بالغ ہو کر فسخ کرسکتی ہے،فسخ کے لیے شرط یہ ہے کہ علامت بلوغ دیکھتے ہی فسخ کرے اور حاکم سے فیصلہ کرائے۔

	نسائی اور دارمی نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱؎ امام شافعی و احمد کے ہاں غلام کا نکاح بغیر مولیٰ کی اجازت کے منعقد ہی نہیں ہوتا لہذا اگر بعد میں مولیٰ اجازت بھی دے دے تب بھی درست نہیں مگر امام اعظم اور امام مالک کے ہاں نکاح مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے،اگر جائز رکھے تو جائز ورنہ باطل جیسے نکاح فضولی کا حکم ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مالک کے انکار کے باوجود غلام نکاح کرے تو نکاح باطل ہے اور وطی حرام،یا مالک کی اجازت سے پہلے وطی درست نہیں جیسے تمام موقوف نکاحوں کا حکم ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کردیا حالانکہ وہ ناپسند کرتی تھی ۲؎ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دے دیا ۳؎(ابوداؤد) ۴؎

۱؎وہ لڑکی بالغہ تھی،جیسا کہ آئندہ مضمون سے معلوم ہوتا ہے بعض شارحین نے کہا کہ وہ خنساء بنت خذام تھیں جن کا واقعہ پہلے گزر چکا مگر یہ درست نہیں کہ وہ کنواری نہ تھیں۔یہ لڑکی کنواری ہے،بعض نے فرمایا کہ اس لڑکی کا نام والفہ ہے۔واللہ اعلم

۲؎صورت یہ تھی کہ باپ نے اس لڑکی سے پوچھے بغیر نکاح کردیا لڑکی دل سے ناراض تھی بوقت نکاح لڑکی نے انکار نہ کیا تھا،ورنہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور لڑکی کو اختیار نہ ملتا لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎یعنی وہ نکاح تیری رضا پر موقوف ہے اگر تو چاہے تو جائز رکھ اور چاہے فسخ کردے۔اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ لڑکی پر باپ وغیرہ جبر نہیں کرسکتے اگر اس سے بغیر پوچھے نکاح کردیں گے تو نکاح فضولی ہو گا لڑکی جائز رکھے یا نہ،ہمارے ہاں اس اختیار کی وجہ لڑکی کا بلوغ تھا امام شافعی کے ہاں اس کا باکرہ یعنی کنواری ہونا۔

۴؎یہ حدیث،احمد،نسائی،ابن ماجہ نے بھی نقل کی ابن قطان کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ایک عورت دوسری عورت کا نکاح کرے ۱؎اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے ۲؎کیونکہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کرے ۳؎ (ابن ماجہ)	

۱؎یعنی مرد ولی کے ہوتے ہوئے عورت لڑکی کی ولیہ نہیں وہ نکاح نہ کرائے لہذا باپ یا دادا یا بھائی یا چچا وغیرہم کے ہوتے ہوئے ماں خالہ وغیرہ ولیہ نہیں،بلکہ وہ لوگ ولی ہیں یا یہ حکم استحبابی ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ عورت لڑکی کا نکاح نہ کرے بلکہ اگر کوئی ولی نہ ہو تو حاکم وقت کی رائے سے نکاح کیا جائے ورنہ مرد ولی کے نہ ہونے پر ماں خالہ وغیرہ ولیہ ہوتی ہیں کہ نابالغہ کا نکاح ان کی اجازت سے درست ہے۔

۲؎یعنی بغیر گواہ اکیلے میں نکاح نہ کرے یا غیر کفو میں نکاح نہ کرے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا،اس پر فتویٰ ہے دیکھو درمختار۔یہ مطلب نہیں کہ بالغہ بغیر ولی کے نکاح نہیں کرسکتی،ورنہ وہ خرابیاں لازم ہوں گی جو پہلے عرض کی گئیں۔

۳؎یعنی جو عورت بغیر گواہ یا اولیاء کے ناراض ہونے پر غیر کفو میں نکاح کرلے وہ نکاح درست نہ ہوگا اور صحبت حلال نہ ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے اور ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے بچہ پیدا ہو تو چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے ۱؎اور اسے اچھی تعلیم دے ۲؎پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے ۳؎اگر بچہ بالغ ہو گیا اور اس کا نکاح نہ کیا اس نے کوئی گناہ کرلیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے ۴؎	

۱؎ کیونکہ اچھے نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے،اچھا نام وہ ہے جو بے معنی نہ ہو جیسے بدھوا،تلوا وغیرہ اور فخر و تکبر نہ پایاجائے جیسے بادشاہ،شہنشاہ وغیرہ اور نہ برے معنی ہوں جیسے عاصی وغیرہ۔بہتر یہ ہے کہ انبیاء کرام یا حضور علیہ السلام کے صحابہ عظام،اہلبیت اطہار کے ناموں پر نام رکھے جیسے ابراہیم و اسمٰعیل،عثمان،علی،حسین و حسن وغیرہ عورتوں کے نام آسیہ فاطمہ،عائشہ وغیرہ اور جو اپنے بیٹے کا نام محمد رکھے وہ انشاء اللہ بخشا جائے گا اور دنیا میں اس کی برکات دیکھے گا آج کل بہت واہیات نام رکھے جانے لگے ہیں،مثلًا نسیم اختر،ریحانہ،گلفام وغیرہ۔

۲؎ بقدر ضرورت علم دین ضرور سکھائے دنیاوی علم و ہنر بھی اس قدر ضرور سکھائے کہ بچہ کسی کا محتاج نہ رہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہی ہے کہ نکاح بالغ ہونے پر کرے اگرچہ نابالغ بچے کا بھی نکاح درست ہے۔بالغ بچہ کے عادات وغیرہ معلوم ہوجاتے ہیں،نابالغ کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ کس خصلت اور کس قماش کا ہوگا۔(اشعہ)

۴؎ یہ اس صورت میں ہے کہ بچہ غریب ہو خود نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اور اگر باپ امیر ہو،اولاد کا نکاح کرسکتا ہے،مگر لاپرواہی یا امیر کی تلاش میں نکاح نہ کرے،تب بچہ کے گناہ کا وبال اس لاپرواہ باپ پر ہوگا۔(مرقات)کیونکہ باپ کی کوتاہی اس کے گناہ کا سبب ہے،خیال رہے کہ یہاں **انما** جبلی گناہ کے حصر کے لیے ہے نہ کہ کسبی گناہ کے حصر کے لیے یعنی ذریعہ گناہ بننے کا وبال صرف باپ پر ہوگا اگرچہ کسب گناہ کا وبال خود بچہ پر ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض امیروں کی تلاش میں بچے کا نکاح عرصہ تک نہیں کرتے اس سے بدتر یہ ہے کہ اپنی کنواری جوان لڑکیوں کو اسکول و کالج میں اکیلے بھیج دیتے ہیں جس کے برے نتیجے آج آنکھوں کے سامنے ہیں۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب اور انس ابن مالک سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا توریت میں لکھا ہے ۱؎ کہ جس کی لڑکی بارہ برس کی ہوجائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے ۲؎ پھر وہ کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توریت و انجیل سے ان کے احکام سے خبردار ہیں،اگرچہ ان کتب کی زبان عبرانی ہے اور حضور عربی،کیوں نہ واقف ہوں حضور تو جانوروں فرشتوں کی زبانیں بھی جان لیتے ہیں۔

۲؎ یعنی کفو ملتا ہو اور یہ شخص نکاح کردینے پر قادر ہو پھر بھی محض دولتمند کی تلاش میں لاپرواہی سے نکاح نہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رب توفیق دے تو لڑکی کا نکاح بارہ سال کی عمر سے پہلے ہی کردے اب تو پچیس تیس سال تک کی لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں،نہ بی اے لاکھ پتی ملتا ہے نہ نکاح ہوتا ہے رب تعالٰی مسلمانوں کی آنکھیں کھولے۔

۳؎ یعنی اس کا گناہ باپ پر بھی ہے کیونکہ وہ اس کا سبب بنا۔

باب اعلان النکاح والخطبة والشرط

نکاح کا اعلان،خطبہ اور شرط کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎خطبہ خ کے پیش سے نثر والا کلام جس میں حمد و نعت و عظ و نصیحت ہو۔نکاح میں ایجاب و قبول سے پہلے خطبہ پڑھنا سنت ہے،امام شافعی کے ہاں خرید و فروخت کرایہ وغیرہ تمام جائز عقود میں خطبہ سنت ہے۔(اشعہ)خطبہ اعلان پر معطوف ہے اور ہوسکتا ہے کہ نکاح پر معطوف ہو یعنی نکاح کا اعلان اور خطبہ کا اعلان اور ہوسکتا ہے کہ خطبہ خ کے کسرہ سے ہو بمعنی پیغام نکاح۔خیال رہے کہ نکاح کا اعلان سنت ہے،خواہ اس طرح اعلان ہو کہ نکاح جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ علانیہ ہو یا گولے سے یا تاشہ و دف بجا کر۔حق یہ ہے کہ دف و تاشہ بجانا عقد کے وقت،کسی کی آمد کی اطلاع پر،نکاح کے وقت مستحب،بلاوجہ ممنوع ہے۔شرط سے مراد نکاح میں شرائط لگالیناہے،جیسے تفویض طلاق کی شرط یا خاوند کے اپنے سسرال میں رہنے کی شرط وغیرہ۔شرط فاسد سے بیع تو فاسد ہوجاتی ہے مگر نکاح فاسد نہیں ہوتا،شعیب علیہ السلام نے جو موسیٰ علیہ السلام سے شرط لگائی تھی کہ تم آٹھ یا دس سال تک میرا کام کرو یہ شرط نکاح سے پہلی تھی۔

روایت ہے حضرت ربیع بنت معوذ عفراء سے ۱؎فرماتی ہیں جب میری رخصت کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جیسے تم میرے پاس بیٹھے ہو ویسے ہی حضور میرے بستر پر بیٹھ گئے ۲؎تو ہماری بچیاں دف بجانے لگیں اور میرے باپ دادے جو بدر کے دن شہید ہوئے تھے ان کا مرثیہ کہنے لگیں ۳؎کہ جب ان میں سے ایک نے یہ شعر کہا کہ ہم میں وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں ۴؎تو حضور نے فرمایا یہ چھوڑو ۵؎ وہ ہی کہو جو پہلے کہتی تھیں ۶؎(بخاری)	

۱؎عفراء معوذ کی والدہ کا نام ہے صحابیہ انصاریہ ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئیں بہت دراز عمر پائی بڑے درجہ والی بی بی ہیں ربیع کی دادی ہیں۔

۲؎یہ خطاب خالد ابن ذکوان سے ہے جو ربیع سے روایت کررہے ہیں یعنی جیسے تم میرے بستر پر میرے پاس بیٹھے ہو ایسے ہی حضور میرے پاس میرے بستر پر تشریف فرما ہوئے تھے۔ظاہر یہ ہے کہ آپ اس وقت باپردہ ہوں گی اور گھر مہمانوں سے بھرا ہوگا،کیونکہ رخصت کا دن تھا اور اگر بے پردہ بیٹھی ہوں تو یا یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا

ہے یا حضور کی خصوصیات سے ہے کہ عورتوں پر آپ سے پردہ نہیں بہرحال حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔(مرقات و لمعات)

۳؎ یہ بچیاں نابالغہ اور غیر مراہقہ تھیں اور صرف دف بجا کر گاتی تھیں جھانج وغیرہ کوئی باجہ نہ تھا اشعار گندے نہ تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ کناح یا رخصت پر ننھی بچیوں کا ایسا گانا درست ہے

۴؎ یہ شعر نہ تو کسی کافر کا ہے کہ کافر کو حضور کی نعت سے کیا تعلق نہ ان بچیوں کا کہ بچیاں اشعار بنانا نہیں جانتیں یقینًا کسی صحابی کا ہے۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کے علم غیب کے معتقد تھے،حضور کی ازواج پاک نے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد ہم میں سب سے پہلے کون آپ کے پاس پہنچے گی،شہیدوں کی مائیں پوچھتی تھیں کہ میرا بچہ کہاں ہے،کس حال میں ہے ؟ بہرحال صحابہ علم غیب کے معتقد تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاعر کو مشرک یا کافر نہ فرمایا نہ اس شعر کو برا کہا۔

۵؎ کیوں چھوڑ دو یا اس لیے دف اور کھیل کے دوران نعت شریف نہ چاہیے کہ اس میں نعت کی بے ادبی ہے(اشعہ)یا اس لیے کہ مرثیہ کے دوران نعت نہ پڑھو نعت و مرثیہ ملانا اچھا نہیں،یا اس لیے کہ ہمارے سامنے ہماری تعریف کیوں کرتی ہو یا علم غیب کی نسبت ہماری طرف نہ کرو اگرچہ ہم کو رب تعالٰی نے علم غیب دیا مگر ہم کو عالم الغیب وغیرہ نہ کہو۔(ازمرقاۃ) دیکھو عیسی علیہ السلام کو خالق نہیں کہتے مگر قرآن کریم میں ہے:"اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ"الایہ۔غرضکہ اس حدیث میں وہابی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ یہ گیت درست تھے اور ان کا گانا ان بچیوں کے لیے مباح تھا یہ امر اباحت کا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت اپنے انصاری خاوند کے ہاں بھیجی گئی۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ کوئی کھیل نہ تھا کیونکہ انصار کو کھیل پسند ہے ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی انصاری بی بی اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو کر گئیں ان بزرگوں کے نام معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یہاں کھیل سے مراد بچیوں کے گیت ہیں یا بالغہ عورتوں کے پست آواز سے جائز اشعار پڑھنے کی آواز گھر سے باہر نہ آئے اور غیر لوگ نہ سنیں،انہیں کھیل اس لیے کہا گیا کہ باعث سرور ہیں جیسے تیر اندازی گھوڑے بازی اپنی بیوی سے خوش طبعی کو لہو فرمایا گیا۔حرام کھیل تماشے گانے باجے مراد نہیں لہذا چکڑالوی اس پر اعتراض نہیں کرسکتے۔معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر گیت انصار کو پہلے سے ہی پسند تھے اس پسندیدگی پر اعتراض نہ کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ پسندیدگی بری نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیااور زفاف بھی۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی	

	بیوی مجھ سے زیادہ محبوبہ تھی ۲؎(مسلم)

۱؎اہل عرب شوال کے مہینہ میں نکاح یا رخصتی منحوس جانتے تھے اور کہتے تھے کہ اس مہینہ کا نکاح کامیاب نہیں ہوتا میاں بیوی کے دل نہیں ملتے۔کہتے تھے کہ شوال بنا ہے شول سے جس کے معنی ہیں مٹانا دور کرنا، زمین پر کھینچنا آپ ان کے اس خیال کی تردید فرمارہی ہیں،بعض روافض بھی دو عیدوں کے درمیان اور محرم میں نکاح کو منحوس مانتے ہیں یہ سب وہم باطل ہے۔(مرقات)

۲؎مقصد یہ ہے کہ میرا تو نکاح بھی ماہ شوال میں ہوا اور رخصتی بھی اور میں تمام ازواج مطہرات میں حضور کو زیادہ محبوبہ تھی اگر یہ نکاح اور رخصت مبارک نہ ہوتی تو میں اتنی مقبول کیوں ہوتی۔علماء فرماتے ہیں کہ ماہ شوال میں نکاح مستحب ہے۔خیال رہے کہ جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بعد خدیجۃ الکبریٰ حضور کو بہت ہی محبوبہ تھیں،آپ کا لقب ہے محبوبہ محبوب رب العلمین،آپ کے ہی سینہ و گود میں حضور کی وفات ہوئی،آپ ہی کے حجرہ میں حضور کا دفن ہوا۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شرطوں میں زیادہ وفاکے قابل وہ شرط ہے جس سے تم نے بیویوں کو حلال کیا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎اس شرط سے مراد یا مہر ہے یا بیوی کا روٹی کپڑا وغیرہ مگر حق یہ ہے کہ اس سے مراد تمام وہ جائز شرطیں ہیں جو نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت لگائی جائیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ خاوند بیوی دونوں سے خطاب ہے یعنی نکاح کے وقت جو شرطیں خاوند کی طرف سے لگیں وہ تو بیوی ضرور پوری کرے، جیسے خاوند کی اطاعت اور اس کی بغیر اجازت گھر سے نہ جانا،جس سے ملنے سے روکے اس سے نہ ملنا اور جو شرطیں عورت کی طرف سے مرد پر لگیں،انہیں مرد ضرور پورا کرے جیسے زیور یا مکان نام کر دینے کی شرطیں یا خاص شرطوں پر تفویض طلاق۔مقصد یہ ہے کہ یوں تو تمام جائز شرطیں اور وعدے ضرور پورے کیے جائیں مگر نکاح کے وعدے ضرور ہی پورے کرنے چاہئیں۔اسی لیے نکاح کے وقت زوجین کو کلمے پڑھاتے ہیں تاکہ کلمہ پڑھ کر وعدے ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ پہلا یا نکاح کرے یا چھوڑ دے۱؎

۱؎یعنی اگر کسی عورت کے کسی جگہ سے پیام و سلام آرہے ہیں اور فریقین قریبًا راضی بھی ہوگئے ہیں تو دوسرا شخص پیام دے کر پہلے کا پیام نہ خراب کرے،جب وہاں سے بات چیت ٹوٹ جائے تب پیام دے یہ حکم استحبابی ہے اور اگر صرف پیام میں رضا مندی نہیں ہوئی تو دوسرا بھی پیام دے سکتا ہے یہ ہی حکم بیع کے متعلق بھی آیا ہے وہاں بھی یہ ہی مراد ہے ورنہ نیلام پر بولی پر بولی دی جاتی ہے اس توجیہ پر یہ حدیث بالکل واضح ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے [1] تاکہ اس کا پیالہ فارغ کردے [2] اور تاکہ خود نکاح کر لے [3] کیونکہ اس کے لیے وہ ہی ہے جو اس کے مقدر میں ہے [4] (مسلم بخاری)

[1] یعنی اگر کوئی بیوی والا شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو یہ عورت یہ مطالبہ نہ کرے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو تب نکاح کروں گی لہذا بہن سے مراد سوکن بننے والی عورت ہے کیونکہ اسلامی بہن ہے اس میں اخلاق کی تعلیم ہے۔

[2] یعنی اس سوکن کا حصہ خود قبضہ کرے اس کا کھانا پینا عیش و آرام پر خود قبضہ کرے۔

[3] لِتَنْكِحَ کا لام امر نہیں بلکہ لام کے معنی میں ہے اور یہ جملہ لِتَسْتَفْرِغَ پر معطوف ہے لہذا حدیث کا مطلب واضح ہے،عورت کو سوکن پر نکاح کرلینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ پہلی کی طلاق کے مطالبہ سے روکا گیا اس لِتَنْكِحَ کا فاعل یا تو خود یہ عورت ہے یا اس کی سوکن یعنی تاکہ وہ شخص پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ کسی اور جگہ نکاح کرلے اور ہوسکتا ہے کہ لِتَنْكِحَ کا لام لام امر ہو اور معنی یہ ہوں کہ اس عورت کو چاہیے کہ اس مرد کی پہلی بیوی کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے بلکہ کسی اور سے نکاح کرے۔

[4] لہذا پہلی کو طلاق دلوانے سے اس کا اپنا نصیب بدل نہ جائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا [1] شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرے اس شرط پر کہ وہ دوسرا اپنی بیٹی کا نکاح کردے [2] اور ان دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو [3] (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا اسلام میں شغار نہیں [4]

[1] شغار بنا ہے شغر سے،بمعنی شہر کا خالی ہوجانا یا کسی کو جگہ سے ہٹانا دور ہوجانا۔(اشعہ)

[2] بیٹی کا ذکر مثالًا ہے۔اس میں بہن بھتیجی بھانجی وغیرہ سب داخل ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی وغیرہ کا نکاح اس سے یا اس کے بیٹے وغیرہ سے کردے۔

[3] یعنی ہر نکاح دوسرے کا نکاح کا مہر ہو اس کے علاوہ اورکوئی مہر نہ ہو، خیال رہے کہ اگر یہ نکاح آپس میں ایک دوسرے کا مہر نہ ہوں صرف نکاح بشرط نکاح ہو تو بالاتفاق جائز ہے جیسا پنجاب میں عام طور پر ہوتا ہے کہ آمنے سامنے رشتہ لیا جاتا ہے،لیکن اگر کسی نکاح کا مہر نہ ہو،ہر نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو توامام شافعی کے ہاں دونوں نکاح فاسد ہیں، ہمارے ہاں دونوں نکاح درست ہیں یہ شرط فاسد ہے ہر لڑکی کو مہر مثل ملے گا۔

[4] یعنی دور جاہلیت میں عرب میں نکاح شغار ہوتا تھا اسلام نے اسے منع فرمادیا،خیال رہے کہ اگر یہ شرط درست رہتی تو شغار بنتا جب احناف نے اس شرط کو باطل قرار دیا اور ہر لڑکی کو مہر مثل دلوایا تو شغار نہ رہا،لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں جیسے دیگر فاسد شروط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے ایسے ہی یہ نکاح بھی بالشرط

ہے، جس میں نکاح درست اور شرط فاسد ہے جیسے کوئی شخص سور یا شراب کے عوض نکاح کرے تو نکاح درست ہے یہ شرط فاسد ہے مہر مثل دیا جائے گا۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے متعہ سے منع فرمایا[1] اور پالتو گدھوں کے گوشت سے[2] (مسلم بخاری)

[1] متعہ کے لغوی معنی ہیں نفع اسی سے ہے تمتع کرنا یہ اسلام میں دوبار حلال ہوا، دوبار حرام۔چنانچہ فتح خیبر سے کچھ پہلے یہ حلال رہا اور خیبر کے دن حرام کردیا گیا پھر فتح مکہ کے سال جنگ اوطاس سے کچھ پہلے تین دن کے لیے حلال کیا گیا،پھر ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا،لہذا یہ حدیث آئندہ حدیث کے خلاف نہیں۔(از مرقات،نووی و اشعہ وغیرہ)

[2] انسیہ یا تو الف کے پیش سے ہے یعنی انس و محبت رکھنے والا گدھا یا الف کے کسرہ سے یعنی جسے انسان پالتے ہیں یہ پالتو کی قید وحشی گدھے یعنی گورخر(نیل گائے) کو نکالنے کے لیے ہے کہ وہ ہے حلال ہے اسلام میں پہلے گدھا حلال تھا پھر فتح خیبر کے دن ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے سال متعہ کی تین دن اجازت دی پھر اس سے منع فرمادیا[1] (مسلم)

[1] یعنی خیبر میں متعہ حرام کیا گیا تھا پھر ایک سخت ضرورت کے ماتحت جنگ اوطاس میں تین دن کے لیے حلال کیا گیا پھر ہمیشہ کے لیے حرام فرمادیا گیا عرب میں اس قدر زنا عام تھا کہ خدا کی پناہ اسلام کا بڑا معجزہ وہاں زنا بند کرانا ہے ایک دم زنا بند نہ ہوسکتا تھا، اس لیے اس پر پابندی لگانے کے لیے متعہ کی اجازت دی گئی کہ معیادی نکاح کرلو پھر معیاد گزرنے پر نکاح ختم۔اس کے بعد عورت عدت گزارے جس کا خرچہ اور اگر اس نکاح سے بچہ پیدا ہوجائے تو اس کی پرورش اس متاعی مرد کے ذمہ، اس پابندی سے بہت حد تک لوگ محتاط ہوگئے پھر ہمیشہ کے لیے متعہ بھی حرام کردیا گیا۔

دیکھو شراب حرام کرنا تھا تو پہلے اس پر پابندی لگائی گئی نشہ میں نماز نہ پڑھو جس سے شراب نوشی بہت حد تک کم ہوگئی پھر ایک دم حرام کردی گئی۔نکاح متعہ قطعًا حرام ہے اس کے بعد جو صحبت ہوگی تو محض زنا ہوگی،جس پر سارے احکام زنا جاری ہوں گے۔متعہ کی حرمت پر قرآنی آیات واحادیث شاہد ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" اور فرماتا ہے: "فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ" بیوی و لونڈی کے علاوہ اور کوئی عورت تلاش کرو کہ تم حد سے آگے بڑھنے والے ہو۔ممنوعہ بیوی نہ بیوی ہے نہ لونڈی اس لیے اس کو میراث نہیں ملتی۔اس کی بحث ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھیئے اور اس جگہ مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔ہدایہ میں ہے کہ امام مالک کے ہاں نکاح متعہ حلال ہے اور میعاد کی شرط باطل ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ یہ نسبت غلط ہے حق یہ ہے کہ متعہ کی حرمت پر امت رسول کا اجماع ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عباس کو اس کے نسخ کی خبر نہ پہنچی تو اولًا وہ جواز کے قائل رہے خبر پہنچ جانے پر وہ بھی حرمت کے قائل ہوگئے،دیکھئے

مسلم ونووی عبداللہ ابن عباس کا رجوع۔اس جگہ مرقات میں بھی بیان فرمایا شیعہ کے اکثر فرقے متعہ حرام جانتے ہیں الا البعض۔(مرقات) حضرت ابن عباس کا فرمان آگے مشکوۃ شریف میں بھی آرہا ہے کہ متعہ شروع اسلام میں تھا پھر حرام ہوگیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اور حاجات میں تشہد سکھایا۱فرمایا نماز میں تشہد یہ ہے کہ تمام تحیتیں اور نمازیں، خوبیاں اللہ کو ہیں سلام ہو آپ پر اے نبی ۲اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر ۳میں گواہی دیتا ہوں یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے اور گواہی دیتاہوں کہ بے شک محمد اللہ کے بندے اوراس کے رسول ہیں۔اور خطبہ حاجت میں یہ ہے کہ تمام حمد اللہ کو ہے ۴ہم اس سے مدد مانگتے ہیں ۵اور اس سے معافی مانگتے ہیں ۶ا ور اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں ۷جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ۸اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں ۹اور تین آیتیں پڑھے ۱۰اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اس سے ڈرنے کا حق۱۱اور ہر گز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۱۲اے ایمان والو ۱۳اس سے ڈور جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو ۱۴اور رحمی رشتوں سے ڈرو۱۵بے شک اللہ تم پر حافظ ہے اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو ۱۶رب تمہارے کام درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ رسول کی اطاعت کرے وہ بڑا ہی کامیاب ہے	

	۱۷(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) اور جامع ترمذی میں ہے تینوں آیتوں کی تفسیر ۱۸سفیان ثوری نے فرمائی اور ابن ماجہ نے الحمدللّٰہ کے بعد نحمدہ پڑھا۔اور من شرور انفسنا کے بعد ومن سیئات اعمالنا زیادہ کیا اور دارمی نے عظیما کے بعد فرمایا ۱۹کہ پھر اپنے کام کی بات کرے اور شرح سنہ میں حضرت ابن مسعود سے خطبۃ الحاجۃ میں فرمایا نکاح وغیرہ ۲۰

۱حاجت سے مراد نکاح وعظ وغیرہ ہے کہ ہر شاندار کام کرتے وقت اللہ رسول کا ذکر بہت بہتر ہے۔

۲اس کی شرح کتاب الصلوۃ میں گزر گئی کہ نمازی اپنے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر جانے اور پھر اپنے کو حضور کے سامنے حاضر جان کر بہ نیت سلام یہ کلمات ادا کرے سمجھے کہ حضور میرا سلام سن رہے ہیں اور مجھے جواب دے رہے ہیں۔

۳علینا سے مراد تو ہم جیسے سارے گنہگار بندے ہیں اور نیک بندوں سے مراد حضرات انبیاء و اولیاء ہیں لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں اسکی مکمل شرح کتاب الصلوۃ میں التحیات کے موقع پر گزر گئی۔

۴حاجت سے مراد نکاح وعظ وغیرہ تمام ضروری چیزیں ہیں کہ ہر جگہ اولًا یہ خطبہ پڑھے پھر کام یا کلام کرے اَن نون کے شد سے بھی ہوسکتا ہے تب تو الحمد پر فتح ہوگا اور نون کے سکون سے بھی تب حمد پر پیش ہوگا رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔

۵حمد الٰہی کرنے پر بھی اس کی مدد مانگتے ہیں،دوسری عبادات پر بھی اور تمام کاموں میں بھی اور اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو ہم کچھ نہیں کرسکتے۔

۶ہم گنہگار گناہ کرکے معافی مانگتے ہیں،ابرار گناہ نہ کر کے بھی معافی کے طالب ہیں اور خیار نیکیاں کرکے بھی معافی چاہتے ہیں کہ اس رب کی شان کے لائق ہم سے نیکی نہ ہوسکی۔

۷کیونکہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہمارا نفس ہے جو دوستی کے رنگ میں دھوکہ دیتا ہے اور ہر دم ہمارے ساتھ رہتا ہے اللہ کے کرم کے بغیر اس کی شرارتوں سے ہم نہیں بچ سکتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہم کو تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضرات انبیائے کرام کے نفس امارہ ہوتے ہی نہیں مطمئنہ ہوتے ہیں ان کے نفوس میں خیر ہی خیر ہے۔

۸یعنی جسے اللہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے اسے نفس شیطان،دنیا کی کوئی چیز بہکا نہیں سکتی اور جس میں رب تعالٰی گمراہی کا خلق فرمادے اسے کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی،ابوجہل مکہ میں رہ کر حضور انور کو دیکھ کر بھی ہدایت نہ پاسکا،چمگادڑ کی آنکھ سورج سے نور نہیں لیتی۔خیال رہے کہ شر کی نسبت نفس کی طرف کسبی ہے اور گمراہ کرنے کی نسبت رب تعالٰی کی طرف خلقی ہے، ہم کاسبِ شر ہیں، رب تعالٰی خالق خیر و شر ہے۔

۹؎ حضور سیدالمخلوقات ہیں اور سند الموجوات تمام خلق کے رسول ہیں ایسی رسالت عامہ حضور کے سوا کسی کو نہ عطا ہوئی۔

۱۰؎ یقرا کا فاعل یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی حضور نے ہماری تعلیم کے لیے تین آیات پڑھیں یا اس کا فاعل ہر خطیب ہے یعنی خطبہ پڑھنے والا اس حمد و ثناء و نعت کے بعد تین آیات پڑھے۔
(مرقات)

۱۱؎ اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اسے یاد رکھا جائے کبھی بھولا نہ جائے اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا خوف خدا جو اس کے حق کے لائق ہو کون کرسکتا ہے تب یہ آیت کریمہ اتری: "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" جس قدر طاقت رکھو اللہ سے ڈرو لہذا یہ دوسری آیت پہلی آیت کی مفسرہ ہے ناسخہ نہیں۔(معالم التنزیل و مرقات) یعنی جس قدر ہوسکے اور جتنا بن پڑے اتنا رب سے ڈرے۔

۱۲؎ یعنی ہمیشہ ایمان پر قائم رہو کہ جب بھی تم کو موت آئے ایمان پر آئے اللہ تعالٰی نصیب فرمائے اسلام میں ایمان و اعمال سب داخل ہیں۔

۱۳؎ شاید یہ قرأۃ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی ہے ہماری قرأۃ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الایہ یہ ہی درست ہے۔

۱۴؎ یعنی جب کسی سے مانگتے ہو تو اللہ کے نام پر مانگتے ہو کہ خدا کے لیے ہم کو یہ دوجس کے نام سے تم کو بھیگ ملتی ہے اس کو راضی بھی کرو کہ اس سے ڈرو۔

۱۵؎ اَرحام ہماری قرأۃ میں منصوب ہے لفظ اللہ پر معطوف یعنی رحم قطع کرنے سے ڈرواور ہوسکتا ہے کہ ارحام مجرور ہو بہ کی ضمیر پر یعنی لوگوں سے رشتہ کے واسطے سے مانگتے ہو،لہذا رحمی رشتہ کا بھی لحاظ رکھو۔

۱۶؎ درست بات سے مراد کلمہ طیبہ ہے یا ہر سچی بات عدل و انصاف کی بات یعنی ہمیشہ کلمہ طیبہ پڑھا کرو، سچ بولا کرو انصاف کی بات کیا کرو۔

۱۷؎ یعنی انسان کی کامیابی مال دولت عزت و حکومت سے نہیں اللہ رسول کی اطاعت سے ہے کہ مال و دولت فانی ہیں اور اس اطاعت کا ثواب باقی اورلازوال ہے۔

۱۸؎ یعنی سفیان ثوری نے یہ حدیث و خطبہ بھی نقل فرمایا ان مذکور آیتوں کی تفسیر بھی کی۔

۱۹؎ دارمی کا عطف ابن ماجہ پر ہے یعنی ابن ماجہ نے تو ان الحمدللہ کے بعد نحمدہ زیادہ کیا،اور من شرور انفسنا،کے بعد ومن سیات اعمالنا بڑھایا اور دارمی نے عظیما کے بعد یہ الفاظ زیادہ کیے کہ پھر وہ بات کرے جس کے لیے خطبہ پڑھا۔

۲۰؎ یعنی دوسری روایات میں توخطبہ حاجت میں صرف نکاح کا لفظ ہے مگر شرح سنہ میں نکاح وغیرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ خطبہ صرف نکاح کے لیے ہی نہیں ہے وعظ وغیرہ دوسری دینی کلاموں کے لیے بھی ہے،حصن حصین میں اس خطبہ میں اور بھی الفاظ شامل ہیں چنانچہ وہاں ورسولہ کے بعد ہے۔ارسلہ بالحق بشیراونذیرا بین یدی

الساعة من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد و من یعصیھما فلا یضر الانفسہ ولا یضر اللہ شیئا بہرحال خطبہ میں زیادتی و کمی ہوسکتی ہے بہتر یہ ہے کہ منقولہ الفاظ ضرور پڑھے۔(از مرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر وہ خطبہ جس میں کلمہ شہادت نہ ہو وہ کوڑھ والے ہاتھ کی طرح ہے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔	

۱؎جذماء یا تو جذم سے بنا بمعنی کٹ جانا یا جذام سے بمعنی کوڑھ یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی جو خطبہ شہادت توحید و رسالت سے خالی ہو وہ کٹے ہوئے یا کوڑھ والے ہاتھ کی طرح ہے کہ بظاہر ہاتھ معلوم ہوتا ہے مگر ہاتھ والے کو فائدہ مند نہیں ایسے ہی ایسے خطبہ میں الفاظ تو سننے میں آتے ہیں مگر نہ وہ عنداللہ قبول ہے نہ اس پر ثواب نہ اس میں برکات۔معلوم ہوا کہ کلمہ شہادت بڑا ہی فائدہ مند عمل ہے یہ مسلمان کا زندگی و موت کا وظیفہ ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شاندار کام ۱؎اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎بال کے لغوی معنی ہیں دل، خیال،توجہ،اصطلاح میں اس کے معنی ہیں شان،اچھا،انجام،حال،شریف،چونکہ ایسے کام کی طرف دل متوجہ ہوتا ہے اس لیے اسے بال کہتے ہیں یہ قید لگا کر مکروہ ممنوع کاموں کو نکال دیا لہذا حقہ پیتے وقت بسم اللہ اور پی کر الحمدللہ پڑھنا مکروہ ہے یوں ہی شراب جوئے زنا پر یہ پڑھنا حرام ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے یوں ہی جھوٹ و غیبت وغیرہ پر یہ پڑھنا سخت ممنوع ہے۔

۲؎اقطع کے معنی ہیں مقطوع البرکۃ یعنی ناقص ناتمام بعض روایت میں ہے فھو جذم اس کے معنی بھی یہ ہی ہیں۔نووی نے شرح مسلم میں فرمایا کہ ہم نے اپنی کتاب اربعین میں یہ حدیث بروایت عبدالقادر زہاد عن کعب ابن مالک،باسناد حسن نقل کی ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کی، بہرحال یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔(اشعہ)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شان والا کام کہ اس میں حمد الٰہی سے ابتداء نہ کی جائے وہ ناقص ہے ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎یہ گزشتہ حدیث کی طرح ہے صرف فیه اس میں زائد ہے مطلب ایک ہی ہے انہی احادیث کی بناء مصنفین اپنی دینی کتب بسم اللہ اور الحمدللہ سے شروع کرتے ہیں اکثر حضرات تو بسم اللہ اور الحمدللہ کو اپنی کتب کے شروع میں لکھتے ہیں اور بعض صرف زبانی کہہ لیتے

ہیں لکھتے نہیں جیسے ابن حاجب نے کافیہ میں اور امام محمد ابن اسماعیل نے اپنی کتاب بخاری شریف میں کیا۔بڑی بات تو یہ ہے کہ قرآن پاک کے اول میں بھی بسم اللہ اور الحمد للہ الخ ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان نکاحوں کا اعلان کروا۱ور کرو مسجد میں ۲ان پر دف بجاؤ۳(ترمذی) اور یہ فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴

۱اگر اعلان سے مراد گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا ہے تو یہ حکم وجوبی ہے کیونکہ گواہ نکاح کے لیے شرط ہیں اور اگر اس سے مراد مشہور کرنا دف بجانا ہے تو حکم استحبابی ہے۔(مرقات)

۲فقہاء فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں تمام نمازیوں کے سامنے ہوتاکہ نکاح کا اعلان بھی ہوجائے اور ساتھ ہی جگہ اور وقت کی برکت بھی حاصل ہو جائے،نیز نکاح عبادت ہے اور عبادت کے لیے عبادت خانہ یعنی مسجد موزوں ہے۔

۳نکاح کے وقت نکاح کی جگہ دف بجانا بہتر ہے لیکن اگر نکاح مسجد میں ہو تو مسجد کے دروازے کے باہر دف بجائی جائے یا خارج مسجد میں نہ کہ داخل مسجد میں لہذا اس حدیث کی وجہ سے مسجدوں میں دف وغیرہ بجانے کی حلت کا قول بالکل درست نہیں۔(مرقات)فقہاء فرماتے ہیں کہ باجوں میں جھانجھ حرام بعینہٖ ہے کہ کسی طرح جائز نہیں اس کے سوا دوسرے باجے اگر کھیل کود کے لیے ہوں تو حرام، اگر اعلان وغیرہ صحیح مقصد کے لیے ہوں تو حلال۔(از مرقات و فتح القدیر)

۴اس حدیث کی اسناد میں عیسی ابن میمون ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے(اشعہ) مگر صرف اعلان نکاح کی حدیث احمد، ابن حبان،طبرانی فی الکبیر، ابو نعیم فی الحلیہ، حاکم فی المستدرک نے عبداللہ ابن زبیر سے مرفوعًا نقل فرمائی مسجد میں ہونا دف بجانا یہ غریب ہے مگر بیان استحباب کے لیے کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن حاطب جمحی سے ۱وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حلال و حرام کے درمیان فرق نکاح میں آواز اور دف ہے ۲(احمد،ترمذی، نسائی،ا بن ماجہ)

۱آپ کی پیدائش حبشہ میں ہوئی بہت چھوٹی عمر میں اپنے چچا خطاب ابن حارث ابن معمر کے ساتھ مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی اور بہت چھوٹی عمر میں حضور انور کی زیارت کی امت میں سب سے پہلے انہی کا نام محمد رکھا گیا۷۴ھ میں مکہ معظمہ میں وفات ہوئی وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ)

۲آواز سے مراد اعلانچی یا گولے وغیرہ کی آواز ہے دف میں تاشہ بھی داخل ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ بغیر دف تاشہ،یا اعلان کے نکاح ہوتا ہی نہیں بلکہ اعلان نکاح کی ترغیب مقصود ہے۔مطلب یہ ہے کہ حلال نکاح اعلانیہ ہوتے ہیں

مشکوک و حرام چھپ کرکئے جاتے ہیں کہ نہ کسی کو خبر ہو نہ کوئی اعتراض کرے،جیسے نکاح پر نکاح یا عدت میں نکاح وغیرہ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میرے پاس انصار کی ایک لڑکی تھی۱؎جس کا میں نے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ تم گیت کیوں نہیں گاتیں ۲؎کیونکہ یہ قبیلہ انصار گیت گانا پسند کرتے ہیں ۳؎	

۱؎ یہ بچی یا تو حضرت ام المؤمنین کی کوئی عزیز قریبی تھی یا یتیمہ تھی جو آپ نے پرورش کی تھی پہلا احتمال قوی ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ یعنی خود کیوں نہیں گیت گاتیں یا کسی لڑکی سے گانے کو کیوں نہیں کہتیں یا کوئی گانے والی کیوں نہیں گاتی،یہ صیغہ یا واحد مخاطبہ کا ہے یا غائبہ کا۔(مرقات)

۳؎ یعنی انصار شادی بیاہ میں گیت وغیرہ کو محبوب رکھتے ہیں اور نکاح بھی انصاری بچی کا ہے،تو گیت بہتر تھا۔گیت کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ شادی میں چھوٹی بچیوں کا دف بجانا گانا یا بالغہ عورت کا آہستہ آواز سے جائز گیت گانا جائز ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔جوان عورتوں کو اونچی آواز سے عشقیہ حرام گانے خصوصًا جب کہ اجنبی مردوں تک آواز پہنچے سخت حرام بلکہ بڑے فساد کا باعث ہے جیسے پاکیزہ گیت شادیوں پر عرب میں مروج تھے ان کا نمونہ آگے آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جناب عائشہ نے اپنے ایک قرابت دار انصاری کا نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا کیا تم نے لڑکی کو بھیج دیا۱؎عرض کیا ہاں فرمایا کیا اس کے ساتھ اس کو بھیجا جو گیت گائے بولیں نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار ایسی قوم ہے جس میں غزل خوانی کا رواج ہے ۲؎تم اس کے ساتھ بھیجتیں جو کہتا ہم آگئے ہم آگئے اللہ ہم کو بھی اور تم کو بھی زندگی دے ۳؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی صرف نکاح کیا ہے یا رخصت بھی کردی اور لڑکی خاوند کے پاس بھیج بھی دی۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین مکہ میں شادی کے موقعہ پر گیت و غزل کا رواج نہ تھا انصار مدینہ میں رواج تھا۔

۳؎ یہ وہ پاکیزہ گیت ہیں جن کی اجازت دی گئی تھی گیت کیا ہے حمد الٰہی ہے تبلیغ ہے دعا ہے اور پیاروں سے ملنے پر خوشی کا اظہار ہے ایسے اشعار تو ایک طرح عبادت ہیں ان احادیث کی بنا پر اس زمانہ کے فلمی گانوں کا جواز ثابت کرنا سخت حماقت ہے اور منکرین حدیث کا انکار کرنا جہالت ہے۔

	روایت ہے حضرت سمرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کا نکاح دو ولی کردیں تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کے لیے ہوگی۱؎ اور دو شخصوں کے ہاتھ چیز فروخت کردے تو وہ ان دونوں میں پہلے کی ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی،دارمی)۳؎

۱؎ یعنی جس عورت بالغہ یا نابالغہ کا نکاح ایک درجہ والے دو والی جیسے دو بھائی یا دو چچا بے خبری میں یا با خبر ہوتے ہوئے دو شخصوں سے کردیں تو ان میں سے پہلا نکاح درست ہے دوسرا باطل اگرچہ دوسرے خاوند نے صحبت بھی کرلی ہو اس پر فتویٰ ہے۔عطا فرماتے ہیں اگر دوسرے نے صحبت کرلی ہو تو یہ ہی نکاح درست ہے پہلا باطل امام شافعی کے ہاں دونوں نکاح باطل ہیں کہ منعقد ہوتے ہی نہیں پھر صحبت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔(مرقات) یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ دونوں نکاح آگے پیچھے ہوئے ہوں لیکن اگر اتفاقًا بیک وقت ہوگئے تو ہمارے ہاں بھی دونوں باطل ہیں اس مسئلہ کی بہت شقیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اگر بالغہ کا نکاح اس کی بغیر اجازت دو ولیوں نے کیا تو جسے بالغہ درست رکھے وہی درست ہے اگر دونوں کو درست رکھے تو جس کی اجازت پہلے دی وہ درست ہے اور اگر ایک ساتھ دونوں کی اجازت دی تو دونوں باطل ہیں۔

۲؎ اس کی بھی دو صورتیں ہیں اگر کسی نے ایک چیز آگے پیچھے دو کے ہاتھ فروخت کی تو پہلی بیع درست ہے،دوسری باطل اور اگر ایک ساتھ دو کے ہاتھ بیچی اور دونوں گاہکوں نے بیک وقت قبول کی تو دونوں بیع درست ہیں اور وہ چیز دونوں کی مشترک ہوگی۔

۳؎ یہ حدیث احمد،ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے ہمارے ساتھ بیویاں نہ تھیں تو ہم نے عرض کیا کیا ہم خصی ہوجائیں۱؎ اس سے ہم کو منع فرمایا ۲؎ پھر ہم کو متعہ کرلینے کی اجازت دی ۳؎ تو ہم میں سے ایک کسی عورت سے کپڑے کے عوض ایک وقت تک نکاح کرلیتا تھا ۴؎ پھر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ جانو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں ۵؎(مسلم بخاری)

۱؎ اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قوت بہادری،تقویٰ اور خوف خدا کا پتہ لگا کہ شہوت کا غلبہ ہے،بیوی ساتھ نہیں تو زنا تو کیا ہاتھ سے منی نکالنے کا بھی خیال نہیں فرماتے،خصی ہو کر اپنی کو ناقص کرلینا منظور ہے مگر گناہ منظور نہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ انسان کا خصی کرنا حرام ہے خواہ آزاد ہو یا غلام جانور کا خصی کرنا جائز ہے جب کہ اس میں فائدہ ہو۔

۳؎ یہ وجہ تھی متعہ کی عارضی اجازت کی کہ شراب کی طرح یہ بھی آہستگی سے حرام کیا گیا۔

۴؎ خیال رہے کہ متعہ اور نکاح مؤقت کے الفاظ میں فرق ہوتا ہے متعہ میں **اتمتع** کہتے ہیں اور نکاح وقتی میں **تزوجت الی فلان مدۃ** بولتے ہیں۔ متعہ کی حرمت پر اجماع امت ہے نکاح مؤقت کو جمہور علماء حرام فرماتے ہیں،امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح درست ہے اور یہ مدت کی شرط باطل یعنی وقتی نکاح دائمی ہوگا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود متعہ یا نکاح مؤقت کے جواز کے قائل تھے لیکن یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود دونوں متعہ کے جواز کے قائل تھے مگر دونوں اس سے رجوع فرماگئے عبداللہ ابن عباس نے تو سعید ابن جبیر کے سمجھانے پر رجوع کیا اور حضرت ابن مسعود نے ان کے بعد غرضکہ جب ان دونوں کو اس کے ناسخ کا پتہ لگا رجوع کرلیا حضرت علی تو متعہ کی حلت کے قائل تھے ہی نہیں وہ اول ہی منسوخ مانتے تھے، تعجب ہے کہ روافض متعہ کی حلت میں حضرت ابن مسعود کا پہلا قول تو مان لیتے ہیں اور حضرت علی کا قول نہیں مانتے جناب علی متعہ کو حرام فرماتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ متعہ شروع اسلام تھا کہ کوئی شخص کسی شہر میں جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی۱؎ تو کسی عورت سے اس وقت تک کے لیے نکاح کر لیتا کہ سمجھتا میں اتنا ٹھہروں گا وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اس کا کھانا درست کرتی ۲؎ حتی کہ یہ آیت کریمہ اتری مگر اپنی بیویوں پر یا ان پر جن کے وہ مالک ہیں ۳؎ فرمایا حضرت ابن عباس نے کہ دو کے سوا تمام شرمگاہیں حرام ہیں ۴؎(ترمذی)

۱؎ جو اس نو وارد کا انتظام کرتا اور اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی جو یہاں اس کا انتظام کرے۔

۲؎ شی شوی سے بنا بمعنی بھوننا اس لیے بھنے گوشت کو لحم مشوی کہا جاتا ہے یہاں بمعنی کھانا پکانا ہے،بعض نے فرمایا کہ شی بمعنی اشیاء ہے یعنی اسباب۔(مرقات)

۳؎ یعنی اس آیت کے نزول پر متعہ حرام ہوگیا کیونکہ ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی تو لامحالہ رنڈی زانیہ ہو گی اور اسلام میں زنا تمام قسموں کے ساتھ حرام ہوچکا ہے۔

۴؎خلاصہ یہ ہے کہ اب سوائے بیوی و لونڈی کے تمام عورتیں حرام ہیں اور ممتوعہ عورت ان دونوں کے سوا ہے اس لیے ممتوعہ عورت کو اس متاعی خاوند کی میراث نہیں ملتی نہ اس عورت کی خاوند کو نہ ممتوعہ عورت سے، روافض کے ہاں حرمت مصاہرت ثابت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس نے متعہ کی حلت کے خیال سے رجوع فرمالیا۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علی نے سنا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس متعہ حلال جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا اے ابن عباس خبردار میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سنا کہ آپ نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھا حرام فرمایا، اسی مسلم شریف میں بروایت عروہ ابن زبیر ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے مکہ معظّمہ میں فرمایا بعض آنکھوں اور دل کے اندھے اب تک متعہ کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ ہوتا تھا اس پر حضرت زبیر نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے پر تجربہ کرکے دیکھ لو اگر تم متعہ کرو تو میں تم کو بھی سنگسار کردوں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس نے جناب علی کے فرمان پر متعہ سے رجوع نہ کیا بہت عرصہ بعد رجوع فرمایا۔(مرقات) تمام صحابہ حضرت ابن عباس کے فتویٰ جواز متعہ کے خلاف ہوگئے تھے حتی کہ ان کے خلاف شعر لکھے گئے جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

هل لك رخصة الاطراف آنسه　　تكون مثواك حتى مصدر الناس

قد قلت للشيخ لما طال محبسه　　يا صاح هل لك فى فتوىٰ ابن عباس

حضرت ابن عباس نے یہ شعر سن کر فرمایا قسم رب کی میں نے متعہ کی حلت کا فتویٰ نہ دیا،متعہ تو خون،سور،مردار کی طرح حرام ہے(مرقات)

	روایت ہے حضرت عامر ابن سعد سے فرماتے ہیں میں قرظہ ابن کعب اور ابو مسعود انصاری کے پاس ایک شادی میں گیا۱؎ تو ناگاہ کچھ بچیاں گا رہی تھیں میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیو اور اے بدر والو! تمہارے پاس یہ کام کیا جارہا ہے ۲؎ تو وہ دونوں صاحب بولے اگر تم چاہو بیٹھو اور ہمارے ساتھ سنو اور اگر چاہو چلے جاؤ ہم کو شادی کے موقع پر لہو و لعب کی اجازت دی گئی ہے ۳؎(نسائی)

۱؎عامر ابن سعد ابن ابی وقاص مشہور تابعی ہیں اور قرظہ ابن کعب(ق،ر،ظ) سے اور ابو مسعود دونوں صحابی ہیں بدری ہیں۔

۲؎یعنی اسلام میں گانا مطلقًا حرام ہے اور تمہارے سامنے بچیاں گارہی ہیں تم دونوں جلیل الشان صحابی منع نہیں کرتے لوگ تمہارے منع نہ کرنے کی وجہ سے اسے جائز سمجھیں گے یہاں جمع دو کے لیے بولی گئی۔

۳؎یعنی شادی بیاہ میں ننھی بچیوں کا جائز گیت گانے کی اجازت ہے جائز کام کو ہم کیوں روکیں۔

باب المحرمات

حرام عورتوں کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎محرمات تحریم سے بنا یعنی حرام کی ہوئی عورتیں جن سے نکاح درست نہیں۔خیال رہے کہ عورتیں تین وجہ سے حرام ہوتی ہیں: نسب، سسرالی رشتہ،دودھ یعنی رضاعت،نسب کی وجہ سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں(۱)اپنی اولاد جیسے بیٹی،نواسی،پوتی،اور انکی اولاد(۲)اپنے اصولی یعنی جن کی اولاد میں ہم ہیں،جیسے ماں دادی نانی وغیرہ تم اصولی(۳)اپنے قریبی اصولی یعنی ماں باپ کی مطلق اولاد جیسے بہن بھانجی بھتیجی اور ان کی تمام اولاد(۴)اپنے بعیدی اصولی یعنی دادا نانا کی قریبی اولاد جیسے خالہ پھوپھی کہ یہ خود تو حرام ہیں مگر ان کی اولاد حلال اور سسرالی رشتہ سے اپنی بیوی کی اولاد اور اس کی ماں دادی وغیرہ،اصولی حرام اپنی اولاد بیٹے پوتے نواسے کی بیوی، یوں ہی اصول کی بیویاں جیسے باپ دادا نانا کی بیوی،رضاعت یعنی شیر خوارگی سے تمام نسبی رشتہ کی طرح عورتیں حرام ہیں۔شعر

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند و از جانب شیر خوار زوجان و فروع

محارم عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے یعنی جو دو لڑکیاں ایک دوسرے پر حرام ہوں انہیں نکاح میں جمع نہیں کرسکتے،جیسے دو بہنیں، پھوپھی، بھتیجی،خالہ بھانجی وغیرہ تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ عورت اور نہ اس کی پھوپھی کو جمع کیا جائے ۱؎اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی ایسی عورتوں کو نہ تو نکاح میں جمع کرو، نہ صحبت میں،لہذا پھوپھی، بھتیجی وغیرہ ایک وقت ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں،اور اگر یہ دونوں ایک شخص کی لونڈیاں ہوں، تو مولیٰ ان دونوں سے صحبت نہیں کرسکتا۔

۲؎حرمت جمع کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے جو بھی مرد فرض کی جائے تو دوسری اس پر حرام ہو دیکھو خالہ بھانجی،اگر خالہ مرد ہوتی تو ماموں ہوتی تو بھانجی اس پر حرام ہوتی،اگر بھانجی مرد ہوتی تو بھانجہ ہوتی خالہ اس پر حرام ہوتی لہذا ماں اور سوتیلی بیٹی کو نکاح میں جمع کرسکتے ہیں اگر بیٹی لڑکا ہوتی تو یہ سوتیلی ماں اس پر حرام ہوتی لیکن اگر ماں مرد ہوتی تو اس پر یہ لڑکی حرام نہ ہوتی لہذا حرمت ایک طرف سے ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دودھ کے رشتہ سے وہ ہی عورتیں حرام ہوتی ہیں جو ولادت کے رشتہ سے حرام ہوتی ہیں ۱؎(بخاری)۲؎

۱؎دودھ پینے والے بچے پر دائی کے تمام وہ اہل قرابت حرام ہیں جو اپنے نسب سے حرام ہوتے ہیں دائی کا خاوند بیٹا،دیور، جیٹھ،بھائی وغیرہ مگر شیر خوار بچے کی اولاد و بیوی اس طرف والوں پر حرام ہوگی،رضاعت رضع سے بنا بمعنی پستان چوسنا۔خیال رہے کہ دودھ کے رشتہ سے حرمت تو آئے گی مگر اس رشتہ سے میراث نہ ملے گی نیز اس رشتہ کی وجہ سے پردہ لازم نہ ہوگا اس کے ساتھ سفر و خلوت جائز ہوگا۔لطیفہ۔امام بخاری نے غلطی سے بکری و گائے کے دودھ سے حرمت رضاعت کا فتویٰ دے دیا تھا جس پر تمام علماء ان کے مخالف ہوگئے اور آپ کو بخارا چھوڑنا پڑا(فتح القدیر و مرقات)

۲؎یہ حدیث مسلم وابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے بھی روایت کی لہذا اسے متفق علیہ کہنا چاہیے تھا۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میرے دودھ کے چچا آئے اور میرے پاس آنے کی اجازت مانگی۱؎میں نے انہیں اجازت دینے سے انکار کیا تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور سے پوچھا فرمایا وہ تمہارے چچا ہیں،اجازت دے دو ۲؎فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا۳؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے چچا ہیں تمہارے پاس آسکتے ہیں۴؎یہ واقعہ ہم پر پردہ فرض ہونے کے بعد کا ہے۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ان آنے والے حضرت کا نام افلح تھا،کنیت ابوالجعد ہے ابو قعیس کے بھائی،ابو قعیس کی بیوی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو دودھ پلایا تھا۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ دودھ کی ماں کا وہ خاوند جس سے یہ دودھ وہ مرد وہ پینے والا بچہ کا باپ بن جاتا ہے اور اس کا بھائی چچا اس کا والد دادا۔ فقہاء اسے کہتے ہیں لبن الفحل۔

۳؎ام المؤمنین سمجھیں کہ دودھ سے حرمت آتی ہے اور دودھ تو عورت کا ہے لہذا اس کے اقارب حرام ہونے چاہئیں نہ کہ اس کے خاوند کے اس لیے یہ سوال کیا۔

۴؎خلاصہ جواب یہ ہے کہ دودھ اگرچہ اس ماں کا ہے مگر اس کے خاوند سے ہے اس لیے دو طرفہ حرمت ہوگی،سبحان اللہ کیا فلسفیانہ و حکیمانہ جواب ہے۔

۵؎ لہذا یہ حکم آیت حجاب سے منسوخ نہیں یہ حکم محکم ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو اپنے چچا حمزہ کی بیٹی میں رغبت ہے وہ قریش میں حسین ترین لڑکی ہے ۱؎ تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ کے بھائی ہیں ۲؎ اور یہ کہ اللہ نے دودھ کے رشتہ سے وہ عورتیں حرام کیں جو نسب سے حرام فرمائیں ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی درہ بنت حمزہ آپ کی چچا زاد قریبی بھی ہے اور قریش میں بہت حسینہ و جمیلہ و خوب سیرت بھی اس سے آپ کا نکاح بہت موزوں ہوگا۔

۲؎ کیونکہ ابولہب کی لونڈی بی بی ثویبہ نے اولًا حضرت حمزہ کو دودھ پلایا پھر چار سال کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، معلوم ہوا کہ شیر کی حرمت میں ایک ساتھ دودھ پینا شرط نہیں بلکہ ایک پستان کا دودھ ہونا کافی ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار عورتوں نے دودھ پلایا: والدہ مطہرہ آمنہ خاتون،ثویبہ،ام ایمن،حلیمہ سعدیہ اور تمام دودھ پلانے والیاں ایمان لائیں،تین بیبیاں تو اپنی زندگی میں ہی اور حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کو حضور نے زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھایا شرعی مؤمنہ و صحابیہ بنایا۔(مرقات،نقلًا عن سیوطی)

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حمزہ میرے چچا بھی ہیں اور شیر کے بھائی بھی اور دودھ کے بھائی بیٹی حرام ہوتی ہے کہ وہ بھتیجی ہے لہذا درہ بنت حمزہ پر حرام ہیں۔

روایت ہے حضرت ام الفضل سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار یا دو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا ۲؎	

۱؎ آپ کا نام لبابہ بنت حارث ہے کنیت ام الفضل حضرت عباس کی زوجہ حضرت فضل ابن عباس اور عبداللہ ابن عباس کی والدہ ہیں حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائیں۔

۲؎ حضرت امام شافعی کے ہاں پانچ گھونٹ دودھ پینا حرمت رضاعت پیدا کرتا ہے اور امام ابوعبید ابوثور،داؤد کے ہاں تین گھونٹ سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے ان لوگوں کی دلیل یہ حدیث ہے اور امام شافعی کی دلیل اگلی حدیث ہمارے امام اعظم کے ہاں مطلقًا دودھ پینا حرمت رضاعت پیدا کرتا ہے خواہ کتنا ہی پیئے ایک گھونٹ یا آدھا یا زیادہ بشرطیکہ شیر خوارگی کی مدت میں ہو۔یہ مدت اکثر علماء کے ہاں دو سال کی عمر ہے امام اعظم کے ہاں ڈھائی سال کی عمر امام اعظم کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے:وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ آیۃ کریمہ میں ارضعن مطلق ہے تین یا پانچ گھونٹ کی اس میں قید نہیں،نیز قرآن کریم میں ہے "وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضٰعَةِ مِّنَ الرَّضٰعَةِ" یہاں بھی

رضاعت مطلق ہے اور یہ حدیث خبر واحد ہے جس سے قرآنی مطلق کو مقید نہیں کرسکتے نیز حضرت عائشہ کی حدیث ہے یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب یہاں بھی رضاعت مطلق ہے غرضکہ وہ آیت اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے

	اور حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ایک دو چوسنیاں حرام نہیں کرتیں۔

	اور ام الفضل کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا کہ ایک دوبار منہ میں پستان دینا حرام نہیں کرتا[1] یہ مسلم کی روایتیں ہیں۔

[1] املاج ملج سے بنا بمعنی ہونٹ سے پکڑنا املاج کے معنی ہیں ہونٹ سے پکڑوانا بچہ کے منہ میں پستان دینا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ قرآن میں جو آیات اتاری گئیں ان میں یہ آیت بھی تھی کہ فرمایا ایک دو بار منہ میں پستان دینا حرام نہیں کرتا[1] یہ مسلم کی روایات ہیں۔

[1] یعنی بحکم قرآنی پہلے حکم یہ تھا کہ اگر بچہ دس گھونٹ دودھ کسی عورت کا پیئے تب دودھ کی حرمت آئے گی پھر دس کا حکم منسوخ ہوکر پانچ کا حکم رہا یہ حدیث ہمارے خلاف ہے اور امام شافعی کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں پانچ گھونٹ سے حرمت آتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نازل شدہ قرآنی آیات میں یہ آیت بھی تھی کہ دس معلوم چسکیاں حرام کرتی ہیں پھر پانچ معلوم چسکیوں سے منسوخ کی گئیں[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ وہ قرآن سے پڑھی جاتی تھیں[2] (مسلم)

[1] یعنی پہلے دس گھونٹ والی آیت نازل ہوئی پھر بہت عرصہ کے بعد دس گھونٹ والی آیت تلاوت و حکم میں پانچ گھونٹ والی آیت سے منسوخ ا ور یہ پانچ گھونٹ والی آیت اتنے عرصہ کے بعد منسوخ ہوئی تلاوتًا و حکمًا کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی وفات پانے تک بعض دیہات اور دور دراز کے علاقہ والوں کو اس کے نسخ کی خبر نہ ہوئی اور وہ اس بے خبری میں بعد وفات بھی اس کی تلاوت کرتے رہے پھر خبر ہونے پر اس کی تلاوت بند کی۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کی وفات کے بعد بھی یہ آیت قرآن کریم میں تھی بعد میں صحابہ کرام نے نکال دی ورنہ اعتراض ہوگا کہ جناب علی و دیگر اہل بیت اطہار قران بگڑتا یا کم ہوتا ہوا دیکھ کر خاموش کیوں رہے

انہوں نے قرآن بگڑنے کیوں دیا ؟ خیال رہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اس سے قرآنی مطلق آیات کو مقید نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے لہذا یہ حدیث امام شافعی کی دلیل نہیں بن سکتی۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے حالانکہ ان کے پاس ایک شخص تھا شاید آپ کو یہ ناپسند آیا۱ تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یہ میرے بھائی ہیں فرمایا غور کرلو کہ تمہارے بھائی کون ہیں۔شیر خوارگی بھوک کے زمانہ سے ہوتی ہے ۲(مسلم،بخاری)	

۱کیونکہ یہ شخص درحقیقت جناب ام المومنین کا رضاعی بھائی نہ تھا حضرت ام المومنین غلطی سے اس کا اپنا دودھ کا بھائی سمجھے ہوئے تھیں،اور آپ نے اس کو گھر میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔

۲یعنی اگر بڑا بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے رضاعت کےاحکام ثابت نہ ہوں گے جب بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ عورت کا دودھ اس کی بھوک دفع کردے اور وہ اس دودھ پر ہی گزارہ کرسکے تب دودھ پینا شرعًا معتبر ہے اور وہ عمر دو یا ڈھائی سال کی ہے چونکہ اس شخص نے اس عمر کے بعد دودھ پیا ہے اس لیے یہ تمہارا رضاعی بھائی نہیں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ازواج مطہرات احترام میں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ احکام میں لہذا ان پر پردہ فرض ہے ان کی اولاد سے امت کا نکاح درست ہے ان کو امت کی میراث نہ ملے گی دوسرے یہ کہ ڈھائی برس کے بعد دودھ پینا حرمت رضاعت ثابت نہیں کرتا۔

روایت ہے حضرت عقبہ سے ۱کہ انہوں نے ابو اھاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت آئی بولی کہ میں نے عقبہ کو اور جس سے انہوں نے نکاح کیا ہے اسے دودھ پلایا ہے ۲تو اس سے عقبہ نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے ۳اور نہ تم نے مجھے اس کی خبر دی انہوں نے ابواہاب کے گھر والوں کے پاس بھیجا ان سے پوچھا وہ لوگ بولے ہم کو خبر نہیں کہ ہماری لڑکی کو اس نے دودھ پلایا ہے ۴تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدینہ سوار ہو کر پہنچے اور آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نکاح کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ یہ کہا گیا ۵چنانچہ عقبہ نے اسے چھوڑ دیا اس نے دوسرے خاوند سے نکاح کرلیا۶	

	(بخاری)

۱؎آپ نوفل ابن عبد مناف کی اولاد سے ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے اہل مکہ میں آپ کا شمار ہے صحابی ہیں۔

۲؎لہذا عقبہ اور ان کی منکوحہ دودھ کے بھائی بہن ہیں ان کا یہ نکاح درست نہ ہوا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ کوئی عورت بلاوجہ ہر بچہ کو دودھ نہ پلائے اور جس کو پلائے اسے مشہور کردے تاکہ آئندہ نکاح میں احتیاط رہے۔(مرقات)

۳؎یعنی مجھے نہ تو میرے گھر والوں نے یہ بتایا نہ دوسرے کسی سے مجھے یہ معلوم ہوا۔

۴؎یعنی نہ تو عقبہ کے گھر والوں کو اس واقعہ کا علم تھا نہ ان کی منکوحہ کے گھر والوں کو اگر ان میں سے کسی کو اس کی خبر ہوتی تو نکاح ہی نہ ہوتا۔

۵؎یعنی اے عقبہ تم جیسے متقی کی احتیاط سے یہ بات بہت بعید ہے کہ جس عورت کے متعلق رضاعی بہن ہونے کا وہم بھی ہوجائے اسے اپنے نکاح میں رکھو بہتر یہ ہی ہے کہ اسے علیحدہ کرو،اس حدیث کی بنا پر احناف بھی کہتے ہیں کہ صرف ایک عورت کی خبر پر عورت کو علیحدہ کردینا افضل ہے، مگر رضاعت کا ثبوت دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی سے ہوگا، امام شافعی کے ہاں چار عورتوں کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے،امام مالک کے ہاں دو عورتوں کی گواہی سے بھی رضاعت کا ثبوت ہوجاتا ہے، سیدنا عبداللہ ابن عباس کا فرمان تھا کہ ایک دائی کی خبر و قسم سے بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے،مذہب احناف بہت قوی ہے،اس حدیث میں حرمت کا فتویٰ نہیں بلکہ تقویٰ و احتیاط کا مشورہ ہے، اسی لیے سرکار عالی نے دائی کو نہ بلایا نہ اس کے بیان لیئے نہ کوئی اور ثبوت مانگا دائی کی خبر پر خبر سن کر یہ ارشاد فرمایا۔

۶؎یعنی عقبہ نے طلاق دے دی، بعد عدت اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کرلیا۔مرقات نے فرمایا کہ عقبہ ابن حارث نے ام یحییٰ بنت ابی اھاب سے نکاح کیا ایک حبشی لونڈی نے کہا میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے پھر خود اس لونڈی نے بارگاہ رسالت میں یہ عرض کیا اس پر یہ ارشاد عالی ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن ایک لشکر اوطاس کی طرف روانہ فرمایا ۱؎یہ لوگ دشمن کے مقابل ہوئے ان پر جہاد کیا پھر غالب آگئے ان کی کچھ عورتیں قید کرلیں ۲؎نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ نے ان کی صحبت میں حرج سمجھا ان کے مشرک خاوندو ں کی وجہ سے ۳؎تب اس بارے میں یہ آیت اللہ تعالٰی نے اتاری کہ تم پر خاوند والیاں عورتیں حرام سوا ان کے جن کے تم مالک ہوجاؤ ۴؎یعنی وہ ان پر حلال ہیں جب کہ ان کی عدت گزر جائے ۵؎(مسلم)

۱؎اوطاس طائف شریف کے علاقہ میں ایک دادی ہے جس میں قبیلہ ہوازن آباد تھا حنین کے ساتھ وہ بھی فتح ہوا۔

۲؎سبایا جمع ہے سبیۃ کی بمعنی قیدی عورت اوطاس میں مرد کفار بھی قید تھے عورتیں بھی یہاں صرف عورتوں کا ذکر ہے اس وجہ سے جو آگے مذکور ہے۔

۳؎یہ حضرات سمجھے کہ چونکہ یہ عورتیں منکوحہ ہیں ان کے خاوند زندہ ہیں ان سے طلاق حاصل کیے بغیر ان سے صحبت حلال نہیں۔

۴؎یعنی قید شدہ کافرہ عورتیں تمہاری لونڈیاں ہوگئیں ان کے احکام وہ نہیں جو آزاد مسلم عورتوں کے ہیں ان کے قید ہوتے ہی ان کے نکاح ختم ہوگئے۔

۵؎عدت سے مراد ایک حیض یا ایک ماہ گزرجانا ہے جسے فقہاء استبراء کہتے ہیں،کافرہ قیدیہ عورت سے استبراء صحبت حلال ہے، یہ تفسیر کسی راوی حدیث کی ہے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ قیدیہ کافرہ خواہ مشرکہ ہو یا اہل کتاب اس سے بعد استبراء مالک کو صحبت حلال ہے،امام شافعی کے ہاں کتابیہ قیدیہ سے تو صحبت حلال ہے،مشرکہ قیدیہ سے صحبت حرام،وہ یہاں فرماتے ہیں کہ شاید یہ قیدی عورتیں مسلمان ہوچکی تھیں مگر یہ تاویل بہت بعید ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا پوپھی سے اس کی بھتیجی پر ۱؎یا عورت سے اس کی خالہ پر یا خالہ سے اس کی بھیتجی پر۱؎نہ چھوٹی سے بڑی پر نکاح کیا جائے نہ بڑی سے چھوٹی پر ۲؎(ترمذی، ابوداؤد، دارمی،نسائی)اور نسائی کی روایت میں بھانجی تک ہے ۳؎

۱؎اس جگہ ان عورتوں کا ذکر ہے جنہیں نکاح یا صحبت میں جمع نہیں کرسکتے قرآن کریم نے فرمایا:"وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ"دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے،مگر حدیث پاک میں کچھ اور تفصیل بیان ہوئی اور فقہاء نے اس کے لیے قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ جن دو عورتوں میں حرمت دو طرفہ ہو کہ جسے مرد مانا جائے اس پر دوسری عورت حرام ہو ان کا جمع کرنا حرام ہے یہاں پھوپھی اور بھتیجی سے تینوں قسم کی پوپھیاں و بھتیجیاں مراد ہیں سگی ہوں یا علاتی یا اخیافی یعنی باپ کی سگی بہن علاتی بہن اخیافی بہن یوں ہی سگے بھائی کی بیٹی علاتی بھائی کی اور اخیافی بھائی کی ان سب کا اجتماع حرام ہے۔

۲؎ چھوٹی بڑی سے مراد رشتہ کی چھوٹی بڑی ہے خالہ و پھوپھی بڑی ہیں اگرچہ عمر میں چھوٹی ہوں یہ جملہ پچھلے جملہ کی تشریح ہے۔
۳؎ اس قسم کی دو عورتوں کے جمع کرنے کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں ذی رحم محرم ہوتی ہیں اور ان کا سوکن بننا جھگڑے فساد کا ذریعہ ہے تو یہ اجتماع قطعیت رحم کا سبب ہے۔خیال رہے کہ ایسی دو عورتوں کا حقیقی نکاح میں جمع کرنا بھی حرام اور حکمی نکاح میں جمع کرنا بھی حرام لہذا پھوپھی کو طلاق دینے کے بعد جب تک پھوپھی عدت میں ہے تب تک اس کی بھتیجی سے نکاح نہیں کرسکتے کہ عدت حکمی نکاح ہے ہاں پھوپھی کے انتقال کے بعد فورًا ہی اس کی بھتیجی سے نکاح کرسکتے ہیں کہ خاوند پر عدت نہیں۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں مجھ پر میرے ماموں ابوبردہ ابن نیار گزرے ۱؎ اور ان کے ساتھ جھنڈا تھا ۲؎ میں نے کہا آپ کہاں جاتے ہیں فرمایا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے کہ اس کا سر آپ کے پاس لاؤں ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،اور ابن ماجہ)دارمی کی روایت میں ہے کہ مجھے حضور نے حکم دیا ہے کہ اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال لے لوں ۴؎ اور اس روایت میں بجائے ماموں کے چچا فرمایا ۵؎

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعد نسخوں میں بجائے خالی کے عمی ہے یعنی میرے چچا گزرے مگر یہ غلط ہے صحیح خالی ہے یعنی میرے ماموں گزرے۔
۲؎ یہ جھنڈا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا تاکہ اس بات کی علامت ہو کہ آپ سرکاری کام سے جارہے ہیں اور لوگوں میں اس سزا کا اعلان ہوجائے اسلام میں مجرموں کو علانیہ سزائیں دی جاتی ہیں چور کے ہاتھ بازار میں کاٹے جاتے ہیں،زانی کو علانیہ چوراہوں میں سنگسار کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو مرتدین و باغی لوگوں کو بعد قتل ان کے سر بازار میں لٹکائے جاتے ہیں۔
۳؎ یعنی اس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے مجھے اس کو قتل کرکے سر بارگاہ عالی میں حاضر کرنے کا حکم ملا ہے غالبًا یہ شخص کوئی مدعی اسلام ہوگا پھر س نے یہ حرکت کرلی ہوگی یہ شخص مجرم و مرتد قرار دیا گیا اگر ہمارے ملک میں مجوسی رہتے ہوں جو اپنی ماں بہن بیٹی سے نکاح کرلیتے ہیں تو ہم ان کو اس حرکت سے نہ روکیں گے کہ یہ ان کی مذہبی رسم ہے اور ہمارے ہاں کفار کو مذہبی آزادی ہے لہذا یہ حدیث اس فقہی حکم کے خلاف نہیں۔
۴؎ اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ پہلے یہ شخص مسلمان تھا بعد میں اس نکاح کو حلال سمجھ کر کافر و مرتد ہوگیا لہذا اسے قتل کرنے اور اس کا مال ضبط کرنے کا حکم صادر ہوا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جو مدعی اسلام حرام عورتوں سے نکاح

جائز مانے وہ مرتد ہے اور جو حرام سمجھ کر یہ نکاح کرے وہ بدترین فاسق ہے اور جسے حرمت کی خبر ہی نہ ہو وہ نکاح کرلے اسے فورًا علیحدگی کا حکم دیا جائے دوسرے شخص نے اگرصحبت بھی کرلی تو یہ صحبت محض زنا ہوگی اور بچہ کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا اور تیسرے شخص نے اگرصحبت کرلی تو یہ وطی بالشبہ ہوگی بچہ صحیح النسب ہوگا۔خیال رہے کہ جو شخص حرام عورت کو حرام جانتے ہوئے نکاح کرلے تو امام شافعی و احمد و مالک کے ہاں اس پر حد زنا ہے اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پر حد نہیں بلکہ سخت تعزیر ہے یہاں پہلی قسم کا آدمی مراد ہے یعنی حلال جان کر نکاح کرنے والا،اسی لیے اسے قتل کرایا گیا اور اس کا مال لیا گیا،ورنہ زانی پر رجم ہے اور اس کا مال اس کے وارثوں کا ہے ہاں مرتد کا وہ حکم ہے جو یہاں مذکور ہوا۔(از کتب فقہ و مرقات وغیرہ)

۵؎ہوسکتا ہے کہ بردہ ابن نیار حضرت براء کے نسبی ماموں ہوں اور رضاعی چچا لہذا یہ دونوں روایات درست ہیں ورنہ وہ نسبًا ماموں ہیں چچا نہیں، حضرت بردہ ابن نیار عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک ہوئے مع اپنے ستر۷۰ ہمراہیوں کے بدر اور تمام غزوات میں شامل رہے عہد مرتضوی میں تمام جنگوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے(اشعہ)

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں حرام کرتا شیر خوارگی سے مگر پستان میں کا وہ دودھ جو آنتیں چیرے ۱؎اور دودھ چھوڑانے سے پہلے ہو ۲؎(ترمذی)	

۱؎فی الثدی فتق کے فاعل کا حال ہے جیسے "تَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُیُوۡتًا"یعنی جو دودھ عورت کے پستان میں سے ہو اور بچے کی آنتوں میں پہنچ کر اس کی بھوک دفع کرے خواہ پستان ہی سے پلایا جائے یا چمچے وغیرہ میں لے کر۔خلاصہ یہ ہے کہ بچہ کو شیر خوارگی کی مدت میں جو دودھ پلایا جائے اس پر رضاعت کے احکام مرتب ہوں گے بعد میں نہیں۔

۲؎یعنی جو مدت دودھ پلانے کی ہے ڈھائی سال کی عمر اس کے بعد اگر پلایا گیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی لہذا اگر کسی بچہ کا دودھ پہلے ہی چھوڑا دیا گیا تو یہ چھوڑانا معتبر نہیں۔خیال رہے کہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد بچہ کو عورت کا دودھ پلانا ممنوع ہے کہ یہ دودھ انسانی جز ہے جس کو بلاضرورت استعمال کرنا حرام ہے بعض کان یا آنکھ کے درد میں لڑکی والی عورت کا دودھ مفید ہوتا ہے اگر طبیب حاذق کہے کہ اس کے سوا کوئی علاج نہیں تو اسے علاجًا کان یا آنکھ میں ٹپکانا جائز ہے۔(مرقات)یہ حدیث ان احادیث کی ناسخ ہے جن سے ثابت ہے کہ جوان لڑکے کو دودھ پلادینے سے حرمت آجاتی ہے اس پر صحابہ کرام بلکہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس نسخ کی تصریح فرمائی ہے۔حضور فرماتے ہیں لا رضاع الا ماکان فی حولین یہ حدیث مرفوع بھی ہے اور حضرت ابن عباس،علی،ابن عمر،ابن مسعود رضی اللہ عنہم پر موقوف بھی،اسے امام ترمذی نے صحیح فرمایا،ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن مسعود ہے کہ اس زمانہ میں شیر خوارگی حرمت ثابت کرے گی۔جب دودھ سے گوشت بنے اور ہڈی بڑھے جن صحابہ سے جوان بچہ کو دودھ پلانے کی روایت آئی ہیں ان حضرات نے اس سے رجوع فرمالیا یہاں اس کی بہت نفیس تحقیق مرقات وغیرہ نے کی۔

	روایت ہے حضرت حجاج ابن حجاج اسلمی سے وہ اپنے باپ سے راوی ا؎انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کون چیز مجھ کو شیر خوارگی کا حق ادا کراسکتی ہے ۲؎فرمایا غلام یا لونڈی کی پیشانی ۳؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی،دارمی)

ا؎یہ حجاج اسلمی صحابی ہیں انکے بیٹے حجاج ابن حجاج تابعی ہیں یہ تابعی ۱۳۱ھ؁ میں مروان حمار کے زمانہ میں وفات پائی،یہ وہ حجاج ظالم نہیں کہ وہ حجاج ثقفی ہے دیکھو۔(اشعہ ومرقات)

۲؎مذمہ وذمام فتح وکسرہ سے بمعنی حق و حرمت و احترام یعنی جس کے ضائع کرنے والے کی ذمہ و برائی کی جائے۔مطلب یہ ہے کہ وہ کون سی خدمت اپنی دودھ کی ماں کی کروں جس سے اس کے دودھ کا حق ادا ہو معلوم ہوا کہ دودھ کی اجرت دے دینے سے اس کا حق ادا نہیں ہوجاتا۔

۳؎یعنی اپنی دائی کو اعلیٰ درجہ کی لونڈی یا غلام دے دو جو اس کی خدمت کرے،خدمت کا بدلہ خدمت ہے اور دائی خود کسی کی لونڈی ہو یا اس کا خاوند کسی کا غلام ہو تو اسے خرید کر آزاد کردو پھر بھی اس کا احترام و خدمت بچہ پر لازم ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو طفیل غنوی سے ا؎فرماتے ہیں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بی بی صاحبہ آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھادی حتی کہ وہ اس پر بیٹھ گئیں ۲؎تو پھر جب وہ چلی گئیں تو کہا گیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے ۳؎(ابوداؤد)

ا؎آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،لیثی،کنانی ہیں،کنیت ابو طفیل آٹھ سال حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہے ۱۰۲ھ؁ میں مکہ معظّمہ میں انتقال فرمایا،روئے زمین پر آپ ہی آخری صحابی ہیں جن کی وفات پر صحابیت ختم ہوئی(مرقات)حضرت علی کے ساتھ ان کی تمام جنگوں میں رہے۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں عمل اظہار احترام و اظہار مسرت کے لیے تھے۔معلوم ہوا کہ قیام تعظیمی جائز ہے اور انسان خواہ کتنا ہی عظمت والا ہو مگر اپنے مربی کا احترام کرے۔دیکھو یہ وہ آستانہ ہے جہاں جبریل امین خادمانہ شان سے حاضر دیتے ہیں مگر ان بی بی صاحبہ کے لیے چادر بچھائی گئی۔اس میں ہم لوگوں کو تعلیم ہے کہ جب دودھ پلانے والی دائی کا یہ ادب و احترام ہے تو سگی ماں کا ادب و احترام کیسا چاہیے۔

۳؎یہ واقعہ خاص جنگ حنین کے دن کا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ سے فارغ ہوئے تھے جماعت صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور جو چادر شریف اوڑھے ہوئے تھے ان کے لیے بچھادی جب تک آپ تشریف فرما رہیں کسی اور سے کلام نہ فرمایا ان ہی کی طرف متوجہ رہے جب آپ واپس ہوئیں تو بہت ہدایا تحفے عطا فرمائے اور انہیں کچھ دور

مشایعت کے طور پر پہنچانے تشریف لے گئے پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی اور صحابی نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ حضور کی دائی جناب حلیمہ ہیں جنہوں نے حضور کو دودھ پلایا ہے یہ پورا واقعہ مواہب الدنیہ میں مطالعہ فرمایئے کچھ مرقات نے بھی یہاں ہی بیان فرمایا آج کے نوجوان یہ حدیثیں پڑھیں اور عبرت حاصل کریں کہ ہم لوگ سگی ماں کا بھی ادب نہیں کرتے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ غیلان ابن سلمہ ثقفی اسلام لائے۱ان کے زمانہ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں وہ بھی انکے ساتھ اسلام لائیں ۲تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار کو رکھ لو باقی کو علیحدہ کردو ۳(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱آپ فتح طائف کے بعد اسلام لائے بنی ثقیف کے بڑے معزز آدمی تھے عہد فاروقی میں وفات ہوئی۔

۲زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی تعداد مقرر نہ تھی جتنی سے چاہو نکاح کرلو اورا پنے ساتھ رکھو اس قاعدے سے آپ کے نکاح میں دس بیویاں تھیں۔

۳اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ کفار کے نکاح درست ہیں کہ اگر وہ دونوں زوجین ایمان لے آئیں تو اب تجدید نکاح کی ضرورت نہیں،رب تعالٰی نے ابی لہب کی بیوی جمیلہ کو اس کی زوجہ مانا کہ فرمایا:"**وَامۡرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ**"۔دوسرے یہ کہ کفار زمانہ کفر کے نکاح پر قائم رکھے جائیں گے اگرچہ انکے نکاح اسلامی قاعدے پر نہ ہوئے ہوں،ہاں اگر کسی کافر کے نکاح میں محرم عورت ہوئی تو اسے علیحدہ کرادیا جائے گا۔تیسرے یہ کہ چار سے زیادہ بیویاں اگر ہوں تو بعد اسلام چار ہی رکھنا ہوں گی اور اس میں خاوند کو اختیار ہوگا جنہیں چاہے رکھے،چوتھے یہ کہ اس علیحدگی میں شرعی طلاق کی ضرورت نہیں خاوند کا صرف علیحدہ کردینا ہی کافی ہوگا۔خیال رہے کہ چار کی پابندی بیویوں کے متعلق ہے لونڈیاں جتنی چاہے رکھے۔

	روایت ہے حضرت نوفل ابن معاویہ سے ۱فرماتے ہیں کہ میں اسلام لایا حالانکہ میرے قبضہ میں پانچ بیویاں تھیں تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا ایک کو جدا کردو اور چار کو رکھ لو ۲چنانچہ میں نے ان میں سے اپنی پرانی صحبت والی جو ساٹھ سالہ بانجھ تھی ۳ادھر توجہ کی اور اسے جدا کردیا(شرح سنہ)

۱آپ دیلمی ہیں،صحابی ہیں فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ میں شریک ہوئے اسلام سے پہلے ساٹھ سال کفر میں گزارے بعد اسلام ساٹھ یا سو سال اور جیئے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ یعنی اب بعد اسلام تم کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے لہذا ان میں سے ایک کو علیحدہ کردو معلوم ہوا کہ کفار اگر چار سے زیادہ بیویاں رکھیں تو ان کو ہم منع نہ کریں گے اور ان سب سے جو اولاد ہوگی حلال ہوگی چار کی پابندی صرف مسلمان پر ہے۔

۳؎ عاقر صفت یا بدل ہے اقدم کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ میں ایک عورت میرے پاس ساٹھ سالہ بانجھ اور بوڑھی تھی میں نے اس کو علیحدہ کردیا بقیہ عورتیں عمر میں بھی اس سے کم تھیں اور بانجھ بھی نہ تھیں انہیں رکھ لیا۔

	روایت ہے حضرت ضحاک ابن فیروز دیلمی سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میری زوجیت میں دو بہنیں ہیں فرمایا ان دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کرلو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ ضحاک تابعی ہیں اور ان کے والد فیروز صحابی انہیں چری بھی کہاجاتا ہے کیونکہ آخر میں آپ چرمیں رہے فارسی النسل صنعانی ہیں،اسود عنسی تمیمی کو آپ ہی نے قتل کیا جو مدعی نبوت تھا خلافت عثمانیہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کہ جب کوئی کافر مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہوں یعنی بیوی بھی سالی بھی تو اسے اختیار ہوگا جسے چاہے رکھے جسے چاہے علیحدہ کردے ہمارے امام اعظم کے ہاں اگر ان دونوں بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا ہو تو دونوں کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔اور اگر آگے پیچھے نکاح کیا ہو تو پہلی کو رکھے دوسری کو علیحدہ کردے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں ایک عورت مسلمان ہوئی اس نے نکاح کرلیا ۱؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا خاوند حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ میں مسلمان ہوچکا ہوں اور اس عورت کو میرے اسلام کا علم ہے ۲؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسرے خاوند سے علیحدہ کردیا۔اور پہلے خاوند کی طرف لوٹا دیا ۳؎ اور ایک روایت میں ہے وہ بولا کہ یہ میرے ساتھ مسلمان ہوئی تھی تب حضور نے اسے واپس کردیا ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ شاید اس بی بی نے اپنا منکوحہ ہونا بیان نہ کیا ہوگا اس لیے اس کا دوسرا نکاح کردیا ہوگا، ورنہ عورت کے اسلام لانے پر تین صورتوں میں نکاح ختم ہوتا ہے: ایک تو عورت کی عدت گزرجانا کہ خاوند عدت گزارنے تک ایمان نہ لائے یا خاوند پر اسلام پیش کرنا اور اس کا انکار کردینا یاان دونوں میں سے کسی ایک کا دارالاسلام میں آجانا دوسرے

کا دارالحرب میں ہی رہ جانا اس کے برعکس کہ دونوں دارالسلام میں تھے،اور ان میں سے ایک دارحرب میں چلا گیا،یہ مذہب احناف ہے۔

۲؎ علمت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد متکلم ہو یعنی میں نے سوچ سمجھ کر جان پہچان کر اسلام قبول کیا تھا میرا ایمان محض تقلیدی نہ تھا،دوسرے یہ کہ صیغہ واحد غائب کا ہو یعنی اس عورت کو خبر تھی کہ میں مسلمان ہوچکا ہوں مگر اس نے نہ تو اپنے نکاح کا ذکر کیا اور نہ میرے اسلام لاچکنے کا،جس کی وجہ سے اس کا نکاح اور شخص سے کردیا گیا۔

۳؎ یعنی نکاح ثانی کو کالعدم قرار دیا اس لیے اس دوسرے خاوند سے طلاق نہ دلوائی بلکہ علیحدگی کا حکم دے دیا اور پہلے نکاح کو قائم رکھااس لیے پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہ کیابلکہ واپس کردیا ہاں اگر دوسرا خاوند صحبت کرچکا ہو تو پہلے خاوند کو ایک حیض آنے تک صحبت سے باز رہنے کا حکم دیا ہوگا جیسے استبراء کہتے ہیں اور وطی بالشبہ کے لیے یہ ہی حکم ہے اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کا بھی حکم نہ دیا۔یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ صرف عورت کے اسلام لانے پر نکاح فسخ نہیں ہوتا بلکہ فسخ نکاح کے لیے ان تین چیزوں میں سے ایک ضروری ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا حضرت امام شافعی کے ہاں عورت کا صرف مسلمان ہوجانا فسخ نکاح کا باعث ہے۔(اشعہ)

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت مسلمان ہو کر مرد کے انکار اسلام کا دعوی کرے اور مرد کہے کہ میں نے انکار نہ کیا تھا ساتھ ہی مسلمان ہو گیا تھا تو مرد کی بات قبول ہے نہ کہ عورت کی۔

	اور شرح سنہ میں روایت کی گئی کہ عورتوں کی ایک جماعت ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح کی بنا پر ان کے خاوندوں پر واپس فرمایا،دونوں اسلاموں کے جمع ہونے کے وقت ۱؎ دین اور ملک علیحدہ ہونے کے باوجود ۲؎ ان ہی سے ولید ابن مغیرہ کی بیٹی بھی ہے جو صفوان ابن امیہ کی زوجہ تھیں وہ فتح کے دن اسلام لائیں اور ان کے خاوند اسلام سے بھاگ گئے تو ان کے چچا زاد بھائی وہب ابن عمیر نے ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر بطور امان صفوان کے لیے بھیجی ۳؎ پھر جب وہ آئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ کا دیس نکالا دیا ۴؎ تاآنکہ وہ مسلمان ہوئے ۵؎ پھر ان کی بیوی ان کے پاس رہیں ۶؎ اور ام حکیم بنت حارثہ ابن ہشام یعنی عکرمہ ابن ابوجہل کی بیوی فتح مکہ کے دن ایمان لے آئیں اور ان کے خاوند اسلام سے بھاگ گئے ۷؎ حتی کہ

	یمن پہنچ گئے۸ام حکیم چلیں تاآنکہ ان کے پاس یمن میں پہنچ گئیں پھر انہیں دعوت اسلام دی چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور یہ دونوں اپنے نکاح پر قائم رہے۹ (مالک عن ابن شہاب مرسلًا)۱۰

۱یعنی جب خاوند عورت کی عدت گزرنے سے پہلے ہی مسلمان ہوجائے تو نکاح اول قائم رہے گا تجدید نکاح کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲یہ مذہب شافعی ہے کہ اختلاف ملک کے باوجود نکاح قائم رہے گا اور یہ جملہ ان کی دلیل ہے(مرقات)یہاں چار صورتیں ہیں:دو میں ہم و شافعی متفق ہیں دو میں مختلف:(۱)ایک یہ کہ کافر زوجین ہمارے ملک میں ذمی یا مستامن بن کر آئے اور دونوں ایک ساتھ مسلمان ہوگئے،بالاتفاق نکاح باقی،(۲)کافر زوجین میں سے ایک قید کرکے دارالاسلام میں لایا گیا بالاتفاق نکاح ختم ہوگیا،ہمارے ہاں ملک بدل جانے کی وجہ سے اور امام شافعی کے ہاں اسلامی قیدی ہونے کی وجہ سے(۳)ان دونوں میں سے ایک ہمارے ملک میں ذمی یا مستامن بن کر آیا پھر مسلمان ہوگیا ہمارے ہاں نکاح فسخ ہوگیا شوافع کے ہاں نہیں(۴)دونوں کافر زوجین قید کرکے دارالاسلام لائے گئے امام شافعی کے ہاں نکاح فسخ ہوگیا قیدی ہونے کی وجہ سے ہمارے ہاں نہیں،جانبین کے دلائل شروع ہدایہ میں ملاحظہ کیجئے۔(مرقات)

۳یعنی وہب ابن عمیر نے صفوان ابن امیہ کے لیے حضور سے امان لے لی اور اس امان کی اطلاع صفوان کے پاس بھیجی اور ثبوت کے لیے حضور کی چادر شریف قاصد کے ہمراہ کردی تاکہ صفوان قاصد کی تصدیق کرکے اپنے کو امان میں سمجھ لیں،اور مکہ معظّمہ آجائیں یا حضور نے وہب ابن عمیر کو امان اور اپنی چادر دے کر صفوان کے پاس بھیجا اس صورت میں **بردآءہ** کافی تھا مگر بجائے ضمیر اظہار کردیا تاکہ معلوم ہو کہ چادر حضور کی تھی نہ کہ وہب کی۔

۴**تیسیر** کے معنی ہیں سیر کرنے چلنے پھرنے کی اجازت یا اس کا حکم اور **اربعۃ اشھر** اس کا ظرف مضاف الیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے **سارق اللیل** یعنی رات میں چوری کرنے والا رات کا چور۔مطلب یہ ہے کہ حضور نے انہیں اجازت دی یا حکم دیا کہ چار ماہ تک امن و امان سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں میں گشت و چکر لگائیں۔

۵یعنی دل سے مسلمان ہوگئے اور اسلام ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا اسلام کی شوکت دیکھ کر اور مسلمانوں کی ملاقات سے ورنہ وہ تو مسلمان پہلے ہی ہوگئے تھے۔خیال رہے کہ صفوان اپنی بیوی کے دو ماہ بعد اسلام لائے۔(مرقات)

۶یا تو پہلے ہی نکاح یا نئے نکاح سے جوان کے ساتھ کیا گیا لہذا یہ حدیث صراحۃً نہ ہمارے خلاف ہے نہ شوافع کے(مرقات)نیز یہاں اختلاف دارین نہ ہوا کہ صفوان دارالکفر میں مقیم نہ ہوئے تھے صرف مکہ معظّمہ سے بھاگ کر وہاں پناہ گزین ہوگئے تھے ورنہ ایسی صورت میں کہ زوجہ اسلام قبول کرے خاوند کافر رہے اختلاف دارین سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔

۷؎ یعنی اسلام کی شوکت مسلمانوں کی قوت دیکھ کر اپنی جان کے خوف سے بھاگ گئے۔خیال رہے کہ جناب عکرمہ ان میں سے ہیں جن کے متعلق اعلان ہوگیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کردیئے جائیں جیسا کہ فتح مکہ کے واقعہ میں آتا ہے وحشی،ابن حنظل،عکرمہ،ہندہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔

۸؎ حق یہ ہے کہ عکرمہ یمن میں داخل نہ ہوئے تھے بلکہ ساحل پر رہے جو حجاز و یمن کی حد ہے لہذا ان میں اور ان کی بیوی میں ملک کا اختلاف نہ پایا گیا لہذا فسخ نکاح کی کوئی وجہ نہ تھی۔(فتح القدیرو مرقات)وہ جو روایات میں ہے کہ حضرت ابوالعاص ابن ربیع مکہ میں کافر ہو کر رہے اور ان کی زوجہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پاک میں مؤمنہ مہاجرہ ہو کر رہیں پھر تین یا چھ سال بعد آپ اسلام لائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ان کی زوجیت میں رکھا وہاں حق یہ ہی ہے کہ حضور نے ان کا نیا نکاح کیا جیسا کہ ترمذی ابن ماجہ اور امام احمد کی روایات میں ہے اور جن روایات میں ہے کہ علی النکاح الاول وہاں علی سببیہ ہے کہ پہلے نکاح کی وجہ سے انکے ساتھ ہی نکاح کیا دوسرے خاوند سے نکاح نہ کیا تاکہ روایات میں تعارض نہ ہو،یا یہ مطلب ہے کہ دوسرا نکاح مطابق نکاح اول کے کیا مہروغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا۔خیال رہے کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاوند ابوالعاص میں اختلاف دین زیادہ دس سال سے رہا کیونکہ بی بی خدیجہ اور ان کی لڑکیاں جن میں زینب بھی داخل ہیں اول تبلیغ میں ایمان لائیں اور ابوالعاص فتح مکہ سے کچھ پہلے ایمان لائے حضور انور نے ہجرت سے پہلے ان کا نکاح فسخ نہ کیا کیونکہ اس زمانہ میں مشرکین سے مؤمنہ عورتوں کا نکاح حرام نہ تھا اسی لیے جب بی بی زینت مہاجرہ ہو کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئیں تو حاملہ تھی راہ میں اسقاط ہوگیا بہرحال حضرت زینب کا مؤمنہ ہو کر ابوالعاص کے نکاح میں رہنا حالانکہ وہ کافر تھے اولًا اس وجہ سے تھا کہ اس وقت ایسے نکاح درست تھے پھر بعد ہجرت اختلاف دار کی وجہ سے نکاح فسخ ہوا مگر بعد میں اس نکاح کی وجہ سے تجدید نکاح کیا گیا اس کی نفیس تحقیق یہاں ہی مرقات میں دیکھئے۔

۹؎ صاحب مشکوۃ کا مقصد ان احادیث سے یہ ہے کہ زوجین میں جب کفرو اسلام کا اختلاف ہوجائے تو بغیر کسی کے قید ہوئے نکاح فسخ نہیں ہوتا اگرچہ دونوں کے ملک علیحدہ ہوگئے ہوں کہ ایک داراسلام میں آجائے اور دوسرا دارحرب میں رہے یہ مذہب شافعی ہے احناف کا مذہب یہ ہے کہ دارو ملک مختلف ہوتے ہی نکاح فسخ ہوجاتا ہے، امام اعظم کی دلیل قرآنی آیات ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمٰنِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ"لا ترجعوهن سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنہ داراسلام میں پہنچی اور اس کا کافر خاوند والا نکاح فسخ ہوا، لہذا ان احادیث کے ایسے معانی کرنے چاہئیں جو آیت قرآنیہ کے خلاف نہ ہوں وہ ہم نے ابھی عرض کردیئے۔

۱۰؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے،مؤرخین فرماتے ہیں کہ جب عکرمہ کو اپنے امان کی خبر ملی تو خوشی سے اچھل پڑے اور بہت جلد حاضر بارگاہ ہو کر مسلمان ہوئے حضور ان کی آمد پر خوشی سے کھڑے ہوگئے، خیال رہے کہ حضور حضرت عکرمہ ابن ابوجہل، عدی ابن حاتم، زید ابن ثابت، جعفر ابن ابی طالب کی آمد پر خوشی میں کھڑے ہوئے ہیں(مرقات)حضرت فاطمہ کی آمد پر ہمیشہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نسب سے سات عورتیں حرام ہیں ا؎ اور سسرالی رشتہ سے سات پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں ۲؎ الایہ(بخاری)	

ا؎ وہ سات عورتیں یہ ہیں،ماں،بیٹی،بہن،پھوپھی،خالہ،بھتیجی،بھانجی۔

۲؎ خیال رہے کہ نکاح کی وجہ سے چند عورتیں دائمی حرام ہوجاتی ہیں،اپنی ساس،بیٹے کی بیوی،پوتے کی بیوی،دادا کی بیوی،مدخول بہابیوی کی بیٹی اور عارضی طور پر چند عورتیں حرام ہوتی ہیں،بیوی کی بہن،اس کی پھوپھی اس کی خالہ جس آیت سے حضرت ابن عباس نے استدلال کیا ہے یعنی"وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ"۔اس میں نہ تو بیوی کی خالہ اور پھوپھی کا ذکر ہے نہ سسر کی بیوی کا،لہذااس آیت سے استدلال کچھ کمزور ہے یا کہو کہ اکثر کا ذکر ہے نہ کہ کل کا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے صحبت کرے تو اس کی بیٹی کا نکاح حلال نہیں ا؎ اور اگر اس سے صحبت نہیں کی تو اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے ۲؎ اور جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے تو اسے اس عورت کی ماں سے نکاح حلال نہیں اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ۳؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کی طرف سے صحیح نہیں ۴؎ اسے ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح نے عمرو ابن شعیب سے روایت کیا اور وہ دونوں حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۔۵؎	

ا؎ ظاہر ہے کہ یہاں دخول سے مراد حقیقی صحبت ہے صرف خلوت کافی نہیں جس بیوی سے صحبت کرلی جائے اس کی بیٹی حرام ہوگی،قرآن کریم فرماتا"وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ"۔

۲؎ اس طرح کہ اولا اس بیوی کو طلاق دے پھر اس کی بیٹی سے نکاح کرے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِنۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ"۔

۳؎ اس حکم کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے"وَاُمَّہٰتُ نِسَآئِکُمۡ"کہ تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں یہاں بیویوں میں صحبت کی قید نہیں۔

۴؎ یعنی اس حدیث کے الفاظ اسنادًا صحیح نہیں معنی حدیث بالکل صحیح ہیں کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم ان کی تائید کررہا ہے۔

۵؎ یعنی محدثین کے نزدیک ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح ضعیف مانے جاتے ہیں،خیال رہے کہ بعض محدثین نے انہیں ضعیف مانا ہے اور بہت سے محدثین انہیں ضعیف نہیں مانتے لہذا یہ حدیث ان ہی کے نزدیک ضعیف ہے جو ان راویوں کو ضعیف مانتے ہیں احناف کے نزدیک ابن لہیعہ ضعیف نہیں دیکھئے طحاوی ومرقات۔

باب المباشرة

صحبت کرنے کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] مباشرہ بُشرۃ سے بنا بمعنی ظاہری کھال اسی لیے انسان کو بشر کہتے ہیں یعنی ظاہری اور کھلی کھال والا کہ نہ اس پر بال ہیں نہ پر جو کھال ڈھانپ لیں۔مباشرت کے معنی ہیں کھال سے کھال ملانا اس سے مراد ہے صحبت کرنا، اس باب میں عورت سے صحبت کے احکام بیان ہوں گے۔خیال رہے کہ اپنی بیوی سے عمر میں ایک بار صحبت کرنا فرض ہے کہ اس کے بغیر وہ دعویٰ کرسکتی ہے اور چارہ ماہ میں ایک بار ضرری ہے اس کے سواء بقدر طاقت،روزے میں اور بحالت حیض و نفاس صحبت حرام، جمعہ کے دن قبل نماز صحبت مستحب،جن حالات میں صحبت مضرو نقصان دہ ہو ان میں صحبت مکروہ،اس کی تفصیل شامی وغیرہ کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں یہود کہتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کے پیچھے کی طرف سے اس کی فرج میں صحبت کرے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے[1] تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو جاؤ[2] (مسلم،بخاری)	

[1] عورت کی دبر میں وطی کرنا تمام دینوں میں حرام ہے اسلام میں حرام قطعی ہے کہ اس کا منکر کافر ہے اس کا مرتکب فاسق و فاجر یہاں یہ مطلب ہے کہ مرد عوت کے پیچھے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر فرج میں صحبت کرے تو بچہ کی آنکھ میں خرابی ہوتی ہے کہ وہ بھینگا ہوتاہے۔

[2] اس آیت میں **نساؤکم** سے مراد مطلقًا عورتیں ہیں خواہ اپنی بیویاں ہوں یا اپنی لونڈیاں اور یہاں بمعنی **این** نہیں بلکہ بمعنی **کیف** ہے یعنی تعیم مکان کے لیے نہیں بلکہ تعیم کیفیت کے لیے ہے اسی لیے **حرثکم** ارشاد ہوا یعنی اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو جاؤ کھڑے،بیٹھے،لیٹے،آگے سے یا پیچھے سے بشرطیکہ فرج میں صحبت ہو کہ فرج ہی کھیتی ہے نہ کہ اور جگہ اس آیت کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی پارہ دوم میں ملاحظہ کیجئے۔مقصد یہ ہے کہ جیسے کھیت میں تخم کسی طرح ڈال دو بفضلہٖ تعالٰی پیداوار ہوتی ہے۔ یوں ہی اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس کسی طرح جاؤ مقدر میں جیسا بچہ ہے ویسا ہوگا آگے پیچھے ہونے سے بچہ پر اثر نہیں پڑتا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اتررہا تھا۔(مسلم،بخاری) مسلم نے یہ زیادہ	

	کیا کہ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو ہم کو منع نہ فرمایا ۱؎

۱؎عزل کے معنی ہیں علیحدگی اصطلاح میں عزل کے معنی ہیں انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہوجانا اور باہر منی نکالنا، تاکہ حمل قائم نہ ہو لونڈی میں تو بہرحال جائز ہے اور اپنی آزاد منکوحہ عورت میں بیوی کی اجازت سے جائز ہے بلااجازت مکروہ یہ ہی عام علماء و عام صحابہ کا مذہب ہے۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری ایک لونڈی ہے جو ہماری خدمت گار ہے ۱؎اور میں اس کے پاس جاتا ہوں ۲؎اور یہ ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہوجائے ۳؎تو فرمایا اگر تو چاہے تو اس سے عزل کر مگر اس پر گزرے گا وہی جو اس کے مقدر میں ہے ۴؎پھر وہ شخص کچھ ٹھہرا پھر حاضر خدمت ہوکر بولا کہ لونڈی تو حاملہ ہوگئی ۵؎تب فرمایا کہ ہم نے تو تمہیں پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ اسے پہنچے گا ۶؎(مسلم)

۱؎جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں لونڈی کو بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے اسی لیے فرمایا کہ وہ خادمہ ہے آزاد لڑکی نہیں بلکہ لونڈی ہے۔

۲؎یعنی کہ میں اس سے صحبت کرتا ہوں جیسے مولیٰ اپنے لونڈی سے کیا کرتا ہے۔

۳؎یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ اگر عزل نہ کروں تو شاید وہ حاملہ ہوجائے اور پھر نہ تو اس کی بیع جائز رہے نہ ہبہ وغیرہ بلکہ میری موت کے بعد آزاد ہوجائے کیونکہ جس لونڈی سے مالک کا بچہ ہوجائے وہ ام ولد بن جاتی ہے کہ مولیٰ کی موت کے بعد آزاد ہوتی ہے اس کی بیع وصیت ہبہ وغیرہ جائز نہیں مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو عزل کرلیا کروں۔

۴؎سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم ہے یعنی عزل کرنا ممنوع تو نہیں مگر بے کار ضرور ہے کہ عزل سے تقدیر بدل نہیں جاتی جس قطرہ سے بچہ بننا ہے وہ بن کر رہے گا تمہاری تدبیر تقدیر کو نہیں بدل سکتی اس سے معلوم ہوا کہ لونڈی سے عزل جائز ہے اور اس میں خود مولیٰ مختار ہے لونڈی کی اجازت ضروری نہیں۔

۵؎یعنی عزل کرنے کے باوجود وہ حاملہ ہوگئی۔

۶؎یعنی تدبیر سے تقدیر نہیں بدلتی لہذا عزل کے باوجود حمل قائم ہوسکتا ہے اس طرح کہ منی کا ایک قطرہ شرمگاہ میں گر جائے اسے خبر نہ ہو دیکھا گیا ہے کہ بعض اولاد والوں نے اولاد سے بچنے کے لیے فرنچ لیدر(French Lather)صحبت کے وقت استعمال کیا مگر حمل قائم ہوگیا آج کل خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے ولادت روکنے کی تدبیریں کی جارہی ہیں

مگر تجربہ کہہ رہا ہے کہ ولادتیں پہلے سے بھی زیادہ ہورہی ہیں۔حضور والا کے فرمان عالی اٹل ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل کرنے والے کا بچہ صحیح النسب ہوگا۔خاوند یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میں نے توعزل کیا تھا لہذا یہ بچہ میرا نہیں،حرامی ہے کہ عزل سے بھی حمل قائم ہوجاتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عزل بے کار سی چیز ہے مگر جائز ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو عزل سے منع فرمایا اور نہ اس بچہ کے نسب کے انکار کی اجازت دی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں گئے ا؎ تو ہم نے عرب کے قیدیوں میں سے کچھ قیدی پائے ۲؎ ہم کو عورتوں کی رغبت تھی اور ہم پر بغیر بیوی رہنا دشوار ہوا ہم نے عزل کو پسند کیا چنانچہ ہم نے عزل کرنے کی ٹھانی ۳؎ مگر ہم نے سوچا کہ کیا ہم عزل کریں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ہیں ان سے دریافت کرنے سے پہلے ۴؎ تو ہم نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ تم پر عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں ۵؎ نہیں ہے کوئی روح جو قیامت تک آنے والی ہو مگر وہ آکر رہے گی ۶؎ (مسلم،بخاری)

ا؎ بنی مصطلق قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک جماعت کا نام ہے جو خزیمہ ابن سعد ابن عمر کی اولاد سے ہے خزیمہ کا لقب مصطلق تھا کہ یہ بہت خوش آواز تھا، بنی خزاعہ میں سب سے پہلے گانا اسی نے گایا یہ غزوہ ۵ھ میں واقع ہوا اس غزوہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی گئی اور آپ کی براءت میں سورہ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں جس کا واقعہ مشہور ہے۔

۲؎ اس حدیث کی بناء پر شوافع کہتے ہیں کہ مشرکین عرب جہاد میں قید کیے جاسکتے ہیں اور انہیں لونڈی غلام بنایا جاسکتا ہے۔کیونکہ بنی مصطلق عرب ہیں اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنائی گئیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عرب کے کفار قیدی بنا کر لونڈی غلام نہیں بنائے جاسکتے کہ وہ لوگ محترم ہیں امام ابوحنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے " امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔الناس سے مراد مشرکین عرب ہیں،یہ حدیث یا تو اس حدیث سے منسوخ ہے یا یہ گرفتار شدگان نسل کے عربی نہ تھے باہر کے تھے قبیلہ بنی مصطلق میں رہتے تھے من العرب کا یہ ہی مطلب ہے۔

۳؎ تاکہ لونڈیوں سے صحبت بھی کرسکیں اور حمل بھی قائم نہ ہو، جس سے ان کی بیع ہبہ وغیرہ ہوسکے۔

۴؎ یہ حضرات سمجھے کہ عزل حرام ہوگا کہ اس میں منی کا ضائع کرنا ہے جیسے جلق یعنی ہاتھ سے منی نکالنا حرام ہے کہ اس میں پانی ضائع کرنا ہے۔

۵؎یہاں حرج سے مراد خطرہ ہے نہ کہ ممانعت شرعی یعنی عزل نہ کرنا خطرناک نہیں اور عزل کرنا مفید نہیں کیونکہ جو بچہ دنیا میں آنے والا ہے وہ آکر رہے گا لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس جملہ کے اور بہت سے معنی کیے گئے ہیں بعض نسخوں میں لا نہیں ہے ان تفعلوا ہے بعض نے فرمایا کہ لا ہے مگر زائدہ ہے معنی یہ ہیں کہ عزل کرنے میں تم پر حرج نہیں جائز ہے۔

٦؎یعنی تمہارے عزل کرنے کی وجہ سے آنے والی روح آنے سے نہ رکے گی لہذا عزل کرنا اگرچہ حلال ہے مگر ہے بے کار۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہر منی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا۱؎اور اللہ تعالٰی جب کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی ۲؎(مسلم)

۱؎چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بارہا صحبت کی جاتی ہے حمل نہیں رہتا اور اس عورت سے کبھی صرف ایک ہی بار صحبت کی جائے حمل قائم ہوجاتا ہے حالانکہ مرد بھی وہ ہی ہوتا ہے عورت بھی وہ ہی۔

۲؎اسی شیئ میں بڑی وسعت ہے یعنی عزل فرنچ لیدر(French Lather)مانع حمل دوائیں خاندانی منصوبہ بندی کی تدابیر وغیرہ کوئی شئے آنے والے بچہ کو نہیں روکتی،آج تقدیر کے سامنے سائنس بھی سر ٹیک گئی۔

	روایت ہے حضرت سعد ا بن ابی وقاص سے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں ۱؎اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو یہ کیوں کرتا ہے وہ بولا کہ اس کے بچے پر خوف کرتا ہوں ۲؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ کام مضر ہوتا تو فارسیوں اور رومیوں کو نقصان دیتا ۳؎(مسلم)

۱؎عزل کے معنی ہیں علیحدگی و دوری یہاں اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:میں اپنی بیوی سے علیحدہ رہتا ہوں کہ صحبت نہیں کرتا یا اس سے صحبت تو کرتا ہوں مگر پانی علیحدہ گراتا ہوں تاکہ وہ حاملہ نہ ہوجائے کیونکہ اس کا بچہ شیر خوار ہے حمل رہ جانے سے دودھ خراب ہوجائے گا۔

۲؎اس جملہ کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ میری بیوی حاملہ ہے اب صحبت کرنے میں خطرہ ہے کہ حمل کو نقصان ہو یا حاملہ کو نقصان ہو،جس سے حمل ضائع ہوجائے یا میرا بچہ شیر خوار ہے خطرہ ہے کہ صحبت کرنے سے وہ

حاملہ ہوجائے جس سے دودھ کم بھی ہوجائے اور بھاری بھی کہ بچہ بھوکا بھی رہے اور بدہضمی بھی ہو اسی کو غیلہ کہتے ہیں یعنی شیر خوارگی کے زمانہ میں عورت سے صحبت کرنا۔

۳؎ یعنی فارسی و رومی لوگ بحالت حمل اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں اور عورتیں حاملہ ہوجانے پر بھی بچہ کو دودھ پلاتی رہتی ہیں، بچہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا لہذا تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ غیلہ بچہ کو مضر ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ تجربہ معتبر ہے اور تجربہ پر احکام جاری ہوجاتے ہیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ فارسی و رومی لوگ حاملہ بیویوں سے صحبت کرتے ہیں ان کے حمل کو نقصان نہیں ہوتا۔معلوم ہوا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم قوموں کے اندرونی حالات سے بھی خبردار ہیں علماء کو چاہیے کہ زمانہ و اہل زمانہ کے حالات سے باخبر رہیں۔

روایت ہے حضرت جذامہ بنت وہب سے ۱؎ فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگوں کے ساتھ آئی ۲؎ حضور فرمارہے تھے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں غیلہ سے منع کردوں ۳؎ مگر میں نے فارسیوں اور رومیوں میں غور کیا تو وہ لوگ اپنی اولاد کا غیلہ کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو یہ عمل کچھ بھی نقصان نہیں دیتا ۴؎ پھر لوگوں نے حضور سے عزل کے متعلق پوچھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ خفیہ زندہ درگور کرنا ہے ۵؎ اور یہ زندہ درگور کرنا اس آیت میں ہے کہ جب زندہ دابی ہوئی بچی سے سوال کیا جائے گا ۶؎ (مسلم)	

۱؎ آپ جذامہ بنت وہب اسدیہ ہیں حضرت عائشہ کی بھانجی مکہ معظّمہ میں ایمان لائیں پھر اپنی جماعت کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوئیں۔(اکمال،اشعہ، مرقات)

۲؎ یعنی اپنے کنبہ کے لوگوں کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

۳؎ غ کے کسرہ سے بھی ہے اور فتح سے بھی جو عورت دودھ پلارہی ہو یا حاملہ ہو اس سے صحبت کرنے کو غیل کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان دونوں زمانوں میں صحبت مضر ہوتی ہے مگر یہ غلط ہے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے۔

۴؎ یعنی اطباء بھی کہتے ہیں اور عرب میں مشہور بھی ہے کہ غیل نقصان دہ ہے اسی لیے حضور انور نے چاہا کہ اس کو شرعًا ممنوع قرار دیں کیونکہ چیز شرعًا بھی منع ہے زہر کھانا حرام ہے کہ یہ خودکشی ہے مگر فارس و روم کا عمل معلوم فرما کر پتہ لگالیا کہ یہ خیال غلط ہے غیل کچھ مضر نہیں اس لیے اسے منع نہ فرمایا ۔معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں۔

۵؎ جیسے پیدا شدہ بچی کو زندہ دفن کردینا ظاہری واد ہے اور عزل کرکے نطفہ سے بچہ نہ بننے دینا اپنا نطفہ ضائع کردینا چھپا ہوا واد، بعض علماء عزل کو منع فرماتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر حق یہ ہے کہ عزل جائز ہے یہ حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)

۶؎ آیت کا مضمون یہ ہے کہ قیامت میں زندہ گاڑی ہوئی بچی سے سوال ہوگا کہ تجھے تیرے ماں باپ نے کس قصور میں زندہ گاڑا تھا وہ عرض کرے گی کہ بلا قصور تب ان ماں باپوں کو سخت سزا دی جائے گی،سرکار کا مقصد یہ ہے کہ یہ ہی سوال عزل کرنے والے سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عمل بھی واد دینے یعنی زندہ درگور کردینے کے مشابہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے بڑی امانت اللہ کے نزدیک قیامت کے دن،ایک اور روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین درجہ والا وہ شخص ہوگا۱؎ جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بیوی اس کے پاس آئے اور پھر اس کا راز ظاہر کرے۲؎(مسلم)	

۱؎ اگر یہ الرجل من اشر الناس کی خبر ہو تب تو مطلب واضح ہے کہ قیامت کے دن بدترین شخص یہ ہوگا اور اگر ان اعظم الامانۃ کی خبر ہو تو الرجل سے پہلے خیانۃ پوشیدہ ہے یعنی بدترین خیانت اس شخص کی خیانت ہے بہرحال دونوں معنی درست ہیں۔مقصد یہ ہے کہ خیانت صرف مال کی ہی نہیں ہوتی بلکہ مال،راز اور عصمت وغیرہ سب میں ہوتی ہے بلکہ مال میں خیانت سے بدرجہا بدتر راز داری میں خیانت ہے۔

۲؎ یعنی یا تو اپنی بیوی کے خفیہ عیوب لوگوں کو بتائے یا اس کا حسن اس کی خوبیاں لوگوں کو بتائے یا صحبت کے وقت کی گفتگو اس وقت کے حالات لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ عام آزاد نوجوانوں کا دستور ہے کہ شب اول کی باتیں اپنے دوستوں کو بے تکلف بتاتے ہیں۔یہاں مرقات نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ کسی کی اپنی بیوی سے جنگ رہتی تھی اس کے ایک دوست نے پوچھا کہ تیری بیوی میں خرابی کیا ہے ؟ وہ بولا کہ تم میرے اندرونی معاملات پوچھنے والے کون ہو ؟ آخر اسے طلاق دے دی، اس سائل نے کہا کہ اب تو وہ تمہاری بیوی نہ رہی اب بتاؤ اس میں کیا خرابی تھی یہ بولا وہ عورت غیر ہوچکی مجھے کسی غیر کے عیوب بتانے کا کیا حق ہے یہ ہے پردہ پوشی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیت نساؤکم حرث لکم وحی کی گئی۱؎ لہذا تم اپنی کھیتیوں میں آؤ آگے سے آؤ اور پیچھے سے مگر دبر اور حیض سے بچو۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی یہود کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری وہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے پاس پیچھے سے فرج میں صحبت کرے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے اس آیت میں ان کا رد کیا گیا۔

۲؎ یہ اس آیت کی تفسیر ہے یعنی خاوند کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی سے آگے سے صحبت کرے یا پیچھے سے مگر شرط یہ ہی ہے کہ ہو فرج میں اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی کھیتی کے پاس آؤ اور ظاہر ہے کہ کھیتی فرج ہے نہ کہ دبر، نیز فرج میں بھی بحالت حیض صحبت حرام ہے کیونکہ اس حالت میں فرج بھی دبر کی طرح نجاست کی جگہ ہوتی ہے اور صحبت مضر حق یہ ہے کہ جو شخص حیض میں صحبت حلال جانے وہ کافر ہے کہ نص قرآنی کا منکر ہے۔

	روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی حق سے شرم نہیں فرماتا ۲؎ عورتوں کے پاس ان کی دبروں میں نہ جاؤ ۳؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے، انصاری اوسی ہیں، لقب ذوالشہادتین ہے، بدر وغیرہ غزوات میں شریک ہوئے فتح مکہ کے دن انصار اوس کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا، جنگ صفین میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، جب عمار بن یاسر شہید ہوئے تو تلوار سونت لی جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوگئے رضی اللہ عنہ۔(اکمال مرقات،اشعہ)

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ مقصد یہ ہے کہ ہم حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتے ہر مسئلہ ظاہر فرمادیتے ہیں مگر چونکہ آپ کا فرمان درپردہ حق تعالٰی کا ارشاد ہے اسی لیے اس کو رب تعالٰی کی طرف سے نسبت فرمایا اس میں علماء کو تاکید ہے کہ شرم کی وجہ سے شرعی مسائل بیان کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

۳؎ نساء سے مراد مطلقًا عورتیں ہیں خواہ اپنی بیویاں ہوں یا اپنی لونڈیاں۔ خیال رہے کہ اجنبی عورت سے دبر میں صحبت زنا کے حکم میں ہے جس کی سزا زنا کی طرح ہے،اپنی بیوی یا اپنی لونڈی سے دبر میں صحبت کرنا حرام تو ہے مگر اس پر زنا کی سزا نہیں بلکہ تعزیر ہے لڑکے سے دبر میں صحبت سخت حرام ہے فاعل قتل کیا جائے مفعول اگر دیوانہ ہو یا بہت چھوٹا بچہ ہو یا مجبور کیا گیا ہو تو اس پر سزا نہیں ورنہ وہ بھی سزا کا مستحق ہے دیکھئے کتب فقہ و مرقات۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو دبر میں صحبت کی حرمت کا انکار کرے وہ کافر نہیں کیونکہ اس کی حرمت قطعی الثبوت قطعی الدلالت نص سے ثابت نہیں۔مگر فقیر احمد یار کی تحقیق یہ ہے کہ وہ کافر ہے اس کی بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد دوم میں ملاحظہ کیجئے اس کی قطعی حرمت قیاس قطعی سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنتی ہے وہ جو اپنی بیوی کے پاس اس کی دبر میں جائے ۱؎ (احمد، ابوداؤد)

۱؎ یعنی جب اپنی بیوی یا لونڈی سے دبر میں صحبت کرنے والا لعنتی ہے تو اجنبی عورت سے یہ حرکت کرنے والا کیسا مردود لعنتی جہنمی ہوگا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اپنی بیوی کے پاس اس کی دبر میں جائے تو اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے

گا۱؎(شرح سنہ)	

۱؎یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالٰی کل قیامت میں نظر رحمت سے نہ دیکھے گا یعنی یہ شخص انتہائی بدبخت ہے کہ قیامت میں رحمت الٰہی سے محروم ہے قرآن کریم میں یہ کلمہ کفار کے لیے بطور اظہار غضب ارشاد ہوا ہے"**لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ**"جو رب تعالٰی کی رحمت سے محروم رہا وہ جہنمی ہوا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اسے نظر رحمت سے نہ دیکھے گا جو لڑکے کے پاس یا عورت کے پاس دبر میں جائے۱؎(ترمذی)	

۱؎یہ فرمان یا خبر یا بددعا یعنی جو لڑکے یا کسی عورت سے اپنی ہو یا غیر دبر میں صحبت کرے اللہ تعالٰی اسے قیامت میں نظر رحمت سے نہ دیکھے یا نہ دیکھے گا اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کی بھی قید نہ ہو دنیا و آخرت میں ایسے لوگ رب تعالٰی کی رحمت سے محروم ہوں کہ انہیں نہ دنیا میں توفیق خیر ہے نہ آخرت میں قبولیت۔خیال رہے کہ یہ احادیث ظنیہ ہیں ان سے حرمت قطعیہ ثابت نہیں ہوسکتی،اسی لیے فقہاء اور علماء اصول نے اس فعل کی قطعی حرمت قیاس قطعی سے ثابت کی ہے انہوں نے وطی بحالت حیض پر قیاس فرمایا۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے۱؎فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنی اولاد کو خفیہ طور پر نہ قتل کروکیونکہ غیل سوار کو پہنچتا ہے تو اسے گھوڑے سے گرادیتا ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎اسماء بنت ابوبکر صدیق اور ہیں اسماء بنت عمیس اور اسماء بنت یزید اور یہ تینوں اسماء صحابیہ ہیں، اسماء بنت یزید انصاریہ ہیں بڑی ہی عاقلہ اور بہادر بی بی تھیں آپ نے ہی جنگ یرموک میں خیمہ کے نیچے سے نو کافر قتل کیے۔

۲؎غیل کے معنی پہلے عرض کیے گئے کہ شیر پلانے والی عورت سے صحبت کرنا جس سے وہ حاملہ ہوجائے عورت کا دودھ بھاری اور گرم ہوجاتا ہے جو بچے کو نقصان دیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ حاملہ عورت کے دودھ کا نقصان جوانوں میں اثر کرتا ہے کہ سوار کو سواری سے گرا کر ہلاک کردیتا ہے پچھلی احادیث میں اس سے انکار تھا بعض علماء نے فرمایا کہ پچھلی حدیث جذامہ بیان جواز کے لیے تھی یہ حدیث اسماء بیان کراہت کے لیے ہے یعنی بحالت شیر صحبت کرنا جائز ہے بہتر نہیں یوں ہی حاملہ عورت کا دودھ بچہ کو پلانا جائز ہے بہتر نہیں بعض نے فرمایا کہ گزشتہ حدیث تاثیر حقیقی کے انکار کے لیے تھی۔یہ حدیث تاثیر مجازی کے ثبوت کے لیے ہے بعض علماء نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے پچھلی ناسخ تھی بہرحال یہ عمل جائز ہے ممنوع نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے اس کی بغیر اجازت عزل کیا جائے[1](ابن ماجہ)	

[1] یعنی لونڈی سے بغیر اس کی اجازت بھی عزل کرنا جائز ہے اور حرہ بیوی سے اس کی اجازت سے عزل کرسکتے ہیں کیونکہ صحبت حرہ بیوی کا حق ہے اور انزال صحبت کا تتمہ ہے،جس سے عورت کی تسلی ہوتی ہے۔

باب

بابہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی یہ باب صحبت وغیرہ کے متعلق متفرق احادیث کا ہے اسی لیے اس کا ترجمہ باب مقرر نہ فرمایا صرف باب فرمادیا گیا گویا یہ باب المتفرقات ہے۔

روایت ہے حضرت عروہ سے۱وہ جناب عائشہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت بریرہ کے متعلق فرمایا کہ انہیں خرید لو۲پھر آزاد کردو اور ان کا خاوند غلام تھا۳اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا انہوں نے اپنے کو اختیار کر لیا اور اگر وہ آزاد ہوتے تو بریرہ کو اختیار نہ دیتے ۴(مسلم،بخاری)	

۱عروہ ابن زبیرہ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے یعنی حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق کے صاحبزادے ہیں تابعین میں سے ہیں،مدینہ کے سات بڑے فقہا میں سے ہیں، ۲۲ھ میں پیدائش ہے۔

۲حضرت بریرہ کے حالات کتاب البیوع میں گزر چکے کہ آپ پہلے ایک یہودی کی لونڈی تھیں اس سے حضرت عائشہ صدیقہ نے خرید کر لیا ان سے بہت سے احکام شرعیہ وابستہ ہیں۔

۳ان کا نام مغیث تھا یہ اولًا غلام تھے پھر آزاد کردیئے گئے تھے،بریرہ کی آزادی کے وقت یہ آزاد تھے جیساکہ ابوداؤد وغیرہ کی روایات سے ثابت ہے ان کی حریت کی روایات میں بریرہ کے عتق کے وقت تک کا حال مذکور ہے،عبدیت کی روایات میں پچھلا حال مذکور ہے لہذا نہ تو احادیث میں تعارض ہے نہ حدیث امام اعظم کے خلاف،یہ اسلام میں غلام تو آزاد ہوسکتا ہے مگر آزاد مسلمان غلام نہیں بن سکتا. خیال رہے کہ اگر لونڈی آزاد ہو تو اسے بہرحال خیار عتق ملتا ہے ا سکا خاوند آزاد ہو یا غلام،شوافع کے ہاں اگر غلام ہو تو لونڈی کو خیار عتق ملے گا ورنہ نہیں اگر دونوں ایک ساتھ آزاد ہو ں تو خیار نہیں اور اگر خاوند آزاد ہو تو بھی اسے خیار عتق نہیں۔

۴یہ حضرت عروہ کا قول ہے نہ کہ عائشہ صدیقہ کا اور قول بھی ان کے اپنے اجتہاد سے ہے لہذا امام ابوحنیفہ کو مضر نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بریرہ	

کا خاوند حبشی غلام تھا جسے مغیث کہا جاتا تھا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ بریرہ کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا ہے ۱؎ اور اس کے آنسو اس کی داڑھی پر بہہ رہے ہیں ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباس سے فرمایا اے عباس کیا تم تعجب نہیں کرتے مغیث کی محبت سے جو بریرہ سے ہے اور بریرہ کی نفرت سے مغیث سے ۳؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر تھا تم اس کی طرف سے رجوع کرجاتیں ۴؎ وہ بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ مجھے یہ حکم دیتے ہیں فرمایا میں سفارش کرتا ہوں بولیں مجھے اس کی حاجت نہیں ۵؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی بریرہ کی خوشامد کرتا تھا ان کے پیچھے پیچھے زاری کرتا پھرتا تھا کہتا تھا کہ تو نکاح فسخ نہ کر مجھے نہ چھوڑ۔

۲؎ یعنی وہ نقشہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے مجھے بھولتا نہیں مغیث کا بریرہ کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے پھرنا اور آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہونا۔

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ بریرہ کا یہ واقعہ ۹ھ یا دس میں ہوا کیونکہ حضرت ابن عباس اپنے والد عباس کے ساتھ مکہ معظّمہ سے آکر مدینہ منورہ میں بسے اور جناب عباس غزوہ طائف کے بعد مدینہ منورہ میں بسے ہیں اور حضرت ابن عباس یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت کا واقعہ اس سے کہیں پہلے ہے اور اس موقعہ پر حضور نے بریرہ سے دریافت حال کیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بریرہ حضرت عائشہ کی خدمت پہلے بھی کیا کرتی تھیں اور آپ کے پاس رہتی تھیں خریداری بعد میں ہوئی ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی تمہارے لیے ثواب اور دین و دنیا کی بہتری اس میں ہے کہ تم نکاح فسخ نہ کرو اور اپنا حق فسخ استعمال نہ کرو۔

۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتی کی شفاعت امتی سے کرسکتے ہیں،دوسرے یہ کہ حضور کے حکم اور سفارش میں فرق ہے،تیسرے یہ کہ حکم رسول ماننا لازم ہے سفارش رسول ماننا واجب نہیں بلکہ امتی کو اختیار ہے جیسے نبی کی رائے کہ اس کا بھی یہ ہی حکم ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ انہوں نے اپنے دو زوجین مملوکوں کو آزاد کرنا چاہا ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضور نے انہیں حکم دیا کہ عورت سے	

	پہلے مرد سے ابتداء کریں ۲؎(ابوداؤد۔نسائی)

۱؎ زوج مجرور ہے اس کا تعلق مملوکین سے ہے یعنی عائشہ صدیقہ کے پاس ایسے دو کنیز و غلام تھے جن میں زوجیت کا تعلق تھا کہ عورت بیوی تھی مرد اس کا خاوند،بعض نسخوں میں زوجین ہے مملوکین کی صفت،بعض نسخوں میں عبارت یوں ہے مملوکۃ لھازوج مطلب ایک ہی ہے۔

۲؎ یعنی اے عائشہ نہ تو دونوں خاوند و بیوی کو ایک ساتھ آزاد کرو نہ عورت کو پہلے،مرد کو پیچھے،بلکہ پہلے مرد کو آزاد کرو پھر عورت کو،کیونکہ مرد عورت سے افضل ہے لہٰذا مرد کا آزاد کرنا بھی عورت کے آزاد کرنے سے افضل ہوا اور افضل کام کرنا بہتر ہے لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں نہ امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ان کے ہاں اگر زوجین ایک ساتھ ہی آزاد ہو تو لونڈی کو حق فسخ نہیں ملتا پھر مرد کو پہلے آزاد کرنے کا کیا مطلب۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ بریرہ آزاد ہوئیں حالانکہ وہ مغیث کے پاس تھیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا اور فرمایا کہ اگر وہ تمہارے قریب آگیا تو تمہیں اختیار نہیں ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر لونڈی آزاد ہونے کے بعد اپنے خاوند سے صحبت کرائے تو اس کا خیار عتق جاتا رہتا ہے،اب وہ نکاح فسخ نہیں کرسکتی کیونکہ یہ صحبت علامت رضا ہے،فقہا فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کا نکاح اسکا مولیٰ کردے تو لونڈی کو خیار عتق ملے گا اور اگر لونڈی بغیر مولیٰ سے پوچھے خود ہی اپنا نکاح کسی سے کرلے تو وہ نکاح مولی کی اجازت پر موقوف ہوگا لیکن ابھی مولیٰ سے پوچھا نہ گیا تھا کہ لونڈی آزاد ہوگئی،تو اسے خیار فسخ نہ ہوگا نکاح لازم ہوگا اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۔

تکملہ:خیال رہے کہ امام اعظم قدس سرہ کے نزدیک لونڈی کو آزاد ہونے پر بہرحال خیار عتق ملتا ہے اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام کیونکہ لونڈی کی طلاقیں دو ہوتی ہیں اور آزاد عورت کی طلاقیں تین، طلاق کی زیادتی عورت کی آزادی پر موقوف ہے چونکہ لونڈی آزاد ہو کر زیادتی طلاق کی مستحق ہے لہٰذا اسے اختیار ہے کہ خاوند کو اس زیادتی کا مالک ہونے دے یا نہ ہونے دے نکاح رکھے یا فسخ کردے امام شافعی و مالک و احمد کے ہاں اگر خاوند غلام ہے تو عورت کو حقِ فسخ ہے،اگر آزاد ہے تو انہی فریقین کی دلیل حضرت بریرہ کا واقعہ ہے۔ہمارے ہاں یہ ثابت ہے کہ بریرہ کی آزادی پر مغیث آزاد تھا اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مغیث کے متعلق تین راویوں کی روایات ہیں،اسود،عروہ ابن زبیر،ابن قاسم۔اسود کی روایت ہے کہ وہ آزاد تھے،عروہ ابن زبیر کی روایتوں میں اختلاف ہے،ایک روایت میں ہے کہ غلام تھے دوسری میں ہے کہ آزاد تھے اور دونوں روایتیں صحیح ہیں۔عبدالرحمان ابن قاسم سے دو روایتیں ہیں صحیح ایک ہی ہے کہ وہ آزاد تھے دوسری میں شک ہے،اس تعارض روایات کی وجہ سے اسود کی روایت قبول ہے ان کا آزاد ہونا محقق ہے۔(مرقات)

باب الصداق

مہر کابیان ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎صداق صاد کے فتح سے بھی ہے اور کسرہ سے بھی صدق سے بنا ب معنی سچائی معلوم کرنے کا ذریعہ،مہر کو صدق اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے مرد کی سچائی محبت معلوم ہوتی ہے۔ہمارے ہاں مہر کم از کم ایک دینار یعنی دس۱۰ درہم(پونے تین روپے ہے)امام مالک کے ہاں چہارم دینار یعنی ڈھائی درہم، امام شافعی کے نزدیک جو چیز بیع میں قیمت ہوسکتی ہے وہ نکاح میں مہر بھی بن سکتی ہے،یعنی ایک پیسہ بھی مہر ہوسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ؎سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی ؎بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی جان آپ کو ہبہ کی ؎پھر بہت دیر کھڑی رہی ؎تو ایک آدمی اٹھ کر بولا یا رسول اللہ اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے اگر حضور کو اس کی ضرورت نہ ہو ؎تو حضور نے فرمایا کیا تیرے پاس کچھ ہے جو تو اسے مہر دے ؎بولا میرے پاس اس تہبند کے سوا کچھ نہیں فرمایا تلاش تو کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو ؎اس نے ڈھونڈا مگر کچھ نہ پایا ؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے ساتھ کچھ قرآن بھی ہے ؎بولا ہاں فلاں فلاں سورۃ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ میں نے اس کا نکاح تجھ سے کردیا اس قرآن کی وجہ سے جو تجھے یاد ہے ؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس سے کردیا لہذا اسے قرآن سکھاؤ ؎(مسلم،بخاری)	

؎آپ کا نام پہلے حزن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا،آپ کی کنیت ابوالعباس ہے، انصاری ہیں، ساعدی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی ۹۱ھ میں آپ کی وفات ہے مدینہ منورہ میں آخری صحابی آپ ہی رہ گئے تھے۔(کمال)

۲؎ یہ بی بی صاحبہ یا تو میمونہ بنت حارث تھیں یا زینب بنت خزیمہ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم تھیں واللہ اعلم۔(مرقات)

۳؎ یعنی آپ مجھے بغیر مہر اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ "اور فرماتاہے:"خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔اس سے معلوم ہوا لفظ ہبہ سے نکاح درست ہے کہ یہ کلمہ ان بی بی صاحبہ کی طرف سے نکاح کا ایجاب تھا نکاح کا تکملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول پر موقوف تھا۔

۴؎ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اس سے نکاح کرنا منظور نہ تھا اور انکار فرمایا نہیں تاکہ ان بی بی کو شرمندگی نہ ہو۔

۵؎ یا اس طرح مجھ سے نکاح فرمادیں کہ اسے اس نکاح پر راضی کردیں یا حضور سلطان المسلمین ہیں اور جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے لہذا حدیث پہ یہ اعتراض نہیں کہ ان بی بی صاحبہ نے حضور کو دوسرے سے نکاح کردینے کا وکیل نہ بنایا تھا۔

۶؎ یہاں مہر سے مراد مہر معجّل ہے جو نکاح کے وقت دیا جاتا ہے جسے آج کل چڑھاوا کہا جاتا ہے ورنہ فی الحال مطالبہ نہ ہوتا کیونکہ مہر کا مطالبہ خاص نکاح کے وقت نہیں ہوتا۔

۷؎ لوہے کی انگوٹھی سے مراد معمولی حقیر چیز ہے نہ کہ خاص لوہے کی انگوٹھی کیونکہ لوہے کی انگوٹھی مرد و عورت دونوں کے لیے حرام ہے لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام لوہے کے چھلے،انگوٹھیاں پہنتے تھے۔

۸؎ اللہ اکبر! یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی مالی حالت کہ سارے گھر میں صرف اللہ رسول کا نام ہے۔سامان کچھ بھی نہیں برتن بھانڈا بھی نہیں اس حالت میں انہوں نے دنیا میں اسلام پھیلایا۔

۹؎ یعنی کیا تجھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں یاد ہیں یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید کے لیے ہے ورنہ ہر مسلمان کو قرآن مجید کی کچھ آیات و سورتیں ضرور یاد ہوتی ہیں کہ نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے اور مسلمان ہر موقعہ پر بسم اللہ،اعوذ،انا للہ،سبحان اللہ،لاحول وغیرہ پڑھا ہی کرتے ہیں۔

۱۰؎ جمہور علماء کے نزدیک بما معك میں ب سببیہ ہے نہ کہ عوض یا مقابلہ کی چونکہ تجھے قرآن مجید کی سورتیں یاد ہیں اس لیے میں نے تیرا نکاح اس سے کردیا کیونکہ عالم غیر عالم سے افضل ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ تعلیم قرآن یا دیگر خدمات کو مہر نکاح بناسکتے ہیں اور یہ ب عوض کی ہے وہ اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ ان آیات قرآنیہ کی تعلیم کے عوض میں نے تیرا نکاح اس سے کردیااور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ آپ نے اپنی بیٹی صفورا کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے آٹھ دس سال خدمت کے عوض کیا کہ فرمایا:"اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ"مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ قرآن کریم فرماتاہے:"اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوٰلِكُمْ"۔معلوم ہوا کہ نکاح مال کے عوض ہونا چاہیے اور قرآن کریم کی تعلیم مال نہیں۔شریعت شعیب علیہ السلام

کے احکام دوسرے تھے بلکہ حق یہ ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے دس سال کی خدمت کو شرط نکاح قرار دیا تھا نہ کہ مہر نکاح اسی لیے علی فرمایا ب نہ فرمایا نیز فرمایا"عَلَىٰٓ اَنۡ تَاۡجُرَنِىۡ" میری خدمت کرو اور مہر عورت کی ملک ہوتا ہے نہ کہ سسر کی اور موسی علیہ السلام کو اتنے دن اپنی خدمت میں رکھنا کلیم الٰہی کے لائق بنانا تھا کیونکہ آپ فرعون کے پاس اب تک رہے کسی شیخ کی صحبت کی ضرورت تھی۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

۱۱؎ خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں مگر یہ غلط ہے یہ حدیث اس کی تائید نہیں کرتی کیونکہ کسی امام کے نزدیک قرآن مہر نہیں بن سکتا،سب کے ہاں مہر مال ہونا چاہیے ہاں مال کی ادنیٰ مقدار میں اختلاف ہے اور یہاں قرآن پر نکاح کیا گیا۔معلوم ہوا کہ مہر نکاح کا یہاں ذکر نہیں،امام اعظم کے ہاں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم کیونکہ دارقطنی نے حضرت جابر سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت کا نکاح ولی کریں،کفو میں کریں،دس درہم سے کم پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور دس درہم سے کم مہر نہیں،دار قطنی و بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کی کہ دس درہم سے کم مہر نہیں لہذا دس درہم سے کم کی روایات میں چڑھاوا مراد ہے۔(مرقات واشعہ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابو سلمہ سے فرماتے ہیں میں نے جناب عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا ۱؎ فرمایا آپ کا مہر اپنی بیویوں کے متعلق بارہ اوقیہ اور نش تھا ۲؎ بولیں کیا تم جانتے ہو کہ نش کیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا آدا اوقیہ تو یہ پانچ سو درہم ہوئے(مسلم)اور نش پیش سے ہے شرح سنہ اور تمام کتب اصول میں ۳؎

۱؎ یہ سوال عام ازواج پاک کے مہر کے متعلق تھا ورنہ بی بی ام حبیبہ کا مہر چار ہزار درہم تھا جو نجاشی شاہ حبشہ نے ادا کیا تھ۔

۲؎ یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ مہر تھا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے کل پانچ سو درہم یعنی تقریبًا ایک سو پینسٹھ روپے ہوئے درہم ساڑھے چار آنہ کا ہوتا ہے۔

۳؎ نش ن کے پیش اور شین کے شد سے بمعنی نصف روٹی اور ہر نصف کو نش کہتے ہیں مشکوۃ کے بعض نسخوں میں نُشًا فتح سے ہے مگر پیش کی روایت شرح وغیرہ کتب کے موافق ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرمایا،خبردار عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کیا کرو۱؎ کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک پرہیزگاری ہوتا تو اس کے زیادہ مستحق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ۲؎ مجھے نہیں نہیں خبر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے نکاح کیا ہو یا اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرایا ہو بارہ اوقیہ سے زیادہ پر ۳؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ اس میں روئے سخن ان لوگوں سے ہے جو زیادتی مہر کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے جیسے آج بھی یوپی،سی پی،میں عموماً مسلمان زیادتی مہر پر فخرکرتے ہیں لاکھ سوا لاکھ کا مہر ہوتا ہے حالانکہ دولہا کی حیثیت دو ہزار کی بھی نہیں ہوتی سوچتے ہیں کہ مہر فقط ایک رسم ہے دیتا کون ہے۔

۲؎ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بڑی عزتوں کے مالک ہیں اور اللہ تعالٰی کے نزدیک تو ان کی شان کا کوئی ہے ہی نہیں رب تعالٰی نے ہر عزت حضور پر ختم فرمادی اگر زیادتی مہر بھی عزت ہوتی تو رب تعالٰی یہ بھی اپنے محبوب کو عطا فرماتا۔

۳؎ اس فرمان میں کسر کا شمار نہیں فرمایا ورنہ حضور انور کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا لہذا یہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان کا مہر چار ہزار درہم تھا مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ نجاشی شاہ حبشہ کا مقرر کردہ تھا یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالٰی کا فرمان"وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىہُنَّ قِنۡطَارًا"بیان جواز کے لیے ہے اور جناب عمر کا فرمان عالی بیان استحباب کے لیے لہذا یہ فرمان قرآن کریم کے خلاف نہیں یا یہاں زیادہ مہر مقرر نہ کرنے کا ذکر ہے اور قرآن مجید میں زیادہ مہر جو ادا کردیا جائے واپس نہ لینے کا ذکر لہذا دونوں میں تعارض نہیں جناب فاطمہ زہرا کا مہر چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ تھا یہ جو مشہو رہے کہ آپ کا مہر انیس[19] مثقال سونا تھا اس سے مراد مہر معجّل ہے کیونکہ جناب علی مرتضی نے اپنی زرہ آپ کو دی جو انیس مثقال سونے کی تھی۔(مرقات)

لطیفہ:یہاں مرقات نے ایک عجیب لطیفہ بیان فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر نے حکم دیا کہ کوئی شخص چالیس اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہ کرے اگر کرے گا تو زیادتی بیت المال میں داخل کردی جائے گی اس پر ایک عورت نے عرض کیا رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىہُنَّ قِنۡطَارًا"تم زیادتی بیت المال میں کیسے داخل کرو گے تو حضرت عمر نے فرمایا آج ایک عورت سچ کہہ رہی ہے اور مرد غلطی پر ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو اپنی بیوی کے مہر میں لپ بھر ستو یا چھوارے دے دے اس نے اسے حلال کرلیا ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ مہر کی کم مقدار بھی مقرر نہیں جو چاہے مقرر کردے،کیونکہ ایک لپ ستو یا چھوارے عرب میں ایک درہم کے بھی نہیں ہوتے ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسنادًا صحیح نہیں اگر صحیح ہو بھی تو اس سے مہر معجّل یعنی نکاح کے وقت کا چڑھاوا مراد ہے اسی لیے یہاں **اعطیٰ** فرمایا گیا ورنہ مہر فورًا ادا کرنا لازم نہیں۔مطلب یہ ہے کہ جو شخص نکاح کے وقت کوئی معمولی سی چیز بھی عورت کو ہدیہ دے دے تو عرف ورسم عرب کے لحاظ سے بھی اس نے اپنے پر عورت کو حلال کردیا،حلال سے مراد رکاوٹ دور ہونا ہے نہ کہ شرعی حلال کیونکہ بغیر کچھ دیئے بھی عورت صرف نکاح سے حلال ہوجاتی ہے،ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایک منکوحہ عورت کو اس کے خاوند کے پاس رخصت کرکے بھیج دوں اگرچہ خاوند کچھ نہ دے(مرقات)حضرت ابن عباس،ابن عمر،امام زہری فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہی ہے کہ عورت کو بغیر کچھ دیئے زفاف نہ کرے ان کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے،یہ حدیث چند وجوہ سے ضعیف ہے: اس کی اسناد میں مبشر ابن عبید اور حجاج ابن ارطات ہیں،یہ دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، نیز اس میں اسحاق ابن حسن بھی ہیں جو مجہول ہیں،مسلم ابن رومان بھی ہیں جن کے حالات سے محدثین بے خبر ہیں۔(ازمرقات)

روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے ۱؎کہ بنی فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتوں پر نکاح کیا ۲؎تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دو جوتوں کے عوض اپنے نفس و مال سے راضی ہوگئیں ۳؎وہ بولیں ہاں تو حضور نے یہ نکاح جائز قرار دیا ۴؎(ترمذی)۵؎	

۱؎آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،صحاب ہجرتین ہیں، بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔(اشعہ)

۲؎اس طرح کہ خاوند نے نکاح کے وقت اسے صرف جوتوں کا جوڑا دیا۔

۳؎یعنی اس چڑھاوے پر تم خوش ہو یا کچھ اور بھی چاہتی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت سے اجازت نکاح لیتے وقت خاوند کے نام کے ساتھ مہر بلکہ چڑھاوے کا بھی ذکر کردینا بہتر ہے مال سے مراد یا تو جہیز کا مال ہے یا عورت کا مملوکہ مال کیونکہ عورت اپنی جان مال جہیز سب کچھ لے کر خاوند کے پاس جاتی ہے عورت کا مال مرد کا ہی ہوتا ہے اسی لیے خاوند اپنی زکوۃ اپنی بیوی کو نہیں دے سکتا۔

۴؎بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ اگر عورت اپنا مہر بالکل معاف کردے یا مہر مثل سے بھی کم کردے تو اسے حق ہے،وہ اس حدیث کے معنی یہ کرتے ہیں کہ صرف جوتوں پر راضی ہوگئی۔

۵؎امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح کہا مگر صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں عاصم ابن عبید ہیں ابن معین،ابن جوزی نے انہیں ضعیف کہا، ابن حبان نے فرمایاکہ عاصم کثیر الخطاء ہے اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی جوتے مہر معجّل یعنی نکاح کا چڑھاوا تھے اور ہوسکتا ہے کہ یہ جوتے دس درہم قیمت کے ہوں۔

روایت ہے حضرت علقمہ سے وہ حضرت ابن مسعود سے راوی ا؎کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے کچھ مقرر نہ کیا اور نہ اس سے صحبت کی حتی کہ مرگیا ۲؎تو جناب ابن مسعود نے فرمایا کہ اس عورت کے لیے اپنی جیسی عورتوں کا مہر ہے جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی اور اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے میراث بھی ۳؎تو معقل ابن سنان اشجعی اٹھے ۴؎فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا۵؎جیسا آپ نے فیصلہ کیا تب ابن مسعود اس سے بہت خوش ہوئے۔۶؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)۷؎	

ا؎غالبًا یہ علقمہ ابن ابی علقمہ ہیں علقمہ کا نام بلال ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں مشہور تابعی ہیں واللہ اعلم۔علقمہ ابن ابی وقاص نہیں وہ تو صحابی ہیں۔

۲؎صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایک عورت سے بغیرمہر نکاح کیا یا تو مہر کا ذکر ہی نہیں کیا یا مہر کی نفی کردی کہ مہر کچھ نہ دوں گا یا ایسی چیز مہر مقرر کی جو مہر بننے کے قابل نہیں مثلًا ہوا یا پانی کے گلاس پر نکاح کیا پھر خلوت صحیحہ سے پہلے مر گیا تو اس کی عورت کو مہر ملے گا یا نہیں اگر ملے گا تو کیا ؟

۳؎خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اس عورت کو پورا مہر مثل ملے گا عدت وفات واجب ہوگی یعنی چار ماہ دس دن اور چوتھائی متروکہ مال میراث میں ملے گا۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فتویٰ تو دیا مگر دل میں خیال کرتا تھا کہ نہ معلوم صحیح ہے یا غلط کیونکہ آپ نے اس کے متعلق حدیث نہیں سنی تھی،قرآن کریم سے یہ حکم **مستنبط** کیا تھا کہ کیا یہ خبر استنباط صحیح ہے یا نہیں۔(مرقات مع زیادت)

۴؎آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن غزوہ میں شریک تھے قوم اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں جنگ حرہ کے دن اپنے بیٹے کے ساتھ شہید ہوئے(اشعہ)

۵؎یعنی یہ ہی صورت مسئلہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل یہ ہی حکم دیا تھا،آپ کا اجتہاد حدیث کے موافق ہے۔خیال رہے کہ یہ حکم وفات کی صورت میں ہے، اگر ایسی عورت کو خلوت سے پہلے طلاق ہوجائے تو نہ اس پر عدت ہے نہ مہر بلکہ کپڑوں کا ایک جوڑا ملے گا طلاق کی عدت خلوت سے واجب ہوتی ہے اور مہر

مثل کبھی بھی آدھا ہو کر نہیں ملتا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے ان کا مذہب بعینہٖ وہی ہے بعض اماموں کے ہاں اس صورت میں عورت کو مہر نہیں ملتا۔

۶؎ روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود یہ سن کر ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد ایسی خوشی آپ کو کبھی نہ ہوئی تھی۔

۷؎ بیہقی نے فرمایا کہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے جو سب صحیح ہیں۔واللہ اعلم!

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے ۱؎ کہ وہ عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں ۲؎ تو وہ زمین حبشہ میں ہی وفات پاگئے ۳؎ ان بی بی کا نکاح نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا ۴؎ اور حضور کی طرف سے انہیں چار ہزار مہر دیا گیا اور ایک روایت میں ہے چار ہزار درہم مہر دیا انہیں شرحبیل ابن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا ۵؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ ام حبیبہ کا نام شریف رملہ ہے ابوسفیان کی صاحبزادی امیر معاویہ کی بہن مسلمانوں کی والدہ یعنی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کی ماں کا نام صفیہ بنت عاص یعنی حضرت عثمان کی پھوپھی آپ کا انتقال مدینہ منورہ ۴۴ھ میں ہوا، فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے،رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یہاں صاحب مشکوۃ سے غلطی ہوئی عبداللہ ابن جحش تو صحابی ہیں جنگ احد میں شریک ہوئے،حضرت ام حبیبہ ان کے بھائی عبید اللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں۔یہ عبید اللہ پہلے تو مسلمان ہوئے اور حبشہ کو ہجرت کر گئے مگر وہاں جا کر عیسائی ہوگئے اور عیسائیت پر ہی مرے یہ دونوں بھائی حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کے بھائی ہیں۔(مرقات و اشعہ وغیرہ)

۳؎ عبید اللہ ابن جحش زمین حبشہ میں عیسائیت کی حالت میں فوت ہوئے،حضرت ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔

۴؎ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجاز میں تشریف فرما رہے اور حضرت ام حبیبہ حبشہ میں،نجاشی بادشاہ نے ام حبیبہ سے اجازت لے کر مجمع کے سامنے ان کا نکاح حضور انور سے کردیا اور نکاح کی اطلاع حضور کو بھیج دی حضور نے یہ نکاح مجمع صحابہ میں قبول فرمالیا اسے غائبانہ نکاح کہتے ہیں اب بھی جائز ہے نجاشی شاہ حبش کا لقب تھا ان کا نام اصحمہ تھا حضور کا زمانہ پایا زیارت نہ کرسکے اس لیے تابعین میں سے ہیں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں،اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا وکیل نکاح کرکے حبشہ بھیج دیا تھا اس صورت میں تو نجاشی ام حبیبہ کے وکیل نکاح ہوئے اور عمرو ابن امیہ حضور کے وکیل مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے۔

۵؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس نکاح کے موقعہ پر خالد ابن سعید ابن عاص کے ذریعہ نجاشی نے بی بی ام حبیبہ کو حضور کی طرف سے پیغام نکاح دیا۔ابرہہ لونڈی حضرت جعفر ابن ابی طالب اور دوسرے مسلمان نکاح میں شریک ہوئے حضور کی طرف سے نجاشی نے اور ام حبیبہ کی طرف سے خالد نے خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو دینار یعنی چار ہزار درہم اپنی جیب سے نجاشی نے مہر ادا کیا بعد میں تمام حاضرین کو کھانا کھلایا پھر حضرت شرحبیل کے ساتھ حضور کی خدمت میں ام حبیبہ کو بھیج دیا،خیال رہے کہ یہ خالد بی بی ام حبیبہ کے والد یعنی ابو سفیان کے چچا ہیں اور نجاشی نے یہ نکاح اس لیے کیا تاکہ ابوسفیان حضور کی طرف مائل ہوں جنگ ہلکی پڑ جائے یہ نکاح ۶ھ میں ہوا،حسنہ شرحبیل کی والدہ کا نام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیم سے نکاح کیا ۱؎ تو ان کے درمیان مہر اسلام تھا کہ حضرت ام سلیم ابوطلحہ سے پہلے اسلام لائیں پھر انہیں نے پیغام نکاح دیا۔تو وہ بولیں کہ میں مسلمان ہوچکی ہوں اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو تم سے نکاح کرلوں چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے پھر یہ ان کے آپس میں مہر ہوا ۲؎(نسائی)

۱؎ حضرت ابوطلحہ کا نام زید ابن سہل ہے،انصاری بخاری ہیں اپنی کنیت میں مشہور ہوئے اور ام سلیم کے نام میں اختلاف ہے بنت ملحان ہیں پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں ان سے حضرت انس پیدا ہوئے پھر مالک بحالت شرک قتل کیے گئے تب حضرت ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تب حضرت ام سلیم نے وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔

۲؎ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمام اماموں کے خلاف ہے کیونکہ تمام آئمہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ مہر مال ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوٰلِکُمۡ"لہذا اس جملہ کے معنے یا تو یہ ہیں کہ حضرت ام سلیم نے مہر معاف کردیا ان کے اسلام کی وجہ سے یا یہ مطلب ہے کہ مہر معجّل یعنی نکاح کا چڑھاوا کچھ نہ لیا،بہرحال یہ جملہ قابل تاویل ہے۔

باب الولیمة

ولیمہ کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ولیمہ ولم سے بنا ملنا جمع ہونا اسی سے التیام زخم کا بھر جانا مل جانا نکاح کے بعد جو دعوت طعام دی جاتی ہے اسے ولیمہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی خاوند بیوی کے ملنے کی دعوت ہے۔ حق یہ ہے کہ ولیمہ سنت ہے شبِ عروسی کے بعد کیا جائے بہتر ہے کہ زفاف کے سویرے کو ہو،امام مالک کے ہاں ایک ہفتہ کے اندر اندر کیا جاسکتا ہے۔(ازاشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف پر زردی کا اثر دیکھا ۱؎تو فرمایا یہ کیا عرض کیا میں نے ایک عورت سے گٹھلی بھر سونے پر نکاح کرلیا ہے ۲؎فرمایا اللہ تمہیں برکت دے ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی ہو ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی ان کے جسم یا کپڑوں پر زرد رنگ کا اثر ملاحظہ فرمایا جو زوجہ سے اختلاط کے باعث بے قصد لگ گیا تھا ورنہ حضرت صحابہ کرام شادی میں اپنے پر زعفران نہ ملتے تھے کہ مرد کے لیے یہ رنگ ممنوع ہے ہاں شادی سے پہلے دولہا دولہن کو جو ابٹن ملا جاتا ہے جس میں خوشبو اورصفائی والی چیزیں ہوتی ہیں یہ بلا کراہت جائز ہےکہ یہ صابون کی طرح جسم کی صفائی نرمی کے لیے ہے۔بعض صابون بہت خوشبودار ہوتے ہیں جیسے لکس(Lux)وغیرہ ایسے ہی یہ ابٹن ہے۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ نواۃ ایک خاص وزن کا نام ہے جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے جیسے نش بیس درہم کا اور اوقیہ چالیس درہم کا مگر یہ درست نہیں نواۃ کے معنی ہیں چھوارے کی گٹھلی وہ ہی یہاں مراد ہے۔

۳؎حق یہ ہے کہ یہ امر استحبابی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (۱) ناکح کو دعائے برکت دینا سنت ہے(۲) ولیمہ کرنا سنت ہے (۳) ولیمہ رخصتی کے بعد بھی ہوسکتا ہے(۴)ولیمہ بقدر طاقت زوج ہو اس کے لیے مقدار مقرر نہیں بعض علماء کے ہاں ولیمہ واجب ہے وہ حضرات یہ امر وجوب کے لیے مانتے ہیں مگر حق وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نہیں ولیمہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی پر جیسا ولیمہ حضرت زینب پر کیا ۱؎ایک بکری سے ولیمہ کیا(مسلم،بخاری)	

۱؎ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نام شریف پہلے مبرد تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھا،آپ زینب بنت جحش ہیں آپ کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید ابن حارثہ سے کیا تھا انہوں نے کچھ عرصہ بعد طلاق دے دی بعد عدت حضور انور نے خود ہی جناب زید کو اپنے نکاح کا پیغام دے کر جناب زینب کے پاس بھیجا حضرت زید بی بی زینب کے گھر پہنچے اور ان کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوئے اور حضور کا پیغام دیا آپ بولیں کہ میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں۔یہ کہہ کر آپ اپنے گھر کی مسجد میں عبادت میں مشغول ہوگئیں ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی" فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَہَا"۔اس آیت کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجازت آپ کے گھر میں داخل ہوئے بی بی زینب فخر کرتی تھیں کہ تمام بیبیوں کا نکاح ان کے عزیزوں نے فرش پر کیا میرا نکاح میرے رب نے عرش پر کیا۔منافقین نے طعنہ دیا کہ حضور نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔تب یہ آیت کریمہ اتری"مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ"الایہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے زفاف کیا تو ولیمہ کیا ۱؎ لوگوں کو گوشت روٹی سے سیر کردیا ۲؎(بخاری)	

۱؎ اسی ولیمہ کا وہ واقعہ ہے کہ بعض صحابہ کرام کھانا پکنے سے پہلے ہی دولت خانہ سرکار میں پہنچ گئے اور بعض حضرات کھانا کھا چکنے کے بعد وہاں ہی باتوں میں مشغول رہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ"الایہ۔

۲؎ یعنی حاضرین مدعوین کو پیٹ بھر گوشت روٹی کھلائی یا ثرید بنا کر یا جیسے آج کل عمومًا کھائی جاتی ہے اس طرح اس ولیمہ کے علاوہ باقی ولیموں میں چھوارے پنیر وغیرہ کھلائے گئے تھے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد فرمایا اور ان سے نکاح فرما لیا ۱؎ اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا ۲؎ ان پر حریسہ سے ولیمہ کیا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بی بی صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھیں،حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھتیجی حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں،غزوہ خیبر میں قید ہو کر آئیں،یعنی محرم ۷ھ میں پہلے کنانہ ابن ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں جو غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا اولًا حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں،ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات غلاموں کے عوض خرید لیا آپ مسلمان ہوگئیں حضور نے آپ کو آزاد فرما کر ان سے نکاح کیا تاکہ سردار یہود کی بیٹی حضرت ہارون علیہ السلام نبی کی اولاد نبی ہی کے نکاح میں رہیں ۵۰ھ ہجری میں وصال ہوا مدینہ پاک میں دفن ہوئیں اس گنہگار نے قبر انور کی زیارت کی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ یعنی بجز آزادی کے اور کوئی مہر انہیں نہ دیا،یہ یا تو حضور کی خصوصیات سے ہے کہ آپ پر ازواج کا نہ مہر واجب ہے نہ باری مقرر کرنا لازم رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتُـْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ" الایہ۔یا یہ مطلب ہے کہ مہر معجّل یعنی نکاح کا چڑھاوا کچھ نہ دیا یا یہ مطلب ہے کہ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ فرمایا بعد میں مہر مثل دیا جیسا کہ اب بھی یہ ہی حکم ہے ورنہ عورت کا آزاد کرنا مہر نہیں بن سکتا مہر مال ہونا چاہیے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوٰلِکُمۡ"لہٰذا یہ حدیث نہ توقرآن کریم کے خلاف ہے نہ مذہب آئمہ کے خلاف۔

۳؎ اہلِ عرب کھجور و مکھن چھوہارے اور گھی ملا کر کھاتے ہیں اسے حیس کہا جاتا ہے آج کل اسے حریسہ بھی کہا جاتا ہے حریسہ بہت سی قسم کا ہوتا ہے۔مختلف طریقوں اور مختلف چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔

۱؎ یعنی بی بی صفیہ غزوۂ خیبر میں مسلمان ہوئیں حضور کے نکاح میں آئیں مگر زفاف وہاں خیبر میں نہ ہوا بلکہ مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے کسی منزل پر ہوا،وہاں تین دن قیام رہا وہاں ہی ولیمہ ہوا۔

۲؎ انطاع جمع ہے نطع کی،نطع چمڑے کے دسترخوان کو کہتے ہیں چونکہ کھانے والے لوگ زیادہ تھے اس لیے کئی دستر خوان بچھائے گئے۔

۳؎ جنگ خیبر میں حضرت صفیہ کے بھائی باپ خاوند قتل ہوگئے تھے جب حضور انور نے انہیں آزاد فرمایا تو ان سے فرمایا کہ تم کو اختیار ہے ہمارے پاس رہو یا اپنے گھر خیبر چلی جاؤ۔آپ بولیں کہ میں تو زمانہ کفر میں تمنا کرتی تھی کہ آپ کی غلامی میں رہوں اب تو اللہ نے مجھے اسلام کی نعمت دے دی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہاری ایک آنکھ ہری کیوں ہے؟ بولیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاند میری گود میں آپڑا میں نے اپنا یہ خواب اپنے خاوند کنانہ سے بیان کیا اس نے میرے تھپڑ مارا اور بولا کہ کیا تو یثربی بادشاہ(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)کے پاس جانے کی خواہش مند ہے یہ اس تھپڑ کا اثر ہے(مرقات)رب تعالٰی نے ان کا یہ خواب پورا کردیا۔

روایت ہے حضرت صفیہ بنت شیبہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کا دو مد جو سے ولیمہ کیا ۲؎(بخاری)	

۱؎ آپ حجبی ہیں اس میں اختلاف ہے کہ صحابیہ ہیں یا نہیں اکمال میں فرمایا کہ آپ تابعین میں سے ہیں،شیبہ ابن عثمان ابن ابی طلحہ حجبی کی بیٹی ہیں ولید کے زمانہ تک رہیں۔

۲؎ غالبًا یہ بی بی ام سلمہ ہیں جن کا نام ہندیا رملہ ہے،پہلے ابو سلمہ ابن اسد کے نکاح میں تھیں مع اپنے خاوند کے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں ابو سلمہ کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبر نے بھی پیغام نکاح دیا اور حضرت عمر نے بھی مگر آپ نے ان دونوں صاحبوں کو منع فرمادیا پھر حضور کے نکاح میں آئیں ان کے نکاح کا بڑا واقعہ ہے جو مرقات وغیرہ میں مذکور ہے(دو مد آدھا صاع ہوتا ہے یعنی سوا دوسیر)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ولیمہ کی طرف بلایا جائے تو وہاں جائے ۱؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ قبول کرے،ولیمہ ہو یا اس کی مثل ۲؎	

۱؎اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، بعض نے فرمایا کہ فرض کفایہ ہے وہ حضرات وجوب کے لیے یہ امر مانتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت طعام اس کا قبول کرنا سنت ہے وہاں جانا بھی سنت رہا کھانا اس کا اختیار ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔خیال رہے کہ دعوت قبول کرنا واجب یا فرض کفایہ یا سنت جب ہے جب کہ کوئی مانع موجود نہ ہو ورنہ نہیں جس کا کھانا مشکوک ہو حرام کی آمدنی سے کھانے پکانے کا قوی احتمال ہو یا ولیمہ میں صرف مالدار بلائے گئے ہوں فقراء کو چھوڑ دیا گیا ہو یا دعوت میں کوئی ایذا رساں چیز موجود ہو یا دستر خوان پر گانا باجہ ہو یا وہاں شراب کے دور ہوں یا رشوت کے طور پر بلاوا ہو یا ناجنسوں کی صحبت ہو تو قبول کرنا سنت نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اب اس زمانہ میں جلوت سے خلوت افضل سے بری صحبت سے تنہائی افضل۔(از مرقات واشعہ ولمعات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت کہ ولیمہ ہو یا اس کی مثل کسی راوی کا اپنا قول ہے جو بطور شرح شامل کیا گیا ہے۔یعنی ولیمہ،ختنہ،عقیقہ،کسی کی آمد پر دعوت یوں ہی اتفاقیہ دعوت سب ہی قبول کرنی چاہئیں،ختم فاتحہ کے کھانے فقراء کھائیں مالدار احتیاط کریں،بزرگوں کی فاتحہ کے کھانے تبرک ہیں سب کھائیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کھانے کے لیے بلایا جائے تو قبول کرے پھر اگر چاہے کھالے اور اگر چاہے چھوڑ دے ۱؎(مسلم)۲؎	

۱؎یہ حکم بھی برمذہب محققین استحبابی ہے اس میں بھی وہ تمام قیود معتبر ہیں جو ابھی پچھلی حدیث میں عرض کی گئیں۔مطلب یہ ہے کہ ہر جائز و دعوت میں جانا بہتر ہے کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے کیونکہ نہ جانے سے لوگ متکبر کہتے ہیں،اور اس سے عداوت پیدا ہونے کا خطرہ ہے جماعت میں مل جل کر رہنا چاہیے۔

۲؎یہ حدیث ابوداؤد،احمد،ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے قدرے اختلاف سے روایت کی اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے یوں روایت کی اگر وہاں کھانا نہ کھائے تو دعاء برکت کردے اگر روزہ دار ہو تو وہاں جا کر یہ عذر کردے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدترین کھانا وہ ولیمہ کا کھانا ہے جس کے لیے مالدار تو بلائے جائیں اور فقراء چھوڑ دیئے جائیں ۲؎اور جس نے دعوت چھوڑ ی اس نے اللہ رسول کی نافرمانی کی ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کیونکہ ایسے ولیمہ میں زیادہ نام و نمود ہی ہوتا ہے للّٰہیت نہیں ہوتی آج کل خوشی کی دعوتوں میں عموماً امراء اور موت وغیرہ غمی کی دعوتوں میں فقیر و طلبہ بلائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فقیر دعائیں کرتے ہیں کہ خدا کرے امیر مریں تاکہ ہم کو کھانا و خیرات ملے،اگر ولیمہ اور دیگر خوشی کی دعوتوں میں بھی فقراء بلائے جائیں تو یہ فقراء خوشی کی بھی دعائیں کرتے۔آج کل مشہور ہے کہ بھانڈ بھنڈ یلے مراثی،باجے والے تو خوشی کی دعائیں کرتے ہیں اور فقراء غمی کی،غرض کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں صدہا حکمتیں ہیں،بعض لوگ ان دعوتوں میں فقراء کو بھی بلاتے ہیں۔مگر انہیں سب سے پیچھے اور ذلت و خواری سے کھلاتے ہیں،یہ اور زیادہ برا ہے فقراء بھی ہمارے بھائی ہیں۔

۳؎ یہ جملہ ان علماء کی دلیل ہے جو قبول دعوت کو واجب یا فرض کہتے ہیں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس سے استحباب کی تاکید مقصود ہے یا وہ شخص مراد ہے جو تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کی دعوتوں میں شرکت نہ کرے جیسا کہ آج بعض منکرین کو دیکھا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا انصاری جس کی کنیت ابو شعیب تھی اس کا ایک غلام گوشت فروش تھا وہ بولا کہ میرے لیے کھانا تیار کرو جو پانچ کو کافی ہو،تاکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں،پانچ کے پانچویں ۱؎ چنانچہ غلام نے اس کے لیے کچھ کھانا تیار کیا ۲؎ پھر حضور کی بارگاہ میں آیا آپ کو دعوت دی ان کے ساتھ ایک شخص آگیا ۳؎ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو شعیب ایک شخص ہمارے ساتھ آگیا ہے تم اگر انہیں اجازت دو تو فبہا اور اگر چاہو تو چھوڑ دو ۴؎ عرض کیا نہیں بلکہ میں نے اسے اجازت دی ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی چار حضرات غالبًا خلفائے راشدین حضور انور کے ساتھ ہوں اور پانچویں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اس نے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے تب یہ انتظام کیا تھا معلوم ہوا کہ گوشت کی تجارت بھی سنت صحابہ ہے۔

۲؎ مرقات نے فرمایا **طعیمًا** کی تفسیر کمی کے لیے نہیں ہے کیونکہ ابو شعیب نے کھانا کافی تیار کیا تھا بلکہ معنی یہ ہیں کہ پر تکلف کھانا تیار کیا جو نہایت لذیذ تھا۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لذیذ کھانے بھی تناول فرمائے ہیں،مرغ بھی کھایا ہے مگر بیک وقت چند کھانے نہ کھائے،اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ بیک وقت چند کھانے بدعت،جائز نہیں۔(دیکھو شامی وغیرہ)اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کے لیے پر تکلف لذیذ کھانا تیار کرنا سنت ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ(علیہ الصلوۃ والسلام)نے پراٹھے شیر مال ایجاد کیے مہمانوں کے لیے۔(دیکھو ہماری کتاب تفسیر نعیمی پہلا پارہ)

۳؎ غالبًا یہ چھٹا شخص راستہ سے ساتھ ہولیا تھا اور غالبًا اسی سے فرما بھی دیا ہوگا کہ تمہارے لیے اگر اجازت مل گئی تو کھالینا ورنہ واپس آجانا،اس پر برا نہ ماننا۔

۴؎ سبحان اللہ! یہاں تو ایک زائد شخص کے لیے اجازت حاصل فرما رہے ہیں اور حضرت جابر و طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے گھر چار پانچ آدمیوں کی دعوت میں کئی سو حضرات کو لے گئے اور کھانا کھلایا،یہاں مسئلہ شرعی بتانا مقصود ہے اور وہاں اپنی ملکیت اور سلطنت خداداد کا اظہار مقصود کہ حضور ہم سب کے مالک ہیں،ساری امت حضور کی لونڈی غلام،مالک کو حق ہے کہ اپنے غلام کی دعوت میں جسے چاہے بلائے،کیونکہ غلام کا مال مالک کا مال ہے،نیز وہاں ان صدہا حضرات کو حضور نے خود اپنے معجزے سے کھانا کھلایا کہ وہاں کھانا کھانے سے کم نہ ہوا،جو چیز خرچ کرنے سے کم نہ ہو وہاں بلانے نہ بلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،کنوئیں،دریا سے بغیر بلائے سب پانی پیتے ہیں مگر گھڑے کا پانی مالک سے پوچھ کر،ایصال ثواب کا بھی یہی حکم ہے،اگر کسی خاص میت کے لیے کھانا پکایا گیا ہے تو تم اس کے ساتھ ساری امت رسول کو ثواب پہنچاسکتے ہو۔

۵؎ اس سے دعوت کے متعلق بہت سے مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کوئی شخص بغیر بلائے دعوت میں نہ جائے۔دوسرے یہ کہ بلایا ہوا آدمی بھی اپنے ساتھ کسی ناخواندہ کو نہ لے جائے الاباالعرف چنانچہ بادشاہ کی دعوت میں اس کا باڈی گارڈ عملہ جاسکتا ہے کہ اب اس پر عرف قائم ہے،تیسرے یہ کہ ناخواندہ شخص کے لیے اجازت لی جائے۔چوتھے یہ کہ ناخواندہ بغیر اجازت داعی کے گھر میں داخل نہ ہو،پانچویں یہ کہ مہمان کھاتے وقت کسی آجانے والے آدمی کو آرڈر نہ کرے کہ آؤ کھانا کھالو کیونکہ مہمان کھانے کا مالک نہیں،چھٹے یہ کہ دستر خوان والا دوسرے دستر خوان والے کو کوئی چیز اس دستر خوان کی نہ دے ہاں ایک دستر خوان کے لوگ ایک دوسرے کو جو چاہیں دیں،بعض فقہاء تو فرماتے ہیں کہ مہمان اجنبی کتے کو ہڈی بھی نہیں ڈال سکتا،اگر مالک کا کتا ہے تو اس کو ڈالے۔(از مرقات،و شامی وغیرہ مع زیادت)بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مہمان کسی وجہ سے خود کھانا نہ کھائے تو اپنا حصہ دوسرے کو بغیر اجازت کھلا سکتا ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے بی بی صفیہ پر ستو اور چھواروں سے ولیمہ کیا ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اس ولیمہ میں ستو اور چھوارے ملا کر کھلائے یا ستو علیحدہ اور چھوارے علیحدہ لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور نے اس ولیمہ میں حیس دیا کہ ستو اور چھوارے ملا کر بھی حیس بنایاجاتا ہے یا ستو علیحدہ دیئے اور حیس علیحدہ۔

روایت ہے حضرت سفینہ سے ۱؎ کہ ایک شخص حضرت	

	علی بن ابی طالب کا مہمان ہوا آپ نے اس کے لیے کھانا تیار کیا ۲؎ تو جناب فاطمہ بولیں کہ کاش ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھاتے ۳؎ چنانچہ آپ کو بلایا حضور تشریف لائے تو آپ نے اپنے دنوں ہاتھ دروازے کی چوکھٹوں پر رکھے گھر کے ایک گوشہ میں پردہ دیکھا ۴؎ چنانچہ آپ واپس ہوگئے ۵؎ جناب فاطمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کے پیچھے گئی بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز نے آپ کو واپس کیا فرمایا میرے لیے یا نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ مزین گھر میں داخل ہوں ۶؎ (احمد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام رباح یا مہران یا رومان ہے جناب ام سلمہ کے غلام تھے آپ نے اس شرط پر انہیں آزاد کیا کہ تاحین حیات آپ کی خدمت کریں،یہ بولے کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی لگائیں تب بھی میں حضور کی خدمت کرتا جسم میرا آزاد ہوا مگر دل میرا ان کا ہمیشہ غلام رہے گا۔شعر

نال سوکھ پر چھوٹ بھیا اور ہنسا کہیں نہ جائیں   باندھے پچھلی پریت کی کنکر چن چن کھائیں

ایک سفر میں کوئی غازی تھک گیا تو اس کا سارا بوجھ آپ نے اٹھالیا،اپنا بوجھ اور حضور انور کا سامان،اس غازی کا سامان سب کچھ اٹھا کر چل دیئے سرکار نے فرمایا تم تو آج سفینہ یعنی کشتی ہوگئے تب سے آپ کا لقب سفینہ ہوا،اصلی نام گم ہو کر رہ گیا،جیسے جناب ابوہریرہ کا نام گم ہوگیا،شیر سے آپ ہی نے کہا تھا کہ میں رسول اللہ کا غلام ہوں اور شیر کتے کی طرح آپ کے پیچھے ہولیا تھا۔

۲؎ ضاف ضیف سے بنا بمعنی مہمان یہ تو مدینہ منورہ ہی کا تھا یا باہر سے آیا تھا۔

۳؎ یعنی آج مہمان کی وجہ سے کھانا کچھ عمدہ پکایا گیا ہے،بہتر ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تناول فرماتے۔

۴؎ قرام باریک و نقشین پردہ کو کہتے ہیں،حضرت فاطمہ نے زیبائش کے لیے گھر کی دیوار پر یہ پردہ لٹکادیا تھا۔

۵؎ یعنی دور دروازے سے ہی لوٹ گئے،گھر میں داخل نہ ہوئے کیوں؟ اظہار ناپسندیدگی کے لیے۔

۶؎ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ پردہ نقشین تھا اور اس پر جانداروں کی تصاویر تھیں،اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف نہ لائے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دعوت میں کوئی ممنوع کام ہو تو نہ جائے،مگر یہ غلط ہے،اگر ناجائز پردہ ہوتا تو سرکار عالی منع فرماتے بلکہ دست اقدس سے پھاڑ دیتے پردہ سادہ تھا،جائز تھا مگر دنیاوی تکلف اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اہل نبوت کے لائق نہ تھی اس لیے منع تو نہ فرمایا عملًا ناپسندیدگی کا اظہار فرمادیا تاکہ آئندہ جناب زہرا اپنا گھر نیک اعمال سے ہی آراستہ رکھیں زینت دنیا نقصان آخرت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو دعوت دی جائے پھر وہ قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی ۱؎ اور جو بغیر دعوت پہنچ جائے تو وہ چور ہو کر گیا ۲؎ اور لٹیرا ہو کر نکلا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو بلاوجہ صرف تکبر کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرے وہ نافرمان ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۲؎ کیونکہ جیسے چور بغیر اجازت مالک گھر میں گھس بھی جاتا ہے مال بھی لے لیتا ہے،ایسے ہی یہ ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم ہے کہ بلاوجہ دعوت قبول نہ کرنا تکبر شیخی ہے اور بغیر دعوت پہنچ جانا کمینہ پن ہے دونوں سے بچنا چاہیے۔

	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب سے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو دعوت دینے والے جمع ہوجائیں تو ان سے قریب تر دروازے والے کی دعوت قبول کرو ۲؎ اور اگر ان میں سے ایک پہلے آجائے تو پہلے کی دعوت قبول کرو ۳؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ تمام صحابہ عادل متقی ہیں اس لیے یہ نامعلومیت مضر نہیں علاوہ صحابی کے اگر اور کسی راوی کا پتہ نہ لگے تو حدیث مجہول نامقبول ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی جب تمہارے دو پڑوسی بیک وقت دعوت دیں اور دونوں دعوتیں متعارض ہوں تو زیادہ قریبی پڑوسی کی دعوت قبول کیجئے کہ اس کا حق زیادہ ہے،اس قرب میں زیادہ دروازہ کا قرب معتبر ہے نہ کہ گھر کا قرب رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی"۔

۳؎ یعنی نزدیک دور کا فرق جب ہوگا،جب کہ دونوں بیک وقت آپ کو دعوت دیں لیکن اگر ان میں سے ایک آپ کے پاس پہلے پہنچ جائے دوسرا بعد میں تو پہلے کی دعوت قبول کیجئے کہ پہلا مقدم ہے اور حقدار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے دن کا کھانا حق ہے دوسرے دن کا سنت ہے ۱؎ اور تیسرے دن کا کھانا نام و نمود ہے ۲؎ جو سنانا چاہے گا اللہ اسے سنا دے گا ۳؎ (ترمذی) ۴؎

۱؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ پہلے دن سے مراد شادی و برات کا دن ہے اور حق سے مراد مستحق ہے،یعنی برات والے دن کا کھانا مہمانوں کا حق ہے جو شرکت بارات کے لیے آئے ہیں اور دوسرے دن یعنی زفاف کے

بعد ولیمہ کا کھانا سنت ہے مؤکدہ یا مستحبہ اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے دوسرے یہ کہ پہلے دن سے مراد زفاف کے بعد کا دن ہے اور دوسرے دن سے مراد اس دن کے بعد کا دن یعنی زفاف سے سویرے۔ دعوت ولیمہ حق درست ہے اور دوسرے دن کا کھانا بھی سنت ہے یعنی بدعت یا خلاف سنت نہیں، تیسرے یہ کہ زفاف کے سویرے کھانا دینا فرض یا واجب ہے جس میں بلاوجہ شرکت نہ کرنا گناہ دوسرے دن کا بھی کھانا سنت ہے،یہ تیسرے معنی ان کے مذہب پر ہیں جو ولیمہ کو واجب کہتے ہیں فقیر کے نزدیک پہلے معنی زیادہ قوی ہیں،چوتھے یہ کہ زفاف کے سویرے ولیمہ کا کھانا دینا برحق ہے،لیکن اگر کسی وجہ سے اس دن نہ دے سکے تو دوسرے دن دے دینا بھی سنت ولیمہ میں شامل ہے۔

۲؎ یعنی مسلسل تین دن تک کھانا دینا محض نام و نمود ہے ثواب نہیں یا زفاف کے تیسرے دن کھانا دینا سنت نہیں صرف نام و نمود ہے یہ حدیث حضرت امام مالک کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں ولیمہ سات روز تک ہوسکتا ہے۔(از مرقات)

۳؎ یعنی جو دنیا میں محض اپنی ریاکاری کے لیے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالٰی کل قیامت میں اس کو رسوا فرمائے گا،اعلان ہوگا کہ یہ ریاکار تھا،یا جو دنیا میں محض ناموری کے لیے نیکی کرے گا اس کی جزا صرف یہاں کی ناموری ہوگی قیامت میں کوئی ثواب نہ ملے گا،ثواب کے لیے اخلاص چاہیے۔

۴؎ یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباس سے نقل فرمائی اس کا مضمون یہ ہے کہ شادی میں ایک دن کھانا سنت ہے دو دن کا کھانا افضل اور تین دن کا کھانا دکھلاوا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱؎ وہ حضرت ابن عباس سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ضدم ضدا کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ۲؎ ابوداؤد،اور محی السنہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث بروایت عکرمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلًا مروی ہے ۳؎

۱؎ یہ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں بلکہ حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں بربر کے رہنے ولے ہیں، فقہائے مدینہ سے ہیں۔

۲؎ یعنی جب دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دعوت کریں ہر ایک یہ چاہے کہ میرا کھانا دوسرے سے بڑھ جائے کہ میری عزت ہو دوسرے کی ذلت تو ایسی دعوت قبول نہ کرے۔مثلًا شادی میں دلہن و دولہا والے مقابلہ میں دعوت کریں تو کسی کی دعوت قبول نہ کرو یا کسی برادری میں کسی کی شادی میں دعوت ہوئی کچھ دن کے بعد دوسرے کے ہاں شادی ہوئی اس نے بڑھ چڑھ کر کھانے پکائے اس نیت سے کہ پہلے کا نام نیچا ہوجائے اور میرا نام اونچا،تو یہ دعوتیں قبول نہ کرو۔بزرگان دین ایسی دعوتیں قبول نہ کرتے تھے آج کل مسلمان اسی مقابلہ کی رسوم میں تباہ ہوگئے اور نام کسی کا بھی نہیں ہوتا۔

۳؎ یعنی صحیح یہ ہے کہ اس کی اسناد میں حضرت ابن عباس کا نام نہیں ہے،حضرت عکرمہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کہا ہے اسی کو مرسل کہتے ہیں کہ تابعی حضور کی طرف نسبت کردیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو ضدیوں کی دعوت نہ قبول کی جائے نہ ان کا کھانا کھایا جائے ۱؎ امام احمد نے فرمایا کہ ضدیوں سے مراد دعوت میں فخر و ریا کے لیے مقابلہ کرنے والے ہیں ۲؎	

۱؎ یعنی جو لوگ مقابلہ کی دعوتیں کریں تو ان کے گھر دعوت میں نہ جاؤ اور اگر وہ کھانا تمہارے بھیج دیں تو نہ لو بلکہ واپس کردو تاکہ انہیں نصیحت ہو اس میں تبلیغ بھی اصلاح بھی اور قوم کو تباہی سے بچانا بھی آج شادیوں میں باجے،گانے کھانے جہیز وغیرہ سب ہی میں مقابلہ ہوتے ہیں اور مسلمان تباہ ہورہے ہیں۔

۲؎ یعنی یہاں متباہین سے بدلہ لینے والے یا احسان کرنے والے مراد نہیں کہ یہ دونوں عمل جائز بلکہ سنت ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے احسانات بھی کیے اور لوگوں کے ہدایا وغیرہ کا بدلہ بھی کیا ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکاروں کی دعوت طعام قبول کرنے سے منع فرمایا ۱؎	

۱؎ یہاں فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی کمائی خالص حرام کی ہو ان کی دعوت ہر گز قبول نہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے تو اس کا کھانا کھائے اور پوچھ گچھ نہ کرے اور اس کا پانی پیئے اور پوچھ گچھ نہ کرے ۱؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور فرمایا کہ یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس لیے ہے کہ ظاہر یہ ہی ہے کہ مسلمان اسے نہ کھلائے پلائے گا مگر وہ ہی جو اس کے نزدیک حلال ہو ۲؎	

۱؎ یعنی خواہ مخواہ اس سے یہ نہ پوچھو کہ یہ کھانا دودھ پانی کہاں سے آیا ہے تیری کمائی کیسی ہے،حرام ہے یا حلال ؟ کہ اس میں بلاوجہ بھائی مسلمان پر بدگمانی ہے اور صاحبِ خانہ کو ایذا رسانی۔ خیال رہے کہ مخلوط آمدنی والے کے ہاں دعوت کھانا درست ہے،اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاں کرائی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابوطالب کے ہاں،ان حضرات نے فرعون،ابوطالب کی آمدنی کی تحقیقات نہ فرمائیں۔

۲؎ یعنی صاحبِ خانہ مسلمان ہے اور مسلمان پر اچھا ہی گمان کرنا چاہیے۔

باب القسم

باری کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎قسم قاف کے فتح سین کے جزم سے ہے بمعنی بانٹنا،حصہ مقرر کرنا،اسی سے ہے تقسیم،یہاں بیوی کے درمیان شب باشی کا حصہ مقرر کرنا،باری مقرر کرنا مراد ہے۔خیال رہے کہ چند بیویوں میں عدل و انصاف کرنا نہایت ہی اہم واجب ہے۔دل کے میلان میں تو برابری ناممکن ہے اس کا حساب نہ ہوگا۔رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ"۔رہا عطیہ،خرچہ کپڑے،زیور،ہدیہ،سوغات اور شب باشی ان تمام میں عدل و انصاف واجب ہے،ہاں بچوں والی عورت کو تنہا عورت سے زیادہ خرچ دیا جائے بچوں کی وجہ سے،مرقات نے یہاں فرمایا کہ چار عورتوں سے نکاح کرنا اس وقت حلال ہے جب ظلم کا خطرہ نہ ہو،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوٰحِدَةً"اگر تم کو انصاف نہ کرنے کا خطرہ بھی ہو تو ایک ہی نکاح کرو اس خطرہ پر تعدد نکاح سخت ممنوع ہے ۔یہ بھی خیال رہے کہ صحبت یعنی جماع میں برابری واجب نہیں بلکہ ہر بیوی کے پاس رات گزارنے میں برابری ضروری ہے،رات اصل مقصود ہے،دن اس کے تابع،اگر کوئی آدمی رات میں نوکری کرتا ہو تو دن میں رہنے میں برابری کرے،ایک کی باری میں دوسری کے پاس نہ رہے،نہ چند بیویوں کو اکٹھا رہنے پر مجبور کرے،وہ جو احادیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں تمام ازواج پاک کے پاس تشریف لے گئے اور ہر بار غسل کیا،یہ یا تو آپ کی خصوصیات سے ہے کہ آپ پر بیویوں میں عدل واجب نہ تھا یا عدل واجب ہونے سے پہلے ہے یا ان ازواج کی اجازت سے تھا۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو بیویاں چھوڑ کر وفات پائی ۱؎جن میں سے آٹھ کے لیے باریاں مقرر فرماتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎(۱)حضرت عائشہ(۲)حفصہ(۳)سودہ(۴)ام سلمہ(۵)صفیہ(۶)میمونہ(۷)ام حبیبہ(۸)زینب(۹)جویریہ،یہ بیویاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھیں،حضرت خدیجہ پہلے ہی وفات پاچکی تھیں،اہمہ بنت جوں،اور عائشہ خثعمیہ وغیرہ کو طلاق ہوچکی تھی۔

۲؎ اس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ بی بی سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو بخش دی تھی اس لیے ان کے ہاں دو دن قیام رہتا تھا،باقی سات کے ہاں ایک ایک دن،اور دورہ جناب عائشہ صدیقہ پر ختم ہوتا تھا۔یہ باریاں مقرر فرمانا آپ پر شرعًا واجب نہ تھا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتُـٔۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ"۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ بی بی سودہ جب بوڑھی ہوگئیں ۱؎ تو بولیں یارسول اللہ میں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے دیا چنانچہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب عائشہ کے لیے دو دن دیتے تھے ایک ان کا اپنا دوسرا سودہ کا ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام شریف سودہ بنت زمعہ ہے،مؤمنین اولین میں سے ہیں،پہلے اپنے چچا زاد کے نکاح میں رہیں جن کا نام سکران ابن عمرو تھا،ان کی وفات کے بعد حضور نے آپ سے نکاح کیا،یہ نکاح بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد اور جناب عائشہ کے نکاح سے پہلے مکہ معظّمہ میں ہوا وہاں ہی رخصت ہوئی،آخر میں آپ نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو ہبہ کردی،شوال ۵۴ھ میں وفات ہوئی،مدینہ منورہ میں قبر انور ہے، فقیر نے زیارت کی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی اپنی باری اپنی سوکن کو دے سکتی ہے،کیونکہ حقوق کا ہبہ درست ہے لیکن بعد میں اگر چاہے تو اس سے رجوع بھی کرسکتی ہے، اسی طرح اپنانفقہ مہر وغیرہ معاف کرسکتی ہے،اس کی تفصیل کتب فقہ خصوصًا فتح القدیر میں ملاحظہ کیجئے،بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو طلاق دے دینے کا ارادہ فرمایا تھا،انہوں نے عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی زوجیت میں اٹھوں مجھے طلاق نہ دیں،چنانچہ ایسا ہی کیا گیا رضی اللہ عنہا۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں پوچھتے تھے جس میں آپ کی وفات ہوئی کہ ہم کل کہاں رہیں گے ہم کل کہاں رہیں گے ۱؎ حضرت عائشہ کا دن ڈھونڈتے تھے پھر تمام ازواج پاک نے آپ کو اجازت دے دی کہ حضور جہاں چاہیں رہیں ۲؎ چنانچہ آپ حضرت عائشہ کے مکان میں رہے حتی کہ انہیں کے ہاں وفات پائی ۳؎(بخاری)	

۱؎ یعنی کل ہمارا قیام کس بی بی صاحبہ کے ہاں ہوگااور عائشہ کی باری کب آئے گی رضی اللہ تعالٰی عنہم کیونکہ جناب عائشہ صدیقہ سے بے پناہ محبت تھی،یہ ہے حضور انور کا عدل و انصاف،جب اتنا کرے تو چند بیبیاں رکھے۔آج مسلمانوں نے چار بیویوں کی اجازت کی آیت تو پڑھ لی،عدل کی آیت سے آنکھیں بند کرلی ہیں،آج جس قدر ظلم مسلمان اپنی بیویوں پر کررہے ہیں،اس کی مثال نہیں ملتی،نبی کی تعلیم کیا ہے اور امت کا عمل کیا۔

ع بہ بین تفاوت راہ از کجا است تابہ کجا۔

۲؎یہ ان پاک بیویوں کا انتہائی ادب ہے ورنہ وہ تمام جانتیں تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔
۳؎آپ ہی کی باری میں آپ ہی کے گھر میں آپ کے سینہ انور پر وفات پائی،اور آپ ہی کے گھر میں تاقیامت آرام فرماہوئے۔
جس کا پہلو ہے نبی کی آخری آرام گاہ جس کے حجرے میں نبی ہیں تاقیامت جاگزیں

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج پاک کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے۱؎پھر ان میں سے جس کا حصہ نکل آیا اسے اپنے ساتھ لیجاتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس طرح کہ ہر بی بی کا نام کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر کسی بچے کے ذریعہ ایک گولی اٹھواتے،اس میں جس کا نام نکل آتا،اس کو سفر میں لے جاتے،قرعہ ڈالنے کی اور بھی کئی صورتیں ہیں،مگر یہ زیادہ مروج ہے۔
۲؎اس حدیث کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ گھر کی طرح سفر میں لے جانے میں بھی باری واجب ہے اور قرعہ کے ذریعہ لے جانا واجب ہے،مگر یہ دلیل نہایت ہی ضعیف ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ اگر سفر میں باری واجب ہوتی تو قرعہ کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ ترتیب وار لے جانا واجب ہوتا کہ پہلے سفر میں ساتھ فلاں بی بی گئی تھی اب فلاں چلے،دوسرے یہ کہ یہ حضور انور کا فعل شریف ہے اور فعل سے بغیر امر وجوب ثابت نہیں ہوتا حضور نے اس کا حکم نہ دیا۔تیسرے یہ کہ یہ عمل شریف بھی حضور نے اپنی طرف سے کیا حکم خداوندی نہ تھا،آپ پر بیویوں میں عدل گھر میں ہی واجب نہ تھا چہ جائیکہ سفر میں واجب ہوتا لہذا حق یہ ہی ہے کہ سفر میں باری مقرر کرنا واجب نہیں،جسے چاہے لے جائے،جسے چاہے چھوڑ دے،بعض بیویاں گھر کے انتظام کے لیے موزوں ہوتی ہیں بعض سفر کے انتظام کے لیے مناسب،ہاں مستحب ہے کہ قرعہ ڈال کر لے جائے،سرکار عالی کا یہ عمل شریف بیان استحباب کے لیے ہے دیکھو مرقات،لمعات فتح القدیر وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوقلابہ سے ۱؎وہ جناب انس سے راوی فرماتے ہیں کہ سنت سے ہے ۲؎یہ کہ جب کوئی شخص بیوہ پر کنواری سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور باری مقرر کرے اور جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے پھر باری مقرر کرے ۳؎ابوقلابہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ جناب انس نے یہ حدیث نبی کریم تک مرفوع کی ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ جلیل الشان تابعی ہیں،آپ کا نام عبداللہ ابن زید جرمی ہے،آپ پر قضاء پیش کی گئی تو قبول نہ کی بلکہ قاضی بنائے جانے کے خوف سے غیر معروف جنگل میں رہنے سہنے لگے ۱۰۶ھ میں شام میں وفات پائی۔

۲؎ یہ سنت قولی بھی ہے فعلی بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا اور حکم بھی دیا۔
۳؎ یعنی باکرہ جدیدہ بیوی کے پاس سات دن ٹھہرے،پھر پرانی بیویوں کے پاس بھی سات سات دن ہی قیام کرے،اور بیوہ جدیدہ کے پاس تین دن ٹھہرے،پھر پرانی بیویوں کے پاس بھی تین تین دن ہی قیام کرے،غرضکہ یہ سات یا تین دن باریوں میں شمار ہوں گے یہ ہی احناف کا مذہب ہے قران کریم فرماتاہے:"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوٰحِدَةً"۔آئندہ احادیث بھی اسی معنے کی تائید کررہی ہیں،امام شافعی کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ نئی بیوی کے پاس سات یا تین دن قیام کرکے پھر باری مقرر کرے،یہ قیام ان باریوں میں شمار نہ ہوگا،مگر احناف کا قول بہت قوی ہے،کیونکہ طریقہ شوافع عدل کے خلاف ہے عدل تمام بیویوں میں چاہیے نئی ہوں یا پرانی،قرآن کریم اور دیگر احادیث میں مطلقًا عدل کا حکم ہے نئی وپرانی میں فرق نہیں کیا گیا۔شوافع کے اس معنے کی بنا پر یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہوگی اور دیگر احادیث کے بھی۔
۴؎ یعنی اگرچہ حضرت انس نے مجھے یہ حدیث مرفوعًا نہیں سنائی اپنا قول سنایا مگر مجھ کو ان پر اعتماد ہے کہ وہ ایسی عظیم الشان بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہہ رہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر ابن عبدالرحمٰن سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام سلمہ سے نکاح کیا اور وہ آپ کے پاس رہیں تو فرمایا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے قبیلہ والوں کی حقارت نہیں ۲؎ اگر تم چاہو تو تمہارے پاس سات دن قیام کروں اور باقی بیویوں کے پاس بھی سات دن قیام کروں ۳؎ اور اگر تم چاہو تو تمہارے تین دن قیام کروں پھر دورہ کروں ۴؎ وہ بولیں کہ تین دن قیام فرمائیں ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کنواری کے لیے سات دن ہیں اور بیوہ کے لیے تین دن ۶؎ (مسلم)

۱؎ آپ ابوبکر ابن عبدالرحمٰن ابن حارث ابن ہشام ہیں یعنی ابوجہل کے بھائی کے پوتے تابعی ہیں مخزومی ہیں،ولید ابن عبدالملک کی خلافت میں فوت ہوئے۔
۲؎ ام سلمہ کے اہل سے مراد یا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا حضرت ام سلمہ کا قبیلہ و خاندان،مطلب یہ ہے کہ اگر ہم تمہارے پاس کم قیام کریں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو تم سے محبت کم ہے اور تم ہم پر گراں ہوتاکہ تمہارے قبیلہ والوں کے لیے یہ بات توہین کی ہو۔(لمعات)
۳؎ یعنی اگر ہم اس وقت تمہارے پاس سات دن قیام کریں گے تو بقیہ بیویوں کے پاس بھی سات سات دن ہی رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ باری اول سے ہی مقرر ہوجاتی ہے،ورنہ چاہیے تھا کہ اگر حضرت ام سلمہ کے پاس سات دن قیام

ہوتا تو باقی ازواج کے پاس چار چار دن قیام ہوتا،کیونکہ تین دن تو ام سلمہ کے خصوصی حق کے ہوتے بعد میں باری مقرر ہوتی لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۴؎اس طرح کہ باقی ازواج کے پاس بھی تین تین دن قیام کروں،لہٰذا یہ جملہ بھی امام اعظم کے خلاف نہیں۔

۵؎تاکہ حضور جلد میرے پاس تشریف لائیں۔

۶؎مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ مرد اگر کنواری عورت سے شادی کرے،تو سات دن اس کے پاس رہے پھر بقیہ بیویوں کے پاس سات سات دن رہے اور اگر بیوہ عورت سے نکاح کرے تو تین دن اس کے پاس رہے،پھر بقیہ بیویوں کے پاس بھی تین تین دن ہی رہے،اس کی پہلی باری میں بھی برابری و مساوات ہوگی،یہ باری اس نئ کے لیے خاص علیٰحدہ نہ ہوگی،ورنہ حضرت ام سلمہ سے دریافت نہ فرمایا جاتا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم اپنی ازواج پاک کے درمیان باری مقرر فرماتے تھے بہت انصاف فرماتے تھے ۱؎ اور فرماتے تھے الٰہی یہ میری تقسیم ہے اس میں جس کا مالک ہوں پس تو مجھے اس میں عتاب نہ فرما جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ہر طرح عدل فرماتے تھے باری میں،خرچہ میں،ہدیہ و عطیہ میں،یہ ایک کلمہ تمام قسم کے عدل اور انصاف کو شامل ہے مگر باری کا عدل استحبابًا تھا نہ کہ وجوبًا کیونکہ آپ پر باری واجب نہ تھی۔

۲؎یعنی برتاوے میں تو ہر طرح برابری کرتا ہوں رہا میلان قلبی اور دلی محبت وہ حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ ہے،دل تیرے قبضہ میں ہے اور زیادتی میلان تیری طرف سے ہے،اس میں مجھ پر عتاب نہ فرمانا۔اس سے معلوم ہوا کہ خاوند پر برتاوے اور ادائے حقوق میں برابر ی کرنا لازم ہے،میلان قلبی اگر کسی بیوی کی طرف زیادہ ہو تو اس کا گناہ نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الْمَیۡلِ فَتَذَرُوۡهَا کَالْمُعَلَّقَةِ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کسی کے پاس دو بیویاں ہوں پھر ان میں انصاف نہ کرے تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی ایک کروٹ ٹیڑھی

	ہو گی ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎اس کروٹ ٹیڑھی ہونے سے اسے چلنے پھرنے میں سخت تکلیف بھی اور تمام محشر میں بدنامی بھی کہ ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ ظالم خاوند ہے جس نے اپنی بیویوں میں انصاف نہ کیا تھا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر تمام بیویاں آزاد ہوں یا لونڈیاں تو سب میں یکسانیت کرے،اور اگر ایک بیوی آزاد ہو،دوسری لونڈی،تو آزاد کے ہاں دو دن رہے،لونڈی کے پاس ایک دن،نیز عبادات میں مشغول ہو کر بیوی بچوں سے بے خبر ہوجانا سخت منع ہے۔عبادت بھی کرو بیوی بچوں میں بھی مشغول رہو،ہفتہ میں دوبار ضرو ران کی خبر گیری کرے(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عطاء ۱؎سے فرماتے ہیں کہ ہم جناب ابن عباس کے ساتھ بی بی میمونہ کے جنازہ میں مقام سرف میں ۲؎حاضر ہوئے آپ نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پاک ہیں تو جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو نہ انہیں ہلاؤ نہ جھٹکادو۳؎ان پر بہت نرمی کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو بیویاں تھیں جن میں سے آٹھ کے لیے باری مقرر فرماتے تھے اور ایک کے لیے باری مقرر نہ کرتے تھے ۴؎حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ہم کو اطلاع پہنچی ہے کہ جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری مقرر نہ فرماتے تھے وہ بی بی صفیہ تھیں۵؎انہیں کی وفات سب سے آخر میں ہوئی جو مدینہ پاک میں فوت ہوئیں ۶؎(بخاری مسلم)اور رزین فرماتے ہیں کہ عطاء کے علاوہ دیگر علماء نے فرمایا کہ وہ سودہ تھیں یہ ہی زیادہ صحیح ہے انہوں نے اپنا دن بی بی عائشہ کو دے دیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دینا چاہا تو آپ بولیں مجھے رکھیئے میں اپنا دن بی بی عائشہ کو دیتی ہوں تاکہ میں جنت میں آپ کی ازواج میں سے ہوں ۷؎

۱؎عطاء چند ہیں اور سب تابعین ہیں،یہ عطاء ابن ابی رباح ہیں،حضرت عبداللہ ابن عباس سے زیادہ تر روایات ان ہی عطاء کی آتی ہیں۔(اشعہ)

۲؎حضرت میمونہ بنت حارث بلالیہ رضی اللہ عنہا سیدنا عبداللہ ابن عباس کی خالہ ہیں،آپ کا نکاح بھی مقام سرف میں ہوا،زفاف بھی وفات بھی اور اسی مقام سرف میں آپ کی قبر شریف ہے،سرف مکہ معظّمہ سے ایک منزل فاصلہ پر مقام تنعیم سے قریب ہے،آپ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی آپ کے نکاح کا عجیب واقعہ ہے کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ آپ کے کان میں پڑا تو بولیں کہ اونٹ اور اونٹ پر کی ساری چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہوگئیں،پھر آپ کا نکاح ہوا۔(مرقات و اشعہ)

۳؎زعزعہ اور زلزلہ قریبًا ہم معنی ہیں،مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں یہ تمہاری والدہ محترم ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ،ان کی نعش مبارک بڑے ادب و احترام سے لے جاؤ، معلوم ہوا کہ بزرگوں کا ادب و احترام بعد وفات بھی چاہیے،فقہا فرماتے ہیں کہ زیارت قبر کے وقت صاحب قبر سے اتنی ہی دور اور اسی طرح بیٹھے جیسے اس کی زندگی میں بیٹھتا تھااور فرماتے ہیں کہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کے لیے اپنے ہاتھ باندھ کر باادب کھڑا ہو،جیسے نماز میں کھڑا ہوتاہے۔(عالمگیری وغیرہ)

۴؎کیونکہ انہوں نے اپنی باری بی بی عائشہ صدیقہ کو بخش دی تھی جیسا کہ گزر چکا۔

۵؎بعض نے فرمایا یہ محض غلط ہے اور غلطی ابن جریج کی طرف سے ہے۔مگر قاضی عیاض نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ "تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـــْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ" نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ،جویریہ،صفیہ،ام حبیبہ،میمونہ سے قدرے علیحدگی فرمائی اور حضرت عائشہ،ام سلمہ،زینب ،حفصہ سے قرب فرمایا پھر سب کو اپنے سے قریب فرمالیا،سوائے بی بی صفیہ کے جن کے لیے باری مقرر نہ فرمائی،حضرت عطاء نے یہ آخری بات سنی۔واللہ اعلم!(مرقات)

۶؎بی بی صفیہ کی وفات رمضان ۵۰ھ امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ پاک میں ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات ۵۷ھ میں ،بی بی سودہ کی وفات ۵۴ھ میں،بی بی زینب کی وفات ۲۰ھ میں،بی بی جویریہ ۵۰ھ میں فوت ہوئیں دیکھو مواہب الدنیہ اور مرقات،لہذا حضرت صفیہ کے متعلق یہ بات غلط ہے۔

۷؎یہ ہی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دی نہیں تھی دینا چاہی،بعض روایات میں ہے طلاق دے دی تھی،مگر عرض کرنے پر رجوع فرمالیا تھا،چنانچہ بیہقی میں حضرت عروہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کو طلاق دے دی،جب آپ نماز کو تشریف لے گئے تو راستہ میں بی بی سودہ نے آپ کا دامن پکڑ کر یہ عرض کیا جو یہاں مذکور ہے تو آپ نے رجوع فرمایا،مگر روایت اول صحیح ہے۔خیال رہے کہ زوجہ کے قصور کے بغیر بھی طلاق دے دینا جائز ہے نکاح کا باقی رکھنا مرد کا اپنا مستقل حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس بارے میں خصوصی اختیار ہے،یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلقہ بیوی نکاح کرسکتی ہے،جو حضور کی وفات کے بعد رہیں وہ کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں،کیوں ؟ اس لیے کہ حضور زندہ ہیں ان کی ازواج بیوہ نہیں،خاوند والیاں بیویاں ہیں،رب تعالٰی

فرماتاہے:"وَ لَآ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوٰجَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا"اگر مطلقہ بیوی بھی کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں تو طلاق سے فائدہ کیا ہوتا۔

باب عشرۃ النساء وما لکل واحد من الحقوق

بیویوں سے رفاقت کا بیان اور ہر ایک کے حقوق کیا ہیں؂

الفصل الاول

پہلی فصل

؎اس باب میں دو باتیں مذکور ہوں گی،ایک یہ کہ مرد اپنی بیویوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے اور کس اخلاق سے زندگی گزارے۔دوسرے یہ کہ خاوند کا بیوی پر کیا حق ہے اور بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے،ان ہی دونوں چیزوں کو آج مسلمان بھول گئے۔اگر حضور کی تعلیم پر عمل ہو تو آج ہمارے گھروں کے حالات کیوں تباہ ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے متعلق نیکی کی وصیت قبول کرو؎کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور یقینًا پسلی کا ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر کا ہے؎تو اگر اسے سیدھا کرنے لگو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو تو ٹیڑھا رہے گا؎لہذا عورتوں کے متعلق وصیت قبول کرو(مسلم،بخاری)

؎اس جملہ کے چند مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ میں تم کو اپنی بیویوں سے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں،تم لوگ قبول کرو ان سے اچھابرتاؤ کرو،یا تم لوگ اپنی بیویوں کے متعلق اچھی وصیت کیا کرو کہ ان کے ساتھ تمہارے عزیز و قارب اچھا سلوک کریں،یا اپنی بیویوں کو بھلائی کا حکم کرو،غرضکہ یہاں باب استفعال کئی احتمال رکھتا ہے۔(اشعہ مرقات،لمعات)

؎یعنی حضرت حوا کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی کے اوپری حصہ سے ہوئی جو ٹیڑھا ہے اور تمام عورتیں انہی حوا کی اولاد سے ہیں فطری طور پر سب میں قدر کجی سخت مزاجی ہے اور رہے گی۔حضرت حوّا کی پیدائش کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی کلاں پارہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔

؎یعنی جو چیز ٹیڑھی بھی ہو خشک بھی وہ سیدھی نہیں ہوسکتی،پسلی کا اوپر حصہ ٹیڑھا اور خشک ہے اور وہ سیدھا نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت بالکل سیدھی نہیں ہوسکتی،معلوم ہوا کہ اصل کا اثر شاخ میں ہوتا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی وہ روش میں سیدھی ہر گز نہ ہوگی؎تو اگر تم اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سے نفع حاصل کرو حالانکہ

	اس میں ٹیڑھ ہو۲؎ اور اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو تو توڑ دو گے اس کا توڑنا اس کا طلاق ہے ۳؎(مسلم)

۱؎ کیونکہ ٹیڑھا پن عورت کی فطرت میں داخل ہے تعلیم و تربیت سے کچھ درست ہوجاتی ہے مگر بالکل سیدھی نہیں ہوتی۔
۲؎ یعنی اسے اس کی حالت پر رہنے دو،اس کی بدخلقی ناشکری وغیرہ کی برداشت کرو اور اپنا کام نکالو،اس کے بغیر تمہارے کام نہیں چل سکتے،وہ تمہاری وزیر اور گھر کی منتظم ہے۔
۳؎ اگر تم اسے ہر بات پر ملامت کرو،اس کے ہر عمل کی نگرانی کرو تو تمہارا گھر میدانِ جنگ بن جائے گا،اور آخر طلاق دینا پڑے گی۔لہذا بعض باتوں میں چشم پوشی کیا کرو۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مؤمن کسی مؤمنہ بیوی کو دشمن نہ جانے اگر اس کی کسی عادت سے ناراض ہو تو دوسری خصلت سے راضی ہوگا۱؎(مسلم)

۱؎ سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم،مقصد یہ ہے کہ بے عیب بیوی ملنا ناممکن ہے،لہذا اگر بیوی میں دو ایک برائیاں بھی ہوں تو اسے برداشت کرو کہ کچھ خوبیاں بھی پاؤ گے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو شخص بے عیب ساتھی کی تلاش میں رہے گا وہ دنیا میں اکیلا ہی رہ جائے گا،ہم خود ہزار ہا برائیوں کا چشمہ ہیں،ہر دوست عزیز کی برائیوں سے درگزر کرو،اچھائیوں پر نظر رکھو،ہاں اصلاح کی کوشش کرو،بے عیب تو رسول اللہ ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کبھی گوشت نہ خراب ہوتا۱؎ اور اگر حوّاء نہ ہوتیں تو کبھی کوئی عورت اپنے خاوند سے خیانت نہ کرتی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام شریف ہے،ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میدانِ تیہ میں قید کردیئے گئے،وہاں چالیس سال مقید رہے اس زمانہ میں ان پر قدرتی حلوا اور بھنا ہوا گوشت نازل ہوتا تھایعنی من،سلویٰ مگر حکم یہ تھا کہ نیاروز اور نئی روزی،آج کا کھانا کل کے لیے نہ بچاؤ،انہوں نے بچانا شروع کردیا،تو گوشت بگڑنے لگا،اس سے پہلے گوشت کبھی خراب نہ ہوتا تھا،اگر یہ لوگ توکل سے کام لیتے تو گوشت وغیرہ کبھی خراب نہ ہوتا۔
۲؎ اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ شیطان نے پہلے بی بی حوّا کو دھوکا دے کر گندم کھانے پر راضی کیا،حضرت حوّاء نے پہلے خود کھایا،پھر ضد کرکے حضرت آدم علیہ السلام کو کھلایا۔بعض نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جناب حوّاء کو بھیجا کہ گندم کا درخت اکھاڑ کر پھینک دیں،آپ وہاں گئیں،درخت تو اکھاڑ دیا مگر اس کی دو بالیاں محفوظ رکھ لیں جو کچھ عرصہ بعد خود بھی کھالیں اور آدم علیہ السلام کو بھی کھلائیں۔یہاں خیانت سے مراد ضد کرکے

خاوند سے غیر مناسب کام کرالینا ہے،یعنی عورتوں کی یہ ضد وہٹ اپنی دادی صاحبہ کی میراث میں ملی ہے یہ وہاں کا اثر ہے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زمعہ سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے[2] پھر اخیر دن میں اس سے صحبت کرے گا[3] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کوئی ارادہ کرتا ہے تو اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارتا ہے کہ شاید اخیر دن اس سے صحبت کرے گا[4] پھر انہیں گوز سے ہنسنے کے متعلق نصیحت کی تو فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس کام پر کیوں ہنستا ہے جو خود بھی کرتا ہے[5] (مسلم،بخاری)	

[1] آپ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے زمعہ آپ کے والد کا نام ہے قرشی ہیں اسدی ہیں۔

[2] سختی و بے دردی کے ساتھ،اس میں اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ اصلاح کے لیے بیوی کو قدرے مار سکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اضْرِبُوْهُنَّ"کیونکہ خاوند بیوی کا حاکم ہے،حاکم اپنے محکوم کی اصلاح مار سے بھی کرسکتا ہے،استاذ شاگرد کو،باپ بیٹے کو مار سکتا ہے۔

[3] یہ کلمہ یا تو گزشتہ حکم کی علت ہے یا اظہار تعجب کے لیے ہے یعنی چونکہ آخر اس عورت سے صحبت و محبت بھی کرتا ہے لہذا اسے غلاموں کی طرح نہ مارو پیٹو،یا تعجب ہے کہ اب تو تم اسے اسی طرح مارو اور پھر عنقریب گلے بھی لگاؤ گے،بزرگ فرماتے ہیں ایک آنکھ لڑنے کی رکھو دوسری ملنے کی۔

[4] بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے بعد میں بیویوں کو مارنے پیٹنے کی اجازت دے دی گئی مگر یہ غلط ہے سخت مار سے ممانعت ہے نرم مار کی اجازت۔(مرقات)

[5] سبحان اللہ! کیسا پیارا قاعدہ بیان فرمایا کہ جو کام خود بھی کرتے ہو اس کام کی بنا پر دوسروں پر کیوں ہنستے ہو۔شعر

اوی کل انسان یری عیب غیرہ ویعمی عن الھب الذی عوفیہ

حضرت حاتم اصم بہرے نہ تھے ایک بار آپ کی بیوی کی ہوا آواز سے نکل گئی تو آپ نے فرمایا زور سے بات کرو میں اونچا سنتا ہوں تاکہ اسے خجالت نہ ہو،پھر آخر تک بہرے ہی بنے رہے۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آواز سے گوز(ہوا)نہ نکالے،لیکن اگر کسی کی ہوا آواز سے نکل جائے تو اس پر نہ ہنسے نہ مذاق کرے کہ اس میں مسلمان کو شرمندہ کرنا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نبی	

	کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی ۱؎ اور میری کچھ سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے یہ چلی جاتیں ۲؎ پھر حضور انہیں میری طرف بھیج دیتے تو وہ میرے ساتھ کھیلتیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بنات جمع ہے بنت کی بمعنی بچی و لڑکی،یہاں یا تو ساتھ کھیلنے والی لڑکیاں مراد ہیں تو ب بمعنی مع ہے اور یا مراد گڑیاں ہیں کہ وہ بھی بچیوں کی شکل کپڑے سے بنائی جاتی ہیں اس لیے انہیں بنات کہتے ہیں،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں،کیونکہ سہیلیوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے،یہ گڑیاں یا تو آپ اپنے میکے سے لائی تھیں یا حضور کے ہاں آکر خود بنائی تھیں یا خود سرکار عالی نے بنوائی تھیں۔بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچیوں کے لیے گڑیاں بنانا ان سے کھیلنا جائز ہے کہ یہ دراصل ان کو سینے پرونے اور کھانا تیار کرنے کی تعلیم کا ذریعہ ہے۔

۲؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے بچوں کے کھلونے جائز فرمائے اگرچہ وہ شکل والے ہوں لہذا تصاویر کے حکم سے وہ علیحدہ ہیں۔**ینقمعن** **قمع** سے بنا بمعنی چھپ جانا،یہاں چلا جانا مراد ہے کہ چلے جانے سے بھی انسان چھپ جاتا ہے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ محلّہ کی بچیاں میرے ساتھ گڑیاں کھیلتی تھیں جب سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور جب حضور باہر تشریف لیجاتے تو ان بچیوں کو ان کے گھروں سے میرے پاس بھیج دیتے تاکہ میرے ساتھ کھیلیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے اور حبشی بچے مسجد میں نیزے بازی کرتے تھے ۱؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر سے پردہ کراتے تاکہ میں آپ کے کان و کاندھے کے درمیان ان کا کھیل دیکھوں ۲؎ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہتے حتی کہ میں ہی لوٹ جاتی تو تم اندازہ لگالو،نو عمر لڑکی کے کھیل کی شوقین کا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مسجد سے مراد یا تو خارج مسجد ہے جسے رحبہ کہا جاتا تھا چونکہ وہ جگہ مسجد سے بالکل ملی ہوئی تھی اس لیے اسے مسجد فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ خود مسجد میں ہی یہ کھیل ہوتا تھا کیونکہ یہ بظاہر تو کھیل تھا مگر درحقیقت تیر اندازی کی مشق یعنی جہاد کی تیاری تھی اور یہ تیاری عبادت ہے لہذا مسجد میں جائز،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّ مِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ**"۔(اشعہ لمعات،مرقات)

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے کا ہے ورنہ آپ کبھی اجنبی لوگوں کا کھیل نہ دیکھتیں۔(مرقات)فقیر کا خیال ہے کہ پردہ کا حکم آچکنے کے بعد کا ہے ورنہ سرکار عالی چادر اور اپنے جسم شریف سے آڑ نہ کرتے لہٰذا یا تو وہ حبشی بچے تھے نہ کہ جوان، بچوں کا کھیل دیکھنا جائزچونکہ وہاں جوانوں کے آجانے کا بھی احتمال تھا اس لیے احتیاطًا حضور نے آڑ فرمالی،یا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مردوں کو حرام تھا کہ اجنبی عورتوں کو دیکھیں مگر عورتوں پر مردوں کا دیکھنا حرام نہ تھا،پھر دو طرفہ پردہ فرض ہوگیا جیسا کہ اپنے مقام پر ظاہر ہے لہٰذا اس حدیث پر چکڑالوی وغیرہ اعتراض نہیں کرسکتے نہ اپنی بیویوں کو سینما لے جانے والے استدلال کرسکتے ہیں۔

۳؎ یعنی میں نو عمر بچی بھی تھی اور کھیل تماشہ دیکھنے کی شوقین بھی،تم اندازہ لگالو کہ میں کتنی دیر تک کھڑی رہتی ہوں گی مگر قربان جاؤں اس اخلاق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خود وہاں سے نہ ہٹتے تھے نہ مجھے اندر جانے کاحکم دیتے تھے بلکہ میری خاطر بہت دیر تک کھڑے رہتے تھے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ا؎ ہم جانتے ہیں جب تم ہم سے راضی ہوتی تھیں،اور جب تم ہم پر ناراض ہوتیں ۲؎ میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہاں سے پہچانتے تھے ۳؎ فرمایا جب تم ہم سے خوش ہوتی تو کہتی تھیں محمد مصطفیٰ کے رب کی قسم اور جب تم ہم سے ناخوش ہوتیں تو کہتی تھیں،جناب ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم ۴؎ میں بولی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی تھی ۵؎ (مسلم،بخاری)

ا؎ جب میری عمر پختہ اور عقل کامل ہوگئی تب مجھے میرے بچپن کا زمانہ یاد دلایا جب کہ میں نئی نئی بیاہ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی،رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ یہ ناراضی نازکی ہے نہ کہ نفرت کی ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہونا توکفر ہے،محبوبوں کی یہ ناراضی بھی پیاری ہوتی ہے۔شعر

ناز برداری تمہاری کیوں نہ فرمائے خدا ناز نین حق نبی ہیں تم نبی کی نازنین

بچہ باپ پر ناراض ہو کر اپنی ہر ضد پوری کرالیتا ہے،لہٰذا اس حدیث سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتےاور جناب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

۳؎ وحی الٰہی سے یا خاص علامات سے۔

۴؎ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بچپن شریف کی عقل و فراست پر جان و ایمان صدقے کہ اگر گھریلو معاملہ میں کسی وجہ سے دل میں رنج ہوتا تو لڑائی بھڑائی شور وغیرہ نہ فرماتیں بلکہ رب کا نام حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی نسبت سے لیتیں کہ دل کی حالت کا اظہار بھی ہوجائے اور گھر میں بدمزگی بھی نہ پیدا ہو،کاش ! ہماری مائیں،بہنیں حضرت عائشہ صدیقہ سے سبق لیں اور اپنے گھر کو میدانِ جنگ نہ بنائیں۔

۵؎ یعنی میرے دل میں آپ کی محبت بدستور رہتی تھی صرف دلی رنج کے اظہار کے لیے ایسا کرتی تھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے ۱؎ تو وہ انکار کردے ۲؎ اور خاوند ناراض ہو کر رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں ۳؎(مسلم،بخاری)انہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے،ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے پھر وہ انکار کردے،تو آسمان والا اس پر ناراض ہوتا ہے ۴؎ حتّٰی کہ خاوند اس پر راضی ہوجائے ۵؎

۱؎ رات کے وقت صحبت کے لیے یا کسی اور خدمت کے لیے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں،اس سے اشارۃً چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ گھر میں چند بستر رکھنا جائز ہے خاوند کا علیحدہ بیویوں کا علیحدہ،دوسرے یہ کہ صحبت میں پردہ علیحدگی بہت ضروری ہے،تیسرے یہ کہ عورت کا مرد کے بستر پر جانا بہتر ہے،بمقابلہ اس کے کہ مرد عورت کے بستر پرجائے عمومًا مرد کا بستر بمقابلہ عورت کے بستر کے پاک و صاف ہوتا ہے عورت کا بستر بچوں کی وجہ سے میلا۔

۲؎ بغیر عذر آنے سے انکار کردے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ بحالت حیض بھی مرد کے بلانے پر پہنچ جائے کہ حیض میں صحبت حرام ہے نہ کہ بوس و کنار اور ساتھ لیٹنا وغیرہ۔(مرقات)

۳؎ یہاں رات کو بلانے کا خصوصیت سے ذکر ہے اس لیے ہوا کہ عمومًا بیویوں کے پاس رہنا سہنا رات ہی کو ہوتا ہے دن میں کم ورنہ اگر دن میں خاوند بلائے عورت نہ آئے تو شام تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں،رات کی لعنت صبح کو اس لیے ختم ہوجاتی ہے کہ صبح ہونے پر خاوند کام و کاج میں لگ جاتا ہے رات کا غصہ ختم یا کم ہوجاتا ہے۔

۴؎ اللہ تعالٰی جس کی حکومت،ملکیت،آسمان میں بھی ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الۡاَرْضِ اِلٰہٌ"اگرچہ زمین و آسمان والا مکان سب ہی اللہ تعالٰی کی ملکیت ہیں مگر چونکہ آسمان فیض دینے والا ہے زمین فیض لینے والی،اس حیثیت سے آسمان زمین سے اشرف ہے اسی لیے صرف آسمان کا ذکر ہوا،یا آسمان میں رہنے والے فرشتے،تب یہ حدیث پچھلے مضمون کے موافق ہے،اس سے معلوم ہوا کہ آسمان میں رہنے والے فرشتے زمین والوں کے ہر کھلے چھپے حالات سے خبردار ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ان فرشتوں سے کہیں زیادہ ہے آپ بھی ہمارے ہر ظاہر و پوشیدہ حالات سے باخبر ہیں۔

۵؎ معلوم ہوا کہ خاوند کی رضامیں رب تعالٰی اور فرشتوں کی رضا ہے جب خاوند کی رضا مندی شہوت نفسانی میں اتنی اہم ہے تو دینی امور میں اسے راضی کرنا کتنا ضروری ہوگا،مگر خیال رہے کہ شرعی حرام کاموں میں خاوند تو کیا کسی کی رضا حاصل نہ کرے،لہذا بحالت حیض خاوند کو صحبت نہ کرنے دے۔

	روایت ہے حضرت اسماء سے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری ایک سوکن ہے ۱؎ تو کیا مجھ پر اس میں گناہ ہے کہ اپنے خاوند کا کوئی عطیہ ظاہر کروں جو اس کے علاوہ ہو ۲؎ تو فرمایا نہ دی ہوئی چیز کا ظاہر کرنے والا جھوٹے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عربی میں سوکن کو ضرۃ کہتے ہیں ضرہ ضرۃ سے بنا ہے بمعنی نقصان چونکہ سوکن ضررونقصان کا سبب ہے یا نقصان پہنچانے کی عموماً کوشش کرتی ہے اس لیے اسے ضرہ کہتے ہیں،اس کا دوسرا نام فطینہ بھی ہے،بمعنی بہت سمجھ دار،ہر سوکن اپنی سوکن کے عیوب سمجھنے میں بڑی فطینہ ہوتی ہے اسی لیے اسے فطینہ کہتے ہیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی میں اپنی سوکن کو جلانے،طیش دلانے کے لیے یہ ظاہر کردوں کہ خاوند بمقابلہ تیرے مجھے زیادہ دیتا ہے مثلًا اپنے میکے کا جوڑا پہن کر دکھاؤں کہ خاوند نے دیا ہے۔

۳؎ یعنی جیسے کوئی شخص امانت یا عاریت کے اعلیٰ کپڑے پہن کر پھرے لوگ سمجھیں کہ یہ اس کے اپنے کپڑے ہیں،پھر بعد میں حال کھلنے میں بدنامی بھی ہو گناہ بھی ایسے یہ بھی ہے یا جیسے کوئی فاسق وفاجر متقی کا لباس پہن کر صوفی بنا پھرے پھر حال کھلنے پر رسوا ہو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کا ایلاء کیا ۱؎ اور آپ کا پاؤں موچ گیا تھا ۲؎ تو آپ نے بالا خانہ میں انتیس ۲۹ رات قیام کیا ۳؎ پھر نیچے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا،فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے ۴؎(بخاری)

۱؎ ایلاء بنا ہے ولی سے بمعنی قرب ہمزہ سلب کی ہے یعنی قریب نہ جانا،شریعت میں ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھالے اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو خاوند اپنی قسم توڑ لے کہ اس مدت میں ایلاء سے قولًا یا عملًا رجوع کرکے کفارہ قسم ادا کردے،یا ایلاء پورا کرے اور چارہ ماہ گزرتے ہی طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایلاء شرعی نہ تھا لغوی تھا کیونکہ ایک ماہ کا تھا اس ایلاء کا واقعہ بہت مشہور ہے کتب احادیث میں مذکور ہے۔

۲؎ گھوڑے سے گر جانے کی وجہ سے پاؤں شریف میں موچ آگئی تھی یا پاؤں اتر گیا تھا۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ غالبًا نماز میں زیادہ کھڑے رہنے کی وجہ سے پاؤں شریف پر ورم آگیا تھا اور تکلیف ہوگئی تھی جسے راوی نے **انفکت** سے بیان فرمایا۔(مرقات)

۳؎ **مشرقه** میم کے فتح رکے پیش سے **مشرعه** کی طرح بمعنی بالا خانہ غرفہ جسے پنجاب میں چھتی کہا جاتا ہے وہ بالا خانہ ایسا پر تکلف نہ تھا جیسا آج کل امیروں کا ہوتا ہے یعنی ایلاء کے زمانہ میں سرکار کسی زوجہ پاک کے پاس نہ رہے بلکہ علیحدہ چھتی پر قیام فرمایا۔

۴؎ یعنی یہ مہینہ انتیس کا ہے آج ہمارے ایلاء کی مدت پوری ہوگئی اور ہم نے اسی مہینہ کا ایلاء کیا تھا۔علماء فرماتے ہیں جو کسی خاص مہینہ کے روزے کی نذر مانے اور وہ انتیس دن کا ہو تو اس پر انتیس روزے ہی کافی ہوں گے مگر جو غیر معین مہینہ کے روزوں کی نذر مانے اس پر تیس ۳۰ دن کے روزے ہی لازم ہوں گے اگرچہ وہ مہینہ انتیس دن کا ہو جس میں روزے رکھے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت لیں لوگوں کو آپ کے دروازہ پر بیٹھے پایا جن میں سے کسی کو اجازت نہ ملی تھی ۱؎ فرماتے ہیں کہ ابوبکر کو اجازت مل گئی آپ داخل ہوگئے پھر جناب عمر آئے اجازت مانگی انہیں بھی مل گئی ۲؎ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگیں خاموش بیٹھے پایا کہ آپ کی ازواج ارد گرد تھیں ۳؎ آپ نے سوچا کہ میں ایسی بات کہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دوں ۴؎ تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور خارجہ کی بیٹی کو ملاحظہ فرماتے ۵؎ کہ اس نے مجھ سے خرچہ مانگا تو میں اس کی طرف بڑھا اس کی گردن مروڑی ۶؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے ۷؎ اور فرمایا یہ جو میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو مجھ سے خرچہ کا مطالبہ کرتی ہیں ۸؎ تو ابوبکر عائشہ کی طرف اٹھے ان کی گردن مروڑنے لگے اور حضرت عمر حفصہ کی طرف بڑھے وہ ان کی گردن مروڑنے لگے ۹؎ یہ دونوں کہتے تھے کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیزیں مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہیں ۱۰؎ وہ بولیں اللہ کی قسم ہم رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی وہ چیز نہ مانگیں گی جو آپ کے پاس نہ ہو ۱۱پھر حضور ازواج سے ایک ماہ یا انتیس دن علیحدہ رہے ۱۲پھر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اے نبی اپنی بیویوں سے فرما دو الیٰ قولہ تم میں سے نیک کار بیویوں کے لیے بڑا ثواب ہے ۱۳فرماتے ہیں کہ پھر حضور نے عائشہ سے ابتداء کی ۱۴اے عائشہ تم پر ایک چیز پیش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں جلدی نہ کرنا حتی کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو ۱۵آپ بولیں یارسول اللہ وہ کیا ہے ؟ تب حضور نے ان پر یہ آیت تلاوت کی ۱۶آپ بولیں کیا آپ کے بارے میں یارسول اللہ میں ماں باپ سے مشورہ کروں بلکہ میں اللہ رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں ۱۷اور حضور سے عرض ہے کہ اپنی ازواج میں سے کسی بی بی کو نہ بتائیں ۱۸جو میں نے عرض کیا آپ نے فرمایا ان میں سے کوئی بی بی مجھ سے نہ پوچھے گی مگر میں خبر دوں گا ۱۹یقینًا اللہ نے مجھے نہ مشقت میں ڈالنے والا بھیجا نہ مشقت میں پڑنے والا ۲۰لیکن مجھے بھیجا ہے علم سکھانے والا آسانی کرنے والا ۲۱(مسلم)

۱واقعہ یہ تھا کہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فقر و فاقہ کی شکایت کرتے ہوئے زیادہ خرچہ دینے کے متعلق عرض کیا بعض نے یہ بھی کہا کہ فلاں فلاں کی بیویاں ایسے عمدہ لباس پہنتی ہیں ایسے عیش میں ہیں تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ایک ماہ تک تم میں سے کسی کے پاس نہ آئیں گے اور بالاخانہ پر تشریف فرما ہوگئے اور تمام صحابہ سے بھی علیحدگی اختیار فرمالی۔اس پر مشہور ہوگیا کہ حضور نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی،لوگ گھبرا گئے،اسی گھبراہٹ میں حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق حاضر ہوئے،کیونکہ ان کی صاحبزادیاں بی بی عائشہ صدیقہ اور بی بی حفصہ حضور کے نکاح میں تھیں۔

۲چونکہ اس وقت تک پردہ کی آیات نہ آئی تھیں اس لیے ان دونوں بزرگوں کو ازواج پاک کی موجودگی میں اجازت دے دی گئی۔

۳غالبًا یہ اجتماع عائشہ صدیقہ کے حجرے میں تھا۔

۴یہ ہنسانا بھی عبادت تھا حضور کو خوش کرنا عبادت ہے،جیسے آپ کو غمگیں کرنا گناہ،ایسے موقعوں پر جناب عمر ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے۔

۵؎بنت خارجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجہ پاک ہیں۔
۶؎یعنی میری بیوی نے مجھ سے حاجت سے زیادہ جو خرچہ مانگا عیش و طرب کے لیے تو میں نے اسے یہ سزا دی کیونکہ بقدر ضرور ت تو خرچہ میں دیتا ہوں۔
۷؎معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق کا یہ عمل پسند فرمایا،پتہ لگا کہ خاوند اپنی زوجہ کو نافرمانی یا بے جا مطالبہ پر سزا دے سکتا ہے،مرد عورت کا حاکم ہے۔
۸؎یعنی ہمارے ہاں بھی یہ ہی معاملہ درپیش ہے کہ ہماری یہ ازواج ہم سے زیادہ خرچہ کا مطالبہ کررہی ہیں۔
۹؎معلوم ہوا کہ والد اپنی جوان شادی شدہ بیٹی کو سزا دے سکتا ہے ان دونوں حضرات نے حضور کی موجودگی میں اپنی صاحبزادیوں سے یہ برتاؤ کیا۔
۱۰؎شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں　　دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
بوریا ممنون خواب راحتش　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

جہاں کو غنی فرمایا اپنے پاس کچھ نہ رکھا"اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ"۔
۱۱؎یہ ماجرا دیکھ کر تمام ازواج پاک نے بیک زبان یہ وعدہ کیا۔
۱۲؎کیونکہ حضور اس واقعہ سے پہلے علیحدگی کی قسم اٹھا چکے تھے اس لیے اگرچہ ان بیویوں نے یہ وعدہ کرلیا۔مگر حضور نے اپنی قسم پوری فرمائی۔(مرقات،لمعات)
۱۳؎واقعہ کی ترتیب یہ ہوئی کہ اولًا ازواج مطہرات نے عرصہ تک زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کی قسم اٹھائے پھر حضرت صدیق و فاروق کا یہ واقعہ پیش آیا پھر ازواج پاک نے یہ وعدہ کیا جو یہاں مذکور ہے پھر حضور نے علیحدگی اختیار کی،مدت ایلاء ختم ہونے پر آیت کا نزول ہوا پھر ازواج پاک کو طلاق لینے کا اختیار دیا گیا۔
۱۴؎کیونکہ عائشہ صدیقہ ان سب میں عالمہ عاقلہ تھیں۔
۱۵؎چونکہ تم عمر میں چھوٹی ہو اور چھوٹی بچیاں کبھی دنیا کی زیب و زینت پر زیادہ مائل ہوتی ہیں اس لیے والدین سے مشورہ کرکے فیصلہ کرو(مرقات)اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ سرکار عائشہ صدیقہ کے اپنے پاس رہنے پر بہت ہی خوش ہیں۔
۱۶؎جس میں فرمایا گیا ہے کہ اے نبی کی بیویو! اگر تم کو دنیاوی ٹیپ ٹاپ کا شوق ہے تو آؤ میں تم کو طلاق دے دوں اور اگر اللہ رسول اور قیامت کی بہتری چاہتی ہو تو میرے ساتھ فقر و فاقہ پر قناعت کرو تب ام المؤمنین نے یہ جواب دیا۔
۱۷؎یہ ہے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی فراست دانائی،علم و عقل اس سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کا اجتماع نہیں ہوتا۔
۱۸؎تاکہ ہر بی بی پاک کے علم و عقل کا امتحان ہوجائے۔
۱۹؎تاکہ وہ پوچھنے والی بی بی تمہاری پیروی کریں جس سے تم کو بھی ثواب ملے۔

۲۰؎ **معنت** بنا ہے **عنة** سے بمعنی گناہ مشقت،معنت دوسروں کو گناہ یا مشقت میں ڈالنے والا متعنت خود گناہ یا مشقت میں واقع ہونے والا،مطلب یہ ہے کہ دوسری بیویوں کو تمہارے جواب سے ضرور خبردار کروں گا تاکہ ان کے لیے تمہارا جواب مشعل راہ بنے اس جواب کی اشاعت مفید ہے چھپانا ان کے لیے مضر ہوگا۔چنانچہ ان بیویوں نے وہ ہی جواب دیا جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نے دیا تھا سب فقر و فاقہ پر راضی ہوگئیں۔اور سب نے حضور کے ساتھ زندگی گزارنے کو اللہ کی بڑی نعمت سمجھا۔

۲۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ضرورت کے وقت حاکم عالم سلطان اپنے دروازے پر ڈیوڑھی بان کو سنبھال سکتے ہیں ورنہ عمومًا حضور کے دروازے پر حاجت ڈیوڑھی بان نہ ہوتے تھے،کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہونا چاہیے،خواہ خاص دوست ہو یا اجنبی،اپنی جوان اولاد کو باپ سزا دے سکتا ہے اگرچہ اولاد شادی شدہ ہو،حضور صلی اللہ علیہ و سلم اور ازواج پاک نے بخوشی اپنی زندگی مسکینیت میں گزاردی۔بالا خانہ پر رہنا درست ہے،خاوند اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے سکتا ہے یہ اختیار دینا طلاق نہ ہوگا بلکہ اگر بیوی طلاق کو اختیار کرے تب طلاق ہوگی حضرت علی اور زید ابن ثابت و حسن سے جو مروی ہے کہ اختیار طلاق دینا ہی طلاق ہے شاید انہیں یہ حدیث نہ پہنچی(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں ان عورتوں پر غیرت کرتی تھی جو اپنی جانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیتی تھیں میں کہتی تھی کیا عورت اپنی جان بخشتی ہے ۱؎ پھر جب اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ آپ ان عورتوں میں سے جسے چاہیں ہٹائیں جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن کو علیحدہ کردیا ہے ان میں جسے چاہیں بلالیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ۲؎ تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر وہ آپ کی خواہش پوری فرمانے میں جلدی کرتا ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت جابر کی حدیث کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو حجۃ الوداع کے قصہ میں ذکر کردی گئی ۴؎	

۱؎ یعنی بعض عورتیں بارگاہ رسالت میں عرض کرتی تھیں کہ میں اپنی جان آپ کے سپرد کرتی ہوں میں اسے بے غیرتی سمجھتی تھی کہ عورت یہ جرأت کیسے کرتی ہے کہ اپنے کو مرد پر پیش کرے ؟۔

۲؎ اس آیت کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اے محبوب آپ کو اختیار ہے کہ جس بیوی کو چاہیں اپنے سے علیحدہ رکھیں کہ اس کے لیے باری کوئی مقرر نہ فرمائیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔ دوسرے یہ کہ اے محبوب جس

عورت سے آپ چاہیں نکاح کریں اور اسے اپنے پاس رکھیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں،آپ پر تعداد ازواج کی کوئی پابندی نہیں،اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی ناسخ ہے"لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعۡدُ"۔

۳؎ام المؤمنین نے اس آیت کی دوسری تفسیر اختیار فرمائی کہ آپ جس قدر عورتوں سے چاہیں نکاح کریں اس سے معلوم ہوکہ حضرت ام المؤمنین کا عقیدہ یہ تھا۔شعر

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم　　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

لہٰذا اگر حضور ہم جیسے گناہ گاروں کو رب سے بخشوانا چاہیں تو رب تعالٰی ضرور بخش دے گا،کیونکہ وہ حضور کی رضا چاہتا ہیں　　ے

تو جو چاہے ابھی میل میرے دل کے دُھلیں　　کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

خیال رہے کہ چند عورتوں نے اپنے کو حضور پر پیش کیا ہے،میمونہ،ام شریک،زینب بنت خزیمہ،خولہ بنت حکیم،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ امۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ"الخ(مرقات)

۴؎یعنی مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ تھی میں نے مناسبت کا خیال کرتے ہوئے حجتہ الوداع کے باب میں ذکر کردی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ آپ کسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ دوڑ لگائی تو میں پاؤں سے دوڑنے میں آگے نکل گئی ۱؎پھر جب میں کچھ بھاری ہوگئی تو آپ نے دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے ۲؎فرمایا یہ اس سبقت کاعوض ہوگیا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی بحالت سفر کسی منزل پر ہم نے قیام کیا میدان تھا،رات کے اندھیرے یا دن میں اکیلے میں میں نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑ لگائی کہ یہ دیکھیں کون آگے نکل جائے،یہ دوڑ سواری پر نہ تھی پاؤں پر تھی میں آگے نکل گئی حضور نے خود ہی آپ کو آگے نکل جانے دیا ہوگا انہیں خوش کرنے کے لیے۔

۲؎یہ پتہ نہ لگا کہ یہ دوڑ کس جگہ ہوئی بہرحال کچھ عرصہ کے بعد ہوئی ہو گی اور اس دوڑ میں آپ پیچھے رہ گئیں،یہ ہے اپنی ازواج پاک سے اخلاق کا برتاؤ۔ایسے اخلاق سے گھر جنت بن جاتا ہے،مسلمان یہ اخلاق بھول گئے،خیال رہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ لڑکپن میں حضور کے نکاح میں آئیں جب کہ حضور کی عمر شریف پچاس سال کے قریب تھی،اس قدر تفاوت عمر کے باوجود آپ کبھی نہ گھبرائیں کیوں ان اخلاق کریمانہ کی وجہ سے،باقی بیویاں بیوگان اور عمر رسیدہ تھیں

لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ گڑیاں کھلانا دوڑ لگانا،کھیل دکھانا صرف عائشہ صدیقہ ہی سے کیوں ہے دوسری بیویوں سے کیوں نہیں۔

۳؎یعنی اب کیسے،ہم جیت گئے بدلہ ہوگیا۔فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ چار چیزوں میں دوڑ جائز ہے اونٹ،گھوڑا،تیر اندازی،پیدل،ان میں دو طرفہ مال کی شرط حرام ہے کہ یہ جوا ہے،یک طرفہ جائز ہے کہ انعام ہوں اگر تیسرا کہہ دے کہ تم میں سے جو جیتے گا اسے یہ انعام ملے گا جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں۱؎اور جب تمہارا ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑدو ۲؎(ترمذی،دارمی)

۱؎یعنی بڑا خلیق وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خلیق ہو کہ ان سے ہر وقت کام رہتا ہے اجنبی لوگوں سے خلیق ہونا کمال نہیں کہ ان سے ملاقات کبھی کبھی ہوتی ہے۔ہم نے اس اخلاق کریمانہ کا نمونہ قائم فرمادیا ہے۔سبحان اللہ!

۲؎یعنی خاوند بیوی میں سے جو مرجائے تو اسے دوسرا اچھائی سے یاد کرے برائیاں بیان نہ کرے یا کوئی مسلمان بھائی مرجائے تو اس کے عیوب بیان نہ کیے جائیں کہ مردہ کی غیبت بدترین گناہ ہے کیونکہ اس سے معاف نہیں کراسکتے۔خیال رہے کہ راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ یہ حدیث کی تحقیق ہے۔ غیبت کی تحقیق اور اس کے اقسام و احکام ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ فرمایئے اور کچھ اس کتاب میں بھی عرض کیے جاچکے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں کی غیبت نہ کرو زندہ مسلمان کی غیبت خوب کیا کرو۔

	اور ابن ماجہ عن ابن عباس ان کے فرمان لاھلی تک؟

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے اور اپنے ماہ رمضان کا روزہ رکھے۱؎اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے ۲؎اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے ۳؎تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہوجائے ۴؎(ابو نعیم حلیہ)

۱؎یہاں خصوصیت سے عورت کا ذکر اس لیے ہے کہ آگے خاوند کی اطاعت کا بھی ذکر آرہا ہے جو صرف عورت پر فرض ہے،نمازوں سے مراد پاکی کے زمانہ کی نمازیں ہیں،روزوں سے مراد رمضان کے روزے اداء ہوں یا قضاء کہ ناپاکی کی حالت میں عورت روزے ادا نہیں کرسکتی،قضاء کرے گی۔

۲؎ اس طرح کہ زنا اور اسباب زنا سے بچے بے پردگی گانا ناچنا وغیرہ حرام کام کے اسباب بھی حرام ہیں جیسے فرض کے اسباب و شرائط فرض نماز کی وجہ سے وضو وغیرہ بھی فرض ہے۔
۳؎ کہ اس کا ہر جائز حکم مانے بشرطیکہ قادر ہو۔
۴؎ چونکہ اس صالحہ بی بی نے ہر قسم کی عبادات کی ہیں اس لیے اسے ہر قسم کے دروازے سے جنت میں جانے کی اجازت ہے،جنت کے بہت دروازے ہیں ہر دروازہ خاص عبادت والے کے لیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے ۱؎ تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی ہمارے شریعت میں غیر خدا کو سجدہ حرام ہے، سجدہ عبادت کفر ہے، سجدہ تعظیم حرام،دوسری شریعتوں میں بندوں کو سجدہ تعظیم جائز تھا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں کہ فرماتے ہیں اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں دیکھئے۔یہاں حکم سے مراد وجوبی حکم ہے یا استحبابی یا اباحت کا۔
۲؎ کیونکہ خاوند کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور عورت اس کے احسانات کے شکریہ سے عاجز ہے اسی لیے خاوند ہی اس کے سجدے کا مستحق ہوتا۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کی اطاعت و تعظیم اشد ضروری ہے اس کی ہر جائز تعظیم کی جائے،اسی قاعدے سے فقیر کہتا ہے کہ اگر اسلام میں کسی بندے کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں اپنے نبی کو بلکہ ان کے نام کو سجدہ کرتا۔خیر دل تو ان کو ساجد ہی ہے۔شعر

اے جوش دل گر ان کو یہ سجدہ روا نہیں ۔۔۔ اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت مرجائے اس حال میں کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہوا ۱؎ تو جنت میں جائے گی ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یہاں خاوند سے مراد مسلمان عالم متقی خاوند ہے(مرقات)یہ قیود بہت ہی مناسب ہیں،بعض بے دین خاوند تو عورت کی نماز سے ناراض ہوتے ہیں اس کے گانے بجانے،سنیما جانے،بے پردہ پھرنے سے راضی ہوتے ہیں یہ رضا بے ایمانی ہے۔
۲؎ مرتے ہی روحانی طور پر یا بعد قیامت جسمانی طور پر،کیونکہ اس نیک بی بی نے اللہ کے حقوق بھی ادا کیے بندے کے حقوق بھی۔

	روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مرد اپنی بیوی کو

	اپنی ضرورت کے لیے بلائے ۲؎ تو وہ فورًا اس کے پاس آئے اگرچہ تنور پر ہو ۳؎ (ترمذی)

۱؎ آپ صحابی ہیں، یمامہ سے ایلچیوں قاصدوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
۲؎ حاجت سے مراد صحبت ہے جب کہ یہ صحبت کرانے کے لائق ہو۔
۳؎ اور روٹیاں تنور میں لگادی ہوں کہ اس حال میں وہاں سے ہٹنا روٹیاں جل جانے کا سبب ہے مگر یہ جب ہے کہ روٹیاں خاوند کی ہوں اگر کسی دوسری کی ہیں تو نہ جائے، اگر گئی اور روٹیاں ضائع ہو گئیں تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہیں ستاتی کوئی عورت اپنے خاوند کو دنیا میں مگر اس کی حورعین بیوی کہتی ہے ۱؎ کہ خدا تجھے غارت کرے اسے نہ ستا کیونکہ یہ تیرے پاس مہمان ہے بہت قریب تجھے چھوڑ کر ہماری طرف آئے گا ۲؎ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳؎

۱؎ جو اس کے نکاح میں آچکی ہے ملے گی بعد قیامت رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ"۔
۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حوریں نورانی ہونے کی وجہ سے جنت میں زمین کے واقعات دیکھتی ہیں، دیکھو یہ لڑائی ہو رہی ہے کسی گھر کی بند کوٹھڑی میں اور حور دیکھ رہی ہے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ ملاء اعلٰی دنیا والوں کے ایک ایک عمل پر خبردار ہیں۔ دوسرے یہ کہ حوروں کو لوگوں کے انجام کی خبر ہے کہ فلاں مؤمن متقی مرے گا۔ تیسرے یہ ہے کہ حوروں کو لوگوں کے مقام کی خبر ہے کہ بعد قیامت یہ جنت کے فلاں درجہ میں رہے گا۔ چوتھے یہ کہ حوریں آج بھی اپنے خاوند انسانوں کو جانتی پہچانتی ہیں، پانچواں یہ کہ آج بھی حوروں کو ہمارے دکھ سے دکھ پہنچتا ہے ہمارے مخالف سے ناراض ہوتی ہیں۔ جب حوروں کے علم کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام خلق سے بڑے عالم ہیں ان کے علم کا کیا پوچھنا، آج لوگ حضور کو حاضر ناظر ماننا شرک کہتے ہیں، یہاں سے معلوم ہوا کہ حور حاضر ناظر ہے، چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے حالات حوروں کے کلام سے خبردار ہیں جب ہی حور کا یہ کلام نقل فرمارہے ہیں وہ ہے حور، حضور ہیں نور، صلی اللہ علیہ وسلم ہر حور دنیا کے ہر گھر کے ہر حال سے خبردار ہے مگر یہ کلام وہ ہی حور کرتی ہے جس کا زوج اس گھر میں ہو۔
۳؎ یعنی ترمذی کی روایت میں یہ حدیث غریب ہے ابن ماجہ کی روایت میں نہیں مگر یہ غرابت مضر نہیں کیونکہ اس حدیث کی تائید قرآن کریم سے ہورہی ہے، رب تعالٰی فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے: " یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ" تمہارے کام

فرشتے جانتے ہیں اور ابلیس و ذریت ابلیس کے متعلق فرماتاہے:"اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"جب حدیث کی تائید قرآن مجید سے ہوجائے تو ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت حکیم ابن معاویہ قشیری سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا حق اس پر کیا ہے فرمایا جب تم کھاؤ اسے کھلاؤ اورجب تم پہنو اسے پہناؤ۲؎اور اس کے منہ پر نہ مارو۳؎اور اسے برا نہ کہو ۴؎اور اسے نہ چھوڑو مگر گھر میں ۵؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یہ حکیم تابعی ہیں قبیلہ بنی قشیر سے ہیں جو قشیر ابن کعب کی اولاد سے ہیں،امام نسائی نے فرمایا کہ ان کی حدیث مقبول ہے جامع اصول میں کہا کہ آپ اگرچہ بدوی یعنی دیہات کے رہنے والے ہیں مگر حسن الحدیث ہیں، ان کے والد معاویہ قشیری صحابی ہیں،مگرانہیں صاحبِ مشکوۃ نے اسماء الرجال میں ذکر نہ فرمایا کیونکہ ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے،کچھ بھی سہی تمام صحابہ ثقہ عادل ہیں۔

۲؎یعنی اپنی بیوی کو اپنی حیثیت کے لائق کھلاؤ پہناؤاور جب خودکھاؤ پہنو تب ہی اسے کھلاؤ پہناؤ،اگر اپنے لیے دو جوڑے بناؤ تو اس کے لیے بھی، پہناؤ میں لباس جوتہ وغیرہ سب داخل ہیں،زیور اپنی مرضی پر ہے اس کا پہنانا بھی سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو ہار عطا فرمایا تھا اور اپنی لخت جگر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو کنگن نقرئی اور ہاتھی دانت کا ہار عطا فرمایا۔

۳؎یعنی قصور کرنے پر اسے مارسکتے ہو مگر چہرے پر نہ مارو کیونکہ چہرہ میں نازک اعضاء ہیں اور انسان کا چہرہ رب کو بڑا ہی محبوب ہے خلق اللہ آدم علی صورتہ۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ چار جرموں پر خاوند اپنی بیوی کو مار سکتا ہے:ایک بناؤ سنگار نہ کرنے،پاک صاف نہ رہنے پر جب کہ خاوند یہ چاہتا ہو،اور دوسرے بلا وجہ صحبت کے لیے پاس نہ آنے پر، تیسرے نماز روزہ وغیرہ شرعی احکام کی پابندی نہ کرنے پر،چوتھے بغیر اجازت گھر سے نکلنے پر مگراس مار میں اصلاح مقصود ہو نہ کہ ایذاء۔

۴؎لا یقبّح کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اسے گالیاں نہ دو کہ اس سے تمہاری زبان گندی ہوگی،عورت کی عادت بگڑے گی،کیونکہ گالیاں سننے والا گالیاں بکنے بھی لگتا ہے،دوسرے یہ کہ اسے برے کاموں کا عیب نہ لگاؤ،بے عیب کو عیب لگانے سے وہ عیب دار ہو جاتا ہے۔بلکہ برائی دیکھ کر اکثر چشم پوشی کرلیا کرو۔

۵؎یعنی اگر تم اس کی اصلاح کے لیے اس سے کلام و سلام بند کرو تو گھر سے باہر نہ نکال دو کہ اس سے وہ اور بھی آزاد ہوجائے گی،بلکہ گھر ہی میں رکھو،کھانا پینا جاری رکھو،صرف بول چال چھوڑ دو،یہ بائیکاٹ ان شاءاللہ اس کے لیے پوری اصلاح کا ذریعہ ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:" وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ"۔

روایت ہے حضرت لَقیط ابن صبرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی بدزبانی یا تیز زبانی ۲؎ فرمایا اسے طلاق دے دو میں نے عرض کیا کہ اس میں سے میرے بچے ہیں،اور اسے میری پرانی صحبت ہے ۳؎ فرمایا تو اسے حکم دو یعنی نصیحت کرو اگر اس میں بھلائی ہوئی تو قبول کرے گی ۴؎ اور اپنی بیوی کو اپنی لونڈی کی سی مار نہ لگاؤ ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ لَقیط ابن عامر ابن صبرہ ہیں،صبرہ آپ کے دادا ہیں،مشہور صحابی ہیں طائف کے رہنے والے(مرقات واشعہ)

۲؎ فرمایئے تیز زبان بیوی کو سزا کیا دی جائے۔حضرات صحابہ حضور کو حکیم مطلق مان کر اپنے گھریلو معاملات تک آپ پر پیش کرکے اصلاح چاہتے تھے۔

۳؎ یہاں طلاق کا حکم اباحت کے لیے ہے،بدزبان بیوی کو طلاق دے دینا مباح ہے ان صحابی کا یہ جواب طلاق سے معذرت کرنے کے لیے ہے کہ اس سے بچے برباد ہوجائیں گے مجھے تکلیف ہوگی۔

۴؎ معلوم ہوا کہ نافرمان بیوی کو وعظ و نصیحت کرنا بہت محبوب ہے،انسان پہلے اپنی اصلاح کرے پھر اپنے گھر والوں کی پھر عزیز و اقارب کی پھر دوسروں کی آج کل عموماً واعظین وعلماء کی بیویاں ہی زیادہ نافرمان دیکھی گئی ہیں کیونکہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

۵؎ **ظعینہ ظعن** سے بنا،سفر در ہودج چونکہ بی بی گھر میں ایسی رہتی ہے جیسے مسافر اونٹ پر ہودج میں اس لیے اسے ظعینہ کہا جاتا ہے **امیہ امۃ** بمعنی لونڈی کی تصغیر ہے یعنی بیویوں کو لونڈیوں کی طرح مار نہ لگاؤ،اس سے معلوم ہوا کہ معمولی مار کی اجازت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو کبھی نہ مارا۔

روایت ہے حضرت انس ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی بندیوں کو نہ مارو ۱؎ پھر جناب عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے عورتیں اپنے خاوندوں پر دلیر ہوگئیں ۲؎ تب انہیں مارنے کی اجازت دی ۳؎ پھر بہت سی عورتوں نے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر چکر لگائے ۴؎ جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی تھیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری اہل بیت پر بہت عورتیں چکر لگارہی ہیں اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی ہیں یہ لوگ تم میں اچھے نہیں ۵؎	

	(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یعنی جیسے مرد اللہ کے بندے ہیں ایسے ہی عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں جیسے مولیٰ اپنے غلام کو مارنے والے پر ناراض ہوتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ ظلمًا مارنے والے پر ناراض ہوگا نہ کسی مرد کو مارو نہ عورت کو۔

۲؎یہاں النساء ذئرن کا فاعل نہیں ہے ورنہ فعل واحد آتا بلکہ فاعل کا بدل ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اَضَلُّوْا كَثِيْرًا" مطلب یہ تھا کہ جب عورتوں کو پتہ لگ گیا کہ ہمارے خاوند ہم کو قطعًا مار سکتے نہیں،تو وہ کچھ دلیر سی ہوگئیں۔

۳؎معلوم ہوتا ہے کہ اولًا قصور پر مارنے کی بھی اجازت نہ تھی اب قصور پر مارنے کی اجازت دی گئی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں۔

۴؎یہاں آل سے مراد بیویاں ہیں،قرآن شریف میں آل بیویوں کو ہی کہا گیا ہے بیویاں اہل بیت سکونت ہوتی ہیں اور بچے اہل بیت ولادت یعنی عورتیں براہ راست بارگاہ نبوی میں حاضری کی تو ہمت نہ کرسکیں اس لیے ازواج پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر بالواسطہ اپنے خاوندوں کی شاکی ہوئیں۔

۵؎خلاصہ یہ ہے کہ قصور مند بیوی کو اصلاح کے لیے مارنا جائز ہے مگر نہ مارنا اور وعظ و نصیحت سے اصلاح کرنا بہتر ہے بلا قصور مارنا حرام جس پر پکڑ ہوگی،یونہی بہت مارنا بے دردی سے یہ حرام ہے،بیوی کی سختی برداشت کرنا،یونہی خاوند کی سختی جھیلنا اور نباہ کرنا بڑے اجر کا باعث ہے۔

۶؎یہ حدیث حاکم نے ایاس ابن عبداللہ ابن ابی ذباب سے نقل فرمائی(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عورت کو اس کے خاوند پر یا غلام کو اس کے آقا پر خراب کردے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎خاوند بیوی میں فساد ڈالنے کی بہت صورتیں ہیں: عورت سے خاوند کی برائیاں بیان کرکے دوسرے مردوں کی خوبیاں ظاہر کرے کیونکہ عورت کا دل کچی شیشی کی طرح کمزور ہوتا ہے یا ان میں اختلاف ڈالنے کے لیے جادو تعویذ گنڈے کرنے سب حرام ہے اور غلام یا لونڈی کو بگاڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے بھاگ جانے پر آمادہ کرے،اگر وہ خود بھاگنا چاہیں تو ان کی امداد کرے،بہرحال دو دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرو توڑو نہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں بڑے کامل ایمان والا وہ ہے جو سب میں اچھے اخلاق والا اپنے بال بچوں پر مہربان ہو(ترمذی)۱؎

۱؎مؤمن کا تعلق خالق سے بھی ہے مخلوق سے بھی، خالق سے عبادات کا تعلق ہے مخلوق سے معاملات کا عبادات درست کرنا آسان ہے مگر معاملات کا سنبھالنا بہت مشکل ہے اسی لیے یہاں خلیق شخص کو کامل ایمان والا قرار دیا،پھر اجنبی لوگوں سے کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے مگر گھر والوں سے ہر وقت تعلق رہتا ہے ان سے اچھا برتاؤ کرنا بڑا کمال ہے اسلام مکمل انسانیت سکھاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنوں سے کامل تر مؤمن اچھے اخلاق والا ہے ۱؎اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں سے بہترین ہو ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ابوداؤد) **خلقاتک**۔	

۱؎خلق حسن وہ عادت ہے جس سے اللہ رسول بھی راضی رہیں اور مخلوق بھی،یہ ہے بہت مشکل مگر جسے یہ نصیب ہو جائے اس کے دونوں جہان سنبھل جاتے ہیں۔

۲؎کیونکہ بیوی صرف خاوند کی خاطر اپنے سارے میکے والوں کو چھوڑ دیتی ہے اگر خاوند بھی اس پر ظلم کرے تو وہ کس کی ہو کر رہے،کمزور پر مہربانی سنت الہیہ بھی ہے سنت رسول بھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک ۱؎یا حنین سے ۲؎واپس تشریف لائے ام المؤمنین کے طاق میں پردہ تھا،ہوا چلی جس نے پردہ کے کنارہ نے حضرت عائشہ کے کھیل کی گڑیا کھول دیں ۳؎تو حضور نے فرمایا عائشہ یہ کیا ہے ؟ بولیں میری گڑیاں ہیں آپ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے دو پر تھے تو فرمایا یہ کیا ہے جسے ہم بیچ میں دیکھ رہے ہیں؟بولیں گھوڑا ہے فرمایا اس کے اوپر کیا ہے ؟ میں بولی دو پر ہیں فرمایا کیا گھوڑے کے پر ہیں؟ بولیں کیا آپ نے نہ سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے ۴؎فرماتی ہیں کہ حضور ہنسے حتی کہ میں نے آپ کی کچلیاں دیکھ لیں ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎تبوک مدینہ منورہ اور دمشق(شام)کے درمیان ایک مشہور جگہ ہے یہ غزوہ ۹ھ میں ہوا،آخری غزوہ یہ ہی ہے۔اسی غزوہ کا نام غزوہ عسرت یعنی سخت تنگی کا غزوہ ہے،بخاری شریف نے اسے بعد حجتہ الوداع لکھا ہے،یہ غلط ہے شاید کاتبِ کی غلطی ہے(مرقات)

۲؎ حنین مکہ معظّمہ و طائف کے درمیان ایک جنگل کا نام ہے ذوالمجاز کے قریب ہے آج کل اسے سہل کہتے ہیں،فقیر نے طائف جاتے ہوئے اس کی زیارت کی یہ غزوہ ۸ھ؁ میں فتح مکہ کے بعد ہوا۔

۳؎ سہوہ کا ترجمہ بعض لوگوں نے الماری کیا ہے مگر طاق نہایت صحیح کیونکہ اکثر بچیاں اپنی گڑیاں کھلونے طاقوں میں ہی رکھتی ہیں ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ گڑیاں لڑکیوں کے لیے کھیل بھی ہے،تعلیم بھی اس سے وہ کھانا پکانا سینا،پرونا بخوبی سیکھ جاتی ہے۔ام المؤمنین لڑکپن میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر شادی ہو کر آئی تھیں۔

۴؎ حضرت ام المؤمنین نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا قرار دیا۔اور ظاہر ہے کہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلتی تھی۔رب تعالٰی فرماتاہے:"تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖ"اسے اڑانا قرار دیا اور اس سے اپنے گھوڑے کی سند بتائی،سبحان اللہ چھوٹی عمر اور اتنا نفیس جواب،خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح دسویں سال نبوت یعنی ہجرت سے تین سال پہلے مکہ معظّمہ میں دسویں شوال کو کیا،اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی اور یہ غزوہ ۸ھ؁ اور ۹ھ؁ میں ہوئے،اگرچہ اس وقت آپ بالغہ تھیں مگر عمر یقینًا کچی تھی اسی لیے گڑیاں بناتی اور ان سے کھیلتی تھیں۔

۵؎ یعنی آپ نے میرے اس جواب پر تبسم فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ عمل جائز تھا بعض علماء فرماتے ہیں ان گڑیوں اور اس گھوڑے کے آنکھ ناک کان نہ تھے صرف چیتھڑوں کے مجسمہ تھے اور ان اعضاء کے بغیر تصویر نہیں کہلاتی۔لہذا جائز تھی،بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ کھیل کی حرمت آنے سے پہلے کا ہے،مگر ترجیح اس کو ہے کہ بچوں کے کھلونوں کے احکام ہلکے ہیں۔(اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت قیس ابن سعد سے فرماتے ہیں میں حیرہ گیا ۱؎ وہاں لوگوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں ۲؎ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ پہنچا تو انہیں دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے ۴؎ تو فرمایا بتاؤ تو اگر تم میری قبر پر گزرو تو کیا تم قبر کو سجدہ کرو گے ۵؎ میں نے عرض کیا نہیں تو فرمایا یہ بھی نہ کرو اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا

	کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں ۶؎کیونکہ اللہ تعالٰی نے خاوندوں کا ان پر حق قرار دیا(ابوداؤد)۷؎احمد نے معاذ ابن جبل سے روایت کیا۔

۱؎آپ سعد ابن عبادہ کے فرزند ہیں انصاری خزرجی ہیں،دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں رہے،حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے ۶۰ھ؁ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی حیرہ کوفہ سے ملا ہوا مشہور شہر ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ حیرہ کے باشندے مشرکین تھے جو اپنے بادشاہ سردار کو تعظیمی سجدہ کرتے تھے۔

۳؎کیونکہ تمام خلق سے افضل ہیں،اور تمام کے محسن اعظم،جب وہ ایک علاقہ کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم جہاں بھر کے سردار کو سجدہ کیوں نہ کریں۔

۴؎لہذا آپ ہم کو سجدہ کی اجازت دیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں۔

۵؎اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ سجدہ اسے لائق ہے جس کو نہ موت آئے نہ اس کی قبر ہو،ہمیشہ زندہ رہے وہ صرف رب تعالٰی کی ذات ہے بندہ آج زندہ ہے زمین پر ہے کل بعد وفات زمین میں ہوگا جب بعد موت قبر کو سجدہ نہیں ہوسکتا تو زندگی میں بھی سجدہ نہیں ہوسکتا۔ اس سے معلوم ہو اکہ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

۶؎یعنی اگر سوائے خدا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرتی،کیونکہ خاوند کے حقوق بھی عورت پر بہت ہیں اور احسانات بھی زیادہ ہیں جب عورت خاوند کو سجدہ نہیں کرسکتی تو اور کوئی بھی کسی بندی کو سجدہ نہیں کرسکتا۔خیال رہے کہ سجدہ عبادت کسی دین میں بھی غیر خدا کو جائز نہ تھا مگر سجدہ تعظیمی بعض گزشتہ دینوں میں جائز تھا جیسے یعقوب علیہ السلام اور ان کے گیارہ بیٹوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ہمارے اسلام میں یہ سجدہ بھی حرام ہے۔ اس حدیث سے وہ جاہل پیر عبرت پکڑیں جو اپنے مریدین سے اپنے کو سجدہ کراتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ حرام ہوا تو کسی کو کیسے جائز ہوگا۔

۷؎یہ حدیث احمد نے حضرت معاذ سے اور حاکم نے حضرت بریدہ سے روایت کی،بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبیوں کو سجدہ کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ممانعت صرف ظنی احادیث سے جو مسلم،بخاری کی بھی نہیں لہذا ان احادیث کا اعتبار نہیں۔قرآن کے مقابل خبرو احد غیر معتبر ہے اس کا نہایت نفیس جواب ہم نے اپنے حاشیہ القرآن میں دیا ہے۔غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کی ممانعت کی احادیث متواتر المعنی ہیں اور اس کے جواز کی آیات قطعی الثبوت تو ہیں قطعی الدلالت نہیں یعنی دوسری شریعتوں میں سجدہ تعظیمی کا جواز بطور قطعی نہیں ہوتا۔حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کسی شریعت کا حکم نہ تھا کہ اس وقت دنیا میں نہ شریعت آئی تھی نہ نبی کی نبوت اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھا بلکہ خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے تھا،جیسے فرزند کا ذبح کردینا دین ابراہیمی کا مسئلہ نہ تھا بلکہ خواب کی تعبیر پوری کرنے کو کہا تھا۔اگر مان لیا جائے کہ وہ سجدہ شریعت یعقوبی کا مسئلہ تھا تو چاہیے کہ آج پیر مریدوں کو سجدہ کریں کہ نہ مرید پیر کو،کیونکہ افضل نے مفضول کو سجدہ کیا تھا۔یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند کو۔

	احمد نے معاذ ابن جبل سے روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مرد سے اس کے متعلق پوچھ نہ ہوگی جو وہ اپنی بیوی کو مارے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ بشرطیکہ خاوند مار کر شرائط و حدود کا لحاظ رکھے کہ بلا قصور نہ مارے ضرورت سے زیادہ نہ مارے،عداوت سے نہ مارے اصلاح کے لیے مارے تو خاوند پر اس مار کی پکڑ نہ ہوگی کیونکہ اس کی اجازت قرآن کریم نے دی رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَاضۡرِبُوۡهُنَّ"مگر ساتھ میں قید لگاتا ہے"فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا"اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر زیادتی نہ کرو۔خیال رہے کہ باپ اولاد کو بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو،نبی امتی کو،استاد شاگرد کو،پیر مرید کو اصلاح کے لیے مار سکتا ہے۔اگر غلطی سے بھی سزا دے دے تب بھی بڑے پر قصاص نہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے غلطی سے حضرت ہارون علیہ السلام کے بال نوچ کر اپنی طرف کھینچ لیا بعد میں پتہ لگا کہ وہ بے قصور ہیں تو رب تعالیٰ نے انہیں قصاص دینے کا حکم نہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعہ پر اپنے کو قصاص کے لیے پیش فرمایا وہ ہماری تعلیم کے لیے تھاورنہ حضور پر قصاص کیسا۔اگر بادشاہ یا قاضی غلطی سے کسی ملزم کو سزا دے دے تو ان پر قصاص نہیں،حضور کی شان تو کہیں اعلیٰ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور ہم حضور کے پاس تھے بولی میرا خاوند صفوان ابن معطل ۱؎ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو تڑوادیتا ہے اور فجر کی نماز نہیں پڑھتا حتی کہ سورج نکل آتا ہے ۲؎ فرماتے ہیں صفوان حضور کے پاس تھے فرماتے ہیں حضور نے اس بیان کے متعلق ان سے پوچھا ۳؎ وہ بولے یارسول اللہ لیکن اس کا یہ کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے تو ایسی دو سورتیں پڑھتی ہیں جن سے میں نے اسے منع کیا ہے ۴؎ راوی فرماتے ہیں تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک سورہ ہوتی تو لوگوں کو کافی ہوتی ۵؎ بولے کہ رہا اس کا یہ کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو توڑوا دیتا ہے تو یہ شروع ہوجاتی ہے تو روزہ ہی رکھتی رہتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں صبر نہیں کرسکتا

۶؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت روزہ نہ رکھے بغیر خاوند کی اجازت کے ۷؎رہا اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے تک نماز نہیں پڑھتا۔تو ہم لوگ ایسے گھرانے والے ہیں کہ یہ بات ہماری مشہور ہے جانی پہچانی سورج نکلنے تک نہیں جاگ سکتے ۸؎فرمایا اے صفوان جب تم لوگ جاگو تو نماز پڑھ لیا کرو ۹؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎آپ کی کنیت ابو عمر ہے سلمی ہیں،خندق اور تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے بہت بڑے بہادر متقی تھے،آپ ہی کی طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازیبابات منسوب کی گئی تھی جس کی تردید قرآن کریم نے کی،غزوہ آرمینیہ میں ۱۹ھ میں شہید ہوئے،ساٹھ سال سے زیادہ عمر شریف ہوئی،بڑے باخبر بزرگ ہیں۔(اکمال،اشعہ)

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ بیوی اپنے خاوند کی شکایت حاکم کے سامنے کرسکتی ہے یوں ہی خاوند کے والدین سے بھی اس کی شکایت جائز ہے۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ محض مدعی کے بیان پر حاکم فیصلہ نہ کرے بلکہ مدعی علیہ کے بیان ضرور لے۔

۴؎یعنی میری یہ بیوی ایک یا دو رکعت نماز میں بہت دراز سورتیں پڑھتی ہے،مثلًا رکعت اول میں سورہ بقرہ پوری اور دوسری رکعت میں پوری سورہ آل عمران جس سے گھر کے کام کاج اور میری خدمت میں سخت حرج واقع ہوتا ہے میں نے اسے چھوٹی سورتیں پڑھنے کو کہا ہے۔

۵؎**کانت** کا اسم ھی ضمیر ہے جو قرأۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر ان بی بی صاحبہ کی قرأت ایک چھوٹی سورۃ ہی ہوتی تو کافی ہوتی،قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورۃ تمام جہان کو کافی ہے یا یہ مطلب ہے کہ چھوٹی سورۃ تمہارے گھر کے سارے لوگوں کو کافی ہوتی کہ اس بی بی کی نماز ہوجاتی گھر کے کام کاج میں حرج نہ ہوتا،سب گھر والوں کے تمام کام بخوبی انجام پا جاتے۔

۶؎یعنی یہ بی بی لگاتار نفلی روزے رکھتی رہتی ہے کبھی افطار ہی نہیں کرتی ،میں اکثر رات میں اپنی کھیتی باڑی کا کام کرتا ہوں مجھے دوپہر وغیرہ میں اس کی حاجت ہوتی ہے۔

۷؎یعنی بیوی بغیر خاوند کی اجازت نفلی روزے نہ رکھے کہ اس میں خاوند کو تکلیف ہوتی ہے اس کا حق مارا جاتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ تو فرماتی ہیں کہ میں رمضان کی قضا شعبان کے مہینے سے پہلے نہ کرسکتی تھی شعبان میں اکثر حضور کے روزے ہوتے تھے تب میں قضا کیا کرتی تھی حالانکہ وہ روزے تو فرض تھے۔

۷؎یعنی ہم لوگ کھیتی و باغ والے ہیں رات بھر پانی دیتے ہیں،آخر رات میں سوتے ہیں اس لیے دن چڑھے آنکھ کھلتی ہے ہم معذور ہیں۔

۹؎یہاں شارحین حدیث نے بہت غوطے کھائے ہیں،کہتے ہیں کہ حضرت صفوان رات بھر کھیت و باغ کو پانی دے کر آخر شب میں کھیت پر ہی سوجاتے تھے نہ ان کی آنکھ کھلتی تھی نہ وہاں کوئی جگانے والا ہوتا تھا اس لیے مجبور تھے مگراس

توجیہ پر آج تو ترک نماز کے دروازے کھل جائیں گے لوگ کہیں گے کہ ہم رات کو سفر میں جاگتے ہیں یا رات بھر پہرہ دیتے ہیں ہم خواہ مخواہ نماز فجر قضا کردیا کریں،بہانے بنا نے والے نماز،روزہ حج وغیرہ چھوڑنے کے لیے بہانہ بنالیں گے اور منکرین حدیث کو اعتراض کا موقعہ ملے گا فقیر گنہگار کہتا ہے کہ یہ اجازت حضرت صفوان کے لیے خاص ہے،کرم کریمانہ سے ان کے لیے قضا کو ادا بنادیا گیا،حضور نے تو ایک صاحب پر تین نمازیں معاف فرمادیں،ان پر دو ہی نمازیں فرض رہیں،حضرت علی نے حضور کی نیند پر نماز عصر قربان فرمادی،حضور چاہیں قضا کو ادا کردیں ادا کو قضا کردیں،قانون اور ہے خصوصیت کچھ اور یہ نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھئے لہذا ہم میں سے کوئی حضرت صفوان کی طرح نہیں ہوسکتا،دنیاوی کاموں کی وجہ سے عبادات قضا نہیں کرسکتے دین کے لیے دنیا چھو ڑ دو دنیا کے لیے دین نہ چھوڑو ان خصوصیات کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تھے کہ ایک اونٹ آیا اس نے آپ کو سجدہ کیا ۱؎ تو حضور کے صحابہ نے عرص کیا یارسول اللہ آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں ۲؎ تو ہم زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں ۳؎ تو فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو ۴؎ اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو ۵؎ اور اگر میں کس کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۶؎ اور اگر خاوند حکم کرے کہ پیلے پہاڑ سے کالے پہاڑ کی طرف اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ کی طرف کو منتقل کرے تو بیوی کو چاہیے کہ ایسا ہی کرے ۷؎ (احمد)

۱؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں درختوں نے اس لیے سجدہ کیے کہ وہ رب تعالٰی کی طرف سے اس کے مامور تھے جیسے فرشتے سجدہ آدم کے لیے مامور تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور اور درخت بھی حضور کی عظمت جانتے پہچانتے ہیں جو انسان ذی عقل ہو کر انہیں اپنا جیسے کہے اپنے میں اور نبی میں فرق نہ کرے وہ جانوروں سے بدتر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ہر چیز کو عقل سے پہچانو،مگر جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشق سے مانو،عقل والا ابوجہل نہ پہچان سکا،بے عقل اونٹ پہچان گئے۔شعر

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل ۔۔۔ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

۲؎ معلوم ہوا کہ یہ سجدہ صرف ایک بار ہی نہ ہوا بلکہ جانوروں،لکڑیوں کے سجدے بارہا ہوتے رہتے تھے جسے حضرات صحابہ دیکھتے تھے اسی لیے تسجد مضارع استمراری ارشاد ہوئی۔

۳؎ کیونکہ اونٹ بے عقل ہے ہم انسان ہیں عقل رکھتے ہیں اپنے محسن کو جانتے پہچانتے ہیں نیز بمقابلہ جانوروں اور دوسری مخلوق کے آپ کے احسانات انسان پر خصوصًا ہم پر بہت زیادہ ہیں تو ہم اگر آپ کو سجدہ نہ کریں تو بہت ناشکرے ہیں۔

۴؎ یعنی تمام عبادات میں نماز اعلیٰ ہے اور تمام ارکان نماز میں سجدہ افضل لہذا سجدہ صرف رب تعالیٰ کو ہی کرنا چاہیے غیر خدا کو ہرگز سجدہ نہ کرو۔(مرقات)

۵؎ بھائی سے مراد اپنی ذات ہے یعنی میری تعظیم و توقیر کرو حضور کا اپنے کو بھائی فرمانا تواضع و انکساری کے لیے ہے،ورنہ آپ کی نعلین پر تمام جہان کے ماں باپ قربان(از مرقات)حضور بہت سے احکام میں امت کے والد ہیں اسی لیے حضور کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں،بھابیاں نہیں،مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری طرف خالص بشر اولاد آدم ہوں،نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا اور سجدہ صرف خدا کے لیے چاہیے تو پھر سجدہ کیسے کرسکتے ہو۔خیال رہے کہ یہاں اکرموا امر ہے وہ بھی مطلق جس میں کوئی قید نہیں جس سے معلوم ہوا کہ سوا سجدہ وغیرہ عبادات کے باقی ہر طرح کی تعظیم و تکریم کرو رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ"لہذا ہر تعظیم حضور کی کی جائے،امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔شعر

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم　　　واحکم بما شئت من شرف ومن عظم

فان فضل رسول الله لیس له　　　حد فیعربه ناطق بفم

یعنی جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق کہا وہ تو نہ کہو باقی جو چاہو کہو تعظیم و توقیر کے الفاظ کہو کیونکہ حضور کے فضائل کی حد ہی نہیں جسے کوئی بولنے والا بول سکے۔

۶؎ یعنی خاوند کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ اگر کسی بندے کو سجدہ ہوتا تو بیوی خاوند کو سجدہ کرتی لامرت متکلم فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور مالک احکام ہیں واجب و فرض آپ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ دیکھئے۔

۷؎ یہ فرمان مبارک مبالغہ کے طور پر ہے،سیاہ و سفید پہاڑ قریب قریب نہیں ہوتے بلکہ دور دور ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اگر مشکل سے مشکل کام کا بھی حکم دے تب بھی بیوی اسے کرے کالے پہاڑ کا پتھر سفید پہاڑ پر پہنچانا سخت مشکل ہے کہ بھاری بوجھ لے کر سفر کرنا ہے۔یہاں مرقات نے بحوالہ احمد و نسائی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ دیوانہ ہوگیا جو کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹنے دوڑتا تھا اور انصاری نے حضور سے شکایت کی آپ اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اس اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کام میں لگادیا وہ لگ گیا تب صحابہ کرام نے یہ عرض کیا اور یہ جواب ملا اس کا واقعہ بہت دراز ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کی نہ نماز قبول ہو نہ کوئی نیکی اوپر چڑھے ۱؎ بھگوڑا غلام یہاں تک

	کہ اپنے مولاؤں کی طرف لوٹ آئے ۲؎ اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دے اور وہ عورت جس پر ان کا خاوند ناراض ہو اور نشہ والا یہاں تک کہ ہوش میں آجائے۔(بیہقی شعب الایمان)۳؎

۱؎ یعنی بارگاہ الٰہی میں قبولیت کے لیے نہیں چڑھتی رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ"۔

۲؎ جب کہ اس غلام کے مولٰی بہت سے ہوں اور اگر ایک ہی مولٰی ہو تو اس ایک ہی کے پاس حاضر ہوجائے ہاتھ میں دینے سے مراد ہے کہ اس کی فرماں برداری کرنا اپنے کو اس کے حوالے کردینا۔

۳؎ یا اس طرح کہ نشہ پینے سے توبہ کرے یا اس طرح کہ نشہ اتر جائے،پہلی صورت بہت ہی اعلٰی ہے مقصد یہ ہے کہ گناہ کی حالت میں غضب الٰہی متوجہ ہوتا ہے توبہ کرنے سے رحمت الٰہی بندے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کونسی عورت اچھی ہے فرمایا کہ اسے خاوند جب دیکھے تو اچھی لگے ۱؎ اور جب اسے حکم دے تو اطاعت کرے اور اس کی مخالفت نہ کرے نہ اپنی جان میں نہ اپنے مال میں جو خاوند کو ناپسند ہو ۲؎(نسائی،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎ یا اس لیے کہ خوبصورت ہو یا اس لیے کہ خاوند کے سامنے بناؤ سنگار سے پاک و صاف ہو کر آئے یااس لیے کہ خاوند کو دیکھ کر خوش ہوجائے کھل جائے ایسی خندہ پیشانی سے ملے کہ خاوند خوش ہوجائے ۔یہاں مرقات میں ہے اگر عورت میں صورت و سیرت دونوں جمع ہوجائیں تو مرد کے لیے سرور پر سرور ہے نور پر نور۔

۲؎ مطلب یہ ہے کہ بیوی کے پاس جو مال ہو خواہ میکے سے ملا ہوا ہو خواہ خاوند کا دیا ہوا اسے ایسی جگہ خرچ نہ کرے جس سے خاوند ناراض ہو خود ایسا کوئی کام نہ کرے ایسی جگہ نہ جائے جس سے خاوند ناخوش ہو ایسی عورت اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ نے فرمایا چار چیزیں وہ ہیں جسے وہ دی گئیں اسے دین و دنیا کی بھلائی دے دی گئی ۱؎ شکر والا دل،ذکر والی زبان اور جسم مصیبتوں ۲؎ پر صبر والا ۳؎ اور ایسی بیوی جو اپنے نفس اور اس کے مال میں بغاوت نہ کرے ۴؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اعطی مجہول فرما کر ادھر اشارہ فرمایا کہ یہ چاروں نعمتیں صرف اپنی کوشش سے نہیں ملتیں بلکہ خاص عطاء رب ذوالجلال ہیں لہٰذا جسے یہ نعمتیں ملیں وہ انہیں اپنا کمال نہ سمجھے رب کی عطا سمجھ کر شکریہ ادا کرے چونکہ ان چاروں چیزوں کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی اس لیے ارشاد ہوا کہ اسے دین و دنیا کی بھلائی مل گئی۔

۲؎ اگر چہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور ذکر اللہ دل سے بھی کیا جاتا ہے مگر چونکہ دل کا شکر زبانی شکر سے اعلیٰ ہے اورزبانی ذکر کا تبین فرشتوں کی تحریر میں آتا ہے اور زبانی ذکر ہی نماز کا رکن ہے اسی زبان سے تلاوت قرآن ہوتی ہے اسی لیے خصوصیت سے دلی شکر اور زبانی ذکر کا تذکرہ فرمایا دلی شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر نعمت کو رب تعالیٰ کی طرف سے جانے اور اس نعمت کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے رب تعالیٰ نے شکر کی جگہ جگہ بہت تعریف فرمائی ہے"اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا"۔

۳؎ اگرچہ صبر بھی دل سے ہی ہوتا ہے مگر اس کا تعلق سارے جسم سے ہے،اس لیے صبر کو پورے جسم کی طرف نسبت فرمایا مصیبتوں میں زبان سے بکواس نہ کرنا،آنکھوں سے بے صبری کے آنسو نہ بہانا،ہاتھ پاؤں سے بے صبری کا اظہار نہ کرنا،جسم کا صبر ہے۔

۴؎ بیوی اکثر اپنے خاوند کے مال کی امینہ و محافظہ ہوتی ہے اور اکثر مال اس کے پاس رہتا ہے نیز خود بیوی خاوند کی امانت ہے،اسی لیے نفسها فرمایا اور بعد میں ماله یعنی بغیر خاوند کی اجازت نہ کہیں جائے نہ کسی سے تعلق رکھے،اس کا مال اس کی ہی اجازت سے خرچ کرے ایسی بیوی اللہ کی نعمت ہے پارسا عورت خاوند کو بھی پرہیزگار بنادیتی ہے۔

باب الخلع والطّلاق

خلع اور طلاق کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ خلع خ کے پیش لام کے فتح سے بمعنی کپڑے یا جوتے اتارنا،رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:" فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ"۔شریعت میں عورت کو مال کے عوض طلاق دینا بہ لفظ خلع،اسے خلع کہتے ہیں مثلًا مرد کہے کہ میں نے تجھ سے ایک ہزار روپیہ پر خلع کیا عورت کہے میں نے قبول کیا یا عورت کہے تو مجھ سے اتنے روپیہ پر خلع کرلے مرد کہے کرلیا یہ ہے خلع۔ہمارے ہاں خلع طلاق بائنہ ہے اور امام احمد ابن حنبل کے نزدیک و امام شافعی کے ایک قول میں خلع فسخ نکاح ہے چونکہ خاوند بیوی ایک دوسرے کے لباس ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"اسی لیے اس طلاق کو خلع کہا گیا کہ دونوں خاوند بیوی اس کے ذریعہ اپنا لباس زوجیت اتار دیتے ہیں،طلاق کے معنی ہیں کھل جانا اسی لیے تیز زبانی کو طلاقة اللسان کہتے ہیں اور خندہ پیشانی کو طلاقة وجه،چونکہ طلاق کے ذریعہ عورت مرد کی قید نکاح سے کھل جاتی ہے لہذا اسے طلاق کہا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ حضرت ثابت ابن قیس کی بیوی ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ابن قیس کی عادت میں دین میں اعتراض نہیں کرتی ۲؎ مگر میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغ لوٹا دو گی ۴؎ وہ بولیں ہاں ۵؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باغ قبول کرلو اور انہیں ایک طلاق دے دو ۶؎(بخاری)	

۱؎ ثابت ابن قیس ابن شماس پستہ قد قدرے سیاہ فام تھے،ان کی بیوی حبیبہ بنت سہل یا جمیلہ یعنی عبداللہ ابن اُبی کی بہن بہت خوبصورت دراز قامت تھی یہ اپنے خاوند کی شکل وصورت پسند نہ کرتی تھیں۔(از مرقات واشعہ)

۲؎ یعنی ان کی عادت بھی اچھی ہے اور یہ دیندار بھی ہیں،سبحان اللہ! یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی حق گوئی کہ جس سے ناراض ہوں اس کو بہتان نہیں لگاتے۔

۳؎ یعنی مجھے یہ پسند نہیں لہذا میں یہ نہیں کرسکتی کہ دل سے ناپسند کروں اور زبان سے انہیں اچھا کہے جاؤں کہ یہ تقیہ ہے اور اسلام کے خلاف ہے میں ان کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں اس ناراضی کی وجہ ان حضرت ثابت کا خوب صورت نہ ہونا تھا۔(اشعہ)

۴؎ کھجور کا وہ باغ جو تم کو انہوں نے مہر میں دیا ہے۔معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ خاوند خلع میں مہریا اور کوئی اپنی دی ہوئی چیز ہی واپس لے زیادہ نہ مانگے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ خلع میں اگر مرد کی طرف سے ابتداء ہو تو عورت کا قبول کرنا ضروری اور اگر عورت کی طرف سے ابتدا ہو تو مرد کا قبول کرنا لازم ہے آج کل جو عورتیں دھڑا دھڑ بذریعہ کچہری سے تنسیخ نکاح کرالیتی ہیں مرد راضی نہیں ہوتا اور اسے خلع کہتی ہیں محض غلط ہے۔

۶؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خلع میں عورت کا کام ہے مال دینا اور مرد کا کام طلاق دینا۔دوسرے یہ کہ خلق طلاق ہے فسخ نکاح نہیں۔تیسرے یہ کہ خلع میں بھی ایک طلاق بائنہ ہی دیجائے تین طلاقیں نہ دے تاکہ اگر پھر عورت و مرد راضی ہوں تو پھر نکاح کرسکیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق دیدی ۱؎ تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں بہت ناراض ہوئے ۲؎ پھر فرمایا وہ رجوع کرلیں پھر اسے روکیں ۳؎ حتی کہ پاک ہوجائے پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے ۴؎ پھر اگر ان کی رائے اسے طلاق دینے کی ہو تو پاکی کی حالت میں انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دیں ۵؎ پس یہ ہی وہ عدت ہے کہ اللہ نے حکم دیا کہ عورتوں کو اس لحاظ سے طلاق دی جائے ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انہیں حکم دو وہ رجوع کرلیں،پھر انہیں پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق دیں ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس حالت میں طلاق دی جب بیوی کو حیض آرہا تھا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض نہ ہوتے اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بحالت حیض طلاق دینا اگرچہ حرام ہے مگر وہ طلاق واقع ہوجائے گی ورنہ رجوع کرنے کے کیا معنی ؟یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک یا دو طلاق رجعی ہوتی ہیں کہ عدت کے اندر خاوند رجوع کرسکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۴؎ یعنی طلاق والے حیض کے بعد جو طہر آئے اس میں طلاق نہ دیں بلکہ اس طہر کے بعد حیض آئے پھر اس دوسرے حیض کے بعد جو طہر آئے اس میں طلاق دیں۔بعض علماء کا یہ ہی مذہب ہے کہ حیض میں طلاق دینے والااس طلاق سے رجوع کرے پھر اگر طلاق دینا چاہے تو اس کے متصل طہر میں بھی طلاق نہ دے یہ طہر اس طلاق والے حیض کے تابع ہے اگر طہر میں طلاق دے گا تو گویا حیض ہی میں طلاق دے رہا ہے مگر حق یہ ہے کہ اس متصل طہر میں طلاق دے سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی اس لیے تھاکہ شاید اس طہر میں ساتھ رہنے بسنے سے دل مل جائے اور پھر طلاق کی ضرورت پیش نہ آئے یہ مشورہ مصلحت کی بنا پر ہے اس کی اور بھی حکمتیں بیان کی گئی ہیں مگر یہ زیادہ قوی ہے۔(از نووی شرح مسلم و مرقات و لمعات)غرضکہ یہ حکم شرعی نہیں بلکہ رائے ہے جس پر عمل مستحب ہے۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس طہر میں طلاق دینا ہو اس میں عورت سے صحبت نہ کرے یہ ہی فقہاء فرماتے ہیں۔

۶؎ یعنی قرآن کریم جو فرماتاہے:"فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ"اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ طلاق طہر میں دو اور طہر بھی وہ ہے جس میں صحبت نہ کی ہو۔خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں لِعِدَّتِهِنَّ کالام بمعنی فی نہیں بلکہ بمعنی اجل ہے یعنی انہیں عدت کے لحاظ سے طلاق دو صحبت سے خالی طہر میں تاکہ عدت معلوم رہے کہ اس کی عدت حیض ہے یا وضع حمل،امام شافعی کے ہاں یہ لام بمعنی فی ہے یعنی انہیں عدت کے زمانہ میں طلاق دو اس بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ عدت غیر حاملہ کی طہر ہے ہمارے ہاں حیض۔

۷؎ معلوم ہوا کہ حاملہ عورت کو طلاق دینا جائز ہے اس کی عدت حمل جن دینا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ رجعت میں عورت کی رضا ضروری نہیں اگر عورت رجوع سے ناراض بھی ہو خاوند رجوع کرسکتا ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ"۔خیال رہے کہ بہتر یہ ہی ہے کہ مرد صرف ایک ہی طلاق دے وہ بھی ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ ہوئی ہو اور اگر تین طلاقیں دینا ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے،عدت پہلی طلاق سے شروع ہوگی، ایک دم تین طلاقیں دے دینا حرام ہے لیکن اگر دے دیں تو واقع ہوجائیں گی جیسے بحالت حیض طلاق دینا حرام لیکن اگر دے تو واقع ہوجائے گی اس کے لیے ہماری کتاب"تلاق الادلۃ فی الطلاق الثلثۃ"کا مطالعہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تو ہم نے رسول اللہ کو اختیار کرلیا تو اسے ہم پر کچھ بھی شمار نہ کیا گیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اگر خاوند اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دے مگر عورت خاوند کو اختیار کرے طلاق نہ دے تو اس اختیار دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج پاک کو طلاق کا اختیار دیا ان تمام نے حضور کے پاس رہنا اختیار کیا تو کسی کو طلاق واقع نہ ہوئی یہ ہی مذہب ہے جمہور صحابہ کا اور یہ ہی قول ہے امام اعظم و امام شافعی و غیرہم رضی اللہ عنہم کا،مگر حضرت علی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں اگر عورت طلاق اختیار کرے

تو طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر خاوند کو اختیار کرے تو طلاق رجعی واقع ہوگی،حضرت ام المؤمنین ان ہی صاحبوں کی تردید فرمارہی ہیں حضرت علی و زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا اختیار دیا ہی نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ اگر تم دنیا کی زینت چاہتی ہو تو میں تم کو طلاق دے دوں اگر طلاق کا اختیار ہوتا تو مجلس تک محدود رہتا حالانکہ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے ماں باپ سے پوچھ کر فیصلہ کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ارادہ طلاق تھا نہ کہ تفویض طلاق مگر تفویض طلاق دائمی بھی ہوتی ہے فوری بھی اور وقت معین تک کے لیے بھی یہ تفویض وقت معین کی تھی لہذا حضرت ام المؤمنین جمہور صحابہ کا قول قوی ہے۔(فتح القدیر اور مرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے آپ نے حرام کے بارے میں فرمایا کہ کفارہ دے[1] بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھی پیروی ہے [2](مسلم،بخاری)	

[1] یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا کسی اور حلال چیز کو اپنے پر حرام کرے تو یہ تحریمہ قسم ہے جس میں کفارہ واجب ہوگا یہ ہی قوی ہے۔حضرت ابن عباس اور امام اعظم کے ہاں اگر طلاق کی نیت سے حرام کرے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اس کی تحقیق کتب فقہ میں ہے۔

[2] کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر شہد یا بی بی ماریہ کو حرام کیا تھا تو رب تعالٰی نے اسے قسم قرار دیا تھا کہ فرمایا:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ"پھر فرمایا قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمٰنِكُمْ"۔اس آیت سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حلال کو حرام کرلینا قسم ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس کچھ ٹھہرتے تھے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے[1] تو میں نے اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا[2] کہ ہم میں سے جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ کہہ دیں کہ میں آپ سے مغافیر کی بوپاتی ہوں[3] کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے[4] چنانچہ ان دونوں بیویوں میں سے ایک کے پاس حضور تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا[5] تو فرمایا کوئی مضائقہ نہیں[6] ہم نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اب نہ پئیں گے اور ہم نے اس کی قسم کھائی[7] اس کی خبر کسی کو نہ دینا[8] آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے تھے[9] تب یہ آیت اتری اے نبی آپ وہ چیز کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی اپنی بیویوں کی مرضی تلاش کرتے ہو[10](مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی باری کے علاوہ جب سرکار بعد نماز عصر تمام ازواج پاک کے پاس دورہ فرماتے تو بی بی زینب کے پاس زیادہ ٹھہرتے تھے کیونکہ حضور کو شہد پسند تھا اور حضرت زینب کے پاس شہد ہوتا تھا وہ آپ کو پلاتی تھیں اس شہد پینے میں دیر لگتی تھی۔

۲؎ یہ مشورہ اس لیے تھا کہ ہم کو حضور کا زینب کے پاس زیادہ ٹھہرنا پسند نہ تھا۔

۳؎ **مغافیر** جمع ہے **مغفور** کی یا **مغفر** کی یہ ایک درخت خار دار کا پھل ہے جسے عربی میں **عضاہ** کہتے ہیں جیسے عرفط یہ پھل میٹھا ہوتا ہے مگر قدرے بو ہوتی ہے(ہیک)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ کی بو بہت ناپسند تھی اسی لیے حضور نے کبھی کچا لہسن و پیاز نہ کھایا کہ اس سے منہ میں بو ہوتی ہے۔

۴؎ اس تمام مشورہ کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانہ سے حضور کو بی بی زینب کے پاس زیادہ ٹھہرنے سے روکا جائے خیال رہے کہ جس گناہ کی بنیاد محبت رسول پر ہو اس سے توبہ نصیب ہوجاتی ہے۔دیکھو آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل ایک عورت کے عشق میں گناہ کا مرتکب ہوا اسے توبہ نصیب نہ ہوئی اور یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں نے بڑے سخت گناہ کیے مگر محبت یعقوبی حاصل کرنے کے لیے انہیں توبہ نصیب ہوگئی مقبول بارگاہ بھی ہوگئے ان دونوں بیبیوں کی یہ ساری تدبیریں حضور کی محبت میں تھیں اس لیے رب تعالٰی نے انہیں قرآن کریم میں توبہ کا حکم دیا کہ فرمایا:"**اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوۡبُکُمَا**"پھر یہ بیبیاں پہلے کی طرح مقبول بارگاہ الٰہی رہیں اب ان پر زبان طعن کھولنا بدنصیبی ہے۔

۵؎ وہ ہی عرض کیا جو پہلے مشورہ میں طے ہوچکا تھا۔خیال رہے کہ ہم تمام صحابہ کرام کو متقی عادل مانتے ہیں معصوم نہیں مانتے یعنی ان بزرگوں سے گناہ سرزد ہوسکتے ہیں مگر ان میں سے کوئی گناہ پر قائم نہیں رہتے،ایسے ہی یہاں ہوتا،گناہ کرلینا اور ہے گناہ پر جم جانا کچھ اور۔

۶؎ یعنی اے بیوی تم پر اس عرض میں کوئی تنگی و مضائقہ نہیں ہم تمہارا مقصد سمجھ گئے۔(مرقات)

۷؎ تاکہ تم کو تکلیف نہ ہو ہمارے وہاں زیادہ ٹھہرنے سے تم کو دکھ ہوتا ہے اس قسم کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منہ شریف کی خوشبو کی خبر نہ تھی ہر شخص اپنے منہ اور بغل کی خوشبو جانتا ہے یہ عیب نہیں بلکہ وہ وجہ تھی جو آگے آرہی ہے۔

۸؎ اس قسم فرمالینے کی خبر کسی کو نہ دینا تاکہ بی بی زینب کو اس قسم کھالینے پر صدمہ نہ ہو۔(مرقات)اس لیے کہ دوسری ازواج کو اس خوشبو کی خبر نہ ہو،خوشبو تو بغیر خبر دیئے ہی معلوم ہوجاتی ہے اس چھپانے سے مقصود حضرت زینب کی خاطر داری ہے۔

۹؎ یہ ہے اس قسم فرمانے کی وجہ یعنی اس قسم کی وجہ اپنی بے علمی نہیں بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ و حفصہ کو خوش کرنا مقصود تھا کہ ہم حضرت زینب کے پاس زیادہ نہ ٹھہرا کریں گے تاکہ یہ خوش رہیں قرآن کریم بھی فرماتاہے:"**تَبۡتَغِیۡ**

مَرۡضَاتَ اَزۡوٰجِكَ"آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں اور کیوں نہ چاہیں ان بیویوں کی رضا تو رب تعالٰی بھی چاہتا ہے رضی اللہ عنہما۔

۱۰؎ بعض لوگ اس واقعہ سے اس پر دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور کو علم غیب نہ تھا اگر ہوتا تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ ہمارے منہ شریف سے مغافیر کی مہک نہیں آرہی ہے یہ محض غلط ہے کہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور اس حدیث کے بھی یہ سب کچھ ان دونوں ازواج کو راضی کرنے کے لیے ہوا اپنے منہ کی مہک غیب نہیں ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق مانگے ۱؎ تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یہاں بأس سے مراد سختی ہے،مازائدہ ہے یعنی جو بغیر سخت تکلیف کے طلاق مانگے۔

۲؎ یعنی ایسی عورت کا جنت میں جانا تو کیا ہی ہوگا وہاں کی خوشبو بھی نہ پائے گی اس سے مراد ہے اولی داخلہ ورنہ آخر کار سارے مؤمن جنت میں پہنچیں گے اگرچہ کیسے ہی گنہگار ہوں لہذا یہ حدیث شفاعت کے خلاف نہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ ایسی عورت جنت میں پہنچ کر بھی وہاں کی خوشبو سے محروم رہے گی جیسے یہاں نزلہ و زکام والا آدمی پھول ناک پر رکھ کر بھی خوشبو نہیں پاتا۔(مرقات)مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپسندیدہ ترین حلال اللہ کے نزدیک طلاق ہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی نے ضرورت عباد کی بنا پر طلاق مباح تو کردی ہے مگر رب کو پسند نہیں کہ اس میں دو محبوبوں کی جدائی گھر بگڑنا اولاد کی تباہی ہے غرضکہ بلا وجہ طلاق کراہت سے خالی نہیں بہت سی چیزیں حلال ہیں مگر بہتر نہیں جیسے بلا عذر مرد کا گھر میں نماز پڑھ لینا یا اذان جمعہ ہوچکنے کے بعد تجارت کرنا یا غیر معتکف کا مسجد میں کھانا پینا لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حلال چیز نا پسند کیسے ہوسکتی ہے اور نہ یہ اعتراض ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیوں فرمایا تھا،امام حسن نے بہت بیویوں کوطلاق کیوں دی حلال کام پر نہ گناہ ہے نہ عتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وہ کام کیے ہیں جوامت کے لیے مکروہ ہیں کیوں،تبلیغ کے لیے آپ کو ان پر بھی ثواب ملے گا جیسے منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا،اونٹ پر طواف کرنا،نواسے کو کندھے پر لے کر نماز ادا کرنا،حضرت حسین

علیہ السلام کے لیے خطبہ جمعہ توڑ کر آگے جا کر انہیں گود میں لے لینا وغیرہ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ" وہاں طلاق میں گناہ کی نفی ہے،یہاں بہتر نہ ہونے کا ثبوت۔

روایت ہے حضرت علی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں نکاح سے پہلے طلاق نہیں۱؎ اور نہیں ہے آزاد کرنا مگر ملکیت کے بعد۲؎ اور نہیں ہے وصال روزوں میں۳؎ اور نہیں ہے یتیمی بلوغ کے بعد۴؎ اور نہیں ہے شیر خوارگی دودھ چھوٹنے کے بعد۵؎ اور نہیں ہے خاموشی دن بھر کی رات تک ۶؎(شرح لسنہ)	

۱؎ لہذا اگر کوئی شخص اجنبیہ عورت سے کہے کہ تجھے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی یوں ہی اگر اجنبیہ عورت سے کہے کہ اگر تو گھر میں گئی تو تجھے طلاق پھر اس سے نکاح کرے،پھر وہ عورت گھر میں جائے تو طلاق نہیں واقعی ہوگی۔لیکن اگر اجنبیہ عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی غرضکہ طلاق کے لیے ضروری ہے کہ یا تو نکاح کے بعد بولی جائے یا نکاح پر معلق کی جائے۔

۲؎ یعنی دوسرے کے غلام کو یہ شخص آزاد نہیں کرسکتا اگر اس سے آزادی کے الفاظ کہہ دے پھر اس کا مالک ہوگیا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی روزہ پر روزہ رکھنا درمیان میں افطار نہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کوئی اور نہیں رکھ سکتا ہم کو افطار کرنا ضروری ہے۔

۴؎ جس کا باپ فوت ہوجائے وہ یتیم کہلاتا ہے بشرطیکہ نابالغ ہو بالغ لڑکا یتیم نہیں کہلاتا۔

۵؎ لہذا جو بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے،ڈھائی برس عمر کے بعد تو وہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں نہ بنے گی نہ یہ بچہ اس کا دودھ کا بیٹا ہوگا اور نہ اس پر رضاعت کے احکام جاری ہوں گے۔

۶؎ یعنی اسلام میں چپ کا روزہ نہیں پچھلے دینوں میں تھا اگرچہ بری باتوں سے خاموشی بہتر ہے مگر خاموشی ہمارے ہاں عبادت نہیں بلکہ اس میں ہندوؤں اور عیسائیوں سے مشابہت ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی منت اس میں نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۱؎ اور نہ اس میں آزاد کرنا ہے،جس کا وہ مالک نہ ہو اور نہیں ہے طلاق اس میں جس کا وہ مالک نہ ہو ۲؎(ترمذی)ابوداؤد نے یہ زیادتی کی کہ نہ فروخت ہے مگر اس میں جس کا مالک ہو۔	

۱؎ لہذا اگر کوئی کسی خاص غلام کو آزاد کرنے کی منت مانے مگر منت کے وقت اس غلام کا مالک نہ ہو تو منت درست نہ ہو گی اگر بعد میں اس غلام کا مالک ہو بھی گیا تب بھی وہ آزاد نہ ہوگا۔

۲؎ حضرت امام شافعی اس حدیث کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں کہ اجنبیہ عورت اور دوسرے کے غلام کو نہ طلاق و آزاد کرسکتے ہیں نہ ان کی طلاق و آزادی کو نکاح یا ملکیت پر معلق کرسکتے ہیں حضرت علی، ابن عباس، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی قول ہے، ہمارے امام صاحب کے ہاں تعلیق نکاح وعتق جائز ہے،مثلًا اگر اجنبیہ سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق یا اجنبی غلام سے کہے کہ اگر میں تجھے خریدوں تو تو آزاد ہے پھر نکاح کرے یا خرید لے تو طلاق و آزادی واقع ہوجائے گی یہی قول ہے حضرت ربیعہ امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کا، یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،وقوع طلاق یا وقوع عتاق بغیر نکاح یا بغیر ملک نہیں ہوسکتا کیونکہ طلاق سے نکاح ختم کیا جاتا ہے اور عتاق سے ملکیت جب نکاح یا ملکیت موجود ہی نہ ہو تو ختم کیا چیز ہوگی،رہا تعلیق طلاق و عتاق یہ بہرحال جائز ہے بشرطیکہ نکاح یا ملکیت پر معلق کیا جائے یہ حدیث وقوع کی نفی کے لیےہے وہ ہم بھی کہتے ہیں ہاں ابو ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ تم میرا فلاں کام کردو تو میں اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کردوں گا میں نے کہا کہ اگر میں تمہاری بیٹی سے نکاح کروں تو اسے تین طلاق،پھر میں نے اس سے نکاح کرنا چاہا، حضور سے مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا نکاح کرلو طلاق واقع نہ ہوگی یہ حدیث واقع امام اعظم کے خلاف ہے مگر اس کی اسناد میں ابوخالد واسطی ہے جو حدیثیں گھڑنے میں مشہور تھا، چنانچہ امام احمد و معین نے فرمایا یہ جھوٹا ہے نیز اس میں علی ابن قرین راوی ہے جسے امام ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیثوں کا چور ہے لہذا اس قسم کی روایات بالکل موضوع ہیں اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت رکانہ ابن عبدیزید سے ۱؎ کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق دی ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور بولے اللہ کی قسم میں نے صرف ایک کی نیت کی تھی تو رسول اللہ نے فرمایا کیا خدا کی قسم تم نے نہ نیت کی مگر ایک کی تو رکانہ بولے اللہ کی قسم میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی ۳؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت رکانہ کی طرف لوٹا دی ۴؎ پھر انہوں نے زمانہ فاروقی میں دوسری طلاق دی اور زمانہ عثمانی میں تیسری ۵؎ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی) مگر انہوں نے دوسری تیسری طلاق کا ذکر نہ کیا ۶؎	

۱؎ آپ رکانہ ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ہیں،قریشی ہیں،صحابی ہیں، ۴۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲؎آپ سہیمہ بنت عمرو مزینہ ہیں، حضرت رکانہ نے ان سے کہا کہ تجھے طلاق بتہ ہے جو نکاح ختم کردے نہ طلاق معلقہ ہو نہ رجعیہ۔ خیال رہے کہ طلاق بتہ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے لیکن اگر خاوند تین طلاقوں کی نیت کرے تو تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔ امام شافعی کے ہاں ایک رجعی واقع ہوگی اگر تین کی نیت کرے تو تین، امام مالک کے ہاں اس سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم و امام شافعی کے موافق ہے امام مالک کے خلاف رضی اللہ عنہم۔

۳؎اس سوال و جواب سے وہ ہی بات معلوم ہوئی جو ابھی عرض کی گئی کہ طلاق بتہ طلاق بائنہ ہے لیکن اگر اس میں تین طلاق کی نیت کرلی جائے تو تین ہوں گی ورنہ ایک حدیث رکانہ کی تحقیق ہماری کتاب **طلاق الادلۃ فی حکم الطلاق الثلثہ** میں ملاحظہ کیجئے۔

۴؎اس طرح کہ انہیں دوبارہ نکاح کرلینے کی اجازت دے دی کیونکہ اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی تھی امام شافعی کے ہاں اس کے معنی ہیں بغیر تجدید نکاح اسے رکانہ کی بیوی قرار دیا،کیونکہ اس سے طلاق رجع واقعی ہوئی تھی جس میں عدت کے اندر تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۵؎اس سے صاف معلوم ہواکہ طلاق بتہ ایک ہوتی ہے نہ دو نہ تین کیونکہ حضرت رکانہ نے اس کے بعد دو طلاقیں اور دیں بعض روایات میں ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو بیک وقت تین طلاقیں دی تھیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی قرار دیا مگر وہ حدیث منکر ہے صحیح وہ ہے جو یہاں مذکور ہوا کہ طلاق بتہ دی تھی یعنی ایک بائنہ غیر مقلد حدیث رکانہ کو آڑ لے کر کہتے ہیں ایک دم تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں مگر آپ کو حدیث رکانہ کا حال معلوم ہوگیا۔(مرقات)

۶؎ابن اسحاق نے بروایت عکرمہ عن ابن عباس روایت کی کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو بیک وقت تین طلاقیں دی پھر بہت غمگیں ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا حضور نے ان تین طلاقوں کو ایک ہی قرار دیا یہ حدیث منکر ہے صحیح وہ ہی ہے جو ابوداؤد،ابن ماجہ نے روایت کی آپ نے طلاق بتہ دی تھی یعنی ایک طلاق بائنہ باقی دو طلاقیں عہد فاروقی و عثمانی میں دیں جو یہاں مذکور ہے۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں وہ ہیں جن کا ارادہ بھی ارادہ ہے اور مذاق بھی ارادہ ۱؎نکاح اور طلاق،اور رجوع ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)اور فرمایا ترمذی نے یہ حدیث حسن غریب ہے ۳؎	

۱؎یعنی ارادۃً بولے تو بھی واقع ہوجائیں گی اور مذاق دل لگی سے کہے یا ویسے ہی اس کے منہ سے نکل جائے یا کسی اور زبان میں بولے جس سے وہ واقف نہ ہو،بہرحال یہ کلمات اس کے منہ سے نکل جائیں یہ چیزیں واقع ہوجائیں گی بشرطیکہ دیوانگی یا نیند میں نہ کہے بیداری و ہوش میں کہے۔

۲؎ان تین چیزوں کا ذکر صرف اہتمام کے لیے ہے ورنہ تمام تصرفات شرعیہ جن میں دوسرے کا حق ہوجاتا ہو سب کا یہ ہی حکم ہے لہذا بیع،ہبہ،کرایہ،طلاق،نکاح، طلاق سے رجوع،دانستہ طور پر کرے یااس کے منہ سے نادانی کی حالت میں نکل جائیں یعنی یہ

عقد منعقد ہوجائیں گے۔مزاق میں مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی،یا تجھ سے نکاح کیااور عورت نے بھی مزاق دل لگی میں قبول کے الفاظ کہہ دیئے یاطلاق والی عورت سے دل لگی میں کہا کہ میں نے رجوع کرلیا یا ہنسی مذاق میں کہا میں نے یہ گھر تیرے ہاتھ فروخت یا ہبہ کردیا پس درست ہوگیا اگر یہ حکم نہ ہو تو شریعت کے احکام بے کار ہو کر رہ جائیں ہر شخص بیع یا ہبہ یا طلاق یا نکاح کرکے کہہ دیا کرے کہ میں تو دل لگی میں کہہ رہا تھا۔یہ حدیث معاملات کی اصل اصول ہے جس پر صدہا احکام مرتب ہیں۔(لمعات و مرقات)

۳؎یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں سے حسن ہے بعض سے غریب لہذا جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا غلط کہا چند اسنادوں سے تو ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے اس کی کتاب اللہ سے بھی تائید ہوتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمٰنِكُمْ"۔منافقین نے حضور کی شان میں بکواس بکی تھی،پوچھ گچھ پر بولے کہ ہم تو مذاق کرتے تھے فرمایا بہانہ نہ بناؤ تم کافر ہوچکے۔معلوم ہوا کہ کفر و اسلام عمدًا ومذاقًا ہر طرح ثابت ہوجاتا ہے اور اس پر احکام شرعیہ مرتب ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے طلاق نہ آزادی مجبوری میں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ) کہا گیا ہے کہ اغلاق کے معنی جبر ہیں ۲؎	

۱؎یعنی اگر جبرًا کسی سے اس کی بیوی کو طلاق دلوادی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی یہ ہی مذہب ہے امام شافعی و احمد کا ،ہمارے امام اعظم کے ہاں مجبور کی طلاق ہوجاتی ہے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام محمد نے حضرت صفوان ابن عمر طائی سے روایت کی کہ مدینہ پاک میں ایک عورت اپنے خاوند سے سخت نفرت کرتی تھی ایک دن دوپہر کو خاوند سورہا تھا،یہ چھری لے کر سر پر کھڑی ہوگئی اور بولی مجھے تین طلاقیں دوورنہ ابھی ذبح کردوں گی وہ بہت چیخا چلایا آخر کار تین طلاقیں دے دیں، پھر یہ مسئلہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا تو حضور نے فرمایا"لَا قَيْلُوْلَةَ فِي الطَّلَاقِ"امام شمنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام عقیل نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی۔اس سے معلوم ہوا کہ مجبور کی طلاق ہوجاتی ہے رہی وہ حدیث کہ"رفع عن امتی الخطاء والنسیان و ما استکرھوا علیہ"یعنی میری امت سے خطاء بھول اور مجبوری کی چیزیں اٹھائی گئی وہاں اخری گناہ مراد ہے کہ ان چیزوں پر آخرت میں گناہ نہ ہوگا دنیاوی احکام جاری ہونا مراد نہیں،اگر کوئی کسی کو جبرًا قتل کردے تو اسے قاتل مانا جاوے گا۔یہاں اغلاق کے معنی امام صاحب کے نزدیک سخت غصہ ہے جس سے انسان کی عقل بند ہوجائے کہ ایسے مخبوط الحواس غصہ والے کی طلاق نہیں ہوتی لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔(مرقات ولمعات وغیرہ)

۲؎یعنی بعض شارحین نے فرمایا کہ اغلاق کے معنی ہیں جبر،بعض نے فرمایا اس کے معنی ہیں سخت غصہ جس سے عقل جاتی رہے،بعض نے فرمایا دیوانگی۔خیال رہے کہ امام شعبی،نخعی سفیان ثوری کا یہ ہی مذہب ہے کہ مجبور کی طلاق ہوجاتی ہے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ ناحق جبر کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر ضرورۃً مجبور کرکے طلاق لے لی جائے

تو واقع ہوجائے گی جیسے ظالم خاوند جو عورت کو نہ درست طریقہ سے بسائے نہ طلاق دے،یہ ہی قول ہے حضرت علی،عبداللہ ابن عمر،شریح،عمر بن عبدالعزیز کا۔(مرقات)ہمارے ہاں بھی مجبور کی زبانی طلاق ہوگی اگر مجبور نے صرف تحریری طلاق دی تو واقع نہ ہوگی۔(عالمگیری)خیال رہے کہ دس چیزیں مجبوری میں جائز ہوتی ہیں نکاح،طلاق،رجوع،ایلاء فی،ظہار،عتاق،یعنی غلام آزاد کرنا،قصاص سے معافی،قسم،نذر۔شعر

یصح مع الاکراہ عتق و رجعۃ	نکاح و ایلاء طلاق مفارق
و فی ظہار و الیمین و نذرہ	وعفو لقتل شاب عنہ مفارق

گیارہواں اسلام یعنی مجبور کا اسلام درست ہے۔(مرقات و کتب فقہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر طلاق جائز ہے سوائے دیوانہ اور مغلوب العقل کی طلاق کے[1](ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عطاء ابن عجلان راوی ضعیف حدیث بھول جانے والے ہیں[2]	

[1] غالبًا مغلوب العقل معتوہ کی تفسیر ہے اور یہ عطف تفسیری ہے ہوسکتا ہے کہ معتوہ وہ جس کی عقل میں فتور ہو اور مغلوب العقل بالکل دیوانہ حضرت علی امام مالک،امام شافعی،امام اوزاعی،سفیان ثوری امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نشہ والے کی طلاق واقع ہوجاوے گی اگرچہ وہ بے عقل ہوچکا ہو جب کہ اس نے گناہ کے طور پر نشہ کیا اسی لیے اسپر نمازیں معاف نہیں ہوتیں۔بچے،دیوانہ،سوتے ہوئے بے ہوش کی طلاق نہیں ہوتی۔

[2] اس حدیث کی تائید میں بہت زیادہ احادیث بخاری ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آئی ہیں اگر تفصیل دیکھنا ہو تو یہاں مرقات کا مطالعہ کیجئے،لہذا اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہو مگر دوسری احادیث کی تائید سے قوی ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم اٹھالیا گیا ہے تین شخصوں سے[1] سوتا ہوا حتی کہ جاگ جائے اور بچے سے حتی کہ بالغ ہوجائے اور دیوانہ سے یہاں تک کہ عقل والا ہوجائے[2](ترمذی،ابوداؤد)	

[1] یعنی ان پر سزا و جزا نہیں ہوتی۔

[2] حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نابالغ بچہ سوتا ہوا آدمی اور دیوانہ مرفوع القلم ہیں ان پر شرعی احکام جاری نہیں لہذا اگر یہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں تو واقع نہ ہوگی۔ اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی یوں ہی سوتے میں اگر کوئی طلاق دے دے یا دیوانگی میں تو بھی طلاق نہیں ہوتی،یہ حدیث جامع صغیر،احمد،ابوداؤد،نسائی حاکم نے مختلف صحابہ سے مختلف الفاظ میں نقل فرمائی،بخاری نے تعلیقًا موقوفًا حضرت علی سے روایت کی غرضکہ حدیث صحیح ہے۔(مرقات)

	دارمی،حضرت عائشہ سے اور ابن ماجہ ان دونوں سے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور اسکی عدت دو حیض ۱؎(ترمذی،ابوداؤد اور ابن ماجہ دارمی)

۱؎یعنی لونڈی خواہ غلام کے نکاح میں ہو یا آزاد کے اس پر صرف دو طلاقیں پڑ سکتی ہیں،دو سے ہی مغلظہ ہوجائے گی کہ پھر بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکے گی،نیز لونڈی کی عدت بجائے تین حیض کے دو حیض ہیں۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ طلاق کی عدت حیض ہے نہ طہر یہ ہی احناف کہتے ہیں اور قرآن کریم میں جو ثلاثۃ قروء فرمایا گیا وہاں قروء کے معنی طہر نہیں بلکہ حیض ہیں۔دوسرے یہ کہ عدت و طلاق کا اعتبار عورت سے ہے نہ کہ مرد سے لہذا لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور عدت بھی دو حیض، اس کا خاوند غلام ہو یا آزاد یہ ہی احناف کا قول ہے،امام شافعی و مالک اور احمد کے ہاں طلاق کا اعتبار مرد سے ہے۔خیال رہے کہ اگر لونڈی مہینہ سے عدت گزارے تو ڈیڑھ مہینہ عدت طلاق ہوگی،کیونکہ آزاد عورت کی عدت کے مہینہ تین ہیں اور لونڈی کے نصف چونکہ تین حیض کی تنصیف نہیں ہوسکتی لہذا اس کی عدت دو حیض ہوئے،بعض شوافع اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں،ان کا قول ہے کہ اس کی اسناد میں مظاہرہے ان سے سواء اس حدیث کے کوئی حدیث منقول نہیں مگر یہ غلط ہے حضرت مظاہر اہل بصرہ کے مشائخ میں سے ہیں،متقدمین محدثین میں سے کسی نے ان پر جرح نہ کی،نیز اس حدیث پر عام علماء کا عمل رہا عمل علماء ضعیف حدیث کو بھی قوی کردیتا ہے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کا مدینہ منورہ میں مشہور ہوجانا اسے صحیح کردیتا ہے۔(مرقات)یہاں اس حدیث کے متعلق مرقات نے بڑی نفیس گفتگو فرمائی ہے،بہرحال طلاق و عدت میں عورت کا لحاظ ہے نہ کہ مرد کا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو نکاح سے نکالنے والیاں ۱؎اور خلع کرنے والیاں منافقہ ہیں ۲؎(نسائی)

۱؎یعنی خاوند کی نافرمان بیویاں جو نافرمانی کرکے خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کریں اپنے کو نکاح کی قید میں نہ رکھیں۔
۲؎یعنی جو بلا وجہ خلع کرکے خاوند سے طلاق حاصل کریں وہ بظاہر تو خاوند کی مطیع معلوم ہوتی ہیں مگر دل میں اس سے متنفر ہیں یہ ہی نفاق ہے حتی الامکان نباہ کی سعی کی جائے،ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ باہر پھرنے والیاں اور خلع کرانے والیاں منافقہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت نافع سے وہ صفیہ بنت ابوعبید کی

مولاۃ سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے اپنی ہر چیز کے عوض اپنے خاوند سے خلع کیا ۲؎ تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے اس کا انکار نہ فرمایا ۳؎ (مالک)	

۱؎ نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں اور صفیہ بنت ابی عبید مختار ابن ابی عبید ثقفی کی بہن ہیں،تابعیہ ہیں،عبداللہ ابن عمر کی زوجہ ہیں حضور کو دیکھا مگر آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں،حضرت عائشہ صدیقہ و حفصہ رضی اللہ عنہما روایات کرتی ہیں۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یعنی ان مولاۃ نے اپنے خاوند سے کہا کہ جو کچھ تو نے مجھے مہر وغیرہ دیا ہے اور جو کچھ میرے پاس اپنا مال ہے اور جو کچھ حقوق عدت کے ہوتے ہیں ان سب کے عوض مجھے طلاق دے دے غرضکہ ہر قسم کا مال ہر قسم کے حقوق کے عوض طلاق لی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت مہر وغیرہ سے زیادہ مال بھی خلع میں خاوند کو دے دے تو جائز ہے اگر چہ مستحب یہ ہے کہ خاوند صرف اپنا دیا ہوا مال ہی خلع میں واپس لے زیادہ نہ لے،چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت ابن قیس کی بیوی سے صرف وہ باغ واپس کرایا جو ثابت نے انہیں دیا تھا،ان کی بیوی کا نام حبیبہ بنت سہل انصاریہ ہے اسلام میں پہلا خلع یہ ہی ہوا تھا۔

روایت ہے محمود ابن لبید سے ۱؎ فرماتے ہیں رسول اللہ کو اس شخص کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی عورت کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں ۲؎ تو آپ غصہ میں کھڑے ہوگئے۔۳؎ پھر فرمایا کیا وہ اللہ عزوجل کی کتاب سے کھیل کرتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں ۴؎ حتی کہ ایک شخص اٹھا پھر بولا یا رسول اللہ کیا میں اسے قتل نہ کردوں ۵؎ (نسائی)	

۱؎ آپ انصاری اشہلی ہیں،بعض نے فرمایا کہ صحابی ہیں،بعض نے فرمایا کہ تابعی ہیں ۹۶ھ میں وفات پائی،شیخ نے فرمایا کہ امام بخاری نے انہیں صحابی فرمایا ہے امام مسلم نے تابعی کہا صحیح قول امام بخاری کا ہے۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ ایک ہی مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دیں یا اس طرح کہہ دیا تجھے تین طلاق یا اس طرح کہ کہا تجھے طلاق،طلاق،طلاق۔

۳؎ کیونکہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے چاہیے یہ کہ اگر تین طلاقیں دینا ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہروں میں تین طلاقیں اور بہتر یہ ہے کہ صرف ایک ہی طلاق دے تین طلاق دے ہی نہیں۔

۴؎ اس میں انتہائی غضب کا اظہار ہے یعنی تین طلاقیں یکدم دینا کتاب اللہ کا مذاق اڑانا ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلطَّلٰقُ مَرَّتَانِ"اور یہ ایک دم طلاقیں دے رہا ہے۔ خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ،شافعی،احمد،مالک اور جمہور علماء کے نزدیک بیک وقت تین طلاقوں سے تین ہی واقع ہوتی ہیں مگر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی واقع

نہیں ہوتی،طاؤس کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق ہوتی ہے،جمہور علماء کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے "وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا "دیکھو قرآن کریم نے طلاقیں جمع کرنے کو ظلم قرار دیا اور باعث ندامت مگر طلاقیں واقع مان لیں نیز بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے یک دم تین طلاقوں سے تین ہی واقع ہوتی ہیں ابھی گزر چکا کہ ابو رکانہ سے حضور نے قسم لی کہ کیا تم نے صرف ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی ؟ اس کی پوری اور نفیس تحقیق ہماری کتاب طلاق الادلۃ میں دیکھئے۔

۵؎شاید یہ صاحب اجازت قتل مانگنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے آپ کا خیال یہ ہوا ہوگا کہ کتاب اللہ سے کھیلنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچانا کفر ہےاور مسلمان کا کفر ارتداد ہوتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے مگر ان کے قتل کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ حضور کو دکھ پہنچنا اور آپ کو رنجیدہ کرنے کی غرض سے کوئی کام کرنا تو کفر ہے مگر کسی کے کسی کام سے حضور کو دکھ پہنچانا جانا کفر نہیں دکھ پہنچانےاور پہنچ جانے میں بڑا فرق ہے،مسلمان کے گناہ سے حضور کو صدمہ ہوتا ہے "عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ "مگر گناہ کفر نہیں ہوتا اس شخص نے یہ کام نادانی سے کیا تھا نہ کہ حضور کو صدمہ پہنچانے کے لیے ۔اس سے معلوم ہواکہ تین طلاقیں ایک دم دے دینا برا ہے لیکن اس سے تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی جیسے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے مگر اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے ایک دم تین طلاقیں دینا اس لیے بھی برا ہے کہ اس میں پھر دوبارہ رجوع کا موقع نہیں ملتا پھر خاوند پچھتاتا ہے۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی ہے کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں آپ مجھ پر کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ تین طلاقوں سے تجھ سے مطلقہ ہوچکی اور ستانویں طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑا لیا ا؎(مؤطا)	

ا؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور اگر کوئی شخص ہزار یا لاکھ طلاقیں دے دیں تو تین تو واقع ہو جائیں گی باقی لغو جائیں گی یہ ہی علماء امت کا قول ہے اس پر تمام آئمہ متفق ہیں وہ جو مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نیز صدیق اکبر کے زمانہ اور شروع خلافت فاروقی میں ایک دم تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں پھر فاروق اعظم نے انہیں تین طلاق قرار دیا وہاں تو یہ مراد ہے کہ کوئی شخص تین طلاق اس طرح دیتا کہ تجھے طلاق ہے،طلاق،طلاق،دوسری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکیدیں کرتا تھا اور کوئی شخص اپنی غیر مدخولہ بیوی جس سے صرف نکاح ہوا ہورخصت نہ ہوئی ہو اس سے کہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق تو اس سے صرف ایک طلاق پہلی ہی واقع ہوگی دوسری دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ غیر مدخولہ عورت پر عدت نہیں ہوگی وہ پہلی طلاق سے ہی نکاح سے بالکل ہی خارج ہوگئی،عہد فاروقی میں حالات بدل چکے تھے لوگ اپنی مدخولہ بی بی کو تین طلاقیں ہی دیا کرتے تھے لہذا حضرت فاروق اعظم کا فرمان عالی نہایت ہی درست و صحیح تھا ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ

حضرت فاروق اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قانون جاری فرماتے اور تمام صحابہ کرام خاموش رہتے لہذا حکم یہ ہی ہے کہ جو شخص اپنی مدخولہ بیوی کو جس سے خلوت کرچکا ہو تین طلاقیں ایک دم دے تو تین ہی واقع ہوں گی۔ اس جگہ مرقات نے اس کے متعلق قریبًا پندرہ بیس حدیثیں نقل فرمائیں کہ تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور اس کے خلاف متعدد جوابات دیئے،نیز ہم نے اپنی کتاب طلاق الادلۃ فی احکام الطلاق الثلثۃ میں اس کی بہت تحقیق کی ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے غرض یہ ہی حق ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ اللہ تعالٰی نے روئے زمین پر کوئی چیز آزاد کرنے سے زیادہ پیاری و محبوب نہ فرمائی [1] اور اللہ تعالٰی نے روئے زمین میں کوئی چیز طلاق سے زیادہ ناپسند پیدا نہ فرمائی [2] (دارقطنی)	

[1] یعنی غلام کو آزاد کرنا مستحب ہے مگر دیگر مستحبات سے افضل و اعلٰی ہے کیونکہ اس سے ایک جان کو غلامی سے نجات دینا ہے اسے جانوروں کی حد سے نکال کر انسانی حدود میں داخل کرنا ہے۔

[2] یعنی بلا ضرورت طلاق دینا اگرچہ جائز ہے مگر رب تعالٰی کو ناپسند ہے ورنہ کبھی طلاق دینا مستحب یا واجب بھی ہوتی ہے،چنانچہ فاسقہ فاجرہ رب کی ناشکری بیوی کو طلاق دے دینا بہتر ہے،حضرت ابوحفص بخاری فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں اگر میں رب تعالٰی سے اس حال میں ملوں کہ میری مطلقہ بیوی کا مہر میرے گلے میں لٹکا ہو اس سے بہتر ہے کہ بے نمازی بیوی میرے نکاح میں رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا دوسرے دنیاوی کاروبار بلکہ نوافل عبادت سے افضل ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔(مرقات)لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر طلاق رب تعالٰی کو بہت ہی ناپسند ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی کو طلاق کیوں دلوائی تھی ؟ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیوں فرمایا،یا امام حسن رضی اللہ عنہ نے بہت نکاح کیوں کیے اور بہت طلاقیں کیوں دیں کیونکہ طلاق رب تعالٰی کو ناپسند بھی ہے اور پسند بھی۔

باب المطلقة ثلاثا

تین طلاق دی ہوئی عورت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی اس باب میں تین طلاق والی عورت کا ذکر ہے کہ وہ بغیر حلالہ پہلے خاوند کو حلال نہیں اور حلالہ میں دوسرے خاوند سے نکاح بھی ضروری ہے اور صحبت بھی لازم۔بہتر تھا کہ صاحب مشکوۃ ترجمہ باب میں ایلاء وظہار کا ذکر بھی فرماتے کیونکہ اس باب میں اس کے متعلق احادیث بھی آرہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رفاعہ قرظی ۱کی بیوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کیا کہ میں رفاعہ کے پاس تھی ا ور انہوں نے مجھے طلاق دی تو طلاق منقطع کردی ۲پھر ان کے بعد میں نے عبدالرحمان ابن زبیر سے نکاح کرلیا ان کے پاس نہیں ہے مگر کپڑے کے پلو(گوشہ) کے تو فرمایا ۳کہ کیا تم رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو بولیں ہاں ۴ فرمایا نہیں تاآنکہ تم ان کی لذت چکھ لو اور وہ تمہاری لذت چکھ لیں ۵(مسلم،بخاری)۶

۱آپ کا نام رفاعہ ابن سموال ہے،قرظی ہیں،یعنی یہود کے قبیلہ بنی قریظہ سے ہیں،بی بی صفیہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔(اکمال)

۲اس طرح کہ مجھے تین طلاقیں دے دیں جس کی وجہ سے نکاح بالکل ہی ختم ہوگیا۔

۳یعنی عبد الرحمٰن کے اعضاء تناسل تو درست ہیں مگر ضعف کی وجہ سے وہ قابل صحبت نہیں کہ وہ نامرد ہیں۔خیال رہے کہ خصی وہ جس کے خصیہ نہ ہوں، مجبوب جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہواور عنین وہ جس کے یہ تینوں اعضاء ہوں مگر آلہ میں سختی نہ ہوجس سے وہ صحبت کے قابل نہ ہو،یہاں تیری صورت تھی جسے اس بی بی نے اس طرح بیان کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ پوچھنے یا داد خواہی کرنے کے لیے عالم یا حاکم کے سامنے صاف صاف بات کہی جاسکتی ہے نہ اسے بے حیائی کہا جاوے گا نہ غیبت اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیان پر ملامت نہ فرمائی۔

۴؎ یہ بی بی سمجھی کہ حلالہ کے لیے صرف دوسرے مرد سے نکاح کافی ہے،رب تعالیٰ فرماتاہے:"حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ"میرا دوسرا نکاح تو ہوچکا،شاید میں یہاں سے طلاق لے کر رفاعہ کے لیے حلال ہوجاؤں گی۔

۵؎ عسیلہ عسل کی تصغیر ہے،عسل شہد کو کہتے ہیں پھر ہر لذت کو کہنے لگے۔مقصد یہ ہے کہ تمہارے بیان کے مطابق عبدالرحمان تم سے صحبت نہ کرسکے اور حلالہ میں دوسرے خاوند کا صحبت کرنا شرط ہے لہذا تم ابھی رفاعہ کے لیے حلال نہیں ہوئیں،بعض علماء نے قرآن کی آیت سے بھی صحبت کا شرط ہونا ثابت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تنکح کے معنی ہیں تجامع لہذا آیت کے معنے یہ ہیں کہ تین طلاق والی عورت پہلے خاوند کو حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے صحبت کرے مگر حق یہ ہے آیت میں تنکح بمعنی نکاح ہے صحبت کا شرط ہونا اس حدیث سے ثابت ہے عسیلہ تصغیر فرما کر یہ بتایا کہ پوری صحبت کرنا شرط نہیں انزال ضروری نہیں صرف حشفہ غائب ہونا کافی ہے جس سے غسل فرض ہوجاتا ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نابالغ بچہ سے صحبت حلالہ کے لیے کافی نہیں ہاں مراہق یعنی قریب بلوغ کی صحبت کافی ہے۔دوسرے یہ کہ بہت چھوٹی بچی کو اگر تین طلاقیں دی گئیں تو اس کا نکاح ثانی اور صحبت حلالہ کے لیے کافی نہیں کہ پہلی صورت میں خاوند لذت نہیں چکھتا دوسری صورت میں عورت،تیسرے یہ کہ لونڈی سے مولیٰ کی صحبت حلالہ کے لیے کافی نہیں کہ مولیٰ خاوند نہیں۔چوتھے یہ کہ مجنونہ یا بے ہوش یا سوتی ہوئی عورت سے صحبت حلالہ کے لیے کافی ہے کہ یہ صحبت لذت کے لائق تھی اگرچہ عورت نے ان عوارض کی وجہ سے چکھی نہیں یہ ہی عام علماء کا مذہب ہے۔پانچویں یہ کہ وطی بالشبہ،زنا،ملک عین کی صحبت سے حلالہ درست نہیں،یہ صحبت وغیرہ کی قیود اس لیے ہیں کہ لوگ تین طلاقوں پر دلیری نہ کریں کیونکہ دوسرا خاوند صحبت کے بعد طلاق مشکل سے ہی دے گا۔(مرقات وغیرہ)

۶؎ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ عبدالرحمٰن نے عرض کیا یارسول اللہ یہ جھوٹی ہے اسے چمڑے کی طرح چھیلتاہوں تو فرمایا کہ اگر یہ سچی بھی ہو تب بھی اپنے قول سے رفاعہ کو حلال نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعن فرمائی حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ۱؎ (دارمی)	

۱؎ محلل سے مراد دوسرا خاوند ہے اور محلل لہ سے مراد پہلا خاوند جس نے تین طلاقیں دیں اگر حلالہ متعہ یا عارضی چند روزہ نکاح کے ذریعہ کیا گیا تو حلالہ درست ہی نہ ہوا کہ یہ نکاح ہی باطل ہے حلالہ میں نکاح صحیح ضروری ہے اور اگر نکاح درست کیا گیا مگر ارادہ حلالہ کا تھا تو حلالہ ہوجائے گا مگر دونوں خاوند بے حیا ہیں اس لیے لعنت فرمائی،اگر حلالہ درست ہی نہ ہوتا تو ان خاوندوں کو محلل اور محلل لہ کیوں کہا جاتا۔بعض احادیث میں یہ ہے کہ حلالہ کرنے والا مانگے

ہوئے بکرے کی طرح ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ بعض سخت ضرورتوں میں حلالہ کرنا بہتر بھی ہوجاتا ہے یہاں بغیر ضرورت حلالہ والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے یا لعنت جب ہے جب کہ اجرت پر حلالہ کرایا جائے۔فتح القدیر میں ہے کہ اگر تین طلاق والی عورت بغیر ولی کی اجازت غیر کفو میں نکاح کرے تو حلالہ درست نہ ہوگا کیونکہ ہر مذہب مفتی بہ میں یہ نکاح ہی درست ہی نہیں،غیر کفو سے نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہے۔(مرقات)

	اور ابن ماجہ حضرت علی وابن عباس اور عقبہ ابن عامر سے ۱؎

۱؎یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے بہت سی کتب میں منقول ہے اسے ترمذی نے حسن صحیح فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے چند اور دس صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو پایا وہ تمام فرماتے تھے کہ ٹھہرایا جائے ایلاء کرنے والا۲؎(شرح سنہ)

۱؎آپ کی کنیت ابو ایوب ہے،عطاء ابن یسار کے بھائی ہیں،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام،تابعی ہیں،بڑے فقیہ محدث زاہد متقی ہیں،اہل مدینہ کے ساتھ فقہاء میں سے ہیں،۷۳ سال عمر ہوئی،۱۰۷ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ۔(اکمال)

۲؎خاوند کا قسم کھالینا کہ میں اپنی بیوی سے چار ماہ تک صحبت نہ کروں گا ایلاء ہےاور قسم کھانے والا خاوند مولی ہے، ایلاء کا حکم ہمارے ہاں یہ ہے کہ اگر خاوند اس مدت میں قسم توڑ دے اور رجوع کرے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے ورنہ چار ماہ گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔حدیث کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ایلاء کرنے والے کا معاملہ موقوف رکھا جائے چار ماہ تک طلاق کا حکم نہ دیا جائے،اگر اس مدت میں رجوع کرلیا تو خیر ورنہ یہ مدت گزرنے پر طلاق واقع ہوجائے گی۔یہ ہی قول ہے حضرت عثمان،علی،عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس،عبداللہ زبیر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزر جانے پر طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب اسے حاکم رجوع کرنے پر مجبور کرے گا اگر رجوع نہ کرے تو فسخ نکاح کا حکم دے گا۔ان کے ہاں حدیث کے معنے یہ ہیں کہ عدت گزرنے پر حاکم مولی کا معاملہ موقوف رکھے مگر امام اعظم کا قول بہت قوی ہے۔آیت قرآنیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے ابو سلمہ سے کہ حضرت سلمان ابن صخر جنہیں سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا ہے ۱؎انہوں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر اپنی ماں کی پشت کی طرح کرلیا ۲؎ یہاں تک کہ رمضان گزرگیا پھر جب آدھا رمضان گزر ا تو ایک رات ان سے صحبت کرلی ۳؎پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کا ذکر حضور

سے کیا ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام آزاد کرو ۴؎ عرض کیا میں غلام پاتا نہیں ۵؎ فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھو ۶؎ عرض کیا مجھ میں طاقت نہیں فرمایا ۷؎ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو ۸؎ عرض کیا ہے نہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ ابن عمرو سے فرمایا ۹؎ کہ انہیں یہ ٹوکری دے دو وہ بڑی زنبیل ہے جس میں پندرہ یا سولہ صاع سماتے ہیں تاکہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں ۱۰؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ابو سلمہ تابعین میں سے ہیں ۷۲ سال عمر پائی،۹۷ھ میں وفات ہوئی،حضرت عبداللہ ابن عباس و ابوہریرہ و ابن عمر وغیرہم سے ملاقات ہے،ابواسخہ کا نام سلیمان بیاضہ ابن عامر کی اولاد سے ہیں،صحابی ہیں،خوفِ خدا میں بہت گریہ و زاری کرتے تھے۔

۲؎ یعنی انہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا یعنی یہ کہا کہ تو مجھ پر رمضان گزرنے پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یعنی حرام ہے،ظہار کے معنے ہیں اپنی بیوی کو اپنی ماں بہن وغیرہ دائمی محرمات کے کسی عضو،شانے سے تشبیہ دینا۔ظہر سے بنا بمعنی پشت،اس میں دو شرطیں ہیں: ایک عورت کا اپنی بیوی ہونا لہذا لونڈی سے ظہار نہیں،دوسرے خاوند کا اہل کفارہ ہونا لہذا بچہ دیوانہ کا ظہار درست نہیں، ظہار کا حکم یہ ہے کہ ادائے کفارہ تک عورت حرام رہتی ہے۔

۳؎ یعنی قسم توڑ دی اگر یہ حضرت ماہ رمضان گزر جانے دیتے تو کفارہ واجب نہ ہوتا کہ وقتی ظہار کا یہ ہی حکم ہے دائمی ظہار میں جب بھی صحبت کرے کفارہ واجب ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ کفارہ ظہار میں ترتیب یہ ہے کہ مظاہر غلام آزاد کرے اگر اس پر قادر نہ ہو تو روزے رکھے اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔رقبہ مطلق فرمانے سے معلوم ہوا کہ کفارہ ظہار میں ہر قسم کا غلام آزاد کیاجاسکتا ہے،مومن ہو یا کافر۔

۵؎ یعنی میرے پاس نہ غلام ہے نہ اس کی قیمت کہ خرید کر آزاد کروں۔

۶؎ اس طرح کہ لگاتار ساٹھ روزے رکھے جاؤ اور دوران روزے میں اس بیوی سے صحبت ہرگز نہ کرو رب تعالٰی فرماتاہے:"مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا"۔

۷؎ ضعف بدن کی وجہ سے اتنے روزے لگاتار نہیں رکھ سکتا یا ان دو ماہ میں عورت سے علیحدہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ بعض قوی جوانوں کا حال ہوتا ہے۔(مرقات)

۸؎ روزانہ ایک مسکین کو تاکہ کھانا دینا دو ماہ میں پورا ہو۔

۹؎ بعض نسخوں میں عروہ ابن عمر ہے یہ کاتب کی غلطی ہے فروہ ابن عمرو بیاضی انصاری ہیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۱۰؎ خیال رہے کہ کفارہ ظہار میں یا تیس صاع گندم ساٹھ مسکینوں کو دیا جائے فی مسکین آدھا صاع قریبًا سوا دو سیر یا ساٹھ صاع جو کھجوریں وغیرہ فی مسکین ایک صاع قریبًا ساڑھے چار سیر یہاں پندرہ سولہ صاع کھجوریں دے دینے کا حکم دیا،یہ حضرت سلیمان کی خصوصیات سے ہے جیسے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کی اجازت دے دی گئی تھی حالانکہ ایک سالہ بکری کی قربانی ہوسکتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث اس پابندی سے پہلے کی ہو۔(اشعہ)یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بطور امداد ان کو یہ مقدار عطا ہوئی باقی ان کے اپنے ذمہ رہی۔(مرقات)مگر پہلی توجیہ نہایت قوی ہے

بروایت سلیمان ابن یسار عن سلمہ ابن صخر ۱؎ اس کی مثال روایت فرماتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا کہ عورتوں سے اس قدر صحبت کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی نہ کرتا ۲؎ اوران دونوں یعنی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں ہے کہ ایک وسق چھوارے ساٹھ مسکینوں کو دو ۳؎	

۱؎ مگر سلیمان ابن یسار نے سلمہ ابن صخر بیاضی سے ملاقات نہیں کی ہے لہذا اس اسناد میں یہ حدیث مرسل کی طرح ہوگی کوئی راوی درمیان میں رہ گیاہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی یہ واقعہ کی نصف رمضان کو ہی صحبت کر بیٹھا یا یہ کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں ساٹھ روزے اور دو ماہ صحبت سے خالی نہیں رکھ سکتا اسی لیے ہوا کہ مجھے بمقابلہ دوسرے مردوں کے شہوت اور طاقت جماع بہت زیادہ تھی بغیر بیوی رہ نہ سکتا تھا۔

۳؎ یہ حدیث گزشتہ اجمال کی تفصیل ہے وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے فی فقیر ایک صاع چھوارے دینا لازم ہے یہ ہی فقہاء فرماتے ہیں پھر پندرہ سولہ صاع دلوادینا ان کی خصوصیت ہے،قانون اور ہے کرم خسروانہ کچھ اور۔

روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے وہ سلمہ ابن صخر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس ظہار کرنے والے کے متعلق جو کفارہ دینے سے پہلے صحبت کرے فرمایا ایک ہی کفارہ ہے ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی واجب تو یہ ہے کہ مظاہر پہلے کفارہ دے پھر اس عورت سے صحبت کرے لیکن اگر کوئی پہلے ہی صحبت کر بیٹھے تو کفارہ ایک ہی ہوگا دو لازم نہ ہوں گے اور اس گناہ کی رب تعالٰی سے معافی مانگے یہ ہی احناف کا مذہب ہے مگر حضرت عمر و ابن عاص ،قبیصہ، سعید ابن جبیر،زہری، قتادہ،خواجہ حسن بصری،امام نخعی فرماتے ہیں کہ اس پر دو کفارہ واجب ہوں گے،حدیث ان بزرگوں کے خلاف ہے جو شخص اپنی چار بیویوں سے ظہار کرے کہ کہہ دے تم سب مجھ پر میری ماں کی طرح ہو تو چار کفارہ واجب ہوں گے کہ یہ چار ظہار ہوئے مگر امام مالک و احمد کے ہاں ایک ہی کفارہ واجب ہے کہ ظہار کرنے والا مرد ایک ہی ہے ظہار اور کفارہ ظہار کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے۱؎ وہ ابن عباس سے راوی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر کفارہ دینے سے پہلے اس سے صحبت کرلی۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ حضور سے عرض کیا فرمایا تجھے اس پر کس چیز نے انگیخت کی ۳؎ عرض کیا یارسول اللہ میں نے چاندی میں اس کے جھانجنوں کی سفیدی دیکھی تو اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا۴؎ کہ اس سے صحبت کر بیٹھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے ۵؎ اور اسے حکم دیا کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے حتی کہ کفارہ دے دے ۶؎ ابن ماجہ اور ترمذی نے اس کی مثل اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۷؎ اور ابو داؤد نسائی نے اس کی مثل روایت کی اسنادًا بھی اور ارسالًا بھی نسائی نے فرمایا کہ بمقابلہ مسند کے مرسل زیادہ قریب صواب ہے ۸؎

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ یہ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں بلکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی ظہار کرنے والا اپنی مظاہرہ بی بی سے کفارہ سے پہلے صحبت نہیں کرسکتا مگر اس نے کرلی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا،پتہ نہ چلا کہ یہ صحابہ کون تھے۔

۳؎ یہ سوال یا تو محض تحقیق واقعہ کے لیے ہے یا مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ مظاہر ظہار کے بعد کفارہ سے پہلے اسباب جماع سے بھی احتیاط رکھے۔

۴؎ بعض روایات میں ہے کہ اس کی پنڈلی کی سفیدی دیکھی تو میں شہوت سے بے قابو ہوگیا مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ پنڈلی کی سفیدی اور جھانجن کی چمک بیک وقت دیکھی جاسکتی ہے۔حجل ح کے فتحہ اور پیش سے بمعنی جھانجن عورتوں کے پاؤں کا مشہور زیور جسے خلخال بھی کہتے ہیں۔اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں نے اسباب جماع خود نہ جمع کیے تھے بوس و کنار نہ کیا تھا اتفاقًا ایسا ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ بیمار طبیب سے مرض نہ چھپائے۔

۵؎ اس پر ملامت نہ فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ اس کا یہ عذر قبول فرما لیا۔

۶؎ اس سے فقہاء کا یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر مظاہر کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کر بیٹھے تو اس پر ایک ہی کفارہ ظہار کا واجب ہوگا دو یا تین کفارے واجب نہ ہوں گے،یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جماع کے بعد بھی اس پر آئندہ صحبت کرنا ممنوع ہوگا جب تک کہ کفارہ نہ دے لے۔

۷؎ یعنی یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں میں حسن ہے بعض میں صحیح بعض میں غریب۔

۸؎ یہاں اسناد و ارسال سے مراد یا تو حضرت عکرمہ کا ارسال و اسناد ہے کہ کبھی انہوں نے حضرت ابن عباس کا ذکر کیا کبھی نہ کیا یا حضرت ابن عباس کا ارسال و اسناد مراد ہے کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباس نے یہ واقعہ اور صحابی سے نقل فرمایا وہاں اسناد ہوگئی،بعض میں ان صحابی کا ذکر نہ فرمایا یہ ارسال ہوا۔ارسال صحابی کا بھی ہوتا ہے اور تابعی کا بھی۔(مرقات)خیال رہے کہ اسلام میں سب سے پہلے ظہار اوس ابن حاجب نے اپنی بیوی خولہ بنت خویلہ ابن مالک سے کیا اور خولہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی"قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا"۔

باب

بابہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب کا منشا یہ ہے کہ ہر کفارہ میں مؤمن غلام ہی آزاد کیا جائے نہ کہ کافر ہمارے امام اعظم کے ہاں مستحب ہے امام شافعی کے ہاں واجب، قتل خطا کے کفارہ میں بالاتفاق مؤمن غلام آزاد کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے لیے قرآن میں ایمان کی قید موجود ہے"تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ"۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن حکم سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری لونڈی میری بکریاں چراتی تھی ۲؎میں اس کے پاس گیا تو ایک بکری گم پائی میں نے اسے بکری کے متعلق پوچھا تو وہ بولی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ۳؎میں اس پر بہت غصے ہوا میں آدمی ہوں میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اور مجھ پر ایک غلام آزاد کرنا ہے ۴؎کیا اسے آزاد کردوں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں ۵؎پھر فرمایا میں کون ہوں،بولی آپ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اسے آزاد کردو ۶؎(مالک)اور مسلم کی روایت میں ہے فرماتے ہیں میری ایک لونڈی تھی جو میری بکریاں احد اور جوانیہ کی طرف چراتی تھی ۷؎ایک دن میں اچانک وہاں گیا تو بھیڑیا ہماری بکریوں میں سے ایک بکری لے گیا تھا ۸؎اور میں اولاد آدم سے ایک شخص ہوں جیسے سب غمگیں ہوتے ہیں میں بھی غمگیں ہوتا ہوں لیکن میں نے اسے صرف ایک تھپڑ مار دیا ۹؎میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو	

	آپ نے اسے مجھ پر بڑا جرم قرار دیا۴ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں اسے آزاد نہ کردوں ۱۱ فرمایا اسے میرے پاس لاؤ تو میں اسے لایا تو آپ نے فرمایا اللہ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں فرمایا میں کون ہوں بولی آپ رسول اللہ ہیں فرمایا اسے آزاد کردو یہ مؤمنہ ہے ۱۲

۱؎ آپ سلمی ہیں صحابی ہیں مدینہ منورہ میں رہنے سہنے لگے تھے، ۱۱۷ھ میں وصال ہوا۔(کمال و مرقات)

۲؎ یعنی لونڈی بھی میری تھی بکریاں بھی میری ہی چراتی تھیں کسی اور کی مزدوری نہ کرتی تھی لونڈی پر پردہ لازم نہیں کیونکہ وہ پردے میں رہ کر مولے کی خدمت نہیں کرسکتی۔

۳؎ یعنی اس نے بڑا قصور یہ کیا مجھے اس واقعہ کی خبر نہ دی بکری بھیڑیا لے گیا میرے پوچھنے پر بتایا ورنہ مجھے اتنا غصہ نہ آتا۔

۴؎ اس مارنے کی وجہ سے نہیں کسی اور وجہ سے کفارہ واجب ہوچکا ہے جس میں غلام آزاد کرنا مجھ پر لازم ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی اپنے غلام کو مار دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے یہ حکم صرف استحبابی ہے یہاں یہ کفارہ مراد نہیں جیسا کہ علیّ سے معلوم ہورہا ہے۔ احادیث میں ہے کہ یہ لونڈی گونگی تھی یہ تمام گفتگو اس نے اشارہ سے کی۔ اس روایت کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفارہ میں گونگے غلام کا آزاد کرنا جائز ہے،خیال رہے کہ عربی میں اشارۃً کلام کرنے کو بھی کہنا کہہ دیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا"یعنی اے مریم اشارہ سے کہہ دینا کہ میرا چپ کا روزہ ہے میں کسی سے کلام نہ کروں گی۔

۵؎ یہ سوال و جواب اللہ تعالٰی کی جگہ کے متعلق نہیں وہ تو جگہ میں رہنے سے پاک ہے بلکہ سرکار نے اس چیز کی تحقیق فرمائی کہ یہ لونڈی مشرکہ نہیں بتوں کو خدا نہیں کہتی،اگر مشرکہ ہوتی تو ان ہی بتوں کو الہ کہہ دیتی۔

۶؎ کیونکہ یہ مؤمنہ ہے جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفارات وغیرہ میں صرف مؤمنہ غلام لونڈی آزاد ہوسکتی ہے،امام اعظم کے ہاں ہر غلام آزاد کیا جاسکتا ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر،سرکار عالی کا یہ امتحان لے کر فرمانا کہ اسے آزاد کردو بیان استحباب کے لیے ہے یعنی مؤمن غلام کا آزاد کرنا کافر غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔امام اعظم کے بقیہ دلائل پہلے عرض کیے جاچکے ہیں کہ قرآن کریم نے کفارہ قتل کے سواء کسی کفارہ میں مؤمن غلام کی قید نہ لگائی اور قرآن شریف کے مطلق احکام کو ان کے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔

۷؎ احد مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے جو مدینہ پاک سے تین میل فاصلہ پر ہے اور جوانیہ احد کے قریب جنگل کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جانب شمال ہے احد سے متصل۔

۸؎ میرے سامنے نہ لے گیا بلکہ بکریاں شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک بکری کم ہے،لونڈی سے پوچھنے پر پتہ لگا کہ بھیڑیا لے گیا لہذا یہ روایت گزشتہ روایت کے خلاف نہیں۔

۹؎ لکن سے پہلے ایک مختصر سی عبارت پوشیدہ ہے یعنی دل تو چاہا کہ لونڈی کو سخت سزا دوں کیونکہ میرا بہت نقصان ہوگیا تھا مگر میں نے ایک تھپڑ مارنے پر ہی کفایت کی۔

۱۰؎ یعنی آپ نے فرمایا کہ تم نے بڑا گناہ کیا کیونکہ بے قصور لونڈی کو تھپڑ مار دیا یہ حق العبد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوسکتا،مگر قصاص دینے کا حکم نہ فرمایا کیونکہ مولے سے لونڈی کا قصاص نہیں لیا جاتا۔اس سے معلوم ہوا کہ بے قصور کو سزا دینا گناہ ہے اگرچہ استاذ یا پیر یا مولے یا آقا ہی کیوں نہ دے اس سے موجودہ زمانہ کے حکام آقاؤں کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

۱۱؎ تاکہ یہ آزاد کرنا میرے اس گناہ کا کفارہ بھی ہوجائے اور میرے ذمہ ایک دوسرا کفارہ ہے جس میں غلام آزاد کرنا مجھ پر واجب ہے وہ بھی ادا ہوجائے لہذا یہ روایت گزشتہ روایت کے خلاف نہیں یہ مطلق گزشتہ مقید پر محمول کیا جائے گا۔(مرقات)خیال رہے کہ غلام کو بلا قصور مار دینے پر اس کا آزاد کرنا واجب نہیں،نہ کوئی اس کا کفارہ ہے صرف مستحب ہے لہذا اس روایت پر یہ اعتراض نہیں کہ دو کفاروں میں ایک غلام کیسے آزاد کرایا گیا۔(مرقات)

۱۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اجمالی معتبر ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے ایمانیات کی تفصیل نہ پوچھی صرف توحید و رسالت کے اقرار کو تمام ایمانیات کا اقرار مانا۔

باب اللعان

لعان کابیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا مادہ لعن ہے بمعنی لعنت یعنی رحمت الٰہی سے دور ہوجانے کی بددعا۔ لعان کے معنے ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔ شریعت میں لعان یہ ہے کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کو ایسی تہمت لگائے کہ اگر اجنبی عورت کو لگاتا تو حد قذف واجب ہوجاتی اس پر حاکم مجمع کے سامنے ان دونوں خاوند و بیوی کو کھڑا کرکے چار چار قسمیں ایک ایک لعنت یا غضب کی بددعا کرائے پھر ان دونوں کو ہمیشہ کے لیے جدا کردے کہ پھر یہ عورت اس مرد کے نکاح میں آ بھی نہ سکے مگر لعان توڑنے پر کہ مرد کہے میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی اس پر اسے تہمت کی سزا اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں پھر نکاح میں آئے،ہمارے امام صاحب کے ہاں گوائیاں ہیں جن کی تاکید قسم سے کی گئی ہے۔امام شافعی کے ہاں لعان قسمیں ہیں جن کی تاکید گواہیوں سے کی گئی ہے لہذا امام صاحب کے ہاں لعان وہ ہی کرسکتا ہے کہ جس کی گواہی قبول ہوسکتی ہے جو گواہی کا اہل نہیں وہ لعان نہیں کرسکتا،اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ خیال رہے کہ کسی گنہگار مسلمان کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں خواہ کیسا ہی گنہگار ہو سوائے لعان کے،لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ یزید یا حجاج یا فلاں زانی قاتل پر لعنت ہاں یہ کہہ سکتے ہیں حضرت حسین کے قاتل یا قتل سے راضی ہونے والے پر لعنت ہے کہ یہ لعنت بالوصف ہے دیکھو شامی باب اللعان۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے فرماتے ہیں کہ عویمر عجلانی نے عرض کیا ۱؎ یارسول اللہ فرمایئے تو ایک شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے ۲؎ کیا وہ اسے قتل کردے تو مسلمان اسے قتل کردیں گے ۳؎ کیا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے اور تیری بیوی کے متعلق آیت نازل کر دی گئی ہے ۴؎ تم جاؤ اسے لے آؤ ۵؎ سہل فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں لعان لیا ۶؎ میں بھی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب وہ زوجین فارغ ہوچکے تو عویمر بولے کہ میں نے اس پر جھوٹ ہی لگایا یارسول اللہ ۷؎ اگر اس کو روک رکھوں چنانچہ

اسے تین طلاقیں دے دیں ۸؎ پھر رسول الله نے فرمایا لوگو خیال رکھنا اگر وہ عورت جنے بچہ سیاہ رنگ بڑی آنکھ والا بڑے سرین والا بڑی پنڈلیانوالہ تو میں عویمر کو اس عورت پر سچا ہی گمان کرتا ہوں ۹؎ اور اگر وہ عورت بچہ جنے سرخ رنگ والا گویا وہ بامنی ہے ۱۰؎ تو میں سمجھتا ہوں کہ عویمر نے اس پر جھوٹ ہی بولا ۱۱؎ پھر اس عورت نے بچہ اس صفت پر جنا جس پر رسول الله نے عویمر کو سچا فرمایا تھا پھر وہ بچہ بعد میں اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سہل ابن سعد کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں،آپ مدینہ منورہ میں آخری صحابی ہیں جو تمام صحابہ سے آخر میں فوت ہوئے،ان کی وفات پر مدینہ سے صحابہ کا دور ختم ہوا،عویمر صحابی ہیں عجلان قبیلہ سے ہیں عجلان انصار کا ایک قبیلہ ہے عجلان ابن زید انصاری کی اولاد۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یا زنا کرتے ہوئے پائے یا علامات سے معلوم ہو کہ اس نے زنا کیا ہے فارغ ہو کر بیٹھا ہے۔

۳؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یقتلون ی سے ہے یعنی مقتول کے وارث اسے قتل کردیں گے بعض میں تقتلون ت سے ہے یعنی اے محبوب پاک آپ اور آپ کے صحابہ اسے قصاصًا قتل کردیں گے۔علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کو اپنی بیوی سے زنا کرتے دیکھے اور اسے قتل کردے تو اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا،ہاں اگر اس زنا پر چار گواہ قائم ہوجائیں اور زانی محصن بھی ہو تو اس قاتل پر قصاص نہیں،یا مقتول کے ولی اس زنا کا اقرار کرلیں تب بھی قصاص نہیں یہ شرعی حکم ہے عندالله اس قاتل پر کوئی گناہ نہیں،عویمر نے صاف نہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو زنا کراتے دیکھا بلکہ اشارۃً اگر مگر سے سوال کیا تاکہ حد قذف ان پر جاری نہ ہوجائے۔

۴؎ آیت کریمہ یہ ہے"وَالَّذِیۡنَ یَرْمُوۡنَ اَزْوٰجَہُمْ وَلَمْ یَکُنۡ لَّہُمْ شُہَدَآءُ"یہ آیت شعبان ۹ھ؁ میں نازل ہوئی،یا تو عویمر کے متعلق ہی نازل ہوئی یا ہلال ابن امیہ کے متعلق اتری مگر حق یہ ہے کہ ان دونوں کے واقعات قریب قریب ہوئے ان دونوں پر آیت اتری،پہلے ہلال ابن امیہ نے لعان کیا پھر عویمر نے لہذا یہ درست ہے کہ اسلام میں پہلا لعان ہلال ابن امیہ نے کیا درست ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تیرے متعلق یہ آیت آگئی یہ بھی درست ہے احادیث میں تعارض نہیں۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ لعان کے وقت دونوں خاوند و بیوی کا حاکم کی کچہری میں حاضر ہونا ضروری ہے بلکہ مسلمانوں کے مجمع میں حاکم کے سامنے لعان چاہیے۔

۶؎ بعد نماز جب مسلمان جمع تھے اس زمانہ پاک میں مسجد ہی کچہری تھی۔

۷؎ یعنی اب میرا اس بیوی کو اپنے پاس رکھنا اپنی تکذیب ہے لہذا میں اسے علیحدہ کرتا ہوں۔

۸؎اس حدیث کی بنا پر بعض نے فرمایا کہ لعان خودطلاق نہیں،بلکہ اس کے بعد طلاق دینی چاہیے،بعض مالکی حضرات نے فرمایا کہ لعان خود ہی طلاق ہے مگر حاکم کے فیصلہ کے بعد ابھی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ نہ فرمایا تھا اس لیے ان کی طلاق درست ہوگئی یہ حضرات اس سے ثابت کرتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دینا مکروہ بھی نہیں کیونکہ عویمر نے یکدم تین طلاق دیں سرکار نے منع نہ فرمایا مگر حق یہ ہے کہ بعد لعان حاکم کا فیصلہ نکاح ختم کردیتا ہے طلاق کی ضرورت ہی نہیں عویمر کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لیے انہوں نے طلاقیں دیں۔ لعان والی عورت لعان کے بعد حاکم کے فیصلہ سے بالکل نکاح سے خارج ہوجاتی ہے طلاق کی محل نہیں رہتی اور تا قیام لعان نکاح میں نہیں آسکتی، چونکہ دار قطنی نے بروایت حضرت عمر مرفوعًا حدیث نقل کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان والے زوجین جدا ہوچکنے کے بعد کبھی جمع نہیں ہوسکتے صاحب تنقیح نے فرمایا کہ اس کی اسناد جید ہے **المتلاعنان لا یجتمعان** بھی وارد ہے۔(فتح القدیر و مرقات)یہاں مرقات نے اس مسئلہ پر بہت سی احادیث پیش فرمائیں کہ لعان خود ہی تفریق ہے مگر حضرت امام اعظم و صاحبین و ابن مبارک کا قول یہ ہے کہ لعان کے بعد حاکم کی تفریق سے نکاح ختم ہوجاتا ہے لعان خود فسخ نہیں۔

۹؎کیونکہ جس مرد سے الزام زنا لگایا گیا تھا وہ اسی شکل و صورت کا تھا اور اکثر بچہ باپ کے ہم شکل ہوتا ہے چونکہ یہ ہم شکلی یقینی نہیں اکثری ہے اس لیے اس طرح ارشاد فرمایا کہ ہمارا خیال ہے کہ عویمر کا الزام درست ہے۔

۱۰؎بامنی ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو سرخ رنگ سانپ کی طرح ہوتا ہے اسے اردو میں سانپ کی خالہ بھی کہتے ہیں بامنی میں نے بھی بارہا دیکھا ہے۔

۱۱؎کیونکہ عویمر خود پتلے سرخ رنگ والے تھے یہ حکم بھی تخمینی ہے۔

۱۲؎لعان کا یہ بھی حکم ہے کہ لعان کا بچہ باپ کی میراث نہیں پاتا صرف ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہ واقعہ اس عقیدے کے خلاف نہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں کیونکہ لعان میں کسی کو فاسق نہیں کہاجاسکتا،معاملہ مشکوک رہتا ہے نیز حضرات صحابہ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں مگر کوئی گناہ پر قائم نہیں رہا سب کو بعد میں توبہ کی توفیق ملی ان کی عدالت پر قرآن کریم گواہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیافہ یعنی بچہ کی ہم شکلی پر احکام مرتبہ نہیں ہوتے اس کی بحث آگے ہوگی۔ان شاءاللہ!

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کیا تو وہ مرد الگ ہوگیا اس کے بچہ سے ۱؎پس جدائی کردی ان کے درمیان ۲؎اور بچہ کو ماں سے منسوب کیا ۳؎(مسلم،بخاری)اور مسلم،بخاری کی ان کی ہی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نصیحت کی اور ڈرایا اور بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے ۴؎پھر عورت کو بلایا اور اسے نصیحت کی ڈرایا	

اور بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے۵	

۱؎ اس طرح کہ اپنی بیوی کے بچہ کا اپنے سے انکار کردیا کہہ دیا کہ میرا نہیں بلکہ حرام کا ہے یہ بھی تہمت زنا کی ایک صورت ہے کہ زنا کا الزام نہ لگائے بچے کا انکار کردے۔

۲؎ لعان کراکر اس طرح کہ پہلے دونوں سے لعان کرایا پھر فسخ نکاح فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لعان میں عورت و مرد کی علیحدگی حاکم کے فیصلہ سے ہوگی نہ کہ خاوند کی طلاق سے۔ امام اعظم کا یہ ہی مذہب ہے، امام زفرو امام شافعی کے ہاں خود لعان ہی طلاق یا فسخ نکاح کا سبب ہے لعان کیا تو علیحدگی ہوئی مگر امام اعظم کا قول نہایت قوی ہے اولًا تو اس لیے کہ اگر لعان ہی طلاق ہوتا تو حضور تفریق کیوں کراتے جیسا کہ یہاں فرق سے معلوم ہورہا ہے کہ لعان کے بعد حضور نے علیحدگی کا حکم دیا، دوسرے اس لیے کہ پہلے گزر چکا کہ عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں اگر لعان سے نکاح ختم ہوچکا تھا تو طلاق سے کیا فائدہ تھا وہ طلاقیں اوریہ تفریق بتارہی ہے کہ لعان فسخ نکاح نہیں۔(مرقات)

۳؎ اس طرح کہ یہ بچہ اس عورت کا کہلایا نہ کہ مرد کا ،نیز اس کا نسب مرد سے ثابت نہ ہوا،نیز اس بچہ کو صرف عورت کی میراث ملی نہ کہ مرد کی لعان کا یہ ہی حکم ہے۔

۴؎ یہاں دنیا کی سزا سے مراد حد قذف تہمت کی سزا ہے یعنی اسی کوڑے یعنی اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو اقرار کرلے اسی۸۰ کوڑے کھا کر تیری رہائی ہو جائے گی،آخرت کا عذاب رسوائی و دوزخ کی آگ بہت سخت ہے۔

۵؎ یہاں عذاب سے مراد رجم یعنی سنگسار کرنا اور دنیاکی بدنامی ہے کہ اگر عورت زنا کا اقرار کرلے تو رجم کی جائے گی دنیا اسے برا کہے گی مگر یہ تکلیف چند منٹ کی ہے آخرت میں رسوائی اور دوزخ کا عذاب بہت سخت ہے عقلمند وہ ہے جو دشوار سزاکے مقابل آسان کو اختیار کرے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان والے زوجین سے فرمایا کہ تم دونوں کا حساب اللہ کے ہاں ہے۱؎ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اب تم کو اس عورت پر کوئی حق نہیں آیا ۲؎ عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال ۳؎ تو فرمایا مال تجھے نہ ملے اگر تو نے اس پر سچ بولا ہے تو مال اس عوض میں رہا کہ تو نے اس کی شرمگاہ میں تصرف کرلیا ۴؎ اور اگر تم نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو یہ تجھ سے بہت بہت دور ہے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کہ وہ ہی تم میں سے جھوٹے کو سزا دے گا ہم صرف ظاہر پر عمل کرتے ہیں اگر تم میں سے کسی کا جھوٹ ظاہر نہ ہو تو کسی کو سزا نہیں دیتے۔

۲؎ اس جملہ کی وجہ سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ خود لعان ہی فسخ نکاح ہے حاکم کے فیصلہ پر موقوف نہیں مگر امام اعظم کے ہاں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تفریق کے بعد لاعن کا ملاعنہ پر کوئی حق نکاح باقی نہیں رہتا،تاکہ یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔

۳؎ مالی پوشیدہ فعل کا فاعل ہے یعنی میرا مال کہا گیا مال سے مراد دیا ہوا مال ہے یعنی مہر وہ چاہتے تھے کہ مہر واپس دلایا جائے۔

۴؎ یعنی تیرا مہر صحبت سے گیا اس سے معلوم ہوا کہ صحبت سے یا خلوت سے مہر مؤکد ہوتا ہے اگر بغیر خلوت طلاق دے دی گئی تو نصف مہر واجب ہوگا اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۵؎ یعنی جب تجھے سچا ہونے پر مال واپس نہ ملا تو جھوٹا ہونے پر تو مل سکتا ہی نہیں۔خیال رہے کہ دوسرا بعد تاکید کے لیے زائد فرمایا گیا یعنی بہت بہت دور ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ملاعنہ عورت کو مہر پورا پورا ملے گا،لعان سے مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ہلال ابن امیہ نے ۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی بیوی کو شریک ابن سحماء سے تہمت لگائی ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ لاؤ یا تمہاری پیٹھ میں سزا ہے ۳؎ وہ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم میں سے کوئی اپنی بیوی پر کسی مرد کو دیکھے تو گواہ ڈھونڈتا پھرے ۴؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ میں سزا ہوگی ۵؎ ہلال بولے اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں سچا ہوں تو اللہ تعالٰی ضرور وہ آیات اتارے گا جو میری پیٹھ کو سزا سے بچالیں گی ۶؎ اتنے میں جبرئیل اترے اور آپ پر یہ آیت اتاری ۷؎ اور وہ لوگ جو الزام لگائیں اپنی بیویوں کو،پھر پڑھی حتی کہ ان کان من الصادقین تک پہنچ گئے پھر ہلال آئے گواہی دی ۸؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یقینًا اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرلے گا ۹؎ پھر عورت کھڑی ہوئی پس گواہی دی جب پانچویں پر پہنچی ۱۰؎ تو لوگوں نے اسے ٹھہرالیا اور بولے کہ یہ واجب کرنے والی ہے ۱۱؎ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ کچھ ٹھہری اور لوٹی حتی کہ

	ہم نے گمان کر لیا کہ یہ رجوع کرلے گی۱۲؎ پھر بولی میں اپنی قوم کو کبھی رسوا نہ کروں گی پھر گزر گئی ۱۳؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھنا اگر یہ سرمگیں آنکھوں والا بھرے چوتڑوں والا پتلی پنڈلیوں والا بچہ جنے تو وہ شریک ابن سحماء کا ہے ۱۴؎ پھر وہ ایسا بچہ لائی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر قرآن کا وہ حکم جو گزر گیا نہ ہوتا ۱۵؎ تو میرا اور اس عورت کا کچھ حال ہوتا ۱۶؎(بخاری)

۱؎ ہلال ابن امیہ وہ ہی صحابی ہیں جو حضرت کعب ابن مالک کے ساتھ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔یہ تین حضرات کعب ابن مالک،ہلال ابن امیہ،مرارہ ابن لوی،ان تین صاحبوں کی توبہ کا ذکر سورہ توبہ میں ہے"وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیۡنَ خُلِّفُوۡا"الایہ۔

۲؎ حضرت شریک انصار کے حلیف تھے سحماء ان کی والدہ کا نام ہے آپ اپنی ماں کی نسبت سے مشہور ہیں جیسے عبداللہ ابن ام مکتوم اسلام میں یہ پہلا واقعہ ہوا اور یہ لعن بھی پہلا لعان تھا۔اسی واقعہ پر آیت لعان نازل ہوئی۔

۳؎ یعنی یا تو چار گواہ عینی پیش کرو جنہوں نے تمہاری بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو ورنہ تم کو حد قذف اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں گے۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر کسی کو دیکھے تو اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ چار گواہ جمع کرلے اور انہیں اس حالت کا مشاہدہ کرائے یہ تکلیف طاقت سے زیادہ ہے۔

۵؎ سرکار عالی کا یہ فرمان قرآن کی اس آیت کی بنا پر ہے کہ زنا کے لیے چار گواہ پیش کیے جائیں،ورنہ الزام لگانے والے کو تہمت کی سزا اسی کوڑے لگائی جائے یہ پابندی اس لیے ہے تاکہ لوگ تہمت زنا میں دلیر نہ ہوجائیں۔چونکہ ابھی لعان کے احکام آئے نہ تھے اس لیے فرمایا گیا۔

۶؎ یہ ہے مؤمن کی فراست کہ آئندہ آنے والے احکام کے متعلق قسم کھالی کہ ایسے احکام ضرور نازل ہوں گے لطف یہ ہے کہ ان شاءاللہ بھی نہ کہا یعنی مجھے اپنے رب کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ سچے کو تہمت کی سزا نہ لگنے دے گا،مجھے ضرور بچالے گا۔

۷؎ فنزل کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلال مجلس شریف میں موجود تھے اور دربار عالی گرم تھا کہ آیت لعان نازل ہوگئی حضرت ہلال کا اندازہ سچا ہوگیا کیونکہ ف تعقیب بلا تراخی کے لیے آتی ہے۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ جآء سے مراد حضور کی بارگاہ میں قسم کے لیے کھڑا ہونا کیونکہ ہلال وہاں ہی تھے ابھی غائب نہ ہوئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ ہلال چلے گئے ہوں اور اس آیت کے نزول پر بلائے گئے ہوں مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں گواہی

سے مراد ہلال کا قسم کھانا چونکہ یہ قسم گواہی کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے اس قسم کو گواہی فرمایا قرآن کریم نے بھی اسے گواہی فرمایا۔

۹؎ اب بھی مستحب یہ ہے کہ حاکم اس قسم کے الفاظ لعان کرنے والوں سے کہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے خفیہ حالات پر مطلع فرمایا ہے مگر ساتھ ہی پردہ پوش بنایا ہے اس لیے نہ تو رب تعالٰی نے کوئی آیت اتاری کہ فلاں سچا ہے نہ حضور نے اس کی خبر دی لہذا یہ فرمان پردہ پوشی کی بنا پر ہے نہ کہ بے علمی کی بنا پر کیا تمہیں خبر نہیں کہ عبداللہ ابن حذافہ نے حضور سے پوچھا تھا کہ میرا باپ کون ہے ؟فرمایا حذافہ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے ؟ فرمایا سالم مولٰی شیبہ۔(بخاری شریف)اور باپ بیٹا ہونا وہ ہی جان سکتا ہے جو اندرونی حالات سے خبردار ہو لہذا ان کلمات سے حضور کی بے علمی ثابت کرنا سخت غلط ہے۔

۱۰؎ یعنی چار بار اشھد باللہ کہہ چکی جب پانچویں کی باری آئی صحابہ کرام نے اسے روک کر یہ تبلیغ کی۔

۱۱؎ یا سزا کو یا دوزخ کی آگ کو اگر یہ پانچویں قسم تو نہ کھائے تو رجم و سنگسار کی جائے گی اور اگر جھوٹی قسم کھا گئی تو عذاب نار کی مستحق ہوگی لہذا سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حضور کو خبر تھی کہ مرد سچا ہے عورت سے خطا ہوئی ہے دیکھو صحابہ کرام نے ہلال کو یہ تبلیغ نہ کی صرف عورت کو کی۔

۱۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو بھی علامات سے معلوم ہوچکا تھا کہ ہلال سچے ہیں عورت خطا کار ہے مگر چونکہ اسلام میں ان جیسی علامات کا اعتبار نہیں خصوصًا حدود میں اس لیے ان علامات پر احکام شرعیہ جاری نہیں ہوتے۔

۱۳؎ یعنی پانچویں قسم بھی کھالی اور چھوڑ دی گئی اس روکنے لوٹنے کے متعلق اس سے کوئی باز پرس نہ کی گئی کہ تو پہلے رکی کیوں تھی۔

۱۴؎ یعنی حرامی ہے غالبا شریک ابن سحماء اسی شکل کے ہوں گے اور بچہ اکثر باپ کی شکل پر ہوتا ہے۔یہ قاعدہ اکثریہ ہے مگر حضور کے فرمان عالی سے وہ یقینی ہوگیا مگر اس یقین پر شرعی سزا جاری نہیں ہوتی اس لیے عورت سے پھر بھی کچھ نہ کہا گیا۔

۱۵؎ اس حکم سے مراد لعان کے احکام ہیں جو اس موقعہ پر قرآن کریم میں نازل ہو چکے تھے یعنی اگر یہ احکام لعان نہ آگئے ہوتے اور صرف علامات پر حدود شرعیہ جاری ہوجاتیں تو ہم اس کو سنگسار کردیتے۔

۱۶؎ کہ ہم اس عورت کو سنگسار کردیتے،خیال رہے کہ حضور نے اس عورت کو ہلال سے علیحدہ کردیا مگر عدت کا خرچہ نہ دلوایا کیونکہ یہ علیحدگی طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے(مرقات)بعض روایات میں ہے کہ یہ بچہ زندہ رہا بعد میں مصر کا حاکم ہوا مگر اپنی ماں کی طرف نسبت کیا جاتا تھا۔(مرقات)مگر بعض روایات میں ہے کہ دو سال کی عمر پا کر وفات ہوگیا۔ واللہ اعلم!یہ عورت اور شریک بھی برے حال میں مرے(مرقات)خیال رہے کہ لعان کی صورت میں شرعًا کوئی فاسق نہیں کہا جاتا اسی لعان کرنے والے کی گواہی قبول ہے عند اللہ جو کچھ ہو وہ رب جانے لہذا شرعًا ان دونوں بلکہ تینوں میں کوئی فاسق نہیں نہ ہلال نہ یہ عورت نہ شریک لہذا یہ مسئلہ بالکل حق ہے کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں سب جنتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا سعد

	ابن عبادہ نے اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا اسے نہ چھوؤں حتی کہ چار گواہ لاؤں تو رسول اللہ نے فرمایا ہاں ۱؎ بولے ہر گز نہیں قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں تو اسے اس سے پہلے تلوار سے جلد ماردوں ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا سنو جو تمہارا یہ سردار کہتا ہے ۳؎ یہ بڑا ہی غیرت مند ہے ۴؎ اور میں اس سے بڑھ کر غیرتمند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے ۵؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ہاں تم اس عورت و مرد سے کچھ تعرض نہ کرو تمہارا صرف یہ کام ہے کہ چار گواہ ان کے زنا پر بنا لو اولًا ہم پر پیش کرو ہم بعد تحقیق انہیں زنا کی سزا دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصاص،رجم وغیرہ صرف حاکم جاری کرسکتا ہے ہے کسی دوسرے کو حق نہیں کہ خود قانون ہاتھ میں لے کر یہ کام کرے۔

۲؎ اس عرض و معروض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی تردید نہیں ہے بلکہ اپنی انتہائی غیرت کا اظہار ہے کہ ایسی حالت میں مجھ پر غصہ کی وجہ سے ایسے مدہوشی طاری ہوگی کہ مجھے گواہ لانے آدمیوں کو ڈھو نڈنے کا دھیان ہی نہ رہے گا اس جنون میں اسے قتل ہی کردوں گا اسی لیے سرکار عالی نے ان کی عرض کی تردید نہ فرمائی بلکہ تعریف کی۔

۳؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں سیدنا ہے یعنی ہمارے سردار کی بات سنو،ہمارے سردار سے مراد ہے ہمارے مقرر کیے ہوئے سردار جیسے بادشاہ کسی امیر کی طرف اشارہ کرکے کہے ہمارا امیر یعنی ہمارا مقرر کردہ امیر سیدکم کے معنے بالکل ظاہر ہیں غالبًا انصار سے خطاب ہوگا اور اگر تمام صحابہ سے خطاب ہو تو خصوصی سرداری مراد ہوگی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت سعد جناب صدیق و فاروق سے افضل ہوں۔

۴؎ یعنی جو کچھ سعد کہہ رہے ہیں اپنی غیرت کے جوش میں کہہ رہے ہیں نہ کہ ہمارے کلام عالی کی تردید میں اور جوش غیرت سرداری کی بنا پر ہے معلوم ہوا کہ سردار قوم غیرت مند ہی چاہیے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں حضرت سعد کی غیرت کی تعریف ہے ان کے اس عمل کی تائید نہیں کیونکہ خود قتل کردینا خلاف حکم شرع ہے اس کی تائید کیسی جب لفظ غیور اللہ رسول کی صفت ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے زجور سخت روکنے والا یعنی ہم اور رب تعالٰی ان بے حیائیوں کو نہایت سختی سے روکنے والے ہیں،اسی لیے زنا کی سزا ایسی سخت رکھی ہے کہ رب کی پناہ قصاص قتل میں تلوار سے مارا جاتا ہے مگر سزائے زنا میں سنگار کیا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا سعد ابن عبادہ نے اگر میں کسی مرد کو اپنی عورت کے ساتھ دیکھوں تو اسے مار دوں تلوار سے چوڑائی سے نہیں ۱؎ یہ خبر رسول اللہ کو پہنچی تو فرمایا کیا تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو ۲؎ اللہ کی قسم میں ان سے بڑھ کر

	غیرت مند ہوں ۳؎ اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے اللہ کی غیرت کی وجہ سے کہ اللہ نے ظاہر باطن فحش چیزیں حرام فرمادیں ۴؎ اور اللہ سے زیادہ کسی کو معذرت پسند نہیں ۵؎ اسی لیے اللہ نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے بھیجے ۶؎ اور ایسا کوئی نہیں ہے جسے اللہ سے زیادہ تعریف پسند ہو ۷؎ اسی وجہ سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی میں اسے چوڑی تلوار نہ ماروں جس سے صرف چوٹ لگے بلکہ دھار کی طرف سے ماروں جس سے وہ قتل ہی ہو جائے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ **غیر مصفح** **لضربته** کے فاعل کا حال ہے یعنی میں اس زانی سے در گزر نہ کروں بلکہ مار ہی دوں مگر پہلے معنے نہایت ہی موزوں ہیں۔

۲؎ سارے صحابہ کرام ہی غیرت مند تھے مؤمن بے غیرت نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت صحابہ مگر حضرت سعد بے حد غیور و غیرت مند تھے اس لیے یہ فرمایا گیا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ حضور تمام صفات کمالیہ میں تمام خلق سے افضل ہیں غیور بادشاہ اپنے نوکروں سے بھیک نہیں منگاتے بڑھاپے میں ان کی پنشن کردیتے ہیں حضور ایسے غیور ہیں کہ اپنے نام لیواؤں دین کے خدمتگاروں اپنے نوکروں چاکروں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے ناکاروں کو ایسا نبھاتے ہیں کہ **سبحان اللہ** دیکھو ہم جیسے ناکارہ جنہیں کوئی کوئی ہنر نہ آئے ان کے نام پر کیسے مزے سے پل رہے ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیری غیرت کے نثارے مرے غیرت والے   آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بردہ تیرا

۴؎ رب تعالٰی کی غیرت کے یہ ہی معنی ہیں ورنہ اللہ تعالٰی شرم غیرت کے ظاہری معنے سے پاک ہے ایسے الفاظ میں رب تعالٰی کے لیے ان کے نتائج مراد ہوتے ہیں۔

۵؎ یعنی رب تعالٰی کو بندے کی توبہ بہت ہی پسند ہے،اسی لیے بذریعہ انبیائے کرام پیغام بھیجا کہ **ففروا الی اللہ** گنہگاروں اللہ کی طرف بھاگ آؤ پناہ پالو گے۔اسی صفت کے مظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،اسی کا نتیجہ تھا کہ حضور نے حضرت وحشی ہندہ،ابوسفیان وغیرہ ہم کو معافی دے دی ان حضرات کو معاف کردینا طاقت انسان سے باہر ہے ان کے دروازے پر آنے والا محروم نہیں جاتا۔شعر

لج پال پریت کو توڑت ناہیں
جو بانھ پکڑیں پھر چھوڑت ناہیں
گھر آئے کو خالی موڑت نائیں

۶؎ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کی بعثت کا اصل منشا بھاگے ہوؤں کو بلانا ہے۔

۷؎ چنانچہ خود رب تعالٰی نے اپنی حمد و ثناء کی حضرات انبیاء و اولیاء حمد الٰہی کرتے رہے بلکہ عالم کا ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ حمد الٰہی کرتا ہے"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"یہ سب اس پسندیدگی کا نتیجہ ہے حمد الٰہی بہترین عبادت ہے،اس کے نبیوں ولیوں کی تعریفیں بھی بالواسطہ حمد الٰہی ہی ہے کہ جسے جو ملا اس کی عطا سے ملا نعت و مناقب حمد الٰہی کی طرح عبادت الٰہی ہے۔

۸؎ یعنی دنیا میں حمد الٰہی کرنے والوں سے رب تعالٰی نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے خود جنت میں سوائے حمد الٰہی کے اور کوئی عبادت نہ ہوگی،جنتی لوگ جب آپس میں کلام و گفتگو کریں گے تو آخر میں کہا کریں گے **واخر دعوانا ان الحمدﷲ رب العلمین**۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالٰی غیرت فرماتا ہے اور یقینًا مؤمن غیرت کرتا ہے ۱؎ اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن وہ کام نہ کرے جو اللہ نے حرام کئے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کیونکہ مؤمن اخلاق الٰہی سے موصوف ہوتا ہے معلوم ہوا کہ حیاء و غیرت صفات الٰہیہ سے ہے،جسے یہ نعمت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا اللہ تعالٰی کی غیرت فرمانے کے کیا معنی ہیں اس کے لیے ہماری تفسیر نعیمی ہیں آیت"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ"کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ یعنی بندہ گناہ کرتا ہے رب کو اس سے غیرت آتی ہے جیسے غلام کی بری حرکتوں سے مولٰی کو غیرت آتی ہے لہذا بندہ ہرگز گناہ پر دلیری نہ کرے۔یہ حدیث **باب اللعان** میں اس لیے لائے کہ لعان میں زنا کا الزام ہی تو ہوتا ہے اور زنا کرنا بھی غیرت کی چیز ہے اور زنا کی تہمت لگانا بھی شرم کی بات لہذا کوئی خاوند اپنی بیوی کو زنا کی جھوٹی تہمت نہ لگائے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میری بیوی نے سیاہ لڑکا جنا اور میں نے اس کا انکار کردیا ۱؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں بولا ہاں فرمایا ان کے رنگ کیا ہیں بولا سرخ فرمایا کیا ان میں کوئی چتکبرہ بھی ہے بولا اس میں چتکبرہ ہے ۲؎ فرمایا ۱ سے تو کہاں سے دیکھتا ہے کہ یہ آیا ۳؎ بولا کسی رگ نے اسے کھینچ لیا ۴؎ فرمایا تو شاید اسے بھی رگ	

	نے کھینچ لیا ۵؎ اور اس نے اپنے سے انکار کی اجازت نہ دی ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ انکار کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں گورا ہوں میرا بچہ کالا کیسے ہوسکتا ہے اس لیے میں نے کہہ دیا کہ یہ بچہ میرا ہے ہی نہیں میری بیوی نے کسی کالے آدمی سے زنا کرایا ہوگا اس کا یہ بچہ ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں انکار سے مراد دل سے انکار کرنا ہے،زبانی انکار کاارادہ کرنا اگر زبان سے انکار کردیتا تو لعان کرنا پڑتا۔

۲؎ سفید و سیاہ دھبے والے کو چتکبرہ کہتے ہیں سرخ اونٹ رفتار اور طاقت میں بہت اچھا ہوتا ہے مگر چتکبرہ اونٹ کا گوشت بہت نفیس ہوتا ہے اہل عرب سرخ اونٹ بہت پسند کرتے ہیں چتکبرے کو اچھا نہیں سمجھتے۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ ان سرخ اونٹوں سے کوئی اونٹ چتکبرہ بھی پیدا ہوا ہے وہ بولا ہاں کہ ماں باپ سرخ ہیں اور ان کا بچہ چتکبرہ۔

۳؎ جاء کا فاعل سرخ اونٹ ہیں اور ھا کا مرجع چتکبرہ رنگ والا بچہ یعنی سرخ اونٹ چتکبرہ بچہ کہاں سے لے آئے وہاں بچہ کا رنگ ماں باپ کے رنگ کے خلاف کیوں ہوگیا۔

۴؎ یعنی اس بچہ کے دادا پر دادا،نانا پر نانا میں کوئی نر یا مادہ اونٹ چتکبرہ گزرا ہوگا وہ دور والا رنگ اس بچہ میں آگیا ہوگا۔مرقات نے فرمایایہ لفظ عرق درخت کی جڑ کی رگوں سے ماخوذ ہے جو دور تک زمین میں پھیلی ہوتی ہیں،جیسے ان جڑ کی رگوں کا اثر درخت میں پہنچتا ہے ایسے ہی آباء واجداد کے رنگ بیماریاں اولاد میں پہنچ سکتی ہیں اس بدوی نے بہت تحقیقی بات کہی۔

۵؎ یعنی یہ ہی احتمال اس بچہ میں بھی ہے کہ تیرے باپ دادوں میں کوئی سیاہ فام گزرا ہو گا جس کا اثر اس بچہ میں آگیا ہوگا جو تاویل تو اونٹ کے بچہ میں کرتا ہے آدمی کے بچہ میں کیوں نہیں کرتا سبحان اللہ کیا حکیمانہ جواب ہے۔خیال رہے کہ بطور الزام یہ جواب دیا گیا ہے ورنہ بچہ کے رنگ روپ میں یہ ضروری نہیں کہ اس کے باپ دادوں کا اثر ہی آئے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سارے اصول گورے بچہ کالا اور کبھی سارے اصول کالے بچہ گورا یہ تو رب کی قدرت ہے جیسے چاہے بنا دے۔

۶؎ مقصد یہ ہے کہ رنگ روپ وغیرہ علامات ضعیفہ ہیں ان وجوہ سے بچہ کے نسب کا انکار نہ کرنا چاہیے کہ ثبوت زنا قوی علامات سے ہوسکتا ہے مثلًا کوئی عورت نکاح کے پانچ ماہ بعد بچہ جن دے یا جس کا خاوند پردیس ہی میں ہے اور عورت اقبالی بچے جنے یا خاوند نے عرصہ سے صحبت نہ کی ہو مگربچہ پیدا ہوجائے ان صورت میں انکار کی گنجائش قوی ہے شریک ابن سحماء کی حدیث میں جو گزرا کہ اگر بچہ اسی شکل کا ہے تو وہ غیر باپ کا ہوگا،وہاں رنگت و حلیہ سے زنا ثابت نہ فرمایا گیا تھا نہ اس کے رنگ پر زنا کے احکام جاری کیے گئے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان کے لیے صریحی انکار اولاد ضروری ہے اس بدوی نے صاف صاف انکار نہ کیا تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے ۱؎ اپنے بھائی سعد ابن ابی وقاص سے عہد لیا تھا کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ مجھ سے ہے تو تم اس پر قبضہ کرلینا ۲؎ پھر جب فتح مکہ کا سال ہوا تو اسے سعد نے

	لے لیا بولے کہ یہ میرا بھتیجا ہے ۳؎ اور عبداللہ ابن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے ۴؎ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مقدمہ لے گئے ۵؎ سعد نے کہا یارسول اللہ میرے بھائی نے اس بچہ کے بارے میں مجھ سے عہد کیا تھا اور عبداللہ ابن زمعہ بولے کہ یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے جو اس کے بستر پر پیدا ہوا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ ابن زمعہ وہ بچہ تمہارا ہے ۷؎ بچہ مستحق ولد کا ہوتا ہے زانی کے لیے پتھر ۸؎ پھر سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اس بچہ سے پردہ کرنا کیونکہ اس کی مشابہت عتبہ سے دیکھی ۹؎ چنانچہ اس لڑکے نے سودہ کو نہ دیکھا حتّٰی کہ اللہ سے مل گیا ۱۰؎ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اے عبداللہ ابن زمعہ وہ تمہارا بھائی ہے اس لیے کہ وہ ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا ۱۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ عتبہ وہ ہی ہے جس نے احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید کیا تھا،یہ کافر ہی مرا رب کی شان ہے کہ ایک بھائی اول نمبر کا کافر اور دوسرا بھائی حضرت سعد ابن ابی وقاص اعلٰی درجہ کے مؤمن جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میرے ماں باپ قربان پھر ان ہی سعد کا بیٹا عمرو ابن سعد ایسا منحوس جس نے کربلا کے میدان میں اہلِ بیت اطہار پر پہلا تیر چلایا۔

۲؎ یعنی زمعہ کی لونڈی سے میں نے زنا کیا تھا اس سے بچہ پیدا ہوا تھا وہ بچہ اس ہی زنا کا ہے لہذا وہ بچہ میرا ہے جب تم کو موقعہ ملے اس بچہ کو لے لینا اوراس کی پرورش کرنا کہ تمہارا بھتیجا ہے۔

۳؎ کیونکہ میرے بھائی عتبہ کے زنا سے پیدا ہوا ہے زمانہ جاہلیت میں زنا سے نسب ثابت مانا جاتا تھا اگر زانی اس نسب کا دعوٰی کرتا۔

۴؎ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اپنی لونڈیوں سے زنا کرا کر زنا کی آمدنی وصول کرتے تھے اور اس زنا سے جو بچہ پیدا ہوتے ان میں جھگڑے ہوتے تھے۔زانی کہتا تھا کہ میرا بچہ ہے مالک کہتا کہ میرا،یہ بچہ بھی اس قسم کا تھا سعد کا دعوٰی یہ تھا کہ یہ بچہ میرے بھائی کے نطفے سے ہے لہذا میرا بھائی ہے عبداللہ ابن زمعہ کا کہنا تھاکہ میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے لہذا میرا بھائی ہے(مرقات)

۵؎ **تساوقا** سوق سے بنا بمعنی چلانا "ہانکنا" **تساوقا** تثنیہ ہے کہ اس کا فاعل دونوں ہیں یہاں مراد مقدمہ بارگاہ عدالت تک لے جانا ہے۔

۶؎ فراش کے لفظی معنے ہیں بستر پھر بستر پر لیٹنے لٹانے والے کو فراش کہنے لگے اصطلاح میں مستحق ولد کو فراش کہا جاتا ہے،خاوند،مولیٰ صاحب فراش ہیں یہاں یہ ہی معنے مراد ہیں۔

۷؎ یعنی تمہار اباپ شریکا بھائی ہے کہ تمہارے باپ کی مملوکہ لونڈی سے پیدا ہوا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مالی دعوؤں کی طرح نسب کا دعویٰ بھی ہوسکتا ہے،دوسرے یہ کہ لونڈی اپنے مولیٰ کی فراش ہے جب کہ مولیٰ اس سے وطی کرے کہ اس کا بچہ مولیٰ کا مانا جائے گا۔تیسرے یہ کہ جب بچہ مولیٰ کا ہوسکتا ہو تو اگرچہ لونڈی سے صحبت کسی دوسرے نے کی ہو مگر بچہ مولیٰ کا ہوگا جب مولیٰ اس کا دعویٰ کرے،چوتھے یہ کہ نسب میں وارث کا اقرار مولی کے اقرار کی طرح ہے۔خیال رہے کہ اگر خاوند یا مولی مشرق میں ہو اور بیوی یا لونڈی مغرب میں،اور کبھی خاوند بیوی کے پاس نہ آیا ہو،بیوی خاوند کے پاس نہ گئی ہو اور بچہ پیدا ہوجائے خاوند یا مولی کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو امام شافعی و مالک کے ہاں اس کی بات نہ مانی جائے گی یہاں اس نسب کا امکان نہیں مگرامام اعظم کے ہاں اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور بچہ اسی کا ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مرد یا عورت ولی اللہ ہو بطور کرامت ان کا قرب و صحبت واقع ہو گئی ہو کرامات اولیاء برحق ہیں۔(مرقات)علامہ شامی نے بھی مسئلہ اسی طرح بیان فرمایا ہے۔معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء اللہ عالم کی سیر کرسکتے ہیں دور کی جگہ حاضر و ناظر ہوسکتے ہیں ہم نے بھی یہ مسئلہ جاء الحق بحث حاضر و ناضر میں بیان کیا۔

۸؎ یعنی اسلام میں زانی سے نسب ثابت نہیں بلکہ مسلمان محصن زانی سنگسار کیے جانے کے لائق ہے لہذا حدیث پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ ابن ابی وقاص کو یااس لونڈی کو سنگسار کیوں نہ کیا؟

۹؎ ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اس فیصلہ کی بنا پر یہ بچہ حضرت سودہ کا علاتی بھائی ہوا اور بھائی سے پردہ نہیں یہ ہے فتویٰ مگر تقویٰ وہ ہے جو اس جگہ ارشاد فرمایا گیا کہ اس بچہ کی شکل و شباہت عتبہ سے ملتی جلتی ہے احتمال یہ ہے کہ عتبہ کا بچہ ہو لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اے سودہ تم اس بچہ سے پردہ کرو کہ شاید یہ تمہارا اجنبی ہو۔خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا حرامی بچہ زانی باپ کی میراث نہیں پاتا مگر حرمت زنا سے بھی آجاتی ہے کہ زانی پر مزنیہ عورت کی اولاد اس کی ماں نانی وغیرہ حرام ہوجاتی ہے مگر امام شافعی و مالک کے ہاں زنا سے حرمت بھی نہیں آتی زانی شخص مزنیہ عورت کی ماں وغیرہ سے نکاح کرسکتا ہے۔(مرقات)بعض شوافع کے ہاں تو خود زنا کی اس بچی سے بھی نکاح درست ہے جو اس کے نطفہ سے پیدا ہوئی۔(مرقات)

۱۰؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ وہ بچہ پہلے فوت ہوا حضرت سودہ بعد میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کے مرتے دم تک نہ اس نے بی بی سودہ کو دیکھا نہ بی بی سودہ نے اس کو،لہذا حدیث واضح ہے۔

۱۱؎ یہ کلام راوی کا ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی لیے ابیه غائب کی ضمیر وارد ہوئی ابیک مخاطب کی ضمیر نہ آئی۔خیال رہے کہ لونڈی کا بچہ مولیٰ سے جب مانا جاتا ہے جب کہ مولیٰ اس بچہ کا دعوی کرے صرف وطی کے اقرار سے نسب ثابت نہ ہونا یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔حضرت عمر،زید ابن ثابت کا یہ ہی قول ہے مگر امام شافعی کے ہاں صرف اقرار وطی سے نسب ثابت ہوجاتا ہے اگر مولیٰ عزل کا مدعی ہو۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خوش تشریف لائے فرمایا اے عائشہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجزز مدلجی آیا تھا۱ جب اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا حالانکہ ان دونوں پر کمبل تھا کہ انہوں نے سر ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے قدم کھلے ہوئے تھے تو بولا کہ یہ قدم ان کے بعض بعض سے ہیں ۲(مسلم،بخاری)

۱مدلجی میم کے پیش لام کے کسرہ سے مدلج ایک قبیلہ تھا بنی اسد کا یہ شخص اس قبیلہ سے تھا بڑا قیافہ لگانے والا تھا کہ فلاں کی شکل فلاں سے ملتی جلتی ہے اس لیے اس کا بھائی یا بیٹا ہے کفار عرب اس کے قیافہ پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اس پر احکام نسب صادر کردیا کرتے تھے۔

۲زید ابن اسامہ بہت سیاہ فام تھے اور ان کے والد اسامہ بہت گورے چٹے اس لیے کفار عرب حضرت زید کے نسب پر طعن کرتے تھے کہتے تھے کہ زید اسامہ کے بیٹے نہیں اس قیاف نے باوجود رنگ کے اختلاف کے سب کفار کے روبرو یہ کہہ دیا کہ پاؤں والے باپ بیٹے ہیں تو کفار پر اس کا قول حجت ہوگیا اسی لیے اب کفار کو ان کے نسب میں طعنہ کرنے کا موقعہ نہ رہا اس لیے سرکار خوش ہوئے لہذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ شریعت میں قیافہ سے نسب ثابت ہوجاتا ہے یہ ہی امام اعظم کا فرمان ہے کہ قیافہ سے نسب ثابت نہیں ہوتا،خیال رہے کہ حضرت زید کی ماں حبشی سیاہ فام عورت تھیں ان نام برکتہ کنہنه ام ایمن تھا شریعت میں نجومیوں کے قول ،رویت ہلال، قیافہ کے قول سے نسب ثابت نہیں ہوتے۔اس جگہ مرقات نے قیافہ پر بہت مفصل گفتگو فرمائی۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے کو نسبت کرے اپنے غیر باپ کی طرف حالانکہ جانتا ہو تو اس پر جنت حرام ہے۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی جو دیدہ ودانستہ اپنے کو اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص کا بیٹا بتائے یا اس کی میراث لینے کے لیے یا اپنی عزت و آبرو بڑھانے کے لیے یا کسی اور مصلحت سے تو وہ اولًا یا ابرار کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا یا جو شخص یہ کام حلال جان کر کرے وہ جنت سے بالکل محروم ہے۔ اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سید نہیں مگر اپنے کو سید کہتے کہلواتے ہیں یہ بیماری بہت لوگوں میں ہے یہ حدیث مختلف اسنادوں سے مختلف الفاظ سے آئی ہے چنانچہ ابوداؤد ابن ماجہ ،احمد نے ان ہی دونوں صحابیوں سے اور ابوداؤد نے حضرت انس سے روایت کی کہ جو شخص اپنے غیر باپ کو باپ بتائے یا اپنے غیر مولے کی طرف اپنے کو منسوب کرے اس پر تاقیامت اللہ کی لعنت ہے پے درپے(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے باپ دادوں سے منہ

	پھیرو۱؎ جو اپنے باپ سے اعتراض کرے اس نے کفران کیا ۲؎(مسلم،بخاری)اور حضرت عائشہ کی حدیث خدا سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نماز خسوف کے باب میں ذکر ہوا ۳؎

۱؎ اگر وہ غریب یا غیر عزت والے ہوں تو اپنے کو ان کی اولاد کہنے سے شرم و غیرت نہ کرو۔

۲؎ جو شخص اپنا نسب بدلنے کو حلال جانے وہ کافر ہے اور اجماع امت کا مخالف ہے اور جو حرام جان کر یہ حرکت کرے وہ کافر کا سا کام کرتا ہے یا اپنے خاندان کا ناشکرا ہے یارب تعالٰی کا ناشکرا بہرحال یہ فعل یا کفر ہے یا حرام۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں بھی تھی میں نے تکرار سے بچنے کے لیے یہاں سے حذف کردی(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب لعان کی آیت اتری جو عورت کسی قوم پر اسے داخل کرے جو ان میں سے نہیں ۱؎ تو وہ اللہ کی رحمت میں سے کسی حصہ میں نہیں ۲؎ اور اسے اللہ اپنی جنت میں ہر گز داخل نہ کرے گا ۳؎ اور جو شخص اپنے بچہ کا انکار کرے وہ اسے دیکھتا ہو ۴؎ تو اللہ اس سے حجاب فرمائے گا ۵؎ اور اس کو مخلوق کے سامنے اگلے پچھلوں میں رسوا کرے گا ۶؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ یعنی کسی سے زنا کرے کیونکہ زنا کی وجہ سے زنا کا بچہ اپنی قوم میں داخل کرے گی حالانکہ وہ اس قوم سے نہ ہوگا۔

۲؎ اس طرح کہ دنیا میں اللہ کی رحمت پائے نہ آخرت میں۔خیال رہے کہ دنیا میں اسے رزق وغیرہ مل جانا اللہ کی رحمت کی علامت نہیں یہ تو کفار کو بھی مل جاتا ہے کیونکہ فسق و فجور کے باوجود دنیاوی عیش ملنا عذاب ہے۔

۳؎ اگر حلال جان کر زنا کرے تو کافرہ ہے اور کافر پر جنت حرام ہے اور اگر حرام جان کر کرے تو فاسقہ ہے فاسق آدمی دخول کے مستحق نہیں۔

۴؎ یعنی وہ بچہ اسے میٹھی نگاہوں سے تکتا ہو مگر یہ شقی القلب سخت دل اس کی بھولی صورت امیدوار نگاہوں کی پرواہ نہ کرے اس کا انکار کردے کہ میرا بیٹا نہیں حرام کا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ شخص جانتا ہو کہ یہ بچہ میرا ہی ہے پھر انکار کرے مگر پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں اب جاننے کے معنے یہ ہیں کہ اس شخص کے پاس بچہ کے حرامی ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو محض بدمعاشی یا محض شبہ سے بچہ کا انکار کرتا ہو۔

۵؎ یعنی اسے اپنا دیدار نہ دکھائے کہ جنت نہ دے گا کیونکہ دیدار الٰہی کی اصل جگہ جنت ہی ہے۔

۶؎ یعنی قیامت میں اسے تمام مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا جب اولین و آخرین جمع ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ گناہوں کی پردہ پوشی ہوگی علانیہ گناہوں کی رسوائی ہوگی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مسلمان کی پردہ دری کیوں ہوئی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا میری بیوی کسی چھونے والے کا ہاتھ رد نہیں کرتی ۱؎ تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دے دے ۲؎ وہ بولا میں اس سے محبت کرتا ہوں ۳؎ تو فرمایا تو اسے روک رکھ ۴؎(ابوداؤد،نسائی)اور نسائی نے فرمایا کہ بعض راویوں نے اسے حضرت ابن عباس تک مرفوع کیا اور بعض نے اسے مرفوع نہ کیا اور کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ۵؎

۱؎ یعنی فاجرہ زانیہ ہے کہ جو بدمعاش اس سے زنا کرنا چاہیے اسے منع نہیں کرتی کرالیتی ہے۔یا جو کوئی میرے مال کو ہاتھ لگائے اسے روکتی نہیں مال لے جانے دیتی ہے گھر کی حفاظت نہیں کرتی عام شارحین نے پہلے معنے کو ترجیح دی ہے غالبًا صاحب مشکوۃ نے بھی حدیث کے یہ ہی معنے سمجھے ہیں اسی لیے یہ حدیث باب اللعان میں لائے لیکن دوسرے معنے کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اس کو لعان کا حکم دیا نہ اسے حد قذف یعنی تہمت کی سزا دی اگر وہ زنا کا الزام دیتا تو ان دونوں چیزوں میں اسے کچھ کرنا پڑتا۔(مرقات و لمعات واشعہ)

۲؎ معلوم ہوا کہ فاسقہ بدکار بی بی کو طلاق دے دینا بہتر ہے اسی طرح جو عورت گھر کو نہ سنبھال سکے اسے طلاق دے دینا بہتر ہے جیسے کہ پہلے جملہ کی دو شرحوں سے معلوم ہوا۔

۳؎ یا اس کے حسن و جمال کی وجہ سے یا اس لیے کہ اس سے میرے بچے ہیں اسے علیحدہ کردینے سے بچے برباد ہوں گے مجھے اپنے متعلق خطرہ ہے کہ گناہ میں پھنس جاؤں۔

۴؎ یعنی اسے بدکاری یا لاپرواہی گھر برباد کرنے سے روک اور طلاق نہ دے،معلوم ہوا کہ فاسقہ عورت کو طلاق دے دینا واجب نہیں خصوصًا جب کہ خاوند اس کے بغیر صبر نہ کرسکے اس کو طلاق دے دینے پر اپنے فسق و فجور میں گرفتار ہوجانے کا قوی خطرہ ہو۔لہذا حدیث بالکل بے غبار ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسقہ بیوی اسی طرح فاسق اولاد کو ہر ممکن تدبیر کے ذریعہ گناہوں سے روکنا ضروری ہے۔

۵؎ یعنی حدیث کا اتصال حضرت ابن عباس تک ثابت نہیں حدیث منقطع ہے یہ مطلب نہیں کہ اصل حدیث ہی ثابت نہیں یہ حدیث امام شافعی نے اپنی سند میں سفیان ابن عیینہ عن ہارون ابن زیات عن عبداللہ ابن عبید اللہ ابن عمیر کچھ مختلف الفاظ سے نقل فرمائی(مرقاۃ واشعہ)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد

	سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہر ملایا ہوا شخص جو ملایا گیا ہو اس باپ کے بعد جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کا دعوی کیا اس کے وارثوں نے ا پس فیصلہ فرمایا ۲ کہ جو اس لونڈی سے ہو جس کا مالک تھا اس دن جب اس سے صحبت کی تو وہ مل گیا اس سے جس سے اسے ملایا ۳ اور اسے اس میراث سے کچھ نہ ملے گا جو اس سے پہلے تقسیم کی جاچکی ۴ اور جو میراث پالی کہ اب تک تقسیم نہ کی گئی تھی تو اس کے لیے اس کا حصہ ہے ۵ اور نہ ملایا جاسکے گا جب کہ اس کے اس باپ نے جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کا انکار کردیا ہو ۶ پھر اگر اس لونڈی سے ہو جس کا وہ مالک نہ تھا یا لونڈی سے ہو جس سے زنا کیا ہو تو وہ اس سے نہ ملے گا اور نہ وارث ہوگا اگرچہ اس کا دعویٰ وہ ہی کرے جس کی طرف منسوب کیا جارہا ہے کیونکہ وہ زنا کا بچہ ہے آزاد سے ہو یا لونڈی سے ۷ (ابوداؤد)

۱ شریعت میں اسے **مقرلہ** یا **نسب علی الغیر** کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا نسب مجہول ہے پتہ نہیں کہ کس کا لڑکا ہے کس خاندان کا ہے اس کے متعلق ایک یا چند آدمی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا بھائی یا بھتیجا ہے یعنی ہمارے باپ یا بھائی کا بیٹا ہے ان مدعی حضرات کا باپ یا بھائی جس سے وہ لوگ اس موجودہ شخص کا نسب مان رہے ہیں وہ فوت ہوچکا ہے اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

۲ یعنی ایسے شخص کے متعلق حضور نے فیصلہ فرمایا جو آرہا ہے یہ جملہ یا تو انّ کی خبر ہے توف جزائیہ ہے یا انّ کی خبر پوشیدہ ہے اور یہ جملہ اس پوشیدہ خبر کی تفصیل تب ف تفصیلیہ ہے۔

۳ یعنی وہ مرحوم شخص جس سے اس شخص کا نسب یہ لوگ ثابت کررہے ہیں اگر کسی لونڈی کا مالک تھا اس طرح کہ صحبت کے وقت وہ لونڈی اس مرحوم کی ملکیت میں تھی یہ اسی کا بچہ ہے تب تو اس کا نسب اس مرحوم سے ثابت ہوگیا اور یہ بھی دوسرے وارثوں کی طرح میراث پائے گا کیونکہ اس صورت میں ان مدعیوں کا دعویٰ دلیل سے ثابت ہے۔

۴ یعنی اگر زمانہ جاہلیت میں اس مرحوم کی میراث تقسیم کی جاچکی ہے اوراس تقسیم میں اس مقرلہ کو محروم رکھا جاچکا ہے تو اسلام میں وہ تقسیم قائم رکھی جائے گی اسے بدلہ نہ جائے گا اور اب اسے وارث نہ بنائے جائے گا کیونکہ اسلام میں زمانہ جاہلیت کے اس قسم کے فیصلے باقی رکھے جاتے ہیں۔

۵؎ یعنی اس دعویٰ کے بعد تقسیم میراث کی جائے تو اس شخص کو میراث سے حصہ دیا جائے گا۔

۶؎ یعنی اگر مرحوم نے اپنی زندگی میں کہہ دیا تا کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے بعد میں اس کے وارثوں نے کہا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اب ان وارثوں کی بات نہ مانی جائے گی اوریہ شخص اس مرحوم کا بیٹا نہ ہوگا کیونکہ مرحوم کا انکار ہوتے ہوئے ان لوگوں کا اقرار معتبر نہیں۔

۷؎ یعنی جس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ یہ شخص مرحوم کازنا کا بچہ ہے خواہ اس طرح کہ پہلے اس نے کسی کی لونڈی سے زنا کیا پھر اسے خرید لیا یا اس طرح کہ اس مرحوم نے کسی آزاد عورت سے زنا کیا اس صورت میں اگر خود مرحوم بھی کہہ جاتاکہ یہ میرا بیٹا ہے جب بھی اس سے نسب ثابت نہ ہوتا کہ یہ بچہ زنا کا ہے اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوا کرتا چہ جائیکہ اب اس کے مرے بعد اس کے عزیز و اقارب کہہ رہے ہیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے،بہرحال ایسے بچہ کا نسب مرحوم سے ثابت نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شرم وہ ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے اور بعض شرم وہ ہیں جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے ۲؎ لیکن وہ شرم جسے اللہ پسند کرتا ہے وہ مشکوک چیزوں میں شرم ہے ۳؎ اور لیکن وہ شرم جسے اللہ ناپسند کرتا ہے وہ غیر مشکوک چیز میں شرم ہے ۴؎ اور بعض ناز وہ ہیں جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے ۵؎ اور بعض ناز وہ ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے لیکن وہ ناز جسے اللہ پسند کرتا ہے ۶؎ وہ کسی کا ناز کرنا ہے جہاد کے وقت ۷؎ اور اس کا ناز ہے خیرات کے وقت ۸؎ اور لیکن وہ ناز جسے اللہ ناپسند کرتا ہے وہ فخریہ ناز ہے ۹؎ اور ایک روایت میں ہے وہ سرکشی میں ناز ہے ۱۰؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ عتیک بروزن عتیق آپ جلیل الشان صحابی ہیں بدر اور تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے بعض مؤرخین نے فرمایا کہ بدر کے سواء باقی تمام غزوات میں شامل ہوئے مگر حق یہ ہے کہ بدر میں بھی شامل ہوئے کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری ہیں اکیانوے سال عمر ہوئی ۶۱ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی مؤمن کی بعض شرم و حیاء رب کو پیاری ہیں اس پر اسے ثواب ملے گا اور بعض غیرتیں رب تعالٰی کو ناپسند ہیں جن سے بندہ عذاب کا مستحق ہوگا۔یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ حیاء ایمان کا رکن ہے یعنی رب تعالٰی کو پیاری حیاء رکن ایمانی ہے۔

۳؎ یعنی تہمت و شک کی جگہ جانے سے غیرت کرنا اس کا انجام اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے مثلًا غیر مرد کا گھر میں آنا اپنی بیوی کو اس سے کلام کرتے دیکھنا اس پر غیرت کھا جان قوت ایمانی کی دلیل ہے اسی طرح خود اجنبی عورت سے خلوت کرنے پر غیرت کرنا کہ اس سے دوسروں کو ہم پر شبہ ہوسکتا ہے یہ غیرت خدا کی پیاری ہے۔

۴؎ یعنی بلاوجہ کسی پر بدگمانی کرنا غیرت نہیں بلکہ فتنہ و فساد کی جڑ ہے بعض خاوندوں کو اپنی بیویوں پر بلاوجہ بدگمانی رہتی ہے جس سے ان کے گھروں میں دن رات جھگڑے رہتے ہیں،یہ غیرت رب تعالٰی کو ناپسند ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"۔

۵؎ غیرت کے ذکر میں پہلے محبوب غیرت کا بیان فرمایا کیونکہ اکثر غیرتیں محبوب ہیں کم غیرتیں مردود مگر فخر میں پہلے مردود فخر کا ذکر فرمایا بعد میں محبوب فخر کا کیونکہ فخر اکثر مردود ہوتے ہیں بہت تھوڑے محبوب۔

۶؎ لف و نشر غیر مرتب ہے کہ اجمال میں مردود فخر کا ذکر پہلے تھا مگر تفصیل میں محبوب فخر کا ذکر پہلے ہے کیونکہ درجہ اور قبولیت اس محبوب فخر کو ہے۔

۷؎ اس طرح کہ کفار کے مقابل جہاد میں اپنے کو بہت بہادر سمجھے اور اپنے مقابل کافر کو حقیر و ذلیل و کمزور جانے اور اس کے سامنے اپنی بہادری قول و عمل سے ظاہر کرے ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد میں کفار سے فرماتے تھے انا الذی سمتنی امی حیدرا میں وہ جس کا نام اس کی ماں نے حیدر کرار رکھا ہے حیدر معنی شیر کرار معنے پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں کفار کو للکار کر فرمایا انا النّبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں جھوٹا نبی نہیں ہوں،میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں یہ نازو فخر رب تعالٰی کو پیارا ہے۔

۸؎ یعنی خیرات خصوصًا چندہ دیتے وقت اپنے کو بہت امیر سمجھنا اور جو کچھ دے رہا ہے اسے کم سمجھنا اور خوش ہو کر شکر کرتے ہوئے دینا یہ صدقہ کے وقت کا فخر ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا"اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ یہ خوشی شکر کی ہے نہ کہ گھمنڈ کی،گھمنڈ کے لیے فرماتاہے:"لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡفَرِحِیۡنَ"شیخی نہ مارو اللہ تعالٰی شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

۹؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے فی الفخر کے فی الفقر ہے یعنی فقیری میں تکبر کرنا مردود ہے کہ ہے تو اپنے پاس کچھ بھی نہیں مگر شیخی کے مارے پائجامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں لیکن امیروں کے مقابل فخر کرنا کہ اپنے کو ان سے غنی جاننا اپنے کو محض اللہ رسول کا محتاج سمجھنا یہ بہت ہی بہتر ہے کہ یہ قناعت کی قسم ہے۔(مرقات)شعر

اے قناعت تو نگرم گرداں   کہ وارے ہیچ نعمت نیست

۱۰؎ بغی کے منع ظلم،بغاوت،سرکشی،حسد وغیرہ ہیں سارے معنے بن سکتے ہیں،اس فخر کی بہت سی قسمیں ہیں ہر قسم بری رب تعالٰی ان سے بچائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں ایک شخص کھڑا ہوا بولا یا رسول اللہ کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے میں نے اس کی ماں سے زمانہ جاہلیت میں زنا کیا تھا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ایسا دعویٰ جائز نہیں۲؎ جاہلیت کے دور کی باتیں گئیں بچہ فراش کا ہے زانی کے لیے پتھر ہیں ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ اسلام سے پہلے عرب میں عموماً زنا کو عیب نہیں سمجھتے تھے اس لیے علانیہ اس کا اقرار و اظہار کردیتے تھے بلکہ زیادہ زنا پر فخر کرتے تھے فخریہ قصیدے لکھتے تھے دیکھو سبعہ معلقہ وغیرہ نیز اس زمانہ میں زنا سے نسب ثابت ہوجاتا تھا،اس بنا پر یہ عرض و معروض تھی یہ تو حضور انور کی طاقت ہے کہ ایسے ملک میں تہذیب پھیلائی جانوروں کو انسان گر بنادیا۔شعر

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر

اب نئی تہذیب کے دلدادہ اسی وحشت و بے حیائی کی طرف دوڑے جارہے ہیں ان کے ہاں بے پردگی غیر مردوں سے اپنی بیویوں کا ملنا جلنا باعث فخر ہے اسی بے حیائی کو مٹانے اسلام آیا تھا جسے اب پھیلایا جارہا ہے۔

۲؎ یعنی اسلام میں زنا کی بنا پر نسب کا دعویٰ کرنا درست نہیں نہ اس سے نسب ثابت ہوسکتا ہے۔

۳؎ لہذا اب زنا کی سزا آجانے کے بعد جو زنا کرے گا سنگسار کیا جائے گا لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس شخص کو اقرار زنا کی وجہ سے رجم کیوں نہ کیا اس لیے کہ یہ زنا دور جاہلیت میں ہوچکا تھا جب کہ نہ اسلام دنیا میں تشریف لایا تھا نہ اسلامی احکام حرمت زنا اور حدود شرعیہ۔

روایت ہے ان ہی سے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے چار عورتیں جن میں لعان نہیں ۱؎ عیسائن مسلمان کے نیچے یہودیہ مسلمان کے نیچے ۲؎ اور آزاد عورت غلام کے نیچے اور لونڈی آزاد کے نیچے ۳؎(ابن ماجہ)۴؎	

۱؎ یعنی اگر ان عورتوں کے خاوند انہیں زنا کا الزام دیں تو ان کے اور انکے خاوندوں کے درمیان لعان نہ ہوگا یہاں بین ازواجھن پوشیدہ ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ اگر الزام زنا لگانے والا خاوند غلام یا کافر ہو یا کبھی تہمت کی سزا پاچکا ہو جسے محدود فی القذف کہتے ہیں تب تو لعان نہ ہوگا مگر خاوند کو تہمت کی سزا اسی۸۰ کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ ان صورتوں میں خاوند گواہی کا اہل نہیں اور خاوند تو گواہی کا اہل ہو مگر بیوی اہل نہ ہو مثلًا بیوی لونڈی یا کافرہ یا چھوٹی لڑکی یا مجنونہ یا زانیہ ہو اسے کبھی

تہمت کی سزا لگ چکی ہو تو نہ تو لعان ہوگا نہ خاوند کو تہمت کی سزا لگے کیونکہ اس صورت میں لعان کی رکاوٹ عورت کی طرف سے ہے۔(دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ اور مرقات)غرضکہ لعان میں شرط یہ ہے کہ دونوں خاوند بیوی گواہی کے اہل ہوں کیونکہ لعان میں دونوں کی قسمیں مثل گواہی کے ہوتی ہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ آزاد عورت غلام سے نکاح کرسکتی ہے مگر اپنے غلام سے نہیں دوسرے کے غلام سے ،یہ نہیں ہوسکتا کہ مرد یہودی یا عیسائی ہو اور عورت مسلمان کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے نہیں ہوسکتا۔

۴؎ یہ حدیث دار قطنی نے بھی متعدد اسنادوں سے روایت کی اگر تمام اسنادیں ضعیف بھی ہوں تب بھی حدیث لائق عمل ہے کہ تعداد اسناد سے ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو لعان والوں کو لعان کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کو حکم دیا کہ پانچویں قسم پر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ لے ۱؎ اور فرمایا کہ یہ قسم واجب کرنے والی ہے ۲؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی جب لعان والا مرد چار قسمیں کھا چکا پانچویں کا ارادہ کیا تب دوسرے شخص کو یہ حکم دیا گیا تاکہ وہ پانچویں قسم سوچ سمجھ کر کھالے کہ اس قسم پر فیصلہ ہے یہ منہ پر ہاتھ رکھنا اسے خوف دلانے کے لیے ہے کہ اگر جھوٹا ہو تو اس قسم کی ہمت نہ کرے مگر صرف مرد کے منہ پر ہی ہاتھ رکھا نہ کہ عورت کے کیونکہ اجنبی عورت کے منہ پر اجنبی مرد ہاتھ نہیں رکھ سکتا کہ اس کا جسم چھوتا رہے حرام ہے اگر اس کام کے لیے کوئی عورت مقرر کردی جائے جو لعان والی عورت کے منہ پر ہاتھ رکھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۲؎ یعنی اس قسم سے یا گناہ و سزا یا تفریق واجب ہوجائے گی لہذا سوچ سمجھ کر یہ قسم کھاؤ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک رات تشریف لے گئے فرماتی ہیں کہ میں نے اس پر غیرت کی ۱؎ پھر آپ تشریف لائے تو دیکھا جو میں کررہی تھی ۲؎ فرمایا اے عائشہ کیا حال ہے کیا غیرت کھاگئیں میں بولی مجھے کیا ہوا کہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے پر غیرت نہ کرے ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آگیا ۴؎ بولیں یارسول اللہ کیا میرے ساتھ شیطان ہے فرمایا ہاں ۵؎ میں نے کہا اور آپ کے ساتھ یارسول اللہ فرمایا ہاں لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی حتی کہ وہ مؤمن ہوگیا ۶؎ (مسلم)	

۱؎ شعبان کی پندرھویں شب تھی حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا حضور رات کے آخری حصہ میں قبرستان دعا وغیرہ کے لیے تشریف لے گئے جناب ام المؤمنین سمجھیں کہ کسی دوسری زوجہ کے پاس تشریف لے گئے آپ کو اس چیز کی غیرت آئی کہ میری باری میں دوسری زوجہ کے پاس کیوں تشریف لے گئے یہ غیرت بمعنی رشک ہے نہ بمعنی شرم کہ اس پر شرم کیسی۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ میں بھی حضور کے پیچھے پیچھے گئی اور آگے آگے دوڑتی ہوئی آگئی،جب حضور تشریف لائے تو میری سانس پھولی ہوئی تھی،یہ واقعہ پندرھویں شعبان کی عبادات کے موقعہ پر مذکور ہوچکا وہ ہی یہاں مراد ہے۔(اشعہ)

۳؎ سبحان اللہ! کیا ایمان افروز پیارا جواب ہے یعنی مجھ جیسی محبت والی بی بی آپ جیسے سید المرسلین خاوند پر غیرت یا رشک کیوں نہ کرے،بخل برا ہے مگر آپ پر بخل اچھا ہے۔شعر

نیناں میں جو آن بسو تو نیناں جھانپ ہی لوں نہ میں دیکھوں اور کو نا توئے دیکھن دوں

اللہ تعالٰی اس مبارک ماں کے صدقے سے ہم گنہگاروں کو بھی عشق رسول کی رمق عطا فرمائے۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب سوز صدیق و علی از حق طلب

۴؎ یعنی تمہاری یہ غیرت شیطانی اثر سے ہے کیونکہ ہم سید الانبیاء ہیں کسی بیوی پر ظلم نہیں فرماتے اگرچہ ہم پر بیویوں کی باریاں واجب نہیں مگر پھر بھی کسی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں بغیر اس کی اجازت نہیں جاتے حضور کا عدل تو اس حد تک ہے کہ مرض وفات شریف میں دوسری بیویوں کی اجازت سے آخری ایام زندگی حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں گزارے۔اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی شان یہ ہے کہ حضور انور نے آپ کے سینہ پر وفات پائی اور آپ کے حجرے میں تاقیامت آرام فرمالیا۔شعر

ان کا سینہ ہے نبی کی آخری آرامگاہ ان کے حجرے میں نبی ہیں تا قیامت جاگزیں

۵؎ اس شیطان سے مراد قرین ہے جو ہر وقت ہر ایک شخص کے ساتھ رہتا ہے ہر ایک انسان کا علیحدہ شیطان ہے۔آگیا فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اس نے فریب دے دیا۔

۶؎ اس عبارت کا یہ ترجمہ نہایت ہی قوی ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ اسلم میم کے پیش سے ہے متکلم مضارع یعنی میں اس کے شر سے سلامت رہتا ہوں،بعض نے فرمایا کہ اسلم ہے تو میم کے فتح سے واحد غائب ماضی مگر معنے کرتے ہیں کہ وہ میرا مطیع ہوگیا اس نے مجھے نیکی سے نہ روکا،لیکن یہ معنی فقیر کے نزدیک قوی نہیں کہ یہ بات تو بہت سے اولیاء اللہ اور عام صحابہ کرام بلکہ عائشہ صدیقہ کو بھی میسر تھی کہ رب کے فضل سے شیطان انہیں بہکا نہیں سکتا،یہاں ایسے خصوصی معنے مراد ہیں جو حضور کی خصوصیات سے ہوں دوسرے کو میسر نہ ہوں وہ یہ ہی ہیں کہ حضور کا قرین شیطان حضور کی صحبت کی برکت سے مؤمن صالح ہوگیا۔جب شیطان جس کی سرشت میں طغیان ہے وہ حضور کے ساتھ رہنے کی برکت سے مؤمن صالح بن گیا تو تمام صحابہ کرام خصوصًا خلفاء راشدین خصوصًا سفر وحضر،قبر گھر،حشر،کے ساتھی ابوبکر صدیق کے ایمان و تقویٰ کا کیا پوچھنا محض جس کو رب تعالٰی حضور کا ساتھی فرمارہا ہے۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین۔

باب العدۃ

عدت کا بیان ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎ لغت میں عدت عین کے کسرہ سے بمعنی شمار و گنتی ہے، عین کے پیش سے بمعنی تیاری۔شریعت میں اس انتظار کرنے کو عدت کہتے ہیں جو نکاح یا شبہ نکاح کے زائل ہونے کے بعد کیا جائے کہ اس زمانہ میں دوسرا نکاح کرنا ممنوع ہو۔عدت عورت پر واجب ہے نہ کہ مرد پر ہاں مقام دو ہیں جہاں مرد کو بھی انتظار کرنا پڑتا ہے جیسے مطلقہ بیوی کی بہن بھانجی خالہ وغیرہ سے اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتا جب تک وہ عدت میں ہے۔خیال رہے کہ عورت کی عدت تین قسم کی ہے: وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے، طلاق وغیرہ کی عدت حاملہ کے لیے حمل جن دینا غیر حاملہ بالغہ کے لیے تین حیض غیر حاملہ،نابالغہ اور بہت بوڑھی کے لیے تین ماہ۔ طلاق کے علاوہ فسخ نکاح میں بھی عدت واجب ہے خواہ فسخ خاوند کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے عدت بہرحال ہوگی۔(شامی،مرقات)

	روایت ہے حضرت ابو سلمہ سے وہ حضرت فاطمہ بنت قیس ؎ سے راوی کہ ابو عمرو ابن حفص نے انہیں طلاق بات دے دی جبکہ وہ غائب تھے ؎ تو ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کو کچھ جو بھیجے وہ ان پر ناراض ہوئیں تو وکیل نے کہا اللہ کی قسم تمہارا ہم پر کچھ حق نہیں ؎ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا حضور نے فرمایا تمہارے لیے خرچہ نہیں ؎ پھر انہیں حکم دیا ام شریک کے گھر عدت گزاریں ؎ پھر فرمایا کہ وہ ایسی بی بی ہیں جن کے پاس ہمارے صحابہ گھیرے رہتے ہیں ؎ تم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارو وہ نابینا آدمی ہیں ؎ تم اپنے یہ کپڑے اتار دو ؎ پھر جب تم فارغ ہوجاؤ تو مجھے اطلاع دینا فرماتی ہیں کہ جب میں فارغ ہوگئی تو میں نے حضور سے عرض کیا کہ معاویہ ابن ابوسفیان اور ابوجہم نے پیغام دیا ؎ تو فرمایا کہ ابوجہم ؎ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے اتارتے

	ہی نہیں ۱۱؎ رہے معاویہ وہ بہت تنگدست ہیں جن کے پاس مال نہیں ۱۲؎ تم اسامہ ابن زید سے نکاح کرلو میں نے انہیں ناپسند کیا ۱۳؎ حضور نے پھر فرمایا کہ اسامہ سے نکاح کرلو میں نے ان سے نکاح کرلیا تو اللہ نے اس نکاح میں بہت خیر دی کہ مجھ پر رشک کیا گیا ۱۴؎ اور ان ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہم بیویوں کو بہت مارنے والے ہیں(مسلم)اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے خاوند نے انہیں تین طلاقیں دے دیں ۱۵؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضور نے فرمایا تمہارے لیے خرچہ نہیں مگر اس صورت میں کہ حاملہ ہوتیں ۱۶؎

۱؎ آپ ابوسلمہ ابن عبدالرحمان ابن عوف مدنی ہیں جلیل القدر تابعی مدینہ پاک کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں اور فاطمہ بنت قیس قرشیہ ہیں۔حضرت ضحاک کی بہن ہیں بہت جمال عقل و کمال والی بی بی ہیں،مہاجرین اولین سے ہیں،پہلے ابو عمرو ابن حفص کے نکاح میں تھیں انہوں نے طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اسامہ ابن زید سے کیا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎ طلاق بات وہ طلاق ہے جو نکاح کو بالکل ہی ختم کردے جس کے بعد بغیر حلالہ نکاح نہ ہوسکے یعنی تین طلاقیں یا تیسری طلاق،یہاں پہلے معنے مراد ہیں یعنی تین طلاقیں(لمعات اور مرقات)

۳؎ یعنی ابو عمرو کے وکیل نے عدت کے خرچہ کے لیے تھوڑے سے جو بھیج دیئے جو حضرت فاطمہ نے ناپسند کیے کہ جو تھے وہ بھی تھوڑے وکیل نے کہا کہ یہ بھی ہماری مہربانی ہے ورنہ تم اس کی بھی حقدار نہیں ہو کیونکہ تم حاملہ نہیں اور عدت کا خرچہ مطلقہ حاملہ کو ہے۔

۴؎ یعنی تم کو وہ خرچہ نہیں ملے گا جو تم چاہتی ہو،معمولی خرچہ مل چکا اس حدیث کی بنا پر حضرت ابن عباس و احمد نے فرمایا کہ غیر حاملہ مطلقہ کو نہ عدت میں خرچہ ملے گا نہ گھر، امام مالک و شافعی نے فرمایا کہ گھر تو ملے گا مگر خرچہ نہ ملے گا، ہمارے امام اعظم کا فرمان ہے کہ خرچہ و گھر دونوں ملیں گے،یہ ہی فرمان ہے حضرت عمر کا،جناب عمر نے فرمایا کہ ہم قرآن و حدیث کے مقابل صرف ان فاطمہ کا قول قبول نہیں کرسکتے،قرآن فرماتا ہے:"اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ"اور میں نے سرکار کو فرماتے خود سنا کہ ہر مطلقہ کے لیے گھر بھی ہے خرچہ بھی۔یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں فاطمہ کے مطلوبہ خرچہ کی نفی ہے اور گھر سے منتقل کردینا کسی مجبوری سے تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے امام شافعی کی دلیل یہ آیت ہے:"وَ اِنۡ کُنَّ اُولٰتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَیۡهِنَّ"۔جس سے معلوم ہوا کہ صرف حاملہ مطلقہ کو عدت کا خرچہ ملے گا غیر مطلقہ کو نہیں، ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ غیر حاملہ کو خرچہ نہ ملنا اس

آیت سے ثابت نہیں ہوتا یہاں حاملہ کا ذکر اس لیے ہے کہ کبھی حمل کی مدت دراز ہوجاتی ہے فرمایا گیا خواہ کتنا ہی لمبا زمانہ حمل ہو خرچہ دیئے جاؤ۔(مرقات)

۵؎اس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ حضور نے فاطمہ کو ان کے خاوند کے گھر سے کیوں منتقل فرمایا۔

۶؎صحابہ سے مراد ام شریک کے بال بچے عزیز و قرابتدار ہیں۔(مرقات)کیوں ام شریک غنیہ سخیہ مہمان نواز بی بی تھیں۔

۷؎تم کو دیکھ نہیں سکتے اور دوسرے صحابہ ان کے گھر آتے جاتے نہیں لہذا تمہاری وہاں بے پردگی نہ ہوگی۔خیال رہے کہ یہاں حضرت فاطمہ کو یہ اجازت نہ دی گئی کہ وہ ابن ام مکتوم کو دیکھیں،لہذا حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے"یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصٰرِهِنَّ"اور نہ اس حدیث ام سلمہ کے خلاف ہے افعمیاوانتما عورت بھی اجنبی مرد کو نہیں دیکھ سکتی۔

۸؎یہ نیا حکم ہے یعنی زمانہ عدت میں زینت کا لباس اتار دو یا گزشتہ کا حال یعنی تم وہاں آزاد ہوگی وہاں کوئی جاتا آتا نہیں تمہیں کوئی دیکھے گا نہیں۔

۹؎یعنی عدت گزر چکنے کے بعد مجھے ان دو شخصوں نے پیغام نکاح دیا ہے حضور کی رائے کیا ہے۔

۱۰؎آپ کا نام عامر ابن حذیفہ ہے عدوی ہیں ثقفی ہیں قرشی ہیں انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے سادہ کپڑا خریدا تھا انبجانیہ ابو جہم۔

۱۱؎یعنی ہمیشہ سفر ہی میں رہتے ہیں گھر بہت ہی کم بیٹھتے ہیں یا اپنی بیوی کو مارتے بہت ہیں،دوسرے معنے زیادہ قوی ہیں کیونکہ آگے آرہا ہے۔ضرب للنساء وہ روایت اس کی تفسیر ہے۔خیال رہے کہ یہ غیبت نہیں بلکہ حضرت فاطمہ کی خیر خواہی ہے پیغام نکاح کے موقعہ پر زوجین میں سے ایک دوسرے کے عیوب کی خبر دینا جائز ہے تاکہ آئندہ خانہ جنگی نہ ہوغیبت حرام میں بہت سی قیود ہیں جو ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیں۔

۱۲؎اور ان کے باپ ابوسفیان کنجوس آدمی ہیں جو اپنے بچوں کو خرچ نہیں دیتے تم کو کیا دیں گے۔ اللہ اکبر یہ وہ معاویہ ہیں جو بعد میں اتنے غنی ہوگئے کہ ان کا لقب امیر معاویہ ہوا رضی اللہ عنہ،اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ عورت کو اچھا مشورہ دیا جائے اور جو بیوی کے نفقہ دینے پر قادر نہ ہو اس سے نکاح کرنا بہتر نہیں اگرچہ جائز ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ"ایسے غریب آدمی کو روزہ رکھنا بہتر ہے۔وہ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایسے شخص سے کیا جو صرف کمبل کا مالک تھا اس کے گھرمیں کچھ نہ تھا وہ بیان جواز کے لیے تھا اوروہ عورت ایسی صابرہ شاکرہ تھی کہ مرد کے ساتھ فقر و فاقہ برداشت کرسکتی تھی،نیز وہ صاحب بعد میں بہت جلد مال دار ہوگئے۔

۱۳؎کیونکہ حضرت اسامہ سیاہ فام تھے اور مشہور تھا کہ وہ غلام زادے ہیں اور میں قریشہ عالی نسب تھی مگر حضرت اسامہ حضور کے محبوب اور نہایت متقی عالم تھے۔

۱۴؎یعنی اللہ تعالٰی نے ہم دونوں میاں بیوی میں ایسا اتفاق و سلوک بخشا کہ دوسری عورتوں نے مجھ پر رشک کیا ۔خیال رہے کہ ایسے امور میں رشک جائز ہے حسد حرام،اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے عورت کو پیغام پر پیغام

دینا جائز ہے جب کہ پہلے سے بات چیت طے نہ ہوئی ہو غیر کفو سے نکاح درست ہے جب کہ عورت کے ولی راضی ہوں کفایت میں مال کا بھی اعتبار ہے حتی کہ امام شافعی کے ہاں نفقہ سے عاجز شوہر کی بیوی فسخ نکاح کراسکتی ہے۔(مرقات) نکاح میں بزرگوں سے مشورہ کرلینا بہتر ہے مشورہ ہمیشہ اچھا دینا چاہیے پیغام و سلام کی حالت میں فریقین کے واقعی عیوب کا بیان کردینا اچھا ہے تاکہ آئندہ خرابیاں نہ پڑیں بیوی کو مارنا جائز ہے مگر اچھا نہیں۔

۱۵؎ یہ عبارت طلاق بتّہ کی شرح ہے کہ اس سے مراد تین طلاقیں تھیں نہ کہ تیسری طلاق۔

۱۶؎ یہاں نفقہ سے مراد بہت عرصہ تک نفقہ ہے یعنی حاملہ مطلقہ کو عرصہ دراز تک نفقہ ملتا ہے جب تک کہ وہ بچہ نہ جن دے اور جننے کے بعد بھی بعض صورتوں میں بچہ کی پرورش کانفقہ ملتا رہتا ہے غیر حاملہ کو تھوڑی مدت صرف تین حیض تک نفقہ ملتا ہے لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کریم کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے،اس کی بحث ابھی ہوچکی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ فاطمہ ایک سنسان مکان میں تھیں ۱؎ ان کے آس پاس پر خوف کیا گیا ۲؎ اس لیے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی یعنی منتقل ہو جانے کی ۳؎ اور ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں کیا ہوا فاطمہ کو کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ مطلقہ کو نہ مکان ہے نہ خرچہ ۴؎ (بخاری)	

۱؎ وحش کے معنے ہیں خالی،اجاڑ جہاں رہنے سے وحشت و دہشت طاری ہو،اسی سے ہے وحشی جانور یعنی لوگوں سے متنفر اور انسانوں سے الگ رہنے والا۔

۲؎ یعنی چونکہ وہ گھر بستی اور آبادی میں نہ تھا اس لیے چوری وغیرہ کا خطرہ تھا۔

۳؎ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کو زمانہ عدت میں جو حضرت ابن ام مکتوم کے گھر چلے جانے کی اجازت دی گئی اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ غیر حاملہ مطلقہ کو عدت گزارنے کے لیے خاوند کی طرف سے گھر نہیں ملتا گھر تو ملا تھا مگر خطرناک تھا،اب بھی فقہاء فرماتے ہیں کہ عدت میں عورت ان مجبوریوں میں دوسرے گھر منتقل ہو کر عدت گزار سکتی ہے۔

۴؎ یعنی فاطمہ جو فتوی دیتی ہے کہ غیر حاملہ مطلقہ کو عدت کے زمانہ میں نہ خرچہ ملے نہ مکان اور اس فتویٰ کی سند میں اپنا مذکورہ واقعہ بیان کرتی ہیں اور اس حکم کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتی ہیں غلط ہے ان کے منتقل ہونے کی وجہ کچھ اور تھی وہ پوری بات بیان نہیں کرتیں۔معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ام المؤمنین کا مذہب بھی یہ ہی ہے کہ طلاق کی عدت میں گھر اور خرچہ دونوں خاوند کے ذمہ ہے یہ ہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے لہذا حدیث فاطمہ امام اعظم کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے فرماتے ہیں کہ فاطمہ منتقل کی گئی اپنے دیوروں پر زبان درازی کی وجہ	

	سے ۱؎(شرح سنہ)

۱؎یعنی فاطمہ اکیلے گھر میں تھیں اور ان کے دیور وغیرہ ان کے پاس تھے مگر تھیں سخت طبیعت،سخت زبان جب انہیں طلاق ہوگئی تو دیوروں نے ان کے پاس رہنا گوارا نہ کیا ان کی سختی کی وجہ سے اب بالکل اکیلی رہ گئیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں سے منتقل ہوجانے کی اجازت دی بلکہ حکم فرمادیا لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ وہ سنسان مکان میں تھیں بہرحال جناب فاطمہ کا گھر سے منتقل ہوجانا کسی مجبوری و معذوری کی وجہ سے تھا ورنہ عدت کا خرچہ و مکان خاوند کے ذمہ ہے۔اس جگہ مرقات نے فرمایا کہ حضرت عمر نے فاطمہ کی یہ حدیث رد فرمادی اور فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نہیں چھوڑ سکتے کیا خبر انہیں یاد رہا یا بھول گئیں عدت طلاق میں گھر اور خرچہ ملنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے۔حضرت اسامہ نے جناب فاطمہ سے نکاح کرلیا مگر ان کی یہ حدیث انہوں نے بھی قبول نہ کی۔ حضرت ابن مسعود جابر،عائشہ صدیقہ، اسامہ ابن زید حضرت عمرو غیرہم جمہور صحابہ کا یہ ہی مذہب ہے کہ عدت طلاق میں خرچہ و مکان ملے گا ۔حدیث فاطمہ رضی اللہ عنھا مضطرب ہے، بعض روایات میں ہے فاطمہ کے خاوند نے طلاق دی پھر سفر کو گئے ،بعض میں ہے کہ سفر میں جا کر طلاق بھیجی، بعض روایات میں ہے کہ خود فاطمہ نے مسئلہ حضور سے پوچھا،بعض میں ہے کہ خالد ابن ولید نے پوچھا، بعض روایات میں ہے کہ ان کے خاوند ابو عمر ابن حفص نے طلاق دی، بعض میں ہے کہ ابو جعفر ابن مغیرہ نے انہیں طلاق دی اس وجہ سے یہ حدیث ناقابل عمل ہے اسے حضرت عمر ،زید ابن ثابت، مروان ابن حکیم، سعید ابن مسیب شعبی، حسن بصری، اسود ابن یزید،سفیان ثوری، امام احمد ابن حنبل نے رد کردیا لہذا یہ حدیث ناقابل عمل ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں ۱؎تو انہوں نے اپنے کھجوروں کے پھل توڑنا چاہے تو ایک شخص نے انہیں باہر جانے سے منع کیا ۲؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں حضور نے فرمایا ہاں اپنے کھجوروں کے پھل توڑو ممکن ہے تم خیرات کرو یا بھلے کام کرو ۳؎(مسلم)

۱؎یا ایک دم یا علیحدہ دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎اس خیال سے کہ بحالت عدت عورت کو گھر سے نکلنا ممنوع ہے۔

۳؎یعنی تمہارے لیے دن میں گھر سے نکل کر باغ جانا وہاں پھل توڑنا جائز ہے کہ اس پھل سے تم نیک کام کرو گی،زکوۃ دینا،صدقہ و خیرات اور ہدیہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ طلاق کی عدت میں عورت مزدوری کے لیے گھر سے باہر نہیں جاسکتی کیونکہ اس کا خرچہ طلاق دینے والے خاوند کے ذمہ ہے اسے مزدوری کی حاجت نہیں اور عدت وفات میں عورت مزدوری کے لیے دن میں باہر جاسکتی ہے رات گھر میں گزارے کیونکہ اس عدت میں خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں،یہاں مزدوری کے واسطے نکلنا نہ تھا بلکہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے تھا اس مجبوری میں اب بھی نکلنا درست ہے بشرطیکہ رات گھر میں آکر گزارے۔

روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے کہ سبیعہ اسلمیہ اپنے خاوند۱ کی وفات کے چند دنوں بعد نفاس والی ہوگئیں ۲ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ سے نکاح کرلینے کی اجازت مانگی حضور نے انہیں اجازت دیدی تو انہوں نے نکاح کرلیا ۳(بخاری)	

۱ اس کے خاوند سعد ابن خولہ تھے جو حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ میں وفات پاگئے،بدر میں حاضر ہوئے تھے۔مسور ابن مخرمہ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں کہ یہ عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھانجہ ہیں ۲ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۸ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

۲ یعنی حاملہ تھیں اپنے خاوند کی وفات کے چند دن بعد بچہ پیدا ہوگیا تھا نفاس آنے سے یہ ہی مراد ہے۔

۳ اس پر امت کا اجماع ہے کہ حاملہ کی عدت حمل جن دینا ہے،خواہ مطلقہ ہو یا وفات والی،اگرچہ طلاق یا وفات کے ایک منٹ بعد ہی بچہ پیدا ہوجائے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی عدت **ابعد الاجلین** ہے یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل ہی سے جو بعد میں ہو وہ عدت ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں بولیں یارسول اللہ میری اس بچی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اورا س کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا ہم اسے سرمہ لگائیں ۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں دو بار یا تین بار ہر دفعہ یہ ہی فرماتے تھے نہیں ۲ پھر فرمایا اب تو چار ماہ دس دن ہی ہیں زمانہ جاہلیت میں تو تم میں سے ہر ایک پورے سال پر مینگنی پھینکتی تھی ۳(مسلم)	

۱ یعنی عورت پر عدت میں سوگ واجب ہے ترک زینت اور سرمہ بھی زینت میں داخل ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ اس مجبوری میں سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں۔

۲ یعنی وہ بار بار سوال دھراتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار انکار فرمادیتے تھے، اس حدیث کی بنا پر امام احمد فرماتے ہیں کہ سیاہ سرمہ جس میں زینت ہوتی ہے عدت وفات میں ہرگز جائز نہیں خواہ بیماری ہو یا نہ ہو، امام مالک کے ہاں بیماری میں جائز ہے، امام شافعی کے ہاں بیماری میں رات کو لگالے دن میں صاف کردے ہمارے ہاں بھی بیماری میں دواءً لگانا درست ہے بشرطیکہ سرمہ کے سواء اور کوئی دوامفید نہ ہو یہاں دوسری دوا مفید ہوگی اس لیے منع فرمایا۔

۳ اسلام سے پہلے عرب میں بیوہ عورت خاوند کے انتقال کے بعد ایک سال تک برے مکان،برے لباس میں رہتی اور تمام گھر والوں سے علیحدگی اختیار کرتی تھی سال کے بعد اس کے قرابتدار جمع ہوتے اور کوئی جانور اس کے پاس لاتے جسے وہ

اپنی شرمگاہ سے لگاتی تھی اکثر وہ جانور مرجاتا تھا پھر اس کے قرابتدار اسے اونٹ یا بکری کی مینگنی دیتے تھے جسے وہ اپنے ہاتھ سے پھینکتی تھی یہ مینگنی کا پھینکنا عدت کا پورا ہونا ہوتا تھا اس ارشاد عالی میں اس جانب اشارہ ہے یعنی اب تو تم چار ماہ دس دن کی عدت میں صبر نہیں کرسکتیں مگر زمانہ جاہلیت میں ایک سال تک عدت گزارتیں اور عدت کے زمانہ میں سخت پابندیاں برداشت کرتی تھیں۔خیال رہے کہ اسلام میں بھی پہلے وفات کی عدت ایک سال تھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"مَتٰعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ"پھر یہ حکم منسوخ ہو کر چار ماہ دس دن ہوا،اب بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے خواہ صحبت و خلوت ہوئی ہو یا نہ بشرطیکہ عورت حاملہ نہ ہو حاملہ بیوہ کی عدت حمل جن دینا ہے عدت کے پورے مسائل ہمارے فتویٰ نعیمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ام حبیبہ اور زینب بنت جحش سے۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں نہیں حلال کسی ایسی عورت کو جو اللہ و قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۲؎ یہ کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے خاوند کے اس پر چار ماہ دس دن ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ دونوں بیبیاں امہات المؤمنین میں سے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ انکے حالات پہلے بیان ہو چکے۔

۲؎ **لایحل** اور اللہ قیامت پر ایمان فرمانا آئندہ حکم کی تائید کے لیے ہے یعنی یہ حکم اشد ضروری ہے اس پر عمل ہر مؤمن عورت کو چاہیے۔

۳؎ یعنی عورت کسی عزیز و قرابتدار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے باپ بیٹا بھائی کوئی بھی فوت ہوجائے اس پر تین دن تک سوگ یعنی ترک زینت کرسکتی ہے مگر خاوند کی موت پر پوری عدت کے زمانہ میں سوگ کرے کہ نہ خوشبو لگائے نہ زینت کا لباس پہنے یہ مدت غیر حاملہ کے لیے ہے حاملہ کی عدت تو حمل جن دینا ہے وہ اس وقت تک سوگ کرے۔اس حدیث سے ان نادان سنیوں کو عبرت لینی چاہیے جو محرم میں دس دن کوٹتے پیٹتے ہیں چار پائی پر نہیں سوتے اچھا لباس نہیں پہنتے کالے کپڑے پہنتے ہیں یہ سب حرام ہے اور روافض کی پیروی حضرات اہل بیت اطہار نے کبھی نہ کئے۔

روایت ہے ام عطیہ سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے بجز خاوند کے کہ اس پر چار ماہ دس دن کرے اور رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے سوائے بناوٹی رنگین کپڑے کے ۲؎ اور نہ سرمہ لگائے ۳؎ نہ خوشبو لگائے مگر جب کہ پاک ہو تو ایک ٹکڑہ قسط یا اظفار کا	

	۴؎(مسلم،بخاری)ابوداؤد نے زیادہ فرمایا کہ نہ خضاب کرے ۵؎

۱؎آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے،کنیت ام عطیہ،اکثر غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں،بیماروں کی دوا،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں آخر میں بصرہ میں رہیں وہاں ہی انتقال فرمایا۔

۲؎عصب کی شرح میں شارحین کا اختلاف ہے۔مرقات نے فرمایا کہ عصب ایک گھاس ہے جو عموماً یمن میں پیدا ہوتی ہے اس کا رنگ مائل بہ سیاہی ہوتا ہے،اس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں جس سے پھیکا سیاہ رنگ ہوتا ہے یعنی بھکنا چونکہ یہ رنگ زینت میں داخل نہیں اس لیے اس کی اجازت دی گئی،اس بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ عدت میں سیاہ رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے مگر اشعۃ اللمعات ولمعات میں فرمایا کہ عصب وہ کپڑا ہے جس کا سوت رنگ لیا جائے بعد میں بنا جائے ایسے رنگین کپڑے زینت میں داخل نہیں ہوتے بننے کے بعد رنگنا زینت ہے،امام شافعی کے ہاں ایسا کپڑا پہننا مطلقًا جائز ہے باریک ہو یا موٹا امام مالک کے ہاں موٹا جائز باریک ممنوع،ہمارے امام صاحب کے ہاں بہتر یہ ہے کہ عدت میں ایسے لباس سے بھی بچے۔

۳؎زینت کے لیے سیاہ سرمہ نہ لگائے سفید سرمہ لگائے جس سے زینت نہ ہو،یوں ہی علاج کے لیے ضرورت کے موقعہ پر سرمہ لگالینا جائز ہے جب کہ آنکھ میں بیماری ہو اور سواء سرمہ کے اور کوئی علاج نہ ہو بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر سرمہ کو مطلقًا ممنوع قرار دیا۔

۴؎قسط اور اظفار مشہور خوشبو دار لکڑیاں ہیں اظفار کی لکڑی سیاہ رنگ کی ہوتی ہے کٹے ہوئے ناخن کے مشابہ اس لیے اسے اظفار کہتے ہیں یعنی عدت والی عورت جب حیض سے فارغ ہو تو یہ خوشبو شرمگاہ پر مل سکتی ہے کہ اس سے صرف بدبو کا دفع کرنا مقصود ہے نہ کہ جسم کا مہکانا۔خیال رہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہی ہے کہ ہر وفات والی معتدہ عورت پر سوگ واجب ہے ،بعض احناف فرماتے ہیں کہ مؤمنہ بالغہ معتدہ پر عدت میں سوگ ہے کتابیہ یا نابالغہ پر سوگ نہیں وہ حضرات اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور نے فرمایا جو عورت اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو وہ سوگ کرے۔واللہ اعلم!

۵؎یعنی نہ بالوں میں مہندی یا وسمہ لگائے نہ ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے کہ یہ بھی زینت میں داخل ہے اور زینت اس کے لیے ممنوع ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت زینب بنت کعب سے ۱؎کہ فریعہ بنت مالک ابن سنان جوابو سعید خدری کی بہن ہیں انہوں نے انہیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ سے اپنے گھر لوٹ جانے

	کے متعلق پوچھتی تھیں جو بنی خدرہ میں تھا ۲؎ کیونکہ ان کے خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کے پیچھے گئے غلاموں نے انہیں قتل کردیا ۳؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے گھر لوٹ جاؤں کیونکہ میرے خاوند نے مجھے کسی ایسے گھر میں نہ چھوڑا جس کا وہ مالک ہو نہ خرچہ میں ۴؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں ۵؎ چنانچہ میں لوٹ گئی حتی کہ جب میں حجرہ یا مسجد میں پہنچی تو مجھے بلایا ۶؎ اور فرمایا اپنے گھر میں رہو حتی کہ قرآنی حکم اپنی معیاد کو پہنچ جائے ۷؎ فرماتی ہیں کہ میں نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری ۸؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)۹؎

۱؎ آپ زینب بنت کعب ابن عجرہ انصاریہ ہیں بنی سالم ابن عوف قبیلہ سے ہیں تابعیہ ہیں بڑی عالمہ زاہدہ فقیہ تھیں۔

۲؎ یعنی انہیں اپنے خاوند کی وفات کی خبر اور گھر میں ملی تھی آپ چاہتی تھیں کہ اپنے میکہ جا کر عدت گزاریں ان کے میکہ کا گھر بنی خدرہ میں تھا اسی وجہ سے انکے بھائی کو ابوسعید خدری کہا جاتا ہے یعنی قبیلہ بنی خدرہ میں رہنے والے۔

۳؎ یہ قتل کا واقعہ مقام قدوم میں ہوا جو مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر ہے،اس قتل کی خبر مدینہ میں ان بی بی صاحبہ کو پہنچی۔

۴؎ نفقة مجرورہے کیونکہ منزل پر معطوف ہے یعنی میرے خاوند نے نہ تو اپنا مملوکہ مکان چھوڑا ہے جس میں اپنی عدت کا زمانہ گزار لوں،اور نہ خرچہ چھوڑا ہے جو وہاں بیٹھ کر کھاؤں،معلوم ہوتا ہے کہ کرایہ کے مکان میں تھیں یا کسی نے اپنا مکان انہیں عاریۃً دیا ہوگا۔

۵؎ یعنی جب ایسی مجبوری ہے تو اپنے میکے چلی جاؤ وہاں ہی عدت گزارو۔

۶؎ یا خود ہی مجھے آواز دے کر بلالیا یا کسی خادم کو حکم دیا جس نے مجھے واپس لوٹایا۔

۷؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری فرمان عالی پہلے حکم کا ناسخ ہے۔اولًا ان بی بی کو منتقل ہونے کی اجازت دی پھر اس اجازت کو منسوخ فرمادیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عمل سے پہلے بھی حکم منسوخ ہوسکتا ہے۔شب معراج میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا مگر پینتالیس نمازیں عمل سے پہلے ہی منسوخ ہوگئیں۔ امام شافعی وغیرہم فرماتے ہیں کہ پہلا حکم جواز کے لیے تھا دوسرا استحباب کے لیے کیونکہ ان کے ہاں معتدہ کو مکان نہیں ملتا ۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ معتدہ اپنے اسی مکان میں عدت گزارے جہاں خاوند کی موت کی خبر پائے،ہوسکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں پتہ لگا ہو کہ مکان والا ان بی بی صاحبہ کو مکان سے نکالے گا نہیں تب یہ حکم دیا ہو،ورنہ اگر معتدہ کرایہ یا عاریۃً کے مکان میں ہو اور مالک مکان اب نہ رہنے دیتا ہو تو عورت کو منتقل ہوجانے کی اجازت ہے۔

۸؎ زمانہ عثمانی میں حضرت عثمان غنی نے ان بی بی صاحب کو بلا کر یہ حدیث ان سے سنی اور اس پر ہی عمل کا حکم دیا کہ معتدۂ وفات کو عدت میں مکا ن سے نہ نکالاجائے۔یہ ہی قول ہے حضرت عمر عثمان،عبداللہ ابن عمرو ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا۔(مرقات)

۹؎ یہ حدیث ابن حبان و حاکم نے بھی نقل کی،حاکم نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح و محفوظ ہے۔دارقطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معتدہ جہاں چاہے غسل کرے اس کی اسناد میں ابو مالک نخعی اور محبوب ابن محرز ہیں یہ دونوں ضعیف ہیں،نیز اس میں عطاء ابن صائب مختلط ہے اور ابوبکرابن مالک ضعیف تر ہے اسی لیے اسے دار قطنی نے ہی معلل فرمادیا۔غرضکہ وہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں(مرقات)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے ایلوالگا رکھا تھا ۱؎ تو فرمایا اے ام سلمہ یہ کیا ہے ؟ میں بولی وہ ایلوا ہے جس میں خوشبو نہیں ۲؎ تو فرمایا کہ یہ چہرے کو رنگین تو کرتا ہے لہذا یہ نہ لگاؤ مگر رات میں ۳؎ اور دن میں چھوڑ دو اور نہ خوشبو دار تیل اور نہ مہندی لگاؤ کہ مہندی خضاب ہے ۴؎ میں بولی کہ پھر کنگھی کس چیز سے کروں یا رسول اللہ ؟ ۵؎ فرمایا بیری سے کہ اس سے اپنے سر کا لیپ کرلو ۶؎ (ابوداؤد،نسائی) ۷؎

۱؎ یعنی کسی وجہ سے اپنے چہرے پر ایلو کا لیپ کیا ہوا تھا۔(مصبر)مشہور کڑوی دوا ہے۔

۲؎ یعنی عدت میں خوشبو لگانا منع ہے اور ایلوے میں خوشبو ہے نہیں اس وجہ سے میں نے اس کا لیپ کرلیا۔

۳؎ یعنی عدت میں صرف خوشبو ہی ممنوع نہیں بلکہ زینت بھی ممنوع ہے ایلوا خوشبودار تو نہیں مگر چہرے کا رنگ نکھار دیتا ہے اسے رنگین بھی کردیتا ہے لہذا زینت ہونے کی وجہ سے اس کا لیپ ممنوع ہے اگر لیپ کی ضرورت ہی ہو تو رات میں لگالیا کروکہ وہ وقت زینت کا نہیں،دن میں دھو ڈالا کرو **یشب شیوب** سے بنا بمعنی آگ بھڑکا دینا اسی لیے جوانی کو شباب کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں شہوت بھڑکی ہوتی ہے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی زمانہ عدت میں خوشبودار تیل بدن کے کسی حصہ خصوصًا سر میں استعمال نہ کرو اور ہاتھ پاؤں اور سر میں مہندی نہ لگاؤ کہ مہندی میں بھینی خوشبو بھی ہے رنگت بھی۔

۵؎ یعنی عورت کو سر دھونے کنگھی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب یہ چیزیں مجھے ممنوع ہوگئیں تو یہ ضرورت کیسے پوری کروں۔

۶؎ **تغلفین غلف** سے بنا پردہ و غلاف یعنی بیر ی کے پتے اتنی تھوپ سکتی ہو کہ تمام بال چھپ جائیں اور بیری سر کا غلاف بن جائے۔

۷؎ یہ حدیث احمد نے بھی نقل کی مگر یہ اسناد ضعیف۔خیال رہے کہ خوشبو دار تیل لگانا معتدہ کے لیے بالاجماع ممنوع ہے مگر بغیر خوشبو کا تیل امام اعظم و شافعی کے ہاں ممنوع ہے امام احمد و مالک کے ہاں جائز وہ دونوں امام فرماتے ہیں کہ اس تیل سے زینت حاصل ہوجاتی ہے ضرورۃً جائز ہے۔مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جس کا خاوند فوت ہوجائے،وہ نہ تو زعفرانی کپڑے پہنے اور نہ سرخ رنگ کے ۱؎ اور نہ زیور پہنے اور نہ خضاب لگائے نہ سرمہ لگائے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ **ممشقه مشق** سے بنا **مشق** سرخ رنگ کو بھی کہتے ہیں اورگیرد کو بھی۔مطلب یہ ہے کہ عدت وفات والی عورت سرخ کپڑے نہ پہنے کہ یہ زینت ہے۔

۲؎ سیاہ سرمہ لگانا اسے منع ہے جس سے آنکھ میں زینت ہوتی ہے علماء فرماتے ہیں کہ خارش وغیرہ عذر کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہن سکتی ہے امام مالک کے ہاں ادنی ریشمی سیاہ کپڑا پہننا بہرحال جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱؎ کہ حضرت احوص شام میں فوت ہوگئے ۲؎ جب کہ ان کی بیوی تیسرے حیض میں داخل ہوئیں وہ انہیں طلاق دے چکے تھے ۳؎ تو حضرت معاویہ ابن ابوسفیان نے زید ابن ثابت کو خط لکھا ان سے اس کے متعلق دریافت کرتے تھے ۴؎ تو حضرت زید نے انہیں لکھا کہ وہ جب تیسرے حیض میں داخل ہوگئیں تو اپنے خاوند سے علیحدہ ہوچکیں اور وہ ان سے علیحدہ ہوگئے ۵؎ نہ یہ ان کی وارث ہوں نہ وہ ان کے ۶؎(مالک)

۱؎ آپ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں عظیم الشان تابعی ہیں مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں۔

۲؎ احوص ابن جواب اجنبی اہل کوفہ سے ہیں تابعی ہیں آپ کا انتقال ۲۲۱ھ میں شام میں ہوا۔(مرقات)

۳؎ صورت مسئلہ یہ بنی کہ احوص ابن جواب نے اپنی بیوی کو طلاق دی وہ عدت طلاق حیض سے گزاررہی تھیں تیسرا حیض تھا کہ احوص کی وفات واقع ہوگئی ان کی بیوی پر دو عدتیں جمع ہوگئیں ایک طلاق کی عدت جس کا تیسرا حیض گزررہا تھا۔دوسری وفات کی عدت چار ماہ دس دن۔

۴؎ یہ مقدمہ حضرت معاویہ کے ہاں پیش ہوا کہ احوص کی بیوی عدت کس طرح گزاریں صرف عدت طلاق گزاریں یا عدت وفات بھی اور یہ کہ ان بیوی صاحبہ کو احوص کی میراث ملے گی یا نہیں کیونکہ عدت کے دوران احوص کا انتقال ہوگیا ہے عدت حکمی نکاح ہے تو شاید میرا ث مل جائے امیر معاویہ جواب و فیصلہ میں حیران ہوئے تو حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا مسئلہ پوچھنے کے لیے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑا عالم بھی مسئلہ پوچھنے میں شرم نہ کرے جو مسئلہ معلوم نہ ہو ضرور دریافت کرلے دیکھو حضرت معاویہ فقیہ صحابہ ہیں مگر جو مسئلہ معلوم نہ تھا وہ اپنے سے بڑے عالم سے دریافت کرلیا۔ خیال رہے کہ حضرت زید ابن ثابت میراث کے بڑے عالم تھے۔

۵؎ یعنی جب احوص کی بیوی نے تیسرے حیض کا خون دیکھا تو ان کی عدت طلاق پوری ہوگئی ا ور احوص کی وفات عدت طلاق پوری ہوچکنے کے بعد واقع ہوئی لہذا وہ اس حیض کی حالت میں اپنا نکاح دوسرے سے کرسکتی ہیں اور خاوند احوص کی میراث نہیں پائیں گی کیونکہ ان کی وفات عدت گزرچکنے پر ہوئی ہے۔ خیال رہے کہ یہ مسئلہ حضرت زید ابن ثابت کے مذہب پر ہے کیونکہ ان کے ہاں عدت طلاق تین طہر ہیں۔تیسرے حیض پر تین طہر پورے ہوچکے تھے،خبر نہیں کہ جناب امیر معاویہ نے حضرت زید کا یہ فتویٰ مانا یا نہیں۔خیال رہے کہ حضر ت عائشہ و ابن عمرو زید ابن ثابت کا قول یہ ہے کہ طلاق کی عدت تین طہر ہیں یہ ہی امام شافعی کا مذہب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین،اور خلفائے راشدین،عبداللہ ابن مسعود،ابن زبیر،ابن عباس،ابن ابی ابن کعب معاذ ابن جبل،ابوالدرداء عبادہ ابن صامت،ابو موسیٰ اشعری کا مذہب یہ ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں یہ ہی امام اعظم کا فرمان ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خیال رہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت زید ابن ثابت سے یہ روایتیں بھی منقول ہیں کہ عدت طلاق تین حیض ہیں ان دونوں بزرگوں کے اقوال مختلف ہیں حضرت سعید ابن مسیب ابن جبیر،عطاء طاؤس،عکرمہ مجاہد،قتادہ، ضحاک،حسان ابن حی مقاتل،شریک قاضی،سفیان ثوری،امام اوزاعی ابن شبرمہ،ربیعہ سدی،ابوعبیدہ و اسحاق رحمھم اللہ تابعین و تبع تابعین تمام بزرگوں کا یہ ہی مذہب ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں اس قول کی بنا پر تیسرے حیض سے فراغت پر عدت پوری ہوتی ہے مگر چونکہ اسی دوران میں خاوند کی وفات ہوگئی اس لیے اب دراز عدت گزارنی ہوگی یعنی چار ماہ دس دن بھی گزارنی ہوگی۔

۶؎ اگر عدت حیض سے ہو اور خاوند نے مرض وفات میں طلاق دی ہو تو ایسی صورت میں عورت کو خاوند کی میراث ملے گی اسے شریعت میں فاربالطلاق کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت عمر ابن خطاب نے کہ جو عورت طلاق دی جائے پھر ایک یا دو حیض آجائیں پھر اس کے بعد حیض بند ہوجائیں ۱؎ تو وہ نو مہینے انتظار کرے ۲؎ پھر اگر اس کو حمل ظاہر ہوجائے ۳؎ تو فبہا ورنہ نو مہینے کے بعد تین ماہ عدت گزارے پھر وہ حلال ہو جائے گی ۴؎ (مالک)	

۱؎ رفعتها دراصل رفعت عنها تھا عن پوشیدہ ہوگیا اور ھا ضمیر منصوب ہوگئی جسے منصوب بنزع الخافض کہتے ہیں۔

۲؎ صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ طلاق کی عدت تھی تین حیض،دو حیض آچکے تھے،تیسرا حیض نہ آیا لہذا عدت پوری نہ ہوئی یہ عورت نو ماہ اور انتظار کرے کہ شاید اس کو زنا کا حمل رہ گیا ہو یا خاوند کا ہی حمل ہو اور دوبارہ استحاضہ خون آگیا ہو جسے یہ حیض سمجھتی ہو۔

۳؎ اگر حمل ظاہر ہوگیا تو مسئلہ ظاہر ہے کہ حمل جننے سے اس کی عدت پوری ہوگی،خیال رہے کہ اگر عدت طلاق کے دوران میں عورت کو حرام کا حمل رہ جائے تو عدت حمل جننے سے پوری ہوتی ہے۔اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎ صورت مسئلہ یہ ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں اور حاملہ کے لیے حمل جن دینا،اور چھوٹی نابالغہ بچی اور آئسہ بوڑھی جنہیں حیض نہیں آتا ان کی عدت تین مہینہ،اس عورت کا حال یہ ہوا کہ طلاق کے بعد اسے دو حیض آئے پھر بند ہوگئے،شبہ ہوا کہ شاید یہ حاملہ تھی اس لیے نو ماہ کا انتظار کیا حمل بھی ظاہر نہ ہوا ۔تو معلوم ہوا کہ یہ آئسہ ہوگئی اب فتویٰ دیا گیا کہ آئسہ کی عدت تین ماہ گزارے۔اس مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے ایک مذہب وہ بھی ہے جو یہاں مذکور ہوا۔خیال رہے کہ اگر عورت کو کسی بیماری یا بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے حیض نہ آئے ہوں تو وہ بغیر تین حیض آئے عدت سے باہر نہ ہوگی علاج کرا کر حیض جاری کرائے پھر عدت پوری کرے اور اگر دوران حیض میں عورت آئسہ ہوجائے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔

باب الاستبراء

استبراء کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ استبراء کے معنے براءت وعلیحدگی معلوم کرنا،شریعت میں استبراء کے معنے یہ ہیں کہ جب کسی کی لونڈی خرید،ہبہ،میراث وصیت وغیرہ کے ذریعہ اپنے قبضہ میں آئے تو اس سے صحبت یا بوس و کنار وغیرہ نہ کرے حتی کہ معلوم کرے کہ حاملہ نہیں ہے ایک حیض اور اگر حائضہ نہ ہو تو ایک ماہ تک انتظار کرکے پھر صحبت کرے اور اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے قریب نہ جائے یہ ہے حقیقت استبراء۔ خیال رہے کہ کنواری لونڈی سے بھی استبراء واجب ہے اگرچہ اس کا پردہ بکارت قائم ہوکیونکہ آگے حدیث میں مطلقًا استبراء کا حکم آرہا ہے جس سے ہر لونڈی مقبوضہ سے استبراء واجب ہونا معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حاملہ عورت پر گزرے ۱؎ تو اس کے متعلق دریافت کیا ۲؎ لوگوں نے کہا کہ فلاں کی لونڈی ہے ۳؎ فرمایا کیا وہ اس سے صحبت کرتا ہے ؟ لوگ بولے ہاں ۴؎ فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں جائے ۵؎ اس سے خدمت کیسے لے سکتا ہے حالانکہ وہ اسے حلال نہیں بلکہ اسے وارث کیسے کرسکتا ہے اور وہ اسے حلال نہیں ۶؎ (مسلم)

۱؎ مجح میم کے پیش جیم کے کسرہ ح کے شد سے،حاملہ عورت قریب الولادۃ۔(مرقات)

۲؎ کہ یہ آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے اگر لونڈی ہے تو فی الحال کس کی ملک میں آئی ہے یا پہلے سے ہی اس کی مملوکہ تھی۔

۳؎ جو قید ہو کر آئی اور چند روز سے اس کی مملوکہ بنی،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ غالبًا اس شخص نے ان لوگوں پر اپنی صحبت کا اظہار کردیا ہوگا کہ میں اس سے صحبت کرتا ہوں یا لونڈی نے خبر دی ہوگی۔

۵؎ یعنی ایسی سخت لعنت کروں جس کا اثر اس پر بعد موت بھی رہے کیونکہ اس نے استبراء کے بغیر صحبت شروع کردی۔ معلوم ہوا کہ استبراء واجب ہے اور ترک واجب پر لعنت ہوسکتی ہے مگر حضور نے اس پر لعنت کی نہیں کہ وہ اس مسئلہ سے بے خبر تھا۔

٦؎ ام منقطعہ ہے بمعنی بلکہ اور ھو کا مرجع یہ عمل ہے کہ لونڈی۔مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دو جرم کرتا ہے ایک تو استبراء سے پہلے اس لونڈی سے صحبت کرنا، دوسرے غیر کے بچہ کو اپنا وارث بنانا یا اپنے بچہ کو اپنا غلام بنانا اس طرح کہ اگر اب سے چھ ماہ بعد لونڈی کے بچہ پیدا ہو تو پتہ نہ لگے گا کہ یہ بچہ اس کے پہلے مالک یا خاوند کا ہے یا اس کا اپنا اب اگر یہ اس بچہ کو اپنا بیٹا سمجھے تو اسے اپنی میراث دے گا اور ممکن ہے کہ اس کا نہ ہو پہلے مالک کا ہو تو غیر کے بچہ کو اپنا وارث بنادیا یہ حرام ہے اور اگر غیر کا بچہ سمجھ کر اسے اپنا غلام بنائے تو احتمال ہوگا کہ اس کا اپنا بیٹا ہو اور اپنے بیٹے کو اپنا غلام بنانا حرام ہے بہرحال اس میں خلط نسب ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں کہ حضور نے اوطاس کی لونڈیوں کے متعلق فرمایا۱؎ کہ کسی حاملہ سے وطی نہ کی جائے حتی کہ حمل جن دے اور نہ غیر حاملہ سے صحبت کی جائے حتی کہ اسے حیض آجائے ۲؎ (احمد،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ جو غزوۂ اوطاس میں گرفتار ہو کر آئی تھیں او طاس مکہ معظّمہ سے تین منزل فاصلہ پر ایک جگہ ہے یہ غزوہ فتح مکہ کے فورًا بعد ہوا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ جو لونڈی اپنی ملک میں آئے اگر حاملہ ہو تو حمل جننے تک اس کے پاس نہ جائے اگر غیر حاملہ ہو تو ایک حیض کا انتظار کرے اگر بحالت حیض مالک ہواتو اس حیض کا اعتبار نہیں اس کے علاوہ ایک اور حیض کا انتظار کرے،اگر اسے کم عمری یا زیادتی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو جمہور علماء ے نزدیک ایک ماہ کا انتظار کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافر زوجین میں سے ایک ہمارے ہاں گرفتار ہو کر آجائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن اگر دونوں گرفتار ہو کر آجائیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا اور ہر نئی ملکیت میں استبراء واجب ہوتا ہے مرد سے خریدے یا عورت سے لہٰذا مکاتبہ جب اپنے کو اداء کتابت سے عاجز کردے یا فروخت کردہ لونڈی جب عیب یا فسخ بیع کی وجہ سے واپس ہوجائے تو بھی استبراء کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت رویفع ابن ثابت انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن	

فرمایا ۲؎ کہ کسی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ اپنے پانی سے دوسرے کا کھیت سینچے یعنی حاملہ سے صحبت کرنا۳؎ اور جو شخص اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ حلال نہیں کہ کسی قیدی عورت سے بغیر استبراء کئے صحبت کرے ۴؎ اور جو شخص اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو،اسے یہ حلال نہیں کہ تقسیم سے پہلے غنیمت فروخت کرے ۵؎ (ابوداؤد)ترمذی نے غیرہ تک روایت کی۔	

۱؎ صحابی ہیں، انصاری ہیں، مصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، امیر معاویہ نے انہیں طرابلس الغرب کا حاکم بنایا ۴۰ھ؁ میں، انہوں نے ۴۷ھ؁ میں افریقہ پر جہاد کیا ۵۶ھ؁ میں شام میں وفات پائی،حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک جنگل کا نام ہے۔ فقیر نے اس کی زیارت کی ہے فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔

۲؎ حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک جنگل کا نام ہے، فقیر نے اس کی زیارت کی ہے فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔

۳؎ یہ تفسیر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی یا راوی نے کی غیر کی حاملہ سے صحبت کرنا حرام ہے کہ اس میں اپنا نسب مشکوک مخلوط کرنا ہے حمل اگرچہ زنا کا ہو جب بھی صحبت حرام ہے اس لیے حاملہ بالزنا سے نکاح حلال ہے مگر صحبت حرام۔

۴؎ حاملہ ہو یا نہ ہو،اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ کنواری باکرہ لونڈی سے بھی بغیر استبراء صحبت درست نہیں کیونکہ سبی مطلق ارشاد ہوا۔

۵؎ کیونکہ غنیمت تقسیم سے پہلے کسی کی ملک نہیں ہوتی اس وقت اس کی بیع ایک قسم کی خیانت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لونڈی سے استبراء کرنے کا حکم دیتے تھے ایک حیض سے اگر وہ حائضہ میں سے ہو اور تین مہینوں سے اگر ان میں سے ہو جنہیں حیض نہیں آتا۲؎ اور منع فرماتے تھے دوسرے کے پانی سے سیرابی سے ۳؎	

۱؎امام مالک تبع تابعین سے ہیں لہذا اس حدیث میں تابعی و صحابی دونوں کا ذکر نہیں یا یہ حدیث مرسل ہے یا مسند مگر اسناد کا ذکر نہیں،چونکہ امام مالک بڑے پایہ کے محدث ہیں اس لیے ان کی بغیر اسناد والی حدیث بھی قبول ہے جیسے تعلیقات بخاری مقبول ہیں۔

۲؎اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ استبراء میں حیض تو ایک ہی کافی ہے اختلاف اس میں ہے کہ استبراء کے لیے مہینہ ایک کافی ہے یا تین ضروری بعض علماء تین ماہ مانتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر جمہور علماء ایک مہینہ کافی مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے جب حیض ایک کافی ہوا تو مہینہ بھی ایک ہی کافی ہونا چاہیے۔(نووی مرقات)

۳؎یعنی دوسرے کے پانی دیئے ہوئے کھیت میں اپنا پانی نہ دو کہ دوسرے کی حاملہ عورت سے تم صحبت نہ کرو تاکہ بچہ دو باپوں کا مخلوط نہ ہوجائے کیونکہ حاملہ عورت سے صحبت کی جائے تو بچہ کے بال وغیرہ میں اس پانی کی آمیزش ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے انہوں نے فرمایا کہ جب وہ لونڈی جس سے وطی کی جاتی تھی ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کا استبراء رحم ایک حیض سے کرلیا جائے اور کنواری کا استبراء نہ کیا جائے ۱؎(رزین)

۱؎یہ حضرت ابن عمر کی رائے شریف ہے کہ کنواری لونڈی جو پہلے کسی کے نکاح میں نہ تھی یا جس کا خاوند بہت چھوٹا بچہ تھا جو صحبت نہیں کرسکتا تھا یا ابھی اس کی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی اس کے استبراء کی ضرورت نہیں کیونکہ استبراء تو یہ معلوم کرنے کو ہوتا ہے کہ لونڈی حاملہ ہے یا نہیں ان صورتوں میں حمل کا احتمال ہی نہیں تو استبراء کی کیا ضرورت ہے مگر تمام علماء فرماتے ہیں کہ استبراء کے وجوب کا سبب ملکیت حاصل کرنا ہے لہذا ایسی لونڈی سے استبراء کیا جائے،دیکھو اگر عورت کا خاوند خلوت سے پہلے فوت ہوجائے تو بھی عدت واجب ہے حالانکہ وہاں حمل کا احتمال ہی نہیں،گزشتہ احادیث میں ہر لونڈی کے استبراء کا حکم دیا گیا،نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اوطاس کی تمام لونڈیوں سے استبراء کا حکم دیا حالانکہ ان میں بعض کنواریاں بھی تھیں،غالبًا حضرت ابن عمر کو وہ احادیث پہنچی تھی اور قیاس صحابی حدیث مرفوع کے مقابل معتبر نہیں۔

باب النفقات وحق المملوک

خرچوں اور مملوکہ کے حق کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نفقہ یا نفوق بمعنی ہلاکت سے ہے یا نفاق بمعنی علیحدگی ورواج سے بنا،امام محمد زمخشری فرماتے ہیں کہ عربی میں جس کا ف کلمہ نون ہو اور عین کلمہ ف اس میں جانے و نکلنے کے معنے ضرور ہوتے ہیں جیسے نفق،نفر،نفد،نفذ،نفخ،نفس،نفی وغیرہ۔ اصطلاح میں نفقہ خرچہ کو کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی ختم ہوتا رہتا ہے۔ خیال رہے کہ کسی کا نفقہ واجب ہونے کی تین وجہیں ہیں:زوجیت،قرابت ،ملکیت،چونکہ نفقے بہت سی قسم کے ہیں۔اولاد کا خرچہ، ماں باپ کا، بیوی کا،غلام و لونڈی کا، مملوکہ جانوروں کا اس لیے **نفقات** جمع فرمایا۔مملوک کے مالک پر تین حق ہیں: کھانا، کپڑا اور طاقت سے زیادہ کام نہ کرانا۔(از مرقات واشعہ)ظاہر یہ ہے کہ یہاں مملوک سے مراد لونڈی غلام ہیں اور ہوسکتا ہے کہ مملوک جانور بھی اس میں داخل ہوں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہندا بنت عتبہ نے عرض کیا ۱؎یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان بخیل آدمی ہیں مجھے اس قدر خرچہ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو مگر یہ کہ میں ان کی بے خبری میں ان سے لے لوں ۲؎تو فرمایا جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو بقدر معروف لے لو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام ہندا بنت عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہے یعنی عبد مناف میں حضور سے مل جاتی ہیں عتبہ کفار مکہ کا سردار تھا ہندا ابوسفیان کی بیوی اور امیر معاویہ کی والدہ ہیں،فتح مکہ کے سال ابوسفیان کے بعد ایمان لائیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح قائم رکھا ان کے زمانہ کفر کے حالات سب کو معلوم ہیں۔ ایک دن بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگیں یارسول اللہ پہلے مجھے آپ اور آپ کے صحابہ بہت ناپسند تھے اب مجھے آپ اور آپ کے صحابہ بہت ہی محبوب معلوم ہوتے ہیں حضور نے فرمایا وایضًا یعنی ابھی تم کو مجھ سے محبت اور بھی زیادہ ہوگی جس قدر تمہارا ایمان کامل ہوتا جائے گا اسی قدر میری محبت بڑھتی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہم پہلے تم سے نفرت کرتے تھے اب محبت کرتے ہیں،آپ کی وفات زمانہ فاروقی میں ابو قحافہ (والد ابو بکرالصدیق) کے وفات کے دن ہوئی بڑی عالمہ فصیحہ تھیں،زمانہ فاروقی میں بہت جہادوں میں شریک ہوئیں اور بڑے کارنامہ کئے رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یعنی ان کی جیب یا ان کے گھر سے انکی بے خبری میں جو کچھ لے لوں وہ تو مجھے آسانی سے مل جاتا ہے وہ خود اپنی خوشی سے کافی خرچہ نہیں دیتے۔

۳؎ یعنی تم کو اجازت ہے کہ بقدر ضرورت ابوسفیان سے بغیر پوچھے ان کا مال لے سکتی ہو۔خیال رہے کہ یہ فتویٰ ہے فیصلہ یعنی قضا نہیں ورنہ ابو سفیان کو بلا کر جواب دعویٰ سنا جاتا فیصلہ بغیر دوسرے فریق کے بیان لئے نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: (۱) بیوی کا خرچہ خاوند پر لازم ہے اگرچہ بیوی غنی ہو(۲) چھوٹی اور ضرورتمند اولاد کا خرچہ باپ پر لازم ہے(۳) اہل قرابت کا خرچہ بقدر ضرورت لازم ہے(۴)فتویٰ اور فیصلہ کے وقت اجنبیہ عورت سے کلام کرنا مفتی و قاضی کو جائز ہے۔فتویٰ یا فیصلہ لینے کے لیے حاکم و عالم کے سامنے کسی کے عیب بیان کرنا جائز ہے، حق والا اپنا حق بغیر اس کی اجازت بلکہ بغیر اس کے علم کے بھی لے سکتا ہے،فتویٰ میں شرط کا بیان ضروری نہیں بغیر شرط فتویٰ دیا جاسکتا ہے یعنی یہ لازم نہیں کہ مفتی کہے کہ اگر تو سچا ہے اور صورت حال وہ ہی ہے جو تو کہتا ہے تو حکم یہ ہے بلکہ اس کے بغیر بیان کیے ہوئے حکم شرعی سنا دینا جائز ہے اگرچہ تعلیق افضل ہے۔بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے لہذا وہ خاوند کا مال اس پر خرچ کرسکتی ہے،بہت سی باتیں عرف و عادت پر مبنی ہوتی ہیں جیسا کہ خرچہ وغیرہ بیوی ضرورت کے موقعہ پر حاکم یا عالم کے پاس جاسکتی ہے،غائب خاوند کے مال سے اس کی بیوی بچوں کا خرچہ دلوایا جائے جب کہ وہ روزی نہ دے گیا ہو نہ بھیجتا ہو۔بعض علماء نے اس حدیث سے قضا علی الغائب جائز مانی وہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور کا فیصلہ تھا جو ابوسفیان کی غیرموجودگی میں ان کے خلاف دیا گیا مگر حق یہ ہے کہ یہ فتویٰ تھا۔(مرقات)ورنہ گواہی ضرور لی جاتی،بیوی ضرورت پر اپنے خاوند کا مال فروخت کرسکتی ہے کیونکہ ہندہ روپیہ پیسہ بھی ابوسفیان کی جیب سے نکال سکتی تھیں اور روپیہ پیسہ فروخت ہوکر ہی کام آتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تم میں سے کسی کو مال دے تو وہ اپنے نفس اور اپنے گھر والوں سے شروع کرے ۱؎ (مسلم) ۲؎	

۱؎ یعنی اپنا مال پہلے اپنے پر خرچ کرو پھر اپنے گھر والوں پر،اہل بیت میں بیوی اور نابالغ حاجت مند اولاد ماں باپ وغیرہ سب داخل ہیں۔

۲؎ یہ حدیث امام احمد نسائی نے حضرت جابر سے مرفوعًا کچھ اختلاف سے بیان کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غلام کے لیے اس کا کھانا کپڑا ہے ۱؎ اور اسے اس قدر کام کی تکلیف نہ دے جس کی وہ طاقت نہ رکھے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی مولیٰ پر لونڈی غلام کا بقدر ضرورت درمیانی کھانا کپڑا واجب ہے اس کھانے کپڑے میں عرف کا لحاظ ہے شریعت نے حد مقرر نہیں فرمائی۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہمیشہ کے لیے مشکل کام کا حکم نہ دو،اگر ضرورۃً ایک دو دن مشکل کام کرالیا جائے تو جائز ہے خصوصًا جب کہ مولیٰ خود کام میں شریک ہوجائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے تمہارے قبضہ میں دے دیا۱؎ تو جسے اللہ اس کے بھائی کا مالک بنا دے تو اسے اس میں کھلائے جو خود کھائے اور اس سے پہنائے جو خود پہنے ۲؎ اور اس کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر غالب آجائے اور اگر غالب کام کی تکلیف دے تو اس پر اس کی مدد کرے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اخوانکم یا تو پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے یعنی تمہارے غلام تمہارے انسانی یا دینی بھائی ہیں،یا یہ مبتدا ہے اور جعلھم اللہ خبر۔ مطلب یہ ہے کہ تم اور تمہارے غلام انسانیت اور دین میں تمہاری مثل ہیں کہ تم اور وہ دونوں اولاد آدم اور مسلمان ہیں، رب تعالٰی اس کے عکس پر بھی قادر تھا کہ انہیں مولیٰ اور تمہیں غلام بنا دیتا اس کا کرم ہے کہ تم کو مولی اور اس کو غلام بنادیا،اس کا شکریہ یہ ہے کہ ہمارے اس حکم پر عمل کرو۔

۲؎ یہ حکم استحبابی ہے۔خیال رہے کہ مولیٰ پر اپنے غلام لونڈی کا کھانا کپڑا شرعًا واجب ہے مگر اپنے جیسا کھانا کپڑا دینا مستحب ہے جس پر بہت سے صحابہ کرام نے عمل کیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں مما یاکل جنس کے بیان کے لیے ہے نہ کہ نوع کے لیے یعنی مولیٰ کو چاہیے کہ اپنی طرح غلام کو بھی پائجامہ،کرتہ،ٹوپی یا عمامہ دے اگرچہ اس کا اپنا یہ لباس اعلیٰ لٹھے ململ کا ہو غلام کا معمولی گاڑھے کا،مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

۳؎ یعنی اگر غلام سے بھاری و مشکل کام کرائے تو خود یا اپنے دوسرے غلام یا اپنی اولاد کو اس میں شریک کردے اگر بھاری شہتیر اٹھوانا ہے تو غلام کے ساتھ خود بھی لگ جائے یا اپنے کسی ماتحت کو لگادے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ۱؎ کہ ان کے پاس ایک خزانچی آیا ۲؎ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے غلام کو ان کا کھانا دے دیا،بولا نہیں،فرمایا جاؤ انہیں دے دو ۳؎ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے یہ ہی گناہ بہت ہے کہ مملوک سے اس کا کھانا روکے ۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انسان کے لیے کافی گناہ یہ ہے کہ اسے ہلاک کردے جس کو روزی دیتا ہے ۵؎ (مسلم)	

۱؎عمرو کا واؤ یا تو اپنا ہے اور یہ واقعہ عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کا ہے یا عمر عین کے پیش سے ہے اور واقعہ عبداللہ ابن عمر ابن خطاب کا رضی اللہ عنہم اور واؤ حالیہ ہے۔(مرقات)

۲؎قہرمان فارسی لفظ ہے جو عربی میں استعمال ہونے لگا ہے اس کے معنے ہیں خزانچی،وکیل گھر کا مختار و منتظم کار۔

۳؎**قوت** سے مراد خرچہ ہے،اکثر کھانے پر بولا جاتا ہے،کھانے کا وقت تھا آپ نے اپنے کھانے سے پہلے اپنے لونڈی غلاموں کوکھانا دلوایا،پھر خود کھایا،یوسف علیہ السلام زمانہ قحط میں پہلے مہمانوں کو کھلاتے تھے پھر خود کھاتے تھے اور دن رات میں صرف ایک وقت کھاتے تھے،ایسے مولیٰ و غلام دنیا کے لیے اللہ کی رحمت ہیں،ایسے حکام کے زمانہ میں زمین پر آسمان سے برکتیں اترتی ہیں۔

۴؎یا اس طرح کہ انہیں کھانا نہ دے حتی کہ وہ ہلاک ہوجائیں یہ تو سخت ظلم ہے بلکہ قتل ہے یا اس طرح کہ انہیں بہت کم روزی دے جس سے وہ دبلے کمزور ہوجائیں دو چار فاقے کرا کر ایک وقت دے دے یا پیٹ بھر کر نہ دے یہ بھی ظلم ہے۔اس حکم میں لونڈی،غلام پالے ہوئے جانور سب شامل ہیں،بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی عورت اسی لیے دوزخ میں گئی کہ اس نے پالی ہوئی بلی کو بھوکا باندھے رکھا حتی کہ وہ مر گئی،آج کل بعض قصائی جانوروں کو کئی کئی وقت بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کرتے ہیں یہ سخت ظلم ہے،شرعی حکم تو یہ ہے کہ شکم سیر جانور کو بھی ذبح سے پہلے کھانا پانی دکھالو کھلالو۔

۵؎علماء فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم کرنا انسان پر ظلم کرنے سے زیادہ گناہ ہے کیونکہ انسان تو کسی سے اپنا دکھ درد کہہ سکتا ہے بے زبان جانور کس سے کہے اس کا اللہ کے سواء فریاد سننے والا کون ہے،بھوکے پیاسے اونٹوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مالکوں کی شکایت کیں اور سرکار نے ان کے اعلیٰ انتظامات فرمائے صلی اللہ علیہ وسلم۔شعر

خلق کے داد رس سب کے فریاد رس　　　　کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ عالمین ہیں،آج ہم سگے بھائیوں سے وہ سلوک نہیں کرتے جو سلوک غلاموں سے کیا جاتا تھا۔یہاں صاحب مشکوۃ سے غلطی ہوئی کہ آخر میں **رواہ مسلم** فرمادیا،مسلم کی روایت **قوته** پر ختم ہوگئی اور **کفی بالمرء** سے ابوداؤد و نسائی کی روایت ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر وہ کھانا لائے اور اس کی گرمی اور دھواں برداشت کرچکا ہو ۱؎ تو اسے اپنے ساتھ بٹھالے کہ وہ بھی کھائے ۲؎ لیکن اگر کھانا تھوڑا ہو ۳؎ تو اس میں سے خادم کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دے ۴؎(مسلم)

۱؎یہاں خادم میں لونڈی غلام بلکہ نوکر چاکر سب شامل ہیں۔

۲؎ یعنی اگر کھانا کافی ہے تو اس پکانے والے خادم کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھلائے،اسے ساتھ بٹھانے میں اپنی ذلت نہ سمجھے جیسا کہ متکبرین کا حال ہے جب مسجد اور قبرستان میں امیر و غریب،آقا و غلام یکجا ہوجاتے ہیں تو یہاں بھی یکجا ہوں تو کیا حرج ہے۔

۳؎ **مشفوہ شفۃٌ** سے بنا بمعنی ہونٹ،مشفوہ وہ پانی یا کھانا ہے جس پر بہت سے لوگ کھانے والے جمع ہوجائیں،بہت سے منہ کھائیں،اب تھوڑے کو بھی مشفوہ کہہ دیتے ہیں اسی مناسبت سے یا مشفوہ وہ کھانا ہے جو ہونٹوں اور منہ میں لگ کر رہ جائے اچھی طرح پیٹ میں نہ جائے۔

۴؎ یہ حکم استحبابی ہے جس میں بڑی حکمتیں ہیں ان دو ایک لقموں سے کھانے پر نظر نہ لگے گی مالک کو اچھی طرح ہضم ہوگا،نقصان نہ دے گا نیز یہ مکارم اخلاق سے ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام اپنے مولیٰ کی خیر خواہی کرے ۱؎ اور اللہ کی عبادت اچھی طرح کرے ۲؎ تو اسے ڈبل ثواب ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ خیر خواہی یہ ہے کہ مولیٰ کا ہر جائز حکم مانے،اس کی چیز برباد نہ ہونے دے،اس کے پس پشت اس کے مال واولاد کی نگرانی کرے۔

۲؎ کہ اللہ رسول کے احکام پر پابندی سے عمل کرے،مولے کی خدمت کی وجہ سے ان سے بے پرواہ نہ ہوجائے۔

۳؎ کیونکہ اس کی محنت بھی ڈبل ہے خلق کی خدمت خالق کی عبادت۔اس سے معلوم ہوا دنیا دار کی عبادت تارک الدنیا کی عبادت سے افضل ہے۔خیال رہے کہ یہاں مولیٰ کی اطاعت کاذکر رب کی عبادت سے پہلے فرمایا گیا کیونکہ معاملات بمقابلہ عبادات زیادہ اہم ہیں حقوق العبد کی حفاظت حقوق اللہ سے زیادہ ہے کہ بندہ محتاج ہے رب غنی۔

	روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے لیے یہ بہت اچھا ہے ۱؎ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس حال میں موت دے کہ اپنے رب کی عبادت اور مولا کی اطاعت کرتا ہو یہ اس کے لیے بہت اچھا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ **نعما** اصل میں **نعم ما** تھا **نعم** کی میم **ما** کی میم میں مدغم ہوگئی۔

۲؎ دوبار **نعما** فرمانا یا تو تاکید کے لیے ہے یا پہلے **نعما** سے دنیا کی بہتری مراد تھی اور اس **نعما** سے آخرت کی بہتری مراد ہے یعنی اگر غلام مرتے دم تک اپنے مولیٰ کی اطاعت اور رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے تو یہ اس کے لیے بہت اچھا ہے یا یہ دنیا میں بھی اچھا ہے اور آخرت میں بھی اچھا،کسی غلام کو اس کے مولیٰ نے آزاد کردیاغلام بہت رویا اور بولا کہ آپ نے میرے لیے خیر کا دروازہ بند کردیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کامل نیکی وہ ہے جو مرتے دم تک کی جائے،نیکی پر ہی موت آئے۔

روایت ہے حضرت جریر ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی غلام بھاگ جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ۲؎ اور ان سے دوسری روایت میں ہے فرماتے ہیں جو غلام بھاگ جائے تو اس کا ذمہ بری ہوگیا ۳؎ اور انہیں کی ایک روایت میں یوں ہے فرمایا جو غلام اپنے مولاؤں سے بھاگ جائے وہ کافر ہوگیا ۴؎ حتی کہ ان تک لوٹ آئے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ آپ جریر ابن عبداللہ بجلی ہیں، کنیت ابو عمرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے اسلام لائے، پھر بہت عرصہ کوفہ میں رہے، مقام قرقسیا ۵۱ھ میں وفات پائی مشہور صحابی ہیں، آپ سے بہت خلق نے احادیث لیں۔(اکمال)

۲؎ یعنی بھاگے ہوئے غلام کی نماز اگرچہ شرعًا درست ہوجائے مگر اللہ کے ہاں قبول نہیں، شرائط جواز اور ہیں شرائط قبول کچھ اور۔

۳؎ اس جملہ کا مطلب یا یہ ہے کہ اگر غلام مرتد ہو کر کفار کے ملک میں چلا جائے تو اسلام کی امان سے نکل جاوے گا اس کا قتل جائز ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ بھاگا ہوا غلام اگر دارالسلام میں رہے تو اس سے اللہ کی امان اٹھ جاتی ہے اس کو مارا پیٹا جاسکتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ بھاگنے کے زمانہ کا خرچہ مالک پر نہیں اور اس زمانہ کی قباحت و جرم کا اثر مولے پر نہ ہوگا۔

۴؎ کافر سے مراد یا لغوی کافر ہے یعنی ناشکرا یا شرعی کافر، تو مطلب یہ ہے کہ قریب الکفر ہوگیا یا اس نے کافروں کا سا کام کیا۔

۵؎ حتی کہ تعلق یا تو تمام روایات سے ہے اور یہ جملہ ان تینوں جرموں کی انتہا ہے یا فقط آخری جملہ سے ہے یعنی کافرو ناشکرا رہے گا لوٹ آنے تک۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مولیٰ اپنے مملوک کو تہمت لگائے وہ اس سے بری ہو تو قیامت کے دن اسے کوڑے لگائے جائیں گے ۱؎ مگر یہ واقعہ وہی ہے جو اس نے کہا ۲؎ (بخاری، مسلم)	

۱؎ غالبًا مملوک سے مراد لونڈی ہے اور ہوسکتا ہے کہ لونڈی غلام دونوں ہوں۔ خیال رہے کہ آزاد مسلمہ عفیفہ عورت کو زنا کی تہمت لگانے والے پر حد قذف اسی ۸۰ کوڑے جاری ہوتے ہیں، مملوکہ لونڈی کو تہمت زنا لگانے والے کو یہ سزا نہیں ہوتی، سرکار فرمارہے ہیں کہ اسے یہ سزا قیامت میں تمام خلق کے سامنے کی جائے گی جس سے وہ رسوا بھی ہوگا اور سزایاب بھی، ہاں اگر واقعی لونڈی غلام زانی ہوں تو پھر الزام لگانے والے کو سزا نہ ہوگی کہ اس نے سچ کہا تھا۔ علماء

فرماتے ہیں کہ لونڈی غلام کو تہمت لگانے پر اگرچہ حد نہیں مگر تعزیر ہے غلام چاہے مکمل ہو یا ابھی اس میں شائبہ غلامیت ہو جیسے مکاتب یا مدبر کسی کو تہمت لگانے پر حد نہیں۔

۲؎ یہ حدیث احمد،ابوداؤد،ترمذی نے بھی روایت کی،حاکم نے متدرک میں حضرت عمرو ابن عاص سے مرفوعًا روایت کی کہ اگر مولیٰ یا زانیہ یا کہ اے زانی کہہ کر پکارے اسے بھی قیامت میں کوڑے لگیں گے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو غصہ میں اپنے بچوں یا نوکروں کو حرامی کہہ دیتے ہیں کہ یہ انکی ماں کو تہمت ہے زبان قابو میں رکھنی چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے غلام کو وہ حد مارے ۱؎ جو جرم اس نے کیا نہیں یا اسے طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی بے قصور مارے پیٹے،حد سے مراد صرف شرعی حد نہیں بلکہ ہر سخت مار پیٹ ہے۔

۲؎ اس طمانچہ سے مراد ظلمًا طمانچہ مارنا ہے،ادب سکھانے پڑھانے پر طمانچہ مارنا درست ہے یہ ہی حکم شاگرد،مرید،بچے یا رعایا کو مارنے کا ہے کہ بلا قصور مار پر پکڑ ہے،اس کا کفارہ غلام کے لیے تو اسے آزاد کردینا ہے،اور باقی لوگوں کے لیے انہیں کچھ دے کر خوش کردینا ہے،یا اگر وہ لوگ معافی دینے کے لائق ہوں تو ان سے معافی مانگ لینا ہے۔یہ وہ معمولی باتیں ہیں جن کی ہم پرواہ نہیں کرتے مگر ہیں بڑی خطرناک۔میں نے سنا ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کے ہاں کوئی مزدور کام کررہا تھا کسی نے اسے کہہ دیا او حرامی،اعلیٰ حضرت نے فرمایا اس کی ماں کے زنا کے چار گواہ لاؤ وہ حیران ہوگیا،آخر کار اس نے مزدور سے معافی مانگی اسے پانچ روپے دیئے،اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے،انسان اپنی زبان اور اعضاء پر پورا کنڑول رکھے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی ۲؎ کہ اے ابو مسعود سوچو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنے تم اس پر ہو ۳؎ میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۴؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ آزاد ہے اللہ کی راہ میں ۵؎ تب حضور نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرتے تو تم کو آگ جلاتی یا آگ پہنچتی ۶؎(مسلم)

۱؎ مشہور صحابی ہیں، بعض نے انہیں اہل بدر سے کہا ہے مگر آپ اس معنے سے اہل بدر ہیں کہ بدر میں رہتے تھے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے،آپ کا نام عقبہ ابن عمرو انصاری ہے،بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے،آخر عمر میں کوفہ قیام رہا ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات ہوئی(اکمال)

۲؎ یعنی یہ آواز کلام سنا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔
۳؎ کیونکہ یہ تمہارا مملوک و غلام ہے مگر تم اللہ تعالٰی کے مملوک بھی ہو مخلوق بھی ہو بندے بھی،جب وہ تمہارے گناہ دیکھتے ہوئے تمہاری روزی بند نہیں فرماتا ہر طرح تم پر کرم کرتا ہے معافی دیتا ہے تو تم بھی اپنے مملوک غلام کو معافی دو۔
۴؎ جو یہ فرمارہے تھے آپ کی نظر کی اکسیر اور نصیحت کی تاثیر کا وہ اثر ہوا کہ میرا سارا غصہ ختم ہوگیاجوش ٹھنڈا ہوگیا۔
۵؎ تاکہ یہ آزادی میرے اس قصور کا کفارہ ہوجائے۔
۶؎ کیونکہ تم نے اسے بے قصور مارا یا قصور سے زیادہ مارا اور اس سے معافی چاہی نہیں لہذا یہ مارنا جرم ہوا اور تھا حق العبد،اس لیے خطرہ تھا۔علماء فرماتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر آزاد کردینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے،اس سے معلوم ہوا کہ گناہ ہوجانے پر کوئی نیکی کردینا اچھا ہے کہ یہ نیکی کفارہ بن جاتی ہے"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا کہ میرے پاس مال ہے اور میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں ۱؎ فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کے ہیں ۲؎ یقینًا تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے،اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۴؎	

۱؎ تو میرا مال میرا والد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں خصوصًا حاجت کے وقت۔
۲؎ ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے حضرت سمرہ وابن مسعود سے مرفوعًا یوں روایت فرمائی انت ومالك لابيك مطلب ایک ہی ہے یعنی تم بھی اپنے باپ کے ہو تمہارا مال بھی لہذا تمہارے باپ کو حق ہے کہ تم سے جانی خدمت بھی لیں اور مالی خدمت بھی۔
۳؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:غنی اولاد پر فقیر ماں باپ کا خرچہ واجب ہے اور اگر ماں باپ غنی ہوں انہیں اولاد کے مال کی ضرورت نہ ہو تو ہدایا دیتے رہنا مستحب ہے،اگر باپ اولاد کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہ کٹے گا،اگر باپ اپنے بیٹے کی لونڈی سے صحبت کرے تو اس پر حد زنا نہیں اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے تو اس پر قصاص نہیں۔خیال رہے کہ بچہ کو ماں خون پلا کر پالتی ہے باپ مال کھلا کر یعنی جانی خدمت ماں کرتی ہے اور مالی خدمت باپ،اسی وجہ سے ارشاد ہوا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہیں اور یہاں ارشاد ہوا کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے جیسی پرورش ویسا اس کا شکریہ۔یہ ہے اس سرکار سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف۔خیال رہے کہ

بوقت حاجت ہر ذی رحم قرابت دار کا نفقہ مالدار عزیز پر واجب ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ"یہ ہی احناف کا مذہب ہے امام شافعی کے ہاں سوائے ماں باپ کے کسی عزیز کا خرچہ واجب نہیں،امام احمد کے ہاں ہر محتاج عزیز کا خرچہ واجب ہے ذی رحم ہو یا نہ ہو ان تمام مسائل کے دلائل کتب فقہ یا مرقات میں اسی جگہ ملاحظہ فرمایئے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچہ کا نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے۔

۴؎ یہ حدیث صحابہ کرام کی ایک جماعت نے مختلف الفاظ سے نقل فرمائی جو مختلف محدثین نے مختلف اسنادوں سے بیان کئے، چنانچہ ترمذی و ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ بہترین روزی وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی اولاد اس کی کمائی سے ہے،ترمذی نے اسے حسن فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے انہی سے وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے راوی کہ ایک شخص نبی کریم صلی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا میں محتاج ہوں۱؎ میرے پاس کچھ نہیں اور میرے پاس ایک یتیم ہے۲؎ تو فرمایا اپنے یتیم کے مال سے کھاؤ نہ فضول خرچی کرکے نہ جلدی کر کے اور نہ مال جمع کرتے ہوئے۳؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں فقیر بمعنی مسکین ہے یعنی میرے پاس کچھ نہیں۔احناف کے ہاں فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم کہ اس پر نہ زکوۃ واجب ہو نہ فطرہ نہ قربانی مگر مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو،امام شافعی کے ہاں اس کے برعکس مگر ان دونوں اماموں کے ہاں ہر ایک لفظ دوسرے کی جگہ استعمال ہوجاتا ہے،یہاں فقیر بجائے مسکین استعمال ہوا۔

۲؎ جس کے پاس وراثت سے ملا ہوا مال ہے اور وہ میرا عزیز قرابتی ہے میری پرورش میں ہے میں اس کا قیم و منتظم ہوں۔

۳؎ یعنی چونکہ تم اس کی خدمت و پرورش کرتے ہو اور نادار ہو اس لیے اس کے مال سے اپنا حق الخدمت لے سکتے ہو مگر تین قسم کی پابندی سے،ایک یہ کہ ضرورت سے زیادہ مال نہ لو۔دوسرے یہ کہ ضرورت سے پہلے مال نہ لو ضرورت کے وقت لو،یا ولا مبادر کے معنے یہ ہیں کہ اس یتیم کے بلوغ سے پہلے اس کا مال ختم کردینے کی کوشش نہ کرو رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا"۔تیسرے یہ کہ صرف وقتی طور پر استعمال کرو،آئندہ کے لیے جمع نہ کرو،اس سے معلوم ہوا کہ یتیم کا ولی اگر مسکین غریب ہو تو اس کے مال سے بقدر ضرورت استعمال کرے اور بلاضرورت ہاتھ نہ لگائے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض میں فرماتے تھے نماز۱؎ اور غلاموں کی نگرانی کرو۲؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ الصلوۃ منصوب ہے الزموا پوشیدہ فعل کا مفعول بہ یعنی نماز کی پابندی و حفاظت کرو مرتے دم تک نہ چھوڑو۔معلوم ہوا کہ نماز بڑا ہی اہم فریضہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس کی وصیت فرمائی،سعادت مند اولاد باپ کی وصیت سختی سے پوری کرتی ہے۔سعادت مند امتی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر سختی سے پابندی کرے،اللہ تعالٰی توفیق دے،مؤمن مرے بعد قبر میں بھی نماز پڑھتا ہے۔

۲؎یعنی اپنے لونڈی غلاموں سے اچھا برتاؤ کرو ان کے حقوق اداکرو،بعض شارحین نے فرمایا کہ ماملکت ایمانکم سے مراد مملوکہ مال ہیں یعنی اپنے مملوکہ مالوں کا حساب رکھو ان کی زکوۃ،قربانی،فطرہ وغیرہ دیتے رہو،نماز بدنی عبادت ہے زکوۃ مالی عبادت،مگر پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں کہ اس سے لونڈی غلاموں پر مہربانی مراد ہے،ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تمام مملوکہ جاندار ہوں،لونڈی غلام،جانور،وغیرہ یہ حدیث بہت جامع ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ صلوۃ سے تمام حقوق ادا کرو حتی کہ رعایا،شاگرد،مرید،نوکر چاکر،لونڈی غلام،جانور سب پر ہی مہربانی کرو اور سب کے حقوق ادا کرو۔

	اور احمد و ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح ۱؎

۱؎جامع صغیر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت دوبار فرمائی یعنی الصلوۃ اور ماملکت ایمانکم دوبار ارشاد کئے تاکید کے لیے،یہ حدیث احمد،نسائی،ابن ماجہ،ابن حبان،نے مختلف راویوں سے روایت کی،چنانچہ احمد و ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ سے،طبرانی نے ابن عمر سے،ابن حبان نے حضرت انس سے رضی اللہ عنہم۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایاجنت میں داخل نہ کیا جاوے گا بدخلق ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی بدخلق بدخو اولًا جنت میں نہ جائے گا پہلے بدخلقی کی سزا پائے گا پھر جنت میں جائے گا یا جنت کے اعلٰی مقام پر نہ جائے گا یا خوش خلق لوگوں کے ساتھ نہ جائے گا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ہر مسلمان جنتی ہے اگرچہ بڑا گنہگار ہواور ہوسکتا ہے کہ یہاں بدخلق سے وہ شخص مراد ہو جس کے اخلاق اللہ رسول کے ساتھ بھی خراب ہوں،ظاہر ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور کافر جنت میں کبھی نہ جائے گا۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن مکیث سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش خلقی برکت ہے اور بدخلقی نحوست ۲؎(ابوداؤد)اور میں نے سوائے مصابیح کے وہ نہ دیکھا جو اس حدیث میں اس پر زیادہ ہے۳؎آپ کا فرمان کہ صدقہ بری موت سے بچاتا ہےاور نیکی عمر بڑھاتی ہے۴؎

۱؎آپ صحابی ہیں صلح حدیبیہ میں شریک تھے،بنی جہینہ کے قبیلہ سے ہیں۔

۲؎ اس کا تجربہ بارہا ہوا ہے کہ خوش خلق کی دنیا درست ہوتی ہے بدخلق کے سب دشمن،گھر والے بھی اور باہر والے بھی،خوش خلق کی گھر وباہر والے سب تعظیم اور خدمت کرتے ہیں،بدخلق ہر جگہ سزا ہی پاتا ہے یہاں برکت و نحوست سے یہ ہی مراد ہے۔

۳؎ تمام محدثین کی روایتیں شوم پر ختم ہوگئیں مگر مصابیح میں اگلی عبارت اور بھی ہے کہ صدقہ بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر بڑھاتی ہے کسی محدث نے نہ بیان کی،نہ معلوم مصابیح میں کہاں سے لی گئی،یہ صاحب مصابیح پر اعتراض نہیں،صاحب مشکوۃ کو ملی نہیں۔

۴؎ یعنی سخی آدمی اچانک اور غفلت کی موت سے یوں ہی بے صبری و فسق و فجور و ظلم کی موت سے محفوظ رہتا ہے ان شاءاللہ اس کی موت ذکر و فکر نیک اعمال کی حالت میں آتی ہے بعد موت لوگ اسے اچھائی سے یاد کرتے ہیں،یوں ہی نیکیاں عمر بڑھاتی ہیں اس طرح کہ حکم الٰہی یوں ہے کہ فلاں بندہ اگر گناہ و بدکاری کرتا رہے تو اس کی عمر پچاس سال ہے اور اگر نیکیاں کرے تو اس کی عمر سو سال،یہ زیادتی عمر ایسی ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا مرض دفع کرتی ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ خدا کا حکم کوئی ٹال نہیں سکتا اور موت آگے پیچھے نہیں ہوسکتی،تقدیر بدلنے کی بحث اور عمر گھٹنے بڑھنے کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی پارہ سوم میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے تو وہ اللہ کا ذکر کردے تو اپنے ہاتھ اٹھالو ۱؎ (ترمذی،بیہقی شعب الایمان) لیکن ان کے نزدیک یوں ہے کہ اپنا ہاتھ روک لو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ اُٹھالو ۲؎	

۱؎ یعنی اگر تم اپنی نافرمانی یا تعلیم و تربیت کے لیے اپنے غلام،نوکر،شاگرد،بیٹے بیوی کو مارو اور وہ کہہ دے کہ اللہ کو ضامن کرتا ہوں اب یہ قصور نہ کروں گا اور اب خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو تو تم اللہ کے نام کا ادب کرتے ہو چھوڑ دو،شرعی حدود اس حکم سے خارج ہیں وہ تو مجرم پر پوری جاری کی جائیں گی۔

۲؎ ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوہریرہ اس حدیث میں یہ زیادہ کیا کہ چہرہ پر نہ مارو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ چہرہ تمام اعضاء سے اشرف ہے اسے نہ بگاڑو۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے ۱؎ تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان ۲؎ جدائی کردے گا۔(ترمذی،دارمی) ۳؎	

۱؎ اس تفریق کی بہت صورتیں ہیں اور سب ممنوع۔لونڈی اپنے پاس رکھنا اس کا چھوٹا بچہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا،دوسرے کو ہبہ کردینا،ماں کو اور جگہ رکھنا بچہ کو اور جگہ رکھنا،یہ حکم ماں بیٹے،باپ بیٹے،دادا پوتے وغیرہ سب کو شامل

ہے مگر یہ حکم چھوٹے بچہ کے لیے ہے جو بغیر ماں نہ رہ سکے اور اس کے بغیر ماں بے چین رہے بڑے بچہ کی تفریق جائز ہے۔ امام شافعی کے ہاں سات سال کا بچہ بڑا ہےامام اوزاعی کے ہاں جب بچہ پیشاب پاخانہ سونا کھانا علیحدہ کرسکے،ہمارے امام اعظم کے ہاں بلوغ کی عمر کو پہنچ جانا ہے،بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ جانوروں پر بھی یہ ظلم نہ کرو کہ بہت چھوٹے بچہ کو اس کی ماں سے جدا نہ کرو۔

۲؎ یعنی قیامت کے دن جامع المتفرقین ہے جس دن سارے اگلے پچھلے جمع ہوں گے اور خویش و اقارب کی شفاعت کام آئے گی مگر ایسا ظالم آدمی اس دن اپنے عزیزوں کی ملاقات اور ان کی شفاعت سے محروم ہوگا۔خیال رہے کہ قیامت کے اول دن میں تو کوئی کسی کو نہ پوچھے گا،بھائی بھائی سے بھاگے گا اور آخری حالات اس کے برعکس ہوں گے،وہاں ہر دوست اپنے دوست کو یاد کرکے امداد کرے گا اسی لیے قیامت کا نام یوم حشر بھی ہےاور **یوم التناد** بھی۔

۳؎ یہ حدیث احمد و حاکم نے بھی نقل فرمائی،طبرانی نے حضرت معقل ابن یسار سے یوں روایت کی **من فرق فلیس منا** جو ماں بچہ میں جدائی کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سےفرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام جو آپس میں بھائی تھے ۱؎ عطا فرمائےمیں نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایااے علی تمہارا غلام کیا ہوامیں نے آپ کو یہ خبر دی۲؎ تو فرمایا اسے واپس لے لو اسے واپس لے لو ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اور دونوں چھوٹے تھے یا ایک بڑا اور سمجھ دار تھا دوسرا چھوٹا ناسمجھ جیساکہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا جب دونوں بڑے ہوں تو ان میں علیحدگی کی جاسکتی ہے۔

۲؎ کہ میں نے اسے فروخت کردیا ہے دوسرا میرے پاس ہے۔

۳؎ یعنی بیع فسخ کر کے اسے واپس لے لو یہ مطلب نہیں کہ وہ بیع منعقد ہی نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی بیع مکروہ ہے کہ منعقد ہوچکنے کے بعد اس کا توڑ دینا بہتر ہے دوبارہ فرمانا کہ واپس لے لو واپس لے لو تاکید کے لیے ہے کہ ایسی بیع کا فسخ کردینا بہت ضروری ہے۔بعض روایات میں ہے **ادرك ادرك**۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف ماں اور بچے میں جدائی کرنا ہی ممنوع نہیں بلکہ ہر دوذی رحم قرابتداروں میں جدائی نہ کرے،یہ ہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا ہے۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بچہ میں جدائی کردی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا،تو بیع لوٹا لی(ابوداؤد منقطعًا)	

۱؎اس طرح کہ ان میں سے ایک کو فروخت یا ہبہ کردیا۔خیال رہے کہ ایک کو آزاد کردینے سے جدائی کرنا ممنوع نہیں لہذا ایک عزیز غلام کو آزاد کرسکتے ہیں یوں ہی اگر ان دونوں قریبی بچے غلاموں میں سے ایک اس مالک کا ذی رحم ہو دوسرا نہ ہو تو یہ ذی رحم تو اس کی ملک میں آتے ہی آزاد ہوجائے گا دوسرا نہ ہوا۔
۲؎یعنی اس کی اسناد کے بعض راوی چھوٹ گئے لہذا یہ حدیث منقطع ہے متصل نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جس میں تین خصلتیں ہوں گی اللہ اس کی موت آسان کردے گا۱؎اور اسے اپنی جنت میں داخل کر دے گا ۲؎کمزور پر نرمی اور ماں باپ سے شفقت،غلام سے اچھا سلوک ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎حتف ح کے فتح ت اور ف کے سکون سے بمعنی موت و ہلاکت و سکرات موت،اسی سے ہے حتف انف یعنی بستر پر پڑ کر مرنا اہل عرب کا خیال تھا کہ زخمی کے زخم سے جان نکلتی ہے اور غیر زخمی کی ناک سے نکلتی ہے اسی لیے وہ قتل کے مقابل موت کو حتف انف کہتے تھے یعنی جس شخص میں یہ تین صفات جمع ہوں اللہ تعالٰی اس کی جان کنی آسان فرمادے گا۔
۲؎شروع سے ہی بغیر سزا دیئے،ورنہ ہر مؤمن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو آخر جنت میں ضرور جائے گا۔
۳؎کمزور خواہ جسمانی حیثیت سے کمزور ہو یا مالی حیثیت سے یا عقل سے کمزور جیسے بچے اور دیوانے بے وقوف ان پر مہربانی کرو،یوں ہی ماں باپ کی خدمت بھی کرو اور ان کی ناراضی سے خوف بھی۔شفقت شفق سے بنا بمعنی خوف و ڈر،شفقت اور محبت یا مہربانی کو کہتے ہیں جس میں ڈر بھی ہو،مملوک میں لونڈی غلام جانور وغیرہ سب داخل ہیں یہ الفاظ بہت ہی جامع ہیں،احسان سے مراد حقوق سے زیادہ ان پر مہربانی کرنا۔

روایت ہے ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دیا،تو فرمایا اسے مارنا مت ۱؎کیونکہ مجھے نمازیوں کی مار سے منع کیا گیا ہے۲؎اور میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۳؎یہ مصابیح کے الفاظ ہیں	

۱؎یعنی اگر تمہارا کوئی ذاتی قصور کرے تو حتی الامکان اسے نہ مارنا معاف کردینا یا جھڑک دینا۔
۲؎یعنی مجھے میرے رب نے اپنی ذاتی معاملات میں نمازی کو مارنے سے منع فرمادیا ہے اس مار سے مراد شرعی حدود و تعزیرات کے سواء کی مار ہے،نمازی سے شرعی سزائیں معاف نہ ہوں گی تہمت کے اسی کوڑے مارے ہی جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ ان شاءاللہ نمازی آدمی کو نماز ہی درست کردیتی ہے اسے مار پیٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ"اگر کسی وقت اتفاقًا اس سے کوئی قصور ہوجائے تو اسے مارتے کیوں ہو وہ ان شاءاللہ نماز کی برکت سے ٹھیک ہوجائے گا۔ یہ حدیث ہم گنہگاروں کے لیے بہت ہی امید افزا ہے، اللہ تعالٰی نماز کی پابندی اور جماعت کی توفیق دے تو ان شاءاللہ دنیا کی مار سے بھی بچیں گے اور رب تعالٰی اور اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کی سزا سے بھی بچائیں گے،جب یہاں شفاعت ہورہی ہے تو وہاں بھی شفاعت ہو گی۔شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے   کب وہ چاہیں گے میری حشرمیں رسوائی ہو

	اور دار قطنی کے مجتبٰی میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا۱؎

۱؎ امام جزری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ازروئے اسناد صحیح ہے، اسے امام احمد نے اپنی مسند میں اسی طرح روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے حضور کے پاس دو غلام تھے ایک حضرت علی کو عطا فرمایا اور انہیں تاکید فرمائی کہ اسے مارنا مت یہ نمازی ہے ہم نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔اس کی اسناد میں ابو غالب بصری ہیں وہ صحیح الحدیث ہیں ،ترمذی نے ان کی روایات کی تصحیح کی ہے لہذا حدیث صحیح ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہواعرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم خادم کو کتنی بار معافی دیں حضور خاموش رہے ۲؎ اس نے پھر وہ سوال دہرایا آپ خاموش رہے پھر جب تیسری بار سوال ہوا۳؎ تو فرمایا اسے ہر دن میں ستر بار معافی دو۴؎(ابوداؤد)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عمرو واؤ کے ساتھ ہے مگر صحیح عبداللہ ابن عمر کی یہ روایت ہے۔

۲؎ یا تو اس لیے خاموش رہے کہ اس کا یہ سوال پسند نہ آیا کیونکہ یہ بات پوچھنے کی نہیں نفسیاتی چیز ہے کہ اگر زیادہ معافی دینے سے غلام بگڑتا ہے تو کبھی کچھ سرزنش کردو،یا اس لیے خاموش رہے کہ وحی الٰہی کا انتظار تھا یا اس لئے خاموشی اختیار فرمائی تاکہ حضور کا جواب سائل کے دل میں بیٹھ جائے کہ جو چیز بہت انتظار کے بعد ملتی ہے اس کی قدر ہوتی ہے۔فقیر کے نزدیک یہ تیسری وجہ قوی ہے،اشعہ و مرقات نے پہلی دو وجہیں بتائیں۔

۳؎ یہ تینوں بار سوال ایک ہی مجلس میں ہوئے،بعض شارحین نے ثُمَّ سے سمجھا کہ ان سوالوں میں کئی دن کا فاصلہ تھا کہ وہ شخص دوچار دن کے وقفہ سے آتا اور یہ سوال کرتا تھا مگر یہ صحیح نہیں ثُمَّ اسی لیے کہا گیا کہ سائل نے کچھ دیر جواب کا انتظار دیکھ کر پھر سوال کیا مسلسل نہ کیا۔

۴؎عربی میں ستر کا لفظ بیان زیادتی کے لیے ہوتا ہے یعنی ہر دن اسے بہت دفعہ مافی دو،یہ اس صورت میں ہو کہ غلام سے خطاءً غلطی ہوجاتی ہو خباثت نفس سے نہ ہو اور قصور بھی مالک کا ذاتی ہو شریعت کا یا قوی و ملکی قصور نہ ہو کہ یہ قصور معاف نہیں کیئے جاتے ۔

ترمذی بروایت عبداللہ ابن عمرو۱؎	

۱؎یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن یونس نے تاریخ مصر میں بھی نقل فرمائی،بخاری نے اپنی تاریخ میں عباس ابن خلید کی اسناد سے نقل کی اور فرمایا کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوذررضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے غلاموں سے جو تمہارے موافق ہو۱؎ تو اس میں سے اسے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور پہناؤ اس سے جو خود پہنتے ہو ۲؎اور جو موافق نہ ہواسے بیچ دواللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو ۳؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎لائم یلائم باب مفاعلہ سے ہے ملائمة بمعنی موافقت اسی سے ہے ملائم بمعنی موافق،ملائمۃ بمعنی موافقت و مناسبت یعنی جس غلام کی طبیعت تم سے مل جائے وہ تمہارے مزاج کے موافق و مناسب ہو۔

۲؎یعنی ایسے غلام کی قدر کرو جو تمہاری خدمت میں کوتاہی نہیں کرتا تم اس کی خاطر مدارات میں کمی نہ کرو،موافق انسان مشکل سے ملتا ہے مردم شناسی بڑا جوہر ہے جس گھر میں مردم شناسی نہ ہو وہ گھر ویران ہوجائے گا اور جس ملک میں مردم شناسی نہ ہو وہ ملک برباد ہوجائے گا۔عہد فاروقی اور صدیقی میں مردم شناسی تھی جس سے ملک و ملت میں رونق لگ گئی اپنے کھانے و لباس میں سے اسے کھلانا پہنانا حکم استحبابی ہے جس سے غلام خوش ہوکر اور زیادہ خدمت کرے گا۔

۳؎یعنی اسے اپنے پاس رکھو، مت مارو پیٹو کہ اس سے تم کو بھی تکلیف ہوگی اس کو بھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ ہی حکم موافق اور نا موافق جانور کا ہے کہ پسند آئے تو اس کی خدمت کرو نرمی سے کام لو، ناپسند ہو تو فروخت کردو۔

روایت ہے حضرت سہیل ابن حنظلیہ سے ۱؎فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ پر گزرے،جس کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی تھی ۲؎تو فرمایا ان بے زبان جانوروں میں اللہ سے ڈرو ۳؎ان پر سوار ہوجب وہ لائق سواری ہوں ۴؎اور انہیں چھوڑ دو لائق سواری کی حالت میں ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ سہیل کے والد کا نام ربیع ابن عمرو ہے،حنظلیہ یا تو ان کی پردادی کا نام ہے یا ان کی ماں کا نام،حضرت سہیل بیعتہ الرضوان میں شریک تھے،گوشہ نشین عابد تھے،شام میں قیام رہا،امیر معاویہ کی شروع خلافت میں دمشق میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ یعنی سخت بھوک و پیاس کی وجہ پیٹ پیٹھ سے لگ گیا تھا۔

۳؎ علماء فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم انسان پر ظلم کرنے سے زیادہ بڑا ہے کہ انسان تو اپنا دکھ درد کسی سے کہہ سکتا ہے بے زبان جانور کسی سے فریاد بھی نہیں کرسکتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کا چارہ پانی مالک پر واجب ہے،بعض آئمہ کے ہاں ظالم مالک کو حاکم جانور فروخت کردینے پر مجبور کرسکتا ہے۔

۴؎ یعنی جو جانور سواری کے لائق ہو اس پر سوار ہو،بیمار اور کمزور،چھوٹے بچے پر نہ سواری کرو نہ بوجھ لادو،یہ ہے اسلامی عدل و انصاف اور یہ ہے حضور کی رحمت علی الخلق،آج حکومتیں جانوروں کے متعلق قوانین بناتی ہیں ظالم مالکوں کا چالان کرتی ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۵؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جانور کو بالکل تھکا کر نہ چھوڑو بلکہ ابھی اس میں قوت ہو کہ اسے کھول دو کہ وہ دانہ پانی کھا پی لیں اس سے جانور کی تندرستی اور قوت خراب نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ جانور کو بوڑھا ناکارہ کرکے محنت سے آزاد نہ کرو بلکہ ابھی اس میں کچھ طاقت ہو کہ اس سے کام لینا موقوف کردو،گائے،بھینس وغیرہ ہے تو انہیں ذبح کرادو،گھوڑا وغیرہ ہے تو اسے کام سے آزاد کردو،کچھ کھانا جاری رکھو اس سے اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے گااور تمہارے گھر میں برکت دے گا یہ بہت آزمایا ہوا عمل ہے۔بعض لوگ بوڑھے جانور کو نکالتے نہیں بلکہ کام سے آزاد کردیتے ہیں،کھانا پانی جاری رکھتے ہیں،یہ ہی غلاموں،نوکروں سے برتاؤ کرو بوڑھے نوکروں کو پنشن دی جاتی ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۔شعر

رسم است کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندہ پیر
اے بار خدا عالم آرا برسعدی پیر خود بہ بخشا

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں جب اللہ تعالٰی کا یہ فرمان نازل ہوا کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو اچھا ہو ۱؎ اور یہ فرمان نازل ہوا کہ جو لوگ ظلمًا یتیموں کا مال کھاتے ہیں ۲؎ تو جن کے پاس یتیم تھے وہ چلے ان کا کھانا اپنے کھانے سے اور ان کا پانی اپنے پانی سے علیحدہ کردیاتو جب یتیم کے کھانے پینے سے کچھ بچ رہتا تو اسی کے	

	لیے رکھ لیتے حتی کہ یا تو یتیم کھا پی لیتا یا وہ چیز بگڑ جاتی ان لوگوں پر یہ بہت گراں گزرا ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے یہ عرض کیا ۴؎ تب یہ آیت اللہ نے اتاری کہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں فرما دو ان کی اصلاح بہتر ہے اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں تب انہوں نے ان کا کھانا اپنے کھانے سے اور ان کا پانی اپنے پانی سے ملایا ۵؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ قریب جانے سے منع فرمانا مبالغہ کے لیے ہے یعنی یتیم کا مال کھانا تو در کنار اس کے قریب بھی نہ جاؤ اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤ جیسے رب تعالٰی نے حضرت آدم و حوا سے فرمایا تھا کہ اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

۲؎ اگرچہ آیت کریمہ میں ظلمًا کی قید تھی مگر صحابہ کرام نے خوف الٰہی کے باعث ادھر نظر ہی نہ کی وہ سمجھے کہ شاید یتیم کا مال ملانے کی صورت میں اس کا جو ٹکڑا یا قطرہ ہمارے پیٹ میں پہنچ جائے وہ بھی آگ ہی ہو یا ہم اسے ظلم نہ سمجھیں اور واقعہ میں وہ ظلم ہو لہذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضرات صحابہ کلام الٰہی کے منشاء سے بے خبر تھے تقویٰ کچھ اور ہی چیز ہے۔

۳؎ اس صورت میں یتیم کا خرچہ بھی زیادہ ہونے لگا اور ان کے والیوں کو تکلیف بھی زیادہ کیونکہ ایک آدمی کے لیے الگ کھانا پکانے میں بہت خرچہ پڑتا ہے اور کام بھی دوگنا ہوجاتا ہے خصوصًا جب کہ نمک مرچ لکڑی وغیرہ الگ رکھی جائے پھر بچی چیز سنبھالنا،خراب ہوجانے پر پھینکنا تکلیف دہ ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو جو کچھ رب تعالٰی سے عرض کرنا ہوتا وہ حضور سے عرض کرتے تھے،حکم قرآن کی وجہ سے ان کو دشواری ہوئی تو بارگاہ رسالت میں آکر زاری کی اور رب تعالٰی بھی اس عرض و معروض پر انکی دادرسی فرماتا تھا۔

۵؎ مطلب یہ ہے کہ یتیم کا مال برے ارادے سے ظلمًا کھانا ممنوع ہے تم اس حکم سے خارج ہو کہ تمہاری نیت اصلاح ہے۔اس آیت کی بنا پر علماء نے فرمایا کہ اگر سفر میں کوئی ساتھی بیمار یا فوت ہوجائے تو دوسرے ساتھی اس کا مال اس کے علاج یا کفن دفن پر خرچ کرسکتے ہیں، حضرت امام محمد سے کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ حج کو جارہے تھے کہ ایک ساتھی فوت ہوگیا ہم نے اس کا مال فروخت کردیا اس کا کیا حکم ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو فقیہ نہ ہوتے،اس وقت مصلحت اسی میں تھی ورنہ اس کا وزنی مال و اسباب برباد ہوجاتا، خود امام محمد نے اپنے ایک شاگرد کی کتابیں فروخت کرکے اس کے کفن و دفن پر خرچ کیں، لوگوں نے پوچھا کہ اس نے مرتے وقت اس کی وصیت تو نہ کی تھی آپ نے یہ ہی آیت پڑھی" وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ "۔(مرقات وفتح القدیر)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جو باپ کو اس کے بچہ سے اور بھائی کو اس کے بھائی سے جدا

کرے ۱؎(ابن ماجہ،دار قطنی)	

۱؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ صرف باپ بیٹے میں جدائی ڈالنا ممنوع نہیں بلکہ ہر دو ذی رحم عزیز و قرابتداروں کو جدا کرنا ممنوع ہے، یہ حکم بہت چھوٹے بچے کے متعلق ہے جو دوسرے عزیز کے بغیر گزارہ نہ کرسکے، اس کی صورتیں پہلے گزر چکیں ماں بیٹے یا بھائی بھائی ایک شخص کی ملکیت میں ہوں وہ ان میں سے کسی ایک کو ہبہ کردے یا فروخت کردے یہ حرام ہے یہ دونوں اپنے پاس رکھے یا دونوں ایک ہی کو دے تاکہ وہ ساتھ رہیں، جانور کے چھوٹے بچہ کو اس کی ماں سے جدا کردینا حرام ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب قیدی لائے جاتے تو آپ سارے گھر والے ایک کو اکٹھے دیتے ۱؎ یہ ناپسند فرماتے ہوئے کہ ان میں جدائی ڈالیں ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اہل البیت اعطی کا مفعول اول ہو اور مفعول دوم پوشیدہ یعنی غلاموں کا پورا کنبہ ماں بچے بھائی بہن وغیرہ ایک ہی مسلمان کو عطا فرماتے،یہ نہ کرتے کہ ماں کسی کو بچہ کسی کو۔دوسرے یہ کہ اہل البیت مفعول دوم ہو اور اعطی کا پہلا مفعول وہ قیدی ہوں جو ابھی مذکور ہوئے یعنی وہ قیدی ایک گھر والے مؤمن کو عطا فرماتے پہلے معنے اشعۃ اللمعات نے اختیار کیے،دوسرے معنی مرقات نے،مقصد ایک ہی ہے کہ قیدی غلاموں کو اکٹھا رکھتے۔

۲؎ یہ عمل شریف اس صورت میں تھا کہ ان قیدیوں میں بعض بہت چھوٹے ناسمجھ بچے ہوتے کہ جدائی ڈالنے سے ان کی پرورش مشکل ہوجاتی اور ماں کو تکلیف ہوتی، جوان لونڈی غلاموں میں علیحدگی کرنا جائز ہے، اس سے تکلیف نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم میں بدترین لوگوں کی خبر نہ دوں ؟ وہ ہے جو اکیلا کھائے ۱؎اور اپنے غلام کو کوڑے مارے اور وہ اپنی عطا ۲؎ روکے (زرین)	

۱؎ یا تو بخل کی وجہ سے اکیلا کھائے بچے اور گھر والے اس کا منہ تکیں اور یہ عمدہ غذائیں اکیلا کھائے انہیں معمولی کھلائے،یا تکبر و غرور کی وجہ سے کسی کے ساتھ کھانا گوارا نہ کرے،اگر غربت و ضرورت کی وجہ سے اکیلا کھائے تو ممنوع نہیں،ایک شخص گھر کا بوجھ اٹھاتاہے، محنت کرتا ہے اس لیے کچھ مقوی غذا کھاتا ہے تاکہ کام کاج کرسکے، وہ چیز ہے تھوڑی سی سب کو کافی نہیں تو مضائقہ نہیں،اس صورت میں علیحدگی میں کھانا چاہیے سب کے سامنے کھانا بے مروتی ہے۔(ازمرقات مع زیادت)

۲؎ یعنی بے قصور غلاموں ماتحتوں کو مارے پیٹے اور گھر والے مہمانوں اور نوکروں کو ان کا حق نہ دے، بخیل بھی ہو بدخلق بھی اسے بدترین اس لیے فرمایا گیا کہ بندوں کے حقوق مارتا ہے رب تعالٰی کی نافرمانی کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے	

	فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدخلق آدمی جنت میں نہ جائے گا۱؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ نے ہم کو یہ خبر نہ دی کہ یہ امت تمام امتوں سے زیادہ غلاموں اور یتیموں والی ہے ۲؎ فرمایا ہاں تم ان پر اپنی اولاد کی طرح مہربانی کرواور انہیں اس سے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو ۳؎ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کو کتنی دنیا نفع دے گی ۴؎ فرمایا وہ گھوڑا جسے تم پالوجس پر اللہ کی راہ میں جہاد کرواور ایک غلام تمہیں کافی ہے ۵؎ جب وہ نماز پڑھےتو تمہارا بھائی ہے ۶؎(ابن ماجہ)

۱؎ سیّ الملکة اسے کہتے ہیں جو اپنے مملوک غلاموں لونڈیوں سے بدخلقی کرے ان سے بُرابرتاؤ کرے یہ حدیث اس باب میں پہلے بھی گزر چکی ہے مگر یہاں زیادتی کے ساتھ ہے۔

۲؎ سوال کا مقصد یہ ہے کہ حضور نے خبر دی ہے کہ اس امت کو رب تعالٰی ملکوں کی فتوحات بہت دے گا جن سے ان کو غلام لونڈیاں بہت ہاتھ لگیں گی اور سب غلاموں سے اچھا برتاوا مشکل ہے تو ہم لوگ جنت میں کیسے جاسکیں گے حالانکہ حضور نے خبر دی ہے کہ میری امت زیادہ جنتی ہے حتی کہ جنتیوں کی کل ایک سو بیس صف ہوں گی اسی۸۰ میری امت کی باقی چالیس ساری امتوں کی۔

۳؎ جواب کا خلاصہ یہ ہے بڑوں کی ذمہ داریاں بھی بڑی ہوتی ہیں خدا پاک تمہیں لونڈی غلام بہت دے گا تم ان سے برتاؤ اچھا کرو، کیا بہت بال بچوں والا آدمی بچوں کی نگرانی نہیں کرتا ضرورکرتا ہے تم بھی ان غلاموں کے حقوق پورے کرو،اس سوال میں یتیموں کا ذکر تبعًا ہے۔

۴؎ یعنی دنیا کی بہت قسمیں ہوں گی گھر بار،جائیداد، دکانیں،کھیتی باڑی،جانور وغیرہ ان میں سے زیادہ نافع کون کون سی چیز یں ہیں۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسا حکیمانہ جواب ہے یعنی ایک گھوڑا جو جہاد کی نیت سے پالو اور ایک غلام جو جہاد وغیرہ کے موقعہ پر خدمت کے لیے رکھو تمہاری بخشش کے لیے کافی ہے کہ اس صورت میں یہ دونوں چیزیں دنیا میں بھی نافع ہیں،آخرت میں بھی بخشش کا ذریعہ،غلام تمہارا دنیا کا کاروبار چلائے تم فارغ ہو کر رب کی یاد کرواس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے۔

۶؎ یعنی نمازی مسلمان غلام کو اپنا غلام نہ سمجھو اپنا بھائی سمجھو اور اس سے برادرانہ برابری کا سلوک کرو،یہ ہے اسلامی اخلاق اب تو لوگ اپنے سگے بھائی کو بھائی نہیں سمجھتے، باپ کو ستاتے مارتے پیٹتے ہیں رب تعالٰی اس پر عمل کی توفیق دے۔

باب بلوغ الصغیر وحضانتہ فی الصغر

بچہ کی جوانی اورلڑکپن میں اس کی پرورش کا بیان ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎یعنی اس باب میں دوچیزیں بیان ہوں گی:ایک یہ کہ بچے کے بلوغ کی حد کیا ہے۔دوسرے یہ کہ بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے۔حضانت حضن سے بنا بمعنی گود میں لینے یا مرغی کے پر،حضانت بچہ کو گود میں لینے یا مرغی کے اپنے بچہ یا انڈے کو اپنے پروں میں ڈھکنے کوکہتے ہیں۔اصطلاح میں بچہ کی پرورش کو حضانت کہا جاتا ہے۔(لمعات و اشعہ و مرقات)خیال رہے کہ بلوغ کی عمر لڑکی کے لیے نو برس سے پندرہ برس تک ہے،لڑکے کے لیے بارہ برس سے پندرہ برس تک ہے اس پر فتویٰ ہے اور بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے اگرچہ طلاق یافتہ ہو،ماں نہ ہو تو نانی پڑنانی کو،یہ بھی نہ ہوں تو دادی پڑدادی کو،یہ بھی نہ ہوں تو سگی بہن کو پھر خالہ پھوپھی کو۔پرورش کا حق اس وقت تک ہے کہ بچہ خود کھا پی سکے استنجاء کرسکے،لڑکے کے لیے سات سال اور لڑکی کے لیے حیض آنے تک،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سےفرماتے ہیں کہ میں رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے سال پیش کیا گیاجب کہ میں چودہ سال کا تھا تو مجھے قبول نہ فرمایا ؎پھر خندق کے سال پیش کیا گیاجب کہ میں پندرہ برس کا تھا تو مجھے قبول فرمالیا ؎حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فرمایا کہ یہ ہی غازیوں اور بچوں کے درمیان فرق ہے ؎ (مسلم،بخاری)	

؎یعنی ۳ھ میں غزوہ احد ہوا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھرتی کے لیے پیش کیا گیا کہ میرا نام بھی غازیوں کی فہرست میں ہو اور مجھے سپاہیانہ حیثیت سے غزوہ میں جانے کی اجازت ملے تو حضور نے انکار فرمادیا کہ ابھی یہ نابالغ بچے ہیں۔

؎یعنی ۴ھ میں غزوہ خندق ہوا تب میری عمر پندرہ سال ہوچکی تھی تب میں اسلامی فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہوا تو مجھے بھرتی کرلیا گیا۔

؎خیال رہے کہ لڑکی کے بلوغ کی عمر کم از کم نو سال ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال اور لڑکے کے بلوغ کی عمر کم از کم بارہ سال زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہے مگر ایک روایت میں اس کی انتہائی عمر پندرہ سال ہے فتویٰ اسی پر ہے، یہ تو

سن کے لحاظ سے بلوغ کا ذکر تھا،علامت بلوغ لڑکی کے لیے حیض ہوجانا یا زیر ناف بال آجانا یا احتلام ہے،لڑکے کے لیے علامات بلوغ احتلام، حاملہ کردینا، زیر ناف بال ہیں، یہاں بلوغ کی انتہائی عمر کا ذکر ہے لہذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس عمر سے پہلے لڑکا بالغ ہوسکتا ہی نہیں،مطلب یہ ہے کہ اگر پندرہ سال کی عمر میں بھی یہ کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو لڑکا بالغ مانا جائے گا۔(مرقات و اشعہ وغیرہ)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن ۱؎ تین چیزوں پر صلح فرمائی اس پر مشرکین میں سے جو آپ کے پاس آئے حضور اسے لوٹا دیں کفار کی طرف ۲؎ اور جو مسلمان ان کے پاس چلا جائے وہ اسے واپس نہ کریں ۳؎ اور اس پر کہ سال آئندہ مکہ میں داخل ہوں اور وہاں تین دن قیام فرمائیں ۴؎ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے اور مدت گزر گئی تو وہاں سے روانہ ہوئے ۵؎ تو حضرت حمزہ کی بیٹی آپ کے پیچھے ہولی چچا جان چچا جان کہتی ہوئی ۶؎ تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا اس کا ہاتھ پکڑ لیا ۷؎ اس بچی میں جناب علی،زید،جعفر جھگڑے ۸؎ حضرت علی نے فرمایا کہ اسے میں نے لیا ہے وہ میری چچا زاد ہے ۹؎ اور حضرت جعفر بولے میری چچا زاد ہے اس کی خالہ میرے پاس ہے ۱۰؎ حضرت زید بولے میری بھتیجی ہے ۱۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کی خالہ کے لیے کیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہے ۱۲؎ اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ۱۳؎ اور جناب جعفر سے فرمایا تم میری ہم صورت ہم سیرت ہو ۱۴؎ اور حضرت زید سے فرمایا تم ہمارے بھائی ہمارے پیارے ہو ۱۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حدیبیہ مکہ معظّمہ کے قریب ایک کنوئیں کا نام ہے،اس کنویں کی وجہ سے اس جنگل کا نام بھی حدیبیہ ہوگیا ہے یہ حدّہ منزل کے قریب ہے جسے اب بیر شمیس کہتے ہیں یہ جگہ حرم شریف کی انتہاء پر واقع ہے،حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے کچھ حصہ حرم سے خارج،حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائے

جب یہاں پہنچے تو کفار نے روک دیا آخر کار ان باتوں پر مسلمانوں اور کفار میں صلح ہوئی جس کا ذکر یہاں ہے،اس کا واقعہ ان شاءاللہ کتاب اطہار میں آئے گا۔

۲؎یعنی اگر مشرکین مکہ میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور کے پاس پہنچ جائے اور مشرکین اس کا مطالبہ کریں تو سرکار اسے روکیں نہیں بلکہ ان مشرکین کے پاس بھیج دیں۔

۳؎یعنی جو مسلمان مرتد ہو کر کفار مکہ کے پاس پہنچ جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس بلانے کا حق نہ رکھیں،بظاہر یہ شرط بہت سخت معلوم ہوتی تھی مگر اس شرط نے کفار مکہ کی کمر توڑ دی اور آخر کار فتح مکہ ہوگئی،یہ ہے حضور کی بے مثال سیاست۔

۴؎یعنی اس سال بغیر عمرہ کیے مدینہ منورہ واپس ہوجائیں سال آئندہ عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ آئیں اور یہاں تین دن قیام کرکے واپس ہوجائیں۔

۵؎یعنی عمرہ کرکے تین دن مکہ معظّمہ میں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس ہونے لگے۔

۶؎اس بچی کا نام عمارہ تھا اسی کی وجہ سے جناب حمزہ کی کنیت ابو عمارہ تھی اگرچہ حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے،اس رشتہ سے یہ بچی حضور کی چچا زاد بہن تھی مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حمزہ زید ابن حارثہ تینوں نے بی بی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اسی لیے جناب حمزہ کے رضاعی بھائی تھے، نیز اہل عرب بزرگوں کو چچا کہہ کر پکارتے ہیں ان وجوہ سے اس بچی نے حضور کو چچا جان چچا جان کہہ کر پکارا،مطلب یہ تھا کہ مجھے کہاں چھوڑے جاتے ہو میں بھی آپ کے ساتھ مدینہ چلوں گی۔

۷؎اور اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے آئے یہ مدینہ لے آنا اس شرط کے خلاف نہ تھا کہ جو گزشتہ سال صلح کے وقت لکھی گئی تھی کیونکہ حضور نے اس بچی کو بحق اسلام نہ لیا بلکہ بحق قرابت،نیز وہ شرط مردوں کے لیے تھی کہ جو مرد مسلمان ہو کر مدینہ آجائے اسے واپس کیا جائے،یہ بچی تھی اسی لیے اہل مکہ نے نہ تو اس بچی کے لیے جانے پر اعتراض کیا اور نہ اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

۸؎یہ بچی باپ کے سایہ سے محروم ہوچکی تھی کہ جناب حمزہ آج سے پانچ سال پہلے غزوہ احد میں شہید ہوچکے تھے اس کی والدہ یا فوت ہوچکی تھیں یا مکہ معظّمہ رہ گئی تھیں اس لیے اب اس کی پرورش کا سوال پیدا ہوا چنانچہ یہ مناظرہ پیش آیا کہ ان بزرگوں میں سے ہر صاحب چاہتے تھے کہ اس بچی کی پرورش کی سعادت ہم کو میسر ہو جیسے حضرت مریم کی پرورش پر بنی اسرائیل میں جھگڑا ہوا تھا۔

۹؎جناب علی نے اپنے استحقاق کے دو دلائل پیش فرمائے: ایک یہ کہ یہ بچی گویا لقیطہ ہے اٹھائی ہوئی ہے اور لقیطہ کی پرورش پانے اٹھانے والا کرتا ہے،دوسرے جناب حمزہ میرے چچا ہیں یہ میری چچازاد بہن ہے۔

۱۰؎حضرت جعفر جو جناب علی کے بڑے بھائی ہیں آپ سے دس سال عمر میں زیادہ ہیں انہوں نے اپنے استحقاق کی دو وجہیں بیان فرمائیں:ایک یہ کہ میرے چچا کی بیٹی ہے کہ حمزہ ابن عبدالمطلب میرے چچا ہیں یعنی میرے والد ابو طالب کے بھائی۔ دوسرے یہ کہ اس بچی کی خالہ اسماء بنت عمیس میری بیوی ہے اور خالہ کو اپنی بھانجی کی پرورش کا حق ہوتا ہے میں بھی حق دار ہوں میری بیوی بھی۔(اشعہ)

۱۱؎ حضرت زید ابن حارثہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بظاہر آزاد کردہ تھے یہ حضرت حمزہ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حمزہ کو عقد مواخاۃ کے موقعہ پر حضرت زید کا بھائی بنایا تھا اس ڈبل بھائی ہونے کی وجہ سے یہ مدعی استحقاق پرورش تھے(مرقات و اشعہ)

۱۲؎ یعنی حضرت جعفر ابن ابی طالب کو حق پرورش دیا کیونکہ بچی کی خالہ ان کی زوجہ تھیں وہ انہیں پالیں گی،اسی بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ ماں،نانی کے بعد خالہ کو بچی کی پرورش کا حق ہے اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے، پھر سب کی تسلی فرماتے ہوئے فرمایا۔

۱۳؎ یعنی تم میں مجھ میں انتہائی اتحاد و یگانگت ہے،تم اس بچی کے نہ ملنے پر ملول ہو تم کو میرا قرب حقیقی تو حاصل ہے میں نے تمہارے گھر میں پرورش پائی تم نے میرے گھر اور میری گود میں تربیت پائی میں خاتم الانبیاء تم خاتم الخلفاء میں مصدر نبوت تم منبع ولایت گویا ہم تم ایک ہی ہیں۔سبحان اللہ! یہ کلمات حضرت علی کی انتہائی عظمت بتارہے ہیں۔

۱۴؎ یعنی اے جعفر تم کو اس بچی کے ملنے پر خوشی ہوئی،بڑی خوشی یہ ہے اللہ تعالٰی نے تمہیں بڑی نعمت بخشی ہے کہ تم صورت و سیرت میں میرے مشابہ ہو میری ہم شکل و مناسبت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۱۵؎ یعنی تم بھی اس بچی کے نہ ملنے پر رنجیدہ نہ ہو، تم ہمارے اسلامی بھائی ہو ہمارے پیارے ہو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان کو اپنا بھائی فرمادیں یہ ان کا کرم ہے مگر کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ اپنے کو حضور کا بھائی کہے یا بھائی کہہ کر پکارے۔اس حدیث کی بنا پر امام مالک نے فرمایا کہ بچہ کی خالہ اس کی نانی سے زیادہ پرورش کی حق دار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کو ماں قرار دیا۔ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا خالہ ماں ہے مگر یہ استدلال کچھ کمزور سا ہے،خالہ کو ماں سے تشبیہ دینا حق پرورش کے لیے ہے نانی پر ترجیح اس سے ثابت نہیں ہوتی،نانی تو احکام شرعیہ میں بھی ماں کی طرح ہے اسی لیے وہ ماں کی سی میراث یعنی چھٹا حصہ پاتی ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو سے راوی کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ یہ میرا بچہ ہے کہ میرا پیٹ اس کا برتن تھا اور میرے پستان اس کے مشکیزے ۱؎ اور میری گود اس کی آرام گاہ ۲؎ اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دی دی اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی مستحق تو ہے جب تک اپنا نکاح نہ کر لو ۳؎ (احمد) ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ کہ میں نے اسے نو مہینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اسے اپنے پستان چوسائے دودھ پلایا۔

۲؎حواء ح کے کسرہ سے بمعنی خیمہ جو جنگل میں عارضی قیام کے لیے لگایا جائے،چونکہ ماں کی گود بچہ کا عارضی مقام ہے اس لیے اسے خیمہ سے تشبیہ دی،یہ بی بی بڑی فصیحہ تھیں۔

۳؎یہ بچہ بہت چھوٹا تھا جس میں عقل و ہوش و تمیز نہ تھی اس لیے اسے اختیار نہ دیا گیا بلکہ ماں کو مرحمت ہوا،اگلی آنے والی حدیث میں بچہ سمجھ دار تھا اس لیے اسے اختیار دیا گیا لہذا حدیث میں تعارض نہیں، حالات کے اختلاف سے احکام مختلف ہوجاتے ہیں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ چھوٹے بچہ کی پرورش کی مستحق ماں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ماں بچے کے اجنبی شخص سے نکاح کرے تو اس کا یہ استحقاق جاتا رہے گا،پھر بچہ باپ کو ملے گا ہاں اگر اس نے بچہ کے چچا وغیرہ ذی رحم سے نکاح کیا تو اس کا حق پرورش باقی رہے گا۔(دیکھو کتب فقہ)

۴؎یہ حدیث حاکم نے بھی نقل فرمائی اور اسے صحیح کہا۔خیال رہے کہ یہ عمرو،عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں،اگر جد سے مراد محمد ہوں تو حدیث مرسل ہوتی ہے اور اگر جد سے مراد عبداللہ ابن عمرو ہوں تو حدیث متصل،کیونکہ محمد تابعی ہیں اور عبداللہ ابن عمرو صحابی،اسی لیے جہاں فقط جدہ ہوتا ہے وہاں ارسال و اتصال دونوں کا احتمال ہوتا ہے،یہاں چونکہ عبداللہ کی تصریح ہے لہذا حدیث متصل ہے،یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ چھوٹے بچہ کی پرورش ماں کا حق ہے۔چنانچہ مؤطا امام مالک اور عبدالرزاق و بیہقی میں ہے کہ حضرت عمر نے اپنی ایک انصاری بیوی کو طلاق دی جس کے بطن سے ایک بچہ عاصم تھاحضرت عمر نے اسے لینا چاہانانی نے انکار کیا مقدمہ بارگاہِ صدیقی میں پیش ہواتو آپ نے نانی کے حق میں فیصلہ فرمایا،بچہ سمجھ دار تھا اسے کھیلتے ہوئے حضرت عمر نے اٹھالیا،یہ حدیث بہت طریقوں سے منقول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو ۱؎ اس کے ماں باپ کے درمیان اختیار دیا ۲؎(ترمذی)	

۱؎لڑکے سے مراد بالغ لڑکا ہے مجازًا اسے غلام فرمایا گیا ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوٰلَهُمْ"یا باہوش سمجھ دار بچہ مراد ہے۔(مرقات)

۲؎یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے ان کے ہاں سمجھ دار بچے کو اختیار دیا جاتاہے،ہمارے ہاں سات سال کا سمجھ دار بچہ باپ کو ملے گا کیونکہ اب اس کی تربیت و تعلیم کا زمانہ ہے یہ کام باپ ہی کرسکتا ہے،ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں باپ نماز کا حکم اسے جب ہی دے سکتا ہے جب بچہ اس کی پرورش میں ہو ہمارے ہاں یہ حکم خصوصی یا منسوخ ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی بولی کہ میرا خاوند ۱؎ میرے بچے کو لے جانا چاہتا ہے یہ بچہ مجھے پانی پلاتا ہے،مجھے نفع پہنچاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے	

	فرمایایہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہےان میں سے جس کو چاہے ہاتھ پکڑ لےتو بچے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیاوہ اسے لے گئی ۲؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎یہاں خاوند مجازی معنے میں ہے یعنی جو میرا خاوند تھا ورنہ اب تو یہ عورت مطلقہ ہوچکی تھی۔

۲؎اس کی تحقیق ابھی ہوچکی کہ یہ حدیث امام شافعی و احمد کی دلیل ہے کہ ہوش مند بچہ کو ان کے ہاں اختیار ملتا ہےماں باپ میں سے جس کے پاس چاہے رہے،ہمارے ہاں نہیں بلکہ چھوٹا جو محتاج پرورش ہو ماں کو ملے گا سمجھ دار بچہ جو حد پرورش سے نکل چکا ہو اور تعلیم و تربیت کا حاجت مند ہو باپ کو ملے گاکیونکہ پرورش ماں اچھی کرتی ہےتربیت باپ،یہ حدیث یا منسوخ ہے اس حدیث سے جو ابھی مذکور ہوئی یہ خصوصی حکم ہے،بہرحال امام اعظم کا قول قوی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ہلال ابن اسامہ رضی اللہ عنھما سے وہ ابو میمونہ سلیمان سے راوی ۱؎جو اہلِ مدینہ کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ اس حال میں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت فارسی ان کے پاس آئی جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا اور اسے اس کے خاوند نے طلاق دے دی تھیان دونوں نے بچہ کا دعویٰ کیاعورت نے فارسی میں کلام کیا ۲؎بولی اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بچے کو لے جائے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایااس پر قرعہ ڈال لوآپ نے فارسی میں یہ فرمایا ۳؎پھر اس کا خاوند آیابولا کہ میرے بچہ میں مجھ سے کون جھگڑ سکتا ہے۴؎تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا الٰہی میں نہیں کہتا ۵؎مگر اس لیے کہ میں بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ آپ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی بولی یارسول اللہ میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بچہ کو لے جائے ۶؎ حالانکہ یہ بچہ مجھے آرام پہنچاتاہے مجھے ابو عنبہ کے کنوئیں سے پانی پلاتا ہے ۷؎اور نسائی کے ہاں کہ میٹھا پانی پلاتا ہے ۸؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تم

	دونوں قرعہ ڈال لوتو خاوند بولا میرے بچہ کے متعلق مجھ سے کون جھگڑ سکتا ہے ۹؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرا باپ ہےاور یہ تیری ماں ہےتو ان میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑلیا ۱۰؎(ابوداؤد،نسائی)لیکن نسائی نے مسند کا ذکر کیا اور دارمی نے ہلال ابن اسامہ سے روایت کی۔

۱؎ ہلال ابن اسامہ تبع تابعی ہیں،ثقہ ہیں اور ابومیمونہ تابعی ہیں،ان کے نام میں اختلاف ہے یا سلمان ہے بغیری کے یا سلیمان ہے ی کے ساتھ یا سلیم ہے یا سلمہ یا اسامہ،صاحب مشکوۃ کے نزدیک سلیمان ہے ی سے،خیال رہے کہ ہلال کے والد کا نام علی ابن اسامہ ہے تو اسامہ ہلال کے دادا ہیں،یہاں دادا کی طرف منسوب ہیں قبیلہ بنی فہر سے ہیں۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ رطنت رطانۃٌ سے رطانۃٌ وہ کلام کرنا جو عام طور پر سمجھا نہ جاسکے یعنی غیر ملکی زبان میں گفتگواسی لیے عرب لوگ عجمی بول چال کو رطانہ کہتے ہیں،یہاں فارسی گفتگو مراد ہے کہ عرب کے لیے وہ غیر ملکی زبان ہے۔غالب یہ ہے کہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے یہ عورت مدینہ منورہ میں رہتی تھی مگر گفتگو فارسی میں کرتی تھی یا عربی فارسی ملی جلی بولتی تھی۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ رطن کا فاعل جناب ابوہریرہ ہیں مدینہ منورہ میں فارسی لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے صحابہ کرام فارسی سمجھ بھی لیتے تھے اور کچھ بول بھی لیتے تھے جیسے آج وہاں کے باشندے عمومًا اردو بولتے سمجھتے ہیں،بعض نے فرمایا کہ درمیان میں ترجمان تھا رطن کا فاعل وہ ترجمان ہی ہے۔

۴؎ یعنی اس کے خاوند کو دعویٰ کا پتہ چلا تو جواب دعویٰ کے لیے وہ حضرت ابوہریرہ کے پاس آیا جب کہ اس کی بیوی وہاں ہی موجود تھی اس کا کہنا یہ تھا کہ قرعہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے بچہ باپ کا ہوتا ہے کہ اس سے نسب چلتا ہے لہذا میں ہی اس کا مستحق ہوں۔

۵؎ آپ کا اللّٰھم فرمانا رب تعالٰی کو گواہ بنانے کے لیے تھاگویا ایک طرح کی قسم تھی یعنی خدایا تو گواہ ہے میں تیری قسم کھاتا ہوں۔

۶؎ یعنی آج کا یہ واقعہ بالکل اسی واقعہ کی مثل ہے جو بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا تھا وہ ہی صورت ہے وہ ہی نوعیت۔

۷؎ عنبہ عین کے کسرہ نون و ب کے زبر سے کوئی خاص کنواں تھا مدینہ منورہ میں جس کا پانی بہت اچھا تھا اب وہ کنوان نہیں،مقصد یہ ہے کہ اگر یہ بچہ میرے پاس نہ رہا تو مجھے کوئی پانی لا کر دینے والا بھی نہیں ہے،مجھے اس بچہ کی سخت ضرورت ہے۔

۸؎ عذب الماء میں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہے،اصل میں ماء عذب تھا۔

۹؎ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ناراضی نہیں بلکہ اپنی مطلقہ بیوی پر ناراضی ہے لہذا اس شخص کواس عرض معروض پر کافر یا مجرم نہیں کہہ سکتے مقدمہ میں فریقین اپنے دلائل بیان کیا ہی کرتے ہیں۔

۱۰؎ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو اختیار دے کر بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ مولیٰ بچہ اسی کو اختیار کرے جس کے پاس رہنا بچہ کو مفید ہو۔ابوداؤد میں کتاب الطلاق میں اور نسائی نے کتاب الفرائض میں عبدالحمید ابن جعفر عن ابیہ عن جدہ رافع ابن خدیج سے روایت کی کہ میں مسلمان ہوگیا اور میری بیوی کافرہ رہی،اسلام سے انکاری ہوگئی،تب اسی بچہ کا واقعہ پیش ہوا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو علیحدہ بٹھایا ماں کو علیحدہ اور بچہ کو اختیار دیا اور دعا کی الٰہی اس بچہ کو توفیق دے کہ اپنے باپ کو اختیار کرے پھر فرمایا کہ دونوں اس بچہ کو بلاؤ،چنانچہ ان دونوں نے بلایا تو بچہ نے باپ کو اختیار کیا۔دارقطنی نے فرمایا کہ یہ بچی تھی اور اس کا نام عمیرہ تھا مگر یہ واقعہ دوسرا ہوگا کیونکہ بالغہ لڑکی کو پردہ کی بنا پر اور چھوٹی بچی کو کنویں پر گر جانے کے خطرہ سے کنویں میں نہیں بھیجا جاتا،صحابہ کرام نے بچہ کو اختیار نہ دیا۔(مرقات)

کتاب العتق

آزادی کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ع ت ق کی ترکیب آگے ہونے اور تقدم کے لیے ہے کہ ان حرفوں میں آگے ہونے کے معنے ملحوظ رہتے ہیں۔چنانچہ کندھے کے اگلے حصہ کو عاتق کہتے ہیں، پرانی چیز کو عتیق کہا جاتا ہے اسی لیے بیت اللہ کو بیت العتیق کہتے ہیں، ابوبکر صدیق کا لقب عتیق ہے کہ ابوبکر کے معنے اولیت والے،ابو معنے والے بکر معنے اولیت،عتیق کے معنے بھی پرانے یا اول مؤمن اب اس کا استعمال چند معنے میں ہوتاہے:کرم،جمال،شرافت،آزادی و حریت مگر ان سب میں تقدم کے معنے بھی، یہاں حریت یعنی آزاد کرنے کے معنے میں ہے۔غلام حکمًا مردہ ہوتا ہے کہ غلامی کفر کا اثر ہے اور کفر گویا موت ہے،قرآن کریم میں کافر کو مردہ فرمایا گیا ہے اسی لیے غلام نہ اپنا نکاح خود کرسکتا ہے نہ اپنی اولاد کا ولی ہوسکتا ہے، نہ اپنے مال میں تصرف کرسکے نہ قاضی یا گواہ بن سکے، نہ اس پر نماز جمعہ،عیدین،حج،جہاد وغیرہ واجب،گویا بالکل مردہ ہے اسے آزاد کرنا گویا مردہ زندہ کرنا ہے،اسی لیے اعتاق کے بہت فضائل ہیں،غلام آزاد کرنا عمومًا مستحب ہے مگر کبھی واجب بھی ہوجاتا ہے جیسے کفارات میں, کبھی ممنوع بھی جب کہ خطرہ ہو وہ آزاد ہو کر مرتد یا چور ڈاکو وغیرہ بن جائے گا۔اعتاق کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خودآزاد ہو،بالغ ہو،غلام کا مالک ہو۔عتق یعنی آزادی اختیاری بھی ہوتی ہے غیر اختیاری بھی،چنانچہ جو شخص ذی رحم قرابت دار کا مالک ہوجائے تو وہ فورًا آزادہوجائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان گردن کو آزاد کرے ۱؎ تو اللہ تعالٰی اس کے ہر عضو کے عوض اس کا عضو آگ سے آزاد فرمائے گا ۲؎ حتی کہ شرمگاہ کے بدلہ شرمگاہ ۳؎ (مسلم،بخاری) ۴؎

۱؎ مسلمان کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ مسلمان غلام کا آزاد کرنا بہتر ہے اس کا ثواب زیادہ پھر بمقابلہ فاسق غلام کے متقی پرہیز گار غلام کا آزاد کرنا افضل۔حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد فرما کر دین و دنیا میں وہ مرتبہ پایا کہ سبحان اللہ! سورۂ واللیل شریف اسی آزادی کے فضائل بیان فرمارہی ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر نے بلال کو آزاد فرماکر مجھ پر احسان کیا،امام مالک فرماتے ہیں کہ سستے مسلمان غلام کو آزاد کرنے سے قیمتی کافر غلام کا آزاد کرنا افضل ہے،یہ حدیث ان کے خلاف ہے غرضکہ جس قدر آزاد ہونے والا غلام افضل ہوگا اسی

قدر آزاد کرنے والے کا درجہ اعلٰی اسی لیے اولاد اسماعیل کے غلام کو آزاد کرنے کے بڑے فضائل ہیں،یہاں اس پر مرقات میں بہت اچھی بحث فرمائی۔

۲؎ یعنی اس کا ہر عضو آزاد کرنے والے کے اعضاء کا فدیہ بن جائے گا جیسے قربانی یا عقیقہ کے جانور کے اعضاء دینے والے کے اعضاء کا فدیہ بن جاتے ہیں اسی لیے عقیقہ پر پڑھا جاتاہے **ولھابدنہ لحملھابلحمہ شعرھابشعرہ** بہرحال غلام آزاد کرنا بہترین عمل ہے جب کہ رضائے الٰہی کے لیے ہو۔

۳؎ شرمگاہ کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ یہ تمام اعضاء سے خبیث عضو ہے کہ ناپاکی کا محل ہے زیادہ گناہ اسی سے ہوتے ہیں جب کہ یہ عضو بھی دوزخ سے آزاد ہوگیاتو باقی اعضاء بدرجہ اولٰی آزاد ہوں گے۔ اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کہتے ہیں کہ خصی یا ذکر کٹے غلام کو آزاد کرنا بہتر نہیں اور بہتر یہ ہے کہ مرد تو مرد کو آزاد کرے اور عورت عورت کو جیسا کہ ابوداؤد ابن حبان کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے۔یہ حدیث مختلف عبارتوں سے بہت اسنادوں سے بہت محدثین نے نقل فرمائی۔

۴؎ یہ حدیث تمام کتب صحاح میں اور جامع صغیر طبرانی وغیرہ میں مختلف صحابہ سے موقوفًا و مرفوعًا منقول ہے،اس کی تفصیل یہاں مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل اچھا ہے ؟۱؎ فرمایا اللہ پر ایمان لانااور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کون سی گردن افضل ہے ؟ فرمایا زیادہ قیمتی اور مالک کے نزدیک نفیس ۳؎ میں نے عرض کیاکہ اگر میں یہ نہ کرسکوں فرمایا کام والے کی مدد یا بے کار کا کام کر ۴؎ میں نے عرض کیااگر میں یہ بھی نہ کرسکوں تو فرمایا کہ لوگوں کو اپنی شر سے بچائے رکھ ۵؎ کہ یہ بھی صدقہ ہےجو تو اپنے نفس پر صدقہ کرتا ہے ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دل و دماغ جسم وغیرہ ظاہری باطنی اعضاء کے اعمال صالحہ میں سے کون سا عمل افضل ہے اسی لیے سرکار نے جواب میں دلی عمل یعنی ایمان کا ذکر بھی فرمایا۔

۲؎ ایمان وہ افضل جس پر خاتمہ نصیب ہوجائے ورنہ محض بے کار ہے جیسے ابلیس کا برباد شدہ ایمان اور جہاد میں کفار سے جہاد بھی شامل ہے اور مجاہدات ریاضات بھی داخل ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسْتَقٰمُوۡا"اور فرماتاہے:"وَالَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمْ سُبُلَنَا"۔

۳؎ اس حدیث کی بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ قیمتی غلام آزاد کرنا افضل ہے اگرچہ کافر ہی ہو مگر حق یہ ہے کہ یہاں مراد قیمتی اور مؤمن غلام مراد ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا۔

۴؎ یعنی جو محنتی کاروباری آدمی کہ اس کی کمائی اسے کافی نہ ہو،غریب رہتا ہو اس کی بھی مدد کرو اور جو کام کاج کے لائق نہ ہو اس کی بھی دستگیری کرو،بعض نسخوں میں بجائے **صانعًا** کے **ضائعًا** ہے یعنی برباد شدہ کی مدد کرو کہ اسے آباد کردو۔

۵؎ یعنی کوشش کرو کہ تم سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔مصرع مرابہ جز تو امید نیست بدمرساں

۶؎ کہ اس صورت میں تم اپنے کو گناہ سے بچاتے ہو یہ بھی خود اپنے پر احسان و مہربانی ہے کسی پر ظلم کرنا اس پر وقتی طورپر ہوتا ہے خود اپنے پر دائمی ظلم ہے۔شعر

پنداشت ستم گر کہ ستم برما کرد بر گردن اور بماند و برما بگذشت

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا مجھے ایسا عمل سکھایئے جو مجھے جنت میں پہنچادے ۱؎ فرمایا اگرچہ تو نے کلام مختصر کیا ہے مگر سوال وسیع کیا ۲؎ غلام آزاد کرو اور گردن چھوڑاؤ ۳؎ وہ بولا کیا یہ دونوں ایک نہیں ۴؎ فرمایا نہیں غلام آزاد کرنا یہ ہے کہ تو اس کی آزادی میں آکیلا ہو اور گردن چھوڑانا یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں مدد کرے ۵؎ اور کچھ دودھ خیرات کر ۶؎ اور ظالم قرابتدار پر رجوع کر ۷؎ پس اگر تو اس کی طاقت نہ رکھے تو بھوکے کو کھانا دے اور پیاسے کو پانی اور بھلائی کا حکم کر اور برائی سے منع کرو ۸؎ اگر تو اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان کی حفاظت کر سوائے بھلائی کے ۹؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی اس عمل کی برکت سے اللہ تعالٰی مجھے اول سے ہی جنت میں پہنچادے، دوزخ کی سزا دے کر نہ پہنچائے یا اسناد مجازی ہے یعنی وہ عمل جنت میں اولًا داخلہ کا سبب ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اسناد مجازی جائز ہے لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ سے بچاتے ہیں جنت میں پہنچاتے ہیں،جب ایک عمل جنت میں پہنچاسکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس عمل سے کہیں افضل ہیں ضرور پہنچاسکتے ہیں۔

۲؎ یا تو لئن بمعنی وان ہے بمعنی اگرچہ،جیساکہ اشعۃ اللمعات میں اختیار کیایا لام قسم کا ہے اور ان شرطیہ،اس صورت میں لقدعرضت شرط کی جزاء پہلی صورت میں تو عبارت کے وہ معنی ہیں جو ہم نے عرض کیے،دوسری صورت میں معنی یہ ہیں قسم ہے کہ تو نے اگر کلام چھوٹا کیا ہے تو مسئلہ بڑا پیش کیا ہے حضور نے سائل کی تعریف فرمائی کہ تو کلام چھوٹا کرتا ہے چیز بڑی مانگتا ہے جنتی ہوجانا معمولی بات نہیں،یہ آخری معنی مرقات نے کیے۔

۳؎ یہ ہے اس کی عرض و معروض کا جواب اور لئن الخ جملہ معترضہ ہے نسمہ ن وس کے فتحہ سے بمعنی روح و جان،کبھی نفس و ذات کو بھی کہہ دیتے ہیں یعنی روح والی ذات یہاں اسی معنے میں،اس سے مراد غلام یا لونڈی ہے،یوں ہی رقبہ اگرچہ گردن کو کہتے ہیں مگر مراد ہے گردن والا یعنی انسان۔

۴؎ یعنی حضور نے فرمایا وفك الرقبة واؤ عاطفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عتق اور چیز ہے فک اور چیز مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہیں،ممکن ہے کہ واؤ بمعنی او ہو یعنی یا غلام آزاد کر یا پھنسی گردن چھڑا۔

۵؎ سبحان اللہ! یہ ہے اس سید الکونین افصح العرب کی فصاحت و بلاغت کہ عتق سے مراد ہے آزاد کرنا،آزاد وہ ہی کرے گا جو مالک ہوگا لہذا اس کے معنی ہوئے اپنا غلام آزاد کرنا،اور فک کے بمعنی ہیں پھنسی گردن چھوڑانا یعنی کسی اور کا غلام ہے اس نے اسے مکاتب کردیا ہے،یہ مال ادا کرنے پر قادر نہیں،اس کی گردن پھنسی ہے تواس کی کلی یا بعض قیمت ادا کرکے آزاد کرادے۔

۶؎ منحہ میم کے کسرہ نون کے جزم سے بمعنی عطیہ،اب اس دودھ والے جانور کو منحہ کہتے ہیں۔جو کسی کو دودھ پینے کے لیے عاریۃً دیا جائے اونٹنی یا بکری گائے وغیرہ۔ وکوف وکف سے ہے بمعنی قطرے ٹپکنا،کہا جاتا ہے وکف السقف بارش میں چھت ٹپکی،اس سے مراد بہت دودھ دینے والی اونٹنی بکری وغیرہ ہے جس کا دودھ ٹپکتا ہو زیادتی کی وجہ سے،یہ عبارت مبتداء ہے اس کی خبر خیر پوشیدہ یعنی بہت دودھ والے جانور کا عاریۃً دے دینا بھی بہت ہی اچھا عمل ہے جنت میں پہنچانے والا،یا المنحة منصوب ہے فعل پوشیدہ کا مفعول۔

۷؎ یعنی تیرا عزیز قرابتدار اگر تجھ پر ظلم کرے مگر تو اس پر مہربانی سے رجوع کرے یہ بھی جنتی ہونے کا عمل ہے۔(اشعہ) یا جو تیرا عزیز قرابتدار دوسروں پر ظلم کرے تو تواس کی قرابت و محبت واپس کردے،اس سے تعلق توڑدے تاکہ وہ اس حرکت سے توبہ کرے،محض قرابتداری کی وجہ سے اس کی حمایت نہ کر۔(مرقات)

۸؎ یعنی لوگوں پر ظاہری و باطنی احسان کر،کھانا پانی ظاہری احسان ہے جس سے جسم کی پرورش ہے اور برائی سے روکنا بھلائی کا حکم دینا باطنی احسان جس سے دل و دماغ کی پرورش ہے۔

۹؎ اس طرح کہ زبان سے بری بات جھوٹ غیبت گالی وغیرہ نہ نکالو۔یہاں خیر شر کا مقابل ہے لہذا اس خیر میں جائز و مباح کلام بھی داخل ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ بہترین عمل یہ ہے کہ کثرت سکوت،لزوم البیوت،قناعۃ بالقوت الی ان یموت یعنی دراز خاموشی، اکثر گھر میں رہنا،تا حیات تھوڑے پر قناعت کرنا۔

روایت ہے حضرت عمرو بن عبسہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس لیے مسجد بنائے کہ اس	

	میں اللہ کا ذکر کیا جائے،تو اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا ۲؎اور جو مسلمان نفس کو آزاد کرےتو وہ اس کا دوزخ سے فدیہ ہوگا۳؎اور جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہو ۴؎تو اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۵؎(شرح السنہ)۶؎

۱؎آپ کی کنیت ابو نجیح ہے،سلمی ہیں،چوتھے مسلمان ہیں،آپ کے فضائل بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎مسجد چھوٹی بنائے یا بڑی،اکیلا بنائے یا دوسروں کے ساتھ مل کر اگر نیت میں اخلاص ہے تو ان شاءاللہ یہ ہی ثواب ہے،اس سے وقف مسجد مراد ہے نہ کہ گھر کی مسجد جو گھر میں ایک گوشہ نماز کے لیے مخصوص کرلیا جاتا ہے۔

۳؎کہ اللہ اس آزاد کرنے کے سبب اسے دوزخ سے نجات دے گا یہ لازم نہیں کہ اس آزاد کردہ غلام کوضرور دوزخ ہی میں بھیجے،فدیہ سے یہ مراد نہیں۔

۴؎اس طرح کہ اپنی ساری زندگی اسلام میں جہاد میں،حج میں،طلب علم میں گزارے،فی سبیل اللہ بہت عام ہے،معلوم ہوا کہ پرانا مسلمان نو مسلم سے اس لحاظ سے افضل ہے۔

۵؎اس طرح کہ اس کا منہ قیامت کے دن نورانی ہوگا اور وہاں کی تاریکیوں سے نجات پائے گا کیونکہ دنیا میں کبھی کفر و معصیت کی تاریکیوں میں نہیں پھنسا۔

۶؎خیال رہے کہ یہ حدیث مجموعی طور پر بروایت عمرو ابن عبسہ صرف شرح سنہ میں ہی ہے مگر متفرق طور پر مختلف راویوں سے مسلم،بخاری،ترمذی،احمد،ابن ماجہ،طبرانی،جامع صغیر وغیرہ میں ہے لہذا صاحب مشکوۃ کا صرف شرح سنہ کا حوالہ دینا مجموعی حدیث سے لحاظ سے ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت غریف ابن دیلمی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم واثلہ ابن اسقع کے پاس گئے ۲؎ہم نے عرض کیا کہ ہم کو وہ حدیث سنایئے جس میں کمی بیشی نہ ہوتو وہ ناراض ہوگئے اور فرمایاتم میں سے کوئی تلاوت کرتا ہے اور اس کا قرآن اس کے گھر میں لٹکا ہوتا ہےتو کیا وہ کمی بیشی کردیتا ہے ؟۳؎ہم بولے کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث سنایئے جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے سنی ہو ۴؎تو فرمانے لگے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے معاملے میں

	حاضر ہوئے جس نے قتل کرکے اپنے لیے دوزخ واجب کرلی تھی ۵؎ تو فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ اس کے ہر عضو کے عوض اس کا عضو آگ سے آزاد کردے گا ۶؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ کا لقب غریف ابن عیاش ابن فیروز دیلمی ہے، نام عبداللہ ہے، تابعین میں سے ہیں، ثقہ و مقبول الحدیث ہیں۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں،واثلہ ابن اسقع لیثی اس وقت ایمان لائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کررہے تھے۔آپ اہل صفہ میں سے ہیں، تین سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی،بصرہ میں رہے،آخر عمر میں دمشق سے تین میل دور قریہ بلاط میں رہے، پھر بیت المقدس میں انتقال فرمایا،پورے سو سال عمر پائی۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ بالکل غلطی نہ ہونا طاقت انسان سے باہر ہے،دیکھو باوجود یہ کہ تلاوت قرآن دن رات کی جاتی ہے اور لکھا ہوا قرآن گھر میں رکھا رہتا ہے،دن رات دیکھا جاتا ہے پھر بھی اس میں غلطی ہوجاتی ہے یہ تو حدیث شریف ہے جس کی نہ تلاوت اس قدر اہتمام سے ہو نہ وہ کتابی شکل میں لکھی ہوئی ہمارے پاس موجود ہے پھر بالکل زیادتی کمی نہ ہونا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روایت حدیث بالمعنی اور حدیث میں ایسی زیادتی کمی جس سے مقصد نہ بدلے درست ہے اس پر صحابی کرام کا عمل ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس طرح سنایئے کہ اس کے معنے میں قطعی تبدیلی نہ ہو یہ مقصد نہیں کہ الفاظ بھی قطعًا نہ بدلیں آپ ہمارا مقصد سمجھے نہیں۔

۵؎ لفظ یعنی النار غریف کا ہے،واثلہ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے اوجب بالقتل اس کی شرح غریف نے کی،مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایک ساتھی نے کسی کو بغیر عمد قتل کرکے سخت جرم کرلیا تھا اس پر قصاص تو تھا نہیں دیت تھی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آخرت میں اس قاتل کی جان کیونکر دوزخ سے بچے۔

۶؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بغیر عمد کے قتل میں قصاص نہیں دیت ہے۔دوسرے یہ کہ دیت سے دنیاوی معافی ہوجاتی ہے آخرت کے وبال سے بچنے کے لیے کوئی نیکی کرنا چاہیے۔ خیال رہے کہ قتل خطاء بھی جرم ہے کیونکہ یہ قتل بے احتیاطی کی سزا دوزخ ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ خطا و نسیان پر تو پکڑ نہیں پھر کفارہ کے لیے غلام کیوں آزاد کرایا گیا کیونکہ خطا پر پکڑ نہیں مگر جس غفلت کی وجہ سے خطاء ہوئی،اس غفلت پر پکڑ ہے،اگر کوئی رات کو دیر سے سوئے جس کی وجہ سے صبح کو آنکھ نہ کھلے اور نماز فجر قضا ہوجائے تو رات کو بلاوجہ زیادہ جاگنے پر پکڑ ہے کہ تم جلد کیوں نہ سو گئے تاکہ جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ سفارش ہے جس سے پھنسی گردن چھوٹ جائے ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی سفارش کرکے کسی کو قرض،غلامیت،قید،بے جا حبس سے چھوڑا دینا یا مکاتب کی سفارش کرکے اس کا بدل کتابت کم کرادینا بہترین صدقہ ہے۔خیال ہے کہ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں التی ہے تب تو عبارت بالکل واضح ہےاور بعض نسخوں میں التی نہیں تب یہاں تفك کا جملہ شفاعة کی صفت ہے یا اس کا حال کیونکہ اس صورت میں الشفاعة نکرہ ہے اور نکرہ کی صفت جملہ ہوسکتا ہے،شاعر کہتا ہے۔

ولقدامر علی الیم لیبنی

خلاصہ یہ ہے کہ سفارش کرکے پھنسے آدمی کو چھوڑا دینا بہت افضل ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفٰعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡہَا**"۔

باب اعتاق العبد المشترک وشری القریب والعتق فی المرض

مشترک غلام آزاد کرنے۱ اور قرابتدار کو خریدنے۲ اور بیماری میں آزاد کرنے کا بیان۳

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی ایک غلام چند شخصوں کا مشترک ہوان مالکوں میں سے ایک آزاد کردے تو بقیہ مالک کیا کریں،اس میں اختلاف ہے عتق تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں اس طرح کہ غلام آدھا آزاد ہوجائے اور آدھا غلام رہے،امام ابوحنیفہ کے ہاں ہوسکتا ہے،صاحبین کے ہاں نہیں رضی اللہ عنہم اس پر بہت سے شرعی مسائل متفرع ہوتے ہیں۔
۲کہ کون قریبی عزیز اپنی ملک میں آنے سے آزاد ہوتا ہے اور کون عزیز آزاد نہیں ہوتا۔
۳یعنی بیماری موت میں آزاد کرنے اور مدبر کرنے کا حکم۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کردے تو اگر اس کے پاس مال ہوجو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے ۱تو اس پر غلام کی قیمت لگائی جائے انصاف کی پھر بقیہ شریکوں کو ان کے حصے دے دیئے جائیں اور غلام اس پر ہی آزاد ہوگا ۲وگرنہ اس غلام میں سے جتنا ہوگیا وہ ہوگیا ۳(مسلم،بخاری)

۱ شرك شین کے کسرہ ر کے سکون سے بمعنی حصہ۔(نہایہ)یعنی اگر چند شخص ایک غلام کے مالک تھے اور غلام ان سب میں مشترک تھا کہ ایک مالک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو اگر اس آزاد کرنے والے کے بعد کھانے پینے اور لباس اور رہنے کے مکان و خدمت کے غلام غرض ضروریات سے بچا ہوا اتنامال ہو جو باقی حصہ داروں کے حصوں کی قیمت کے برابر ہولہٰذا اس آزاد کرنے والے کے مکان،جائیداد،کپڑے فروخت کراکر ان شرکاء کو نہ دلوایا جائے گا یہ قیود بہت خیال میں رہیں۔(مرقات)
۲یعنی آزاد کرنے والا اگر اس قدر مال کا مالک ہے جو اوپر مذکور ہوا تو باقی مالکوں کے حصوں کی انصاف والی قیمت اس سے دلوائی جاوے گی اور غلام پورا آزاد ہوگا اور یہ اکیلا ہی آزاد کرنے والا مانا جائے گا اس کی ولاء ساری کی ساری اسی معتق کی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں اس ایک مالک کے آزاد کرتے ہی سارا غلام آزاد ہوجائے گا،ان بقیہ مالکوں کو قیمت دینے پر آزادی موقوف نہ ہوگی، نیز یہ حکم ہر غلام و معتق کا ہے خواہ مؤمن ہوں یا کافر اور اس آزادی سے راضی ہوں یا ناراض،یہ ہی مذہب ہے صاحبین کا،اسی کو امام طحاوی وغیرہ نے اختیار فرمایا۔

۳؎ یعنی اگر وہ آزاد کرنے والا مالک تنگدست ہے کہ اس کے پاس مذکورہ مال نہیں ہے تو اتنا حصہ غلام کا آزاد ہوگیا، باقی حصہ غلام ہی ہے، باقی مالکوں کو حق ہے کہ یا غلام سے محنت و مشقت کرا کر اس کی بقیہ قیمت وصول کرکے آزاد کردیں یا غلام ہی رہنے دیں، وہ بھی بخوشی بغیر عوض آزاد کردیں یہ مذہب ہے امام شافعی کا اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ غرضکہ ان کے ہاں غلام کی آزادی کے حصے ہوسکتے ہیں کہ اس غلام کا بعض حصہ آزاد ہے بعض غلام۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں اگرچہ آزادی منقسم ہوسکتی ہے مگر منقسم رہ نہیں سکتی لہذا امام اعظم کے ہاں اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو اس وقت تو غلام کا یہ ہی حصہ دار ہوگا مگر باقی مالکوں کو حق ہوگا کہ یا تو وہ بھی آزاد کردیں یا غلام سے مشقت کرا کر اپنے حصوں کی قیمت وصول کرلیں اور غلام یہ قیمت دے کر آزاد ہوجائے، بہرحال تمام اماموں کا اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر آزاد کرنے والا غنی ہے تو سارا غلام آزاد ہوجائے گا آزادی منقسم نہ ہوگی، اس پر بھی متفق ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا آزاد کیا گیا، اختلاف اس میں ہے کہ باقی حصہ غلام رہے گا یا نہیں، امام شافعی کے ہاں رہے گا ہمارے ہاں نہیں صاحبین تقسیم عتق کے قائل نہیں ان کے ہاں بہرحال پورا غلام آزاد ہوگا، معتق غنی ہو یا فقیر، ہاں فقیری کی صورت میں غلام آزاد ہوتو چکا مگر محنت کرکے اپنی بقیہ قیمت باقی مالکوں کو دے دے، سب کے دلائل کتب فقہ میں اور مرقات میں اسی جگہ دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جس نے غلام میں ایک حصہ آزاد کیا تو وہ پورا آزاد ہوگیا اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام سے محنت کرائی جائے بغیر اس پر مشقت ڈالے ۱؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ اس حدیث کے معنی صاحبین کے ہاں یہ ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو غلام پورا آزاد ہوگیا مگر کمائی کرے باقی مالکوں کو اپنے بقیہ حصے کی قیمت ادا کرے اور امام صاحب کے ہاں یہ معنی ہیں کہ ابھی اس کا ایک حصہ ہی آزاد ہوا جب کمائی کرکے اپنی بقیہ قیمت ادا کرے گا تب باقی آزاد ہوگا، امام شافعی کے ہاں یہ معنے ہیں کہ اس صورت میں غلام کا ایک حصہ آزاد ہوگیا باقی مالک بدستور اپنے اپنے حصوں میں اس سے اپنا کام لیں بلکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ جملہ استسعی العبد الخ حضور کا فرمان ہے ہی نہیں یہ قتادہ راوی کا اپنا قول ہے مگر حق یہ ہے کہ حضور ہی کا فرمان ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کردیا ۱؎ اس کے پاس سوائے ان کے اور کوئی مال نہ تھا ۲؎ تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو ان کے تین حصے کیے پھر ان میں قرعہ ڈالا ۳؎ چنانچہ دو کو آزاد کردیا اور چار کو غلام رکھا ۴؎ اور میت کے لیے بہت سخت الفاظ فرمائیے ۵؎ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ

	فرمایا اگر ہم دفن کیے جانے سے پہلے ہوتے تو وہ مسلمان کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا ۶

۱؎ اس طرح کہ ان سب سے کہہ دیا تم سب آزاد ہو جاؤ یہ نہ کہا کہ میرے بعد آزاد ہوجاؤ گے یعنی عتق تنجیزی تھا۔
۲؎ اگر اس مرنے والے کے پاس ان غلاموں کے سواء اور مال ہوتا کہ یہ غلام اس کا تہائی بن جائے تو یہ سب آزاد ہوجاتے کہ مرتے وقت اپنے تہائی مال میں تصرف جائز ہے زیادہ میں نہیں۔
۳؎ یہ چھ غلام زنجی تھے سب کی قیمت برابر تھی اگر قیمت میں کمی بیشی ہوتی تو دو غلام آزاد نہ ہوتے بلکہ تہائی مال میں جتنے آتے وہ آزاد ہوتے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مرتے وقت کا آزاد کرنا یوں ہی صدقہ خیرات و ہبہ وغیرہ درست ہے،دوسرے یہ کہ اس وقت یہ تمام کام اپنے تہائی مال میں کرسکتا ہے کہ باقی دو تہائی مال اس کے وارثوں کا ہے۔
۴؎ امام اعظم اور امام شعبی،امام شریح و خواجہ حسن بصری کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں ان چھ غلاموں کا تہائی آزاد ہوگا یعنی ہر ایک غلام کا ۱/۳ حصہ اور ہر غلام اپنے ۲/۳ دو تہائی آزاد کرانے کے لیے کمائی کریں قیمت ادا کرکے آزاد ہوجائیں۔
۵؎ کیونکہ اس نے ناجائز کام کیا جس مال سے وارثوں کا حق متعلق تھا انہیں آزاد کردیا،معلوم ہوا کہ مردے کو دینی قصور کی وجہ سے برا کہا جاسکتا ہے۔وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ اپنے مردوں کو بھلائی سے یاد کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی وجہ سے اسے برا نہ کہو۔(اشعہ)
۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ عبرت کے لیے اگر امام کسی غلطی کرنے والے پر خود نماز نہ پڑھے دوسرے سے پڑھوادے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کرادے تاکہ لوگ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں تو درست ہے یہ تبلیغ کی ایک قسم ہے۔شاید اس شخص کی وفات اوردفن کے وقت سرکار مدینہ منورہ سے باہر سفر میں ہوں گے ورنہ عمومًا حضور صحابہ کرام کے کفن دفن میں شرکت فرماتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدلہ نہیں دے سکتا مگر اس طرح کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید لے تاکہ آزاد کردے ۱؎ (مسلم)

۱؎ ف تعقیبیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے کیونکہ ماں باپ و دیگر خاص قرابتدار خریدتے ہی آزاد ہوجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی کتنی ہی خدمت کرے مگر اس کا حق ادا نہیں کرسکتا،اس کا حق ادا کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ اگر بیٹا آزاد اور مالدار ہو باپ غلام ہو تو بیٹا اسے خرید لے تاکہ وہ باپ اس کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہوجائے،یہ مطلب نہیں کہ پہلے باپ کو خرید کر اس کا مالک بن جائے پھر اپنے طور پر اسے آزاد کرے لہذا یہ حدیث نہ تو اگلی آئندہ حدیث کے مخالف ہے نہ قول فقہاء اس حدیث کے خلاف۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک انصاری آدمی نے

	اپنا غلام مدبر کیا۱؎ اور اس کے پاس اس کے سوا اور مال نہ تھا ۲؎ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا مجھ سے اسے کون خریدتا ہے ۳؎ چنانچہ اسے نعیم ابن نحام نے آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا ۴؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ اسے نعیم ابن عبداللہ عدوی نے آٹھ سو درہم کے عوض خریدا ۵؎ وہ یہ درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے وہ درہم اسے دیئے ۶؎ پھر فرمایا کہ اپنے نفس سے شروع کرو کہ اس پر خرچ کرو ۷؎ پھر اگر کچھ بچ رہے تو اپنے گھر والوں کو دو پھر اگر گھر والوں سے کچھ بچ رہے تو اپنے قرابت والوں کو دو ۸؎ پھر اگر تمہارے قرابت داروں سے بھی کچھ بچ رہے تو یوں دو اور یوں دو،حضور انور اپنے آگے دائیں بائیں اشارہ فرماتے جاتے تھے ۹؎

۱؎ یا اس طرح کہ کہا کہ اگر میں فلاں بیماری میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے یہ تدبیر مقید ہے اور اس کو مدبر مقید کہتے ہیں یا اس طرح کہ کہا جب میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے اسے تدبیر مطلق کہتے ہیں اور ایسے غلام کو مدبر مطلق کہا جاتا ہے،یہ فرق خیال میں رہے۔

۲؎ یعنی ان انصاری کا کل مال یہ غلام ہی تھا اور کوئی مال نہ تھا لہٰذا یہ غلام تہائی مال سے نہیں نکل سکتا اور وصیت تہائی مال میں ہی جاری ہوتی ہے۔

۳؎ یہ نیلام نہ تھا ورنہ دوسرے بھی بولی دیتے بلکہ ان انصاری کی تدبیر باطل فرمادینے کا اعلان تھا تاکہ لوگوں کو اطلاع ہوجائے۔

۴؎ ان خریدار کا نام نعیم ابن عبداللہ ابن اسید ہے،قبیلہ بنی عدی سے ہیں جس قبیلہ سے حضرت عمر ہیں۔**نحام** بنا ہے **نحمہ** سے بمعنی کھانسی یا کھنکار،فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم نے جنت میں جاتے وقت اپنے آگے کسی کی کھانسی سنی،حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ عبداللہ عدوی کی کھنکار ہے اس دن سے انکا لقب نحام پڑ گیا،بمعنی کھنکار والے یا کھانسی والے،حق یہ ہی ہے کہ یہ لقب نحام عبداللہ کا ہے نہ کہ نعیم کا۔

۵؎ اس حدیث کی بنا پر بعض اماموں نے فرمایا کہ مدبر کرنے والے مولیٰ کی زندگی میں مدبر کو فروخت کرسکتے ہیں کہ حضور نے ان انصاری کی زندگی میں ان کا مدبر فروخت کیا۔امام شافعی کے ہاں مدبر کی بیع مطلقًا جائز ہے مولیٰ کی زندگی میں بھی بعد موت بھی۔ہمارے ہاں مدبر کی بیع مطلقًا ممنوع ہے مولیٰ کی زندگی میں بھی اس کی موت کے بعد بھی۔چنانچہ دار قطنی وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے مرفوعًا و موقوفًا روایت کی کہ مدبر نہ فروخت کیا جائے نہ

ہبہ کیا جائے اور وہ تہائی مال سے آزاد ہوگا۔اس حدیث کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجمل ہے جس میں اس بیع کی وجہ بیان نہ ہوئی،یا تو یہ انصاری مقروض تھے یہ غلام ان کے قرض میں گھرا تھا لہذا حضور نے یہ تدبیر جائز نہ رکھی یا انہوں نے تدبیر مقید کی تھی کہ اگر میں اتنے عرصہ یا فلاں بیماری میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے جیساکہ بعض روایات میں ہے کہ حضور نے انہیں یہ قیمت دے کر یہ بھی فرمایا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرویا حضور نے اس مدبر کی خدمت فروخت کی یعنی اسے کرایہ پر دیا جیسا کہ دار قطنی بروایت عبدالغفار عن ابی جعفر روایت کی۔چنانچہ ابو جعفر یعنی امام محمد باقر ابن امام علی زین العابدین نے اس حدیث جابر کی بنا پر مدبر کی خدمات کی بیع جائز قرار دی یا یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب قرض وغیرہ میں آزاد کی بیع بھی درست تھی تو یہ شخص تو مدبر تھا یعنی آزادی کا مستحق تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا،بہرحال مذہب حنفی بہت قوی ہے۔حدیث جابر میں بہت سے احتمالات ہیں،ان احتمالات کے ہوتے ہوئے اس سے استدلال درست نہیں،امام شافعی بھی مانتے ہیں کہ ام ولد کی بیع درست نہیں حالانکہ ام ولد بھی گویا مدبرہ ہی ہوتی ہے کہ مولیٰ کے مرے بعد آزاد ہوتی ہے تو مدبر کی بیع کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔(ازمرقات وغیرہ)

۶؎ یعنی نعیم سے آٹھ سو درہم وصول فرما کر ان مدبر فرمانے والے انصاری کو عطا فرمائے اور ان سے وہ کلام فرمایا جو آگے آرہا ہے۔

۷؎ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ اپنے قرض سے شروع کرو کہ پہلے اس رقم سے قرض ادا کرو پھر اپنے نفس سے شروع کرو کہ اپنے پر خرچ کرو۔

۸؎ اہل سے مراد بیوی بچے وغیرہ ہیں جن کا خرچہ ان کے ذمہ قرض تھا اور اہل قرابت سے مراد باقی دوسرے عزیز رشتہ دار ہیں جن کا خرچہ دینا مستحب۔

۹؎ اگر قرابتداروں کو خرچہ دے کر بھی بچ رہے یا ان میں کوئی غریب ہو ہی نہیں تو دوسرے کار خیر میں خرچ کرو،فقراء کو خیرات،مسجد،سبیل،طلباء پر خرچ۔خیال رہے کہ مدبر مقید مولیٰ کی زندگی میں تو مدبر نہیں ہوتا لیکن اگر مولیٰ اس ہی شرط پر مرے جس پر مدبر کیا تھا تو اب وہ مدبر آزاد ہوجائے گا گویا یہ تدبیر بالشرط ہے مثلًا کہا تھا کہ اگر میں اس سال میں یا اس مرض میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے تو مولیٰ کے جیتے جی وہ مدبر نہیں لیکن اگر وہ اسی سال یا اسی مرض میں مرگیا تو اب وہ مدبر آزاد ہے کہ شرط آزاد پائی گئی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت خواجہ حسن بصری سے وہ حضرت سمرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوجائے ۱؎ تو وہ آزاد ہے ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ) ۳؎

۱؎ذی رحم وہ قرابتدار ہے جس سے نسبی رشتہ ہو اور محرم وہ جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو لہذا داماد محرم تو ہے مگر ذی رحم نہیں اور چچا زاد بھائی ذی رحم ہیں مگر محرم نہیں اور باپ بھائی بھتیجے چچا وغیرہ ذی رحم بھی ہیں محرم بھی۔

۲؎یعنی اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کو خرید لے یا کسی اور طرح اس کی ملکیت میں آجائے تو آتے ہی آزاد ہوجائے گا یہ ہی مذہب ہے جمہور صحابہ و تابعین کا ،یہ ہی قول ہے امام اعظم ابو حنیفہ واحمد کا رضی اللہ عنھم، امام شافعی کے ہاں اپنے اصول و فروع کا تو یہ حکم ہے باقی بھائی بہن وغیرہ ذی رحم کا یہ حکم نہیں مگر قوی قول امام اعظم کا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا۔

۳؎اس حدیث کو احمد و حاکم نے باسناد صحیح نقل فرمایا،نیز حضرت عمر سے موقوفًا بھی مروی ہے ،نسائی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا نقل فرمائی،سنن اربعہ نے حضرت سمرہ سے مرفوعًا روایت کی،طحاوی شریف نے حضرت عمروابن عمر سے مرفوعًا روایت کی۔مبسوط میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میرا بھائی بازار میں فروخت ہورہا تھا میں نے اسے خریدلیا میں چاہتا ہوں کہ اسے آزاد کردوں،حضور نے فرمایا اسے تو اللہ تعالٰی نے ہی آزاد کردیا،بہرحال یہ حدیث بے شمار اسنادوں سے مروی ہے عام صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔(مرقات و لمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کسی کی لونڈی اس سے بچہ جن دے تو وہ اس کے پیچھے یا اس کے مرے بعد آزاد ہے ۱؎(دارمی)	

۱؎یعنی جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے صحبت کرے اور اس سے بچی یا بچہ پیدا ہوجائے تو یہ لونڈی مدبر غلام کے حکم میں ہے کہ اس کے مرے بعد آزاد ہوگی۔عن دبر او بعدہ کسی راوی کے شک کی بنا پر ہے یعنی مجھے خیال نہیں کہ حضرت ابن عباس نے عن دبر منہ روایت فرمائی یا فرمایا بعدہ دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اس سے معلوم ہواکہ ام ولد کی بیع یا ہبہ یا وصیت جائز نہیں،اس پر تمام امت کا اجماع ہے،حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ام ولد کی بیع کے قائل تھے بعد میں آپ نے اس سے رجوع فرمالیا جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کے زمانہ میں ام ولد لونڈی کو فروخت کیا ۱؎پھر جب زمانہ فاروقی ہوا تو انہوں نے ہمیں اس سے منع کردیا پس ہم باز رہے ۲؎(ابوداؤد) ۳؎	

۱؎ یا تو نسخ سے پہلے یا بعض صحابہ کو ممانعت کی خبر نہ ہوئی اور بے خبری میں وہ فروخت کرتے رہے زمانہ صدیقی میں ایک دو حضرات نے یہ بیع کی،حضرت جابر سمجھے کہ اس بیع کا عام رواج تھا،یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو اس بیع کی خبر ہوئی اور آپ نے منع نہ فرمایا جب تک یہ مذکور نہ ہو تب تک حجت نہیں۔

۲؎ حضرت ابوبکر صدیق کا زمانہ خلافت بہت تھوڑا ہے اور بالکل جہادوں میں گھرا ہوا اس لیے یا تو آپ کو اس بیع کی نسخ کی خبر نہ پہنچی یا ان لوگوں کی فروخت کی خبر نہ ہوئی،زمانہ فاروقی بفضلہٖ تعالٰی دس سال ہے اور اس زمانہ شریف میں شرعی احکام کی بہت چھان بین ہوگئی اس لیے آپ کو ممانعت کی خبر پہنچی اور ان حضرات کی اس بیع کی بھی اس لیے اس کی ممانعت کا اعلان فرمادیا اور کسی صحابی نے اختلاف نہ فرمایا،یہ ہوا اجماع صحابہ اگر یہ حکم مشکوک ہوتا تو صحابہ میں ضرور اختلاف واقع ہوتا۔

۳؎ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم ہے،یہ حدیث نسائی وغیرہ نے مختلف الفاظ سے مختلف اسنادوں سے روایت کی مگر وہ تمام ضعیف ہیں،ام ولد کی بیع کی ممانعت کی روایات بہت ہیں اور صحیح ہیں جو مرقات نے جمع فرمادیں۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن شریف سے جناب ابراہیم پیدا ہوئے تو حضور عالی نے فرمایا کہ انہیں ان کے اس بچہ نے آزاد کردیا چنانچہ حضور کی وفات کے بعد جناب ماریہ آزاد ہوئیں دوسرے ترکات کی طرح صدقہ نہ بنیں۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنا غلام آزاد کرے جس کے پاس مال ہو ۱؎ تو وہ مال اس کا ہے مگر یہ کہ مولیٰ شرط لگائے ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اس کے قبضہ میں مال ہو اگرچہ وہ مال اس کے مولے ہی کی ملک ہے،یہاں مال سے مراد غلام کا کمایا ہوا مال ہے مثلًا بندہ ماذون تھا اسے تجارت کی اجازت تھی اس نے تجارت کی،مال حاصل ہوا،ابھی مولے کو نہ دیا تھا کہ غلام آزاد کردیا گیا۔

۲؎ یعنی آزاد کردہ غلام کا مال آزاد کرنے والے مولے کا ہوگا،ہاں اگر مولیٰ مہربانی فرما کر کہہ دے کہ یہ مال تیرا ہی ہے لے جا،تو پھر ویسا ہی ہوگا،یہ ہی قول جمہور علماء کا ہے،خواجہ حسن بصری،عطاء،نخعی بھی یہ ہی فرماتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوالملیح ۱؎ سے وہ اپنے والد سے راوی کہ ایک شخص نے ایک غلام کا حصہ آزاد کردیا ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ عرض کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ۳؎ پھر اس کی آزادی کو جائز رکھا ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعی ہیں،آپ کا نام عامر ابن اسامہ ابن عمیر ہے،ہذلی ہیں، بصری ہیں، بہت سے صحابہ سے ملاقات ہے،آپ کے والد اسامہ ابن عمیر صحابی ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص پورے غلام کا مالک تھا مگر آزاد کیا اس کا آدھا یا چوتھائی باقی اپنی ملک میں رکھا،یہ مطلب نہیں کہ اس کے چند شخص مالک تھے ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کردیا۔

۳؎ یعنی اس غلام کا کچھ حصہ تو اللہ کے لیے آزاد ہوگیا اور کچھ حصہ تیرا تھا،یہ صورت رب تعالیٰ کے ساتھ شرکت ہے یہ بہتر نہیں،بہتر یہ ہی ہے کہ پورے غلام کو آزاد کر۔

۴؎ یعنی اسے حکم دیا کہ پورا غلام آزاد کردے اس نے ایسا ہی کیا،یہ حکم استحبابی تھا جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،امام اعظم غلام کی عتق کے تجزیہ و تقسیم کے قائل ہیں،یعنی ان کے ہاں ہوسکتا ہے کہ ایک غلام کا بعض حصہ آزاد ہو بعض غلام۔جو علماء فرماتے ہیں کہ عتق کی تقسیم نہیں ہوسکتی،بعض کی آزادی کل کی آزادی ہے وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ استدلال کمزور ہے پچھلی احادیث اس کے خلاف گزر چکیں،چنانچہ مسلم،بخاری کی روایت گزر چکی **عتق منہ ماعتق**۔

	روایت ہے حضرت سفینہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں ام سلمہ کا غلام تھا وہ بولیں کہ میں تمہیں آزاد کرتی ہوں اور تم پر یہ شرط لگاتی ہوں کہ جب تک جیو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرو ۲؎ میں نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی لگائیں تو بھی میں زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چھوڑتا ۳؎ چنانچہ انہوں نے مجھے آزاد کردیا اور یہ شرط لگادی ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام رباح یا مہربان یا رومان ہے فارسی النسل ہیں،مشہور ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ام سلمہ کے غلام ہیں ہوسکتا ہے کہ حضور انور کے غلام ہوں آپ نے جناب ام سلمہ کو مرحمت فرمایا ہو،کسی سفر میں ایک شخص تھک گیا تو اس نے اپنی تلوار،ڈھال نیزہ وغیرہ بہت سی چیزیں ان پر ڈال دیں،حضور نے فرمایا تم تو سفینہ یعنی کشتی ہو اس دن سے آپ کا لقب سفینہ ہوگیا۔آپ کے چار بیٹے ہیں: عبدالرحمٰن،محمد زیاد اور کثیر ان سب سے روایات لیں،آپ ہی کا واقعہ ہے کہ عہد فاروقی میں ایک جنگل میں ایک شیر نے آپ پر حملہ کرنا چاہاتو آپ نے فرمایا اے ابو سائب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں راستہ بھول گیا ہوں تو وہ شیر کتے کی طرح دم ہلاتا آپ کے آگے آگے چل دیا جیسا کہ اسی مشکوۃ **باب الکرامات** میں آئے گا۔ان شاءاللہ!

۲؎ یعنی تم کو آزاد بالشرط کرتی ہوں کہ تم بعد آزادی ہمیشہ حضور کی خدمت کرنا۔معلوم ہوا کہ عتق بالشرط جائز ہے،اس میں اختلاف ہے کہ غلام کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں اور اگر نہ پوری کرے تو اس پر کچھ تاوان ہے یا نہیں،حق یہ ہے کہ ضرور پوری کرے کہ وعدہ کرچکا ہے،وعدہ پورا کرنا ضرور ہے۔

۳؎ یعنی میں بغیر شرط لگائے بھی ان کا زندگی بھر غلام بے دام ہوں،چنانچہ حضرت سفینہ عمر بھر حضور کے بلکہ حضور کے صحابہ کرام کے خادم رہے۔

۴؎ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ شرط بمعنی وعدہ ہے ورنہ شرط جزا سے پہلے ہوتی ہے اور یہاں خدمت آزادی کے بعد ہوگی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس کی بدل کتابت سے ایک درہم بھی باقی رہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس غلام سے اس کے مولیٰ نے کہہ دیا ہو کہ تو اپنے روپے ادا کردے تو تو آزاد ہےاس نے تمام روپیہ ادا کردیا صرف ایک درہم یعنی چار آنے باقی ہیں تو ابھی پورا غلام ہی ہے یہ نہ ہوگا کہ ادا کردہ رقم کے حساب سے آزاد ہوجائے اور باقی کے حساب سے غلام رہے۔حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک بندہ کا تعلق دنیا یا اپنی ہستی سے ایک جو برابر بھی باقی ہے اسے آزادی میسر نہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس جب پورا کرنے کا مال ہوتو وہ اس سے پردہ کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اگر بی بی نے اپنے غلام کو مکاتب کیا غلام کے پاس کتابت کا مال جمع ہوگیا مگر ابھی اس نے ادانہیں کیا ہے تو اس بی بی کو چاہیے کہ اس سے پردہ کرنے لگے کیونکہ اب وہ آزاد ہوجانے پر قادر ہوچکا ہے اس کی آزادی قریب ہے،انہی ام سلمہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے غلام نبہان سے پوچھا کہ تیری کتابت کے مال سے کس قدر باقی ہےوہ بولے دو ہزار درہم فرمایا کیا وہ تیرے پاس ہیں؟ بولے ہاں،فرمایا ادا کردے اور جا تجھے سلام ہے،یہ کہہ کر آپ نے پردہ ڈال لیا وہ رونے لگے کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہوگیا میں تو یہ رقم کبھی ادا نہ کروں گا،آپ بولیں بیٹے اب تم مجھے کبھی نہ دیکھ سکو گے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی فرمایا ہے،یہ حکم یا تو ازواج پاک کے لیے خصوصی تھا یا دوسری عورتوں کو بھی استحبابی ہے ورنہ جب تک کہ مکاتب پائی پائی ادا نہ کردے تب تک وہ غلام ہے اس سے مولاۃ کا پردہ واجب نہیں،یا یہ مطلب ہے کہ پردہ کرنے کی تیاری کرے۔(اشعہ و مرقات)خیال رہے غلام اور اس مالکہ بی بی مولاۃ میں پردہ نہیں جب غلام آزاد ہوجائے تو اس سے مولاۃ کا پردہ واجب ہے اورجب آزادی کے قریب ہوجائے تو اس حدیث کی رو سے پردہ بہتر۔

	روایت ہے عمرو ابن شعیب سے،وہ اپنے والد سے،وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے غلام کو سو اوقیہ چاندی پر مکاتب کیا ۱؎ تو اس نے سب ادا کردیا،سوائے دس اوقیہ کے یا فرمایا سوائے دس دیناروں کے ۲؎ پھر وہ عاجز ہوگیا تو وہ

غلام ہی ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ اس سے کہہ دیا تو سو اوقیہ چاندی ادا کردے تو تو آزاد ہے،ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے سو اوقیہ چالیس سو یعنی چار ہزار درہم کا ہوا،ایک درہم ساڑھے چار آنہ کا۔

۲؎ یا تو یہ شک صحابی کو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس اوقیہ فرمایا یا دس "۱" دینار یا نیچے کے راوی کو شک ہے کہ میرے استاد حدیث نے کیا فرمایا۔ خیال رہے کہ ایک دینار دس درہم یعنی پونے تین روپے کا ہوتا تھا اب تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہے کہ سونا بہت گراں ہے۔

۳؎ یا تو خود غلام ہی کہہ دے کہ اب میں بقیہ روپیہ ادا نہیں کرسکتا یا مکاتبت کی مدت گزر جائے،یہ دونوں صورتیں عجز کی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں ادا کیا ہوا روپیہ مولا کا ہوگا اور یہ مکاتب پہلے کی طرح مکمل غلام ہوجائے گا۔معلوم ہوا کہ کل بدل کتابت کی ادا سے عاجز ہونا یا بعض سے عاجز ہونا حکم میں یکساں ہے کہ ان صورتوں میں یہ پورا غلام بن جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب مکاتب سزا یا وراثت کو پہنچے تو اس حساب سے وارث کیا جائے گا جتنا آزاد ہوچکا ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا دیت دیا جائے گا مکاتب ادا کیے ہوئے حصہ کی آزاد کی دیت اور باقی کی غلام کی دیت اور اسے ضعیف کہا ۳؎	

۱؎ یعنی سزا اور وراثت میں مکاتب آزاد بھی مانا جائے گا اور غلام بھی،جتنا زر کتابت ادا کرچکا ہے اتنا آزاد ہوگا جتنا زر کتابت اس کے ذمہ ہے اتنے میں غلام مثلًا ایک شخص ایک ہزار روپیہ پر مکاتب تھا اور پانچ سو ادا کرچکا تھا اب اس مکاتب کا والد جو آزاد و مالدار تھا فوت ہوگیا اور مکاتب اس کا اکلوتا بیٹا ہے جو سارے ترکہ کا وارث ہونا چاہیے تو اب یہ مکاتب آدھے ترکہ کا وارث ہوگا کیونکہ یہ آدھا آزاد ہے،اسی طرح اگر اس مکاتب کو کسی نے قتل کردیا قاتل پر دیت واجب ہوئی اس مکاتب کی قیمت مثلًا ایک سو روپیہ تھی تو قاتل اس مقتول مکاتب کی آدھی دیت یعنی پچاس اونٹ اس مکاتب کے وارثوں کو دیں گے اور آدھی قیمت یعنی پچاس روپیہ مالک کو ادا کریں گے۔

۲؎ یودی دیت کا مضارع مجہول ہے ودی یدی باب ضرب سے یعنی دیت دیا جائے گا اور ادی تادیت کا ماضی معروف یعنی یودی کے پیش واؤ کے سکون د کے فتح سے ہے اور ادّی دال کے شد و فتح سے ہے،اس کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد مقتول کی دیت سو اونٹ ہے اور غلام مقتول کی دیت پچاس اونٹ اور یہ مکاتب آدھا زر کتابت ادا کرچکا ہے تو اس کی دیت پچھتّر اونٹ ہوگی مگر چونکہ مولے کو مقتول غلام کی دیت نہیں ملتی بلکہ غلام کی قیمت ملتی ہے اس لیے اسے آدھی قیمت دی جاوے گی۔

۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب جس قدر زر کتابت ادا کرچکا اتنا آزاد ہے مگر پچھلی حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک اس کے ذمہ ایک پیسہ بھی ہے وہ غلام ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے پچھلی حدیث کے متعارض نہیں

ہوسکتی اور سوائے امام نخعی کے کسی امام نے اس پر عمل نہیں کیا سب کے ہاں ایسا مکاتب نہ اپنے کسی عزیز کا وارث ہو اور نہ اس کی دیت وارثوں کو دی جائے بلکہ اس کی پوری قیمت مولے کو دی جائے گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو عمر انصاری سے ۱؎ کہ ان کی ماں نے آزاد کرنا چاہا پھر صبح تک دیر لگائی وہ فوت ہوگئیں ۲؎ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے قاسم ابن محمد سے پوچھا کہ اگر میں ان کی طرف سے آزاد کردوں تو کیا انہیں نفع دے گا ۳؎ تو قاسم بولے کہ سعد ابن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے عرض کیا کہ میری ماں وفات پاچکیں کیا انہیں نفع دے گا یہ کہ میں ان کی طرف سے آزاد کردوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۴؎(مالک)

۱؎ عبدالرحمٰن تابعی ہیں،ثقہ ہیں،قاضی مدینہ منورہ ہیں،ان کی احادیث مضطرب ہوتی ہیں،ان کے والد کا نام عمرو ابن حصین ہے یا ثعلبہ ابن عمرو ابن حصین وہ صحابی ہیں۔(اشعہ و مرقات)ان کی والدہ کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر وہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں۔

۲؎ یعنی شام کے وقت لونڈی یا غلام آزاد کرنا چاہا مگر کہا کہ صبح آزاد کروں گی رات میں اچانک فوت ہوگئیں،اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ نیکی میں جلدی کرے دیر نہ لگائے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمْ"۔

۳؎ یعنی میں نے حضرت قاسم ابن محمد ابن ابوبکر صدیق سے مسئلہ پوچھا کہ اگر اب ان کی طرف سے میں غلام آزاد کردوں تو کیا انہیں ثواب ملے گا۔

۴؎ حضرت قاسم نے مسئلہ نہ بتایا بلکہ مسئلہ کی دلیل بتادی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے صدقہ و خیرات و نفل نماز کا ثواب کسی کو بخشنا جائز ہے یوں ہی غلام لونڈی آزاد کرکے اس کا ثواب بخش دینا بھی جائز ہے اور یہ ثواب میت کو ضرور پہنچتا ہے۔

	روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر سوتے میں وفات پاگئے ۲؎ ان کی بہن عائشہ صدیقہ نے انکی طرف سے بہت غلام آزاد کیے ۳؎(مالک)

۱؎ آپ انصاری ہیں تابعی ہیں،آپ سے امام مالک ہشام ابن عروہ،سفیان ثوری جیسے آئمہ حدیث نے احادیث لی ہیں بڑے عالم متقی صالح شب بیدار عبادت گزار تھے۔

۲؎ آپ عائشہ صدیقہ کے بھائی ہیں،صلح حدیبیہ کے سال ایمان لائے،اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدالعزی تھا بعد اسلام عبدالرحمٰن نام رکھا گیا صدیق اکبر کی سب اولاد میں آپ ہی بڑے ہیں سوتے میں اچانک وفات پا گئے۔

۳؎ جناب عائشہ صدیقہ کو آپ کی وفات پر بہت صدمہ ہوا کیونکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے سگے بھائی تھے حضرت ام رومان کے شکم شریف سے، اچانک وفات پائی،کوئی وصیت وغیرہ نہ کرسکے اس لیے آپ نے علاوہ اور صدقات کے ان کی طرف سے بہت سے غلام بھی آزاد فرمائے۔خیال رہے کہ اچانک موت غافل کے لیے اللہ کی پکڑ ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا،عاقل و نیک کار کے لیے اللہ کی رحمت کہ رب اسے بیماری کی تکالیف سے بچالیتا ہے،حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہی ہوئی بحالت نماز جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غلام خریدے اس کے مال کی شرط نہ لگائے تو اسے کچھ نہ ملے گا ۱؎ (دارمی)

۱؎ غلام کے مال سے مراد اس کا مقبوضہ مال ہے نہ کہ مملوکہ مال کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا وہ خود اپنے مولے کا مال ہے یعنی کسی نے کسی شخص کا غلام ماذون خریدا جسے خریدو فروخت کی اجازت تھی اور اس کے مقبوضہ مال کی شرط نہ لگائی تو یہ سارا مال فروخت کرنے والے مولےٰ کا ہوگا اسے صرف غلام ملے گا ہاں اگر یہ خریدار کہہ لیتا کہ میں یہ غلام اور اس کا مقبوضہ مال خریدتا ہوں تب یہ مال خریدار کا ہوتا **فلا شیئ لہ** میں **لہ** کا مرجع خریدار ہے یعنی خریدار کو کچھ مال نہ ملے گا۔

باب الایمان والنذور

قسموں اور منتوں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ایمان یمین کی جمع ہے یمین بمعنی داہنی جانب،یسار کی مقابل بمعنی بائیں جانب،چونکہ اہل عرب عموماً قسم کھاتے یا قسم لیتے وقت ایک دوسرے سے داہنا ہاتھ ملاتے تھے اس لیے قسم کو یمین کہنے لگے۔یا یمین بنا یمن سے بمعنی برکت وقوت سے چونکہ قسم میں اللہ تعالٰی کا بابرکت نام بھی لیتے ہیں اور اس سے اپنے کلام کو قوت دیتے ہیں اس لیے اسے یمین کہتے ہیں بمعنی بابرکت وقوت والی گفتگو۔قسم تین قسم کی ہوتی ہیں: قسم لغو،قسم غموس،قسم منعقدہ۔منعقدہ قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ کے نام کی کھائی گئی ہواور قسم غموس میں صرف گناہ ہے اور قسم لغو میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ۔نذور جمع ہے نذر کی بمعنی ڈرانا،اسی سے ہے نذیر کسی غیر واجب عبادت کو اپنے ذمہ واجب کرلینا نذر ہے خواہ کسی شرط پر معلق ہو یا نہ ہو گناہ کی نذر ماننے میں کفارہ قسم کا ہوتا ہے۔قسموں اور نذروں کی مکمل بحث کتب فقہ میں ہے ہم بھی آئندہ بقدر ضرورت عرض کریں گے نذر کا ثبوت قرآن کریم سے ہے"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا"اور قرآن کریم میں ہے"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ"وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سےفرماتے ہیں زیادہ قسم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یہ تھی ا۱؎کہ قسم ہے دلوں کو بدلنے والے کی ۲؎(بخاری)

۱؎اس عبارت میں اکثر مبتداء ہے ما مصدریہ اور یہاں وقت پوشیدہ ہے کان تامہ ہے یحلف قائم مقام خبر اور لاو مقلب القلوب یحلف کا مفعول بہ جیسے نحوی لوگ کہتے ہیں اخطب مایکون الامیر قائما۔غرضکہ جملہ کی ترکیب پیچیدہ ہے۔

۲؎لا کسی گزشتہ کلام کی نفی ہے واؤ قسمیہ ہے مقلب القلوب اللہ تعالٰی کا صفاتی نام ہے۔معلوم ہوا کہ اسماء صفاتیہ سے بھی قسم کھانا جائز ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ نے فرمایااللہ تعالٰی تم کو اپنے باپ دادوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے ۱؎جو قسم کھانا چاہے تو اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی غیر خدا کی قسم کھانے سے منع فرمایا گیا،چونکہ اہل عرب عمومًا باپ دادوں کی قسم کھاتے تھے اس لیے اسی کا ذکر ہوا،غیر خدا کی قسم کھانا مکروہ ہے،وہ جو حدیث شریف میں ہے افلح و ابی یعنی قسم میرے والد کی وہ کامیاب ہوگیا وہ قسم شرعی نہیں محض تاکید کلام کے لیے ہے اور یہاں شرعی قسم سے ممانعت ہے یا وہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے یا وہ بیان جواز کے لیے ہے یہ حدیث بیان کراہت کے لیے۔(مرقات)

۲؎اللہ سے مراد رب تعالٰی کے ذاتی و صفاتی نام ہیں لہذا قرآن شریف کی قسم کھانا جائز ہے کہ قرآن شریف کلام اللہ کا نام ہے اور کلام اللہ صفت الٰہی ہے،قرآن مجید میں زمانہ،انجیر،زیتون وغیرہ کی قسمیں ارشاد ہوئیں وہ شرعی قسمیں نہیں نیز یہ احکام ہم پر جاری ہیں نہ کہ رب تعالٰی پر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمن ابن سمرہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قسم کھاؤ بتوں کی اور نہ اپنے باپ دادوں کی ۲؎(مسلم)

۱؎آپ عبدشمس ابن عبد مناف کی اولاد سے ہیں،آپ کا نام پہلے عبدالکعبہ تھا کنیت ابو سعید شمسی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن نام رکھا،مشہور صحابی ہیں،قرشی ہیں،فتح مکہ کے سال ایمان لائے۔

۲؎طواغی جمع ہے طاغیہ کی بمعنی سرکشی کرنے والے یا سرکش بنانے والے،اس سے مراد بت ہیں کہ یہ لوگوں کی سرکشی کا باعث ہیں۔اہلِ عرب بتوں اور باپ دادوں کی قسمیں بہت کھاتے تھے ان دونوں سے منع فرمادیا گیا۔ خیال رہے کہ بتوں کی قسم کھانا شرک ہے باپ دادوں کی قسم کھانا ممنوع و مکروہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو قسم کھائے اپنی قسم میں کہدے کہ لات و عزیٰ کی قسم تو کہے کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۱؎اور جو اپنے ساتھی سے کہے آؤ جوا کھیلیں تو وہ خیرات کرے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اگر بھول کر لات و عزیٰ کی قسم کھالے تو کفارہ کے لیے کلمہ طیبہ پڑھ لے کہ نیکیاں گناہ کو مٹا دیتی ہے اور اگر دیدہ دانستہ بتوں کی تعظیم کرتے ہوئے ان کی قسم کھائی ہے تو کافر ہوگیا،دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو۔لات و عزیٰ مکہ والوں کے دو مشہور بت تھے جو کعبہ معظّمہ میں رکھے ہوئے تھے اب جو گنگا جمنا یا رام لچھمن کی قسم کھائے اس کا حکم بھی یہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جیسی قسم میں کفارہ نہیں صرف یہ ہی حکم ہے جو یہاں مذکور ہوا۔

۲؎یعنی جوا کھیلنا تو درکنار اگر کسی کو جوا کھیلنے کی دعوت بھی دے تو وہ جوئے کا مال جس سے جوا کھیلنا چاہتا ہے وہ یا دوسرا مال صدقہ کردے تاکہ اس ارادہ کا یہ کفارہ ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ گناہ بھی گناہ ہے،یہ ہی مذہب جمہور ہے۔

	روایت ہے حضرت ثابت ابن ضحاک سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلام کے سوا کسی

دین پر جھوٹی قسم کھائے ۲؎ تو وہ ایسا ہے جیسا کہے ۳؎ اور کسی انسان پر اپنی غیر مملوک میں نذر نہیں ۴؎ اور جو کسی چیز سے اپنے کو قتل کرے دنیا میں تو اسے اسی چیز سے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا ۵؎ اور جو کسی مسلمان پر لعنت کرے تو وہ اس کے قتل کی طرح ہے ۶؎ اور جو کسی مسلمان کو کفر کی تہمت لگائے تو وہ اس کے قتل کی طرح ہے ۷؎ اور جو جھوٹا دعوی کرے تاکہ اس سے مال بڑھائے تو اللہ نہ بڑھائے گا مگر کمی ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ ابوزید انصاری خزرجی ہیں،بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے بہت کم سن تھے مدنی ہیں،بصرہ میں قیام رہا ۶۶ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ مثلًا کہے کہ اگر میں یہ کام کروں تو عیسائی یہودی ہوجاؤں یا اسلام سے نکل جاؤں اور پھر وہ کام نہ کرے یا کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو یہودی ہوجاؤں حالانکہ اس نے یہ کام کیا تھا۔

۳؎ یعنی وہ عملًا یہودی ہی ہوگیا یا اسلام سے بری ہوگیا یہ فرمان تشدد کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو عمدًا نماز چھوڑے وہ کافر ہوگیا،ایسی قسم میں امام ابوحنیفہ،احمد و اسحاق کے ہاں قسم منعقد ہوجائے گی کفارہ واجب ہوگا اور امام شافعی کے ہاں کفارہ بھی نہیں صرف گناہ ہے کہ یہ قسم نہیں صرف جھوٹ ہے ۔یہ اختلاف جب ہے جبکہ یہ الفاظ آئندہ کے متعلق بولے مثلًا کہے کہ اگر میں فلاں سے کلام کروں تو یہودی ہوجاؤں یا اسلام سے بری ہوجاؤں لیکن اگر یہ الفاظ گزشتہ کے متعلق بولے تو کسی کے ہاں کفارہ نہیں سب کے ہاں گناہ ہی ہے مثلًا کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو میں یہودی یا عیسائی ہوں اور واقعہ میں وہ کام کیا تھا تو گنہگار ہے۔

۵؎ مثلًا کہے کہ اگر میرے بیمار کو شفا ہوجائے تو فلاں کی بکری کو قربانی دے دوں گا یا فلاں کا غلام آزاد ہے،اس صورت میں نہ اس بکری کی قربانی واجب ہے نہ وہ غلام آزاد ہوگا کیونکہ بروقت نذر نہ بکری اس کی ملک تھی نہ وہ غلام،پھر اگر یہ چیزیں بعد میں اس کی ملک میں آ بھی جائیں تب بھی یہ نذر پوری نہ کرے کہ نذر درست ہوئی ہی نہیں۔

۵؎ مثلًا کوئی اپنے کو چھری سے ذبح کرلے تو کل قیامت میں چھری اس کے ہاتھ میں ہوگی جسے وہ اپنے میں گھونپتا ہوگا جب تک رب تعالٰی چاہے یہ ہوتا رہے گا اس گھونپنے میں تکلیف پوری ہوگی مگر جان نہ نکلے گی جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۶؎ یعنی جو شخص لعنت کے لائق نہ ہو اسے لعنت کرے تو اس لعنت کا عذاب قتل کا سا ہے معلوم ہوا کہ غیر مستحق پر لعنت ناحق قتل کی طرح حرام ہے۔

۷؎ کیونکہ کفرو ارتداد قتل کے اسباب سے ہیں کسی کو بلاوجہ کافر یا مرتد کہنا گویا اسے لائق قتل کہنا ہے۔خیال رہے کہ قذف کے لغوی معنے ہیں پھینکنا،اصطلاح شریعت میں زنا کی تہمت لگانے کو قذف کہا جاتا ہے۔

۸؎ یعنی جو اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں کے مال پر جھوٹے دعویٰ کرے اس کا مال ان شاءاللہ گھٹے گا بڑھے گا نہیں کیونکہ حقیر غرض کے لیے اتنا بڑا گناہ کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں ان شاءاللہ کوئی قسم نہ کھاؤ ں گا۱؎ کہ اس کے سوائے کسی کو اس سے اچھا دیکھو ں، مگر اپنی قسم کا کفارہ دوں گا ۲؎ اور وہ کام کروں گا جو بہتر ہو ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہاں یمین سے مراد وہ کام ہے جس پر قسم کھائی جائے لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حلف اور یمین تو ایک ہی چیز ہے پھر علیٰ یمین کے لیے ؟

۲؎ یعنی قسم توڑ کر کفارہ دوں گا یا کفارہ دینے کا ارادہ کرلوں گا پھر قسم توڑوں گا کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کیسا کیونکہ قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے اور کبھی حکم سبب سے پہلی نہیں ہوسکتا،وقت سے پہلے نماز،رمضان سے پہلے روزہ جائز نہیں اسی طرح قسم توڑنے سے پہلے کفارہ درست نہیں۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں کفارہ مالی حنث سے پہلے ہوسکتا ہے مگر روزہ کفارہ حنث سے پہلے نہیں ہوسکتا یعنی قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کے روزے نہیں رکھ سکتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کفارہ کا سبب قسم ہے حنث تو اسکی شرط ہے،رب تعالٰی نے فرمایا: "کَفّٰرَۃُ اَیۡمٰنِکُمۡ" کفارہ کو قسم کی طرف منسوب فرمایا،نسبت سے معلوم ہوا کہ کفارہ کا سبب قسم ہے جیسے کہاجاتا ہے رمضان کے روزے عصر کی نماز،کعبہ کا حج،نسبت و اضافت سبب ہونے کی علامت اور حکم اپنے سبب پر مقدم نہیں ہوتا،شرط پر مقدم ہوسکتا ہے۔سال سے پہلے زکوۃ دے سکتے ہیں،ہمارے امام اعظم کے ہاں کوئی کفارہ مالی ہو یا بدنی حنث سے پہلے جائز نہیں کیونکہ کفارہ کا سبب حنث ہے نہ قسم کفارہ کے معنی ہیں گناہ مٹانے یا چھپانے والی چیز قسم کھانا گناہ نہیں قسم توڑنا گناہ ہے لہذا توڑنا ہی سبب کفارہ ہوا اور حکم سبب سے پہلے نہیں ہوسکتا قرآن کریم میں کفارہ کی نسبت شرط کی طرف ہے جیسا کہا جاتا ہے اس سال کی زکوۃ،دیکھو سال زکوۃ کی شرط ہے سبب نہیں مگر اضافت ہورہی ہے پھر شوافع جب قسم کو کفارہ کا سبب مانتے ہیں تو روزوں کو مقدم کرنا درست کیوں مانتے ہیں۔

۳؎ مثلًا اگر قسم کھائی جائے کہ میں اپنے والد سے کلام نہ کروں گا تو چاہیے کہ قسم توڑ دے اپنے والد سے کلام کرے پھر کفارہ دے دے۔ خیال رہے کہ واؤ جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفارہ پہلے دے پھر قسم توڑے،بعض روایات میں ثم وارد ہوا فلیکفر عن یمینه ثم لیأت بالذی ھو خیر مگر یہ روایت درست نہیں۔مسلم،بخاری میں وارد ہے یہاں مرقات نے ثم اور واؤ کی روایات میں بہت عمدہ بحث کی ہے واؤ کی روایت کو ترجیح دی اگر ثم کی روایات صحیح بھی ہوں تو بھی شوافع کے خلاف ہیں کہ وہ بھی کفارہ کا مقدم کرنا واجب نہیں مانتے صرف جائز مانتے ہیں مگر اس روایت سے ثابت ہوگا کہ کفارہ پہلے دینا قسم بعد میں توڑنا واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے فرماتے ہیں

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبدالرحمٰن ابن سمرہ امیر ہونا نہ مانگو۱کیونکہ اگر تمہیں حکومت مانگ کردی گئی تو تم اس کی طرف سپرد کردیئے جاؤ گے ۲اور اگر بغیر مانگے دی گئی تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی ۳اور جب تم کسی چیز پر قسم کھالو پھر اس کے سوا کو اس سے بہتر دیکھو تو اپنی قسم کا کفارہ دے لو اور جو بہتر ہے وہ کرلو۴اور ایک روایت میں ہے کہ جو اچھا ہے وہ کرلو اور اپنی قسم کا کفارہ دے لو۵(مسلم،بخاری)

۱یعنی حکومت و سرداری کی خواہش نہ کرو نہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو،آج کل تو ممبری وزارت حاصل کرنے ووٹ لینے کی جو کوشش ہوتی ہے سب کو معلوم ہے کہ دونوں کے لیے دین ایمان دولت عزت سب کچھ قربان کردیتے ہیں اس کاانجام بھی آنکھوں دیکھاجارہا ہے سارے فسادات ان حکومتوں کے ہیں جو یہ کوشش حاصل کی جاتی ہیں۔

۲یعنی حکومت کی ذمہ داریاں بہت ہیں ہر شخص ان کو پورا نہیں کرسکتا اللہ تعالٰی ہی مدد کرے تو بندہ اس میں کامیاب ہوسکتا ہے لیکن جو کوئی اپنی کوشش سے حکومت لے گا وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اللہ تعالٰی اس کی مدد نہ کرے گا،یہ حکم اس صورت میں ہے کہ انسان نفسانی خواہش عیش دولت عزت شہرت حاصل کرنے کے لیے حکومت چاہے لیکن اگر نظام حکومت نااہلوں کے پاس جاکر ملک کے فساد کا اندیشہ ہو تو اللہ کے دین اور مخلوق کی خدمت کے لیے حکومت حاصل کرنا عبادت ہے جب کہ اپنی نفسانی خواہش کو اس میں دخل نہ ہو۔حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا تھا:"اجْعَلْنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ"مجھے خزانوں کا حاکم بنادو،اگر آپ اس وقت یہ عہدہ نہ سنبھالتے تو اس قحط سالی میں لوگ بھوکے مرجاتے۔

۳یعنی اس صورت میں اللہ تعالٰی بذریعہ فرشتے کے تمہاری مدد فرمائے گا کہ اس کا فرشتہ تمہارا مشیر رہے گا تمہیں سنبھالے رہے گا۔

۴جو شخص گناہ کرنے یا فرائض ادا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلًا خدا کی قسم میں شراب پیوں گا یا نماز نہ پڑھوں گا تو ایسی قسم کا توڑنا اور کفارہ ادا کردینا واجب ہے اور جو غیرمناسب کام کی قسم کھالے مثلًا خدا کی قسم میں ایک ماہ تک اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گاایسی قسم کا توڑ دینا مستحب ہے،اور جائز کاموں کی قسموں کا پورا نہ کرنا ضروری ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاحْفَظُوۡۤا اَیۡمٰنَکُمْ"جیسے قسم رب کی میں یہ روٹی نہ کھاؤں گا،یہ کپڑا نہ پہنوں گا۔

۵مگر ہر قسم کی قسم توڑنے میں کفارہ واجب ہے کیونکہ قسم تو اللہ تعالٰی کے نام کی حرمت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس نے رب کو ضامن دے کر ایک وعدہ کیا مگر پورا نہ کیا نام پاک کی اس میں بے حرمتی کی تو کفارہ دے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی پر قسم کھالے پھر اس

	سے بہتر کچھ دیکھے،تو اپنی قسم کا کفارہ دے، اور وہ کام کرے [1] (مسلم)

[1] اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ قسم پہلے توڑے کفارہ بعد میں دے، واؤ صرف جمع چاہتا ہے ترتیب نہیں چاہتا،یہ امر بعض موقعوں پر وجوب کے لیے ہوگا، بعض موقعوں پر استحباب کے لیے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ یہ بات کہ اڑا رہے تم میں سے کوئی اپنی قسم پر اپنے گھر والوں کے متعلق [1] زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اس سے کہ اس کا کفارہ ادا کردے جو اللہ نے اس پر فرض کیا [2] (مسلم،بخاری)

[1] یلج ی کے فتح لام کے کسرہ اور جیم کے شد سے **لجاءٌ ولجاجة** کا مضارع **ضرب یضرب** سے **لجاجه** کے معنے ہیں اڑ جانا،مصر ہوجانا،قائم رہنا یعنی جو شخص اپنے گھر والوں میں سے کسی کا حق فوت کرنے پر قسم کھالے مثلًا یہ کہ میں اپنی ماں کی خدمت نہ کروں گا یا بیوی سے ایک دو ماہ صحبت نہ کروں گا۔

[2] یعنی ایسی قسموں کا پورا کرنا گناہ ہے اس پر واجب ہے کہ ایسی قسمیں توڑے اور گھر والوں کے حقوق ادا کرے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَیۡمٰنِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ تُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ"۔خیال رہے کہ یہاں **اُثم** تفضیل مقابلہ کے لیے نہیں،یہ مطلب نہیں کہ یہ قسم پوری نہ کرنا بھی گناہ مگر پوری کرنا زیادہ گناہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی قسم پوری کرنا بہت بڑا گناہ ہے پوری نہ کرنا ثواب کہ اگرچہ رب تعالٰی کے نام کی بے ادبی قسم توڑنے میں ہوتی ہے اسی لیے اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے مگر یہاں قسم نہ توڑنا زیادہ گناہ کا موجب ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تیری قسم اس پر ہے جس پر تیرا ساتھی تیری تصدیق کرے [1] (مسلم)

[1] یعنی جس قسم سے کسی کا حق وابستہ ہو اس میں توریہ یعنی ظاہر معنے کے خلاف کی نیت کرنا درست نہیں لیکن اگر ظالم ظلم کرنے کے لیے ہم سے قسم لے رہا ہے تو وہاں ضرور توریہ کرکے اپنی جان و آبرو بچالے،ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارا کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں یعنی دینی بہن،شاہ مصر کے ظلم سے بچنے کے لیے ہجرت کی راہ میں صدیق اکبر نے ایک کافر کو جواب دیا **رجل یهدینی السبیل** یہ صاحب(یعنی محمد رسول اللہ) مجھے راہ دکھانے والے ہیں یعنی راہ خدا دکھانے والے،یہ ہے توریہ،حضرت سوید ابن حنظلہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں روانہ ہوا، میرے ساتھ وائل ابن حجر حضرمی تھے راہ میں دشمن مل گئے میں نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص میرا بھائی ہے تاکہ وہ انہیں قتل نہ کردیں،پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اس قسم کا ماجرا عرض کیا، فرمایا تم نے اچھا کیا وائل ابن حجر تمہارے دینی بھائی ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ قسم قسم لینے والے کی نیت پر ہے ۱(مسلم)

۱یعنی جب مقدمہ میں مدعی مدعیٰ علیہ سے قسم لے تو قسم کے الفاظ میں مدعی کی نیت کا اعتبار ہوگا مدعی علیہ تاویل کرکے دوسرے معنے خلاف ظاہر کی نیت نہیں کرسکتا کہ اس صورت میں مدعی علیہ ظلمًا مدعی کا حق مارنا چاہتا ہے اس لیے تاویلیں کرکے قسم کھارہا ہے اگر بعد تاویل کرکے قسم کھا جائے تو تاویل معتبر نہیں مدعی کی نیت کا اعتبار ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نازل ہوئی یہ آیت کہ اللہ تعالٰی تمہاری پکڑ نہیں فرماتا، تمہاری لغو قسموں پر انسان کے اس قول کے متعلق نہیں، واللہ ہاں واللہ ۱(بخاری)اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ ہیں ۲اور فرمایا کہ بعض راویوں نے اسے حضرت عائشہ سے مرفوع کیا ۳

۱قسم لغو وہ ہے جس میں نہ کفارہ ہو نہ گناہ،لغو بمعنے بے کار، قسم لغو کی تفسیر میں اختلاف ہے۔امام شافعی کے ہاں قسم لغو یہ ہے کہ بغیر ارادہ منہ واللہ باللہ نکل جائے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے واللہ آئے واللہ جائے وغیرہ،یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے،ہمارے امام اعظم کے نزدیک قسم لغو یہ ہے کہ کسی بات پر اسے سچ سمجھ کر قسم کھائے مگر وہ ہو جھوٹ جیسے کسی کو زید کے آجانے کایقین تھا وہ کہے قسم خدا کی زید آگیا لیکن وہ آیا نہ تھا،یہ قسم لغو ہے حضرت عبداللہ ابن عباس نے قسم لغو کی یہ ہی تفسیر فرمائی امام اعظم و امام احمد کا یہ ہی مذہب ہے لہذا ہمارے ہاں اگر بغیر قصد قسم نکل جانے پر قسم کے احکام جاری ہوں گے مثلًا عادت کے طور پر کہہ دے واللہ میں جاؤں گا واللہ کھاؤں گا اگر نہ جائے نہ کھائے تو کفارہ واجب ہوگا اگرچہ قسم کی نیت سے واللہ نہ کہا ہو،نذر کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ بغیر قصد نذر کے الفاظ جاری ہونے سے نذر ہوجاتی ہے کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ تین چیزیں عمدًا ہوں تب بھی درست ہیں خطاء یا بھول کر ہوں جب بھی درست،نکاح،طلاق اور قسم۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ میری امت سے خطاء و نسیان اٹھالیے گئے تو خطاء کی قسم پر احکام کیسے ؟ مگر یہ کمزور سی بات ہے کیونکہ خطاء ونسیان پر سزا اٹھالی گئی نہ کہ احکام پر ، روزے میں خطاء پانی پی لینے سے روزہ جاتا رہتا ہے اگرچہ اس پر گناہ نہیں ایسے خطاء قسم پر گناہ نہیں احکام مرتب ہیں۔اس کی پوری بحث فتح القدیر میں اور مرقات میں اسی جگہ دیکھئے۔

۲یعنی شرح سنہ میں اس حدیث کے وہ الفاظ منقول ہیں جو مصابیح میں نقل فرمائے، وہ یہ ہیں **قالت لغو الیمین قول الھماں لا واللہ وبلی واللہ**۔(اشعہ)

۳یعنی امام بغوی نے شرح سنہ میں فرمایا کہ بعض محدثین نے یہ حدیث عائشہ مرفوعًا حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے نقل فرمائی۔خیال رہے کہ مجبور کی قسم ہمارے ہاں معتبر ہے اس پر احکام جاری ہیں،امام شافعی و احمد کے ہاں معتبر نہیں،ان کی دلیل دار قطنی کی وہ حدیث ہے جو واثلہ ابن اسقع وابی امامہ سے منقول ہے **لیس علے مقھور یمین** مگر یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ نہ اپنے باپ دادوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی ۱ اور اللہ کی قسم نہ کھاؤ مگر جب کہ تم سچے ہو ۲ (ابوداؤد،نسائی)

۱ یعنی نہ اپنے اصول کی قسم کھاؤ جن کی اولاد میں تم ہو اور نہ فروع کی قسم کھاؤ جو تمہاری اولاد میں بیٹے پوتے نواسے وغیرہ،نہ مال وغیرہ کی قسم کھاؤ اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ جیسا کہ مشرین کا طریقہ ہے،انداد جمع ہے ند کی بمعنی مقابل۔

۲ یعنی اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کی قسم کھانا جائز ہے مگر سچی قسم،جھوٹی قسم کھانا حرام ہے،جس پر گناہ یا کفارہ واجب ہے، یہ شرعی قسم کے احکام ہیں،لغوی قسم بمعنی تاکید کلام،یہ ماں باپ اولاد وغیرہ کی بھی جائز ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا افلح وابی قرآن کریم میں جو قسمیں ارشاد ہوئیں وہ لغوی قسم کی ہیں،بتوں کی قسم نہ لغوی جائز ہے نہ شرعی کہ اس میں ان کی تعظیم ہے اور بت کی تعظیم حرام بلکہ کفر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی غیر خدا کی قسم کھائے اس نے شرک کیا ۱ (ترمذی)

۱ اگر بت کی قسم کھائی تو شرک جلی کیا اور اگر ماں باپ اور اولاد کی شرعی قسم کھالی ان کی تعظیم کی بنا پر تو شرک خفی کیا۔ نبی و کعبہ کی بھی قسم شرعی جائز نہیں مگر جو کہے کہ اگر میں یہ کروں تو نبی یا قرآن یا کعبہ سے بری ہوں تو قسم ہوجائے گی جس پر کفارہ واجب ہوگا کہ نبی و قرآن سے بری ہونا کفر ہے کفر کی قسم معتبر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جو کوئی امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ۱ (ابوداؤد)

۱ اگر امانت سے مراد شرعی احکام ہیں یعنی نماز روزہ وغیرہ تو یہ قسم ناجائز ہے اور اس میں کفارہ نہیں، قرآن کریم میں شرعی احکام کو امانت فرمایا گیا ہے"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" یہ قسمیں کفار کھاتے تھے نماز کی قسم وغیرہ،اور اگر مراد امانت اللہ ہے تو قسم معتبر ہے اسی پر کفارہ واجب کہ امانت اللہ کی صفت ہے اور صفات الٰہی کی قسم معتبر ہے جیسے اللہ کے علم یا قدرت یا سمع بصر کی قسم، رب تعالٰی کا نام شریف امین بھی ہے۔(مرقات،واشعہ)خیال رہے کہ جو کہے بسم اللہ میں یہ کروں گا اگرچہ قسم ہی کی نیت سے کہے قسم نہ ہوگی کہ یہ عرف کے خلاف ہے ایسے ہی حق اللہ کی قسم معتبر نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ و سلم نے کہ جو کہے میں اسلام سے بری ہوں تو اگر وہ جھوٹا ہو۱ تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۲ اور اگر سچا ہو تو اسلام کی طرف سلامت نہ پھرے گا۳(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱ یعنی یوں کہے کہ اگر میں نے یہ کیا ہو تو میں اسلام سے بری و دور ہوجاؤں گا اور وہ جانتا ہے کہ اس نے یہ کام کیا اس وقت جھوٹ بول رہاہے۔

۲ یعنی اسلام سے بری دور ہو ہی جائے گا،یہ فرمان انتہائی ڈرانے کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا جو نماز چھوڑے اس نے کفرکیا۔مطلب یہ ہے کہ اس قسم میں اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔خیال رہے کہ اگر گزشتہ پر یہ قسم کھائی ہے تو صرف گناہ ہوگا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ غموس قسم میں کفارہ نہیں ہوتا۔ اگر آئندہ پر یہ الفاظ بولے کہ اگر میں یہ کام کروں تو اسلام سے بیزار و بری ہوجاؤں اگر حلال کو حرام کرنے کے لیے کہا ہے تو قسم ہوجائے گی کہ تحریم حلال قسم ہے۔

۳ یعنی اگر اپنے کو سچا سمجھ کر یہ کلمات کہے اور واقعہ تھا وہ جھوٹا تب بھی اس نے بڑاگناہ کیا مثلًا اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں سے بات کی ہو تو میں اسلام سے دور ہوجاؤں خیال تھا کہ میں نے بات نہیں کی مگر کی تھی،تب بھی اس کلمہ میں گناہ ہے کہ اس نے اسلام کو معمولی دیکھا سمجھا، یہ ہی حکم ہے یہ کہنے کا میں نماز و روزہ حج زکوۃ سے بری ہوں، کیونکہ اسلامی احکام کو ہلکا جاننا بات بات پر ان سے بیزاری کا اظہار کرنا بڑا ہی خطرناک ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قسم میں مبالغہ فرماتے تو یوں فرماتے اس کی قسم،جس کے قبضہ میں ابوالقاسم کی جان ہے۱ (ابوداؤد)

۱ یہاں لا یا تو زائدہ ہے جیسے قرآن کریم میں ہے"لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ" یا "لَآ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ"یا گزشتہ کسی کلام کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہوا قسم ہے اس رب کی الخ پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں،اسی معنے پر ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ قسم نہایت مبالغہ کی ہے کیونکہ رب تعالٰی کی انتہائی قدرت و قبضہ کا بھی ذکر ہے اور اپنی ذات کریمہ کے مقبوض و مقدور ہونے کا بھی تذکرہ یعنی ہم اس کی قسم فرماتے ہیں جس کا ہم پر پورا پورا قبضہ ہے اور ہم جس کے قبضہ وتصرف میں ہمیشہ اور ہر طرح ہیں، اس عظمت پر خیال رکھتے ہوئے یہ قسم فرمارہے ہیں چونکہ حضور خود تمام مخلوق الٰہی میں اشرف و برتر ہیں اس لیے یہ قسم بھی بہت اشرف و برتر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و سلم قسم فرماتے تو آپ کی قسم یہ ہوتی تھی اور خدا سے معافی چاہتا ہوں۱ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ یعنی واقعہ ایسا نہیں ہے میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اس سے کہ یہ واقعہ غلط ہو،یہ فرمان عالی قسم نہیں مگر تاکید کلام میں قسم کے مشابہ ہے اسے قسم کہنا مجازًا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کلام شریف کو قسم اس لئے فرمایا کہ **واستغفراللہ** میں واؤ عاطفہ ہے جس کا معطوف علیہ پوشیدہ ہے یعنی میں قسم فرماتا ہوں اور رب سے معافی مانگتا ہوں یا یہ قسم لغو ہے جو اگرچہ گناہ نہیں مگر میری شان سے یہ بھی بعید ہے لہذا اس قسم سے معافی مانگتا ہوں اور بھی بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو کسی چیز پر قسم کھائے ۱؎ فورًا کہہ دے ان شاءاللہ تو اس پر حنث نہیں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ،دارمی) اور ترمذی نے ایک جماعت کا ذکر فرمایا جنہوں نے یہ حدیث ابن عمر پر موقوف کی ۳؎	

۱؎ یمین سے مراد وہ واقعہ ہے جس پر قسم کھائی جائے ورنہ قسم پر قسم نہیں ہوتی،حلف قسم ہے وہ یمین پر کیسے واقعہ ہوگا۔

۲؎ یعنی قسم سے متصل کہہ دے ان شاءاللہ اسی لیے ف ارشاد ہوئی۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر وعدے یا قسم سے متصل ان شاءاللہ کہہ دیا جائے تو اس کے خلاف کرنے پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ،موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے فرمایا"**سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا**" مگر بعد میں آپ صبر نہ کرسکے تو یہ وعدہ خلافی نہ ہوا،اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ ان شاءاللہ متصل کہہ دینے سے قسم ختم ہوجاتی ہے،طلاق،عتاق،نکاح کا یہ ہی حال ہے کہ اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے ان شاءاللہ یا میں نے نکاح قبول کیا ان شاءاللہ، یا اے غلام تو آزاد ہے ان شاءاللہ ،کچھ نہ ہوا نہ طلاق نہ نکاح نہ آزادی۔

۳؎ لیکن ایسا موقوف مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ قیاسی مسئلہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوالاحوص عوف ابن مالک سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فرمایئے کہ میں اپنے چچازاد کے پاس کچھ مانگنے جاتا ہوں وہ مجھے نہیں دیتا،نہ صلہ رحمی کرتا ہے ۲؎ پھر اسے میری ضرورت پڑتی تو میرے پاس آتا ہے مجھ سے کچھ مانگتا ہے ۳؎ میں قسم کھا چکتا ہوں کہ نہ اسے کچھ دوں گا نہ صلہ رحمی کروں گا ۴؎ تو مجھے حضور نے حکم دیا کہ جو کام اچھا ہے وہ کروں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں ۵؎(نسائی،ابن ماجہ)اور اس کی ایک روایت	

میں یوں فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا چچا زاد آتا ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ نہ اسے کچھ دوں گا نہ صلہ رحمی کروں گا تو فرمایا کہ اپنی قسم کا کفارہ دو ۶؎	

۱؎ آپ عوف ابن مالک ابن نضر یا ابن نضلہ ہیں،تابعی ہیں،آپ سے خواجہ حسن بصری،ابواسحاق و عطاء ابن سائب جیسے بزرگوں نے روایات لیں، آپ کے والد مالک ابن نضر یا نضلہ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی کسی وقت مجھے اپنے اس بھائی کی مدد کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو نہ وہ مجھے مانگنے پر دیتا ہے نہ صلہ رحمی کے طور پر بغیر مانگے میری مدد کرتا ہے۔

۳؎ یعنی وہ ہی بھائی قاطع رحم دوسرے وقت میرا حاجت مند ہوجاتاہے تو مجھ سے مددمانگنے آتا ہے۔

۴؎ یعنی اس وقت میں نے قسم کھالی تھی جب کہ اس نے میرا سوال رد کیا تھا کہ میں بھی اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد نہ کروں گا اس کے عمل کا بدلہ کرتے ہوئے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے یعنی اگرچہ اس نے تمہارے ساتھ قطعی رحمی کی ہے اگرچہ تم نے بدلہ لینے کی قسم بھی کھالی ہے مگر اس کی قطع رحمی کا خیال نہ کرو اپنی قسم توڑ دو کفارہ دے لو مگر صلہ رحمی کرو۔شعر

بدی را بدی سہل باشد جزا   اگر مردی احسن الی من اساء

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے بدلہ نہ لیا،ایذاء کے عوض رحم و کرم فرمایا،اللہ تعالٰی اس تعلیم پاک پر عمل کی توفیق بخشے۔

۶؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ پہلے اپنی قسم توڑ دو،پھر کفارہ دو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

باب فی النذور

نذروں کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ پہلے قسموں اور نذروں کا مشترک باب باندھا تھا اب نذر کے متعلق خصوصی مسائل بیان کررہے ہیں اسی لیے فی النذور فرمایا باب النذور نہ کہا،چونکہ نذر کی بہت قسمیں ہیں اس لیے اسے جمع فرمایا۔نذر کے معنے پہلے بیان ہوچکے کہ غیرواجب عبادت کو اپنے پر واجب کرلینا نذر ہے۔نذر شرعی میں یہ شرط ہے کہ ایسی چیز کی نذر مانی جائے جو کہیں نہ کہیں واجب ہو،جو چیزیں کہیں واجب نہ ہو اس کی نذر شرعی درست نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ وہ کام عبادت ہو۔تیسرے یہ کہ خالص اللہ تعالٰی کے لیے ہوکسی بندے کے لیے نہ ہو کیونکہ نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت صرف رب تعالٰی کی ہی ہوسکتی ہے،ہاں نذر لغوی بمعنے نذرانہ بندوں کی ہوسکتی ہے مگر اس کا پوراکرنا شرعًا واجب نہیں۔فاتحہ بزرگان،گیارھویں شریف کی نذر ماننا شرعی نذر نہیں لغوی نذر ہے،بمعنی نذرانہ وہدیہ ثواب کا۔ایک لونڈی نے نذر مانی تھی کہ جب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ احد سے بخیریت واپس آئے ہوئے دیکھ لوں تو آپ کے سامنے دف بجاؤں،چنانچہ اس نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیافرمایا اپنی نذر پوری کرو،یہ نذر لغوی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی پر خوشی منانا۔خیال رہے کہ حرام کام کی نذر تو درست نہیں اور وہ حرام کام ہرگز نہ کرے مگر اس پر کفارہ واجب ہے مثلًا کوئی شخص شراب یا جوئے کی نذر مانتا ہے یہ نذر درست نہیں اس پر ضروری ہے کہ یہ جرم ہرگز نہ کرے مگر کفارہ دینا ہوگا جیساکہ آئندہ اسی باب میں اس کے متعلق احادیث آرہی ہیں،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نذر نہ مانا کرو۱؎ کیونکہ نذر تقدیر سے کچھ دفع نہیں کرتی بلکہ اس کے ذریعہ کنجوس سے کچھ دلوایا جاتا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی بات بات پر نذر مان لینے کے عادی نہ بنو کہ پھر نذر پوراکرنا مشکل و بھاری معلوم ہوتا ہے یا نذر میں یہ اعتقاد نہ رکھو کہ نذر سے ارادۂ الٰہی و حکم ربانی بدل جاتا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے یا صدقہ و خیرات صرف نذر کی صورت میں ہی نہ کیا کروکہ جب کوئی اٹکا تو نذر مانی اور کام نکل جانے پر خیرات کی بلکہ یوں ہی صدقہ کرنے کی بھی عادت ڈالولہٰذا یہ نذر سے ممانعت نہیں بلکہ ان چیزوں سے ممانعت ہے لہٰذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں جن میں نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذْرِ"اور حضرت حنہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے:"اِنِّیۡ

نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ"اور حضرت مریم کو نذر کا حکم دینا بیان فرماتاہے:"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا"صحابہ کرام نے نذریں مانی ہیں لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ لا تنذروا نہی ہےاور نہی حرمت پیدا کرتی ہے تو چاہیے کہ نذر ماننا حرام ہواور حرام کا پورا کرنا واجب تو کیا مباح بھی نہیں ہوتا غرضکہ حدیث صاف ہے۔

۲؎ یعنی کنجوس لوگ ویسے خیرات نہیں کرتے بلکہ مصیبت پڑ جانے پر معاوضہ کی شکل میں خیرات کرتے ہیں،سخی لوگ ہر حال میں خیرات کرتے رہتے ہیں،وہ رب تعالٰی کی رضا کے لیے خیرات کرتے ہیں نہ کہ کسی معاوضہ اور بدلہ میں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے۱؎اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ نافرمانی نہ کرے ۲؎(بخاری)

۱؎ کیونکہ اللہ تعالٰی کی عبادت تو ویسے بھی کرنی چاہیےاور جب نذر مان لی تو بدرجہ اولٰی کرنی چاہیے۔

۲؎ خیال رہے کہ جو کام بذات خود گناہ ہواس کی نذر درست ہی نہیں جیسے شراب پینے،جوا کھیلنے،کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی نذر کہ ایسی نذریں باطل ہیں ان کا پوراکرنا حرام مگر ان پر کفارہ واجب ہے کہ یہ کام ہر گز نہ کرےاور کفارہ ادا کرے،اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے کہ اس نے رب تعالٰی کے نام کی بےحرمتی کی مگر جو کام کسی عارضہ کی وجہ سے ممنوع ہوں ان کی نذر درست ہے یا ان کی قضا کرے یا کفارہ دے جیسے عید کے دن کے روزے یا طلوع آفتاب کے وقت نفل پڑھنے کی منت کہ یہ منت درست ہے،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو نافرمانی کی منت پوری کرنی چاہیے نہ اس کی جس کا بندہ مالک نہ ہو ۱؎(مسلم)اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی معصیت میں نذر نہیں۔

۱؎ مثلًا کہے کہ خدایا اگر میرا یہ کام ہوگیا تو فلاں کے غلام کو آزادکردوں گا یا فلاں کی بکری کی قربانی دے دونگا۔
احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ،نسائی نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کی نذر درست نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔(مرقات)جس سے معلوم ہوا کہ معصیت وغیرہ کی نذرمعتبر ہے مگر پوری نہ کرے کفارہ ادا کرے،یوں ہی غیر کی مملوکہ چیز کی نذر درست نہیں مگر اس کا کفارہ واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ نذر کا کفارہ قسم کا ہی کفارہ ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ آپ صحابی ہیں،جہنی ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر رہے جب کہ امیر معاویہ کے بھائی عقبہ ابن ابی سفیان فوت ہوگئے،پہلے وہ گورنر تھے،آپ سے بہت صحابہ و تابعین نے احادیث روایت کیں۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ یعنی جو شخص نذر پوری نہ کرے یا شرعًا و عقلًا پوری نہ کرسکے تو اس کا کفارہ دے۔نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کا کھانا یا کپڑا،اگر طاقت نہ ہو تو تین روزے،نذر خواہ معلق ہو یا مطلق سب کا حکم یہ ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا دیکھا ۱؎ حضور نے اس کے متعلق پوچھالوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے ۲؎ اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے نہ بیٹھے گا نہ سایہ لے گا نہ کلام کرے گا ۳؎ اور روزے رکھے گاتو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے حکم دو کہ کلام کرے سایہ لے لےاور بیٹھ جائے ۴؎ اور اپنا روزہ پورا کرلے۔(بخاری)

۱؎ اس طرح کہ سب لوگ بیٹھ کر خطبہ سن رہے تھے مگر یہ صاحب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوکر سن رہے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ پڑھنا کھڑے ہوکر سننا بیٹھ کر سنت اسی لیے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھڑے ہونے پر تعجب فرمایا۔

۲؎ یہ حضرت بنی عامر لوی کی اولاد سے تھے،قریش کے ایک خاندان سے،ان کا نام ابواسرائیل ہی تھا۔

۳؎ یعنی نماز کے علاوہ کسی وقت نہ بیٹھے گا اورکسی انسان سے کلام نہ کرے گا،یہ مطلب نہیں کہ التحیات میں بھی نہ بیٹھے گا اور نماز میں تلاوت وغیرہ بھی نہ کرے گا،عادات کی نفی ہے عبادات کی نفی نہیں۔

۴؎ یعنی خاموش رہنا سایہ میں نہ بیٹھنا کوئی عبادت نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ نماز میں قرأۃ فرض ہے اور التحیات میں بیٹھنا واجب بھی ہے فرض بھی،اس طرح ہمیشہ کھڑا رہنا طاقت انسانی سے باہر ہے یہ نذر توڑ دے مگر روزہ چونکہ عبادت ہے اس لیے اسے پورا کرے۔خیال رہے کہ ابو اسرائیل نے ہمیشہ کھڑے رہنے ہمیشہ خاموش رہنے سایہ میں نہ بیٹھنے روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نذریں توڑنے کا حکم دیا مگر روزے کی نذر پوری کرنے کی تاکید فرمائی جوکوئی ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانے وہ سال میں پانچ حرام روزوں کے سواء تمام دن روزے رکھےاور ان پانچ دن روزے نہ رکھنے کی وجہ سے کفارہ دے،نذر کا کفارہ وہ ہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے،امام شافعی کے ہاں ان دونوں کی نذر درست ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان چلا جارہا تھا ۱؎ تو فرمایا اس کا کیاحال ہےلوگوں نے

	عرض کیا کہ انہوں نے پیدل چلنے کی منت مانی ہے۲ فرمایا اللہ تعالٰی اس کے اپنے نفس کو عذاب دینے سے غنی ہے اور اسے سوار ہوجانے کا حکم دیا۳ (مسلم،بخاری)

۱یعنی چلنے پر قادر نہ تھا اس لیے اپنے دو بیٹوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے گھسٹتا ہوا جارہا تھا۔
۲یعنی پیدل حج کرنے کی کہ میقات سے یا حرم شریف سے عرفات تک،پھر وہاں سے حرم شریف تک پیدل چلوں گا۔خیال رہے کہ جو شخص پیدل حج کرنے کی نذر مانے اس پر واجب ہے کہ اپنے گھر سے پیدل جائے اور حج کرے،بعض نے فرمایا کہ میقات سے پیدل چلے،بعض کے نزدیک مقام احرام سے اگر پیدل نہ چلا سوار ہوگیا تو اس پر قربانی یعنی دم واجب ہے کہ اس نے حج کا ایک واجب چھوڑ دیا جو اس نے خود واجب کرلیا تھا۔
۳اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں پیدل حج کرنے کی نذرمانے اور سوار ہوکر حج کرے اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں کہ یہ نذر درست ہی نہیں مگر امام اعظم اور خود امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص دم یعنی قربانی دے کہ اس نے اپنے حج کا واجب ترک کیا اور ترک واجب سے قربانی واجب ہوتی ہے۔

	اور مسلم کی روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے فرمایا اے بوڑھے سوار ہوجاکہ اللہ تعالٰی تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہے۱

۱یہاں یہ تو فرمایا گیا کہ مجبور شخص پیدل چلنے کی نذر پوری نہ کرے اس سے خاموشی ہے کہ اس پر کچھ کفارہ وغیرہ ہے یا نہیں اس کے لیے دوسری روایات ہیں کہ حج کا واجب چھوٹ جانے سے قربانی واجب ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ سعد ابن عبادہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے متعلق پوچھا جو ان کی ماں پر تھی۱ پھر وہ نذرپوری کرنے سے پہلے وفات پاگئیں تو انہیں فتویٰ دیا کہ ان کی طرف سے ادا کریں۔(مسلم،بخاری)

۱غالب یہ ہے کہ نذر غیر مشروط تھی اور مالی تھی۔چنانچہ دارقطنی میں یوں ہے کہ حضرت سعد سے حضور نے فرمایا کہ اپنی ماں کی نذر پوری کروانے کی طرف سے لوگوں کو پانی پلادو۔معلوم ہوا کہ کنواں کھدوانے کی نذر تھی۔خیال رہے کہ میت کی بدنی نذر جیسے روزہ،نماز وارث ادا نہیں کرسکتا۔مالی نذر اگر میت نے مال چھوڑا ہے اور اس نذر کے پورا کرنے کی وصیت کی ہے تو وارث پر پورا کرنا واجب ہے،اگر وصیت نہیں کی یا مال نہیں چھوڑا ہے تو وارث پر یہ نذر بھی پوری کرنا واجب نہیں،ہاں بہتر ہے کہ پوری کردے،یہاں دونوں احتمال ہیں،اگر ام سعد نے مال چھوڑا تھا اور وصیت بھی کی تھی تو یہ امروجوب کے لیے ہے اگر ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہ تھی تو یہ امر استحبابی ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے۱ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کہ میری قبول توبہ کے شکریہ

	سے یہ ہے کہ اپنے مال سے الگ ہوجاؤں ۲؎ صدقہ کرتے وقت اللہ و رسول کی طرف ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا کچھ مال روک لوتو وہ تمہارے لیے بہتر ہے ۴؎ میں نے عرض کیا کہ میں اپنا وہ حصہ روکتا ہوں جو خیبر میں ہے ۵؎ (مسلم،بخاری) یہ بڑی حدیث کا ایک حصہ ہے ۶؎

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،بڑے شاعر تھے،آپ ان تین صحابہ سے ہیں جوغزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جن کا بائیکاٹ کرایا گیا اور پھر ان کی توبہ قرآن پاک میں نازل ہوئی جس کا نام ہے سورۂ توبہ،یہ تین حضرات مرارہ ابن لوی،کعب ابن مالک،ہلال ابن امیہ ہیں ان تینوں کے ناموں کا پہلا حرف لفظ مکہ میں جمع ہے،میم سے مرارہ،کاف سے کعب،ہ سے ہلال کی طرف اشارہ ہے،یہ حضرات بڑے درجہ والے ہیں۔

۲؎ یعنی چونکہ رب تعالٰی نے میری توبہ قبول فرمائی،اس کے شکریہ میں مَیں اپنے پر لازم کرتاہوں کہ سارے مال سے علیحدہ ہوجاؤں سب مال خیرات کردوں۔خیال رہے کہ یہ نذرنہیں بلکہ شکریہ ہے مگر مشابہ نذر ہےاس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

۳؎ یعنی اللہ و رسول کو راضی کرنے کے لیے اپنا سارا مال صدقہ کرتا ہوں۔معلوم ہوا کہ عبادات میں اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت شرک نہیں بلکہ سنت صحابہ ہے،دیکھو حضرت کعب حضور کی بارگاہ میں عرض کررہے ہیں اور حضور اس پر فتویٰ کفر نہیں دیتے بلکہ اس کو جائز رکھتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ"۔

۴؎ یعنی سارا مال خیرات نہ کرو کچھ اپنی ضروریات کے لیے رکھو کچھ خیرات کرو تاکہ تم آج خیرات دے کر کل خیرات لینے کے لائق نہ بن جاؤ،چونکہ انہوں نے ارادۂ صدقہ کیا تھا اس کی نذر مانی تھی اس لیے سرکار نے ان کے ارادہ میں تبدیلی فرمادی۔جو شخص سارے مال کی خیرات کی نذر مان لے وہ چند دن کا خرچ رکھ کر سب کچھ خیرات کردے،پھر مال کما کر اس خرچہ کی بقدر بھی خیرات کردے جو اس نے رکھا تھا۔

۵؎ یعنی میری جو زمین وغیرہ خیبر میں ہے وہ اپنی ضروریات کے لیے رکھتا ہوں باقی مال صدقہ کرتا ہوں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کی قلبی کیفیت سے خبردار ہیں،حضرت ابوبکر صدیق نے سارا مال خیرات فرمایا تو انہیں منع نہ کیا کہ صدیق اکبر مع اپنے بال بچوں کے زہدوقناعت کے اعلیٰ درجہ پر تھے،حضرت کعب اور آپ کے بال بچے اس درجہ پر ابھی نہ پہنچے تھے۔مصرع چشم تو بینندہ مافی الصدور۔

۶؎ جو مسلم،بخاری وغیرہم نے بہت تفصیل سے بیان کیا قصۂ توبہ،کعب ابن مالک خود صاحب مصابیح نے اپنی کتاب تفسیر معالم التنزیل نے بہت مفصّل نقل فرمایا،یہاں مصابیح میں بقدر ضرورت لائے اور اسے مسلم،بخاری کی طرف مسند فرماکر کفایت کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ میں نذر نہیں ۱؎ اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی) ۳؎	

۱؎ یعنی گناہ کی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں کہ وہ نذر درست ہی نہیں ورنہ کفارہ واجب ہونے کے کیا معنے۔خلاصہ یہ ہے کہ وجوب نذر معصیت میں نہیں ہوتا کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔

۲؎ یہ حدیث امام اعظم کی بڑی قوی دلیل ہے حضرت امام شافعی کے خلاف ہے،ان کے ہاں حرام چیز کی نذر میں کفارہ بھی نہیں ہوتا،امام اعظم کے ہاں ایسی نذر کا پورا کرنا حرام ہے اس کا کفارہ واجب ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام سیوطی نے جامع صغیر میں احمد اور ائمہ اربعہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے،نسائی نے عمران ابن حصین سے نقل کی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاجو نذر مانے اور اسے مقرر نہ کرے تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے ۱؎ اور جو گناہ میں منت مانے تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہےاور جو ایسی نذر مانے جس کی طاقت نہ ہو تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے ۲؎ اور جو ایسی نذر مانے جس کی طاقت رکھتا ہو تو اسے پورا کرے ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)بعض نے یہ حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف کی۔	

۱؎ یعنی جو نذر مطلق مانے مثلًا اگر میرے بیمار کو شفا ہوگئی تو مجھ پر اللہ کے لیے نذر ہے یہ نہ کہے کس چیز کی نذر ہے روزہ حج صدقہ وغیرہ تو اس پر کفارہ دینا واجب ہے کیونکہ وہ اس نذر کے پوراکرنے پر قادر نہیں،امام احمدوشافعی وغیرہم نے حدیث کی اور توجیہیں کی ہیں مگر وہ تمام تکلفات ہیں۔صحیح توجیہ یہ ہی ہے جو ہم نے عرض کی یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔فتح القدیر میں فرمایا کہ نذر مطلق صیغۃً نذر ہوتی ہے کلمًا قسم،ہاں اگر یہ الفاظ کہتے وقت کسی خاص عبادت کی نیت کرے درست ہے اور اس پر وہ ہی عبادت لازم ہوگی۔

۲؎ مثلًا کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں اللہ کے لیے پہاڑ اٹھالوں گا یا آسمان پر چڑھ جاؤں گا وغیرہ، چونکہ یہ کام طاقت سے باہر ہے یا کہے کہ میں حج کروں گا حالانکہ خرچ پاس نہ ہویا کہے کہ پیدل حج کروں گا حالانکہ راستہ دراز ہو بیچ میں سمندر حائل ہوان سب میں کفارہ واجب ہوگا۔

۳؎ نذر پوری کرنے کے واجب ہونے کی شرائط ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ایسے کام کی نذر مانے جس کی جنس کا کوئی واجب بعینہٖ ہو اور اس کے پوراکرنے پر طاقت بھی رکھتا ہو لہذا وضو کرنے،بیمار پرسی کرنے،نمازجنازہ میں شرکت کرنے کی نذر پوری کرنا واجب نہیں کہ وضو وغیرہ واجب بعینہٖ نہیں اور ایسی نذر میں بھی کفارہ کا اختیار ہوتا ہے مگر پوری کرنا مقدم۔

	روایت ہے حضرت ثابت ابن ضحاک سے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نذر مانی کہ مقام بوانہ میں اونٹ ذبح کرے گا۱؎ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو یہ خبردی۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہاں جاہلیت کے بتوں سے کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی تھی لوگوں نے کہا نہیں،فرمایا کیا وہاں ان کے میلوں سے کوئی میلہ لگتا تھا لوگ بولے نہیں۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۴؎ کیونکہ نہ تو اللہ کے گناہ میں نذر درست ہے اور نہ اس میں جس کا انسان مالک نہ ہو ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ بوانہ دو ہیں:ایک تو مکہ معظّمہ کے قریب جگہ ہے یلملم پہاڑ سے متصل،دوسرا ملک فارس میں مگر فارس والی جگہ کا نام بوّان ہے بغیر ہ کے،واؤ کے شد سے یہاں پہلی جگہ مراد ہے۔(مرقات)

۲؎ اور حضور سے مسئلہ پوچھا کہ یہ نذر پوری کروں یا نہیں۔

۳؎ ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ کفار کی مشابہت سے بچے،ان کی مذہبی شعار اور قومی علامات اختیار نہ کرے،کفار کی مذہبی علامات اختیارکرنا کفر ہے اور ان کی قومی علامات اختیار کرنا حرام،زنّار باندھنا،سر پر چوٹی رکھنا کفر ہے،ہندوؤں کی دھوتی،عیسائیوں کا ہیٹ استعمال کرنا حرام،اگر بوانہ میں بت ہوتا جہاں مشرکین اس کی بھینٹ کے لیے جانور ذبح کرتے ہوتے تو وہاں ان صحابی کو جانور ذبح کرنا کفر ہوتا،اگر وہاں ان کا میلہ لگتا ہوتا جہاں وہ جانور ذبح کرتے ہوتے اور یہ ذبح ان کا قومی نشان ہوتا تو وہاں ذبح کرنا ان صحابی کو حرام ہوتا۔خیال رہے کہ عرس بزرگان کفار کے میلے نہیں،یہاں کفار کے میلوں کا ذکر ہے لہذا وہابیوں کا اسے عرس وغیرہ پر چسپاں کرنا حماقت ہے ورنہ پھر جلسوں کے مجمعوں میں جانور ذبح کرنا حرام ہونا چاہیے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی خاص جگہ قربانی کرنے یا خاص جگہ کے فقراء پر صدقہ کرنے کی نذر مانے تو اسے پورا کرے۔(مرقات)تو جو مسلمان حرمین شریفین کے فقراء پر صدقہ،کسی بزرگ کے مزار کے پاس رہنے والے مسکینوں پر خیرات کرنے کی منت مانے وہ اسے پوراکرے وہاں ہی کے فقراء کو دے،کسی بزرگ کے مزار پر ذبح کی نذر مانے تو وہاں ہی ذبح کرے۔

۵؎ مگر فرق یہ ہوگا کہ گناہ کی نذر میں کفارہ واجب ہوگااور غیر مملوکہ چیز کی نذر میں نہ پورا کرنا واجب نہ کفارہ لازم۔(مرقات)لہذا اگر کوئی نذر مانے کہ میں فلاں کی بکری قربانی کردوں گا نذر درست نہیں،اگر وہ اس بکری کو خرید بھی لے تب بھی اس کی قربانی واجب نہ ہوگی نہ کفارہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ حضور کے سامنے دف بجاؤں ۱؎ فرمایا اپنی نذر پوری کرلو ۲؎(ابوداؤد)اور رزین نے یہ اور زیادہ کیا کہ بولی اور میں نے یہ نذر مانی تھی کہ فلاں فلاں جگہ جانور ذبح کروں جہاں جاہلیت والے ذبح کرتے تھے ۳؎ تو فرمایا کیا اس جگہ جاہلیت کے بتوں سے کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو؟بولی نہیں،فرمایا کیا وہاں ان کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا بولیں نہیں،فرمایا اپنی نذر پوری کرو ۴؎	

۱؎ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کسی خطرناک غزوہ میں تشریف لے گئے تھے جہاں کفار کی یلغار زیادہ تھی تب ان بی بی صاحبہ نے نذر مانی تھی کہ جب حضور بخیریت مدینہ منورہ تشریف لائیں تو آپ کے سامنے دف بجاؤں،دف بجانا کوئی عبادت نہیں اس لیے مسئلہ پوچھا کہ یہ نذر درست ہے یا نہیں،دف دال کے فتح سے بھی ہےاور دال کے پیش سے بھی،پیش زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

۲؎ اس لیے کہ اگرچہ دف بجانا عبادت نہیں مگر حضور کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار بھی عبادت ہے اور کفار کو جلانا بھی عبادت ہے،دف بجانے میں یہ دونوں باتیں ہیں۔(مرقات واشعہ)لہذا جو شخص میلادشریف،گیارھویں شریف کی نذرمانے وہ ضرور پوری کرے کہ یہ حضور کی ولادت کی خوشی منانے کی نذر ہے۔مرقات نے فرمایا کہ نکاح میں اعلان کے لیے دف بجانا اس لیے ثواب ہے کہ اس میں نکاح کی خوشی،نکاح کا اعلان،زنا و نکاح کے درمیان فرق ہے۔چنانچہ ان بی بی صاحبہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجائی،جنگ احد کا واقعہ دوسرا ہے وہاں ایک لونڈی نے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔

۳؎ مگر وہاں کوئی بت یا میلہ نہ تھا اتفاقًا ذبح کرتے تھے یا کسی اور مقصد کے لیے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ فقط کفار کا کسی جگہ جانور ذبح کرنا مؤمن کی نذر کے لیے مانع نہیں،جو مانع ہے وہ کچھ اور ہے یعنی بت کی موجودگی یا کفار کا میلہ کہ ان دونوں صورتوں میں ان سے تشبیہ ہےاور اس تیسری صورت میں جو یہاں پیش ہے محض کفار کے ساتھ اشتراک عمل ہے،تشبیہ بالکفار حرام یا کفر ہے اشتراک درست۔

روایت ہے حضرت ابولبابہ سے ۱؎ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری توبہ سے یہ ہے	

	کہ میں اپنی قوم کی جگہ چھوڑ دوں جہاں میں نے یہ گناہ کیا ۲؎ اور یہ ہے کہ اپنے سارے مال سے علیٰحدہ ہوجاؤں صدقہ کرتے ہوئے فرمایا تمہیں تہائی کافی ہے ۳؎ (رزین)

۱؎ آپ کا نام رفاعہ ابن عبدالمنذر ہے مگر کنیت میں مشہور ہیں، انصاری اوسی ہیں، مدینہ پاک کے نقیبوں میں سے تھے، غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے، انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک میں رہنے وہاں انتظام کرنے کا حکم دیا اور غنیمت بدر میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا، علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ (مرقات، اشعہ، اکمال)

۲؎ حضرت ابولبابہ کے بال بچے بنی قریظہ یہود کے محلّہ میں رہتے تھے اسی وجہ سے ابولبابہ کے تعلقات یہود بنی قریظہ سے تھے، غزوہ خندق کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا جو پچیس دن رہا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیجئے تاکہ ہم ان سے مشورہ کرلیں۔ چنانچہ حضور نے ابولبابہ کو وہاں بھیج دیا، وہ لوگ ابولبابہ کو دیکھ کر مردوعورتیں روئے آہ و فغاں کرنے لگے جس سے ابولبابہ کا دل بھر آیا ان یہود نے پوچھا کہ اگر ہم اپنے قلعوں سے اتر آئیں تو ہم سے کیا برتاؤ کیا جائے گا تو ابولبابہ نے اپنے حلق پر انگلی پھیر کر اشارۃً بتایا کہ تم سب قتل کیے جاؤ گے، اشارہ کرتے ہی نادم ہوئے سوچنے لگے کہ میں نے اللہ رسول کی خیانت کی تب انہوں نے اپنے کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے بندھوالیا اور بولے کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی میں بندھا رہوں گا، حضور نے فرمایا کہ اگر ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کردیتا وہ براہ راست رب تعالٰی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اب جب تک وہ حکم نہ دیگا میں نہ کھولوں گا، چنانچہ آپ سات دن بندھے رہے ہر نماز کے وقت آپ کی بیٹی آتی کھول دیتی اور نماز باجماعت پڑھ لیتے پھر بندھ جاتے، کھانا پینا چھوٹ گیا تب ان کی توبہ قبول ہوئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھولیں تو کھولوں گا چنانچہ حضور نے اپنے ہاتھ سے کھولا اس ستون کا نام استوانہ توبہ بھی ہے استوانہ ابولبابہ بھی۔ اب بھی حجاج وہاں کھڑے ہوکر توبہ کرتے ہیں۔ کھلنے کے بعد آپ نے عرض کیا کہ میں محلّہ چھوڑ دوں گا جہاں رہنے کی وجہ سے یہ گناہ ہوا اور اپنا سارا مال خیرات کردوں گا توبہ کی خوشی میں۔

۳؎ یہ منت و نذر نہ تھی بلکہ قبول توبہ کے شکریہ میں صدقہ کرنے کا ارادہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تہائی خیرات کرنے کی اجازت دی۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے صدقہ دینا کہ اس صدقے کی برکت سے گناہ کا اثر دل سے جاتا رہے بہتر ہے ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہے۔ (مرقات) اب بھی مفتی صاحبان بعض موقعہ پر صدقہ کا حکم دے دیتے ہیں اس حدیث کی وجہ سے۔ خیال رہے کہ بابا فرید الدین گنج شکر جو بارہ سال کنویں میں لٹک کر عبادت کرتے رہے کہ سواء نماز کے اوقات کے کسی وقت کنویں سے باہر نہ آتے اور نماز پڑھتے ہی پھر وہاں لٹک جاتے، اس کا ماخذ یہ حدیث بن سکتی ہے، مرقات نے یہاں فرمایا کہ ابولبابہ نے سات دن کچھ نہ کھایا حتی کہ غشی طاری ہوگئی، بینائی بہت کم ہوگئی، صوفیاء کے فقر فاقہ، ترکِ غذا وغیرہ اسی سے ثابت ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک سکونت کی اجازت دی، ترمیم صرف صدقے میں فرمائی۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ فتح مکہ کے سال ایک شخص کھڑا ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم میں نے اللہ کے لیے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالٰی آپ کو فتح مکہ عطا کرے تو میں بیت المقدس میں دو رکعتیں پڑھوں گا۱فرمایا یہاں ہی پڑھ لو۲تو انہوں نے پھر سوال دھرایا،فرمایا یہاں ہی پڑھ لو،پھر سوال دہرایا،فرمایا اچھا تو تم جانو ۳ (ابوداؤد،دارمی)

۱مقدس میم کے فتح دال کے کسرہ سے بمعنی بزرگی والا گھر مگر عوام**مقدس** باب تفعیل کا اسم مفعول بولتے ہیں۔شاید ان صاحب کا خیال یہ ہوگا کہ بیت المقدس کی نماز حرمین شریفین کی مسجد بیت اللہ اور مسجد نبوی شریف کی نماز سے افضل ہے حالانکہ مسجد حرام شریف میں ثواب زیادہ ہے۔

۲اگر یہ سوال مکہ معظّمہ میں تھا تو یہاں سے مراد مسجد حرام شریف ہے اور اگر مدینہ منورہ میں سوال ہوا ہے تو یہاں سے مراد مسجد نبوی شریف ہے۔خیال رہے کہ مکہ معظّمہ کی مسجد کا ثواب بیت المقدس سے دوگنا ہے کہ وہاں ایک کا ثواب پچاس ہزار ہے اور حرم شریف میں ایک لاکھ اور مسجد نبوی کا ثواب بیت المقدس کے برابر مگر مسجد نبوی میں نماز کا درجہ زیادہ ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے اور اگر کوئی شخص نذر سے اعلٰی عبادت اداکردے تو نذر ادا ہوجاتی ہے،چونکہ نذر تھی بیت المقدس کی اور یہ صاحب ادا کرتے ہیں مسجد حرام یا مسجد نبوی میں جو وہاں سے اعلٰی ہے لہٰذا بہرحال نذر پوری ہوجاتی۔مساجد میں اعلٰی مسجد حرام ہے،پھرمسجد نبوی،پھر مسجد قدسی،پھر اپنے شہر کی جامع مسجد،پھر محلّہ کی مسجد،پھر گھر کی مسجد(جاء نماز)امام زفرو ابویوسف کا مذہب ہے کہ مسجد قدسی کی نماز کی نذر حرم شریف اور مسجد نبوی کی نماز سے ادا ہوجاتی ہے مگر اس کے برعکس درست نہیں یعنی مسجد حرام کی نماز کی نذر مسجد قدسی کی نماز سے ادا نہیں ہوتی مگر امام اعظم و محمد کے نزدیک نماز میں جگہ کی تخصیص معتبر نہیں لہٰذا اگر مسجد حرام کی نماز کی نذر مانی ہو تو جہاں پڑھ لے درست ہے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ امام اعظم کے نزدیک بھی یہ درست نہیں نذر یا مساوی میں ادا ہوگی یا اعلٰی میں۔

۳یعنی ہم نے تم کو وہ بات بتائی تھی جو اعلٰی بھی تھی اور آسان بھی لیکن تم کو اپنی بات پر اصرار ہے تو جاؤ وہاں ہی یعنی بیت المقدس میں ہی پڑھ کر آؤ۔معلوم ہوا کہ وہ حضور کا مشورہ تھا حکم نہ تھا اور اگر حکم تھا تو استحبابی اسی لیے اس کے نہ ماننے کا اختیار تھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے کہ عقبہ ابن عامر کی بہن نے نذر مانی کہ پیدل حج کریں۱ اور وہ اس کی طاقت نہ رکھتی تھیں تو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی تمہاری بہن کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے وہ سوار ہوجائیں اور ایک ہدی لے جائیں۲ (ابوداؤد،دارمی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سوار ہوجائیں اور ہدی لے

جائیں۳ اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی تمہاری بہن کی اس مشقت سے کچھ نہ کرے گا۴ وہ سوار ہوجائیں،حج کرلیں اور اپنی قسم کا کفارہ دیں۵

۱؎ اس طرح کہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ پیدل جاکر حج کریں۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں،امام اعظم کے ہاں بدنہ میں اونٹ و گائے بکری سب شامل ہیں یعنی ڈیل دار جانور۔

۳؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ہدی کا حکم استحبابی ہے اس صورت میں اس پر کفارہ قسم یا کفارہ نذر واجب ہے مگر حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہدی واجب ہے۔

۴؎ شقاء بمعنی مشقت ہے سعادت کا مقابل نہیں یعنی اس کے معنے بدبختی کم نصیبی نہیں۔مطلب یہ ہے کہ تمہاری بہن کی اس مشقت سے رب تعالٰی خوش نہیں۔

۵؎ کفارہ سے مراد کفارہ قباحۃ حج ہے ہدی یا اس کے قائم مقام دس روزے لہذا یہ عبارت گزشتہ عبارت کے خلاف نہیں مگرچونکہ یہ کفارہ اس نذر کی بنا پرواجب ہوا لہذا اسے نذرکی طرف منسوب فرمادیا گیا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک سے کہ عقبہ ابن عامر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا۱ جنہوں نے نذر مانی تھی کہ ننگے پاؤں بغیر دوپٹہ حج کریں گی ۲ فرمایا انہیں حکم دے دو کہ دوپٹہ اوڑھیں اور سوار ہو جائیں اور تین دن روزہ رکھیں۳ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ عبداللہ ابن مالک کی کنیت ابوتمیم ہے،جیشانی ہیں،تابعی ہیں،حضرت عمروابوذرغفاری وغیرہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے اور عقبہ ابن عامر جہنی صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ تک حج کرنے پیدل ننگے پاؤں ننگے سر جائیں گی۔خیال رہے کہ عورت کے لیے ننگے سر نکلنا گناہ ہے کہ بے پردگی بلکہ ستر کھولنا ہے گناہ کی نذرمنعقد تو ہوجاتی ہے مگر اس کا پورا کرنا حرام ہوتا ہے،کفارہ واجب ننگے پاؤں پیدل چلنا جائز ہے جس کی نذرمنعقد ہوجاتی ہے،یہ مذہب ہے امام اعظم کا،دوسرے ائمہ کے ہاں ان کاموں کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوپٹہ اوڑھنے کا حکم اس لیے دیا کہ عورت کا ننگے سر نکلنا گناہ ہے،عورت کا سر ستر ہے،سوار ہونے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں،تین روزے یا تو اس نذر کا کفارہ ہے یا ہدی کے

عوض ہے جیساکہ پہلے گزرا۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تین روزے حج کے زمانہ میں رکھیں،ساتویں،آٹھویں،نویں،بقر عید کےاور سات روزے گھر آکر"تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"یہ حکم قرآن ہے۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ دو انصاری بھائی جن کے درمیان کچھ میراث تھی ان میں سے ایک نے دوسرے سے تقسیم کا مطالبہ کیا تو میرا سارا مال خانہ کعبہ میں صرف ہوا۱؎ تو ان سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے غنی ہے ۲؎ اپنی قسم کا کفارہ دواور اپنے بھائی سے کلام کرو ۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تم پرقسم ہے اور نہ نذر ہے اللہ کی نافرمانی میں اور نہ قطع رحمی میں اور نہ اس میں جس کا مالک نہ ہو ۴؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی اس بھائی نے اپنے دوسرے بھائی سے کہا کہ باپ کا متروکہ مال ہم تم تقسیم کرلیں آدھا تم لے لو آدھا مجھے دے دو،اگر دوسرے اور وارث بھی ہوں تو ہر ایک کو اس کا حصہ دے دودراہم،دینار،زمین باغ وغیرہ۔

۲؎رتاج ر کے کسرہ سے بمعنی زینت،مصلحت،بڑا دروازہ مگر اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہ لفظ زائد ہوتا ہے اظہار عظمت کے لیے جیسے لفظ جناب لہذا معنے یہ ہوئے کہ محترم کعبہ کے خرچ میں میرا مال صرف ہو،یہ ایک قسم کی نذر مانی،وہ چاہتے تھے کہ ہم سب بھائی ملے جلے رہیں تقسیم کر کے علیحدہ نہ ہوجائیں میراث دینے سے انکار نہ تھا یعنی کعبہ معظّمہ کے خرچ کے لیے رب تعالٰی بہت روپیہ بھیجتا ہے اس کا کوئی خرچ رکا ہوا نہیں ہے۔

۳؎یعنی اب اگر تمہارا بھائی تقسیم میراث کا تم سے مطالبہ کرے تو تم اس سے بے تکلف کلام کرو اور اپنا سارا مال کعبہ معظّمہ نہ بھیجو بلکہ اسی نذر کا کفارہ دے دو جو کفارہ قسم کی طرح ہے یا تمہارا یہ کلام قسم ہے نذر نہیں،قسم توڑ کر بھائی سے کلام کرلو پھر کفارہ ادا کرو۔

۴؎یعنی تم نے یہ قسم قطعیت رحم کی کھائی ہے بھائی سے کلام نہ کرنا قطع رحم ہے اور اس کی قسم منعقد تو ہوجاتی ہے مگر پورا کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ ایسی قسم کا توڑنا ضروری ہوتا ہے۔لایمین کے یہ معنے نہیں کہ قسم منعقد ہی نہ ہوئی ورنہ پھر کفارہ کیسا؟بلکہ معنے یہ ہیں کہ اس قسم کا پورا کرنا ممنوع ہے۔لایملك یا معروف ہے یا مجہول یعنی جو چیز قسم کھانے والے کی مملوک نہ ہو یا جس کا قسم کھانے والا مالک نہ ہو اس کا کفارہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں

	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا نذریں دو ہیں ۱؎ تو جو کوئی فرمانبرداری کی نذر مانے تو یہ نذر اللہ کے لیے ہے اس میں وفا لازم ہے ۲؎ اور جو گناہ کی نذر مانے تو یہ نذر شیطان کے لیے ہے اور اس کی وفا نہیں ۳؎ اس کا کفارہ وہ ہی بنے گا جو قسم کا کفارہ بنتا ہے ۴؎ (نسائی)

۱؎ یعنی دو قسم کی ہیں اور ہر قسم کے تحت بہت سی قسمیں ہیں۔

۲؎ یعنی عبادت کی نذر سے رب تعالٰی راضی ہے اوراس کا پورا کرنا واجب ہے جیسے حج یا صدقہ یا روزہ یا نوافل کی نذر۔

۳؎ یعنی ایسی نذر سے شیطان خوش ہوتا ہے اسے ہر گز پورا نہ کرے جیسے ظلمًا قتل،ماں باپ کی نافرمانی یا نماز روزہ چھوڑ دینے کی نذرکہ شیطان تو ایسی حرکتیں کرانا ہی چاہتا ہے جب بندہ اس کی نذر مان لیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ میرا منشا پورا ہوا۔

۴؎ یعنی گناہ کی نذر کی ادا نہیں مگر ادا نہ کرنے پر کفارہ واجب ہے۔خیال رہے کہ احناف اور امام مالک کے ہاں کافر کی نذر لازم نہیں نہ زمانہ کفر میں نہ مسلمان ہوکر۔کافر خواہ گناہ کی نذر مانے خواہ نیکی کی جیسے بت پرستی کی نذر یا صدقہ و خیرات کی نذر،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمٰنَ لَهُمْ"۔امام شافعی واحمد کے ہاں اگر کافرنے نیکی کی نذر مانی بعد میں مسلمان ہوگیا تو پوری کرے،ان کی دلیل رب تعالٰی کا فرمان ہے:"وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمٰنَهُمْ"اور وہ حدیث ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسلام لانے سے پہلے مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف کی نذر مانی تھی فرمایا پوری کرو،امام اعظم کے ہاں یہ حکم استحبابی ہے اور اس آیت سے قسم سے مراد صورت قسم ہے،امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ امام شافعی بھی کافر کی اس نذر توڑنے پر کفارہ واجب نہیں مانتے اور نذر کا واجب ہونا بغیر کفارہ درست نہیں۔(ازمرقات وغیرہ)خیال رہے کہ کفار کے مقدمات میں ان سے قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے اعتقاد میں جھوٹی قسم بری جانتے ہیں،اس بنا پر ان کی قسم لینے کا مقصد درست ہے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن منتشر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالٰی اسے دشمن سے نجات دے تو وہ اپنے آپ کو ذبح کردے گا ۲؎ پھر اس نے حضرت ابن عباس سے پوچھا ۳؎ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ مسروق سے پوچھو تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے کو ذبح نہ کر کیونکہ اگر تو مؤمن ہے تو تو نے مؤمن جان کو قتل کرلیا ۴؎ اور اگر تو کافر ہے تو تو نے دوزخ کی طرف جلدی کی ۵؎ اور تو ایک دنبہ خرید اسے ذبح کر دے فقراء

کے لیے کیونکہ حضرت اسحاق تجھ سے بہتر تھے اوران کا فدیہ دنبہ سے دیا گیا ۶؎ اس نے حضرت ابن عباس کو خبر دی آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی تجھے یہ ہی فتویٰ دینا چاہا تھا ۷؎(رزین)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،ہمدانی ہیں،حضرت مسروق کے بھتیجے،بہت سے صحابہ سے ملاقات ہے جیسے حضرت عمروعائشہ رضی اللہ عنہم۔
۲؎ یہ عجیب نذر ہے کہ دشمن سے چھٹکارے کی لذت کو اپنے نفس کی ہلاکت کی تکلیف سے زیادہ سمجھا۔ایک بدوی کا اونٹ کھو گیا اس نے اعلان کیا کہ جو میرا اونٹ لاوے تو وہ اونٹ اسی کو دے دوں گا،لوگوں نے پوچھا پھر تجھے کیا ملے گا؟بولا اونٹ پالینے کی لذت،اس لذت کی تمہیں خبر نہیں۔
۳؎ یہ ہے فتویٰ میں انتہائی احتیاط،آپ نے خیال فرمایا کہ حضرت مسروق ان مسائل میں مجھ سے بڑے عالم ہیں تو ان کے پاس بھیجنے میں شرم نہ فرمائی۔مسروق ابن اجدع ہمدانی ہیں،حضور کی وفات سے کچھ پہلے ایمان لائے،انہیں بچپن میں کسی نے چرالیا تھا بڑی مشکل سے ملے تب سے آپ کا نام مسروق ہو۔امام شعبی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خاندان جنت کے لیے پیدا ہوا ہو تو وہ اسود علقمہ مسروق ہیں،آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی ۶۲ھ کو۔
۴؎ اور مؤمن کو قتل کرنا ظلمًا ازروئے قرآن مجید حرام ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ"اور فرماتا ہے:"لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ"۔
۵؎ اور خود دوزخ کی طرف دوڑنا بھی ممنوع ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔
۶؎ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہیں کہ حضرت اسحاق علیہم الصلوۃ والسلام،زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔غالبًا حضرت مسروق جناب اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے تھے۔
۷؎ مگر میں نے فتویٰ خود نہ دیا کیونکہ جناب مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاکے صحبت یافتہ اور ان کے شاگرد خاص ہیں وہ بڑے عالم ہیں۔(مرقات)

کتاب القصاص

قصاص کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎قصاص قصٌّ سے بنا بمعنی کاٹنا،برابر کرنا،کسی کے پیچھے چلنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِہِمَا قَصَصًا" یہاں بمعنی پیچھے چلنا ہے۔حضور فرماتے ہیں"قصوا الشوارب"مونچھیں کاٹو برابر کرو۔اصطلاح میں قتل یا زخم میں برابری کرنے کو قصاص کہتے ہیں،نیز مقتول کا ولی یا مجروح قاتل اور جارح کے پیچھے پڑتا ہے بدلہ لینے کے لیےلہٰذا پہلے معنے سے بھی یہ درست ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی اس مسلمان کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ۱؎مگر تین حرفوں میں سے ایک سے،جان جان کے بدلے ۲؎شادی شدہ زانی ۳؎اور اپنے دین سے نکل جانے والا جماعت کو چھوڑنے والا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں امرءٌ سے مراد مطلق انسان ہے مرد ہو یا عورت،صرف مرد مراد نہیں کیونکہ یہ احکام عورت پر بھی جاری ہیں۔کلمہ طیبہ کا ذکر فرما کر اشارۃً فرمایا کہ ظاہری کلمہ گو جس میں علامت کفر موجود نہ ہو اس کا یہی حکم ہے،مراد کلمہ سے سارے عقائد اسلامیہ کا اقرارکرنا ہے۔

۲؎یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کو عمدًا قتل کردے تو مقتول کا ولی اسے قصاصًا قتل کراسکتا ہے۔

۳؎آزاد مسلمان مرد جو ایک بار حلال صحبت کرچکا ہو اسے محصن کہتے ہیں اگر ایسا شخص زنا کرلے تو اس کو رجم یعنی سنگسار کیا جائے گا۔

۴؎دین سے نکل جانے کی دو صورتیں ہیں:یا تواسلام کو چھوڑکر یہودی،عیسائی،ہندو وغیرہ دوسری ملت میں داخل ہوجائے یا کلمہ گو تو رہے مگر کوئی کفریہ عقیدہ اختیارکرے جیسے مرزائی،خارجی،رافضی وغیرہ بن جائے وہ بھی اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے گا۔(از مرقات وغیرہ)مگر یہ قتل اور رجم حاکم اسلام کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ غلام آزاد کے عوض اور آزاد غلام کے عوض،عورت مرد کے عوض اور مرد عورت کے عوض قتل کیا جائے گا،یہ ہی امام

اعظم قدس سرہ کا مذہب ہے یہی امام اعظم کی دلیل ہے۔مارق مروق سے بنا بمعنی نکلنا،اسی واسطے شوربے کو مرق کہتے ہیں کہ وہ گوشت سے نکلتا ہے۔تارک الجماعت فرماکر ارشاد فرمایا کہ اجماع مسلمین کے خلاف عقیدہ اختیار کرنا کفر ہے،قرآن کریم کے وہ معنی کرنا جو اجماع کے خلاف ہوں کفر ہے،سب کا اجماع ہے کہ اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ سے مراد موجودہ اسلامی نماز ہے اور خاتم النبیین سے مراد آخری نبی ہے جو صلوۃ سے مراد صرف اشاروں سے دعا مانگنا کرے اور خاتم النبیین کے معنے کرے اصلی نبی اور پھر حضور کے بعد کسی نبی کے آنے کی گنجائش مانے وہ کافر ہے اسے حاکم اسلام قتل کرے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان اپنے دین کی وسعت میں رہتا ہے جب تک کہ حرام خون نہ کرے [1] (بخاری)

[1] یعنی مسلمان آدمی کیسا ہی گنہگار ہو مگر وہ اسلام کی گنجائش رحمت الٰہی کی وسعت میں رہتا ہے اللہ سے ناامید نہیں ہوتا مگر قاتل ظالم اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں رہتا،کل قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا آیس من رحمۃ اللہ۔حدیث شریف میں ہے کہ جو قتل مؤمن میں آدھی بات سے بھی مدد کرے وہ بھی رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس ہے،بعض نے فرمایا کہ ظالم قاتل کو دنیا میں نیک اعمال کی توفیق نہیں ملتی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جاوے گا [1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی قیامت کے دن معاملات میں سب سے پہلے خون ناحق کا فیصلہ ہوگا بعد میں دوسرے فیصلے اور عبادات میں پہلے نماز کا حساب ہوگا بعد میں دوسرے حسابات ہوں گے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا کہ یہ حدیث معاملات کے متعلق ہے اور وہ حدیث عبادات کے بارے میں۔خیال رہے کہ نماز کے حساب کی اولیت حقیقی ہے اور خون کے حساب کی اولیت اضافی یعنی سب سے پہلے نماز کا حساب ہے معاملات میں پہلے خون کا حساب۔(از مرقات)

	روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے [1] کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے تو اگر میں کسی کافر آدمی سے ملوں پھر ہم جنگ کریں تو وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر اسے کاٹ دے [2] پھر وہ مجھ سے کسی درخت کی پناہ لے لے پھر کہے کہ میں اللہ کے لیے اسلام لے آیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب

	میں نے اسے قتل کرنا چاہاتو وہ بولا لا الہ الا اللہ۳؎تو اس کے کہنے کے بعد میں اسے قتل کردوں ؟ فرمایا قتل نہ کرو۴؎وہ بولے یا رسول اللہ اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا ہے ۵؎تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مت قتل کرو ۶؎اگر تم نے اسے قتل کردیاتو وہ تمہارے درجہ میں ہوگاجو قتل کرنے سے پہلے تھا اور تم اس کے درجہ میں ہو جو اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ عظیم الشان جلیل القدر صحابی ہیں اور چھٹے مؤمن ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے،آپ کے والد کا نام عمرو ابن ثعلبہ کندی یا حضرمی ہے،چونکہ اسود ابن یغوث زہری کے حلیف تھے اسی لیے انہیں ابن اسود کہا جاتا ہے۔

۲؎یعنی بحالت جہاد میرا کسی کافر سے مقابلہ ہوجائے وہ موقعہ پاکر میرا ہاتھ کاٹ ڈالے پھر واقعہ در پیش آئے جو آگے مذکور ہے۔

۳؎یعنی وہ مسلمان ہوگیا اور مجھے اس کے اسلام کی خبر ہوگئی اس کا کلمہ سن کر۔

۴؎یعنی نہ تو اسے قتل کرو کہ اب وہ مسلمان ہوگیا اور نہ اپنے ہاتھ کے عوض اس کا ہاتھ کاٹوکیونکہ اگر کافرحربی بحالت قتال مسلمان کو قتل یا زخمی کردے پھرمسلمان ہوجائے تو اسلام لانے کے بعد زمانہ کفر کے جرم کا قصاص نہیں ہوتا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صٰلِحًا"بہرحال یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

۵؎یعنی کفر کی وجہ سے نہ سہی اس کے ظلم کی وجہ سے مجھے اجازت دیجئے کہ اس سے بدلہ لے لوں،کلمہ پڑھنے سے کفر ختم ہوگیا ظلم تو اس کے سر پر سوار ہے۔

۶؎کیونکہ اس کے کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے اس کے سارے گناہ معاف ہوچکے جو کفر کے زمانہ میں کئے یہ بحالت جنگ جو قتل و زخم کیا وہ بھی معاف ہوگیا۔خیال رہے کہ کافر کے مؤمن ہوجانے پر زمانہ کفر کے گناہ تو معاف ہوگئے مگر حقوق اور سزائیں معاف نہ ہوئیں لہذا اسے زمانہ کفر کا قرض ادا کرنا ہوگا اور اس زمانہ کی چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا بحالت قتال قتل و زخم کا بدلہ نہ لیا جائے گا یہ فرق خیال میں رہے۔

۷؎یعنی جیسے وہ کافر کفر کی وجہ سے مباح الدم مستحق قتل تھا ویسے ہی اب تم اس قتل کی وجہ سے مستحق قتل ہوجاؤ گے حکم یکساں ہے وجہ حکم میں فرق ہے کیونکہ وہ مسلمان ہوکر معصوم الدم ہوگیااورجو ایسے شخص کو قتل کردے اسے قتل کیا جاتا ہے اور جیسے تم پہلے محفوظ الدم تھے ایسے ہی اب وہ محفوظ الدم ہوگیا،یا یہ مطلب ہے کہ اب اس قتل کی وجہ سے تم مستحق عذاب ہوگئے اور وہ کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے مستحق رحمت ہوگیا،اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم کافر ہوگئے جیساکہ خوارج کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافرہوجاتاہے وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال ضعیف ہے۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا۱؎ تو میں ان میں سے ایک شخص کے سر پر پہنچا اسے نیزہ مارنے لگا تو اس نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ مگر میں نے اس کے نیزہ مار کر قتل کردیا۲؎ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۳؎ فرمایا کیا تم نے اسے قتل کردیا حالانکہ وہ گواہی دے چکا تھا لا الہ الا اللہ کی میں نے کہا یارسول اللہ اس نے بچنے کے لیے کہا۴؎ فرمایا تم نے اس کا دل کیوں نہ چیرلیا۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی قبیلہ جہینہ کے کفار سے جہاد کرنے کو لشکر اسلام بھیجا جس میں میں بھی تھا،حضرت اسامہ حضور علیہ السلام کے بہت محبوب صحابی ہیں۔

۲؎ کیونکہ میں اپنے اجتہاد سے سمجھا یہ کہ یہ شخص فقط جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے دل سے نہیں پڑھتا،یہ بھی سمجھا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں اسلام لانا قتل سے نہیں بچاتا کیونکہ سورۂ سجدہ کی آخری آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے"قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمٰنُہُمۡ وَلَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ"۔اس آیت کی بنا پر میں نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کردیا،یہ ہے خطاء اجتہادی۔

۳؎ یہ خبر اس لیے دی کہ مجھے پتہ لگ جائے کہ میں نے اس اجتہاد میں غلطی تو نہیں کی۔

۴؎ کیونکہ اس نے دل سے مسلمان ہونا تھا توپہلے ہوا ہوتا یہ کیا کہ جب تلوار سر پر پہنچی تب کلمہ پڑھا،یہ جان بچانے کے لیے تھا،یہ ہوئی وجہ اجتہاد۔

۵؎ یعنی تم کو کیا خبر کہ اس کے دل میں کیا ہے اخلاص یا بچانے کا بہانہ ایسی صورت میں ظاہری کلمہ کا اعتبار کرنا چاہیے تھا،یہاں دل چیرنے سے مراد دل کا حال معلوم کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں ورنہ دنیا سے امان اٹھ جائے،کسی کافر کے ایمان لانے کی کوئی سبیل نہ رہے کہ اس پر بہانہ بازی کا الزام لگادیا جائے۔

	اور جندب ابن عبداللہ بجلی کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لا الہ الا اللہ کا کیا انتظام کروگے جب وہ قیامت کے دن آئے گا۱؎ یہ کئی بار فرمایا۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی کل قیامت میں اس کا کلمہ تمہارے خلاف بارگاہِ الٰہی میں دعویٰ کرے گا کہ مولیٰ میں نے اسے امان دی تھی مگر اسامہ نے میری امان توڑی اسے قتل کردیا۔یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاد میں ایک کافر کو

پچھاڑا اور اسے قتل کے ارادے سے اس کے سینہ پر بیٹھے،اس نے آپ پر تھوک دیا تاکہ غصہ میں مجھے جلد قتل کردیں،آپ نے اسے چھوڑ دیا سینے سے اٹھ گئے اس نے وجہ پوچھی،آپ نے فرمایا کہ تیری اس حرکت سے مجھے غصہ آگیا اب تیرا قتل نفسانی وجہ سے ہوتا نہ کہ ایمانی وجہ سے اس لیے میں نے تجھے چھوڑ دیا،وہ آپ کا یہ اخلاص دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطاء اجتہادی سے جو قتل واقع ہو نہ اس پر قصاص ہے نہ دیت،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ پر ناراضی وناپسندیدگی کا اظہار تو فرمایا مگر قصاص یا دیت کا حکم نہ دیا،موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر خطاءاجتہادی سے بہت سختی کی،مارنا،داڑھی کے بال پکڑنا،اپنی طرف کھینچنا مگر رب نے قصاص کا حکم نہ دیا،پتہ لگا کہ خطاءاجتہادی معاف ہے۔اگر باپ بیٹے کو،استاد شاگرد کو مجرم سمجھ کر سزا دے دے مگر وہ ہو بےقصور تو استادوباپ پر نہ گناہ ہے نہ قصاص لہٰذا حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگیں کسی صحابی کے فسق کا باعث نہیں۔

۲؎ کئی بار فرمانا اظہار ناراضی اور مسئلہ کی اہمیت کے لیے ہے تاکہ وہ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔فقہا فرماتے ہیں کہ جو کافر بار بار ایسی حرکت کرے کہ مسلمانوں کو شہید کرتا رہےاور جب خود گھر جایا کرے تو کلمہ پڑھ لیا کرےاس کے کلمہ پڑھنے کا اعتبار نہیں اسے قتل کردیاجائے۔(شامی)یہاں یہ واقعہ باربار ہوا لہٰذا یہ حدیث اس فقہی حکم کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی عہد و پیمان والے کو قتل کردے ۱؎ وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۲؎ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے محسوس کی جاتی ہے۳؎(بخاری)	

۱؎ عہدوپیمان والے کافر سے مراد یا ذمی کفار ہیں مسلمان کی رعایا اور مستامن جو کچھ مدت کے لیے امان لے ہمارے ملک میں آئیں اور معاہد جن سے ہماری صلح ہو ان میں سے کسی کو بلاوجہ قتل کرنادرست نہیں،ہاں اگر وہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے ان کا قتل درست ہوجائے تو قتل کئے جائیں۔

۲؎ یعنی اگرچہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے جنت پہنچ تو جائے گا مگر وہاں کی مہک و خوشبو کما حقہ نہ سونگھ سکے گا اس کو اس جرم میں گویا زکام کرادیا جائے گا۔(مرقات)یا اولًا جنت میں نہ جائے گا اگرچہ آخر میں پہنچ جائے۔

۳؎ چونکہ اہل عرب موسم خریف سے سال شروع کرتے تھے اسی لیے سال کو خریف کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ جنت کی خوشبو میدان قیامت میں پہنچے گی مسلمان اس خوشبو سے لطف اندوز ہوں گے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہاڑ سے چھلانگ لگاکر اپنے آپ کو ہلاک کرلے ۱؎ تو وہ دوزخ کی آگ میں چھلانگ لگاتا رہے گا اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ۲؎ اور جو زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرے تو اس کا زہر اس کے	

	ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا ۳؎ اور جو اپنے آپ کو لوہے سے ہلاک کرے تو اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ تردّی کے لغوی معنے ہیں اپنے کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا،اب اصطلاح میں مرنے کے لیے کودنے چھلانگ لگانے کو تردی کہا جاتا ہے یہاں یہ ہی معنے مراد ہیں۔

۲؎ یا تو **خلود** کے معنے ہیں بہت دراز ٹھہرنا،**ابدًا** اس درازی کی تاکید کے لیے ہے یا اس سے وہ شخص مراد ہے جو یہ کام حلال سمجھ کر کرے کہ اب وہ کافر ہوگیا،یا یہ مطلب ہے کہ اس طرح خودکشی کرنے والا اس ہمیشگی عذاب کا مستحق ہے اگرچہ اللہ تعالٰی اسے ایمان کی برکت سے رحم فرما کر دوزخ سے نکال دے گا لہذا یہ حدیث ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کتنا ہی گنہگار ہو آخر کار جنت میں پہنچے گا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ جیسے دوزخ میں کھولتا پانی،سانپ بچھو کے زہر عذاب کے لیے مہیا کیے گئے ہیں یوں ہی علیحدہ زہر بھی وہاں موجود ہے،زہر سے خودکشی کرنے والا ہمیشہ زہر کھاتا پیتا رہے گا اور اسے زہر چڑھنے کی تکلیف ہوتی رہے گی مگر جان نہ نکلے گی۔

۴؎ اس جملہ کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ وہ شخص چھری گھونپتا رہے گا اور اس سے جو تکلیف اسے دنیا میں ہوئی تھی برابر ہوتی رہے گی مگر جان نہ نکلے گی۔**خلود** کے وہ ہی معنے ہیں جو ابھی عرض کیے گئے۔خیال رہے کہ ڈاکو،باغی پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی،خودکشی کرنے والے پر امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک نماز جنازہ نہیں،امام ابویوسف کے ہاں پڑھی جائے،شہید پر نماز جنازہ ہمارے ہاں ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں،وہ کہتے ہیں اس کے سارے گناہ شہادت سے معاف ہوگئے پھر نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہے،ہم کہتے ہیں کہ نماز جنازہ معافی گناہ کے لیے نہیں ہوتی ورنہ چھوٹے بچوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ہوتی بلکہ یہ اظہار شرافت کے لیے ہوتی ہے،شہید اس کا زیادہ مستحق ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنا گلا گھونٹ لے ۱؎ تو وہ آگ میں گلا گھونٹتا رہے گا اور جو اپنے کو نیزہ مارے تو وہ آگ میں نیزہ مارتا رہے گا ۲؎(بخاری)

۱؎ خواہ ہاتھ سے گلا گھونٹے یا پھانسی لگا کر مرجائے یا کسی سے اپنا گلا گھنٹوا لے یا اپنے کو دوسرے سے پھانسی لگوالے سب کا یہ ہی حکم ہے۔خیال رہے کہ پھانسی کے مجرم کا اپنے کو حاکم کے سامنے پھانسی کے لیے پیش کردینا اور اقرار قتل کرکے پھانسی پر چڑھ جانا اس میں داخل نہیں،بعض صحابہ کرام نے بارگاہِ اقدس میں زنا کا اقرار کرکے اپنے کو رجم کے لیے پیش فرمادیا اور ان کا یہ عمل بہترین توبہ میں شمار ہوا،بعض مردان خدا نے پھانسی کے وقت پھانسی کے پھندے کو چوما ہے کہ یہ پھندا توبہ کی قبولیت کا ذریعہ ہے،عشق کے کام نیارے۔

۲؎ خیال رہے کہ جو شخص شرعًا قتل کا مستحق ہو مگر مروجہ قانون اسے قتل نہیں کرتا تو وہ شخص خود اپنے کو قتل ہرگز نہ کرے اگر کرے گا تو اس سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ سزائے قتل میں حاکم کا فیصلہ ضروری ہے جیسے زنا کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے مگر موجودہ قانون یہ سزا جاری نہیں کرتا تو کوئی زانی اپنے کو قتل نہ کرے،زبانی توبہ صدقہ وغیرہ کرے،اگر قتل کرلے گا تو خودکشی کی حرام موت مرے گا کہ یہ سزا نہیں خودکشی ہے۔

	روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پہلے والی امتوں میں ایک شخص تھا جسے زخم تھا وہ گھبرا گیا اس نے چھری لی اس سے اپنا ہاتھ کاٹ لیا۱؎ پھر اس کا خون نہ تھما حتی کہ مرگیا اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میرے بندے نے مجھ پر ۲؎ جلدی کی میں نے اس پر جنت حرام کردی ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حز ح مہملہ سے بھی ہے اور جیم معجمہ سے بھی ہے دونوں کے معنے ہیں کاٹ لینا،اس نے اپنی نبض پر شگاف دے لیا جس سے سارا خون نچڑ گیا وہ ہلاک ہوگیا۔

۲؎ اس طرح کہ اپنی موت کے لیے ہمارے بلاوے کا انتظار نہ کیا،خود بغیر بلائے آنے کی کوشش کی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس کی موت لکھی ہی یوں تھی جیسے قاتل دوسرے کو قتل کرکے گنہگار ہوتا ہے ایسے ہی اپنے کو قتل کرکے بھی مجرم ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اس وقت اس کا جنت میں داخلہ حرام فرمادیا،سزا پاکر دوزخ کی جیل بھگت کر پھر جنت میں جاوے گا اور اگر وہ شخص کافر تھا تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں مگر پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں جیساکہ روش کلام سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ حرام ہونا خودکشی کی وجہ سے تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی تو طفیل ابن عمرو دوسی نے ۱؎ حضور کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک شخص نے ہجرت کی ۲؎ پھر وہ بیمار ہوگئے تو گھبرا گئے تو انہوں نے اپنے تیر لیے ان سے اپنے پورے کاٹ لیے تو ان کے ہاتھ خون بہانے لگے ۳؎ یہاں تک کہ وہ مر گئے تو اسے طفیل ابن عمرو نے خواب میں دیکھا کہ ان کی حالت بہت اچھی ہے ۴؎ اور انہیں اپنے ہاتھ ڈھکے ہوئے دیکھاتو ان سے پوچھا کہ رب نے تم سے کیا معاملہ کیا؟

	تو بولے کہ مجھے بخش دیا اپنے نبی کی طرف ہجرت کرنے کی برکت سے ۵؎ پھر پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں تمہیں ہاتھ ڈھانپے دیکھ رہا ہوں ۶؎ بولے کہ مجھ سے فرمایا کہ جو تم نے خود بگاڑ لیا ہم اسے درست نہ کریں گے ۷؎ یہ خواب طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی الٰہی اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے ۸؎(مسلم)

۱؎ آپ دوس ابن عبداللہ کے قبیلہ سے ہیں اس لیے دوسی کہلاتے ہیں۔حضور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ آکر مسلمان ہوئے،پھر حضور نے انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم میں تبلیغ کرو،آپ نے عرض کیا کہ مجھے حقانیت اسلام کی کوئی دلیل عطا فرمائی جائے،حضور نے دعا کی تو ان کی آنکھوں کے درمیان نور نمودار ہوگیا پھر وہ نور پیشانی سے منتقل ہوکر آپ کی لاٹھی میں آگیا اس لیے آپ کا لقب ذوالنور ہوا،پھر آپ مدینہ منورہ حضور کی خدمت میں حاضر رہے آخر حیات شریف تک ساتھ رہے،جنگ یمامہ ۱۱ھ میں شہید ہوئے،بعض نے فرمایا کہ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں آپ کی شہادت ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی وہ شخص ان کی تبلیغ پر ایمان لایا ان کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگیا۔

۳؎ لغت میں **شخب** کے معنے ہیں دوھنے کے وقت دودھ جاری ہو،اب اصطلاح میں خون بہنے کو **شخب** کہا جاتا ہے،یہ ہی اصطلاحی معنے یہاں مراد ہیں۔

۴؎ لباس چٹا ہے چہرہ پر نور ہے بخشش کے آثار نمودار ہیں۔خیال رہے کہ میت کا سفید لباس،چہرہ کی سفیدی دیکھنا بخشش کی علامت ہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری اور حضور کو دیکھنا ساری عبادات سے افضل ہے اور بخشش کا وسیلہ عظمٰی،دیکھو ان صحابی کے پاس نمازیں روزے تمام عبادات تھیں مگر بخشش ہجرت کی برکت سے ہوئی،یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت میں حضور کی بارگاہ میں حاضری کی نیت کرنا ضروری ہے حالانکہ ہجرت عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**مُهَاجِرًا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ**"جب ہجرت میں حضور کی رضا کی نیت اعلٰی ہے تو دیگر عبادات میں بھی رضائے مصطفوی کی نیت شرک نہیں۔

۶؎ یعنی باقی جسم کی طرح تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے کیوں نہیں۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ خود رب تعالٰی نے بلاواسطہ ان سے یہ فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ بواسطہ فرشتہ یہ کلام ہوا ہو۔

۸؎ خیال رہے کہ مؤمن کا خواب وحی الٰہی کا ایک حصہ ہے،خصوصًا جب کہ نبوت کی طرف سے اس کی تائید ہوجائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے سے دوزخ میں خلود نہیں بلکہ یہ گناہ بھی دوسرے گناہوں کی طرح قابل بخشش ہے۔یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے اور یقینًا اس دعا سے ان کا یہ قصور بھی معاف ہوگیا۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ جو فوائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں آپ کی زیارت سے میسر تھے وہ ہی فوائد حضور انور صلی اللہ علیہ و

سلم کی قبرانور کی زیارت کے ہیں لہذا مؤمن کو ان فوائد کی امید رکھنی چاہیے۔اللہ تعالٰی ہر مؤمن کو اور سب کے صدقے سے مجھ گنہگار کو روضہ اطہر کی زیارت مسجد نبوی شریف میں اعتکاف نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت ابو شریح کعبی سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا پھر تم ہو اے خزاعہ کہ تم نے ہزیل کے اس مقتول کو یقینًا قتل کیا ہے ۲؎ اور اللہ کی قسم اس کی دیت میں دوں گا ۳؎ اس کے بعد جو کوئی کسی مقتول کو قتل کرے تو اس کے ورثا کو دو اختیار ہوں گے ۴؎ اگر چاہیں تو قاتل کو قتل کردیں اور چاہیں تو دیت لے لیں ۵؎ (ترمذی،شافعی)اور شرح سنہ میں ان کی اسناد سے ہے ۶؎ اور تصریح فرمائی کہ مسلم،بخاری میں ابو شریح سے روایت نہیں ہے۔	

۱؎ آپ کا نام خویلا ابن عمرو کعبی ہے،عدوی ہیں،خزاعی ہیں،فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے،۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،اپنی کنیت میں مشہور ہیں۔(اکمال و مرقات)

۲؎ یہ کلام مبارک اس خطبہ شریف کا حصہ ہے جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں ارشاد فرمایا جو **کتاب الحج** باب حرم مکہ کی فصل اول میں مذکور ہوچکا۔قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی زمانہ جاہلیت میں بنی ہزیل کے ایک شخص کے ہاتھوں مارا گیا تھا تو خزاعہ نے فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اس خون کا بدلہ لیتے ہوئے ہزیل کے ایک آدمی کو قتل کردیا تھا یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۳؎ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقتول کی دیت اپنے پاس سے دی تاکہ ان دو قبیلوں میں فتنہ نہ ہو۔خیال رہے کہ دیت یعنی خون بہا کو عربی میں عقل کہتے ہیں،عقل کے معنے ہیں روکنا،چونکہ یہ قتل کو روکنے والی چیز ہے لہذا عقل کہلاتی ہے اسی لیے رسّی کو **عقال** کہتے ہیں کہ وہ جانور کو بھاگنے سے روکتی ہے اور دانش و سمجھ کو عقل کہتے ہیں کہ وہ انسان کو بری باتوں سے روکتی ہے۔

۴؎ یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار ملیں گے۔خیال رہے کہ یہ اختیار عمدًا قتل میں ہیں خطاء یا شبہ عمد قتل میں ان وارثوں کو قصاص لینے کا حق نہیں صرف دیت ہی لے سکتے ہیں۔

۵؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و احمد و اسحاق نے فرمایا کہ قصاص کی طرح دیت کا اختیار بھی مقتول کے ورثاء کو ہے قاتل کو انکار کرنے کا حق نہیں مگر امام ابوحنیفہ و امام مالک فرماتے ہیں کہ دیت میں قتل کی رضا ضروری ہے اگر وہ قبول کرے تو دیت دے قبول نہ کرے تو قصاص دے،یہ ہی قول امام حسن و نخعی کا ہے،یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک بھی دیت لینے پر راضی ہوجائے تو باقی وارثوں کو قصاص لینے کا حق نہیں رہتا اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ان وارثوں میں کوئی غائب یا نابالغ ہو تو قصاص واجب نہیں جب تک کہ غائب آ نہ جائے اور بچہ بالغ نہ ہوجائے،ان وارثوں میں مرد عورت سب یکساں برابر کے مستحق ہیں۔

۶؎ یعنی صاحب مصابیح نے اپنی کتاب شرح سنہ میں بروایت شافعی یہ حدیث نقل فرمائی۔

۷؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ باوجود یہ کہ خود انہوں نے اپنے کتاب شرح سنہ میں صاف بیان فرمایا کہ یہ حدیث مسلم و بخاری کی نہیں مگر پھر بھی اسے مصابیح نے فصل اول میں بیان کردیا حالانکہ پہلی فصل میں مسلم یا بخاری کی روایت آنی چاہیے۔

اور فرمایا کہ مسلم،بخاری نے بروایت ابوہریرہ اس کی یعنی اس کے معنے کی روایت کی ۱؎	

۱؎ یہ عبارت اس اعتراض کی تکمیل ہے کہ یہ حدیث یہاں فصل اول میں نہ آنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا ۱؎ تو اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی کیا فلاں نے کی یا فلاں نے حتی کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کردیا ۲؎ پھر یہودی کو لایا گیا اس نے اقرار کرلیا ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کا سر پتھروں سے کچل دیا گیا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ رض کے معنے ہیں دلنا یا کچلنا اسی لیے دال کو رضاض اور دلیہ کو رضیض کہا جاتا ہے کہ دال تو دلی جاتی ہے دلیہ کچلا جاتا ہے۔

۲؎ اشارۃً ہاں کا اقرار کیا۔معلوم ہوا کہ لڑکی کے ہوش قائم تھے زبان بند ہوچکی تھی،اب بھی قریب الموت زخمی سے پولیس آخری بیان لیتی ہے اس کا ماخذ یہ ہے۔

۳؎ اس اقرار کرانے سے معلوم ہوا کہ صرف مریض کے الزام سے قصاص نہ ہوگا اس کے لیے یا دو گواہ ہوں یا ملزم کا اقرار اگر یہودی اس وقت انکار کرتا تو اس سے قسم لی جاتی۔

۴؎ اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ بھاری چیز سے مار ڈالنے پر قصاص ہے،قصاص کے لیے صرف دھار دار آلہ سے مارنا شرط نہیں،یہ ہی قول ہے امام مالک و شافعی کا اور ہمارے آئمہ میں سے صاحبین کا مگر امام اعظم کے ہاں اس میں قصاص نہیں،قصاص تلوار،چاقو،نیزہ وغیرہ سے قتل کرنے میں ہے۔امام صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور کا یہ عمل شریف سیاسۃً یعنی ملکی انتظام کے لیے بطور تعزیر تھا قصاص نہ تھا اب بھی حاکم تعزیرًا یہ کرسکتا ہے۔دوسرے یہ کہ قصاص میں نوعیت قتل کا لحاظ رکھا جائے کہ جس طرح قاتل قتل کرے اسی طرح حاکم اس کو قتل کرکے قصاص لے،یہ بھی قول امام شافعی کا ہے،امام اعظم کے ہاں قاتل کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا اس نے کسی طرح قتل کیا ہو،ورنہ جو شخص چھوٹی بچی کو زنا کرکے قتل کردے وہاں مساوات قتل کیوں کر ہوگی،یہ قتل قصاصًا نہ تھا بلکہ سیاسۃً تھا اس لیے نوعیت قتل میں برابری کی گئی۔خیال رہے کہ امام مالک کے ہاں صرف مقتول کے قول پر ہی قصاص لینا جائز ہے جمہور علماء کے ہاں نہیں،یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے۔تیسرے یہ کہ عورت کا قصاص مرد سے لیا جائے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ربیع نے جو انس ابن مالک کی پھوپھی ہیں[1] ایک انصاری عورت کا دانت توڑ دیا[2] وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی حضور نے قصاص کا حکم دیا تو انس ابن نضر جو انس ابن مالک کے چچا ہیں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دانت واللہ نہ توڑا جائے گا[3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اللہ کی تحریر قصاص ہے[4] پھر قوم راضی ہوگئی اور دیت قبول کرلی[5] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں وہ ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالٰی ان کی قسم پوری کرے[6] (مسلم،بخاری)	

[1] آپ ربیع ر کے پیش ب کے کسرہ ی کے شدوکسرہ سے بنت نضر انصاریہ ہیں،حارثہ بنت سراقہ کی والدہ صحابیہ ہیں،انس ابن مالک ابن نضر کی پھوپھی،مالک ابن نضر کی بہن۔

[2] ثنیه وہ دانت ہے جو رباعی دانتوں اور کیلوں کے درمیان ہے اس کی جمع ثنایا آتی ہے۔

[3] یعنی رب کی قسم مجھے اللہ تعالٰی کے کرم سے امید قوی ہے کہ وہ اس لڑکی اور اس کے وارثوں کو دیت لینے پر راضی کردے گا ان کے دل میں رحم ڈال دے گا اور میری بہن ربیع قصاص سے بچ جائے گی،اس میں حضور کے فرمان کا انکار نہیں ورنہ کفر لازم آتا ہے اور ان پر سختی کی جاتی۔

[4] یعنی حکم شرعی تو یہ ہی ہے کہ قصاص لیا جائے کہ دانت کے عوض دانت توڑا جائے وہ لڑکی معاف کردے اور اس کے عزیز راضی ہوجائیں ان کی خوشی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ" اور فرماتاہے:"السِّنَّ بِالسِّنِّ"۔

[5] یہاں مرقات نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے مقبول بندوں کی قسم پوری کردیتا ہے ان بزرگوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ربیع کے دانت نہ توڑے جائیں گے رب تعالٰی نے ان کی قسم پوری فرمادی اوردیت پر صلح کرادی،یہ ہے لو اقسم علی اللہ لابرہ کا ظہور۔

[6] اس میں انس ابن نضر کی تعریف ہے کہ تم اللہ تعالٰی کے ایسے مقبول بندے ہو کہ رب تعالٰی پر قسم کھا جاؤ تو رب تعالٰی تمہاری قسم پوری فرمادے،دیکھو تم نے قسم کھالی تھی رب تعالٰی نے پوری کردی اور ممکن ہے کہ دیت قبول کرلینے والوں کی تعریف ہو کہ یہ لوگ ایسے نیک ہیں اور انہوں نے اس وقت ایسا نیک کام کیا ہے کہ اگر یہ آئندہ رب تعالٰی پر قسم کھالیں تو رب تعالٰی ان کی قسم پوری فرمادے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں شفاعت اور سفارش کرنا بہتر ہے اور عورت سے بھی قصاص لیا جائے گا اور اگر دانت پورا توڑ دیا جائے تو اس میں قصاص ہے۔دانت کا ٹکڑا توڑ دینے میں آئمہ کا اختلاف ہے،ہڈی توڑ دینے کے قصاص میں بہت تفصیل ہے اگر دیکھنا ہو تو کتب فقہ کا مطالعہ کرو۔

	روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہیں ۲؎تو فرمایا اس کی قسم جس نے دانہ چیرااور جان پیدا کی ہمارے پاس کچھ نہیں سوائے اس کے جو قرآن میں ہے ۳؎سوائے اس سمجھ کے جو کسی شخص کو دی جائے کتاب اللہ میں ۴؎اور وہ جو اس صحیفہ میں ہے ۵؎میں نے پوچھا کہ صحیفہ میں کیا ہے فرمایا دیت اور قیدی کو چھوڑنا ۶؎اور یہ کہ مسلمان کافر کے عوض نہ قتل کیا جائے ۷؎(بخاری)اور حضرت ابن مسعود کی حدیث **لا تقتل نفس ظلمًا**،الخ **کتاب العلم** میں ذکر کردی گئی ۸؎

۱؎آپ کا نام وہب ابن عبداللہ ہے،عامری ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے مگر بہت بچپن میں،حضور کے وصال شریف کے وقت بہت کمسن تھے،کوفہ میں قیام رہا،حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپ کی طرف سے افسر مال رہے،وہاں ہی ۷۴ھ میں وفات پائی،حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے آپ سے بہت روایات ہیں۔

۲؎زمانہ حیدری میں روافض پیدا ہوچکے تھے انہوں نے مشہور کررکھا تھا کہ حضرت علی کہ پاس قرآن کریم کے علاوہ اور صحیفے اور خصوصی اسرار الٰہیہ ہیں جوکسی کے پاس نہیں اس لیے اکثر لوگ جناب علی مرتضٰی سے ایسے سوالات کرتے تھے۔**عندکم** میں خطاب تمام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جن کے امیر حضرت علی ہیں۔(مرقات)یعنی آپ کے یاآپ کے خاندان والوں کے پاس کوئی خصوصی چیز ہے جو عام مسلمانوں کو نہ دی گئی ہو۔

۳؎**مافی القرآن** میں حدیث شریف بھی داخل ہے کیونکہ حدیث شریف قرآن مجید کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔

۴؎یعنی رب تعالٰی نے مجھے قرآن مجید کی سچی اچھی فہم عطا فرمائی ہے جس سے میں ایسے قرآنی نکات نکال لیتا ہوں جو تم کو معلوم نہیں ہوتے۔اس فرمان عالی سے اجتہاد استنباط اور فقہ کا ثبوت ہوا کہ فہم قرآن اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۵؎یعنی ہاں ان اوراق میں کچھ شرعی احکام ہیں جو شاید تمہارے پاس نہ ہوں،یہ کوئی خاص اسرار نہیں جوکسی کو بتائے نہ جائیں۔

۶؎یعنی اس صحیفہ اور اوراق میں قتل خطاء وغیرہ کی دیت و خون بہا کے کچھ احکام ہیں کہ کس جرم کی دیت کتنی ہے اور یہ حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسلمان قیدیوں کو آزاد کرو،مقروضوں کی امداد کرو،مکاتبین کا بدل کتابت ادا کرو کہ یہ سب قیدی چھوڑانے کی صورتیں ہیں۔

۷؎اس حدیث کی بنا پر امام شافعی وغیرہم فرماتے ہیں اگر مسلمان کسی کافر کو قتل کردے تواس کے عوض مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اس کی دیت دلوائی جائے گی مگر ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہاں کافر سے مراد حربی کافر ہیں ان کے قتل سے مسلمان پر قصاص نہیں،رہے ذمی کفار اور مستامن جو ہماری امان میں ہمارے ملک میں رہتے ہوں یا باہر سے آئے ہوں ان کو اگر

مسلمان قتل کردے تو قصاص لیا جائے گا کیونکہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **فدماءھم کدمائنا و اموالھم کاموالنا** ان ذمیوں مستامنوں کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مالوں کی طرح ہیں اسی لیے اگر مسلمان چور کافر ذمی کا مال چرالے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے،نیز عبدالرحمٰن بن سلمان نے روایت کی کہ حضور کے زمانہ شریف میں ایک مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کردیا تو حضور نے اسے قتل کرایا،وہ احادیث پاک کی شرح ہے۔

۸؎ یعنی وہ حدیث کہ نہیں قتل کیا جاتا کوئی نفس مگر آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کا اس میں حصہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے ظلمًا قتل ایجاد کیا مصابیح میں یہاں تھی مگر ہم مناسبت سے کے لحاظ سے **کتاب العلم** کے شروع میں رکھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا مٹ جانا اللہ کے ہاں آسان ہے مسلمان آدمی کے قتل سے ۱؎ (ترمذی،نسائی)اور بعض نے اسے موقوف بیان کیا ۲؎ وہ ہی زیادہ صحیح ہے۔	

۱؎ یہاں مسلم سے مراد مرد مؤمن عارف باللہ ہے یعنی ایک عارف باللہ کا قتل ساری دنیا کی بربادی سے سخت تر ہے کیونکہ دنیا عارفین ہی کے لیے تو بنی ہے تاکہ وہ اس میں غوروفکر کرکے عرفان میں اضافہ کردیں اور یہاں اعمال کرکے آخرت میں کمال حاصل کریں،دولہا کی ہلاکت بارات کی ہلاکت سے سخت تر ہے کہ مقصود برات وہ ہی ہے۔

۲؎ یعنی خود سیدنا عبداللہ ابن عمر کا اپنا قول نقل فرمایا،یہ ہی صحیح تر ہے لیکن ایسی موقوف حدیث حکمًا مرفوع ہوتی ہے کیونکہ محض عقل و قیاس سے ایسی بات نہیں کہی جاسکتی۔

اور اسے ابن ماجہ نے براء ابن عازب سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت ابو سعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر زمین و آسمان والے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوجائیں ۱؎ تو اللہ تعالٰی انہیں آگ میں اوندھا ڈال دے ۲؎ اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آسمان والوں سے مراد ان انسانوں کی روحیں ہیں جو یہاں فوت ہوچکے یا جو ابھی دنیا میں آئی نہیں۔مقصد یہ ہے کہ قتل ایسا جرم ہے کہ ایک قتل کی وجہ سے بہت کو عذاب ہوسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی مل کر قتل کریں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔اژدہام کے قتل کا اور حکم ہے جہاں جماعتیں لڑیں اور دو طرفہ آدمی ماریں جائیں پتہ نہ لگے کہ کون کس کا قاتل ہے جسے عربی میں قتل عمیہ کہتے ہیں لہذا حدیث واضح ہے۔خیال رہے کہ جان

نکالنے والے فرشتے اللہ کے حکم سے جان نکالتے ہیں کسی کو ظلمًا قتل نہیں کرتے لہذا وہ اس حکم سے خارج ہیں،آج حاکم اسلام قانون اسلامی کے ماتحت بہت لوگوں کو قتل کراتا ہے،جلاد حاکم کے حکم سے مجرم کو قتل کرتا ہے۔

۲؎ بعض روایات میں بجائے لاکبھہ لکبھہ ہے کیونکہ کب کے معنے ہیں اوندھا ڈالا اور اکب کے معنے ہیں اوندھا گرا،یہ ایسا لفظ ہے کہ مجرد میں متعدی ہے باب افعال میں آکر لازم،لکبت لغت میں یوں ہی ہے لیکن اگر حضور کے فرمان میں لاکبھہ ہو تو لغت جھوٹی ہے حضور سچے ہیں۔(اشعہ و مرقات)غرضکہ لغت قرآن و حدیث کے تابع ہیں قرآن و حدیث لغت کے تابع نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو لائے گا کہ اس کی پیشانی و سر اس کے ہاتھ میں ہوگا۱؎ اور مقتول کی رگیں خون بہاتی ہوں گی۲؎ اور عرض کرے گا یارب اس نے مجھے قتل کیا تھا حتی کہ اسے عرش کے قریب کردے گا۳؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یہ دونوں ضمیریں قاتل کی طرف لوٹتی ہیں یعنی قاتل کا سر مقتول کے ایک ہاتھ میں ہوگا اور قاتل کی پیشانی کے بال دوسرے ہاتھ میں جب کسی چیز کو مضبوط پکڑنا ہو تو ایسے ہی دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہیں،یہاں سختی گرفت دکھانے کے لیے یہ ارشاد ہوا۔

۲؎ اوداج جمع ہے ودجٌ کی یا ودجان کی،یہ گردن کے آس پاس دو رگیں ہوتی ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے ذبح میں یہ ہی رگیں کاٹی جاتی ہیں،یہ جمع بمعنے تثنیہ ہے جیسے "فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا" میں قلوب جمع بمعنی تثنیہ ہے۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں قتل کا مقدمہ بہت اہتمام سے پیش ہوگا اور خاص طور پر سنا جائے گا لہذا قتل مؤمن سے بچو۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ ابن سہل ابن حنیف سے ۱؎ کہ حضرت عثمان ابن عفان نے گھر کے محاصرہ کے دن جھانکا ۲؎ پھر فرمایا تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں مگر تین سببوں میں سے ایک سے ۳؎ زنا کرنا بعد محصن ہونے کے یا اسلام کے بعد کفر کرنا یا ناحق کسی جان کو قتل کرنا کہ اس کے عوض قتل کیا جائے اللہ کی قسم میں نے نہ تو جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام میں ۴؎ اور جب سے میں نے رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کبھی مرتد نہ ہوا اور نہ میں نے کسی اس جان کو قتل کیا جسے اللہ نے حرام فرمایا پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو ۵؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)اور حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں ۶؎

۱؎ابو امامہ کا نام سعد ہے،علماء تابعین سے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سے دو سال پہلے ولادت ہوئی، خود حضور نے ان کا نام اور کنیت تجویز فرمائی،بہت لڑکپن کی وجہ سے زیارت نہ کرسکے،اپنے والد سہل اور حضرت ابو سعید خدری سے روایات لیں،۱۰۰ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)آپ کے والد سہل ابن حنیف صحابی ہیں،بدر واحد وغیرہ تمام غزوات میں حضور ے ساتھ رہے احد میں حضور کے قریب رہے ثابت قدم رہے اور خلافت علی مرتضی میں حضرت علی کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر رہے،۳۸ھ ،میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎یعنی جب مصری و دیگر باغیوں نےآپ کا گھر گھیر لیا اورآپ مجبورًا گھر میں مقید ہوگئے تب گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر لوگوں کی طرف جھانک کر یہ فرمایا۔

۳؎اس کلام میں خطاب ان لوگوں سے ہے جوآپ کا گھر گھیرے ہوئےآپ کے قتل کے درپے تھے،چونکہ یہ حدیث سب میں شائع ہوچکی تھی اس لیےآپ نے فرمایا **اتعلمون**۔

۴؎یہ حضرت عثمان کا بڑا ہی کمال ہے کہ عرب جیسے ملک میں رہ کر بہت مالدار ہوکر اسلام سے پہلے بھی زنا سے محفوظ رہے ورنہ زمانہ جاہلیت میں تو زنا پر فخر کیا جاتا تھا اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کے اس صحابی کو زنا سے پہلے ہی سے محفوظ رکھا۔

۵؎یعنی میرے قتل سے پہلے یہ سوچ لو کہ تم کتنا بڑا گناہ کررہے ہو اور رب تعالٰی کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے۔خیال رہے کہ باغی خارجی کو بھی بغاوت یا خروج کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہے مگر یہ دونوں چیزیں بہت کم واقع ہوتی ہیں اس لیے ان کا ذکر اس حدیث میں نہیں آیا،نیز بغاوت و خراج شخصی جرم نہیں قومی جرم ہے یہاں شخصی جرم کا ذکر ہے لہذا نہ تو اس حدیث پر کوئی اعتراض ہے نہ یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف۔

۶؎یعنی الفاظ حدیث دارمی نے نقل فرمائے ورنہ یہ قصہ تو بہت کتب میں مروی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مؤمن آدمی جلدی کرنے والا نیک رہتا ہے ۱؎جب تک کہ حرام خون نہ کرے پھر جب حرام خون لیتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎صالحًا لفظ **موقنًا**کی تفسیر ہے یا تفصیل یعنی بندہ مؤمن کو نیک اعمال میں جلدی کرنے کی توفیق ملتی رہتی ہے۔خیال رہے کہ توفیق خیر ملنا رب تعالٰی کی خاص مہربانی ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر

دستگیر و رہنما توفیق دہ　　　جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

۲؎ یعنی قتل ناحق کی نحوست سے انسان توفیق خیر سے محروم رہ جاتا ہے۔بلح بلوحًا کے معنے ہیں تھک جانا،محروم رہ جانا،حیران ہوجانا یہ حیرانی دنیا میں تو اس طرح ہوگی کہ اس کے دل کو اطمینان،نیکیوں کی توفیق میسر نہ ہوگی اور خدشہ ہے کہ جوابات قبر میں حیرانی رہ جائے اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کے حساب میں حیران و سرگرداں رہے،غرضکہ خون ناحق دنیا و آخرت کا وبال ہے۔خیال رہے کہ ظلمًا قتل کرنا،قتل کرانا،قتل میں مدد دینا،بعد قتل قاتل کی حمایت کرنا سب ہی اس سزا کے مستحق ہیں۔مرقات میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے قتل ناحق میں آدھی بات سے مدد دی وہ کل قیامت میں اٹھے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا آیسٌ من رحمة اللہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

روایت ہے انہی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ممکن ہے اللہ تعالٰی سارے گناہ بخش دے ۱؎ سوائے اس کے کہ جو مشرک مرے یا جو دانستہ مؤمن کو قتل کرے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ ہر گناہ سے مراد شرک و کفر کے علاوہ گناہ ہیں کیونکہ وہ دونوں لائق بخشش نہیں۔معلوم ہوا کہ حقوق العباد بھی لائق بخشش ہیں کہ رب تعالٰی صاحب حق سے معاف کرادے مگر قتل ناحق لائق بخشش نہیں اسکی ضرور سزا ملے گی الا برحمة اللہ۔

۲؎ قتل مؤمن سے مراد ظلمًا قتل ہے عمدًا قتل کی قید اس لیے لگائی کہ خطاء اور شبہ عمد قتل کا یہ حکم نہیں اسی لیے ان دونوں قتلوں میں قصاص نہیں۔اس حدیث کی بنا پر بعض لوگوں نے گناہ کبیرہ کرنے والے کو کافر مانا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ کافر تو نہیں مگر مؤمن بھی نہیں بلکہ فاسق ہے یعنی نہ مؤمن نہ کافر،بعض نے فرمایا کہ وہ ہے تو مؤمن مگر دوزخ میں ہمیشہ رہے گا،مگر مذہب اہل سنت یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والا مؤمن ہی ہے اور اس کی نجات ضروری ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے قتل کو حلال جان کر یا اس لیے قتل کرے کہ وہ مؤمن کیوں ہوا وہ دوزخی دائمی ہے لائق بخشش نہیں کہ اب یہ قاتل کافر ہوگیا اور کافر کی بخشش نہیں،یا یہ فرمان ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے کہ یہ جرم اسی لائق تھا کہ اس کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہتا ہے اور اس کا گناہ بخشا نہ جاتا اگر یہ توجیہیں نہ کی جائیں تو یہ حدیث بہت آیات و احادیث کے خلاف ہوگی۔حضور فرماتے ہیں میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لیے بھی ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے اللہ تعالٰی شرک نہ بخشے گا اس کے سواء جسے چاہے گا بخش دے گا۔

اور نسائی نے حضرت معاویہ سے ذکر کی۔	
روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسجدوں میں اللہ کی حدیں قائم نہ کی جائیں ۱؎ اور بیٹے کی وجہ سے باپ سے قصاص نہ لیا جائے ۲؎ (ترمذی،دارمی)	

۱؎ یعنی مسجد میں مجرموں کے فیصلے تو کرو مگر مسجدوں میں سزائیں نہ دو کہ اس میں مسجدوں کی بے حرمتی ہے کہ سزاؤں میں خون وغیرہ بھی نکلتا ہے جس سے مسجد خراب ہوگی،مسجدیں نماز،ذکر،درس وغیرہ کے لیے ہیں یہ کام ان کے خلاف ہے۔

۲؎ یعنی اگر باپ اپنے بیٹے کو ظلمًا قتل کردے تو اس کے عوض باپ کو قتل نہ کیا جاوے گا بلکہ اس سے دیت لی جائے گی،ماں،دادا،ناناسب کا یہ ہی حکم ہے۔یہ ہی مذہب ہےامام ابوحنیفہ و امام شافعی و احمد کا،امام مالک کے ہاں سب سے قصاص لیا جاوے گا۔خیال رہے کہ اگر بیٹا باپ کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جاوے گا۔

روایت ہے حضرت ابو رمثہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ آیا تو فرمایا یہ جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے ؟ عرض کیا حضور گواہ رہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے ۲؎ فرمایا آگاہ رہو کہ نہ وہ تم پر جرم کرے گا نہ تم اس پر ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)اور شرح سنہ میں اس کے اول میں یہ زیادہ فرمایا انہوں نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے باپ نے وہ چیز دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ میں تھی ۴؎ عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی پیٹھ والی چیز کاعلاج کردوں کہ میں طبیب ہوں تو فرمایا کہ تم رفیق ہواللہ طبیب ہے ۵؎	

۱؎ آپ کا نام رفاعہ ابن یثربی تمیمی ہے،آپ امرؤ القیس کی اولاد سے ہیں۔

۲؎ یا اشهد صیغہ مخاطب امر ہے یعنی حضور گواہ رہیں یا اشهد متکلم مضارع ہے یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میری پشت سے ہے۔انکا مقصد یہ تھا کہ میں اور یہ چونکہ باپ بیٹے ہیں اس لیے میرے جرم کا یہ ذمہ دار ہوگا اور اس کے جرم کا میں ذمہ دار جیساکہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فرمایا جو آگے مذکور ہے۔

۳؎ یعنی تمہارے جرم میں وہ نہ پکڑا جائے گا اور اس کے جرم میں تم نہ پکڑے جاؤ گے،اس کا قصاص تم سے اور تمہارا قصاص اس سے نہ لیا جائے گا یا کل قیامت میں تمہارے گناہ میں وہ نہ پکڑا جائے گا اور اس کے گناہ میں تم گرفتار نہ ہو گے اپنی کرنی اپنی بھرنی ہوگی۔خیال رہے کہ بچہ کے گناہ پر باپ کی پکڑ جب ہوگی جب باپ نے بچہ کی تربیت میں کوتاہی کرکے اسے مجرم بنایا ہولہٰذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ مہر نبوت جو پشت پر دو کاندھوں کے درمیان پیدائش شریف سے ہی قدرتی طورپر انڈے کے برابر تھی ابھرا ہوا گوشت تھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل تھی،یہ حضرت سمجھے کہ کوئی پھوڑا وغیرہ ہے عارضی بیماری اس لیے وہ عرض کیاجس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۵؎ یعنی یہ چیز قابل علاج نہیں بلکہ تم قابل علاج ہو کہ اس قسم کی گفتگو کررہے ہو اپنے کو شافی الامراض سمجھتے اور کہتے ہو،شافی امراض اللہ تعالٰی ہے۔خیال رہے کہ یہاں طبیب بمعنی شافی مطلق ہے نہ کہ فن طب سیکھا ہوا لہذا اللہ تعالٰی کو طبیب کہنا شرعًا درست نہیں کہ یہ لفظ طبابت کا پیشہ کرنے والوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے اللہ تعالٰی کو معلم نہیں کہہ سکتے اگرچہ وہ خود فرماتاہے:"عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"کیونکہ معلم عمومًا تنخواہ دار مدرسین کو کہا جاتا ہے اور جو لفظ دو معنے رکھتا ہو اچھے اور برے اس کو اللہ تعالٰی کے لیے استعمال نہیں کرسکتے۔اللہ تعالٰی کے نام توقیفی ہیں جو نص میں وارد ہوگئے ان ہی سے اسے پکارا جائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ سراقہ ا؎ ابن مالک سے راوی فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ باپ کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور بیٹے کا قصاص باپ سے نہ لیتے تھے ۲؎ ترمذی نے اسے ضعیف فرمایا ۳؎	

ا؎ آپ کا نام سراقہ ابن مالک ابن جعشم ہے،مدلجی کنعانی ہیں،مقام قدید میں رہتے تھے،بڑے شاعر تھے،ان کا واقعہ ہے کہ ہجرت کے دن آپ غار ثور تک بری نیت سے پہنچے تھے اورآپ کے گھوڑے کو زمین نے پکڑ لیا تھا،پھر اس جگہ ایمان بھی لائے امان بھی حاصل کی،آپ ہی سے حضور نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ میں کسریٰ پرویز کے کنگن دیکھتا ہوں،آپ کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔شعر

ابن مالک کو دی بشارت تاج　　　　اے میرے غیب داں تیرے صدقے

۲؎ یعنی اگر باپ کو بیٹا قتل کردیتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور اگر اس کے برعکس بیٹے کو باپ قتل کردیتا تو باپ سے قصاص نہ لیتے تھے۔

۳؎ وجہ ضعیف یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے مگر خیال رہے کہ قریبًا تمام اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے اس عمل علماء سے حدیث کا ضعف جاتا رہا،اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

روایت ہے حضرت حسن سے وہ سمرہ سے راوی ا؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے ہم اس کو قتل کریں گے ۲؎ اور جو اپنے غلام کے اعضاء کاٹے ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)اور نسائی نے دوسری روایت میں یہ زیادہ کیا کہ جو اپنے غلام کو خصی کرے ہم اسے خصی کرینگے ۳؎	

۱؎خواجہ حسن بصری تابعی ہیں،اولیائے امت کے سردار اور سمرہ ابن جندب صحابی،آپ بصرہ میں رہے اس لیے خواجہ حسن بصری نے بہت سی روایات آپ سے لیں۔

۲؎اس حدیث کی بنا پر حضرت ابراہیم نخعی و سفیان ثوری نے فرمایا کہ آقا سے اپنے غلام کا قصاص لیا جائے گا۔(مرقات) باقی تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مولیٰ سے غلام کا قصاص نہیں لیا جاتا،وہ حضرات اس حدیث کی تین توجیہیں فرماتے ہیں:ایک یہ کہ یہ حکم ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے تاکہ مولیٰ اپنے غلام کو قتل کرنے کی ہمت نہ کرے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شراب پیئے اسے کوڑے مارو،پھر پیئے پھر مارو،پھر پیئے پھر مارو،پھر پیئے پھر مارو ،پھر پیئے تو قتل کردومگر اس کے باوجود حضور کی خدمت اقدس میں چوتھی بار شراب پینے والا لایا گیاتو اسے قتل نہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ وہ حکم ڈرانے کے لیے تھا۔دوسرے یہ کہ اس سے آزاد کردہ غلام مراد ہے اسے غلام فرمانا پہلے حال کے لحاظ سے ہے۔تیسرے یہ کہ حدیث منسوخ ہے"اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ" سے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک مولے سے اپنے غلام کا قصاص نہیں لیا جاتامگر دوسرے کا غلام قتل کردینے سے قصاص لیا جاتا ہے،امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اس کا بھی قصاص نہیں،ان کے ہاں آزاد و غلام میں غلام کا قصاص کسی آزاد سے نہیں لیا جاتا اس کی مکمل بحث کتب فقہ میں ہے۔(مرقات،اشعہ،لمعات)

۳؎اس پر سارے علماء حتی کہ ابراہیم نخعی و سفیان ثوری کا بھی اتفاق ہے کہ غلام کے اعضاء کا قصاص آزاد سے نہیں لیا جاتا لہذا اب حدیث سب کے نزدیک واجب التاویل ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دانستہ قتل کرے تو وہ مقتول کے ولیوں پر پیش کیا جائے گا ۱؎ اگر وہ چاہیں تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں وہ دیت تیس حقہ،تیس جزعہ اور چالیس خلفہ ہیں ۲؎ اور جس چیز پر وہ صلح کرلیں وہ انہیں کی ہے ۳؎(ترمذی)

۱؎ولیوں سے مراد وارث قرابت دار ہیں جو دیت لے سکتے ہیں۔

۲؎حقہ وہ اونٹنی ہے جو چوتھے سال میں داخل ہوجائے۔جزعہ وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں قدم رکھ لے۔خلفہ حاملہ اونٹنی جو اپنے پیچھے بچہ چھوڑنے والی ہو،یہ کل سو اونٹنیاں ہوئیں بمقابلہ اونٹ کے اونٹنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے وہ ہی دیت میں دی جائے گی۔

۳؎یعنی اگر اس دیت کے علاوہ کسی اور شئے میں دونوں فریق کی صلح ہوجائے تو وہ دی جائے،یہ دیت ہر قاتل سے لی جائے گی خواہ باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے یا مولے اپنے غلام کو،باپ اور مولے پر قصاص نہیں دیت ہے۔امام شافعی و احمد کے ہاں اس حدیث پر عمل ہے کہ دیت کے تین حصے ہوں گے تیس تیس حقہ و جزعہ اور چالیس خلفہ،مگر ہمارے اور امام مالک کے ہاں دیت کے چار حصے ہوں گے پچیس حقہ پچیس جزعہ،پچیس بنت لبون پچیس بنت مخاض،ہماری دلیل

حضرت ابن مسعود کی حدیث موقوف اور ثابت ابن یزید کی حدیث مرفوع ہے جس میں دیت کی یہ ہی تفصیل ہے جو ہم نے عرض کی،ہمارے ہاں یہ حدیث عمرو ابن شعیب صحیح نہیں اس لیے ناقابل عمل ہے۔خیال رہے کہ قتل خطا کی دیت تمام آئمہ کے ہاں قاتل کے عصبہ وارثوں پر واجب ہے خود قاتل پر نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی۱؎ فرمایا مسلمان کے خون برابر ہیں ۲؎ اور ان کی ذمہ دار ادنی آدمی کرسکتا ہے ۳؎ اور رد کرسکتا ہے دور کا آدمی ۴؎ اور مسلمان اپنے مقابل پر ایک دوسرے کے مددگار ہیں ۵؎ خبردار مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے ۶؎ اور نہ معاہدہ والا اپنے ذمہ میں ۷؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،بروایت ابن عباس)

۱؎ یہ حدیث حضرت علی کے صحیفہ سے لی گئی جو آپ لوگوں کو دکھایا کرتے تھے۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہر مسلمان کے قتل کا ایک حکم ہے کہ عمد میں قصاص خطایا شبہ عمد میں دیت خواہ امیر ہو یا غریب،بوڑھا جوان ہو یا بچہ،مرد ہو یا عورت،عالم ہو یا جاہل،چودھری نمبر دار ہو یا معمولی حیثیت کا مسلمان،امیر قاتل سے غریب مقتول کا قصاص لیا جائے گا۔

۳؎ یعنی اگر جہاد میں کوئی معمولی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو سب کو اس کی امان کا احترام کرنا ہوگا کوئی اسے قتل نہیں کرسکتا۔

۴؎ اس جملہ کے بہت معنی ہو سکتے ہیں،یا یہ مطلب ہے کہ اگر جہاد کے موقعہ پر مجاہدین کی ایک جماعت دار الحرب میں بہت دور نکل گئی دوسری جماعت بہت پیچھے رہ گئی،پھر غنیمت ملی تو اس غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہوگا جو پیچھے رہ گئی ہے۔

۵؎ کہ مشرقی مسلمان مغربی مسلمان کا مددگار ہے ایک پر مصیبت سب پر مصیبت ہے افسوس کہ اب مسلمانوں کا عمل اس کے برعکس ہے۔

۶؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ حربی کافر کے عوض مسلمان قتل نہ کیا جائے گا۔

۷؎ یعنی اگر ہمارا ذمی کافر کسی حربی کافر کو قتل کر آئے تو ہم اس کے عوض اس ذمی کافر کو قتل نہ کریں گے،اس جملہ کے احناف کے ہاں یہ ہی معنے ہیں لہذا مسلم قاتل کو حربی کافر کے عوض بھی قتل نہ کیا جائے گا۔اس صورت میں معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت ہوگی،بعض ائمہ کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ مستامن وذمی کو قتل نہ کرو انہیں امان دو مگر اس صورت میں معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت نہیں،نیز یہ معنے بھی مذہب حنفی کی تائید کرتے ہیں کہ ذمی و مستامن کو قتل نہ کیا جائے اگر کوئی مسلمان اسے قتل کردے تو قصاص ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو شریح خزاعی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

	جس کا خون کیا گیایا اس کو خیل کیا گیا یعنی زخمی ۲؎تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہےاگر چوتھی چیز چاہے۳؎تو اس کا ہاتھ پکڑویا وہ قصاص لے لے یا معافی دے دے یا دیت لے لے۴؎پھر اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کرے پھر اس کے بعد زیادتی کرے ۵؎تو اس کے لیے آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ۶؎(دارمی)

۱؎آپ کا نام خویلہ ابن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہے،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔(مرقات)

۲؎عمدًا قتل و زخم مراد ہے کیونکہ خطاءً قتل و زخم میں قصاص نہیں ہوتا،قتل کی صورت میں تو ولی مقتول کو اختیار ہے اور زخم کی صورت میں خود مجروح کو اختیار ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

۳؎مثلًا قصاص بھی لے اور دیت بھی چاہے یا معاف بھی کرے قصاص بھی لے،یہ اجتماع چوتھی صورت ہے یا مثلًا ظالم نے اس کی انگلی کاٹی تھی یہ مجروح اس کا پورا ہاتھ کاٹنا چاہے۔

۴؎کس زخم کی کتنی دیت ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۵؎کہ معاف کرچکنے کے بعد قصاص یا دیت لے لے یا دیت کے بعد قصاص یا قصاص کے بعد دیت لے لے۔

۶؎اگر اس نے یہ ظلم حلال سمجھ کر کیاتو اس کا دوزخ میں ہمیشہ ابدالاباد تک رہنا ظاہر ہے اور اگر حرام جان کر کیا تو یہاں **خلود** سے مراد بہت عرصہ تک دوزخ میں رہنا ہےکیونکہ دوزخ کی ہیشگی صرف کفار کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت طاؤس سے ۱؎وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو بلوے میں قتل کیا گیا ۲؎آپس کے پتھراؤ یا کوڑے بازی میں یا لاٹھی کی مار میں۳؎تو وہ خطا ہے اور اس کی دیت خطا کی دیت ہے ۴؎اور جو عمدًا قتل کیا گیاتو وہ قصاص ہے ۵؎جو اس کے پیچھے حائل ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور ناراضگی ہےاس کا نہ نفل قبول ہو نہ فرض ۶؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎آپ کا نام ذکوان ابن کیسان ہے،خولانی ہمدانی یمانی ہیں،اصل باشندے فارس کے ہیں،یمن میں رہنے سہنے لگے تھے،بڑے عابد زاہد و مقبول الدعاء تابعی ہیں،چالیس حج کیے،بہت حسین جمیل تھے اسی لیےآپ کو طاؤس یعنی مور کہتے تھے،حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص صحبت یافتہ ہیں،۱۰۵ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔

۲؎**عمیّة عمیّ** سے بنا بمعنی اندھا پن بلوے اور اژدہام کے قتل کو اس لیے عمیہ کہتے ہیں کہ اس میں قاتل معلوم نہیں ہوتااندھا دھند مار پیٹ دو جماعتوں میں ہوتی ہے۔

۳؎ یہ تفصیل درحقیقت **عمیة** کا بیان ہے کہ بلوے کی جنگ خواہ لاٹھیوں کی ہو خواہ تیروگولی کی یا کوڑے ہنٹر کی سب کا حکم یہ ہی ہے۔

۴؎ یعنی اس قتل کا حکم قتل خطا کا سا ہے کہ اس میں کسی سے قصاص نہ لیا جائے گا صرف دیت لی جائے گی،یہ آخری جملہ خطا کا بیان ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر ایسی چیز سے کسی کو قتل کیا گیا جو قتل کے لیے تھی نہیں جیسے چھوٹے پتھر اور اس سے قتل واقع ہوگیا تو اس قتل کو شبہ عمد کہتے ہیں اس میں قصاص نہیں ہوتا دیت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ قصاص کے لیے عمدًا قتل ضروری ہے،عمدًا میں آلہ دھار دار چاہیے۔(اشعہ)

۵؎ اس کے معنے ابھی بیان ہوچکے کہ قتل عمد میں قصاص ہے اور قصاص میں ارادہ قتل بھی چاہیے اور ہتھیار بھی قتل کا چاہیے۔

۶؎ صَرْف توبہ کو بھی کہتے ہیں اور نفلی عبادت کو بھی یعنی جو عام آدمی یا حاکم یا وکیل ایسے قاتل کو چھڑا دے کہ ولی مقتول کو قصاص وغیرہ نہ لینے دے تو وہ ظالم کا مددگار ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی توبہ و عبادت غیر مقبول ہیں اور وہ لعنت کا مستحق ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم اس کو معافی نہ دیں گے جو دیت لینے کے بعد قتل کردے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو ولی مقتول قاتل سے دیت لے لے پھر اسے قتل بھی کردے تو اسے معاف نہ کیا جائے گا۔(**لایعفی**) یا اسے میں نہ معاف کروں گا(**لااعفی**)۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ ایسے ولی کو جو دیت لےکر بھی قاتل کو قتل کردے قتل کیا جائے گا مگر مذہب جمہور یہ ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ کوئی اور سزا دی جائے گی۔اسے **لا اعفی** باب افعال کا ماضی مجہول بھی پڑھا گیا ہے جملہ بددعا یعنی اللہ کرے اس کو معاف نہ کیا جائے،غرضکہ جمہور علماء کے نزدیک اس معاف نہ فرمانے سے مراد قتل کر دینا نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی شخص کہ مصیبت پہنچائی جائے اس کے جسم میں پھر وہ اسے معاف کردے ۱؎ مگر بلند کرے گا اللہ تعالٰی اس کا درجہ اور معاف کرے گا اس کی خطاء ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں مصیبت سے مراد کسی انسان مسلمان کی طرف سے زخم یا عضو کاٹنا یا کوئی اور تکلیف پہنچانا ہے آسمانی مصیبت یا قتل مراد نہیں ورنہ معاف کرنے کے کیا معنے،معافی سے مراد قصاص نہ لینا ہے خواہ دیت بھی نہ لے یا دیت لے لے

مگر دیت بھی چھوڑ دینے کا ثواب زیادہ ہے اور دیت لے لینے کا ثواب کم۔خیال رہے کہ یہ مسلمان مجرم کے متعلق ہے،کافر مجرم سے ضرور بدلہ لیا جائے اسے معافی دینا یا اپنی کمزوری ہے یا اس مجرم کے لیے دروازہ کھولنا ہے۔

۲؎یعنی اس معافی کی وجہ سے رب تعالیٰ اسے معافی دے گا کیونکہ اللہ کے بندوں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔شعر

کرو مہربانی اہل زمیں پر خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے ایک شخص کے عوض پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیاجنہوں نے اسے فریب سے قتل کردیا تھا۱؎اور حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر سارے صنعاء والے اس پر مل جائیں تو میں ان سب کو قتل کردیتا۲؎(مالک)

۱؎غلیه غیل سے بنا بمعنی خفیہ،دھوکہ،فریب یعنی ان چند لوگوں نے خفیہ طور پر سازش کرکے ایک شخص کو قتل کردیا تھا۔

۲؎ صنعاء یمن کی ایک بستی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر ساری بستی والے مل کر اسی ایک شخص کو قتل کردیتے تو اس کے عوض ان سب کو قتل کردیتا۔معلوم ہوا کہ چند قاتل ایک قتل میں قتل کیے جائیں گے کہ سزا سب کی یہ ہی ہے۔

	اور بخاری نے حضرت ابن عمر سے اس کی مثل روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں نے خبر دی۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ مقتول اپنے قاتل کو قیامت کے دن لائے گا ۲؎پھر عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ کہ مجھے کس جرم میں اس نے قتل کیا ۳؎قاتل کہے گا کہ میں نے اسے فلاں کی سلطنت میں قتل کیا تھا ۴؎جندب نے فرمایا کہ اس سے بہت ڈرو۵؎(نسائی)

۱؎یعنی کسی خاص صحابی کا نام لیا جو راوی کو یاد نہ رہامگر اس نام نہ لینے سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)

۲؎ بقاتله کی ب یا مصاحبت کی ہے یا تعدیہ کی یعنی اپنے قاتل کے ساتھ آئے گا یا قاتل کو لائے گا،اگر قاتل چند ہوں تو سب کو لائے گا۔

۳؎ یعنی اس کا حساب بھی لے اور بعد حساب سزا بھی دے۔

۴؎ جواب کا مقصد یہ ہے کہ خدایا اگرچہ جرم قتل تو میں نے کیا مگر میرے اس جرم میں فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کی حکومت کا بھی دخل ہے کیونکہ انہوں نے ملک کا انتظام اچھا نہ کیا جس سے ملک میں قتل و خون عام ہوگئے مجھے بھی اسی بد انتظامی کی وجہ سے قتل کی جرأت ہوئی تو میرے ساتھ انہیں بھی پکڑ چنانچہ وہ بادشاہ و حکام بھی اس قاتل کے ساتھ گرفتار ہوں گے۔اس سے موجودہ حکومتوں کو سبق لینا چاہیے اور ہوسکتا ہے کہ ملك میم کے کسرہ سے ہو یعنی میں نے اسے قتل کیا فلاں شخص کی ملکیت اور اس کے زیر اثر ہونے کی بنا پر کہ میں فلاں کا نوکر یا ماتحت تھا اس نے مجھ سے اسے قتل کرایا اسے بھی پکڑ۔اس سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا کرانے والا قتل کی رغبت دینے والا سب ماخوذ ہوں گے۔

۵؎ حضرت جندب کسی بادشاہ یا حاکم کو سمجھا رہے ہیں یہ حدیث سنا کر اس سے کہہ رہے ہیں کہ قتل کے معاملہ میں بہت احتیاط کرو کوشش کرو کہ تمہارے زمانہ میں قتل واقع نہ ہو ورنہ اس کا انجام یہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ جو کسی مسلمان کے قتل پر آدھی بات سے بھی مدد کرے تو وہ اللہ تعالٰی سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کی درمیان لکھا ہوگا اللہ کی رحمت سے ناامید ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی جس شخص نے کسی سے اقتل امر کا آدھا کلمہ اُق بھی کہہ دیا اور قاتل نے اس مسلمان کو قتل کردیا تو مرتے وقت یا قبر میں یا قیامت میں اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے،اس طرح تمام قیامت میں بدنام ہو جائے گا،اگر اس شخص نے حلال جان کر قتل کیا تھا تو یہ لفظ آیس من رحمة الله بالکل ظاہر ہے کہ یہ قاتل کافر ہوگیا اور کافر رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ"اور اگر نفسانی وجہ سے مارا تھا تو مایوس سے مراد انہیں رحمت سے مایوس ہے۔خیال رہے کہ حضور کی امت کی قیامت میں ضرور پردہ پوشی ہوگی مگر جو بندہ دنیا میں خود ہی علانیہ گناہ کرتا رہا ہو اس کی پردہ پوشی نہ ہوگی کہ اس نے خود اپنی پردہ دری کی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی کو پکڑے اور دوسرا اسے قتل کردے تو قتل کرنے والا قتل کیا جائیگا اور جس نے پکڑ رکھا وہ قید کیا جائے گا ۱؎(دارقطنی)	

۱؎حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر پکڑنے والے کا خیال یہ تھا کہ یہ شخص اسے مارے گا مگر قتل نہ کرے گا مگر اس نے قتل کردیا تب تو یہ حکم ہے جو یہاں مذکور ہے کہ حاکم اس پکڑنے والے کو عمر بھر کی قید دیدے یا جب تک چاہے قید کردے لیکن اگر اس پکڑنے والے کو یقین تھا کہ یہ قتل کردے گا پھر پکڑا تو پکڑنے والا بھی قتل کیا جائے گا لہٰذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔ہمارے امام صاحب کے ہاں بہرصورت پکڑنے والا تعزیرًا قید ہی کیا جائے گا اور یہ قید قاضی کی رائے کے مطابق قید کیا جائے گا،اس طرح اگر کوئی کسی کو شیر یا سانپ کے آگے ڈال دے وہ جانور اسے ہلاک کردے تو ہمارے ہاں یہ ڈالنے والا قید کیا جائے گا لیکن تعزیرًا قاضی اسے قتل بھی کراسکتا ہے۔

باب الدیات

دیتوں کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ دیتؒ بنا ہے ودیؒ سے بمعنی بہنا اسی لیے جنگل کو وادی کہتے ہیں کہ وہاں بارش میں پانی بہتا ہے۔ودیؒ کا واؤ گراکر اس کے عوض کی ت آخر میں لگادی جیسے وزن سے زنۃ اور وعد سے عدۃ۔اب اصطلاح شریعت میں قتل یا زخم یا اعضاء کاٹنے کے عوض جو مال دیا جائے دیت کہلاتا ہے کیونکہ یہ مال خون بہانے کے عوض ہے۔احناف کے نزدیک قتل کی دیت سو اونٹ ہیں،اگر اونٹ نہ ملیں تو ایک ہزار اشرفیاں سونے کی یا دس ہزار درہم چاندی کے،ان تین چیزوں کے سوا اورکسی مال سے دیت نہیں،صاحبین کے ہاں گائے بکریوں بلکہ کپڑے کے جوڑوں سے بھی دیت دی جاسکتی ہے،دیت کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں یہ اور یہ برابر ہیں یعنی چھنگلی اور انگوٹھا۱؎ (بخاری)

۱؎ یعنی ہاتھ یا پاؤں کی ہر ایک انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہے دس اونٹ،مگر انگلیوں کے احکام یکساں ہیں کہ اگر چھنگلیاں چھوٹی ہے انگوٹھا بڑا مگر دیت دونوں کی برابر ہے دس دس اونٹ،اگر کوئی شخص انگلی کا پورا کاٹے تو ایک انگلی میں تین پورے ہوتے ہیں لہذا ایک پورے میں دس اونٹ کا تہائی ۳-1/3 اونٹ،ہاں انگوٹھے میں دو ہی پورے ہیں لہذا اس کا ایک پورا کاٹنے پر دس اونٹ کا آدھا پانچ اونٹ واجب ہوں گے۔ (اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے کچے بچے کے متعلق جو کچا گر گیا تھا۱؎ ایک غلام یا لونڈی کا فیصلہ فرمایا ۲؎ پھر وہ عورت جس پر غلام کا فیصلہ کیا گیا تھا مرگئی ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے لڑکوں اور خاوند کی ہے ۴؎ اور دیت ۵؎ اس کے وارثوں کی ہے۔(مسلم،بخاری)

۱؎ لحیان قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے،اسی لحیان کی ایک حاملہ عورت کے پیٹ پرکسی نے لات یا گھونسا یا لکڑی ماری جس سے اس کے پیٹ کا مردہ بچہ گر گیا،اگر بچہ زندہ گرتا پھر مرتا تو مارنے والے پر پوری دیت سو اونٹ واجب ہوتی کہ بچے اور بڑے کی دیت برابر ہے مگر یہاں مردہ بچہ گرا تھا اور عورت نہ مری تھی۔

۲؎ غرہ کے معنے ہیں چمک و روشنی اسی لیے چاندنی راتوں کو غرہ کہا جاتا ہے،قوم کے بڑے آدمی کو غریر اور انسان کی پیشانی اور چہرے کی سفیدی کو غرہ کہتے ہیں،یہاں غرہ زائد ہے مراد غلام ہے خون کالا ہو یا سفید۔(اشعہ)اگر عورت بچہ ڈال کر مرتی تو عورت کی پوری دیت اور بچہ کے عوض غلام قاتل پر لازم ہوتا اور اگر عورت مرکر بچہ ڈالتی تو صرف عورت کی دیت واجب ہوتی بچہ کا کچھ نہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی مجرمہ مارنے والی عورت ادائے غلام سے پہلے مرگئی۔

۴؎ کیونکہ اس عورت کے وارث صرف اس کا خاوند اور لڑکے ہی تھے۔

۵؎ یعنی اس قاتلہ عورت کی میراث اس کے خاوندوبچوں کو ملے گی اور جو اس پر غلام دینا واجب تھا وہ اس کے دوسرے عصبہ وارث دیں گے۔دیت کو عقل اس لیے کہتے ہیں کہ عقل کے معنے ہیں روکنا باندھنا،چونکہ قاتل دیت کے اونٹ مقتول کے دروازے پر باندھتا تھا یا دیت قاتل کو قتل سے روکتی ہے اس لیے اسے دیت کہتے ہیں۔اس جملہ کے مرقات نے اور بھی معنے کیے مگر ہم نے جو عرض کیا یہ ظاہر ہے۔**واللہ اعلم و رسولہ!**

روایت ہے ان سے ہی فرماتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتیں لڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر مارا ۱؎ تو اس کو اور اس کے پیٹ کے بچہ کو قتل کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے اور عورت کی دیت کا فیصلہ اس کے وارثوں پر فرمایا ۲؎ اور دیت کا وارث اس کے بچہ کو اور ساتھیوں کو بنایا ۳؎	

۱؎ دونوں عورتیں آپس میں سوت تھیں،قبیلہ ہذیل کی تھیں،سوت عورتوں کی دشمنی تو مشہور ہے پتھر بڑا تھا جو قتل کے ارادے سے مارا گیا۔

۲؎ چونکہ جرم دو ہوئے تھے اس لیے اس کی سزائیں بھی دو ہوئیں بچہ کے عوض لونڈی یا غلام خود اس قاتلہ کے مال سے جیساکہ اوپر گزرا اور خود عورت کی دیت قاتلہ عورت کے عصبہ وارثوں پر مقرر فرمائی،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ بغیر دھار والے ہتھیار سے قتل کردینے کی صورت میں قتل پر قصاص نہیں ہوتا دیت واجب کی،دیکھو یہاں پتھر سے عورت کو قتل کیا مگر قصاص نہ واجب ہوا۔

۳؎ حق یہ ہے کہ **ورثھا** کی ضمیر دیت کی طرف ہے اور **ولدھا** کی ضمیر مقتولہ عورت کی طرف یعنی قاتلہ کے عصبہ وارثوں سے جو دیت دلوائی گئی اس دیت کا وارث مقتولہ کی اولاد اور اس کے دوسرے وارثوں کو قرار دیا گیا،بعض لوگوں نے یہ دونوں ضمیریں قاتلہ عورت کی طرف راجع کیں یہ غلطی ہے کہ اس میں مضاف پوشیدہ ماننا پڑے گا۔**معھم** سے

مراد اس مقتولہ کا خاوند وغیرہ وارثین ہیں،چونکہ ولد اسم جنس ہے اس لیے اس کی طرف ضمیر جمع بھی لوٹ سکتی ہے۔اس پر تو تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ قتل خطا کی دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر ہے،اس میں اختلاف ہے کہ خود قاتل بھی اس دیت میں داخل ہوگا یا نہیں،ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ داخل ہوگا بقدر حصہ وہ بھی دے گا،امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وارثین سے دیت پوری نہ ہوسکے تو قاتل سے بھی حصہ لو ورنہ نہیں،امام احمد کے ہاں قاتل پر مطلقًا نہیں اگر دیت وارث پوری نہ کرسکیں تو بیت المال سے پوری کی جائے۔یہ مسئلہ کہ کس وارث پر کتنی دیت ہوگی اور کتنے عرصہ میں ادا کی جائے گی اور اس کے متعلق علماءکرام کے کیا اختلافات ہیں یہ کتب فقہ میں یا اسی جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمایئے یہاں اس کی گنجائش نہیں یہ بہت دراز گفتگو ہے۔

روایت ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے کہ دو عورتیں سوکنیں تھیں تو ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمہ کی چوب ماری۱؎ تو اس نے پیٹ کا بچہ ڈال دیا۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچے بچے کے متعلق غلام یا لونڈی کا فیصلہ فرمایا اور اسے عورت کے وارثوں پر مقرر فرمایا ۳؎ یہ ترمذی کی روایت ہے۴؎ مسلم کی روایت یوں ہے کہ فرمایا ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ چوب ماری وہ تھی حاملہ اسے قتل کردیا فرمایا ان میں سے ایک بنی لحیان کی تھی ۵؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ عورت کے وارثوں پر لازم کی اور پیٹ کے بچہ پر غلام ۶؎	

۱؎ فسطاط چھوٹا خیمہ جو سفر میں اکثر کام چلانے کے لیے لگایا جاتا ہے اس کی چوب کافی بھاری ہوتی ہے۔

۲؎ اس طرح کہ بچہ گرنے سے پہلے مرچکا تھا یا ابھی اس میں جان نہ پڑی تھی،اس کے متعلق عرض کیا جاچکا ہے کہ قاتلہ مقتولہ کو ایک غلام یا لونڈی دے،اگر زندہ پیدا ہوکر مرتا تو پوری دیت واجب ہوتی کہ اب وہ قتل کے حکم میں ہوتا۔

۳؎ یعنی بچہ کی ماں مرگئی تو ماں کی دیت قاتلہ کے وارثوں پر مقرر فرمادی۔

۴؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں غیر صحیحین کی روایت درج کی حالانکہ ان کا قاعدہ ہے کہ فصل اول میں مسلم،بخاری کی روایت لائیں۔

۵؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ لحیان قبیلہ ہذیل کا ایک خاندان ہے یعنی ایک عورت تو بنی لحیان کی تھی دوسری کا پتہ نہ چلا۔

۶؎ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے یعنی اس کے پیٹ سے بچہ کچا گر گیا اور وہ خود بھی مرگئی تو بچہ کے عوض قاتلہ عورت پر غلام واجب فرمایا جو بچہ کا عوض تھا اور عورت کی دیت قاتلہ عورت کے عصبہ وارثوں پر لازم فرمائی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار کہ خطا شبہ عمد کی دیت ۱؎ جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو ۲؎ ایک سو اونٹ ہیں جن میں چالیس وہ ہوں جن کے پیٹ میں ان کے بچے ہوں ۳؎(نسائی،دارمی)

۱؎ یہاں **شبہ العمد** یا تو خطا کی صفت کا شفہ ہے کہ **الخطا** بھی معرفہ ہے اور **شبہ العمد** بھی معرفہ بااالخطا جنس ہے اور **شبہ العمد** اس کی ایک قسم و نوع یا **شبہ العمد** لفظ **الخطاء** کا بدل ہے۔بہرحال مطلب یہ ہی ہے کہ یہاں خطاء سے مراد شبہ عمد ہے اور قتل خطاء اس جگہ مراد ہے۔

۲؎ اس عبارت میں **ما** یا موصولہ ہے یا موصوفہ اور یہ عبارت خطا اور شبہ عمد دونوں کی تفسیر ہے اِنّ کی خبر نہیں خبر تو آگے آرہی ہے۔خیال رہے کہ احناف کے ہاں قتل کی تین قسمیں ہیں:قتل عمد،قتل شبہ عمد،قتل خطاء۔قتل عمد یہ ہے کہ دھاردار آلہ مار دینے والے اوزار سے باارادۂ قتل حملہ کیا جائے اور اس سے قتل واقع ہو،اس کی سزا قصاص ہے۔شبہ عمد یہ ہے کہ قاتل باارادۂ قتل ایسے اوزار سے حملہ کرے جو قتل کے لیے بنا نہیں اور اس سے قتل کردے جیسے قتل کے ارادے سے زور سے کیل یا لوہے کا قلم آنکھ میں گونپ دے جو دماغ تک پہنچ کر مقتول کا کام تمام کردے یا بہ ارادۂ قتل فوطے پر زور سے گھونسہ یا لکڑی مار دے اور موت واقع ہوجائے،ان دونوں صورتوں کے سواء اور قتل خطاء ہے جیسے بغیر ارادۂ قتل کسی کے قمچی یا گھونسہ مارااتفاقًا نازک جگہ لگ گیا موت واقع ہوگئی یا جانور کے گولی ماری تھی کسی آدمی کے لگ گئی۔امام مالک کے ہاں قتل کی صرف دو قسمیں ہیں:قتل عمد اور قتل خطاء،وہ شبہ عمد کو نہیں مانتے،وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ یہاں شبہ عمد کو خطا کی تفسیر بتایا گیا اسے علیحدہ قسم نہ مانا گیا،امام صاحب کے ہاں یہاں لاٹھی سے ہر ہلکی لکڑی بھاری لاٹھی مراد ہے۔اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ قتل غیر عمد خواہ شبہ عمد ہو یا قتل خطاء بھاری لاٹھی سے ہو یا پتلی قمچی سے ان میں قصاص نہیں دیت ہے،امام مالک کے ہاں یہاں لاٹھی سے مراد صرف ہلکی لکڑی ہے جس کو عمدًا قتل کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا،امام ابوحنیفہ کی دلیل قوی ہے کہ یہاں عصا مطلق ہے۔

۳؎ تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل عمدًا میں مقتول کے وارث دیت پر راضی ہوجائیں اور قصاص چھوڑ دیں تو اس کی دیت مغلظ(سخت)ہے اور قاتل کے مال سے ادا کی جائے گی مگر قتل شبہ عمد میں دیت مغلظ(سخت)ہے مگر قاتل کے عصبہ وارث بہ آہستگی ادا کریں گے اور قتل خطاء میں دیت **مخففہ**(ہلکی)ہے جو قتل کے عصبہ وارث بہ آہستگی دیں گے دیت کا ہلکا یا سخت ہونا اونٹوں کی عمر کے لحاظ سے ہوتا ہے۔چنانچہ امام ابوحنیفہ،امام ابویوسف،امام احمد کے ہاں دیت غلیظہ یہ ہے کہ انٹوں کی چار قسمیں کی جائیں:پچیس اک سالہ اونٹنیاں،پچیس دو سالہ،پچیس تین سالہ اور پچیس چار سالہ اور دیت خفیفہ میں ان اونٹنیوں کی پانچ قسمیں کردی جائیں:بیس ایک سالہ،بیس دو سالہ اونٹنیاں،بیس ایک سالہ اونٹ نر،بیس تین سالہ،بیس چار

سالہ اونٹنیاں،یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعارض ہے حضرت ابن مسعود اور حضرت سائب ابن یزید کی حدیث سے لہذا یہ حدیث مشکوک ہے،وہ احادیث متیقن،ہم نے یقینی احادیث کو لیا،اس کی تفصیل یہاں مرقات و اشعۃ اللمعات میں اور کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

	اور اسے ابوداؤد نے ان ہی سے اور حضرت ابن عمر سے روایت کیا اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ حضرت ابن عمر سے مروی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو فرمان عالی لکھا اور اس کتاب میں تھا کہ جس نے کسی مسلمان کو بلاقصور قتل کیا ۲؎ یا تو وہ اپنے ہاتھ کے قصاص میں گرفتار ہوگا مگر یہ کہ مقتول کے وارثوں کو راضی کرے ۳؎ اور اس میں یہ تھا کہ مرد عورت کے عوض قتل کیا جائے گا ۴؎ اور اس میں یہ تھا کہ جان میں دیت ہے سو اونٹ ۵؎ اور سونے والوں پر ہزار دینار ۶؎ اور ناک میں جب پوری کاٹ دی جائے پوری دیت سو اونٹ ہیں ۷؎ اور دانتوں میں دیت ہے ۸؎ اور ہونٹوں میں دیت ہے اور فوطوں میں دیت ہے اور آلہ تناسل میں دیت ہے ۹؎ اور پیٹھ میں دیت ہے ۱۰؎ اور آنکھوں میں دیت ہے ۱۱؎ اور ایک پاؤں میں آدھی دیت ہے ۱۲؎ اور مغز تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے او رپیٹ میں پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے ۱۳؎ اور ہڈی منتقل کردینے والے زخم میں پندرہ اونٹ ہیں ۱۴؎ اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں ۱۵؎ اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں ۱۶؎ (نسائی،دارمی) اور امام مالک کی روایت میں ہے کہ آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں اور ہاتھ میں پچاس اونٹ اور پاؤں میں پچاس اونٹ ۱۷؎ اور ہڈی کھول دینے والے زخم میں پانچ ۱۸؎

۱؎ آپ کا نام محمد ابن ابی بکر ابن عمرو ابن حزم انصاری ہے،صاحب مشکوۃ نے باب الفرائض میں ان کا نام یوں ہی بیان کیا ہے یہاں الٹا فرما گئے،ابوبکر ابن محمد اور محمد ابن ابوبکر تابعی ہیں عمرو ابن حزم صحابی ہیں،ان کا لقب ضحاک ہے،انصاری ہیں،غزوہ خندق میں شریک ہوئے،اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو نجران کا حاکم بنایا۔(مرقات)اشعہ نے اس اختلاف بیان کی اور وجہ بیان فرمائی۔

۲؎ عبت و اعتباط کے معنے ہیں جانور کو بغیر کسی بیماری وغیرہ کے ذبح کردینا،یہاں مراد ہے بلا قصور مسلمان کو قتل کردینا عمدًا یعنی دیدہ ودانستہ۔

۳؎ قود کے معنے ہیں اطاعت و فرمانبرداری اسی لیے مطیع اونٹ کو منقاد کہتے ہیں،اور ہر اطاعت کو انقیاد،اب قصاص کو قوداس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قاتل اپنے کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کردیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ قتل عمد میں قاتل پر قصاص واجب ہے لیکن اگر مقتول کے وارث دیت قبول کرلیں تو دیت ہے اور اگر بالکل معاف کردیں تو نہ قصاص ہے نہ دیت تو یہ بھی کرسکتے ہیں۔

۴؎ اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ قصاص میں عورت و مرد کا فرق نہیں،قاتل مرد ہو مقتولہ عورت یا برعکس قصاص واجب ہے۔

۵؎ کہ قتل عمد میں اگر دیت دی جائے تو سو اونٹ اور قتل خطاء و شبہ عمد میں تو سو اونٹ ہی واجب ہیں کہ ان میں قصاص نہیں ان کی تفصیل ابھی گزر گئی۔

۶؎ یعنی واجب تو سو اونٹ ہی ہیں لیکن اگر وہ قاتل بجائے اونٹ کے دینار دے تو ایک ہزار اشرفیاں دے اگر اونٹ دینے پر قادر ہو جب بھی سونا دے سکتا ہے،یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے،امام مالک کے ہاں سونے والا دینار ہی دے گااونٹ نہ دے گا،امام شافعی کے ہاں اونٹ ہی دے گا سونا نہ دے گا ہاں اگر وارثین مقتول سونا لینے پر راضی ہوجائیں تو سونا دے یہ حدیث مذہب حنفی کی تائید کررہی ہے۔

۷؎ خیال رہے کہ اگر کسی عضو کے کٹ جانے سے نفع یا جمال جاتا رہے تو اس میں پوری دیت واجب ہوتی ہے جان کی دیت کی برابر یعنی سو اونٹ کیونکہ یہ ایک معنے سے جان ضائع کردیتاہے۔

۸؎ یعنی اگر کسی کے تمام دانت توڑ دے تو اس کی پوری دیت سو اونٹ دے گا کہ اس صورت میں منفعت و جمال دونوں ختم کردے۔ایک دانت میں دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ واجب ہیں جو دانت توڑے یا داڑھ یا کیل یہ حکم خطاء توڑنے کا ہے،عمدًا توڑے گا تو قصاص واجب ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ" اگر ایک ایک کرکے سارے دانت توڑ دے تو ان کی دیت سولہ ہزار درہم ہے یعنی جان کی دیت سے زیادہ یہ دانتوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی دیت جان کی دیت سے بڑھ جاتی ہے،ہاں اگر کوئی بچے کے دانت توڑ دے تو چودہ ہزار ہےواجب کہ اس کےاٹھائیس دانت ہوتے ہیں،امام شافعی کے ہاں بیس دانت توڑنے میں پوری دیت ہے زیادہ توڑنے میں زیادتی پر کچھ نہیں۔(مرقات)

۹؎ یعنی اگر کسی کے دونوں ہونٹ یادونوں فوطے یا ذکر کاٹ دیا تو پوری دیت واجب ہے کہ اس صورت میں منفعت پوری ضائع کردی۔

۱۰؎ یعنی اگر کسی کی پیٹھ توڑ دی اور اس کا پانی یعنی منی خشک ہوگئی تو پوری دیت واجب ہے۔
۱۱؎ یعنی اگر دونوں آنکھیں نکال دیں یا پھوڑ دیں تو پوری دیت واجب ہے کہ اس صورت میں دیکھنے کی منفعت بالکل جاتی رہی اگر ایک آنکھ پھوڑ دی آدھی دیت۔زمانہ فاروقی میں ایک شخص نے کسی کو ایسی چوٹ ماری کہ اس کی نظر،سننے کی طاقت،عقل،کلام سب زائل ہوگئی تو حضرت عمر نے اس پر چار دیت لازم کیں۔(مرقات و اشعہ)
۱۲؎ یوں ہی ایک ہاتھ ایک آنکھ ایک کان ضائع کردینے میں آدھی دیت واجب ہے۔
۱۳؎ یعنی اگر پیٹ میں ایسا زخم لگایا جو آر پار ہوگیا یا دماغ میں ایسی چوٹ لگائی کہ زخم ام الدماغ تک پہنچ گیا تو تہائی دیت یعنی ۳۳- ۱/۳ اونٹ واجب ہے۔
۱۴؎ یعنی ایسی چوٹ ماری کہ ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی تو اس میں سے پندرہ اونٹ واجب ہیں،یہ احکام تعبدی ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں۔
۱۵؎ یعنی ہاتھ یا پاؤں کی چھنگلی توڑے یا انگوٹھا سب کی دیت یکساں ہے دس اونٹ چھوٹی بڑی کا اعتبار نہیں۔
۱۶؎ دانت کی دیت کی تفصیل ابھی عرض کی جاچکی ہے،ہر دانت میں پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم واجب ہیں دانت خواہ کوئی سا ہو۔(اشعہ)
۱۷؎ یعنی جو اعضاء بدن میں دو ہیں اگر ان میں سے ایک کو بے کار کردے تو اس پر آدھی دیت ہے،اگر دونوں کو بے کار کردے تو پوری دیت۔
۱۸؎ یعنی اگر ایسا زخم لگایا کہ اس سے کھال و گوشت کٹ گیا ہڈی کھل گئی تو اس میں پانچ اونٹ لازم ہیں۔خیال رہے کہ زبان کاٹ دینے یا داڑھی مونڈ دینے میں پوری دیت یعنی سو اونٹ واجب ہیں۔(اشعہ ومرقات)مگر افسوس کہ اب تو مسلمان خود ہی داڑھیاں منڈاتے ہیں ان سے خود ان کی اپنی داڑھیوں کی دیت کون لے،داڑھی میں مرد کا جمال ہے جس کے زائل کردینے پر پوری دیت واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی کھول دینے والے زخم میں ۱؎ پانچ پانچ اونٹوں کا اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی)اور ترمذی و ابن ماجہ نے پہلی صورت بیان فرمائی ۳؎

۱؎ مواضح جمع ہے **موضحه** کی۔موضحہ وہ زخم ہے جو ہڈی کھول دے اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔
۲؎ یعنی اگر ایک ایک دانت علیحدہ علیحدہ توڑے تو فی دانت پانچ اونٹ واجب ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جہاں فرمایا گیا تھا کہ دانتوں میں پوری دیت یعنی سو اونٹ واجب ہیں کہ وہاں یکدم سارے دانت توڑنا مراد تھا۔
۳؎ یعنی ابن ماجہ وترمذی نے مواضح زخموں کی روایت فرمائی انہوں نے دانتوں کا ذکر نہ کیا،ابھی عرض کیا گیا کہ یہ تمام تفصیل خطاءً توڑدینے میں ہے۔خیال رہے کہ شجاج اور جراحت میں قصاص نہیں،شجاج سر کا وہ زخم جو آر پار نہ ہو،جراحت

باقی جسم کا معمولی زخم جس سے ہڈی نہ کھلے نہ منتقل ہو۔(مرقات)چنانچہ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت حسن وعمر ابن عبدالعزیز سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ سے کم زخم میں کوئی فیصلہ نہ فرمایا،نیز ایسے زخم کے قصاص میں برابری غیر ممکن ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں پاؤں کی انگلیاں برابر قرار دیں ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎یعنی ہاتھ پاؤں کی ہر انگلی کی دیت و خون بہا یکساں ہے دس اونٹ،اگرچہ یہ انگلیاں جوڑ،نام بلکہ خاص کام میں کچھ مختلف ہیں مگر دیت سب کی برابر۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انگلیاں برابر ہیں ۱؎اور دانت برابر ہیں چنانچہ کچلی اور داڑھ برابر ہیں ۲؎یہ اور یہ برابر ہے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎کہ جیسے چھنگلی کاٹ دینے کی دیت دس اونٹ ہے ویسے ہی انگوٹھا کاٹ دینے کی دیت دس اونٹ۔

۲؎عربی میں دانتوں کی چار قسمیں ہیں:سامنے کے چار دانت دو اوپر کے دو نیچے کے ثنایا کہلاتے ہیں،اس کا واحد ثنیہ ہے کہ یہ آپس میں ملے ہوتے ہیں ان کے برابر کے دانت رباعیہ،ان کے برابر کے دانت انیاب ناب کی جمع بمعنی کیل،ان کے بعد اضراس ضرس کی جمع بمعنی داڑھ،اردو میں اگلے چار دانتوں کو چوکڑی ان سے متصل کو کچلی،ان سے متصل کو کیلیں،ان سے متصل کو داڑھ کہا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ دانت چھوٹا ہو یا بڑا دیت فی دانت پانچ اونٹ ہی ہے۔

۳؎یہاں اشارہ انگلیوں کی طرف ہے یعنی یہ چھنگلی اور یہ انگوٹھا دیت میں برابر ہے،انگلیوں کے بھی پانچ نام ہیں:کلمے کی انگلی مسبحہ یا سبابہ کہلاتی ہے،بیچ کی انگلی وسطیٰ،اس سے متصل بنصر،اس سے ملی ہوئی یعنی چھنگلی،خنصر اور انگوٹھا بہام۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا تو فرمایا اے لوگو اسلام میں حلیف بنانا کچھ نہیں ۱؎اور جو حلف زمانہ جاہلیت میں ہوچکا ہو تو اسلام اس کی پختگی ہی بڑھائے گا ۲؎مگر مسلمان آپس میں دوسرے کے مقابل مددگار ہیں ۳؎ کہ ان کا ادنی آدمی امان دے سکتا ہے ۴؎اور ان کا دور کا آدمی غنیمت واپس کرسکتا ہے ۵؎ان کے لشکر ان کے بیٹھے ہوؤں پر رد کریں گے ۶؎نہ قتل کیا جائے مؤمن کافر کے عوض ۷؎اور کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے

آدھی ہے۸ نہ منگانا ہے اور نہ دور لے جانا ان کے صدقات نہ وصول کیے جائیں مگر ان کے گھروں میں ۹ اور ایک روایت میں ہے فرمایا کہ ذمی کی دیت آزاد کی دیت سے آدھی ہے ۱۰(ابوداؤد)	

۱؎ حلف ح کے کسرہ سے ہے بمعنی معاہدہ اسی سے ہے تحالف۔زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ یا بعض قومیں دوسرے لوگوں یا قوموں سے معاہدہ کرلیتے تھے کہ آج تیرا خون میرا خون ہے تیری جان میری جان ہے تیرا مال میرا مال ہے کہ ہم میں سے جس پر حملہ ہو دوسرا مدد کرے یا ہم میں سے جو بھی کسی سے لڑے تو دوسرا امداد دے جس سے صلح کرے دوسرا صلح میں شریک ہو ہر ایک دوسرے کا بعد موت وارث ہوگا میری دیت تو دے گا تیری میں دوں گا میرا بدلہ تو لے گا تیرا میں لوں گا،ایسے لوگوں یا ایسی قوموں کو حلیف کہتے تھے۔شروع اسلام میں اس قسم کے معاہدے جاری رہے کہ ان کے ذریعہ لوگوں کے جان و مال محفوظ تھے ان کے بغیر کوئی شخص یا قوم محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔فتح مکہ کے سال اس کو منسوخ کردیا گیا کہ ملکی حالات بدل چکے تھے لوگوں کے مال و جان محفوظ ہو گئے تھے۔

۲؎ یعنی نئے معاہدے و حلف کرو مت،پچھلے معاہدے پورے کردوکہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اصل حلف اب بھی باقی ہے مگر حلف کی دو چیزیں منسوخ ہوگئیں ایک میراث کہ یہ رشتہ داروں کو ملے گی نہ کہ حلیف کو اور ایک تناصر کہ اپنے حلیف کی ظلم پر مدد کرنا کہ اگرچہ وہ ظالم ہو اس کو مدد دینا،یہ ممنوع ہے۔(مرقات)بہرحال مظلوم کی اعانت پر معاہدہ اچھا ہے،قتل و غارت ڈکیتی ظلم پر معاہدہ سخت جرم ہے۔اس جملہ آخری کا یہ ہی مطلب ہے کہ جاہلیت کے معاہدہ کا اتنا حصہ باقی ہے کہ مظلوم کی اعانت ہودوسرا حصہ ممنوع۔

۳؎ یعنی اسلام خود ایک حلف و معاہدہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان مظلوم کی مدد کرے،اسلام نے مشرقی مغربی جنوبی شمالی مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا کر ان میں عالمگیر اخوت پیدا فرمادی،اس سے بہتر کون سا حلف ہے اور کون سا معاہدہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّمَا الْمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ"۔

۴؎ یعنی اگر معمولی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو تمام مسلمانوں پر اس کی امان کا احترام لازم ہے کہ پھر اسے نہ قتل کریں نہ لوٹیں۔خیال رہے کہ بحالت جنگ اگر سپہ سالار اعلان کردے کہ بغیر میری اجازت کسی کافر کو امان نہ دی جائے تو پھر کسی سپاہی وغیرہ کو امان دینے کا حق نہیں ورنہ پھر تو کفار نواز مسلمان تمام کفار کو امان دے کر مسلمانوں کو تباہ کرادیں گے۔

۵؎ دوران جنگ اگر لشکر اسلام بحالت جنگ غنیمت حاصل کرے تو اس غنیمت میں اس لشکر کا بھی حصہ ہوگا جو یہاں سے دور ہے کہ وہ ان کی پشت و پناہ تھا،اس کا یہ مطلب نہیں کہ کفار سے چھنا ہوا مالِ غنیمت معمولی مسلمان واپس کرسکتا ہے کہ غنیمت تو تمام غازیوں کی ملک ہوچکی ہے۔

۶؎ یعنی جنگ کرنے والا لشکر جو غنیمت حاصل کرے گا اس میں اس لشکر کا بھی حصہ دے گا جوان کفار کے ملک میں بیٹھا ہوا ہے اگرچہ جنگ نہ کررہا ہے کیونکہ یہ لشکر ان مجاہدوں کی پشت و پناہ ہے بوقت ضرورت ان کی مدد کرتا،قعدہ کے معنے ہیں بیٹھے ہوئے سپاہی مورچوں میں۔

۷؎ احناف کے نزدیک یہاں کافر سے مراد کافر حربی ہے یعنی حربی کافر کو اگر مسلمان قتل کرآئے یا قتل کرڈالے تو اس پر قصاص نہیں،امام شافعی کے ہاں ذمی و مستامن کافر کو قتل کردینے پر بھی مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا ان کے ہاں کافر سے مراد مطلقًا کافر ہے مگر امام اعظم کا فرمان قوی ہے،حضور ذمی کفار کے متعلق فرماتے ہیں فدماء هم کدماءنا ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں۔

۸؎ امام مالک و احمد کے ہاں کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے یعنی پچاس اونٹ،امام شافعی کے ہاں تہائی ہے یعنی ۳۳-۱/۳ اونٹ مگر امام اعظم کے ہاں پوری دیت ہے سو اونٹ،امام اعظم کی دلیل وہ ہی حدیث ہے فدماء هم کدماءنا۔حضرت ابوبکروعمر و عثمان نے ذمی کی دیت ہزار دینار دلوائی یعنی پوری دیت،حضرت علی نے فرمایا کہ ذمی کفار نے جزیہ اسی لیے دیا کہ ان کا خون ہمارے خون کی مثل ہوجائے۔دارقطنی نے ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت صدیق و فاروق یہودی عیسائیوں کی دیت مسلم مقتول کے برابر دلواتے تھے،ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں ربیعہ ابن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ حضرت ابوبکروعمر و عثمان نے کفار ذمیوں کی دیت مسلمان کے برابر رکھی،حضرت معاویہ نے اپنی شروع امارت میں یوں ہی کیا پھر بعد میں آپ نے آدھی دیت مقتول کے وارثوں کو دلوائی اور آدھی بیت المال میں داخل فرمائی۔(مرقات و اشعہ)ابن ابی شیبہ نے علقمہ،مجاہد،عطاء،شعبی،نخعی،زہری وغیرہم سے یہ ہی روایت کی کہ ذمی کافر کی دیت مسلم کے برابر ہے،یہ حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)

۹؎ اس کی شرح کتاب الزکوۃ میں گزرچکی کہ عامل نہ تو یہ کرے کہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور مال والوں کے جانوروغیرہ وہاں ہی منگاکر ان کی زکوۃ وصول کرے نہ مال والے عامل کی خبر سن کر اپنے مال دور بھیج دیں تاکہ عامل کو زکوۃ وصول کرنے میں دشواری ہو بلکہ مال و جانور اپنی جگہ رہیں عامل وہاں ہی پہنچ کر زکوۃ وصول کرے۔

۱۰؎ یعنی ذمی غلام کی دیت آزاد ذمی یا آزاد مسلمان کی دیت سے آدھی ہے لہذا یہ فرمان امام اعظم کے خلاف نہیں کہ غلام کی دیت آزاد سے آدھی ہوتی ہے اور اگر معاہد سے مراد ذمی آزاد ہے تو اس کے جواب وہ ہی ہیں جو ابھی گزر گئے۔

	روایت حضرت خشف ابن مالک سے ۱؎ وہ حضرت ابن مسعود سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاء کی دیت میں یہ فیصلہ فرمایا کہ بیس یک سالہ اونٹنیاں ۲؎ اور بیس یک سالہ نراونٹ اور بیس دو سالہ اونٹنیاں اور بیس تین سالہ اور بیس چار سالہ ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی) صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن مسعود پر موقوف ہے ۴؎ اور خشف مجہول آدمی ہیں صرف اس حدیث سے پہچانے گئے ہیں ۵؎ اور شرح سنہ میں یوں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مقتول کی دیت صدقہ سے سو اونٹ دیئے اور صدقہ کے اونٹوں کی عمروں میں کوئی ایک سالہ نر اونٹ

نہیں ہوتا اس میں دو سالہ اونٹ ہی ہوتے ہیں۶	

۱؎ آپ طائی ہیں،تابعی ہیں،اپنے والد اور حضرت عمر اور ابن مسعود سے روایات لیتے ہیں،نسائی نے آپ کو ثقہ کہا۔(مرقات)**خشف** خ کے کسرہ اور ش کے سکون سے ہے۔

۲؎ لفظ بنت مخاض کبھی نر و مادہ دونوں اونٹوں پر بولا جاتا ہے مگر یہاں مادہ یکسالہ اونٹنی مراد ہے کیونکہ نر کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے قتل خطاء کی دیت سو اونٹ ہیں مگر پانچ حصوں سے جو یہاں مذکور ہیں، امام شافعی کے ہاں بھی پانچ ہی حصے ہیں مگر ان کے ہاں بجائے بیس ابن مخاض کے بیس ابن لبون ہیں یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔

۴؎ **الحمدللہ**! کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث موقوف کو صحیح مانا ہے اور اس قسم کی موقوف حدیث حکم میں مرفوع حدیث کے ہے کیونکہ تعداد و مقدار اپنی رائے سے نہیں مقرر کی جاسکتی ضرور حضرت ابن مسعود نے یہ تعداد حضور سے سن کر بیان فرمائی ہے۔

۵؎ **خشف** ہرگز مجہول نہیں کیونکہ یہ خشف اپنے والد مالک طائی و ابن مسعود سے روایت لیتے ہیں اور جب ان سے یہ حدیث مروی ہوئی تو اگرچہ وہ مشہور تو نہ ہوئے مگر مجہول بھی نہ رہے،نیز خشف کی توثیق نسائی،ابن حبان،زید ابن جبیر حسمی اور ابن معین نے کی ہے۔(مرقات)بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ خشف ابن مالک نے حضرت عمر اور ابن مسعود سے احادیث سنی ہیں،نیز جب یہ حدیث موقوفًا صحیح ہے تو مرفوعًا یہ حرج مضر نہیں۔

۶؎ مقصد یہ ہے کہ خطاء کی دیت میں ابن مخاض نہ چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر جب کہ ایک مسلمان خیبر میں شہید کیا گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہ لگا تھا تو مقتول کی دیت سو اونٹ بیت المال سے ادا فرمائی تھی مقتول کے وارثوں کو اور مسئلہ فقہیہ ہے کہ اونٹ کی زکوۃ میں ابن مخاض لیا جاتا ہی نہیں تو اگر دیت میں ابن مخاض یعنی یک سالہ نر اونٹ ہوتا تو آپ زکوۃ کے اونٹ سے کیسے ادا فرماتے کہ یہ تو زکوۃ اونٹ میں ابن مخاض ہوتا ہی نہیں مگر اس دلیل پر دو بحث ہیں:ایک یہ کہ یہ دیت نہ تھی محض کرم و مہربانی تھی ورنہ دیت قاتل پر ہوتی ہے نہ کہ بیت المال پر،وہاں قاتل کا پتہ لگا ہی نہ تھا پھر دیت کیسی۔دوسرے یہ کہ وہاں خیبر میں قتل خطاءً نہ ہوا تھا قتل عمدًا تھا اور واقعی قتل عمد کی دیت میں ابن مخاض نہیں لیا جاتا ہماری گفتگو قتل خطاء کی دیت میں ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سو اونٹ فقراء کی تملیک کے بعد دیت میں دیئے تھے ورنہ صدقہ و زکوۃ کے اونٹ فقراء کا حق ہے یہ دیت میں نہیں دیئے جاتے۔(از مرقات مع زیادۃ)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت کی قیمت آٹھ سو اشرفیاں یا اٹھ ہزا درہم تھے ۱؎ اور اس زمانہ میں اہلِ کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت سے آدھی تھی ۲؎ فرماتے ہیں کہ یوں	

	ہی رہا حتی کہ حضرت عمر خلیفہ بنے تو خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا کہ اونٹ مہنگے ہوگئے ۳؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے سونے والوں پر ایک ہزار اشرفیاں اور چاندی والوں پر بارہ ہزار ۴؎ اور گائے والوں پر دوسو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور جوڑے والوں پر دوسو جوڑے مقرر فرمائے ۵؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ذمیوں کی دیت یونہی چھوڑی جیسے اور دیت بڑھائی تھی ان کی نہ بڑھائی ۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایک اونٹ کی قیمت آٹھ دینار تھی لہذا سو اونٹ آٹھ سو دینار کے ہوئے،دینار دس درہم کا ہوتا ہے درہم قریبًا چار آنہ کا تو دینار ڈھائی روپیہ کا ہوا۔

۲؎ اس کی بحث ابھی ہوچکی کہ یہاں اہل کتاب سے مراد غلام کتابی ہے اور مسلمان سے مراد آزاد مسلمان ہے یعنی غلام کافر کی دیت آزاد مسلمان سے آدھی تھی کیونکہ غلام کی دیت آزاد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے لہذا یہ خبر اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ذمیوں کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا **فدماء ھم کدماءنا** ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح ہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت تین چیزوں سے ادا ہوسکتی ہے یا سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم امام شافعی کا پہلا قول تو یہ ہی تھا مگر ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دیت میں اصل تو اونٹ ہیں باقی درہم و دینار اونٹ کی قیمت کے برابر ہوں گے یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

۳؎ بعض روایات میں صرف غلت ہے بغیر شد کے،یہ غلاء سے بنا ہے بمعنی قیمت چڑھ جانا اسی لیے مہنگی چیز کو غالی اور سستی کو رخیص کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب اونٹوں کی قیمت زیادہ ہوگئی۔ **قال** کا فاعل عمرو ابن شعیب کے دادا عمرو ابن عاص ہیں،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

۴؎ یعنی حضرت عمر نے دیت میں سو اونٹ کی قیمت بجائے آٹھ سو دینار کے ایک ہزار دینار لگائی اور چاندی کے بجائے آٹھ ہزار درہم کے دس ہزار لگائی کیونکہ اب سو اونٹوں کی یہ ہی قیمت تھی ایک اونٹ دس دینار کا یا ایک سو بیس درہم کا۔خیال رہے کہ دیت میں ایک ہزار اشرفیاں واجب ہیں یادس ہزار درہم کیونکہ ایک اشرفی دس درہم کی ہوتی ہے یہاں بارہ ہزار وہ درہم ہیں جو دس ماشہ کے ہوتے ہیں،یہ درہم ہزار دینار میں بارہ ہزار ہوتے ہیں لہذا حدیث میں تعارض نہیں درہم مختلف قیمت کے ہیں۔

۵؎ خیال رہے کہ بعض اماموں نے فرمایا کہ دیت میں سو اونٹ واجب ہیں اور اگر دینار یا دراہم سے دیت دینا ہے تو جو اس وقت سو اونٹ کی قیمت ہو وہ دی جائے مگر ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیت،اونٹ،سونے،چاندی سے ادا کی جائے یا سو اونٹ دیئے جائیں یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم،امام مالک کے ہاں حکم یہ ہے کہ اگر قاتل دیہاتی ہے جانوروں والا تو سو اونٹ دلوائے جائیں،اگر شہری اور اس شہر میں سونے کا سکہ چلتا ہے تو ہزار دینار دلوائے جائیں اور اگر شہر میں چاندی کے سکہ کا عام رواج ہے تو بارہ ہزار درہم دلوائے جائیں،امام احمد اور صاحبین کا قول ہے کہ دیت

اونٹ،سوناچاندی،گائے،بکری،جوڑے سب سے ادا کی جاسکتی ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،امام ابوحنیفہ کی دلیل بیہقی کی روایت ہے جو یہاں مرقات نے نقل فرمائی لہذا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر قاتل نے مقتول کے وارثوں سے بکریوں یا جوڑوں یا گایوں میں کم و بیش پر صلح کرلی تو درست ہے،صاحبین کے ہاں درست نہیں۔

۶؎ لہذا ذمیوں کی دیت وہ ہی چار سو دینار یا چار ہزار درہم وہی اس حساب سے ذمی کی دیت چاندی سے مسلمان کی دیت سے تہائی ہوئی،یہ ہی بعض علماء کا قول ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے تہائی ہے،ہمارے ہاں مسلمان و ذمی دونوں کی دیت برابر ہے ہماری دلیل وہ حدیث ہے **فدماءھم کدماءنا** الخ یعنی مسلمان اور ذمی کافروں کے خون و مال کا یکساں حکم ہےاسی لیے اگر کوئی مسلمان ذمی کافر کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے دیت بارہ ہزار فرمائی۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،درامی)	

۱؎ یعنی چاندی سے بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے،پہلے آٹھ ہزار درہم کا ذکر ہوا وہ درہم سات مثقال والے تھے یہ چھ مثقال والے،درہموں کی قیمتوں مالیتوں میں فرق ہوتا ہے۔آج ہم نے خود دیکھا کہ عراق دینار کی قیمت گیارہ ریال چار قرش سعودی ہے اور اردنی فلسطینی دینار کی قیمت بارہ ریال بارہ قرش قیمت مدینہ منورہ کے صرافہ سے اس سال ہم نے خود دونوں دینار خریدے کیونکہ ہم نے اردن فلسطین و عراق کا سفر کرنا تھا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گاؤں والوں پر خطاء کی دیت کی قیمت چار سو اشرفیاں یا ان کے برابر چاندی لگاتے تھے۱؎ اور یہ قیمت اونٹ کی قیمت پر تھی پھر جب اونٹ مہنگے ہوجاتے تو ان کی قیمت میں زیادتی فرمادیتےاور جب سستے ہوجاتے ۲؎ تو ان کی قیمت میں کمی فرمادیتے۳؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیمت چار سو اشرفیوں سے آٹھ سواشرفیوں کے درمیان رہی اوراس کے برابر چاندی آٹھ ہزار درہم فرماتے ہیں۴؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریوں کا فیصلہ فرمایا ۵؎ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دیت مقتول کے وارثوں کے درمیان میراث ہے ۶؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبہ وارثوں کے	

	درمیان ہے ۷؎ اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ۸؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ عدل ع کے فتح اور کسرہ سے بمعنی برابر اور ہم قیمت یعنی چارسو دینار یا اس کے برابر اور ہم قیمت درہم۔

۲؎ ہاجت ھج سے بنا بمعنی ظہور،رخص بمعنی ارزانی یعنی جب اونٹوں میں ارزانی ظاہر ہوتی اور انکی قیمت گر جاتی۔

۳؎ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ دیت صرف اونٹ سے ہے اگر کسی اور چیز سے ادا کی جائے تو اونٹ کی ہی قیمت کا لحاظ ہوگا،یہ ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا پرانا قول تھا جس سے انہوں نے رجوع فرمالیا۔

۴؎ عمرو ابن شعیب کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص۔

۵؎ یہ جملہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل ہے کہ دیت صرف اونٹ یا سونے چاندی سے نہیں بلکہ گایوں بکریوں سے بھی ہوتی ہے یہ اختلاف ہم ابھی پچھلی حدیث کی شرح میں عرض کرچکے ہیں وہاں مطالعہ فرمایئے۔

۶؎ یعنی دیت کا مال جو قاتل کی طرف سے وصول ہوگا وہ مقتول کے ورثاء کو بقدر میراث ملے گا جیسے اس کے دوسرے اموال میراث تھے۔

۷؎ اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ قاتلہ عورت پر جو دیت واجب ہوگی وہ اس کے عصبہ وارث ادا کریں گے جیسے قاتل مرد کی دیت کا حال ہے۔دوسرے یہ کہ مقتولہ عورت کی دیت جو قاتل کی طرف سے وصول ہوگی وہ اس مقتولہ کے واثوں میں بقدر میراث تقسیم ہوگی جیسے مقتول مرد کی دیت کا حال ہے۔غرضکہ مسئلہ دیت میں عورت بالکل مرد کی طرح ہے۔خیال رہے کہ یہ آزاد مردوعورت کا ذکر ہے غلام و لونڈی کا یہ حکم نہیں،قاتل غلام و لونڈی کی دیت ان کے مال فروخت کرکے انکی قیمت سے ادا کی جائے گی اس کے رشتہ دار ورثاء سے وصول نہ کی جائے گی،یوں ہی مقتول غلام ولونڈی کی دیت ان کا مالک وصول کرے گا نہ کہ اس کے رشتہ دار ورثاء لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۸؎ یہ اسلام کا قانون کلی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے عزیز قرابتدار کو قتل کردے تو وہ اس کی میراث سے یکسر محروم ہے۔چند چیزیں محرومی کا سبب ہیں:اختلاف دین،غلامیت اور قتل،کفار کے لیے اختلاف دارین یعنی ملکوں کا اختلاف بھی۔اس کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب "علم المیراث" کا مطالعہ فرمایئے۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ عمد کی دیت عمد کی دیت کی طرح سخت ہے ۱؎ اور قاتل کو قتل نہ کیا جائے گا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ قتل شبہ عمد کی تعریف اور اس کے احکام فصل ثانی کے شروع میں بیان ہوچکے کہ ارادۃً ایسی چیز سے قتل کرنا جو قتل کے لیے نہ بنی ہو شبہ کہلاتا ہے مثلًا کسی کو قچی یعنی چھڑی کوڑے سے مار ڈالنا شبہ عمد ہے اور دیت کا مغلظ یا مخفف یعنی سخت و ہلکا ہونااونٹوں کی عمر کے لحاظ سے ہوتا ہے،قتل عمد کی دیت سخت ہے اور قاتل کے مال سے فورًا دلوائی جائے گی قتل شبہ عمد کی دیت ہے تو سخت مگر قاتل کے عصبہ وارثوں سے تین سال کی مدت میں دلوائی جائے گی،یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

۲؎ یعنی قتل عمد کے سوا دوسرے قتل خطاء اور قتل شبہ عمد میں قاتل کو قتل نہ کیا جاوے گا بلکہ دیت ہی واجب ہوگی،موجودہ حکومتیں بھی قتل خطا میں پھانسی نہیں دیتیں جرمانہ دلوادیتی ہیں،،دن رات موٹروں سے آدمی ہلاک ہوتے رہتے ہیں ڈرائیوروں کو پھانسی نہیں ہوتی۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنکھ کے بارے میں جو اپنی جگہ قائم رہے تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی اگر کسی نے کسی کی آنکھ پر ایسی چوٹ ماری جس سے آنکھ کی بینائی تو جاتی رہی مگر وہ آنکھ اپنی جگہ ویسے ہی قائم رہی جیسے پہلے تھی حتی کہ آنکھ کی شکل نہ بگڑی جیسا کہ سادۃ سے معلوم ہوا۔اس صورت میں اس مارنے والے پر تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا،پہلے گزرچکا کہ دونوں آنکھیں نکال دینے میں پوری دیت واجب ہے یعنی سو اونٹ اور آنکھ میں آدھی دیت ہے یعنی پچاس اونٹ مگر یہاں تہائی دیت یعنی ۳۳ اونٹوں کا ذکر ہوا،اولًا تو یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں سواء اسحاق کے کسی نے اس پر عمل نہ کیا،اگر صحیح بھی ہو تو یہاں حکم شرعی کا ذکر نہیں بلکہ ایک خصوصی واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک اسی قسم کا مجروح حاضر بارگاہ ہوا تو چونکہ اس کی آنکھ اپنی جگہ قائم بھی تھی اور درست بھی تھی صرف روشنی جاتی رہی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اس طرح مصالحت کرادی کہ اگر یہ مجروح شخص غلام ہوتا تو اس چوٹ سے اس کی تہائی قیمت کم ہوجاتی لہذا تو اسے تہائی دیت دے کر آپس میں مصالحت کرلے لہذا یہ خصوصی واقعہ ہے قاعدہ شرعیہ نہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ نصوص دیت والی کے مخالف نہیں۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن عمرو سے ۱؎ وہ ابوسلمہ سے ۲؎ وہ ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچے بچے کے متعلق ۳؎ غلام یا لونڈی ۴؎ یا گھوڑے یا خچر ۵؎ کا فیصلہ فرمایا۔(ابوداؤد)فرمایا یہ حدیث حماد ابن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد ابن عمرو سے ۶؎ روایت کی اور گھوڑے کا ذکر نہ فرمایا ۷؎

۱؎ محمد ابن عمرو ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب،آپ تابعی ہیں،حضور جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے ان سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ آپ اپنی کنیت میں مشہور ہیں،عبدالرحمن ابن عوف کے بھتیجے ہیں،زہری ہیں،قریشی ہیں،مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں،تابعین میں سے ہیں،حضرت ابن عباس،ابوہریرہ،عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے ملاقات ہے،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۳؎ یعنی اگر کوئی کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ایسی چوٹ مار دے جس سے اس کے پیٹ کا بچہ گر جائے۔

۴؎لفظ غرہ کے لغوی معنے ہیں چمک دار چیز پھر ہر اعلیٰ چیز کو غرہ کہا جانے لگا اب غرہ سے مراد انسان ہوتا ہے کیونکہ وہ اشرف المخلوقات ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" یہاں غرہ مبدل منہ ہے اور عبد او امة بدل۔

۵؎امام نووی شارح مسلم نے اور مرقات شرح مشکوۃ نے اس جگہ فرمایا کہ حدیث امة پر ختم ہوگئی۔لفظ فرس اوربغل کی زیادتی عیسیٰ ابن یونس راوی کیطرف سے ہے یہ زیادتی باطل محض ہے کیونکہ لفظ غرہ صرف انسان پر بولا جاتا ہے گھوڑے خچر وغیرہ کو غرہ نہیں کہتے۔

۶؎حماد ابن سلمہ علماءبصرہ میں بڑے پائے کے عالم ہیں،حمید طویل کے بھانجہ ہیں،حضرت شعبہ امام مالک ابن مبارک اور وکیع کے استاذ حدیث ہیں،۱۶۷ھ میں وفات پائی اور خالد واسطی طحان حافظ حدیث بہت متقی پرہیزگار ہیں آپ نے تین باراپنے وزن کی چاندی خیرات کی۔(اشعۃ اللمعات)

۷؎یہ زیادتی شاذ ہے اور یہ حدیث ضعیف۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علاج کرے اور اس کو علم طب معلوم نہ ہو تو وہ ضامن ہے ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎یعنی جو شخص علم طب نہ رکھتا ہو اور یوں ہی کسی کا علاج کرے جس سے مریض ہلاک ہوجائے تو اس کا حکم قتل خطاء کا ہے کہ اس کے وارث عصبات پر دیت خطاء واجب ہوگی قصاص نہ ہوگا کیونکہ اس نے اراداۃً قتل نہ کیا بلکہ مریض کا علاج بھی اس کے کہنے پر کیا۔فی زمانہ ہر شخص بیمار کو دوا بتاتا ہے اس سے احتیاط چاہیے،اس حدیث سے سبق لازم ہے،علاج میں انسانی جان کی ذمہ داری ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ فقیروں کے ایک غلام ۱؎ نے امیروں کے ایک غلام کا کان کاٹ لیا اس کے والی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۲؎ بولے ہم لوگ تو فقیر ہیں تو ان پر حضور نے کچھ نہ مقرر فرمایا ۳؎(ابوداؤد،نسائی) ۴؎	

۱؎یہاں غلام سے مراد یا تو نابالغ آزاد بچہ یا نابالغ مدبر غلام جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا یعنی ایک ایسا آزاد بچہ جس کے عصبہ وارث فقیرومساکین تھے دیت نہیں دے سکتے تھے یا ایسا غلام مدبر جس کے مولیٰ وارث فقراء تھے اس نے ایک ایسے لڑکے یا غلام کا کان کاٹ دیا جس کے عصبہ وارث یا مولے امیر تھے اور یہ مقدمہ بارگاہ رسالت میں دائر ہوا۔

۲؎یعنی مظلوم نے یا اس کے وارثوں نے دعویٰ دائر کردیا،ظالم اور اس کے وارث جواب دعویٰ کے لیے حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم غلام کے مولیٰ یا ظالم بچہ کے عصبہ وارثو ں پر دیت لازم فرمادی کیونکہ اگرچہ عمدًا کان کاٹا گیا

تھا مگر بچہ کا ارادہ کامل نہیں اسی لیے قاتل بچہ پر قصاص نہیں بلکہ اس کے وارث عصبہ پر دیت واجب ہوتی ہے اس عمد کا حکم خطا کا ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ظالم نابالغ غلام نہ تھاورنہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت سے دیت دلوائی جاتی،غلام کی دیت اس کی قیمت سے ادا کی جاتی ہے بلکہ یا تو آزاد تھا یا غلام تھا تو مدبر تھا جو ناقابل فروخت ہوتا ہے جس کی دیت مولیٰ پر ہوتی ہے،یہ بھی معلوم ہواکہ اگر مجرم کے وارث عصبات فقراء ہوں تو دیت بھی واجب نہیں ہوتی بلکہ وہاں مظلوم سے معافی دلوادی جاتی ہے۔

۴؎ امام شمنی فرماتے ہیں کہ بچہ،دیوانہ،بے ہوش مخبوط الحواس کا عمد بھی خطاء ہے کہ اس کے قتل عمد پر قصاص نہیں،بیہقی نے حضرت علی مرتضٰی سے روایت کی ان **عمدالمجنون والصبی خطاء**۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے انہوں نے فرمایا کہ شبہ عمد کی دیت تہائی کے حساب سے ہے۳۳ حقہ ۱؎ اور ۳۳ جزعہ اور ۳۴ ثنیہ ۲؎ بازل عام تک ۳؎ جو سب کی سب حاملہ ہوں۴؎ اور ایک روایت میں ہے کہ خطاء میں ۵؎ چار حصہ فرماکر پچیس حقہ پچیس جزعہ اور پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎ قتل شبہ عمد کی صورت ابھی پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ بالارادۂ قتل ناقابل قتل آلہ سے ہلاک کرنا شبہ عمد ہے جیسے پتچی وغیرہ سے قتل،اس کی دیت سخت ترین یعنی سو اونٹ مگر ان کے تین حصہ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے خفیف دیت ۴ حصہ والی دیت نہیں جو کہ قتل خطاء میں ہوتی ہے۔

۲؎ اونٹ کا تین سالہ بچہ حقہ کہلاتا ہے کہ اب وہ سواری کا حقدارولائق ہوگیا اور چار سالہ بچہ جو پانچویں سال میں داخل ہوجائے جزعہ ہے اور پانچ سالہ بچہ جو چھٹے سال میں داخل ہوجائے ثنیہ۔

۳؎ اونٹ کا آٹھ سالہ بچہ جو نویں سال میں داخل ہوجائے بازل کہلاتا ہے،اس کی بعد اس کی عمر کا کوئی نام نہیں۔بازل بنا ہے بزل سے بمعنی کمال اورقوت،چونکہ اس عمر میں اونٹ کی کیلیں نکل آتی ہیں اور وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتا ہے اس لیے اسی بازل کہتے ہیں اس کے بعد اسے بازل عام اور بازل عامین وغیرہ کہتے ہیں۔

۴؎ **کلھا** کی ضمیر تثنیہ کی طرف ہے یعنی یہ۳۴ ثنیہ کل حاملہ اونٹنیاں ہوں جن کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حقہ حاملہ نہیں ہوتی۔

۵؎ یعنی اگر کوئی شخص کسی کو خطاءً قتل کردے تو اس کی دیت قتل شبہ عمد سے ہلکی ہوگی کہ سو اونٹ تو واجب ہوں گے مگر تین کی بجائے چار حصہ ہوکر دیت کا ہلکا بھاری ہونا اونٹوں کی عمر کے لحاظ سے ہوتاہے۔

۶؎ اونٹ کے عمر کے لحاظ سے چھ نام ہیں ایک سالہ اونٹنی بنت مخاض،دو سالہ بنت لبون،تین سالہ حقہ،چار سالہ جزعہ،پانچ سالہ ثنیہ اور آٹھ سالہ بازل عام،پھر اس کے بعد کوئی نام نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں بازل عام،بازل عامین اور بازل ثلث اعوام وغیرہ،یعنی قتل خطاء میں قاتل وارثوں پر سو اونٹ لازم ہوں گے جو مقتول کے وارثوں کو دیئے جائیں گے مگر ان کے چار حصہ ہوں گے پچیس ایک سالہ اونٹنیاں اورپچیس دو سالہ،پچیس تین سالہ،پچیس چار سالہ۔

	روایت ہے حضرت مجاہد سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ حضرت عمر نے شبہ عمد میں تیس جزعہ اور چالیس خلفہ کا فیصلہ فرمادیا جو عمر میں ثنیہ اور بازل کے درمیان ہوں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ مجاہد ابن جبر ہیں،کنیت ابو حجاج عبداللہ ابن سائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں،مکہ معظّمہ کے مشہور عالم و قاری و فقیہ و محدث ہیں،اپنے زمانہ میں تفسیر کے امام مانے جاتے تھے،بہت جماعت محدثین آپ کی شاگرد ہے۔اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر آپ کے گھوڑے کی رکاب تھاما کرتے تھے،۱۰۰ھ؁ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ حدیث حضرت امام شافعی کی دلیل ہے ان کے ہاں قتل شبہ عمد کی دیت اسی طرح واجب ہوتی ہے بہرحال شبہ عمد کی دیت میں صحابہ کرام کا عمل مختلف رہا ہے ابھی پچھلی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم اس کے خلاف گزرا۔

	روایت ہے حضرت سعیدابن مسیب سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیٹ کے بچے میں جو اپنی ماں کے پیٹ میں قتل کردیا جائے ۲؎ ایک غلام یا لونڈی کی پیشانی کا فیصلہ فرمایا ۳؎ تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ اس کا تاوان کیونکر دیں جس نے نہ کھایا پیا نہ گفتگو کی اور نہ چیخ ماری ان جیسی چیزیں ضائع کی جانی چاہیے ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کاہنوں کے بھائیوں سے ہے ۵؎ مالک نسائی ارسالًا ۶؎

۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی مخزومی مدنی ہیں،خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے،حدیث،فقہ،عبادت تقویٰ کے جامع تھے،بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات ہے،چالیس حج کیے، ۹۳ھ؁ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی حاملہ عورت کو مارا گیا جس سے اس کا پورا کچا بچہ گر گیا یا پختہ بچہ تھا جو پیٹ میں مر گیا پھر گر گیا کیونکہ باہر آکر مرے تو پوری دیت سو اونٹ واجب ہوتی ہے۔(اشعہ و مرقات)

۳؎ یعنی قاتل کے وارثوں پر لازم فرمایا کہ جس عورت کا بچہ گر گیا ہے اس کو ایک غلام یا لونڈی دیں جس کی قیمت پانچ سو درہم تھی یعنی پچاس دینار،ہر دینار دس درہم کا یہ تفسیر اس لیے کی گئی کہ حضرت عبداللہ ابن بریدہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے پانچ درہم واجب فرمائے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت زید اسلم سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے ایسے معاملہ میں پچاس دینار کا فیصلہ فرمایا لہذا تینوں روایات درست ہیں۔خیال رہے کہ بچہ لڑکا ہو یا لڑکی حکم یہ ہی ہوگا اگر ماں بھی مرجائے تو ماں کی دیت سو اونٹ لازم ہوگی۔

۴؎ اس کا مقصد یہ تھا کہ دیت تو جان کی ہوتی ہے اور یہ گرا ہوا بچہ بالکل بے جان ہے کہ پیدا ہوکر چیخا بھی نہیں،کھایا پیا بھی نہیں پھر یہ دیت کیوں واجب ہوئی،گویا اس نے نص کا مقابلہ عقل سے کیا یہ قیاس باطل ہے کہ نص کے مقابل ہے۔

۵؎ یعنی یہ کاہنوں کا بھائی ہے کہ اپنی عقل تیز زبانی مقفّٰے عبارت سے نص شرعی کا مقابلہ کررہا ہے تو جیسے کہانت بری چیز ہے ایسے ہی اس کا یہ
قول برا ہے۔

۶؎ کیونکہ حضرت سعید ابن المسیب تابعی ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا صحابی کا ذکر نہ کیا اسی کا نام ارسال ہے۔

	اور ابوداؤد نے انہیں سعید ابن مسیب سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے متصلًا روایت کیا ۱؎

۱؎ لہذا یہ روایت مرسل نہیں بلکہ متصل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر آگیا۔خیال رہے کہ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر بچہ زندہ گر کر مرے تو اس کی دیت پوری ہے یعنی سو اونٹ مگر اس میں اختلاف ہے کہ بچے کی زندگی ثابت کس چیز سے ہوتی ہے ہم احناف کے ہاں رونا،دودھ چوسنا،سانس لینا،چھینکنا علامات زندگی ہیں،ہاں صرف بعض اعضاء کا حرکت کرنا علامت زندگی نہیں مگر امام شافعی کے ہاں صرف رونا علامت زندگی ہے،دلائل فریقین کے اسی جگہ مرقات میں مذکور ہیں۔

باب مالایضمن من الجنایات

باب ان جرموں کا جن کا ضمان نہیں دیا جاتا۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جنایات جنایۃ کی جمع ہے مادہ جنیٌ ہے بمعنی حادثہ،اسی سے جنی الثمر یعنی درخت سے پھل لینا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپایہ کا زخم باطل ہے ۱؎ اور کان باطل ہے اور کنواں باطل ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ عجماءٌ اعجم کا مؤنث ہے بمعنی گونگا یعنی جو کلام وبات نہ کرسکے،عرب لوگ دیگر ملکوں کو عجم کہتے ہیں کہ وہ کلام پر قادر نہیں۔یہاں چوپایہ مراد ہے جیسے گھوڑا،گدھا،بھینس،گائے وغیرہ یعنی اگر کوئی شخص کسی کے چوپایہ سے زخمی ہوجائے تو اس کا ضمان چوپایہ والے پر واجب نہیں خواہ چوپایہ لات مار دے یا سینگ یا پاؤں سے روند دے،نیز اگر اس کے معمولی چلانے سے سوار گرکر چوٹ کھا جائے تو بھی چلانے والے پر ضمان نہیں خواہ دن میں یہ واقعہ ہو یا رات میں،یہ ہی احناف کا قول ہے،امام شافعی کے ہاں اگر رات کو کسی کا جانور کھل جائے اور کسی کو نقصان پہنچائے تو اس پر ضمان ہے،نیز اگر کھلا جانور کسی کا کھیت خراب کردے تب بھی یہ ہی اختلاف ہے،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

۲؎ یعنی اگر کسی کی کان یا کسی کے کنویں میں کوئی شخص یا جانور گر کر ہلاک ہوجائے تو کان اور کنویں والے پر تاوان نہیں بشرطیکہ کنواں اس نے اپنی زمین میں کھدوایا ہو اور بیچ راہ میں نہ ہو اگر مباح زمین میں کھودا جب بھی یہ ہی حکم ہے۔

روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیّہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کیا ۲؎ اور میرا ایک مزدور تھا ۳؎ وہ ایک شخص سے لڑا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا ۴؎ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے کاٹنے والے سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کی ثنیہ گرادی ۵؎ وہ گر گئی تو یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۶؎ آپ نے اس کی ثنیہ باطل فرمادی اور فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تو اونٹ کی طرح چباتا

	۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ تمیمی حنظلی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین،طائف اور تبوک میں شریک ہوئے،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں رہے اسی میں شہید ہوئے ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نجران کا حاکم مقرر کیا تھا۔

۲؎غزوۂ تبوک کا نام جیش عسرۃ ہے یعنی تنگی والا لشکر کیونکر اس غزوہ میں گرمی سخت تھی اور لشکر کے پاس کھانا پانی بہت ہی کم۔تبوک خیبر سے پانچ سو کیلو میٹر ہے،یہ گنہگار خیبر کی زیارات سے مشرف ہوا مگر تبوک پر سے ہوائی جہاز میں سوار گزر گیا،خیبر مدینہ منورہ سے ایک سو ساٹھ کیلو میٹر ہے،چھ کیلو کے ہمارے۴ میل ہوتے ہیں،اس غزوہ کے موقعہ پر حضرت عثمان نے اس لشکر کو بہت سامان دیا اور مجہز جیش عسرۃ کا لقب پایا جنت خرید کی،اسی غزوہ میں مسلمانوں نے درختوں کے پتے کھائے اور اونٹ سے پانی حاصل کیا۔(اشعہ)

۳؎جو مزدوری پر میرے ساتھ اس جہاد میں گیا تھا۔

۴؎یا اس مزدور نے اس شخص کا یا اس شخص نے اس مزدور کا۔

۵؎یعنی کاٹنے والے نے اس زور سے اس کے ہاتھ میں اپنے دانت گڑھادیئے تھے کہ جب اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو ثنیہ گر گئی۔خیال رہے کہ انسان کے سامنے کے دانت رباعیہ کہلاتے ہیں یعنی چوکڑی اوران کے متصل دائیں بائیں جو دانت ہیں وہ ثنیہ کہلاتے ہیں۔

۶؎اور دعویٰ کیا کہ میرے دانت کی دیت دلوائی جائے کیونکہ اس نے میرا دانت گرادیا۔

۷؎مقصد یہ ہے کہ اس نے تیرا دانت توڑا نہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لیے اور اپنے کو بچاتے ہوئے تیرے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا اس لیے وہ ظالم نہیں بلکہ ظالم تو ہے کہ تو نے اسے کاٹا لہذا اس کی کوئی دیت نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبرًا زنا کرنا چاہے اور وہ عورت اپنے بچاؤ کے لیے اسے قتل یا زخمی کردے تو اس پر کچھ قصاص یا دیت نہیں،اسی طرح اگر کوئی کسی کا مال یا جان جبرًا لینا چاہے اور وہ اپنے دفاع کے لیے اسے ہلاک کردے تب بھی یہ ہی حکم ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص اپنے مال کی وجہ سے مار دیا جائے وہ شہید ہے۱؎ (مسلم،بخاری)۲؎

۱؎یعنی چور یا ڈاکو یا کسی اور ظالم نے اس کا مال چھیننا چاہا اس نے دفاع کے طور پر اس سے جنگ کی اور مارا گیا تو یہ شخص شہید ہوگا کہ ظلمًا قتل ہوا ہے۔

۲؎اس حدیث کو ابن حبان،ترمذی،نسائی،ابوداؤد نے بھی حضرت سعید ابن زید کی روایت سے نقل فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص حاضر ہوا بولا یارسول اللہ فرمایئے اگر کوئی شخص آئے اور میرا مال لینا چاہے۱؎تو فرمایا اسے اپنا مال نہ دے ۲؎وہ بولا حضور فرمادیں اگر وہ مجھ سے جنگ کرے فرمایاتو اس

	سے جنگ کر۳؎ عرض کیا فرمایئے اگر وہ مجھے قتل کردے فرمایا تو شہید ہے ۴؎ عرض کیا فرمایئے اگر میں اسے قتل کردوں فرمایا وہ دوزخ میں ہوگا۵؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ناحق لینا چاہے غصب یا چوری یا ڈکیتی سے اور جو حق لینا چاہے تو ضرور دے دے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ یعنی اس صورت میں اسے اپنا مال نہ دے کیونکہ اپنے کو ظلم سے بچانا اچھا ہے،اسی طرح سود،رشوت، مالی،جرمانہ میں اپنا مال نہ دے کہ یہ تمام صورتیں ممنوع ہیں۔خیال رہے کہ یہ نہی حرمت کی نہیں،نیز حالت مجبوری اس سے مستثنٰی ہے،یہ بھی خیال رہے کہ اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لیے رشوت دینا جائزہے اور کسی پر ظلم کرانے کے لیے حرام مگر رشوت لینا بہرحال حرام ہے۔اس کی تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یہ حکم بھی اجازت و اباحت کا ہے وجوب کا نہیں لہذا اگر کوئی شخص اس حالت میں جنگ نہ کرے تو مجرم نہیں۔

۴؎ کیونکہ تو مظلوم ہے اور ظلمًا مقتول شہید ہے۔

۵؎ یعنی نہ تو گنہگار ہے نہ تجھ پر قصاص یا دیت ہے بلکہ اب تو حکومتیں ایسے بہادری سے مار دینے والوں کو انعام اور تمغے دیتی ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر کوئی تیرے گھر میں جھانکے ۱؎ اور تو نے اسے اجازت نہ دی ۲؎ پھر تو اسے کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ دروازے کے جھرونکوں سے یا دیوار پر چڑھ کر یا اونچے مکان والا نیچے مکان والے کو تاکے جھانکے،یہ جملہ ان سب صورتوں کو شامل ہے۔

۲؎ یعنی اگر تو نے اسے گھر میں آنے کی اجازت دے دی بعد اجازت وہ جھانکتا ہے تو وہ مجرم نہیں کہ آنے کی اجازت دیکھنے کی بھی اجازت ہے،اسی طرح اونچے مکان والا نیچے والوں سے اجازت لے کر چڑھا ہے،اگر بغیر اجازت چڑھے تو نیچے والوں کے پردہ کا ضرور خیال رکھے نگاہ نیچے رکھے۔

۳؎ امام شافعی اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرماتے ہیں اور اس صورت میں اس کی آنکھ کا ضمان مطلقًا واجب نہیں فرماتے۔بعض امام فرماتے ہیں کہ اگر منع کرنے کے باوجود وہ تاکتا ہے تو اس کی آنکھ کا ضمان نہیں،امام اعظم فرماتے ہیں کہ بہرحال ضمان ہے،یہ فرمان عالی تاک جھانک سے سخت ممانعت کے لیے ہے یا اس میں گناہ کی نفی ہے دیت وغیرہ کی نفی نہیں،بہت دفعہ گناہ نہیں ہوتا مگر ضمان ہوجاتا ہے جیسے قتل خطاء قرآن کریم فرماتاہے:"اَلْعَیْنَ بِالْعَیْنِ"معلوم ہوا کہ آنکھ کے عوض آنکھ پھوڑی جائے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎ کہ ایک شخص

سوراخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے میں جھانکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلائی تھی ۲؎ جس سے آپ اپنا سر مبارک کھجارہے تھے تو فرمایا اگر میں جانتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں یہ سلائی تیری آنکھ میں گھونپ دیتا۳؎ طلب اجازت نگاہ کی حفاظت ہی کے لیے تو مقرر کی گئی ہے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ انصاری ساعدی ہیں،آپ کا نام شریف حزن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر سہل رکھا،آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں،مدینہ پاک میں انتقال ہوا۔

۲؎ سرمہ لگانے کی یا سر کی مانگ نکالنے کی جیساکہ صراح میں ہے۔

۳؎ یعنی اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ تو ارادۃً تاک جھانک رہا ہے تو اس سلائی سے تیری آنکھ پھوڑ دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر قصدوارادہ اگر کسی کے گھر نظر پڑ جائے تو گناہ نہیں جیسے گزرتے ہوئے اتفاقًا کسی کے کھلے دروازہ میں نظر پڑ جائے۔(مرقات)

۴؎ یعنی بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا وہاں بلا اجازت داخل ہوجانے کی طرح ہے جیسے وہ ممنوع ہے ایسے ہی یہ ممنوع کہ اس میں گھر والوں کی بے پردگی ہے۔اس عبارت سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ فرمان عالی ڈانٹ ڈپٹ جھڑک کے لیے ہےآنکھ پھوڑ دینے کی اجازت کے لیے نہیں کیونکہ کسی کے گھر میں بلا اجازت چلے جانے پر اس کا قتل یا آنکھ پھوڑ دینا جائز نہیں کردیتا،جیسے جان جان کے عوض ہے ایسے ہی آنکھ آنکھ کے عوض"اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ"لہذا مذہب احناف بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ کہ انہوں نے ایک شخص کو کنکر پھینکتے دیکھا۲؎ تو فرمایا کنکر نہ پھینک کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع فرمایااور فرمایا کہ نہ تو اس سے شکار ہوتا ہے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے ۳؎ لیکن یہ کسی کا دانت توڑ دیتی ہے اور آنکھ پھوڑ دیتی ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ مزنی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اولًا مدینہ منورہ میں رہے پھر بصرہ میں خواجہ حسن بصری اور العالیہ وغیرہم نے آپ سے احادیث لیں،۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی یونہی بطور شغل کنکر وغیرہ پھینکتے دیکھا جیساکہ بعض لڑکوں کی عادت ہے۔

۳؎ یعنی یہ کام عبث بھی اور نقصان دہ بھی اس کا فائدہ کوئی نہیں۔

۴؎ لہذامضر ہےاور مضر چیز سے بچنا ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے کہ جب تم سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار میں گزرے۱ اور اس کے پاس تیر ہوں۲ اس کے پیکان (نوک) کو تھام لے۳ ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے کچھ لگ جائے ۴(مسلم،بخاری)

۱یعنی مسلمانوں کے بازار یا مسجد سے گزرے جہاں مسلمانوں کا مجمع ہو،مسلمانوں کا ذکر یا تو احترام کے لیے ہے یا کفار حربی کے بازاروں کو نکالنے کے لیے کہ حربی کفار کو زخمی کردینا جائز بلکہ ثواب ہے۔خیال رہے کہ حربی کفار کا اور حکم ہے اور ذمی مستامن کفار کا حکم کچھ اور ہے،یہاں بازارومسجد کا ذکر ہے مگر مراد تمام اجتماعات ہیں جیسے منیٰ،عرفات،مزدلفہ،عرس اور میلے وغیرہ۔

۲نبل بمعنی تیر،یہ جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں،سھم کے معنے بھی تیر ہیں جمع سھام۔

۳نصال جمع ہے نصل کی،نصل تیر کی نوک کو کہتے ہیں جس کے نیچے پر ہوتے ہیں یہ نہایت تیز ہوتی ہے یہ ہی شکار وغیرہ کے جسم میں پیوست ہوجاتی ہے،تھام لینے سے مراد ہے اس پر ہاتھ رکھ لینایا کوئی غلاف وغیرہ چڑھا دینا۔

۴ان یصیب میں ان کے بعد لا پوشیدہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاہ عام کی چیزوں میں مسلمانوں کو نفع پہنچانے یا مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کی نیت کرے اگرچہ دوسری قومیں بھی فائدہ اٹھالیں لہذا مسافر خانہ،ہسپتال،سایہ دار درخت،کنواں وغیرہ ان سب میں یہ ہی نیت ہونی چاہیے گو ان سے نفع سب اٹھائیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ نہ کرے۱ کیا خبر شاید شیطان اس کے ہاتھ میں کھینچے۲ تو یہ آگ کے گڑھے میں گر جائے ۳(مسلم،بخاری)

۱نہ لڑتے وقت نہ ہنسی دل لگی میں کہ بری چیز کی دل لگی بھی بری ہے۔

۲یعنی ہوسکتا ہے کہ اس کا ارادہ مارنے کا نہ ہو مگر اتفاقًا لگ جائے اور سامنے والا مرجائے ایسے واقعات بہت دیکھے گئے ہیں کہ مذاق دلی میں پستول کا اشارہ کیا وہ چل گیا اور سامنے والے کو گولی لگی جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔خدا کی پناہ!

۳اس طرح کہ یہ اس کا قاتل بن جائے اور دوزخ میں جائے۔معلوم ہوا کہ ایسا قتل بھی عذاب نار کا ذریعہ ہے اور ایسے قاتل پر تاوان بھی ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرے۱ تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں ۲ حتی کہ اسے رکھ دے اگرچہ اس کا سگا بھائی ہو ۳ (بخاری)

۱؎خواہ ڈرانے دھمکانے کے لیے خواہ مذاق میں۔لوہے سے مراد قتل کا ہر ہتھیار ہے تلوار چھری،آج کل پستول بندوق وغیرہ۔
۲؎یا تمام فرشتے یا حافظین فرشتے یا کاتبین یا سائرین جو ذکر الٰہی کی تلاش میں زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں۔
۳؎یعنی ظاہر ہے کہ کوئی اپنے سگے بھائی کو قتل نہیں کرتاتو اس پر ہتھیار اٹھانا یقینًا ڈرانے یا مذاق کے لیے ہوگا مگر یہ بھی لعنت کا باعث ہے یا مطلب یہ ہے کہ سگے بھائی پر ہتھیار اٹھانا لعنت کا باعث ہے تو اجنبی پر ہتھیار اٹھانے کا کیا پوچھنا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا۱؎وہ ہم میں سے نہیں ۲؎(بخاری)اور مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ جو ہم سے ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎

۱؎ہم سے مراد امت رسول اللہ ہے،یہ حضور کا کرم کریمانہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے کو شامل فرمایاعلینا جمع ارشاد فرمارہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور ہتھیار اٹھانے سے مراد مطلقًا اٹھانا ہے خواہ ظلمًا قتل کے لیے خواہ مذاق دل لگی کے طور پر۔
۲؎یعنی ہماری جماعت سے نہیں یا ہمارے اہل طریقہ و اہل سنت سے نہیں لہذا اس سے کفر مراد نہیں۔
۳؎ملاوٹ سے مراد ہے یا چیز کا عیب چھپا کر فروخت کردینا یا اصل میں نقل ملا دینا غرضکہ ہر کاروباری دھوکہ مراد ہے۔اور غشنا میں ضمیر متکلم سے مراد سارے مسلمان ہیں اہل عرب یا اہل مدینہ یعنی جس نے مسلمانوں کو یا اہل عرب کو اہل مدینہ کو دھوکہ دیا وہ ہماری جماعت سے نہیں،ترمذی اور احمد نے حضرت عثمان سے روایت کی من غش العرب لم یدخل فی شفاعتی ولم تنله مؤدتی جس نے عرب کو دھوکہ دیا وہ میری شفاعت نہ پائے گا اور اسے میری محبت نہ پہنچے گی۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہم پر تلوار سونتے وہ ہم میں سے نہیں ۲؎(مسلم)

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،آپ کی کنیت ابو مسلم ہے اسلمی مدنی ہیں،بڑے بہادر صحابی ہیں،اسی ۸۰ سال عمر ہوئی،۷۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
۲؎یعنی جو شخص کسی مسلمان پر تلوار سونت لے اگرچہ اس کے قتل کا ارادہ نہ بھی کرے تب بھی مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کا سا کام نہ کیا،مسلمان پر ظلمًا ہتھیار اٹھانا بھی حرام ہے۔خیال رہے کہ اس جیسی تمام احادیث میں ظلمًا ہتھیار اٹھانا مراد ہے ورنہ بعض صورتوں میں مسلمان کا قتل واجب ہوجاتاہے جیسے باغی،خارجی،ڈاکو،قاتل،زانی۔

روایت ہے حضرت ہشام ابن عروہ سے ۱؎ وہ اپنے باپ سے راوی ۲؎ کہ ہشام ابن حکیم ۳؎ شام میں کچھ کسان آدمیوں پر گزرے ۴؎ جو دھوپ میں کھڑے کیے گئے تھے اور ان کو سروں پر تیل ڈالا گیا تھا ۵؎ تو آپ نے کہا یہ کیا ہے ؟ کہا گیا یہ لوگ ٹیکس کے بارے میں عذاب دیئے جارہے ہیں تو ہشام نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یقینًا اللہ تعالٰی ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔ ۶؎ (مسلم) ۷؎	

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں، حضرت حسین کی شہادت کے سال آپ کی ولادت ہے، ۱۴۶ھ میں وفات پائی، حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

۲؎ ان کا نام عروہ ابن زبیر ابن عوام، آپ بھی تابعی ہیں، مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے آپ بھی ہیں، حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق آپ کی والدہ ہیں حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے صائم الدھر تھے، ۹۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۳؎ آپ ہشام ابن حکیم ابن حزام قرشی اسدی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے، آپ کے والد حکیم ابن حزام ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں، ان کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی واقعہ فیل سے تیرہ برس قبل، ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی، ۵۴ھ میں وفات پائی، ساٹھ سال کفر میں گزارے اور ساٹھ سال اسلام میں، زمانہ جاہلیت میں آپ نے سو ۱۰۰ غلام آزاد کیے۔ (مرقات)

۴؎ نبط یا نبیط بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں کے باشندے عمومًا کسان تھے اس لیے اب ہر کسان کو نبطی کہہ دیتے ہیں۔

۵؎ یعنی حاکم نے ان غریبوں کو تیز دھوپ میں کھڑا کرکے ان کے سروں پر گرم تیل ڈالا تھا تاکہ ٹیکس ادا کردیں یا بقیہ ٹیکس دے دیں۔

۶؎ یعنی اب کھولتا پانی، گرم تیل ان سے عذاب دینا حرام ہے کیونکہ یہ عذاب آخرت میں کفار کو رب تعالٰی دے گا کوئی بندہ کسی کو خدا کا عذاب نہ دے۔

۷؎ اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، بیہقی نے بھی عیاض ابن حکم سے روایت کیا اور ابوداؤد، ترمذی، حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا **لاتعذبوا بعذاب اللہ** کسی کو خدا کا عذاب نہ دو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریب ہے اگر تمہاری عمر دراز ہوئی ۱؎ تم ایسی قوم دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسی چیز ہوگی ۲؎ صبح کریں گے اللہ کے	

	غضب میں اور شام کریں گے اللہ کے غضب میں۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ شام کریں گے اللہ کی پھٹکار میں ۴؎(مسلم)

۱؎یہ خطاب یا حضرت ابوہریرہ سے ہے یا کسی اور صحابی سے ہے حضرت ابوہریرہ سن رہے تھے۔
۲؎یعنی چمڑہ کے کوڑے جس سے وہ لوگوں کو ماریں گے مگر ناحق یا حکام کے دروازوں پر یہ کوڑے لیے بیٹھے ہوں گے تاکہ لوگوں کو مار مار کر وہاں سے ہٹائیں،کسی کو فریاد کرنے کے لیے حکام تک نہ پہنچنے دیں گے۔(مرقات)
۳؎یعنی ہر وقت اللہ کے غضب میں رہیں گے۔صبح شام وقت کے دو کنارے ہیں ان کناروں کا ذکر فرمایا مراد ہر وقت ہے جیسے آل فرعون کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے"اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا"ایسا ہی یہاں ہے۔
۴؎کیونکہ اس قسم کے لوگ دیوانے کتوں کی طرح ہیں جو مخلوق خدا کو ستاتے ہیں لہذا خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے مخلوق کو ستانا رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو قسم کے دوزخی لوگ وہ ہیں جنہیں ہم نے دیکھا نہیں۱؎ایک وہ قوم جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے ۲؎جن سے لوگوں کو ماریں گے اور دوسری وہ عورتیں جو پہن کر ننگی ہوں گی ۳؎مائل کرنے والیاں مائل ہونے والیاں ۴؎ ان کے سر موٹی اونٹنیوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے ۵؎وہ نہ جنت میں جائیں نہ اس کی ہوا پائیں ۶؎حالانکہ اس کی ہوا اتنی اتنی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے ۷؎(مسلم)

۱؎یعنی ایسے ظالم فاسق لوگ ہمارے زمانہ میں پیدا نہ ہوں گے بلکہ ہمارے بعد ہوں گے،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والے لوگوں کے اعمال کی خبر دے رہے ہیں۔
۲؎ظلمًا ماریں گے حق پر کوڑے مارنا درست ہے،رب تعالٰی کنوارے زانی کے متعلق فرماتاہے:" فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وٰحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ"اور پاکدامن عورت کو تہمت لگانے والوں کے متعلق فرماتاہے:" فَاجۡلِدُوۡہُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَۃً"۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظالم حکام یا ان کے کارندے کوڑھے ساتھ لیے پھریں گے بات بات پر لوگوں

کو اس سے مارا کریں گے،کسی نے انہیں سلام نہ کیا یا ان کی تعظیم کے لیے نہ اُٹھایا ان کے ظلم کی تائید نہ کی اسے بے تحاشہ پیٹ دیا۔خدا کی پناہ!

۳؎یعنی جسم کا کچھ حصہ لباس سے ڈھکیں گی اور کچھ حصہ ننگا رکھیں گی یا اتنا باریک کپڑا پہنیں گی جس سے جسم ویسے ہی نظر آئے گا یہ دونوں عیوب آج دیکھے جارہے ہیں یا اللہ کی نعمتوں سے ڈھکی ہوں گی شکر سے ننگی یعنی خالی ہوں گی یا زیوروں سے آراستہ تقویٰ سے ننگی ہوگی۔

۴؎یعنی لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی یا دوپٹہ اپنے سر سے .برقعہ اپنے منہ سے ہٹا دیں گی یا اپنی باتوں یا گانے سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی،خود ان کی طرف مائل ہوں گی یہ سب باتیں آج دیکھنے میں آرہی ہیں،قربان ان نگاہوں کے جو قیامت تک کے واقعات دیکھ رہی ہیں،نیچی نظریں کُل کی خبریں۔

۵؎اس جملہ مبارک کی بہت تفسیریں ہیں بہتر تفسیر یہ ہے کہ وہ عورتیں راہ چلتے شرم سے سر نیچا نہ کریں گی بلکہ بے حیائی سے اونچی گردن سر اٹھائے ہرطرف دیکھتی،لوگوں کو گھورتی چلیں گی جیسے اونٹ کے تمام جسم میں کوہان اونچی ہوتی ہے ایسے ہی ان کے سر اونچے رہا کریں گے،یہ حدیث پڑھو اور آج کل کی عورتوں کودیکھو،یہ اس غیب داں محبوب کی غیبی خبریں ہیں۔شعر

ابن مالک کو دی بشارت تاج اے مرے غیب داں ترے صدقہ

۶؎یہاں لایجدن اور لایدخلن میں دونوں جماعتیں مراد ہیں کوڑے والے ظالموں کی جماعت اور ان بے حیا عورتوں کی جماعت۔مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کا خاتمہ ایمان پر ہو بھی گیا تب بھی وہ اولًا جنت میں نہ جائیں گی،وہاں سے دور رہیں گی اپنی ان حرکتوں کی سزا دوزخ میں بھگتیں گی اگرچہ بعد میں ایمان کی وجہ سے جنت میں پہنچ جائیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،یا مطلب یہ ہے کہ جو ان کاموں کو حلال جان کر یہ کرے وہ کافر ہے پھر جنت میں کیسے جائے یا مطلب یہ ہے کہ پاکدامن عورتوں کی طرح اولًا جنت میں نہ جائیں گی۔

۷؎اتنی اتنی سے مراد بہت دراز مسافت ہے مثلًا سو سال کی راہ یا اس سے بھی زیادہ ان احادیث کو اس باب میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو بے پردگی کی بنا پر کوئی شرعی حد نہ لگے گی حاکم چاہے تو تعزیر کے طور پر سزا دے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے لڑے تو چہرے سے بچے ۱؎ کہ اللہ تعالٰی نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی کسی کو لڑائی میں چہرے پر نہ مارو اگر چہ کافر سے ہی جہادکرو کہ اسے قتل کردو مگر اس کا چہرہ نہ بگاڑو، اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ زانی کے چہرہ پرکوڑا نہ مارو،اپنی اولاد خادم کو قصور پر سزا دو تو چہرے پر نہ مارو۔

۲؎یعنی اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا کہ تمام مخلوق میں سے اسے حسین و جمیل بنایا،خود فرماتاہے:"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ"لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اللہ تعالٰی تو صورت سے پاک ہے پھر اس کی صورت

کیسی یا یہ اضافت شرف کے لیے ہے جیسے بیت اللہ یا ناقۃ اللہ۔بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو صورت رحمان پر پیدا فرمایا،اگر وہ حدیث صحیح ہو تو اس کا مطلب بھی یہ ہی ہوگا۔خیال رہے کہ انسان اللہ تعالٰی کی بڑی کامل مخلوق ہے اسے رب نے سننے دیکھنے بولنے اور سوچنے سمجھنے کی طاقت بخشی،اگر یہ ترقی کرے تو فرشتوں سے افضل ہوجائے اگر نیچے گرے تو ابلیس سے بدترین ہوجائے اور اس کی ساری قوتیں سر اور چہرے میں جمع ہیں اس لیے اس پر مارنے سے منع فرمایا گیا،اسی جگہ مرقات نے بہت نفیس تقریر کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے پردہ کھولا پھر گھر میں نظر ڈالی اس سے پہلے کہ اسے اجازت دی جائے پھر گھر والوں کا ستر دیکھ لیا تو اس نے ایسی سزا کا کام کیا جو کرنا اسے درست نہ تھا۱اور جب کہ اس نے نظر ڈالی تو کوئی سامنے آگیا اور کسی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو میں اسے شرم نہ دلاؤں گا۲اور اگر کوئی شخص بے پردہ دروازے کھلے پر گزرے پھر دیکھ لے تو اس پر گناہ نہیں ۳خطاء تو صرف گھر والوں پر ہے ۴(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۵

۱یعنی جو شخص کسی کے گھر کے دروازے کا لٹکا ہوا پردہ یا بند کواڑ بغیر صاحب خانہ کی اجازت کے کھولے اور گھر میں جھانک لے جس سے گھر کی چھپی چیزیں یا چھپی عورتیں یا کسی مرد کا ستر دیکھ لے تو اس نے بدترین گناہ کیا،کہ حق اللہ بھی تلف کیا حق العبد بھی برباد کیا۔

۲یعنی اس آنکھ پھوڑ دینے والے کو نہ تو کوئی سزا دوں گا نہ ملامت کروں گا کیونکہ یہاں قصور اس جھانکنے والے کا ہے۔اس مسئلہ کی تحقیق اور اس کے متعلق آئمہ دین کا اختلاف پہلے بیان ہوچکا کہ احناف کے نزدیک یہ فرمان عالی ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے ورنہ اس آنکھ پھوڑنے والے سے آنکھ کا قصاص ضرور لیا جائے گا،رب تعالٰی نے فرمایا:"اَلْعَیْنَ بِالْعَیْنِ"آنکھ تو آنکھ کے بدلے میں پھوڑی جاسکتی ہے نہ کہ تانک جھانک کے عوض۔

۳یعنی اب اس دیکھنے والے پر یہ جرم نہیں جو ابھی مذکور ہوا اگرچہ نیچی نگاہ رکھنا بہتر ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ گھر کا دروازہ بلاضرورت کھلا رکھنا گناہ ہے یہ جب ہے جب کہ دروازے کے آگے یا پیچھے پردہ کی دیوار نہ ہوکہ اس صورت میں دروازہ کھلا رہنے سے گھر والوں کی بے پردگی ہوتی ہے اس کا بہت خیال چاہیے لوگ اس سے غافل ہیں۔

۵؎ یہ حدیث احمد اور ترمذی نے بھی انہی راوی سے کچھ فرق کے ساتھ نقل فرمائی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ننگی تلوار لی دی جائے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی تلوار ایک دوسرے کو میان میں دینا چاہیے،ننگی تلوار کے لین دین میں کسی کو لگ جانے کا خطرہ ہے یہ نہی تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت ننگی تلوار کا لین دین بلاکراہت درست ہے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ دو انگلیوں کے درمیان تسمہ کاٹا جائے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب جوتے کے لیے تسمہ کاٹنا ہو احتیاط سے کاٹو پاؤں یا ہاتھ کی دو انگلیوں میں چھڑا لے کر کاٹنا ممنوع ہے کہ اس میں ہاتھ پاؤں کی گاہی کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے۔سبحان اللہ! کیسے رحیم و کریم نبی ہیں کہ اپنی امت کے بھلے کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں،یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے اور شفقت کی بنا پر۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے دین کے لیے شہید کیا گیا تو وہ شہید ہے ۱؎ اور جو اپنے خون کے لیے قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے اور جو اپنے مال کے لیے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کے لیے قتل کیا گیا وہ شہید ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی کفار نے اس پر یا اس نے کفار پر حملہ کیا اور یہ مارا گیا یا کسی کلمہ گو بے دین سے کسی دینی مسئلہ میں اس سے لڑائی ہوگئی اور یہ مارا گیا تو شہید ہے۔

۲؎ اس طرح کہ کوئی ظالم اسے قتل کرنے یا اس کے گھر والوں کی بے حرمتی کرنے یا اس کا مال چھیننے آیا،یہ شخص اپنی جان،عزت،مال کی حفاظت کے لیے ان کے مقابل ہوا اور مارا گیا تو یہ بھی شہید ہے کہ ظلمًا مارا گیا ہے اور اگر اس نے اس ظالم کو مار ڈالا کیونکہ بغیر قتال اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی تو اس پر اس قتل کی وجہ سے قصاص یا دیت نہیں بلکہ موجودہ حکومتیں ایسی صورت میں بہادری کا انعام دیتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دوزخ کے سات دروازے ہیں ۱؎ ان	

	میں سے ایک دروازہ اس کے لیے ہے جو میری امت پر تلوار سونتے ۲؎ یا فرمایا محمد مصطفیٰ کی امت پر (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابوہریرہ کی حدیث کہ پاؤں ۳؎ ساقط ہے باب الغصب میں ذکر کی گئی ہے ۴؎

۱؎ قرآن کریم فرماتا ہے:"لَهَا سَبْعَةُ اَبْوٰبٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ"دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے مجرموں کی خاص جماعت ہے لہذا یہ جماعت اس قرآنی آیت سے مؤید ہے اور نہایت درست ہے۔

۲؎ یعنی ظلمًا قتل کرنے کے لیے کسی مسلمان پر تلوار اٹھائے اور یہ دروازہ بمقابلہ دوسرے دروازوں کے زیادہ خطرناک ہوگا کہ یہ جرم بھی سخت ہے۔

۳؎ کہ اگر کسی کا گدھا یا گھوڑا کسی کو لات مار کر زخمی یا ہلاک کردے تو گھوڑے گدھے کے مالک پر تاوان نہیں،یوں ہی اگر کسی کی گائے بھینس سینگ مارکر زخمی کردے اس کا بھی یہ ہی حکم ہے اور اگر کسی کا کتا کسی کو کاٹ کر زخمی کردے تو اس کا یہ حکم نہ ہونا چاہیے کیونکہ بلاضرورت کتا پالنا ہی ممنوع ہے اور ایسے ظالم کتے کو آزاد چھوڑنا سخت ہے،ضرورۃً کتا پالا جائے تو اسے باندھ کر رکھے۔واللہ ورسولہ اعلم!

۴؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی مگر ہم نے مناسبت کا خیال کرتے ہوئے یہ حدیث باب الغصب میں بیان کردی۔

باب القسامة

قسم لینے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ قسامت کے لغوی معنے ہیں قسم کھانا یا قسم لینا مگر احناف کے نزدیک قسامت کے معنی شرعی یہ ہیں کہ کسی محلّہ میں کوئی مقتول پایا گیا قاتل کا پتہ نہیں چلتا تو مقتول کے ورثاء اس محلّہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لیں ہر ایک یہ قسم کھائے کہ نہ ہم نے اسے قتل کیا ہے نہ ہم کو قاتل کا پتہ ہے،ان پچاس آدمیوں کے چننے میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہوگا کہ محلّہ میں جن سے چاہیں قسم لیں مگر آزاد عاقل بالغ مردوں سے قسم لیں۔خیال رہے کہ قسامت کے بعد قصاص کسی پر واجب نہ ہوگا،بلکہ دیت واجب ہوگی خواہ مقتول کے وارث قتل عمد کا دعویٰ کریں یا قتل خطاء کا،نیز قسم صرف ملزمین پر ہوگی مقتول کے ورثاء پر نہ ہوگی جیساکہ تیسری فصل میں آرہا ہے یا مقتول کے ورثاء دو عینی گواہ پیش کریں ورنہ ملزمین قسمیں کھائیں،قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا جسے اسلام نے بھی باقی رکھا۔قسامت کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں اور اسی جگہ لمعات،اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حصرت رافع ابن خدیج ۱؎ اور سہل ابن حثمہ سے ۲؎ انہوں نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ ابن سہل ۳؎ اور محیصہ ابن مسعود دونوں خیبر پہنچے تو وہ دونوں باغات میں متفرق ہو گئے ۴؎ عبداللہ ابن سہل قتل کردیئے گئے تو عبدالرحمٰن بن سہل اور خویصہ اور محیصہ یعنی مسعود کے بیٹے ۵؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے ساتھی کے معاملہ میں انہوں نے گفتگو کی ۶؎ تو عبدالرحمٰن نے ابتداء کی اور تھے یہ ساری قوم میں چھوٹے تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا بڑے کا بڑا پن رکھو ۷؎ یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں مقصد یہ تھا کہ بڑا گفتگو کرے ۸؎ چنانچہ انہوں نے بات چیت کی ۹؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے آپس کی پچاس قسموں سے اپنے مقتول کے یا فرمایا اپنے ساتھی کے مستحق ہوسکتے ہو ۱۰؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایسا واقعہ ہے جسے ہم نے دیکھا نہیں ۱۱؎ تو فرمایا پھر یہود اپنی پچاس پچاس قسموں کے ذریعہ تم سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے ۱۲؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کافر قوم ہے ۱۳؎ تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فدیہ دیا ۱۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم لوگ پچاس قسمیں کھالو اپنے قاتل کے حق دار ہوجاؤ یا ساتھی کے ۱۵؎ پھر اس کا فدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹنیاں دیں ۱۶؎ (مسلم،بخاری) اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،حارثی انصاری ہیں،بدر میں بہت چھوٹے تھے اس لیے شریک نہ ہوئے،پھر غزوہ احد اور باقی غزوات میں شریک ہوئے،غزوہ بدر میں آپ کو تیر لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تیرے اس زخم کی گواہی دوں گا،اس وقت زخم اچھا ہوگیا،پھر یہ ہی زخم عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں جاری ہوگیا،اس سے آپ کی وفات ہوئی،۳۷ھ میں چھیاسی سال عمر پائی مشہور صحابی ہیں۔(مرقاۃ)

۲؎ آپ بہت کم عمر صحابی ہیں، ۳ھ میں ولادت ہے۔

۳؎ آپ بھی انصاری حارثی ہیں،عبدالرحمٰن ابن سہل کے بھائی اور محیصہ کے بھتیجے ہیں،آپ ہی خیبر میں قتل کیے گئے۔

۴؎ سیروتفریح کے لیے خیبر گئے اور وہاں باغوں میں متفرق ہوگئے ایک کسی باغ میں چلا دوسرا کسی اور باغ میں۔فقیر نے خیبر کی سیر اور زیارات کی ہیں،وہاں اب بھی سات قلعہ ہیں اور باغات تو بہت ہی ہیں اہل مدینہ وہاں تفریح کے لیے جاتے ہیں،مدینہ طیبہ سے تبوک و عمان کے راستہ پر ایک سو ساٹھ کیلومیٹر ہے،اب وہاں تک بلکہ تبوک تک سڑک پختہ ہے۔

۵؎ عبدالرحمان ابن سہل تو مقتول عبداللہ ابن سہل کے بھائی تھے اور حویصہ و محیصہ مقتول کے چچا زاد تھے۔

۶؎ یعنی گفتگو کرنا چاہیے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۷؎ یعنی تم میں جو سب سے بڑے ہیں انہیں پہلے گفتگو کرنے دو پھر تم کچھ کہنا،بڑے حویصہ تھے۔(مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب ہر حال میں چاہیے اور عمر کی بڑائی بھی معتبر ہے،بڑائی بہت سی قسم کی ہوتی ہے:رشتہ کی بڑائی،علم کی بڑائی،تقویٰ کی بڑائی،عمر کی بڑائی،یہاں عمر کی بڑائی مراد ہے۔

۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ حدودوقصاص کے مقدمہ میں کسی کو ذلیل کرنا جائز ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤکل کی موجودگی میں بھی وکیل کام و کلام کرسکتا ہے کیونکہ عبدالرحمٰن ابن سہل تو اس مقتول کے حقیقی بھائی تھے یہ ہی ولی مقتول تھے،یہ ہی مدعی تھے،حویصہ اور محیصہ چچازاد تھے یہ ولی مقتول نہ تھے بلکہ اب مدعی کے وکیل ہوئے۔

۹؎اس طرح کہ بڑے نے بات چیت کی مقدمہ پیش کیا چونکہ وکیل کا کام مؤکل کا کام ہوتا ہےاس لیے اس گفتگو کو سب کی طرف منسوب کیا گیا۔
۱۰؎یعنی تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو تم اس سے بدلہ لے سکتے ہو۔احناف کے ہاں دیت ملے گی،شوافع کے ہاں قصاص۔خیال رہے کہ یہ حضورکا فتویٰ تھا فیصلہ نہ تھاکیونکہ مدعیٰ علیہ کی بغیرموجودگی فیصلہ نہیں ہوسکتا،فیصلہ کے لیے فریقین کے بیانات لینا ضروری ہیں اسی لیے حضور انور نے یہاں خلاف ترتیب قسم کا ذکر فرمایا ورنہ قسامت میں صرف ملزمین پرقسم پیش ہوتی ہے۔(مرقات) اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ میں پہلے قسم مدعیان سے لی جائے گی اگر یہ انکار کریں تو مدعیٰ علیہ سے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ فتویٰ تھا حکم نہ تھا،نیز یہ حدیث قرآن مجید کے بھی خلاف ہے اور احادیث متواترہ کے بھی لہذا ناقابل عمل ہے،مدعی پر گواہ لازم ہیں قسم نہیں اور گواہ صرف دو چاہئیں ہماری دلیل آگے آرہی ہے۔
۱۱؎تو بغیر دیکھے ہم کیسے قسم کھالیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔
۱۲؎اس طرح کہ یہود خیبر پچاس شخص قسم کھالیں گے کہ نہ ہم قاتل ہیں نہ قاتل کی ہم کو خبر ہے اور دیت سے بچ جائیں گے۔معلوم ہوا کہ قسامت میں ایک فریق کے انکار قسم پر اس کے خلاف فیصلہ نہ ہوگا بلکہ فریق آخر پر پیش ہوگی بخلاف دیگر مقدمات کے۔
۱۳؎یعنی یہود کی قسموں کا ہم کو اعتبار نہیں وہ جھوٹی قسمیں کھاسکتے ہیں،اس بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ مسلمان کے خلاف کافر کی قسم معتبر نہیں کہ قسم گواہی کے قائم مقام ہے جب ان کی ایسی گواہی معتبر نہیں تو قسم کیسے معتبر ہوگی۔
۱۴؎تاکہ مقتول کا خون ضائع نہ جائے اور فتنہ فرو ہوجائے کیونکہ یہود پر سواء قسم کے اور کوئی شئے واجب نہ ہوسکتی تھی اور مدعیان اس قسم پر راضی نہ تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیت نہ عطاء فرمادیتے تو یہ مسلمان نمعلوم کتنے یہود کو قتل کر ڈالتے،ایسے بے مثال عدل کہیں دیکھنے میں نہ آیا کہ ذمی کفار کو بچانے کے لیے اپنی گرہ سے سو اونٹ دے دیئے۔خیال رہے ایسے موقعہ پر کفار کی قسم معتبر ہے کیونکہ وہ قسم مسلمان کے مقابل نہیں بلکہ اپنے سے رفع مقدمہ کے لیے ہے۔
۱۵؎مدعیان کی یہ قسم عینی نہ ہوگی کیونکہ دو دیکھنے والوں کی گواہی سے قتل ثابت ہوجاتا ہے پھر گواہ پر قسم نہیں ہوتی بلکہ ظن و گمان کی قسم ہوگی کہ گمان غالب ہے کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔
۱۶؎یہ صورۃً فدیہ تھا مگر حقیقتًا عطیہ شاہانہ تھاجس کا مقصد ہم پہلے بیان کرچکے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت نافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص خیبر میں مقتول ہوگئے ۱؎ تو ان کے اولیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے ۲؎ پھر

	یہ واقعہ حضور سے عرض کیا تو فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قتل پر گواہی دیں وہ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کوئی مسلمان نہ تھا ۳؎ اور وہ لوگ یہود ہیں جو اس سے بڑے جرم پر بھی جرأت کرلیتے ہیں تو فرمایا کہ تم ان میں سے پچاس شخص چن لو پھر ان سے قسم لو ۴؎ ان حضرات نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کی دیت دے دی ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہ مقتول وہ ہی عبداللہ ابن سہل تھے جن کا واقعہ ابھی پہلی فصل میں گزرچکا۔

۲؎ یعنی مقتول کے حقیقی بھائی اور چچازاد جیساکہ ابھی گزرا۔

۳؎ یہ حدیث مذہب حنفی کی تائید کرتی ہے کہ احناف کے ہاں اگر کوئی مقتول کسی گلی کوچہ میں پایا جائے جس پر قتل کا اثر ہو جیسے خون یا زخم کاری یا گلا گھوٹنے کے آثار تب اولًا ولی مقتول سے گواہ طلب کیے جائیں گے اگر دو گواہ قتل عمد کے مل گئے تو قاتل پر قصاص لازم ہوگا ورنہ اہل محلّہ سے پچاس آدمیوں کی قسم لی جائے گی لیکن اگر اثر قتل نہیں ہے کہ غالبًا وہ شخص خود ہارٹ فیل(Heart fail) سے مرا ہے۔یہاں حضور نے مدعیان سے گواہ مانگے۔اس حدیث کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے فرماتاہے:"وَاَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"حدیث متواتر سے بھی حضور فرماتے ہیں البینة علی المدعی والیمین علی من انکر،نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے بھی اس کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ ابن شیبہ وغیرہ نے نقل فرمایا پہلی فصل کی حدیث اگرچہ متفق علیہ ہے مگر حکم قرآنی اور احادیث متواترہ اقوال صحابہ کے خلاف ہے اسی لیے امام ابوحنیفہ نے اس پر عمل نہ فرمایا،اس کی پوری بحث اسی جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎ کیونکہ تمہارے پاس قتل کے گواہ عینی موجود نہیں اگر دو گواہ عینی مل جائیں تو قسامت نہیں ہوتی۔

۵؎ یہ دیت دینا حکم شرعی نہیں بلکہ دفع فتنہ کے لیے ہے آئندہ اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو محلّہ والوں سے قسم لی جائے گی خواہ مسلمان ہوں یا کافر ذمی۔

باب قتل اهل الردا والسعاة بالفساد

مرتدین اور فسادیوں کے قتل کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی مرتدین اور فسادیوں کے قتل کا باب۔شریعت میں مرتد وہ شخص ہے جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوجائے،اسی طرح اسلامی فرقوں میں سے وہ فرقہ جس کی بدعقیدگی کفر تک پہنچ گئی ہو جیسے قادیانی،بہائی، خوارج اور تبرائی،روافض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدگو گستاخ۔وہابی یہ بھی مرتد ہیں کیونکہ جب یہ بچپن میں کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں تو مسلمان ہوجاتے ہیں کہ بچہ کا اسلام معتبر ہے مگر اپنی قومی بدعقیدگیوں کی وجہ سے کافر نہیں ہوتے کہ بچہ کا کفر معتبر نہیں،پھر جب بالغ ہوکر وہ عقیدے اختیار کرتے ہیں تو اب اسلام کے بعد کافر ہوتے ہیں،ان فرقوں کے ارتداد کی تصریح فتاوی عالمگیری باب المرتدین میں ہے۔فسادی وہ لوگ ہیں جو مملکت اسلامیہ میں شر انگیزی کریں جیسے ڈاکو اور باغی وغیرہم۔مرتد کے لیے مستحب یہ ہے کہ اسے غور کرنے کی کچھ مہلت دی جائے اگر اسے اسلام کے متعلق کچھ شبہات ہوں تو دور کردیئے جائیں،اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ قتل کردیا جائے اور ڈاکو وغیرہ کو سولی دی جائے یہ دونوں قتل قرآن کریم سے ثابت ہیں اور احادیث شریف سے بھی،قران کریم نے مرتدین بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا:"فَتُوْبُوْۤا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَکُمْ"جو بنی اسرائیل بچھڑا پوج کر مرتد ہوگئے انہیں قتل کیا گیا اور فسادیوں کے متعلق فرماتا ہے:"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا"الایہ۔

روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ جناب علی کے پاس کچھ بددین لائے گئے۱آپ نے انہیں جلادیا ۲ تو یہ خبر حضرت ابن عباس کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر میں ہوتا۳ تو انہیں نہ جلاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کی وجہ سے کہ فرمایا کسی کو اللہ کا عذاب نہ دو ۴میں انہیں قتل کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے کہ جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو ۵(بخاری)۶	

۱؎ زنادقہ زندیق کی جمع ہے،زندیق ملحد وبے دین کو کہتے ہیں۔مجوس جو کہتے تھے کہ زند کتاب آسمانی ہے ان کے لیے یہ لفظ وضع ہوا،پھر ہر بے دین کو زندیق کہنے لگے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قوم سائبہ کے لوگ عبداللہ ابن سبا کے مطیع ہوگئے جو حضرت علی کو خدا کہنے لگے دیگر صحابی پر تبرا کرنے لگے،وہ حضرت علی کی کچہری میں پکڑ کر لائے گئے،رفض کی اصل یہاں سے قائم ہوئی،اب بھی روافض میں ایک فرقہ نصیری ہےجو جناب علی کو خدا کہتا ہے،ہم نے مرثیوں میں یہ شعر سنا ہے۔شعر

دکھادو یا علی جلوہ نصیری کے خدا تم ہو | یہ آنکھیں طالب دیدار ہیں حاجت روا تم ہو

دیکھو لمعات،مرقات،اشعۃ اللمعات۔

۲؎ اس طرح کہ پہلے حضرت علی نے انہیں توبہ کا حکم دیا مگر انہوں نے انکار کیاآپ نے خندق کھودوا کر اس میں آگ جلوائی پھر جلتی آگ میں ان زندوں کو ڈال دیا جس سے وہ جل کر راکھ ہوگئے۔(مرقات،اشعہ،لمعات)

۳؎ یعنی اگر بجائے علی مرتضٰی کے میں خلیفہ ہوتا یا اس وقت حضرت علی کے پاس میں موجود ہوتا پہلے معنے زیادہ قوی ہیں کیونکہ فرما رہے ہیں میں نہ جلاتا یہ نہ فرمایا کہ میں نہ جلانے دیتا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا صرف قتل ہے،کسی جاندار کو زندہ نہ جلایا جائے بعض لوگ جوں،کھٹمل،بھڑ کو زندہ آگ میں ڈال دیتے ہیں وہ اس سے عبرت پکڑیں۔

۵؎ فی زمانہ بعض لوگ قتل مرتد کے انکاری ہیں حالانکہ قتل مرتد قرآن کریم سے بھی ثابت ہے فرمایا:"فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ"نیز حکومت کا باغی لائق قتل ہےتو حکومت الٰہیہ کا باغی بھی قابل قتل ہوناچاہیے،مرتد ربانی حکومت کا باغی ہے۔خیال رہے کہ یہاں دینہ سے مراد اسلام ہے کیونکہ انسان کا اصلی اور روحانی دین اسلام ہی ہے،دوسرے دین تو دنیا میں آکر بری صحبتوں سے ملتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جو اپنا دین یعنی اسلام ترک کرکے دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کردو،شائد حضرت علی کو یہ روایت پہنچی نہ تھی،بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت علی کو حضرت ابن عباس کے اس فرمان کی خبر ہوئی توآپ نے فرمایا انہوں نے سچ کہا،دیکھو مرقات و اشعۃ اللمعات۔

۶؎ اس حدیث کو ترمذی،ابن ماجہ،ابوداؤد،نسائی اور احمد نے بھی روایت کیا۔خیال رہے کہ مرتدہ عورت کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اسے قید کیا جائے گا حتی کہ توبہ کرے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی آگ سے عذاب نہ دے سواء اللہ تعالٰی کے ۱؎(بخاری)	

۱؎ یعنی زندہ کو آگ میں جلانا صرف رب تعالٰی کے لیے سزاوارولائق ہے کہ وہ کفار اور بعض گنہگاروں کو دوزخ میں زندہ جلادے گا۔خیال رہے کہ آگ میں جلانے کی بہت صورتیں ہیں:آگ میں ڈال دینا،گرم کھائی میں ڈالنا،تپتے لوہے پر لٹا کر ہلاک کردینا وغیرہ۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آخر زمانہ میں قوم نکلے ۱؎ گی نو عمر عقل کے ہلکے ۲؎ کلام کریں گے مخلوق کے قول کے بہترین سے ۳؎ ان کا ایمان ان کے گلے سے نہ اترے گا ۴؎ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے ۵؎ تو تم انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کردو ۶؎ کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن ثواب ہے اسے جوانہیں قتل کرے ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ غالبًا آخر زمان سے مراد خلافت راشدہ کا آخری دور ہے اور اس قوم سے مراد خوارج ہیں کیونکہ خوارج حضرت علی کی خلافت میں پیدا ہوئے اور ہوسکتا ہے کہ آخر زمانہ سے مراد قریب قیامت ہو اور اس قوم سے مراد وہابی ہوں کہ ان کا خروج بارہویں صدی میں ہوا،علامہ شامی نے وہابیوں کو خوارج فرمایا ہے یہ بھی قریبًا خوارج ہیں۔

۲؎ یعنی ان میں اکثر نو عمرلڑکے عقل کے کوتاہ ہوں گے **حدثاء** جمع ہے **حدیث** کی بمعنی نیا اور **سفھاء** جمع ہے **سفیه** کی بمعنی ہلکا پن یا بے عقلی جیسے **صغیر** کی جمع **صغراء** ہے۔

۳؎ یعنی مخلوق جو بہترین کلام بولتی یا پڑھتی ہے وہ کلام کیا کریں گے یعنی قرآن مجید بہت پڑھیں گے ہر ایک کو دعوت قرآن دیں گے۔مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے **من قول خیر البریه** اس صورت میں **خیر البریه** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اورآپ کے قول سے مراد حدیث شریف وقرآن مجید دونوں ہیں یعنی ہر ایک کو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیں گے اور **قال اللہ قال الرسول** ان کی زبان پر رہے گا۔(مرقات)حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ خوارج بدترین خلق ہیں یہ بدنصیب کفار کی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں،دیکھو بخاری **باب الخوارج** اور مرقات یہ ہی مقام۔آج دیوبندیوں وہابیوں کی تقریریں تحریریں دیکھو کہ یہ لوگ ہمیشہ بتوں کی آیات حضرات انبیاء اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں اور کفارومشرکین کی آیات مسلمانوں پر پڑھتے ہیں۔

۴؎ یعنی کلمہ اور اسلام ان کے صرف منہ میں ہوگا دل میں کفر اورحضرات انبیاءواولیاء اور تمام مسلمانوں سے عنادوبغض بھرا ہوگا،**حناجر** جمع ہے **حنجرہ** کی بمعنی حلقوم۔

۵؎ دین سے مراد اسلام ہے نہ کہ محض طاعت بادشاہ یعنی شکاری کا تیر شکار کے جسم میں داخل ہوکر ایسے نکل جاتا ہے کہ اس میں خون،گوشت،چربی کچھ بھی نہیں لگا ہوتا بالکل صاف ہوتا ہے ایسے ہی یہ لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود اسلام سے ایسے نکل جائیں گے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا شائبہ بھی نہ ہوگا۔اللہ کی پناہ!

۶؎ یا اس لیے قتل کردو کہ وہ مرتد ہیں یا اس لیے کہ وہ سلطان اسلام کے باغی ہیں مگر یہ قتل شاہ اسلام کرے گا نہ کہ عام مسلمان۔کسی نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا خوارج کافر ہیں فرمایا وہ کفر ہی سے تو بھاگتے ہیں پوچھا کہ کیا یہ منافق ہیں ؟فرمایا منافق لوگ ذکر اللہ کم کرتے ہیں پوچھا پھر ہم انہیں کیا کہیں؟ فرمایا فتنہ میں مبتلا ہوکر بہرے گونگے ہوگئے۔

۷؎ معلوم ہوا کہ خوارج،باغی،مرتد کا قتل جائز ہی نہیں بلکہ کار ثواب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت دو جماعتیں ہو جائے گی ۱؎ تو ان دونوں سے ایک خارجی فرقہ نکل جائے گا ۲؎ اس کے قتل کا اہتمام وہ فرقہ کرے گا جو حق سے قریب ہوگا ۳؎ (مسلم)

۱؎ یہاں دو فرقوں سے مراد مذہبی فرقے نہیں بلکہ سیاسی جماعتیں ہیں۔اس سے اشارہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتوں کی طرف ہے کہ یہ دونوں مذہبًا مسلکًا ایک تھے ان میں اختلاف سیاسی تھا۔

۲؎ خیال رہے کہ خارجی فرقہ حضرت علی کی جماعت سے نکلا تھا نہ کہ امیر معاویہ کی جماعت سے،پھر **بینھما** فرمانا تعلیقًا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"**یَخۡرُجُ مِنۡہُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَ الۡمَرۡجَانُ**"حالانکہ موتی صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں یا **بینھما** کا مطلب ہے کہ وہ خارجی فرقہ ان دونوں جماعتوں سے الگ ہو گا کسی کے ساتھ نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی خارجی فرقہ کو ان دونوں جماعتوں ہی سے وہ قتل کرے گی جو حق پر ہوگی یا حق تعالٰی سے قریب تر ہو گی۔چنانچہ خارجی فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا یہ لوگ کُل دس ہزار تھے حضرت عبداللہ ابن عباس کے سمجھانے پر پانچ ہزار نے توبہ کرلی پانچ ہزار ذوالفقار حیدری سے مارے گئے،بہت سے مارے گئے کچھ بچے جو حضر موت اور بحرین میں تتربتر ہوگئے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرت امیرمعاویہ اور علی دونوں مؤمن صالح ہیں کہ ان دونوں کی جماعت کو حضور نے امتی فرمایا۔ دوسرے یہ کہ اس اختلاف میں حضرت علی امام برحق تھے امیر معاویہ کی جماعت باغی تھی۔تیسرے یہ کہ خارجی ان دونوں جماعتوں سے خارج ہیں بددین گمراہ ہیں واجب القتل ہیں،باغی خارجی کا فرق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت جریر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۲؎ کہ میرے بعد کافر ہو کر نہ لوٹ جانا ۳؎ کہ تم سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ جریر ابن عبداللہ بجلی ہیں،بہت حسین و جمیل اور خوش اخلاق تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لائے پھر کوفہ میں رہے پھر قرقسیا بستی آگئے وہاں ہی **۵۱ھ** میں وفات پائی،آپ سے اکثر محدثین نے احادیث روایت کیں۔

۲؎ دسویں ذی الحجہ کوآپ نے منٰی شریف کے خطبہ میں یہ فرمایا۔(اشعہ)

۳؎ کافر سے مراد ناشکرا یا عمل کافر ہے جو کافروں کے سے کام کرے ورنہ مسلمان کو قتل کرنا سخت حرام ہے مگر کفر نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیۡنَ اقْتَتَلُوۡا**"دیکھو قتال کرنے والوں کو مؤمنین فرمایا گیا یہاں مرقات نے کفار کی سات توجیہیں فرمائیں۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جب دو مسلمان ملیں کہ ان میں سے ایک اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھائے ۲؎ تو وہ دونوں دوزخ کے کنارہ میں ہوتے ہیں ۳؎ پھر جب ان میں سے ایک اپنے صاحب کو قتل کردیتا ہے تو وہ دونوں دوزخ میں داخل ہوجاتے ہیں ۴؎ انہیں سے دوسری روایت میں ہے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مل پڑتے ہیں تو قاتل و مقتول دوزخ میں جاتے ہیں ۵؎ میں نے عرض کیا یہ تو قاتل ہے تو مقتول کا کیا ہے فرمایا وہ اپنے صاحب کے قتل پر حریص تھا ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں کہ آپ کا نام نفیع ابن حارث ہے،آپ غزوہ طائف میں ایمان لائے،آپ اس غزوہ میں گرفتار ہوگئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد فرمادیا۔(مرقات)

۲؎ قتل یا زخمی کرنے کے ارادے سے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ہتھیار سے مراد عام ہتھیار ہے تلوار ہو یا نیزہ یا پستول و بندوق۔خیال رہے کہ احد سے مراد کل واحد ہے یعنی ہر ایک دوسرے کے مقابل ہتھیار اٹھائے۔

۳؎ یعنی دوزخ کے قریب ہوتے ہیں کہ قتل ہوں یا کریں اور دوزخ میں جائیں۔

۴؎ یہ جب ہے جب کہ دونوں باطل پر ہوں اور اگر ان میں سے کوئی حق پر ہو تو باطل والا دوزخی ہے نہ کہ حق والا جیسے ڈاکو یا چور کے مقابلہ میں۔

۵؎ یہ جب ہے جب کہ دونوں ایک دوسرے کے قتل کا ارادہ کریں اگر ان میں سے ایک مدافع ہو کہ دفاعًا دوسرے کو قتل کرے تو حملہ آور دوزخی ہوگا نہ کہ یہ دفاع کرنے والا۔

۶؎ یعنی یہ بھی ارادۂ قتل سے ہی آیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ ارادۂ گناہ بھی گناہ ہے،ہاں خیال گناہ گناہ نہیں لہذا یہ حدیث دوسری احادیث اور آیات قرآنیہ کے خلاف نہیں،چورچوری کرنے نکلا مگر اتفاقًا نہ کرسکا گنہگار ہوگیا،فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے۔

۷؎ یہ حدیث ابوداؤدونسائی نے حضرت ابوبکرہ سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں قبیلہ عکل کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ۱؎ مسلمان ہوگئے انہوں نے مدینہ کو ناموافق محسوس کیا ۲؎ تو انہیں حضور نے حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹوں میں جائیں ان کے پیشاب اور دودھ پئیں ۳؎ انہوں نے یوں ہی کیا تو تندرست ہوگئے پھر مرتد ہوگئے اور ان کے چرواہوں	

کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک لے گئے ۴؎ پھر حضور نے ان کے پیچھے سپاہی بھیجے ۵؎ وہ لوگ لائے گئے پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں ۶؎ پھر ان کو نہ داغا حتی کہ وہ مرگئے ۷؎ اور ایک روایت میں ہے پھر ان کی آنکھیں اندھی کردی گئیں ۸؎ اور ایک روایت میں ہے کہ سلائیوں کا حکم دیا وہ گرم کی گئیں پھر وہ ان کی آنکھوں میں پھیر دیں ۹؎ اور انہیں حرہ میں ڈال دیا پانی مانگتے تھے تو نہ پلائے جاتے تھے حتی کہ مرگئے ۱۰؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ نفر تین سے لے کر دس تک کو کہتے ہیں،یہ لوگ آٹھ آدمی تھے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ سات آدمی تھے چار تو قبیلہ عرینہ کے اور تین قبیلہ عکل کے،اسی لیے بعض احادیث میں ہے کہ عرینہ کے تھے،بعض میں ہے کہ عکل کے تھے،یہ دونوں روایات درست ہیں کہ وہ دونوں قبیلوں کے تھے۔

۲؎ اجتوا بناہے جواء سے بمعنی مرض و بیماری یعنی ان کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور بیمار ہوگئے۔اصل میں مدینہ منورہ کی سرزمین نے ان کو نکالنا چاہا تھا ورنہ مدینہ پاک کی سی آب و ہوا روئے زمین میں کسی جگہ نہیں۔

۳؎ چونکہ یہ لوگ مسافر بھی تھے غریب و مسکین بھی اس لیے ان کو صدقہ کے اونٹ کے دودھ پینے کی اجازت دے دی گئی اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی معلوم فرمالیا تھا کہ ان کی شفا اس دودھ و پیشاب میں ہے اس لیے انہیں پیشاب پینے کی اجازت دے دی گئی۔اس حدیث کی بنا پر امام مالک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ حلال جانوروں کے پیشاب پاک ہیں مگر قوی یہ ہے کہ ناپاک ہیں۔سرکار فرماتے ہیں کہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عموماً عذاب قبر اس سے ہوتا ہے،یہ ارشاد عالی ایک اونٹ کے چرواہے کے متعلق ہوا تھا۔بعض علماء نے فرمایا کہ دواءً نجس یا شراب پینا جائز ہے مگر حق یہ ہے کہ ناجائز ہے کیونکہ ان کی حرمت تو یقینی ہے مگر ہمارے لیے ان سے شفا یقینی نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کی شفا بذریعہ وحی یقیناً معلوم فرمالی تھی ہم کو یہ یقین کیسے میسر ہوگا،امام ابویوسف کے نزدیک طبیب حاذق کے کہہ دینے پر جائز ہے،امام شافعی کے ہاں ہر نجاست سے علاج جائز ہے بشرطیکہ نشہ والی نہ ہو مگر قول امام اعظم بہت قوی ہے۔(مرقات و اشعہ)

۴؎ یعنی یہ لوگ مرتد بھی ہوئے ڈاکو بھی قاتل بھی لہذا سخت سزا کے مستحق ہوئے۔

۵؎ صحابہ کی ایک جماعت بھیجی جس میں حضرت علی بھی تھے رضی اللہ عنہم،حضور انور کا سپاہی بننا ملائکہ کے لیے فخر ہے،جنگ بدر میں فرشتے پانچ ہزار اترے یہ سب حضور کے سپاہی تھے۔اللہ کے لیے مجھے تو حضور اپنے در کا جھاڑو والا بنا کر رکھ لیں۔شعر

پس مردن مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی
میسر گر مجھے دو گز مدینہ میں زمیں ہوتی

۶؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ سمر اور سمل دونوں کے معنے ہیں آنکھیں بیکار کردینا مگر سمر کے معنے ہیں آنکھ میں لوہے کی گرم سلائی پھیر کر اس کی روشنی ختم کردینااور سمل کے معنے ہیں سوئے یا میخ سے آنکھ پھوڑ دینا مگر حق یہ ہے کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی گرم سلائی پھیرکر روشنی ضائع کردینا۔

۷؎ یعنی ان کے ہاتھ پاؤں کٹواکر ان کے زخموں کو گرم لوہے سے داغ نہ دیا تاکہ خون بند ہوجاتا اور وہ بچ جاتے بلکہ یوں ہی خون بہنے دیا حتی کہ تمام خون نچڑ گیا اور وہ ہلاک ہوگئے۔

۸؎ اس روایت میں سمل لام سے ہے اور اس روایت میں سمر ر سے ہے ہم عرض کرچکے کہ دونوں کے معنے قریبًا ایک ہی ہیں۔

۹؎ حتی کہ ان کی آنکھوں کی روشنی بالکل جاتی رہی۔

۱۰؎ خیال رہے کہ اب شریعت میں مثلہ کرنا یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ دینا آنکھیں پھوڑ دینا ممنوع ہے،حضور کا یہ عمل یا تو مثلہ کی ممانعت سے پہلے تھا بعد میں مثلہ سے منع فرمایا یا اس لیے تھا کہ ان لوگوں نے حضور کے چرواہوں کے ساتھ یہ ہی سلوک کیا تھا تو قصاصًا حضور نے بھی ان سے یہ ہی سلوک فرمایا یا اس لیے تھا کہ انہوں نے بہت جرم کیے تھے مرتد ہوجانا،چراہوں کو مار ڈالنا،مال لوٹ لینا وغیرہ لہذا ان کو یہ سزا دی گئی،اگر مجرم کئی قسم کے جرم کرلے تو حاکم تمام قصاصوں کو جمع کرسکتا ہے۔(مرقات)یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر مرتد پیاس سے مررہا ہو اور کسی کے پاس بقدر وضو پانی ہو تو اسے پانی نہ دے بلکہ وضو کرے اور اگر ذمی کافر یا جانور پیاس سے مرر ہا ہو تو وضو نہ کرے اسے پلائے،مرتد کسی رحم کا مستحق نہیں۔خیال رہے کہ اسلام بہت رحمت والا دین ہے اور حضور رحمۃ اللعلمین ہیں،مگر اسلام میں سزائیں بہت سخت ہیں کیونکہ سخت سزا سے ہی جرم بند ہوتے ہیں اور ملک میں امن و امان قائم ہوتا ہے،عرب جیسے ملک میں امن ان ہی سختیوں سے قائم ہوا اور آج ہمارے ملکوں میں امن اس لیے نہیں کہ یہاں سزائیں نرم ہیں ہم کو ا پنے ہاں کی بدامنی دیکھ کر ان سزاؤں کی قدرمعلوم ہوتی ہے کہ آج بازار میں ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں ایک دو زانیوں کو رجم کردیا جائے تو ان شاءاللہ ہمارے ہاں بھی عرب جیسا امن ہوسکتا ہے کہ وہاں لوگ شب کو گھروں کے دروازے بند نہیں کرتے،قیمتی دکان کھلی چھوڑکر مسجد میں نماز کے لیے آجاتے ہیں،اسلام کی خوبیاں کفار بھی ماننے لگے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اور ہم کو مثلہ سے منع فرماتے تھے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ مثلہ کے لغوی معنی ہیں سخت سزا،اب اصطلاح میں میت یا مقتول کے ہاتھ پاؤں،آنکھ ناک ذکر وغیرہ کاٹنے کو کہتے ہیں اب قصاصًا مثلہ جائز ہے سزاءً مثلہ ممنوع ہے۔(اشعۃ اللمعات)گزشتہ حدیث کا مثلہ اگر قصاصًا تھا تو وہ حدیث محکم ہے اور اگر سزاءً تھا تو اس حدیث سے منسوخ ہے۔

اور نسائی نے حضرت انس سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عبداللہ سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے حضور قضا حاجت کے لیے تشریف لے گئے ۲؎ ہم نے ایک لالی دیکھی جس کے ساتھ دو چوزے تھے ہم نے اس کے چوزے پکڑ لیے ۳؎ کہ لالی آئی تو وہ بچھی جانے لگے ۴؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا اسے کس نے غمگیں کیا اس کے بچوں کی وجہ سے اس کے بچے اسے لوٹا دو ۵؎ اور ایک چیونٹیوں کا جنگل دیکھا جسے ہم نے جلادیا تھا ۶؎ فرمایا یہ کس نے جلایا ہم نے عرض کیا ہم نے فرمایا یہ لائق نہیں کہ آگ کے رب کے سواء کوئی اور آگ سے عذاب دے ۷؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ابن مسعود ہیں۔(اشعہ)مرقات نے عبدالرحمان ابن عبداللہ ابن بحار فرمایا،آپ تابعی ہیں،عبدالرحمٰن کی ملاقات اپنے والد سے نہیں ہوئی کیونکہ ان کے والد آپ کے لڑکپن ہی میں فوت ہوگئے تھے،عبدالرحمٰن ۹۹ھ میں سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

۲؎ استنجاء کے لیے جنگل میں تشریف لے گئے لوگوں سے بہت دور۔

۳؎ لالی کی غیر موجودگی میں اس کے بچے پکڑ لیے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ اس طرح کہ زمین کے قریب آکر پر پھیلا کر گرنے لگی اپنے بچوں کے فراق میں یا ہمارے سروں پر بچھی جانے لگی اسے پتہ چل گیا کہ میرے بچے ان کے پاس ہیں۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوبی ہے کیونکہ بلافائدہ شکاری جانور کے بچے پکڑ کر اس کی ماں کو دکھ دینا منع ہے مگر مرقات نے فرمایا کہ یہ حکم استحبابی ہے شکاری جانور کے بچوں کا شکار جائز ہے۔فقیر کہتا ہے کہ بلا ضرورت شکار ممنوع ہے ہاں ضرورتًا جائز،ضرورت سے مراد گوشت کھانا یا ان کا ضرر دفع کرنا۔

۶؎ کہ ایک جگہ چیونٹیاں بہت تھیں ہم نے اس جگہ آگ بچھادی جس سے وہ جگہ ہی جل گئی۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وقت سب کو حضور کے فیض کی ضرورت ہے،دیکھو کچھ دیر کے لیے حضور غائب ہوئے تھے کہ ان حضرات سے دو غلطیاں ہوگئیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے اور انس ابن مالک سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میری امت میں بڑا اختلاف وافتراق و جدائی ہوگا ۱؎ ایک قوم ہوگی جو کلام اچھا کرے گی اور کام برے کرے گی ۲؎ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا ۳؎ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے واپس نہ ہوں گے ۴؎ حتی کہ تیر اپنے چلہ پر لوٹ آئے ۵؎ وہ تمام انسانوں اور تمام مخلوق میں بدتر ہیں ۶؎ خوشخبری ہے اسے جو ان لوگوں کو قتل کرے اور اسے جن کو وہ لوگ قتل کریں ۷؎ کتاب اللہ کی طرف دعوت دیں گے ۸؎ وہ کسی بات میں ہمارے نہیں ۹؎ اور جو انہیں قتل کرے وہ بقیہ لوگوں میں سے زیادہ قریب الی اللہ ہوگا ۱۰؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نشانی کیا ہے فرمایا سر منڈانا ۱۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اختلاف سے مراد خیالات کا جدا ہونا ہے اور افتراق سے مراد جسمانی جدائی یعنی جنگ و جدال،کشت و خون یعنی میری امت میں رائے کا اختلاف بھی ہوگا اور جنگ و جدال بھی،رائے کے اختلاف میں عقائد کا اختلاف بھی داخل ہے جیسے اسلام کے بہتر فرقوں کا اختلاف اور صرف رائے کا اختلاف بھی داخل ہے جیسے حضرت علی معاویہ یا حضرت عائشہ و علی کا اختلاف رضی اللہ عنہم اجمعین۔خیال رہے کہ جب حضرت علی و امیر معاویہ نے جنگ بند کرنے کے لیے دو حکم مقرر کرلیے:حضرت ابو موسیٰ اور عمرو ابن عاص تو حضرت علی کی فوج میں سے دس ہزار آدمیوں نے سرکشی کردی بولے کہ علی اور معاویہ دونوں مشرک ہوگئے کیونکہ انہوں نے ماسوی اللہ کو حکم مان لیا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"حضرت علی نے ان کی فہمائش کے لیے حضرت عبداللہ ابن عباس کو بھیجا آپ نے ان کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ رب تعالیٰ زوجین کے اختلاف کے متعلق فرماتاہے:"فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا"جب لڑنے والے زوجین اپنے اختلاف کو مٹانے کے لیے پنچ وحکم مقرر کرسکتے ہیں تو اگر علی و معاویہ نے حکم مقرر کرلیے تو کیوں شرک ہوا،اس جواب پر پانچ ہزار خارجی توبہ کر گئے پانچ ہار ضد پر اڑے رہے جو ذوالفقار حیدری سے جہنم میں پہنچے،اس حدیث کا ظہور اس طرح ہوا۔یہ شرک شرک کا سبق آج کا نہیں بڑا پرانا ہے وہی پُرانا سبق آج وہابی پڑھ رہے ہیں۔

۲؎ قوم یوجد پوشیدہ کا نائب فاعل ہے یا یکون پوشیدہ کا فاعل ہے قیل اور قول دونوں کے معنے ہیں کلام و گفتگو،قرآن کریم فرماتاہے:"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا"یعنی باتیں بہت اچھی کریں گے ہر وقت قال اللہ وقال الرسول ان کی زبان پر ہوگا مگر عقائدواعمال بہت گندے ہوں گے،اس میں اشارہ خارجی فرقہ کی طرف ہے۔فقیر نے اس بار چوتھے حج کے موقعہ پرمسجد نبوی شریف میں خارجی دیکھے،بڑے نمازی بڑے پرہیزگار معلوم ہوتے ہیں۔
۳؎ یعنی ان کے دل نور قرآنی سے روشن نہ ہوں گے یا ان کی تلاوت بارگاہ الٰہی میں قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ صرف لوگوں کو پھانسنے کے لیے قرآن پڑھیں گے۔تراقی ترقوۃ کی جمع ہے بروزن فعلوت بمعنی گھانٹی، فارسی میں حنجرہ کہتے ہیں۔آج بھی نجدی وہابی ہر ایک کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں،اپنی جماعتوں کتابوں کے نام تک قرآن پر رکھے ہیں اشاعۃ القرآن،تعلیم القرآن،ان کے اکثر علماءومبلغین سر منڈے ہوتے ہیں۔
۴؎ یعنی پہلے وہ مسلمان ہوں گے بعد میں اسلام سے ایسے نکلیں گے ان میں اسلام کا کوئی اثرونشان نہ باقی رہے گا جیسے تیر شکار میں سے کہ شکار کے جسم میں داخل ہوکر نکل جاتا ہے مگر اس میں گوشت،خون،گوبر،پیشاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔
۵؎ یعنی جیسے کمان سے نکلا ہوا تیر کمان پر واپس نہیں آتا آگے ہی کو جاتا ہے ایسے ہی یہ لوگ اسلام میں واپس نہیں آئیں گے اس کی آزمائش بھی ہوچکی کہ جو پختہ خارجی ہوگئے تھے وہ شمشیر حیدری سے تہ تیغ ہوئے بقیہ تتر بتر ہوگئے مگر دوبارہ اسلام میں نہ آئے۔جو پانچ ہزار حضرت ابن عباس کا وعظ سن کر بولے وہ خارجی پختہ نہ ہوئے تھے بلکہ خوارج کے بہکانےسے وہم و شبہات میں پڑگئے تھے لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے۔
۶؎ یا تو خلق سے مراد انسان اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں یا دونوں ہم معنے ہیں تاکیدًا دو لفظ ارشاد ہوئے۔ معلوم ہوا کہ بے دین تمام مخلوق سے بدتر ہے حتی کہ کتے سور گدھے سے بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ"جیسے کہ مؤمن کامل تمام مخلوق حتی کہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ"۔
۷؎ یعنی جو مسلمان ان خوارج کو قتل کرے وہ بہترین غازی ہے اور جو جنگ میں ان کے ہاتھوں شہید ہو وہ اعلیٰ درجہ کا شہید ہے۔
۸؎ یعنی یا تو حدیث کے منکر ہوں گے صرف قرآن کو ماننے کے مدعی ہوں گے یا اگرچہ دعویٰ تو کریں گے حدیث ماننے کا بھی مگر ہر وقت پڑھیں گے قرآن ہی اور ہر ایک کو قرآن کے نام پر بلائیں گے جیسے اس زمانے کے کچھ وہابی دیوبندی جو قرآن قرآن کی رٹ لگاتے ہیں۔
۹؎ یعنی ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے کوئی تعلق نہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ جائے وہ قرآن یا نماز وغیرہ کے ذریعہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔فسٹ کلاس کا ڈبہ بغیر انجن سے تعلق رکھے سفر نہیں کرسکتا نہ اس کی کچھ قدروقیمت ہے نہ اس میں کوئی مسافر بیٹھتا ہے،قدرو قیمت تو انجن کے ساتھ مل جانے کی ہے۔
۱۰؎ یعنی دوسرے مسلمانوں سے یہ زیادہ مقبول ہوگا۔

۱؎ یعنی بہت زیادہ سر منڈانا اور سر منڈانے کا عادی ہونا ورنہ حج میں قریبًا سارے حاجی سر منڈاتے ہیں،بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ وہ سر منڈانے کی عادت کو برا سمجھتے ہیں ان کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اس مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور محمد مصطفے اللہ کے رسول ہیں ۱؎ مگر تین جرموں میں سے ایک کی وجہ سے نکاح کے بعد زنا کہ وہ سنگسار کیا جائے گا ۲؎ اور وہ شخص جو اللہ و رسول سے جنگ کرنے نکلا ۳؎ وہ یا قتل کیا جائے گا یا سولی دیا جائے گا یا زمین سے نکال دیا جائے گا ۴؎ یا کسی جان کو قتل کردے تو اس کے عوض قتل کیا جائے ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس کلمہ خوانی سے مراد تمام عقائد اسلامیہ کا ماننا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں الحمدللہ پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۃ ولا الضآلین تک پڑھنا واجب ہے ورنہ صرف کلمہ تو قادیانی،چکڑالوی اور تمام باطل فرقے بھی پڑھتے ہیں۔

۲؎ یہاں احصان کے معنی ہیں آزاد بالغ مسلمان کا صحیح نکاح کے ذریعہ صحبت کرلینا یہ رجم کے لیے شرط ہے لہذا کافر اور نابالغ اور غلام اور کنوارے زانی کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض یہود کو زنا کی بنا پر سنگسار کرانا ان پر توریت کا حکم جاری فرمانے کے لیے تھا نہ کہ اسلامی حکم کی بنا پر۔

۳؎ اس سے مراد ڈاکو ہیں یا باغی،رب تعالٰی ڈاکوؤں کے متعلق فرماتاہے:"اَلَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا"۔

۴؎ اگر ڈاکو صرف قتل کرے کسی کا مال نہ لے تو قتل کیا جائے گا اور اگر قتل بھی کرے مال بھی لوٹے تو سولی دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹے قتل نہ کرے تو دیس نکالے کی سزا دی جائے گی یعنی کالا پانی یا آج پاکستان میں کالا باغ۔بعض نے فرمایا کہ اگر ڈاکو قتل و لوٹ نہ کرسکے صرف لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا راستہ روکتا پکڑا جائے تو اس کو کسی شہر یا گاؤں میں ٹھہرنے نہ دیا جائے گا یوں ہی آوارہ گرد رکھا جائے گا حتی کہ مرجائے یا صحیح توبہ کرلے،بعض نے فرمایا کہ امام کو ان چاروں سزاؤں کا اختیار ہے ان میں سے جو چاہے دے۔(مرقات واشعہ)

۵؎ یہاں قتل سے مراد قتل عمد ہے کیونکہ قصاص صرف قتل عمد میں ہے قتل خطاء یا قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں صرف دیت ہے جیساکہ گزر چکا۔

روایت ہے حضرت ابن ابی لیلٰی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خبر دی ۲؎ کہ وہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے	

	۳؎ان میں سے ایک صاحب سو گئے تو ان میں سے بعض صحابی اپنی رسی کی طرف چلے اسے پکڑ لیا جس سے وہ گھبرا گئے ۴؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے درست نہیں کہ کسی مسلمان کو ڈرائے ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن قاسم ابن ابی لیلیٰ یسار انصاری ہے،تابعی ہیں،ایک سو بیس صحابہ سے ملاقات ہے، جب حضرت عمر کی حیات شریف کے چھ سال باقی تھے آپ پیدا ہوئے، ۸۲ھ میں وفات پائی،آپ کے بیٹے محمد ابن عبدالرحمٰن کو بھی اسی نام ابن لیلیٰ سے یاد کیا جاتا ہے جو کوفہ کے فقیہ قاضی تھے مگر جب ابن ابی لیلیٰ مطلقًا بولا جاتا ہے تو آپ یعنی عبدالرحمٰن ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲؎چونکہ حضرات صحابہ تمام ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اس لیے ان کے نام معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں یعنی ہم کو بہت صحابہ کرام نے یہ خبر دی ہے۔

۳؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یسرون ہے سریٰ بمعنی رات میں چلنا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ"عام نسخوں میں یسیرون ہے سیر سے مشتق بمعنی چلنا اور جانا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ"غالب یہ ہے کہ یہ سفر کسی جہاد کے لیے تھا۔

۴؎یعنی اس سونے والے کے پاس رہی تھی یا اس جانے والے کے پاس تھی اس نے یہ رسی سانپ کی طرح اس پر ڈالی وہ سونے والے اسے سانپ سمجھ کر ڈر گئے اور لوگ ہنس پڑے۔

۵؎جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو یہ فرمایا۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ ہنسی مذاق میں کسی کو ڈرانا جائز نہیں کہ کبھی اس سے ڈرنے والا مرجاتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے،خوش طبعی وہ چاہیے جس سے سب کا دل خوش ہوجائے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی دل لگی ہنسی کسی سے کرنی جس سے اس کو تکلیف پہنچے مثلًا کسی کو بے وقوف بنانا اس کے چپت لگانا وغیرہ حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی درداء سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو کوئی زمین مع اس کے جزیہ کے لے لے ۱؎تو اس نے اپنی ہجرت ختم کردی ۲؎ اور جس نے کسی کافر کی ذلت اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لی تو اس نے اسلام سے پیٹھ پھیرلی ۳؎(ابوداؤد)

۱؎یہاں جزیہ سے مراد زمین کا ٹیکس ہے جو کفار مالکوں پر لازم ہوتا ہے جسے خراج کہتے ہیں۔مسلمان پر عشر واجب ہوتا ہے عشروخراج کا تفصیلی فرق کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ یعنی اس نے اپنی ہجرت کی عزت ختم کردی کہ یہ مہاجر غازی تھا یہ تو کفار سے خراج وصول کرنے والوں میں سے ہوتا چہ جائیکہ اب خود ہی خراج ادا کرے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین مسلمان کی ملک میں آکر بھی خراجی ہی رہتی ہے عشری نہیں بن جاتی،یہ ہی امام اعظم قدس سرہ کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں اس مسئلہ کی بہت تفصیل ہے،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ اگر کافر کسی مسلمان سے عشری زمین خریدے تو وہ زمین کافر کے پاس پہنچ کر بجائے عشری کے خراجی بن جاتی ہےلیکن زمین ایک بار خراجی بن جائے وہ ہمیشہ خراجی رہتی ہے خواہ کافر کے پاس رہے یا مسلمان کے پاس آجائے۔

۳؎ یہ جملہ پچھلے جملہ کی تفصیل ہے اور یہاں ذلت سے مراد وہ ہی ادائے خراج ہے جواب اس مسلمان کو ادا کرنا پڑے گا۔غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کیسی عزت چاہتے ہیں۔افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو آج اندھا دھند عیسائیوں،انگریزوں کی ہر ادا کو پسند کرتے ہیں،ان کے نقال بنتے ہیں،کفار ذلیل ان کی ہر ادا ذلت و خواری ہے ان کا نقال خود انکی ذلت اپنے گلے میں ڈالتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر خثعم کی طرف بھیجا ۱؎ تو ان کے بعض نے سجدہ کے ذریعہ بچنا چاہا ۲؎ ان حضرات نے ان میں قتل تیز کردیا ۳؎ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی ۴؎ تو حضور نے ان کے لیے آدھی دیت کا حکم دیا ۵؎ اور فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو کفار میں رہے سہے ۶؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ؟ ۷؎ فرمایا چاہیے ان دونوں کی آگیں نہ دکھائی دیں ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ خثعم یمن میں ایک پہاڑ کا نام ہے اس پہاڑ کے دامن میں جو لوگ آباد ہیں ان کو خثعمی کہا جاتا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ خثعم یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے،ہوسکتا ہے کہ اس قبیلہ کا نام بھی خثعم اس لیے پڑا کہ وہ اس پہاڑ کے پاس آباد ہے۔سریہ وہ لشکر کہلاتا ہے جس میں حضور انور خود بنفس نفیس تشریف نہ لے جائیں اس کی تعداد چار سو نفری تک ہوتی ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی ان خثعمی لوگوں نے چاہا کہ اپنا اسلام ظاہر کریں تو انہوں نے ان مسلمانوں کو دکھاتے ہوئے نماز شروع کردی لہذا سجود سے مراد نماز ہے۔(اشعہ و مرقات) اور ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی اطاعت ظاہر کرنے کے لیے ان مسلمانوں کو سجدہ کیا ہو کہ ہم تمہارے ذمی بنتے ہیں تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔

۳؎ اس لیے کہ مسلمان سمجھے کہ یہ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے ہم کو دھوکہ دیتے ہوئے نماز پڑھنا دکھا رہے ہیں دراصل ہیں کافر۔

۴؎ اس طرح کہ ان غازیوں نے خود جاکر یہ واقعہ عرض کیا۔

۵؎ یہ قتل خطا تھا جس میں قاتل کے عصبات پر مقتول کی پوری دیت لازم ہوتی ہے مگر چونکہ اس خطا میں ان مقتولین کی اپنی غلطی بھی ہے کہ وہ مشرکین و کفار کے ملک میں رہے جس سے نہ تو اپنا اسلام صحیح طور پر ظاہر کرسکے نہ غازی مسلمان انہیں پہچان سکے اسی لیے اس قتل میں انکی غلطی بھی ہے،اس غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی دیت آدھی رہ گئی۔اگر کوئی شخص کسی کے سامنے دشمن یعنی چور وغیرہ کی شکل میں آئے اور مارا جائے تو اس کی دیت بالکل واجب نہیں ہوتی،اگر مسلمان جن سانپ کی شکل میں ہو اور کوئی مسلمان آدمی اسے مار دے تو بھی کچھ نہیں۔

۶؎ یہ فرمان عالی اس دیت کے آدھے رہ جانے کی علت ہے۔لفظ **اظہر** زائد ہے اور مشرکین سے مراد حربی کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی جنگ ہوتی رہتی ہے بیزار ہوں یعنی ان کی محبت سے بیزار ہوں یا ان کے خون سے بیزار ہوں۔خیال رہے کہ اگر مسلمان کفار پر شب خون ماریں جس سے وہاں کے بعض مسلمان بھی بے خبری میں مارے جائیں تو کچھ لازم نہ ہوگا،یہاں چونکہ انہوں نے اسلام ظاہر کیا جسے مسلمان سمجھے نہیں اس لیے نصف دیت لازم فرمائی۔

۷؎ یعنی حضور ایسے مسلمانوں سے کیوں بیزار ہیں یا ان لوگوں کی آدھی دیت کیوں واجب فرمائی پوری کیوں نہ واجب کی **لِمَ** اصل میں **لما** تھا الف گرادیا گیا۔

۸؎ یہ جملہ نیا ہے جس میں اس فرمان عالی کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے یعنی ان مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ کفار سے اتنی دور رہتے کہ ایک دوسرے کی آگ روشنی یا دھواں نہ دکھائی دیتا،انہوں نے یہ نہ کیا اس لیے یہ حکم جاری ہوا۔اس لیے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حتی الامکان مسلمان مشرک کے گھر مہمان ہوکر بھی نہ رہے کہ خطرہ ہے۔دوسرے یہ کہ مسلمان کفار کی سی شکل یا لباس یا وضع قطع اختیار نہ کریں ورنہ لڑائی کے موقعہ پر ممکن ہے کہ مسلمان کے ہی ہاتھ سے مارے جائیں جیساکہ ہندوستان میں بار ہا ہوا کہ قربانی گائے یا محرم کے موقعہ پر جب ہندو مسلم فساد ہوئے تو بہت سے ہندو نما مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔تیسرے یہ کہ کفار کے ہاتھوں میں مسلمان قیدی جب موقعہ پائے تو بھاگ جائے وہاں ٹھہرے نہیں کہ خطرہ ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ایمان شب خونی سے آڑ ہے مؤمن اچانک نہیں مارتا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی مسلمان کسی کو بغیر تحقیق کیے اچانک نہیں قتل کرتا اسلام اس سے منع فرماتا ہے پہلے تحقیق کرلے کہ مؤمن ہے یا کافراور اگر کافر ہے تو ذمی یا مستامن یا حربی،جب پتہ لگ جائے کہ حربی کافر ہے تب اسے قتل کرتا ہے۔خیال رہے کہ اگر پہلے سے کسی کا کافر حربی ہونا معلوم ہو اور اسے قتل کی خبر دینے میں نقصان ہو تو اچانک قتل جائز ہے جیسے کعب ابن اشرف اورابو رافع وغیرہ کا قتل،یہاں نفی بمعنی نہی ہے۔

	روایت ہے حضرت جریر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جب غلام بھاگ جائے دارالحرب کی طرف تو اس کا خون حلال ہوگیا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اگر مسلمان غلام مرتد نہ بھی ہو مسلمان ہی رہے مگر بھاگ کر دارالحرب پہنچ جائے پھر اسے کوئی قتل کردے تو اس قاتل پر کچھ لازم نہ ہوگاکہ اس قتل میں خود غلام کا قصور ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی اورآپ کی بدگوئی میں مشغول رہتی تھی ۱؎تو ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتی کہ وہ مرگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل فرمادیا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اگرچہ وہ مدینہ منورہ میں ذمیہ ہوکر رہتی تھی مگر پھر بھی یہ حرکت کرتی تھی۔

۲؎ یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کہ ذمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا اور وہ حربی ہوجائے گا لہذا اس کے قتل پر نہ قصاص ہوگا نہ دیت،ہمارے ہاں اس حرکت سے ذمہ باطل نہ ہوگا کیونکہ حضور کی اہانت کفر ہے جب وہ پہلے سے ہی کافر ہے جب کہ خدا کو مانتا ہے مگر رہتا ہے ذمی تو اس کفر سے بھی ذمی ہی رہے گا،یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا اس کا قتل ذمہ ٹوٹنے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمان کے دینی طیش کی بنا پر تھا جس بنا پر یہ حکم جاری ہوا۔

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جادو گر کی سزا تلوار سے مار دینا ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ اگر جادو گر مسلمان ہو اوروہ جادو کرے جس میں کلمات کفریہ ہیں تب تو بوجہ مرتد ہوجانے کے قتل کے لائق ہےاور اگر کسی کو ہلاک کردے تو قصاصًا قتل کیا جائے گا۔جادو کرنے اور جادو سیکھنے کے احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے،ہم نے بھی اپنی تفسیر نعیمی پارہ اول میں بہت تفصیل سے عرض کیے ہیں۔خیال رہے کہ قاتل جادو گر ڈاکو کے حکم میں ہے اور جادو گر کی توبہ قبول ہے،دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے جادو گروں کی توبہ قبول ہوئی جیساکہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص سلطان اسلام پر خروج کرے اور میری امت میں پھوٹ ڈالے تو اس کی گردن مار دو ۱؎(نسائی)

۱؎ اس سے مراد باغی ہے یعنی جو بغاوت کرے تو اولًا اس کو سمجھایا جائے پھر باز نہ آئے تو قتل کیا جائے،اگر باغیوں کی باقاعدہ جماعت ہو تو ان سے جنگ کی جائے جیساکہ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے جنگ کی۔باغی وہ ہے جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے بادشاہ اسلام کی مخالفت کرے۔باغی اور خارجی کا فرق اور ان کے احکام کی تفصیل ہماری کتاب یعنی امیر معاویہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت شریک ابن شہاب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں آرزو کرتا تھا کہ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں اور ان سے خارجیوں کے متعلق پوچھوں ۲؎ میں عید کے دن ابوبرزہ سے ان کے ساتھیوں کی جماعت میں ملا ۳؎ میں نے ان سے کہا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خارجیوں کے متعلق کچھ ذکر فرماتے ہوئے سنا ہے ۴؎ فرمایا ہاں میں نے حضور کو اپنے کانوں سے فرماتے اور اپنی آنکھوں سے حضور کو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال لایا گیا ۵؎ آپ نے وہ مال تقسیم فرمایا تو اپنے داہنے بائیں والوں کو دیا اور اپنے پیچھے والوں کو کچھ نہ دیا ۶؎ تو آپ کے پیچھے سے ایک شخص کھڑا ہوا بولا اے محمد(صلی اللہ علیہ و سلم)آپ نے تقسیم میں انصاف نہ کیا ۷؎ یہ کالا شخص تھا منڈے ہوئے بال اس پر دو سفید کپڑے تھے ۸؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے ۹؎ اور فرمایا کہ تم لوگ میرے سوا مجھ سے زیادہ عادل شخص کوئی نہ پاؤ گے ۱۰؎ پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی شاید یہ بھی ان میں سے ہے ۱۱؎ جو قرآن بہت پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نہ اترے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے ۱۲؎ ان کی علامت سر منڈانا ہے ۱۳؎ یہ نکلتے ہی رہیں گے ۱۴؎ حتی کہ ان کا آخری گروہ مسیح دجّال کے ساتھ نکلے گا ۱۵؎ تو جب تم ان سے ملو تو جان لو کہ یہ بدترین مخلوق ہیں ۱۶؎ (نسائی)

۱؎ ایک غیر مشہور تابعی ہیں،بصری ہیں،حرثی ہیں،آپ سے صرف ایک یہ حدیث مروی ہے،آپ سے ازرق ابن قیس نے روایت کی۔

۲؎ کہ اس فرقہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا کیونکہ اس زمانہ میں یہ فرقہ نمودار ہوا تھا اس کی تردید کے لیے اس قسم کی احادیث کی ضرورت تھی۔

۳؎ ابوبرزہ کا نام نصلہ ابن عبید ہے،اسلم قبیلہ سے ہیں،پرانے صحابہ سے ہیں،فتح مکہ کے دن ابن حنظل کوآپ نے ہی قتل کیا حضور کی وفات تک حضور کے ساتھ رہے،سرکار عالی کی وفات کے بعد بصرہ میں رہے پھر فتح خراسان میں شرکت فرمائی، ۶۰ھ؁ میں مقام مرو میں وفات پائی،اس وقت حضرت ابوبرزہ کے ساتھ ان کے ہمرا ہی تھے جو تابعین سے تھے صرف آپ صحابی تھے باقی حضرات صحابی نہ تھے۔(مرقات)

۴؎ مقصد یہ ہے کہ آپ خوارج کے متعلق وہ حدیث مجھے سنا دیں بذات خودآپ نے جو سنی ہوتاکہ کچھ اس سے پوری تسلی تشفی ہو۔

۵؎ یا مال غنیمت یا کسی جگہ سے ٹیکس وغیرہ کا مال جو قابل تقسیم تھا۔

۶؎ شاید پیچھے والوں کو اس تقسیم میں حصہ نہ دینا اس لیے تھا کہ اس سے ان کا حال ظاہر ہوجائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۷؎ کیونکہ اس مال میں سب کا حصہ تھاآپ نے بعض کو دیا **نعوذ باللہ!**

۸؎ **مطموم** بنا ہے **طم** سے بمعنی جڑ سے اکھیڑ دینا،اس سے مراد ہے منڈے ہوئے بال۔(اشعہ ومرقات) سفید کپڑے فرماکر اس کا ظاہر صاف باطن گندا تھا کہ کپڑے سفید تھے دل و دماغ سیاہ تھا۔(مرقات)شعر

تن اُجلا من کالا بگلے کے سے بھیک اس سے تو کانگا بھلے کہ باہر بھیتر ایک

اللہ تعالٰی دل سفید نصیب کرے۔

۹؎ مگر اس کے باوجود بہت تحمل فرمایا کہ نہ اس کے قتل کا حکم دیا نہ اس پر کوئی اور سختی فرمائی ورنہ یہ مرتد لائق قتل تھا کیونکہ حضور اقدس کے کسی فعل کا حقارت کی نظر سے دیکھنا اورآپ پر ظلم کا اتہام لگانا کفر ہے اس کو قتل نہ کرنے کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۱۰؎ یہاں **بعد** بمعنی سواء ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور سے بڑھ کریا حضور کے برابر عادل نہ حضور کے زمانہ میں تھا نہ بعد۔

۱۱؎ حضور کا یہ شاید فرمانا یقین کے لیے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"**لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا**"یعنی یہ ان لوگوں کے سرداروں امیروں میں سے ہے۔

۱۲؎ جو لوگ خوارج کو کافر نہیں کہتے صرف گمراہ کہتے ہیں وہ یہاں اسلام کے معنے کرتے ہیں سلطان کی اطاعت مگر یہ ضعیف ہے کیونکہ دوسری روایت میں بجائے اسلام کے دین ارشاد ہوا ہے یعنی وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شرکار سے،اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے۔

۱۳؎ خدا کی پناہ ہر جگہ خوارج کی پہچان سر منڈانا ارشاد ہوئی جیساکہ پہلے گزر چکا۔

۱۴؎ اور دنیا میں فساد پھیلاتے ہی رہیں گے یہ کبھی فنا نہ ہوں گے اور ان کی فساد انگیزی ختم نہ ہوگی۔ (مرقات)

۱۵؎ یعنی یہ ہمیشہ مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے اور کفارومشرکین کے ساتھی رہیں گے حتی کہ جب دجال نکلے گا تو اس کے ساتھی اس کے حمایتی یہ ہی لوگ ہوں گے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی اب تک ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہابیوں کے حملے ہمیشہ مسلمانوں پر ہوئے اور کانگریس کے حمایتی ہندوؤں کے دوست ہمیشہ یہ ہی حضرات رہے،نجدیوں نے مسلمانوں بلکہ صحابہ کرام اہل بیت عظام کی قبور ڈھادیں مگر جواہر لعل نہرو کو رسول السلامۃ کا خطاب دیا،اس کی اور گاندھی کی شان میں عربی کتابیں لکھیں چھاپیں اور حرمین طیبین میں درسًا پڑھائیں۔خبر ملی ہے کہ یوپی میں بریلی میں ایک وہابی صاحب نے ہندوؤں کے لیے مندر تعمیر کرایا ہے جس پر اپنی جیب سے قریبًا اسی۸۰ ہزار روپیہ خرچ کیا ہے،پاکستانی اخبارات نے یہ خبر چھاپی،ان بزرگوں کو شرک سے ظاہری نفرت مگر مشرکوں سے محبت ہے،یہ ہے اس حدیث پاک کا ظہور۔

۱۶؎ **فاذا** کی خبر یا تو **فاعلموا** یا **فاقتلوا** ہے جیساکہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔خیال رہے کہ یا تو **خلق** اور **خلیقه** ایک ہی معنے میں ہیں یا **خلق** سے مراد انسان ہیں اور **خلیقه** سے مراد دوسری مخلوق یعنی یہ لوگ تمام مخلوق سے بدترین ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"**اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ**"۔

	روایت ہے حضرت ابو غالب سے ۱؎ کہ حضرت ابو امامہ نے ۲؎ کچھ سر دمشق کے راستہ پر لٹکے دیکھے ۳؎ تو ابو امامہ نے فرمایا کہ دوزخ کے کتے ہیں ۴؎ آسمان کی وسعت کے نیچے بدتر مقتولین ہیں بہترین مقتول وہ ہیں جس کو یہ قتل کریں ۵؎ پھر پڑھا کچھ منہ اس دن سفید ہوں گے اور کچھ منہ سیاہ،پوری آیت ۶؎ ابوامامہ سے پوچھا گیاآپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہےفرمایا اگر میں نے حضور کو ایک بار یا دو بار تین بار حتی کہ سات بار گِنا فرماتے نہ سنا ہوتا تو میں تم سے روایت نہ کرتا ۷؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ آپ تابعی ہیں،بصری باھلی ہیں،آپ کا نام حزور ہے ،آپ کو عبدالرحمٰن حضرمی نے آزاد کیا،بعض محدثین نےآپ کو ضعیف کہا بعض نے قوی کہا۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں،اولًا مصر میں پھر حمص میں رہے،وہاں ہی انتقال فرمایا،شام کے آخری صحابی آپ ہیں یعنی سب سے آخر،وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

۳؎ یہ سر خارجیوں کے تھے جو غالبًا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے،یہ حضرت علی،امام حسنین،فاطمہ زہراء،عثمان غنی،امیر معاویہ کے بدترین دشمن ہیں۔

۴؎ یعنی یہ خارجی دوزخ میں کتوں کی شکل میں جائیں گے یا وہ دوزخیوں کے نزدیک بھی وہاں کتوں کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے،پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں۔(مرقات)

۵؎ یعنی جو غازی انہیں مارے وہ بہترین غازی ہےاور جو شہیدان کے ہاتھوں شہید ہو وہ بہترین شہید اور یہ خود بدترین مقتولین۔

۶؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو امامہ کے نزدیک خارجی لوگ مرتد خارجی از اسلام کفار ہیں بعض نے انہیں بدعتی گمراہ اہل ھوا فرمایا۔(مرقات)

۷؎ یعنی ابو غالب نے حضرت ابو امامہ سے پوچھا کہ آپ کا یہ ارشاد اپنا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خوارج دوزخ کے کتے وغیرہ ہیں توآپ نے فرمایا کہ دوسری احادیث تو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ایک بار سنی ہوں گی مگر یہ فرمان عالی خوارج کے متعلق سات بار سنا ہے تب میں یہ روایت کررہا ہوں۔معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں ان مردودوں کی برائیاں اکثر بیان ہوتی تھیں۔

کتاب الحدود

مقررہ سزاؤں کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎حدود جمع ہے حد کی،لغت میں حد کے معنے ہیں آڑ یا منع اسی لیے دربانچی یعنی بوّاب کو عربی میں حداد بھی کہتے ہیں۔اصطلاح میں جرم کی شرعی مقررہ سزا کو حد کہتے ہیں کہ یہ بھی لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے کبھی حرام چیزوں کو بھی حدود کہا جاتاہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا"کیونکہ یہ محرمات سزاؤں کا سبب ہیں،اسلام میں زنا کی سزا رجم ہے یا سو۱۰۰ کوڑے،چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا،شراب پینے کی سزا اسی۸۰ کوڑے،پاکدامن آزاد عورت کو تہمت لگانے کی سزا بھی اسی۸۰ کوڑے،ڈکیتی کی سزا سولی وغیرہ ہے،قتل کی سزا قصاص حد شرعی ہیں،باقی جوئے وغیرہ جرموں میں حد نہیں تعزیر ہے کہ حاکم جو چاہے سزا دے۔حق یہ ہے کہ شرعی حدود اس گناہ کا کفارہ نہیں اور ان سے اخروی عذاب دفع نہ ہوگا۔چنانچہ قرآن کریم ڈاکوؤں کے متعلق فرماتاہے:"لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا"۔معلوم ہوا کہ ڈاکو کی سولی دنیاوی رسوائی ہے اخروی سزا اس کے علاوہ ہے جو توبہ سے دفع ہوسکتی ہے۔بخاری شریف وغیرہ میں جو ہے کہ جسے ان جرموں کی سزا دینا میں دے دی گئی فھو کفارۃ له وہ اس کا کفارہ بن گئی،وہاں وہ سزا مراد ہے جو توبہ کے ساتھ ہو،مجرم خود حاکم کے سامنے سزا لینے حاضر ہوجائے۔(ازمرقات وغیرہ)جیسے صحابہ کرام جرم کے بعد خود آکر عرض کرتے تھے طھرنی یارسول اللہ حضور مجھے پاک فرمادو۔خیال رہے کہ حاکم کسی مجرم کو اپنے خصوصی علم کی بنا پر سزا نہیں دے سکتا جب تک کہ گواہی یا اقرار سے اس کا ثبوت نہ ہوجائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ"۔یہ ہی احناف اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور زید ابن خالد سے ۱؎کہ دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا تو ان میں سے ایک بولا کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمادیجئے ۲؎اور دوسرا بولا ہاں یا رسول اللہ پس ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمایئے اور مجھے عرض کرنے کی اجازت	

دیجئے ۳؎ فرمایا بولو عرض کیا میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا ۴؎ تو اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرلیا مجھے لوگوں نے خبر دی کہ میرے بیٹے پر رجم (سنگساری) ہے ۵؎ تو میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک اپنی اونٹنی کا فدیہ دے دیا ۶؎ پھر میں نے علماء سے پوچھا ۷؎ انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کا دیس نکالا ہے اور سنگساری اس کی بیوی پر ہے ۸؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا ۹؎ رہیں تیری بکریاں اور لونڈی وہ تجھ پر واپس ہوں گی ۱۰؎ لیکن تیرا بیٹا تو اس پر سو کوڑے اور ایک سال دیس نکالا ہے ۱۱؎ اور اے انیس ۱۲؎ کل صبح تم اس کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اسے سنگسار کردو تو اس نے اقرار کرلیا چنانچہ اسے رجم کیا ۱۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ آپ جہنی ہیں، مشہور صحابی ہیں، پچاسی سال عمر پائی، عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۷۸ھ میں وفات پائی، کوفہ میں فوت ہوئے وہاں ہی قبر شریف ہے۔(اشعہ)

۲؎ شاید یہ دونوں حضرات کہیں باہر کے تھے جو آداب دربار عالیہ سے واقف نہ تھے اس لیے یہ عرض کیا ورنہ حضور کا فیصلہ کتاب اللہ پر موقوف نہیں جو زبان شریف سے نکلے وہ ہی فیصلہ شرعیہ ہے۔

۳؎ شاید یہ شخص دوسرے سے زیادہ قادر الکلام تھا یا اس کے بیٹے نے زنا کا اقرار کرلیا تھا اور دوسرے کی بیوی نے اقرار نہ کیا تھا اس لیے اس نے خیال کیا کہ بیانِ جرم کے لیے میں ہی موزوں ہوں۔

۴؎ علیٰ ھٰذا کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام کرچکا تھا اور اس کی مزدوری اس کے ذمہ لازم ہوچکی تھی، اگر لھٰذا ہوتا تو یہ مدعیٰ حاصل نہ ہوتا۔(مرقات)

۵؎ یعنی بعض صحابہ نے میرے کنوارے بیٹے پر زنا کی وجہ سے رجم کا حکم دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے مفضول سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے، دیکھو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس نے صحابہ سے مسئلہ پوچھا، یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مسئلہ میں غلطی ہوجائے تو افضل اس کی اصلاح کردے، دیکھو یہ مسئلہ غلط بتایا گیا تھا جس کی اصلاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔

۶؎ یہ ان صحابی کا اپنا اجتہاد تھا یہ سمجھے کہ جیسے قتل میں قاتل سو اونٹ فدیہ دے کر قصاص سے بچ سکتا ہے میرا بیٹا بھی اس فدیہ کی بنا پر رجم سے بچ سکے گا۔

۷؎ یعنی بڑے علماء صحابہ سے پوچھا۔

۸؎ کیونکہ ان کا بیٹا کنوارا تھا اور دوسرے کی بیوی شادی شدہ،محصنہ کنوارے زانی کی سزا کوڑے ہیں اور شادی شدہ محصنہ کی سزا رجم ہے۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے قرآن مجید میں رجم کی آیت تھی"الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالًا من الله والله عزیز حکیم"،پھر بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوئی حکم باقی رہا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ہم قرآن سے فیصلہ فرمائیں گے پھر رجم کا حکم دیا،بعض نے فرمایا کہ حکم رجم اس آیت سے حضور نے نکالا"وَالَّذَانِ یَاْتِیٰنِهَا مِنۡكُمۡ فَاٰذُوۡهُمَا"جو زنا کرلیں انہیں ایذاء دو،ایذاء میں رجم بھی داخل ہے۔(مرقات)مگر فقیر کے نزدیک یہ دونوں قول ضعیف ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زانی لڑکے پر سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کے دیس نکالے کی بھی سزا دے رہے ہیں یہ قرآن کریم میں نہ تھا نہ اب ہے۔حق یہ ہے کہ حضور کا ہر حکم در حقیقت حکم قرآنی ہے کہ رب نے فرمایا:"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم قرآنی حکم ہے حضور ناطق قرآن ہیں۔

۱۰؎ غالبًا اس شخص نے یہ بکریاں اور لونڈی خیرات نہ کی تھیں ورنہ صدقہ و خیرات دے کر واپس نہیں ہوسکتی بلکہ عورت کے خاوند اور اس کے عزیزوں کو دی ہوں گی کیونکہ ان کی آبروریزی ہوئی جیسے قاتل مقتول کے ورثاء کو دیت دیتا ہے۔

۱۱؎ سو کوڑے تو حد کے طور پر اور ایک سال کا دیس نکالا بطور تعزیر کہ اگر امام اس میں مصلحت دیکھے تو یہ سزا بھی دے یہ ہی ہمارا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں یہ بھی حد ہے مگر امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ حضرت عمر نے ایک بار زانی کو دیس نکالا دیا وہ کفار سے جا ملا تو آپ نے پھر یہ سزا نہ دی،اگر یہ بھی حد ہوتی تو آپ اسے بند نہ کرتے دیکھو طحاوی شریف،نیز کبھی دیس نکالا مضر بھی ہوتا ہے کہ زانی باہر جاکر اور آزاد ہوجاتا ہے اس لیے اگر مفید ہو تو یہ سزا دی جائے۔

۱۲؎ ان کا نام انس ابن ضحاک اسلمی ہے،محبت وپیار میں انیس تصغیر سے فرمایا۔

۱۳؎ اقرار سے مراد شرعی اقرار ہے یعنی چار بار۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اقرار نامہ زنا سلطان اسلام کے سامنے ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے نائب کے سامنے بھی ہوسکتا ہے۔دوسرے یہ کہ زانی کے رجم کے وقت سلطان کی موجودگی ضروری نہیں،نائب سلطان کی حاضری گویا سلطان ہی کی حاضری ہے۔تیسرے یہ کہ فریقین میں سے ایک کے بیان پر بھی قاضی کفایت کرسکتا ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس ایک شخص کا بیان سنا عورت کے خاوند کا بیان نہ لیا،ہاں دوسرے ملزم کو سزا اس کے اقرار پر دی،حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جب فرشتے مدعی و مدعی علیہ کی شکل میں حاضر ہوئے تو آپ نے ایک کا بیان سن کر فرمادیا کہ یہ دوسرا ظالم ہے جو اپنے

پاس ننانوے بکریوں ہوتے ہوئے تیری ایک بکری مانگتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہندہ کا بیان سن کر حکم دیا کہ ابو سفیان کی جیب سے بقدر ضرورت خرچ لے لیا کرو۔بعض نے فرمایا کہ فتویٰ اور قضاء میں فرق ہے،فتویٰ ایک بیان پر ہوسکتا ہے،امام شافعی نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ چوری و قتل کی طرح زنا میں بھی ایک اقرار کافی ہے کیونکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اقراروں کی شرط نہ لگائی مگر یہ دلیل بہت کمزور ہے کیونکہ حضرت ماعز کی روایت میں چار اقراروں کی تصریح ہے اور یہاں ایک اقرار کی تصریح نہیں لہذا یہاں بھی شرعی اقرار مراد ہے یعنی چار بار،مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اس کے متعلق جو بغیر محصن ہوئے زنا کرے [1] ایک سو کوڑے اور ایک سال دیس نکالا کا حکم دیتے تھے [2] (بخاری)	

[1] شریعت میں محصن وہ ہے جو مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو اور بذریعہ نکاح صحیح صحبت کرچکا ہو اگر ان میں سے ایک چیز نہ ہو تو غیر محصن ہے غیر محصن زانی کی سزا سو کوڑے ہیں۔

[2] خیال رہے کہ احناف کے نزدیک ایک سال کا دیس نکالا بطور تعزیر ہے حد صرف سو کوڑے ہیں لہذا یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں "اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ"۔کوڑا کیسا ہو اور کس طرح مارا جائے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اس سزا میں زانی کو مرنے نہ دیا جائے گا اگر بہت کمزور ہو کہ کوڑوں سے مرجانے کا خطرہ ہو تو نرم مار ماری جائے گی اور دماغ دل شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں گے کہ اس سے مرجانے کا خطرہ ہے اسی طرح حاملہ بالزنا کنواری کو بحالت خطرہ حمل کوڑے نہ مارے جائیں حمل جننے کے بعد قوت آجانے پر مارے جائیں گے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالٰی نے حضور محمد کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب اتاری تو ان آیات میں جو اللہ نے اتاریں رجم کی آیت تھی [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا [2] اور رجم کتاب اللہ میں ہے حق ہے [3] زنا کرنے والے مردوں عورتوں پر جب کہ محصن ہوں جب کہ گواہ قائم ہوجائیں یا حمل ہو یا اقرار [4] (مسلم،بخاری)	

[1] وہ آیت یہ تھی "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم" شیخ اور شیخہ سے مراد محصن اور محصنہ ہیں پھر یہ آیت حضور کے زمانہ میں ہی تلاوت میں منسوخ ہوگئی حکمًا باقی رہی۔

۲؎ یعنی رجم کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ اجماع امت سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے۔
۳؎ اس جملہ کے چند معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ آیت رجم قرآن مجید میں تھی یہ حق و صحیح ہے۔دوسرے یہ کہ حکم رجم اب بھی قرآن مجید میں ہے حق ہے کیونکہ آیت رجم کی صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہے حکم منسوخ نہیں ہوا۔تیسرے یہ کہ اب بھی بعض آیات سے حکم رجم نکل سکتا ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاٰذُوۡهُمَا"دونوں زانی و زانیہ کو ایذا دو،رجم بھی ایذاء ہے۔چوتھے یہ کہ حدیث شریف میں اب بھی رجم کا حکم موجود ہے اور حضور کا فرمان قرآن مجید کا ہی فرمان ہے۔
۴؎ یعنی زانی محصن کو رجم کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا زنا شرعی طریقے سے ثابت ہو،چار مرد مسلمانوں کی گواہی جو زنا کا مشاہدہ کریں یا غیر خاوند والی عورت کو حمل قائم ہوجائے خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ خواہ خاوند والی مگر خاوند مفقود یا غائب شرعی ہو یا شرعی اقرار ہو چار باراس کے بغیر رجم نہیں کیا جاسکتا۔خیال رہے کہ جیسے نمازوں کی رکعتیں،زکوۃ کی مقدار قرآن مجید میں نموجود مگر حق ہے اس کا انکار کفر ہے ایسے ہی رجم اگرچہ اب قرآن مجید میں موجود نہیں مگر حق ہے۔خیال رہے کہ خوارج کے سواء کسی فرقہ اسلامیہ نے رجم کا انکار نہ کیا انکا انکار محض باطل ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو ۱؎ اللہ تعالٰی نے ان عورتوں کے لیے طریقہ مقرر فرمادیا ۲؎ کنوارا کنواری سے زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کا دیس نکالا ۳؎ بیاہا بیاہی سے کرے تو سو کوڑے اور رجم ۴؎ (مسلم)

۱؎ یعنی زنا کی سزا کا حکم مجھ سے حاصل کرو۔
۲؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:"فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰٮهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا"یعنی جس راہ نکالنے کا رب تعالٰی نے وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرمادیا۔خیال رہے کہ زنا میں اصل داعی عورت ہے اس لیے قرآن کریم نے بھی اور حدیث پاک نے بھی لھنّ فرمایا،زنا عورت کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا لہذا یہ فرمان عالی بالکل حق ہے۔
۳؎ اس طرح کہ سو کوڑے تو اس زنا کی سزا ہے اور دیس نکالا تعزیر،اگر قاضی مناسب جانے تو نکالے ورنہ نہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔
۴؎ اس پر جمہور علماء ہیں کہ کوڑے اور رجم جمع نہیں ہوسکتے لہذا یہ جملہ منسوخ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو صرف رجم کیا کوڑے نہ لگائے۔خیال رہے کہ یہاں زنا کی دو صورتیں بیان ہوئیں اور دو کا ذکر نہیں ہوا:کنوارا کنواری سے زنا کرے،بیاہا بیاہی سے زنا کرے،پہلی صورت میں دونوں کو کوڑے،دوسری صورت میں دونوں کو رجم۔کنوارا بیاہی سے،بیاہا کنواری سے ان کا ذکر نہ ہوا کیونکہ ان کا حکم بالکل ظاہر ہے کہ کنوارے کو کوڑے اور بیاہے کو رجم جیسا کہ ابھی

مزدور کی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوارے لڑکے کو سو۱۰۰ کوڑے لگوائے عورت شادی شدہ کو رجم کرایا۔اس حدیث کی بنا پر حضرت علی اور بعض شوافع فرماتے ہیں کہ محصن زانی کو کوڑے بھی لگائے جائیں اور رجم بھی کیا جائے مگر جمہور علماء صرف رجم کے قائل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو،غامدیہ کو،مزدور والی عورت کو رجم کرایا۔احصان میں چند شرطیں ہیں:مسلمان ہونا،آزاد ہونا،بالغ ہونا،عاقل ہونا،نکاح صحیح سے ایک بار صحبت کرچکنالہٰذا کافر بچہ دیوانہ،غلام اور کنوارامحصن نہیں۔کافر میں امام شافعی کا اختلاف ہے ہمارے ہاں دیس نکالا سزا شرعی نہیں،امام شافعی کے ہاں شرعی سزا ہے،اگر حاکم عورت زانیہ کو دیس نکالا دے تو کسی محرم کے ساتھ بھیجے گااس کا خرچ اس عورت پر ہوگا،اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ زانی وزانیہ کے لیے دیس نکالا بڑے فتنہ کا باعث ہے،عبدالرزاق نے حضرت ابن مسیب سے روایت کی کہ حضرت عمر نے کسی شرابی کو مدینہ سے نکال کر خیبر بھیج دیا تو وہ مرتد ہوکر روم چلا گیا،آپ نے فرمایا کہ آئندہ میں کسی مسلمان کو دیس نکالا نہ دوں گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے توذکر کرنے لگے کہ ان میں ایک مردوعورت نے زنا کرلیا۱ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رجم کے متعلق تورات میں کیا پاتے ہو وہ بولے ہم ان کو رسوا کریں اور ان کو سو کوڑے مارے جائیں۲ عبداللہ ابن سلام نے فرمایا ۳تم جھوٹ بولتے ہو یقینًا اس میں رجم ہے چنانچہ وہ تورات لائے اسے کھولا تو ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس کے آگے پیچھے پڑھ دیا ۴تو عبداللہ ابن سلام نے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھا اس نے اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت تھی بولے اے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے سچ کہا اس میں رجم کی آیت ہے ۵تو ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ رجم کیے گئے ۶اور ایک روایت میں ہے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھا اس نے اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت چمک رہی تھی تو وہ بولا اے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)بے شک اس میں رجم کی آیت ہے لیکن ہم لوگ آپس میں اسے چھپاتے تھے ۷ چنانچہ ان کے متعلق حکم دیا وہ رجم کیے گئے	

۸؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی زانی مرد بھی یہودی ہے اور زانیہ عورت بھی،شاید یہ لوگ ان کا فیصلہ کرانے حضور کی بارگاہ میں آئے تھے جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ یعنی بحکم توریت رسوا کرنے کی صورت ہم مقرر کریں گے اور کوڑے رب کی طرف سے مقرر ہیں اسی لیے **نفضح** متکلم معروف کہا اور **یجلدون** مجہول غائب۔

۳؎ آپ مشہور صحابی ہیں،پہلے پایہ کے علماء یہود سے تھے،آپ کی کنیت ابو یوسف ہے،حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس لیے یہود میں آپ کی بڑی عزت تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لاتے ہی آپ ایمان لے آئے،آپ نے ۴۳ھ ہجری کو مدینہ میں وفات پائی۔(اکمال)

۴؎ یہ حرکت عبداللہ ابن صوریا یہودی نے کی۔غالبًا توریت شریف میں رسوا کرکے رجم کرنے کا حکم ہوگا اس نے رسوا کرنے کی آیت تو سنا دی مگر رجم کی آیت اپنے ہاتھ تلے چھپالی۔

۵؎ نہایت بے غیرتی سے اقرار کرلیا،بعض روایات میں ہے کہ اس نے صاف مان لیا کہ ہم لوگ غریب کو رجم کردیتے ہیں امیر کو رجم سے بچالیتے ہیں۔

۶؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ **احصان** کے لیے اسلام شرط نہیں،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودی زانیوں کو رجم کرایا حالانکہ وہ مسلمان نہ تھے،امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو رجم کرانا بحکم اسلام نہ تھا بلکہ بحکم توریت تھا،حاکم اسلام کفار ملزمین پر ان کے دین کے احکام جاری کر سکتا ہے۔چنانچہ کفار کی میراث انہی کے مذہب کے مطابق تقسیم کرے گا ورنہ باقاعدہ اسلام اس زنا کے ثبوت کے لیے چار شرعی گواہ چاہیے تھے یعنی مسلمان متقی پرہیزگار گواہ بھی نہ لیے گئے اور ان سے توریت لانے کا مطالبہ فرمایا گیا اگر بحکم اسلام رجم ہوتا تو توریت منگانے کی ضرورت نہ تھی اور بھی اس قسم کی توجیہیں کی گئیں ہیں مگر فقیر کے نزدیک یہ توجیہ قوی ہے۔اسحاق ابن راھویہ نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا روایت کی **من اشرك باللہ فلیس بمحصن** کافر محصن نہیں،دارقطنی نے یہ ہی روایت موقوفًا نقل فرمائی۔(مرقات)

۷؎ یعنی آیت رجم توریت سے نکالی نہیں بلکہ چھپالی تھی تاکہ جو مال نہ دے اسے یہ آیت دکھا کر رجم کردیں اور جو مال دے دے اسے رجم سے بچالیں۔

۸؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ ذمی کافر اگر زنا کرے تو اسے رجم کیا جائے گا۔امام اعظم کے نزدیک اسے سو۱۰۰ کوڑے مارے جائیں گے رجم نہ کیا جائے گا۔خیال رہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنا سیاسی حکم ہے اس لیے ذمی کفار اگرچوری کریں تو ان کے بھی ہاتھ کٹیں گے مگر رجم کفارۂ گناہ بھی ہے اس لیے کفار زانی کو رجم نہ کیا جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تھے تو پکارا یارسول اللہ میں نے زنا کیا ہے	

	۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ آپ کے چہرہ انور کے اس رخ کی طرف آیا جس طرف آپ نے منہ پھیرا تھا عرض کیا میں نے زنا کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا پھر جب چار گواہیاں دے چکا۲؎ تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا فرمایا کیا تجھے دیوانگی ہے۳؎ بولا نہیں فرمایا کیا تو محصن ہوچکا ہے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ۴؎ فرمایا اسے لے جاؤ رجم کردو ۵؎ ابن شہاب نے فرمایا ۶؎ کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو فرماتے سنا کہ پھر ہم نے اسے مدینہ میں رجم کیا جب اسے پتھر لگے تو بھاگ گیا ۷؎ تاآنکہ ہم نے اسے حرہ میں پکڑلیا ۸؎ پھر رجم کیا حتی کہ وہ مر گیا۔(مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں حضرت جابر سے قال نعم کے بعد یوں ہے کہ اس کے متعلق حکم دیا وہ جنازہ گاہ میں رجم کیا گیا ۹؎ پھر جب اسے پتھر لگے تو بھاگ گیا پھر پکڑلیا گیا رجم کیا گیا ۱۰؎ حتی کہ مرگیا پھر اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ خیر فرمایا اور اس پر نماز پڑھی ۱۱؎

۱؎ لہذا مجھے رجم کردیجئے تاکہ میں اس گندگی سے پاک ہوجاؤں۔سبحان اللہ! یہ ہے خوف خدا ہم لوگ اپنا جرم چھپانے کی کوشش کرتے ہیں وہ حضرات معافی کی کوشش کرتے تھے۔اس نداء سے معلوم ہوا کہ رجم صرف حاکم اسلام کرسکتا ہے دوسرے نہیں کہ ان حضرات نے کسی اور صحابی سے نہ عرض کیا سیدھے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

۲؎ یہاں گواہی سے مراد اقرار ہے کیونکہ یہ اقرار گواہی کے قائم مقام ہے،چونکہ زنا میں چار گواہیاں درکار ہیں اس لیے اقرار بھی چار بار لازم ہے اب بھی حاکم کو یہ ہی چاہیئے۔اس حدیث کی بناء پر ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ زنا میں چار اقرار چار جگہ میں چاہئیں،بعض آئمہ کے نزدیک چار اقرار ایک جگہ میں ہی کافی ہیں،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چار جانب چار اقرار کرائے۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں دعا بمعنی سأل ہے یعنی ان چار اقراروں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دو سوال فرمائے۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ مجنون کا اقرار معتبر نہیں ایک روایت میں ہے کہ فرمایا دیکھو یہ نشہ میں تو نہیں ہے اس کا منہ سونگھا گیا تو نشہ میں نہ تھا کیونکہ مدہوش بے ہوش کا بھی اقرار غیر معتبر ہے۔

۴؎امام نووی نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام رجم کے شرائط کی تحقیق کرے اور احصان بھی اقرار سے ثابت ہوجاتا ہے اگر اقرار زنا کے بعد ملزم اپنے اقرار سے پھر جائے تو رجم نہیں کیا جائے گا،یہ بھی معلوم ہوا کہ اقرار زنا کے لیے مزنیہ عورت کا نام لینا ضروری نہیں نہ امام اس سے یہ پوچھے اور اگر وہ کسی عورت کا نام لے بھی تب بھی وہ اس ملزم کے اقرار سے رجم نہیں کی جائے گی کیونکہ ہر شخص کا اقرار اپنے متعلق ہوسکتا ہے عورت خود اقرار کرے تو سزا پائے گی۔

۵؎معلوم ہوا کہ محصن زانی کو صرف رجم کیا جائے گا کوڑے نہ مارے جائیں گے،یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کی ناسخ ہے جس میں کوڑوں کا بھی حکم ہے۔

۶؎ابن شہاب کا نام امام زہری ہے،آپ تابعی ہیں یعنی میں نے حضرت جابر سے خود نہ سنا کسی اور صحابی یا تابعی سے سنا ہے چونکہ امام زہری بڑے پایہ کے محدث ہیں اس لیے ان کا یہ ابہام حدیث کو ضعیف نہ کردے گا کہ اتنا بڑا محدث ثقہ سے ہی روایت کرے گا امام بخاری کی تعلیق بھی معتبر ہے۔

۷؎اس سے معلوم ہوا کہ مرد زانی کو باندھ کر یا گاڑھ کر رجم نہ کیا جائے گا ورنہ وہ بھاگ نہ سکتا البتہ عورت کا نصف حصہ گاڑھ کر رجم کیا جاوے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدی عورت کو گاڑھ کر رجم فرمایا تھا کیونکہ مرد کی رجم کی شہرت چاہیے اسی لیے شہر میں بلکہ بازار میں رجم کیا جاوے،عورت کے پردہ کا لحاظ رکھا جائے،کوڑے بھی سب کے سامنے مارے جائیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔

۸؎حرہ کے معنے ہیں پتھریلی زمین،مدینہ منورہ میں مدینہ پاک کے دو پہاڑوں کے درمیان کی زمین حرہ کہلاتی ہے یہ جگہ شہر سے متصل ہے۔

۹؎یہ جنازگاہ جنت البقیع قبرستان میں تھا۔معلوم ہوا کہ جنازگاہ پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے،دیکھو مسجد میں رجم حرام ہے کہ اس سے مسجد خون سے لتھڑ جائے گی مگر جنازہ گاہ میں جائز ہے،اسی طرح جنازہ گاہ میں جنبی آسکتا ہے یہاں مصلی سے مراد نماز جنازہ کی جگہ ہے۔(مرقات) اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ جنازہ گاہ مسجد نبوی سے متصل ایک چبوترا تھا جو نماز جنازہ کے لیے مقرر تھامگر مرقات کا قول قوی ہے۔

۱۰؎خیال رہے کہ اقراری زانی اگر رجم کے دوران میں بھاگ جائے توہمارے امام اعظم کے نزدیک اسے چھوڑ دیا جائے گا کہ یہ بھاگنا اپنے اقرار سے پھر جانا ہے اور اقرار زنا میں پھر جانا قبول ہے،امام شافعی کے ہاں اس صورت میں رجم بند کردیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا اگر اپنے اقرار پر قائم رہے تو رجم کیا جائے گا اگر اقرار سے پھر جائے تو چھوڑ دیا جائے گا،ہماری دلیل وہ حدیث ابوداؤد کی ہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ھلا ترکتموہ** تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیامگر چونکہ حد کا ثبوت صراحۃً اقرار سے ہوچکا تھا اور رجوع اقرار صراحۃً نہ تھا اس لیے وہ رجم کردینے والے صحابہ معذور سمجھے گئے اور ان پر قصاص یا دیت لازم نہ فرمائی۔امام مالک نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ ایسی حالت میں بھاگ جانے پر بھی رجم کیا جائے گا وہ اس حدیث کے ظاہر سے دلیل لیتے ہیں۔

۱؎ یعنی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور اس کی نماز جنازہ خود پڑھی یا صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا،اس جملہ کی اور بھی شرحیں ہوسکتی ہیں مگر یہ شرح ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب ماعزابن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۱؎ تو آپ نے ان سے فرمایا شاید تو نے بوسہ لے لیا ہوگا یا اشارہ کیا ہوگا ۲؎ یا دیکھ لیا ہوگا عرض کیا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو کیا تو نے اس سے صحبت کرلی کنایۃً ۳؎ عرض کیا ہاں تو اس وقت ان کے رجم کا حکم دیا ۴؎

۱؎ آپ اہل مدینہ سے ہیں،صحابی اسلمی ہیں،آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے حق تعالٰی نے ان کو اعلیٰ درجہ کی توبہ کی توفیق بخشی ان کے طفیل رب تعالٰی ہمیں بھی توبہ مقبول کی توفیق بخشے۔
۲؎ ہاتھ سے اشارہ کیا ہوگا یا ہاتھ سے اس کا جسم دباکر چھوڑ دیا ہوگا اور اس حرکت کو زنا سمجھ کر تم نے یہ اقرار کرلیا ہوگا۔

۳؎ نکت بنا ہے نیك سے،ضرب کا ماضی ہے ناك ینیك اسم فاعل نائك ہے،مبالغہ نیاك۔عربی میں صحبت و جماع،وطی وغیرہ تو کنایہ کے لفظ ہیں مگر یہ لفظ اسی کام کے لیے صریح ہے جیسے اردو میں چودنا اور فارسی میں گائیدن،چونکہ حد میں یقین جرم چاہیے کنایات میں شبہ ہوتا ہے اس لیے حضور انور نے بین لفظ سے اقرار کرایا۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم اقراری زانی کو اقرار سے بچ جانے کی اشارۃً تلقین کرے کیونکہ حدود حتی الامکان دفع کیے جائیں اور حقوق حتی المقدور ادا کرائے جائیں جیسے زکوۃ کفارہ قرض وغیرہ۔(مرقات)
۴؎ ابوداؤد،نسائی اور عبدالرزاق نے اس روایت میں یہ زائد فرمایا کہ حضور نے انکتھا کے ساتھ فرمایا کہ تیرا یہ اس عورت کی اس میں غائب ہوگیا ماعز نے عرض کیا ہاں جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنویں میں رسی داخل ہوجاتی ہے پھر پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے کہ زنا کہتے کسے ہیں۔ماعز نے عرض کیا حضور جو کام خاوند اپنی بیوی سے حلال کرتا ہے وہ ہی کام میں نے اس سے حرام کیا فرمایا تو یہ باتیں کیوں کرتا ہے ماعز بولے تاکہ آپ مجھے پاک فرمادیں تب آپ نے رجم کا حکم دیا،بعد رجم دو شخصوں کو کہتے سنا کہ ماعز کتے کی موت مارا گیا،حضور نے فرمایا تم اس مقبول بارگاہ الٰہی کی غیبت کررہے ہو اور وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگارہا ہے۔(مرقات)کریم کے کرم کے قربان۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ ماعزابن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے بولے یا رسول اللہ مجھے پاک فرمادو ۱؎ تو فرمایا افسوس ہے ارے لوٹ جا اللہ سے معافی مانگ لے اور توبہ کرلے ۲؎ فرماتے ہیں وہ تھوڑی دور لوٹے پھر آگئے

	عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک فرمادو ۳؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا حتی کہ جب چوتھی بار ہوئی تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میں تجھے کس چیز سے پاک کروں ۴؎ عرض کیازنا سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسے دیوانگی ہے ۵؎ خبر دی گئی کہ اسے دیوانگی نہیں پھر فرمایا کیا اس نے شراب پی ہے ۶؎ تو ایک شخص اٹھا اس نے اس کے منہ کی بو سونگھی تو اس سے شراب کی بو نہ پائی ۷؎ تب فرمایا کیا تو نے زنا کیا ہے عرض کیا ہاں تو رجم کیا گیا لوگ دو تین دن ٹھہرے ۸؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا ماعز ابن مالک کے لیے دعائے مغفرت کرو ۹؎ اس نے ایسی شاندار توبہ کی ہے کہ اگر ایک جماعت کے درمیان وہ بانٹ دی جائے تو ان کو شامل ہوجائے ۱۰؎ پھر حضور کی خدمت میں ازد کے قبیلہ غامد کی عورت آئی ۱۱؎ بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک فرما دو فرمایا افسوس تجھ پر لوٹ جا اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر ۱۲؎ بولی کیا آپ چاہتے ہیں کہ مجھے ایسے لوٹا دیں جیسے ماعز ابن مالک کو لوٹایا تھا یہ بندی تو زنا سے حاملہ ہے ۱۳؎ تب فرمایا کہ تُو، بولی ہاں تب اس سے فرمایا حتّٰی کہ تو اپنے پیٹ کے بچہ کو جن دے ۱۴؎ راوی نے کہا کہ اس کا ایک انصاری مرد کفیل و ضامن ہوگیا ۱۵؎ حتی کہ اس نے جن دیا تب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا کہ غامدیہ نے بچہ جن دیا ۱۶؎ فرمایا تب تو ہم اس کو رجم نہ کریں گے اس کے چھوٹے بچے کو یوں ہی نہ چھوڑیں گے ۱۷؎ کہ اسے کوئی دودھ پلانے والا نہ ہو تو ایک انصاری مرد کھڑا ہوا عرض کیا کہ اس کا دودھ میرے ذمہ ہے یا نبی اللہ ۱۸؎ فرماتے ہیں تب

	اسے رجم کیا گیا اور ایک روایت میں یوں ہے فرمایا جا حتی کہ بچہ جن دے پھر جب جن چکی تو فرمایا جا اسے دودھ پلا حتی کہ اس کا دودھ چھوڑا دے پھر جب اس کا دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا ١٩؎ بولی یا نبی اللہ میں نے اس کا دودھ چھوڑا دیا ہے اور اب بچہ کھانا کھانے لگا ہے تب حضور نے بچہ ایک مسلمان کے سپرد کیا ٢٠؎ پھر اس کے متعلق حکم دیا تو اس کے لیے سینہ تک گڑھا کھودا گیا ٢١؎ اور لوگوں کو حکم دیا انہوں نے اسے رجم کیا ٢٢؎ خالد ابن ولید پتھرلا رہے تھے وہ اس کے سر میں مارا ٢٣؎ تو خالد کے چہرے پر خون کی چھینٹیں پڑ گئیں اسے خالد نے برا کہا ٢٤؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جا اے خالد ٢٥؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے ٢٦؎ کہ اگر یہ توبہ ٹیکس لینے والا کرتا تو اس کو بھی بخش دیا جاتا ٢٧؎ تو اس پر نماز پڑھی گئی اور وہ دفن کردی گئی ٢٨؎ (مسلم)

١؎ سزا قائم فرماکر زنا کی پلیدی سے پاک فرمادو۔معلوم ہواکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پاکی مانگنا شرک نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَیُزَکِّیۡہِمۡ"تزکیہ اور طہارت کا فرق بارہا بیان ہوچکا۔

٢؎ لفظ **ویحك** یا **ویحالك** رحم یا تعجب یا تعریف کے موقعہ پر بولا جاتا ہے یہاں تینوں معنی میں ہوسکتا ہے۔حضور نے ماعز سے گناہ نہ پوچھا تاکہ اس کی پردہ دری نہ ہو۔**استغفار** سے مراد زبانی توبہ ہے اور **تُب** سے مراد دلی توبہ۔شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو

٣؎ یعنی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو توبہ کی طہارت پر صبر نہ آیا،تیمّم سے وضو کو افضل جانا اس لیے پھر لوٹے۔

٤؎ اللہ اکبر! یہ ہے حضور انور کی شان ستاری کہ تین بار پردہ ڈالا جب ماعز نے اصرار کیا تب حد جاری کرنے کے لیے صراحۃً اقرار زنا کرایا کہ اس صریحی اقرار کے بغیر یہ سزا دینا درست نہ ہوتا تھاوہ تھا کرم یہ ہے قانون،**فیم** میں **فی** بمعنی **من** ہے یا بمعنی **ب** سببیہ۔

٥؎ یہ ارشاد عالی حاضرین بارگاہ سے ہے جو حضرت ماعز کے حالات سے خبردار تھے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ دیوانے اور نشہ والے کا اقرار زنا معتبر نہیں۔
۷؎ اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نشہ والے کا اقرارمعتبر نہیں خواہ کوئی اقرار ہو۔دوسرے یہ کہ شراب پینے کا ثبوت باقی ہو جس میں شراب نکلے یا منہ کی بو ہے یا بے ڈھنگی چال ہے کہ انسان سیدھا نہ چل سکے مگر ان سب میں منہ کی بو بڑا ثبوت ہے۔
۸؎ اس دوران میں ماعز کا کوئی تذکرہ بارگاہ عالی میں نہ ہوا۔
۹؎ کہ اس کے گناہ کی معافی تو رجم سے ہی ہوگئی اب اس دعا سے اس کی ترقی درجات ہوگی۔معلوم ہوا کہ کوئی شخص دعائے خیر سے خصوصًا حضور کی دعا سے مستغنی نہیں اور دعائے مغفرت صرف گناہ کی معافی کے لیے نہیں بلکہ بلندی درجات کے لیے بھی ہوتی ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ"۔(مرقات)
۱۰؎ اس سے معلوم ہوا کہ زانی کے رجم میں اس کی توبہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجم کو توبہ قرار دیا اور چونکہ اس نے خود اقرار گناہ کرکے رجم قبول کیااس لیے اس کا یہ عمل شاندار توبہ بنا،یہاں توبہ کو مادی چیز سے تشبہ دی گئی ہے کہ اس کے لیے تقسیم کا ذکر فرمایااور ہوسکتا ہے کہ تقسیم توبہ سے مراد اس کے ثواب کی تقسیم ہے اس دوسری توجیہ کو مرقات نے ترجیح دی۔
۱۱؎ ازد بڑے قبیلہ کا نام ہے اور غامد اس کے بطن کا نام جیسے پٹھانوں میں یوسف زئی،کمال زئی وغیرہ۔خیال رہے کہ ازدابن الغوث اس قبیلہ ازد کے مورث اعلیٰ کا نام ہے ان ازدکی اولاد میں تمام انصار ہیں ان کا لقب ازد شنوہ ہے۔(اشعۃ اللمعات)
۱۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر زانی کا زنا ثابت نہ ہو اور وہ خفیہ ہی توبہ کرلے تو مغفرت کی امید ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"کفر و شرک کے سواء جسے چاہے معاف فرمادے،دیکھو یہاں بھی حضور نے اس کا گناہ نہ پوچھا،یہ ہے شانِ ستاری۔
۱۳؎ اس بی بی نے اپنے کو غائب کے صیغہ سے تعبیر کیا کیونکہ اس نے اپنے کو بارگاہ عالی کی حاضری کے لائق نہ سمجھا گویا اب میں اس بارگاہ سے غائب ہوچکی ہوں۔(اشعہ)مقصد یہ تھا کہ میں تو اپنے اقرار سے پھرسکتی نہیں کہ میرا حمل میرے جرم کی دلیل ہے ماعز پھر سکتے تھے کہ وہاں کوئی دلیل نہ تھی۔
۱۴؎ کیونکہ اس حالت میں تجھے رجم کرنے سے حمل کی جان بلاوجہ ضائع ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ حاملہ کو قتل یا رجم نہیں کیا جاسکتانہ حق اللہ میں نہ حق العباد میں لہٰذا قاتلہ حاملہ سے بچہ جننے کے بعد قصاص لیا جائے گا کیونکہ ماں کے قصور سے بچہ ہلاک نہیں کیا جاسکتا۔
۱۵؎ یعنی اس بی بی کی حفاظت حمل جننے کے خرچہ وغیرہ کا میں کفیل ہوں،یہ ملزم کو حاضر کرنے کی کفالت و ضمانت نہیں ہے کہ شرعی حد میں ضمانت جائز نہیں،آج بھی قتل کے ملزم کی ضمانت حکومت نہیں لیتی بلکہ اسے دوران مقدمہ حوالات میں رکھتے ہیں۔

۱۶؎ یعنی اس کفیل نے عورت کے بچہ جن دینے کی خبر دے کر دریافت کیا کہ اب اس کے لیے کیا حکم ہے رجم کی جائے گی یا اسے مہلت دی جائے گی۔

۱۷؎ یعنی اب بھی ہم اسے رجم نہ کریں گے کیونکہ اب بھی ماں کو رجم کردینے سے بچہ ضائع ہوجائے گا۔

۱۸؎ لہٰذا اسے فی الفور رجم فرما کر پاک فرما دیجئے۔غالبًا یہ سب کچھ اس بی بی کے کہنے سے عرض کیا ہوگا تب حضور نے رجم کا حکم دیا۔

۱۹؎ یہ ٹکڑا دینا علامت اس کی تھی کہ اب بچہ مجھ ماں کے بغیر بھی رہ سکتا ہے میرے دودھ کا محتاج نہیں اس سے پتہ چلتا ہے اس بی بی کی استقامت اور خوف خدا کی پختگی کا کہ اتنا دراز عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس کا جوش توبہ کم نہ ہوا برابر حاضر ہوتی ہے اور رجم کی درخواست کرتی رہی۔

۲۰؎ یہ روایت گزشتہ روایت کے خلاف ہے پہلی روایت سے معلوم ہوا تھا کہ بچہ جنتے ہی رجم کردی گئی اور بچہ کی شیر خوارگی کسی نے اپنے ذمہ لے لی۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت دودھ چھوڑانے کے بعد رجم کی گئی،شاید یہ واقعہ دوسری عورت کا ہے اسی لیے پہلی عورت کو ازدیہ کہا گیا ہے اور یہ عورت جہنیہ تھی یا پہلی روایت سے یہ روایت زیادہ قوی ہے کہ اس پہلی روایت میں بشیر ابن مہاجر راوی ہے اور اس دوسری روایت میں مقاتل راوی ہے یا پہلی حدیث کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ دودھ چھوڑانے کے بعد رجم کی گئی،وہاں علی رضاعۃ میں رضاعت سے مراد پرورش ہے۔واللہ اعلم!(مرقات و نووی)

۲۱؎ تاکہ ملزمہ عورت پتھروں کی تکلیف پا کر بھاگ نہ سکے اور اس کی پردہ دری نہ ہو،یہ امر استحبابی تھا وجوبی نہیں۔عورت کو رجم کرتے وقت گڑھے میں داب دینا مستحب ہے واجب نہیں۔(ہدایہ،فتح القدیر،مرقات)ظاہر یہ ہے کہ گڑھا کھودنے کا حکم خود سرکار عالی نے دیا۔

۲۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور خود بھی وہاں تشریف فرما رہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔فقہاء فرماتے ہیں اگر زنا کا ثبوت گواہوں سے ہو تو پہلے گواہ پتھر ماریں پھر حاکم پھر دوسرے لوگ اور اگر ثبوت خود ملزم کے اقرار سے ہو تو پہلے حاکم پتھر مارے پھر دوسرے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے۔

۲۳؎ یقبل حال ہے مگر ماضی کے معنی میں کبھی یقینی ماضی کو حال کے صیغہ سے بیان کردیتے ہیں یہ ظاہر کرنے کو کہ مجھے اس واقعہ کا ایسا یقین ہے جیسے ابھی میرے سامنے ہورہا ہے،اظہار تعجب کے لیے بھی ایسا کیا جاتا ہے،خواب بیان کرتے وقت کہا جاتا ہے کہ میں نے سال پہلے خواب دیکھا کہ فلاں جگہ جارہا ہوں وغیرہ۔

۲۴؎ یعنی برے الفاظ سے یاد کرکے فرمایا کہ اس نے میرے کپڑے خراب کردیئے نہ یہ زنا کرتی نہ رجم کی جاتی نہ اس کے خون سے میرے کپڑے نجس ہوتے۔

۲۵؎ اور اسے برا نہ کہو کیونکہ اس کی شاندار مغفرت ہوچکی ہے۔

۲۶؎ معلوم ہوا کہ اپنے جرم کا اقرار کرنا اس کی سزا لے لینا بھی توبہ ہے اگرچہ منہ سے توبہ کے الفاظ نہ کہے،ندامت و شرمندگی آئندہ کے لیے گناہ سے بچنے کا عہد بھی توبہ ہے۔

۲۷؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ ٹیکس لگانے اور وصول کرنے کا حکم کرنے کا محکمہ بدترین محکمہ ہے اور وہاں کے ملازمین بدترین قسم کے مجرم ہیں کیونکہ جتنا ظلم اس محکمہ میں ہوتا ہے اتنا دوسرے محکموں میں نہیں ہوتا کہ ناجائز طریقوں سے رعایا کا مال نہایت بے دردی سے وصول کیا جاتا ہے۔

۲۸؎ ظاہر یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز نہ پڑھی بلکہ لوگوں کو اس کا حکم دے دیا تاکہ آئندہ کے لیے عبرت ہو جیسے مقروض پر بعض دفعہ حضور نے نماز نہ پڑھی،اس جملہ کے معنی یہ بھی کیے گئے کہ حضور نے اس کے غسل و کفن کا حکم دیا پھر نماز پڑھی یعنی امر کا مفعول غسل و کفن ہے اور فعل بصیغہ معروف ہے اسی وجہ سے آئمہ میں اختلاف ہے،بعض کہتے ہیں کہ سلطان اسلام مرحوم پر نماز نہ پڑھے،بعض فرماتے ہیں کہ پڑھے۔خیال رہے کہ ان لوگوں کا صرف زبانی توبہ نہ کرنا اور اصرار سے اپنے کو رجم کرالینا اسی لیے تھا کہ اس توبہ کا قبول ہونا مشکوک تھا اور اس توبہ کا قبول ہونا یقینی۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے پھر اسکا زنا ظاہر ہوجائے تو اسے سزاءً کوڑے لگائے۱؎ صرف بُرا بھلا نہ کہے اگر پھر زنا کرے۲؎ تو اسے سزاءً کوڑے لگائے اور صرف سرزنش نہ کرے۳؎ اگر تیسری بار زنا کرے۴؎ اس کا زنا ظاہر ہوجائے تو اسے بیچ دے اگرچہ بال کی رسّی کے عوض۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ مولیٰ اپنی لونڈی کو خود حد لگاسکتا ہے سلطان اسلام کا فیصلہ شرط نہیں،مگر ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ حد کے لیے فیصلہ حاکم شرط ہے۔اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ حاکم کا فیصلہ کراکر کوڑے لگائے،یہاں نسبت سببیت کی ہے یعنی حد لگانے کا سبب بن جائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لونڈی خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ اس کے لیے زنا کی سزا پچاس کوڑے ہیں،یعنی آزاد عورت کی سزا آدھی اسے رجم نہیں کیا جائے گا،رب تعالٰی لونڈیوں کے متعلق فرماتاہے:"فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفٰحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ"۔اس آیت میں عذاب سے مراد کوڑے ہیں نہ کہ رجم کیونکہ رجم آدھا نہیں ہوسکتا۔

۲؎ اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ زانیہ لونڈی کو کوڑے ضرور لگائے صرف برا بھلا کہہ کر ٹال نہ دے۔دوسرے یہ کہ کوڑے مارنے کے بعد برا بھلا نہ کہے کہ یہ کوڑے اس کی پوری سزا ہوگئی۔

۳؎ خیال رہے کہ لونڈی غلاموں کے متعلق اتفاق ہے کہ انہیں دیس نکالا نہ دیا جائے کہ اس میں سخت خطرات ہیں۔

۴؎ یعنی گزشتہ سزائیں اس کے لیے فائدہ مند نہ ہوں اور وہ زنا سے باز نہ آئے۔معلوم ہوا کہ جرم کی تکرار سے کوڑوں کی بھی تکرار ہوگی۔

۵؎ یعنی اس مرد کے ہاتھ فروخت کردے جس سے وہ بار بار زنا کراتی ہے کیونکہ وہ اس پر فریفتہ ہے،اس بیع کردینے سے اس کے لیے حلال ہوجائے گی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کردے جو اسے زنا سے روک سکے تو اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جو اپنے لیے ناپسند ہو دوسرے کو کیوں دو،نہ یہ اعتراض ہے کہ عیب والی چیز فروخت کرنا ممنوع ہے کیونکہ عیب چھپا کر بیچنا ممنوع ہے کہ یہ دھوکا ہے۔خیال رہے کہ اس بار زنا کی سزا مولیٰ نہ دلوائے بلکہ جو خریدے گا وہ دلوائے گا اس سے یہ کہہ دے کہ اس کو کوڑے لگوادینااسی لیے یہاں سزا کا ذکر نہ فرمایا۔اس افصح الفصحاء کی فصاحت پر قربان اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیمتی چیز بہت سستی بیچ دینا درست ہے یہ مال کی بربادی نہیں،فقہاء نے بہت سستی چیز خریدنے سے وہاں منع کیا ہے جہاں بائع اپنی سخت مفلسی کی وجہ سے سستے داموں مال بیچنے پر مجبور ہوجائے کہ یہ مجبور کی بیع ہے لہذا وہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد قائم کرو ۱؎ ان میں سے جو شادی شدہ ہوں اور جو شادی شدہ نہ ہوں ۲؎ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کرلیا تھا ۳؎ تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ اس کے کوڑے ماروں ۴؎ تو ناگاہ وہ جن چکنے کے قریب ہی ہے تو میں نے خوف کیا کہ اگر میں نے اسے کوڑے لگائے تو اسے قتل ہی کردوں گا ۵؎ تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیاحضور نے فرمایا تم نے اچھا کیا ۶؎ (مسلم) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اسے مہلت دو حتی کہ اس کا خون بند ہوجائے پھر اس پر حد قائم کرو ۷؎ اور حدود ان پر قائم کرو جن کے تم مالک ہو ۸؎

۱؎ ناس سے مراد مسلمان ہیں اور غلام سے مراد ہر غلام ہے مسلمان ہو یا کافر۔

۲؎ یہاں احصان سے مراد شادی شدہ ہونا ہے اصطلاحی احصان مراد نہیں کہ اس میں اسلام اور حریت یعنی آزاد ہونا دونوں شرط ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفٰحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ"یہاں بھی احصان بمعنی نکاح ہے۔

۳؎ اس لونڈی کا نام نہ معلوم ہوسکا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ وہ لونڈی مؤمنہ تھی یا کافرہ۔

۴؎ پچاس کوڑے خواہ وہ شادی شدہ تھی یا کنواری کہ ہر زانیہ لونڈی کی یہ ہی سزا ہے۔

۵؎یعنی وہ ابھی بچہ جن چکی ہے کمزور ہے پچاس کوڑوں کی تاب نہ لاسکے گی مرجائے گی۔
۶؎اس سے معلوم ہوا کہ جس زانی کی سزا کوڑے ہوں اسے کوڑوں سے مرنے نہ دیا جائے لہذا بیمار کو یوں ہی سخت سردی سخت گرمی میں کوڑے نہ لگائے جائیں جب کہ مر جانے کا خطرہ ہو اور اگر یہ زانی مدقوق یا سل کی بیماری میں مبتلا ہو جس سے شفاء کی امید ہو تو سو شاخوں والی لکڑی اس کے جسم پر اس طرح مار دی جائے کہ جان نہ نکلے،اس پر ہمارا اور شوافع کا اتفاق ہے حاملہ کو بھی کوڑے نہ لگائے جائیں کہ مرنے کا اندیشہ ہے اور جس کی سزا رجم ہو اسے بہرحال رجم کردیا جائے کہ وہاں تو موت ہی دینی ہے۔
۷؎جب کہ وہ طاقتور ہو کر کوڑے جھیل سکے۔
۸؎بذریعہ حاکم اسلام حد قائم کراؤ کیونکہ حد قائم کرنا حاکم اسلام کا کام ہے صرف مولیٰ قائم نہیں کرسکتا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ماعز اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا انہوں نے زنا کیا ہے ۱؎حضور نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ دوسری جانب آگئے ۲؎بولے انہوں نے زنا کیا ہے حضور نے پھر ان سے منہ پھیر لیا پھر دوسری طرف سے آگئے بولے یا رسول اللہ انہوں نے زنا کیا ہے تب چوتھی دفعہ میں حکم دیا تو انہیں حرہ کی طرف نکالا گیا رجم کیا گیا پتھروں سے پھر جب انہیں پتھروں کی تکلیف پہنچی دوڑتے ہوئے بھاگ گئے ۳؎حتی کہ ایک شخص پر گزرے جس کے پاس اونٹ کی ہڈی تھی ۴؎اس نے یہ ہڈی ان کے ماری اور لوگوں نے بھی انہیں مارا حتی کہ مر گئے ۵؎لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ماعز نے جب پتھروں اور موت کی تکلیف پائی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا ۶؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا شاید وہ توبہ کرلیتے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے ۷؎

۱؎ یہ روایت بالمعنی ہے انہوں نے کہا تھا انی زنیت میں نے زنا کرلیا ہے،راوی نے اس طرح غائب کے صیغہ سے روایت کیا اور ہوسکتا ہے کہ خود ماعز نے اپنے کو غائب کے صیغے سے بیان کیا ہو یعنی اس فقیر گنہگار حقیر نے زنا کرلیا ہے۔

۲؎ اس طرح کہ اولًا یہاں سے چلے گئے پھر غیرت ایمانی کے جوش میں حاضر ہوئے مگر دوسری جانب سے نہ کہ یہاں رہتے ہوئے لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں جہاں ان کا مجلس شریف سے چلاجانا مذکور ہے ہر دفعہ وہ آتے جاتے رہے۔

۳؎ یہ بھاگنا غیر اختیاری تھا جیسے ذبح کے وقت جانور کا تڑپنا لہذا اس سے ماعز کا ثواب کم نہ ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر مرد کے رجم کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے بلکہ ویسے ہی کھلے میدان میں رجم کیا جائے گا۔

۴؎ لَحی لام کے فتحہ ح کے جزم سے جبڑے کی ہڈی جس پر دانت اُگے ہوتے ہیں،مرد کی اس ہڈی پر نیچے داڑھی ہوتی ہے اندر دانت۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ رجم میں صرف پتھر مارنا ہی ضروری نہیں بلکہ اینٹ،روڑے،ہڈی سے بھی مارا جاسکتا ہے،ہاں لاٹھی یا تلوار سے نہیں مارا جائے گا کہ پھر وہ قتل ہے رجم نہیں،اگر لاٹھی ڈنڈا پھینک کر مارا تو درست ہے کہ یہ قتل نہیں رجم ہی ہے۔

۶؎ کیونکہ اس بھاگنے میں اقرار زنا سے رجوع کا احتمال تھا کہ شاید ماعزا اپنے اقرار سے پھرنے کے لیے بھاگ رہے تھے اور زنا کا اقراری اگر حد سے پہلے رجوع کرے تو حد ختم ہوجاتی ہے اور اگر حد کے دوران رجوع کرے تو باقی حد معاف ہوجاتی ہے اور اس کا رجوع درست ہوتا ہے اگر بعد رجوع بھی اسے مار دیا گیا تو مارنے والوں پر قتل خطا کی دیت واجب ہوتی ہے جو ان کے وارث مرحوم کے وارثوں کو ادا کریں گے اس لیے حضور انور نے فرمایا کہ تم کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

۷؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مارنے والوں پر نہ دیت واجب کی نہ ناراضی فرمائی کیونکہ ماعز نے صراحۃً رجوع نہ کیا تھا احتمال تھا کہ شاید رجوع کرتے ہوئے بھاگے یا تکلیف سے بے اختیار بھاگے،اگر صراحۃً رجوع کرلیا ہوتا پھر وہ ہی حکم ہوتا جو عرض کیا گیا۔اس جملہ مبارکہ اور فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زانی اگر رجم نہ ہو صرف سچی توبہ کرے جب بھی معافی کی امید ہے مگر رجم سے معافی یقینی ہے اس لیے وہ حضرات اصرار سے رجم ہوتے تھے رضی اللہ عنہم۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اگر اقراری شرابی یا اقراری چوری جس کی چوری شراب خوری صرف اس کے اقرار سے ثابت ہو اور کوئی ثبوت نہ ہو اگر حد جاری کرنے سے پہلے یا دوران حد میں اقرار سے پھر جائیں تو حد ختم ہوجائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز ابن مالک سے فرمایا کہ تمہارے متعلق مجھے جو خبر پہنچی ہے کیا وہ سچ ہے ۱؎ عرض کیا میرے متعلق کیا خبر حضور کو پہنچی فرمایا یہ خبر پہنچی

ہے کہ تم نے فلاں قبیلہ کی لونڈی سے زنا کیا ہے۲؎ بولے ہاں پھر ماعز نے چار گواہیاں دیں تب حکم دیا گیا وہ رجم کیے گئے۳؎(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ یہ حدیث گزشتہ اور آئندہ احادیث کے مخالف نہیں بلکہ ان میں اجمال ہے اور اس حدیث میں تفصیل۔واقعہ یہ ہوا کہ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز سے یہ پوچھا تاکہ ماعز انکار کرکے حد سے بچ جائیں،انہوں نے بجائے انکار کے اقرار کرلیا تب حضور انور نے ان سے منہ پھیرلیا،ان احادیث میں پورا واقعہ بیان نہیں ہوا یہاں پورا بیان ہوا لہذا تعارض نہیں اور حضور انور کا یہ سوال بھی دفع حد کے لیے تھا اور منہ پھیرتے رہنا بھی اسی لیے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎مرقات نے فرمایا یہاں جاریہ بمعنی بیٹی ولڑکی ہے آل زائدہ ہے۔اشعہ نے فرمایا کہ جاریہ بمعنی لونڈی ہے۔بہرحال محصن مرد خواہ محصنہ عورت سے زنا کرے یا کنواری سے یا لونڈی سے بہرحال اسے رجم کیا جائے کہ وہ خود تو محصن ہے،اشعہ کی روایت درست ہے۔

۳؎یہاں گواہیوں سے مراد اقرار ہے کیونکہ یہ چار اقرار چار گواہیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں اس لیے اسے گواہیاں فرمایا گیا جیسے آیت لعان میں الزام زنا اور براءت زنا کو شہادت فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت یزید ابن نعیم سے وہ اپنے باپ سے راوی۱؎کہ ماعز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے پاس چار بار اقرار کیا تب آپ نے ان کے رجم کا حکم دیا اور ہزال سے فرمایا۲؎ کہ اگر تم اپنے کپڑے سے ڈھک لیتے تو تمہارے لیے بہتر ہوتا ابن منکدر کہتے ہیں کہ ہزال نے ماعز کو مشورہ دیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں حضور کو یہ خبر دیں۳؎(ابوداؤد)	

۱؎آپ یزید ابن نعیم ابن ہزال اسلمی ہیں،تابعی ہیں اور آپ کے والد نعیم صحابی ہیں۔

۲؎ھُزّال ھ کے ضمہ اور ز کے شد سے ہے،ان کی لونڈی فاطمہ سے ماعز نے زنا کرلیا تھا،ہزال سے اس کا ذکر خود کیا تو ہزال نے انہیں مشورہ دیا کہ تم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر اقرار کرو تب ماعز بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے اس لیے ہزال سے یہ فرمایا۔

۳؎خیال رہے کہ جناب ہزال نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض نہ کیا بلکہ ماعز کو بھیجا کیونکہ اس موقعہ پر زنا کی شہادت کا نصاب یعنی چار عینی گواہ موجود نہ تھے،اگر ہزال کہتے تو گواہ طلب ہوتے،گواہ پیش نہ ہونے پر اگرچہ انہیں تہمت نہ لگتی کہ مزنیہ لونڈی تھی مگر عتاب میں ضرور آجاتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا وجہ جرم ہے جس کا اظہار نہ ہونے دینا خفیہ توبہ کرادینا افضل ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان نے اپنے

بھائی کا عیب لوجہ اللہ چھپایا تو اللہ تعالٰی دنیا و آخرت میں اس کے عیب چھپائے گا مگر جب ملزم زنا کا عادی ہوجائے تو اس کا اظہار کردینا سزا دلوادینا بہتر ہے کہ زمین کو فساد وگناہ سے پاک و صاف کرنا بہتر ہے خواہ توبہ کے ذریعہ یا سزا کے ذریعہ سے۔اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں مطالعہ فرمایئے کہ کہاں حاکم کوگناہ کی خبر دے کر ملزم کو سزا دلوانا بہتر ہے اور کہاں چھپالینا افضل۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جرموں کی آپس میں معافی کرلو ۱؎ورنہ جو جرم ہم تک پہنچ جائے گا وہ لازم ہوجائے گا۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ تعافوا میں خطاب عام پبلک کو ہے نہ کہ حکام یا بادشاہوں کواور حدود سے مراد وہ جرم ہیں جو سبب حد ہیں یعنی حقوق العباد کے جرم حکام تک نہ پہنچاؤ،آپس میں ایک دوسرے سے معافی چاہ لوجیسے چور چوری کرکے مال کو مال والپس دے دے اس سے معافی چاہ لے حکومت تک اسے نہ جانے دے۔

۲؎ یعنی حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے پر معافی نہ ہوسکے گی۔ اس سے معلوم ہواکہ شرعی سزا صرف حاکم دے سکتا ہے دوسرا نہیں دے سکتا،نیز حاکم کے پاس جرم پہنچنے سے پہلے لازم سزا نہیں مگر پہنچ جانے کے بعد لازم ہوجاتا ہے معاف نہیں ہوسکتا نہ حاکم کے معاف کرنے سے نہ صاحب حق کے معاف کرنے سے۔خیال رہے کہ یہ امر استحبابی ہے اور چھپانا یا معاف کردینا وہاں ہی بہتر ہے جہاں اس سے فساد نہ ہو ورنہ سزا دلوادینا نہایت ضروری ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے مخالف نہیں کہ ایک حد قائم کرنا چالیس دن کی بارش سے زیادہ مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مروت والوں کو غلطیوں سے درگزرکرو ۱؎سواء حد والے جرموں کے۲؎(ابوداؤد)

۱؎یہاں خطاب حکام و بادشاہ ورعایا سب سے ہے اور غلطیوں سے مراد وہ جرم ہیں جو حد کا باعث نہ ہوں صرف تعزیر کے لائق ہوں اور مروت والوں سے مراد متقی و پرہیزگار لوگ ہیں جن کی عزت لوگوں کے دلوں میں ہو یعنی اگر کوئی متقی و پرہیزگار آدمی غلطی سے کوئی ایسا جرم کر بیٹھے جو حد کے لائق نہ ہو تعزیر لگ سکتی ہو تو پہلی بار میں معافی دے دو اس کا رسوا ہونا ہی اس کے لیے کافی سزا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مروت والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے آج پہلی بار غلطی ہوئی ہے وہ جرم کے عادی نہیں۔

۲؎ یعنی حدود الٰہیہ قائم کرنے میں کسی کا لحاظ نہ کرو،فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرلیتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا،یہ فرما کر فاطمہ مخزومیہ کا ہاتھ کٹوا دیا،خیال رہے کہ حدود سے مراد مطلق حدود ہیں خواہ حقوق الٰہیہ کی ہوں یا حقوق عباد کی،لہذا ہر زانی کو حد اور چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی،خواہ غریب ہو یا چودھری نمبردار۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک کرسکو مسلمانوں سے حدود دفع کرو ا؎ تو اگر اس کے لیے کوئی راہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے ۲؎ کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے ۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ روایت ام المؤمنین سے مرفوع نہیں وہ ہی زیادہ صحیح ہے۔

ا؎ اسی لیے شبہات سے حدود دفع ہوجاتی ہیں لہذا حاکم کو چاہیے کہ مجرم کو شک و شبہ کا فائدہ دے مگر خیال رہے کہ خود رشوت کا فائدہ نہ اٹھائے،اس صور ت میں یہ حکام سے خطاب ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حتی الامکان حکام تک مجرم کو نہ لے جایئےاسے سزا نہ دلوایئے تب یہ خطاب عوام سے ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے آئندہ مضمون اسی کی تائید کررہا ہے۔

۲؎ یعنی اے حکام اگر وجہ جائز سے مجرم حد سے بچ سکتا ہے تو اس پر حد جاری نہ کیجئے یا اے مسلمانوں اگر کسی صورت سے مجرم بغیر سزا دلوائے درست ہوسکتا ہے تو اسے عدالت میں نہ لے جاؤ،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے واضح ہے۔

۳؎ اس جملہ کے دو معنے کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ اگر امام و حاکم تمہارے معاف کردینے کے بعد طریقہ خطا اختیار کرلے کہ خطاءً اسے تعزیر بھی نہ دے یہ بہتر ہے اس سے کہ حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جائے اور پھر وہ حد جاری کرنے میں غلطی کرے کہ غلطی سے حد چھوڑ دے اس صورت میں یہ خطاب عوام سےہے۔ دوسرے یہ کہ حاکم مقدمہ سننے کے بعد خطاءً ملزم کو سزا نہ دے اسے شک کی بنا پر چھوڑ دے حالانکہ وہ سزا کے لائق تھا یہ اس سے بہتر ہے کہ بے قصور کو سزا دے دے کیونکہ سزا نہ دینے کی صورت میں اللہ کی معافی کی امید ہے کہ مجرم توبہ کرکے نیک بن جائے مگر بے قصور کو سزا دینے میں ظلم بھی ہے اور آئندہ استغفار کی امید بھی نہیں مثلًا محصن زانی کو حاکم کہے کہ شاید تو نے بوسہ لے لیا ہوگا یا چھو لیا ہوگا وغیرہ اور ملزم کہے جی ہاں میں نے یہی کیا تھا اور رجم سے بچ جائے تو اگرچہ رجم کے لائق تھا مگر حاکم گنہگار نہیں اور مجرم کے توبہ کی امید ہے لیکن اگر اسے بغیر تحقیق رجم کردیا گیا اور واقعہ میں وہ رجم کے لائق نہ تھا تو اب تلافی کیسے ہوسکے گی اب بھی حکومتیں قتل کی سزا میں بڑی تحقیق کرتی ہیں کبھی شک کا فائدہ دے کر بری کردیتی ہیں،یہ ہی توجیہ قوی ہے۔(مرقات واشعہ) حتی کہ اگر زانی مجرم کو زنا حرام ہونے کا پتہ نہ ہو تو حد نہ لگے گی۔

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت مجبور کردی گئی ا؎ تو حضور نے عورت سے حد دفع فرمادی ۲؎ اور زنا کرنے والے پر قائم فرما دی اور یہ ذکر نہ کیا اس

	عورت کے لیے مہر مقرر فرمایا ۳؎(ترمذی)

۱؎اس طرح کہ کسی نے جبرًا زنا کرلیا۔
۲؎معلوم ہوا کہ جبرًا زنا پر حد نہیں مگر یہ حکم عورت کے متعلق ہوسکتا ہے،زانی مرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے مجبورًا زنا کیا تھا فلاں شخص نے مجھے زنا کرنے پر مجبور کیا تھا۔
۳؎کیونکہ یہ صحبت محض زنا تھی اور زنا حرام ہے تو حرام شئے کا مہر یا اجرت نہیں۔جن احادیث میں وارد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر دلوایا وہاں وطی بالشبہ کی صورت تھی کہ مرد کسی اجنبی کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کرے یا نکاح فاسد سے صحبت کرے وہاں مہر دینا لازم ہوتا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے ارادہ سے نکلی ۱؎کہ ایک مرد اسے ملا جو اس پر چھا گیا۲؎اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی۳؎وہ چیخی مرد چلا گیا مہاجرین کی ایک جماعت گزری وہ عورت بولی کہ اس شخص نے مجھ سے ایسا ایسا کیا ۴؎لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو حضور نے اس عورت سے فرمایا تو جا تجھے اللہ نے بخش دیا۵؎اس شخص سے فرمایا جو اس پر چھا گیا تھا اسے رجم کردو۶؎اور فرمایا یقینًا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ سارے مدینہ والے کرتے تو ان سب کی قبول ہوجاتی ۷؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یعنی اپنے گھر سے مسجد نبوی شریف کی طرف جارہی تھی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے،زمانہ رسالت میں عورتوں کو مسجدوں میں حاضری کا حکم تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ممانعت فرمائی حالات زمانہ کو ملاحظہ فرما کر،اب چونکہ عورتیں بازاروں،سیمناؤں،اسکولوں کالجوں اور بے دینوں کے جلسوں سے نہیں رکتیں لہذا انہیں مسجدوں کی جماعت سے بھی نہ روکو کہ یہاں آکر کچھ شرعی احکام تو سن جائیں گی۔
۲؎تجلل بنا ہے جلٌ سے بمعنی جھول یعنی وہ مرد جھول کی طرح اس کو لپٹ گیا جیسا گھوڑے پر جھول پڑجاتی ہے کہ عورت اس سے چھوٹ نہ سکی۔
۳؎یعنی اس سے زنا کرلیا۔خیال رہے کہ تمام صحابہ معصوم یا محفوظ نہیں بلکہ عادل یا مستور ہیں۔عادل وہ جو گناہ اگرچہ کرے مگر اس پر قائم نہ رہے،فاسق وہ جو علانیہ گناہ کبیرہ کرے یا گناہ صغیرہ کا عادی ہوجائے۔مستور وہ جس کا گناہ ظاہر نہ ہو،مستور فاسق نہیں ہوتا لہذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں کہ تم تمام صحابہ کو عادل کہتے ہو،حالانکہ ان میں سے بعض سے ایسے گناہ سرزد ہوئے،صحابہ کی عدالت پر قرآنی آیات شاہد ہیں،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

۴؎ یعنی جبرًا زنا کیا،کذا وکذا کنایۃ یا تو اس بی بی کا قول ہے یا بی بی نے تو صراحۃً زنا کہا تھا راوی نے اسے اس طرح روایت کیا پہلے کذا سے چھا جانا مراد ہے دوسرے کذا سے زنا مراد۔

۵؎ یہاں بخشنے سے مراد پکڑ نہ فرمانا ہے یعنی اس زنا پر قیامت میں تیری پکڑ نہ ہوگی کیونکہ تو مجبورومعذور تھی راضی نہ تھی اور دنیا میں تجھ پر حد قائم نہ ہوگی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بخشش تو گناہ کی ہوتی ہے جب وہ عورت گنہگار ہی نہ ہوئی تو اس کی بخشش کے کیا معنے۔

۶؎ یہ شخص محصن تھا اور اس نے چار بار زنا کا اقرارکرلیا تھا تب اس کے رجم کا حکم دیا ورنہ اس زنا پر چار عینی گواہ نہ تھے صرف عورت کے کہنے سے مرد کو زنا کی سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔یہ اقرار زنا کرکے اپنے کو رجم کرالینا اعلیٰ درجہ کی توبہ ہے۔

۷؎ اس فرمان عالی سے اس کی توبہ کی عظمت کا اظہار مقصود ہےورنہ توبہ کی تقسیم نہیں ہوتی یعنی اگر یہ توبہ قابل تقسیم ہوتی اور اس کے حصے اہل مدینہ کی تعداد کے برابر کیے جاتے اور ہر ایک کو اس توبہ کا ایک حصہ نصیب ہوجاتا تو سب کی بخشش ہوجاتی۔اللہ اکبر!

روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اس سے کوڑے مارے گئے ۱؎ پھر خبر دی گئی کہ وہ محصن ہے تو حکم دیا رجم کیا گیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے غیر محصن ہونے کی غلط خبر ملی یا اس زمانہ میں مقدمہ کی زیادہ تحقیقات نہ کی جاتی تھی اس لیے گمان پر کوڑے مارے گئے۔(مرقات)خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے علوم غیبیہ بخشے مگرا ن علوم کا ہر وقت حضور نہیں ہوتا کبھی وہ حضرات عالم کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہوتے ہیں کبھی اپنے سے بھی بے خبر،شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔شعر

گہے برطارم اعلیٰ نشینم   گہے برپشت پاء خود نہ بینم

نیز حاکم اپنے علم خصوصی پر کسی کو سزا نہیں دے سکتا،ثبوت شرعی پر سزا دی جاتی ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غلطی سے بجائے رجم کے کوڑے مار دیئے گئے تو یہ کوڑے رجم کے قائم مقام نہ ہوں گے رجم علیحدہ کیا جائے گا لیکن اگر بجائے کوڑوں کے رجم کردیا گیا تو یہ رجم کوڑوں کا نائب ہوجائے گا اور محصن ہونے کی خبر دینے والوں پر اس کی جان کا تاوان ہوگا جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

روایت ہے حضرت سعید ابن سعد ابن عبادہ سے کہ سعد ابن عبادہ ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو لائے جو قبیلہ میں تھا ناقص الخلقہ	

	بیمار۲؎ وہ ان کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر بدکاری کرتے پایا گیا۳؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بڑی شاخ لو جس میں سو چھوٹی شاخیں ہوں ۴؎ ایک بار مار دو۵؎(شرح سنہ)اور ابن ماجہ کی روایات میں اسی طرح ہے۔

۱؎ حق یہ ہے کہ سعید ابن سعد تابعین میں سے ہیں اگرچہ بعض محدثین نے انہیں صحابی مانا اور سعد ابن عبادہ مشہور صحابی انصاری خزرجی ہیں،بیعت عقبہ میں حاضر ہوئے،نقیب مقرر ہوئے،آپ کو غسل خانہ میں جنات نے قتل کیا،بہت دیر کے بعد آپ کی موت کا پتہ لگا۔(مرقات)آپ کی وفات مقام خور ان ملک شام میں ۱۵ھ؁ میں عہد فاروقی میں ہوئی۔(اکمال)

۲؎ اور بیماری ناقابل علاج جس کے بعد صحت کی امید نہیں،اگر صحت کی امید ہوتی تو تندرست ہونے کے بعد کوڑے لگائے جاتے جیسے حاملہ زانیہ کو حمل جننے کے بعد حد لگائی جاتی ہے۔(لمعات)

۳؎ یا تو چار شخصوں نے اسے زنا کرتے دیکھا جن کی عینی گواہی سے حد قائم ہوئی یا دیکھا تو تھا ایک دو نے مگر اس نے خود اقرار کرلیا پہلی بات زیادہ قوی ہے۔

۴؎ **عثکال** اور **شمراخ** دونوں کے معنی ہیں شاخ مگر **عثکال** بڑی اور موٹی شاخ کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں اور ہوں اور ان چھوٹی شاخوں کو **شمراخ** کہا جاتا ہے جیسے اردو میں ڈال اور ٹہنی **عثکال** کے معنی گُدّھا کرنا غلط ہے کہ وہ بڑے درخت کا ہوتا ہے اور اٹھ نہیں سکتا۔

۵؎ اس حدیث سے معلوم ہواکہ کوڑے کی سزا میں شرط یہ ہے کہ ملزم مرنے نہ پائے،یہ ایک قسم کا حیلہ ہے کہ حکم قرآنی جاری بھی ہوجائے اور ملزم ہلاک بھی نہ ہو،اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے"**وَ خُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّہٖ وَلَا تَحۡنَثۡ**"اے ایوب اپنی زوجہ کو جھاڑو سے مار دو اپنی قسم نہ توڑو۔امام شافعی اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ بیمار زانی کی حد فورًا لگائی جائے دیر نہ کی جائے،امام ابوحنیفہ و مالک و جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر بیمار کے اچھے ہونے کی امید نہ ہو جیسے دق سل وغیرہ تو دیر نہ لگائی جائے لیکن اگر اچھے ہوجانے کی امید ہو تو ضرور دیر لگائی جائے اچھے ہوجانے پر باقاعدہ کوڑے لگائے جائیں جیسے حاملہ بالزنا کا حکم ہے۔(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم جسے قوم لوط کا کام کرتے پاؤ۱؎ تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کردو۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اس جملہ میں **من** سے مراد ہر مجرم ہے شادی شدہ ہو یا کنوارا اور پانے سے مراد صرف دیکھنا نہیں بلکہ جاننا ہے یعنی جس شخص کا اغلام ثابت ہوجائے۔اغلام ثابت ہونے کے لیے دو گواہ یا ایک بار اقرار کافی ہوگا دوسرے جرموں

کی طرح کیونکہ یہ زنا نہیں اس کی سزا زنا کی سی ہے۔خیال رہے کہ یہاں لڑکے سے بدکاری مراد ہے،اجنبی عورت سے دبر میں بدفعلی کرنے کا حکم یہ نہیں کیونکہ یہ عمل قوم لوط نہیں،اپنی بیوی سے دبر میں وطی حرام ہے مگر اس پر بھی یہ سزا نہیں۔(ازمرقات مع الزیادۃ)

۲؎ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک لواطت میں حد نہیں بلکہ تعزیر ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی بطور تعزیر قتل کے لیے ہے،صاحبین اور امام شافعی کے ہاں لواطت کا حکم زنا کا سا ہے کہ فاعل اگر محصن ہے تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہے تو سو کوڑے کھائے گا،امام مالک و احمد کے نزدیک بہرحال رجم کیا جائے گا محصن ہو یا غیر محصن مگر امام اعظم کا قول بہت قوی ہے کیونکہ یہاں سزا قتل تجویز فرمائی گئی،زنا کی سزا قتل نہیں،نیز یہاں قتل کو عام فرمایا گیا خواہ تلوار سے ہو یا اونچے مکان سے گرا کر یا اس پر دیوار گرا کر اسی لیے حضرات صحابہ کرام کا عمل لوطی کے قتل میں مختلف رہا۔اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعًا سزا مقرر نہیں اور حد میں شرعی تقرر ضروری ہے،بہرحال قول امام اعظم بہت ہی قوی ہے خود یہ حدیث تائید کررہی ہے،نیز یہ **فاقتلوا** جانور سے بدفعلی کے لیے بھی آیا ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے مگر تمام کا اتفاق ہے کہ جانور سے بدفعلی کرنے میں حد نہیں تعزیر ہے تو یہاں بھی تعزیر ہی چاہیے کہ فرمان کے الفاظ عالیہ یکساں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چوپائے سے صحبت کرے تو اسے قتل کردو ۲؎ اور جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کردو ۳؎ ابن عباس سے کہا گیا کہ جانور کا کیا قصور ہے ۴؎ فرمایا میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ سنا لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ حضور نے یہ ناپسند فرمایا کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع اٹھایا جائے حالانکہ اس کے ساتھ یہ حرکت کی جاچکی ہے ۵؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یوں ہے **وعنہ عن ابن عباس** یعنی روایت ہے حضرت عکرمہ وہ حضرت ابن عباس سے راوی مگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔(مرقات)

۲؎ تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فرمان عالی بطور تعزیر ہے قتل اس کی حد شرعی نہیں،پھر اس میں گفتگو ہے کہ قتل سے یہاں کیا مراد ہے بعض نے فرمایا سخت مار پیٹ،بعض نے فرمایا جان نکال دینا خواہ تلوار سے ہو یا اونچے مکان سے گرا کر یا اس پر دیوار ڈھا کر۔(لمعات،مرقات و اشعہ)

۳؎ حق یہ ہے کہ یہ حکم ہر جانور کے لیے خواہ حلال ہو جیسے بکری گائے وغیرہ یا حرام ہو جیسے کتیا گدھی وغیرہ بہرحال اسے بھی قتل کردیا جائے،قتل فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے کہ جانور کا ذبح صرف کھانے کے لیے ہوتا ہے اسے کھانے نہیں صرف مار کر جلا دینا یا دفن کردینا ہے یہ جانور کا قتل یا اس لیے

ہے تاکہ اس سے مخلوط بچہ نہ پیدا ہوجائے جو آدمی اور جانور کی مخلوط شکل رکھتا ہو تاکہ اس کی بقا سے اس فعل کا چرچہ نہ ہو اور اس کی بدنامی نہ ہو۔

۴؎ یعنی اس شخص کا قتل تو عقل میں آتا ہے کہ وہ بڑا سخت مجرم ہے مگر جانور کا قتل عقل میں نہیں آتا کہ وہ بے قصور ہے بے قصور کو سزا کیسی ؟

۵؎ یعنی جانور کا قتل سزاءً نہیں بلکہ اس چرچہ کو بند کرنے کے لیے ہے اور جب غذا یا علاج کے لیے جانور کو ذبح کرنا درست،اسی طرح اس فائدے کے لیے بھی اس کا قتل جائز ہے،یہاں اشعہ نے فرمایا کہ یہ حکم بطور مشورہ ہے۔وجوبی حکم نہیں ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جن چیزوں میں سے اپنی امت پر خوف کرتا ہوں ۱؎ ان میں سے بڑی خوفناک چیز قوم لوط کا کام ہے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی میری امت بڑے بڑے گناہ کرے گی وہ سب ہی خطرناک ہیں کہ عذاب الٰہی کا باعث ہیں مگر ان سب میں زیادہ خطرناک یہ گناہ ہے جو ابھی ذکر ہورہا ہے۔

۲؎ کہ یہ جرم بدترین بدکاری ہے اور میری امت میں عام پھیل جائے گا اس مخبر صادق دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بصارت و بصیرت کے قربان کہ جو زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوکر رہا آج کل یہ جرم جس بری طرح پھیلا ہوا ہے مخفی نہیں،اللہ تعالٰی محفوظ رکھے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ قبیلہ بکر بن لیث کا ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۱؎ تو اس نے ایک عورت سے زنا کا اقرار چار بار کرلیا ۲؎ چنانچہ اس کو سو کوڑے لگادیئے تھے وہ کنوارا پھر اس سے عورت پر گواہ مانگے ۳؎ عورت بولی یارسول اللہ اللہ کی قسم اس نے جھوٹ بولا ۴؎ تو اسے بہتان کی حد لگائی ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس شخص کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ یعنی اس طرح اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے گزشتہ اقراروں میں کسی عورت کا نام نہ لیا گیا تھا غرضکہ اس اقرار میں اپنے جرم کااعتراف ہے اور عورت پر زنا کا الزام۔

۳؎ یعنی اسے اپنے اقرار کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی گئی مگر اس اقرار سے عورت پر الزام ثابت نہیں ہوتا اپنا اقرار خود اپنے لیے مضر ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کے لیے اس لیے اب اس سے اس گواہی کا مطالبہ ہوا۔

۴؎ جب وہ مرد گواہ پیش نہ کرسکا تو عورت سے سوال ہوا اس نے اپنے متعلق اقرار نہ کیا بلکہ مرد کو جھٹلادیا۔

۵؎ یعنی اسی کوڑے اس بہتان کی سزا دی۔عجیب لطف ہے کہ ایک اقرار اپنے لیے اقرار ہے دوسرے کے لیے بہتان،نسبت بدلنے سے حال بدل جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جب میری پاکدامنی قرآن مجید میں نازل ہوئی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرمایا اس کا ذکر فرمایا جب منبر سے اترے تو دو مردوں ایک عورت کے متعلق حکم دیا تو انہیں ان کی سزا دی گئی ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب مجھ کو لوگوں نے بہتان لگایا اور رب تعالٰی نے میری پاکدامنی کی گواہی دیتے ہوئے سورۂ نور کی سولہ آیات اتاریں۔خیال رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بی بی مریم کو بہتان لگے تو بچوں سے گواہی دلوائی گئی،مگر جب محبوب کے گھر کا واقعہ پیش آیا تو رب تعالٰی نے شیر خوار بچہ یا پتھرو درخت سے گواہی نہ دلوائی بلکہ خود براہ راست گواہی دی،یہ ہے اس محبوبہ محبوب کی عزت و عظمت۔شعر

دی گواہی آپ کی عفت کی سورۂ نور نے مدح کرتا ہے تری عصمت کی خود قرآن میں

۲؎ وہ مرد حضرت حسان ابن ثابت(نعت خوان رسول اللہ)اور مسطح ابن اثاثہ ہیں اور عورت حمنہ بنت جحش یعنی ام المؤمنین زینب بنت جحش کی بہن،چونکہ ان کے منہ سے صراحۃً بہتان کے الفاظ نکل گئے تھے اس لیے انہیں بہتان کی سزا ملی،عبداللہ ابن اُبی اور دوسرے منافقین اگرچہ اس جرم میں پیش پیش رہے مگر صراحۃً بہتان کے الفاظ نہ بولے اس لیے وہ سزا سے بچ گئے لہذا آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ عبداللہ ابن ابی منافق کے متعلق تو قرآن کریم فرماتاہے:"وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ"کہ اس موذی کو دردناک عذاب آخرت میں ہوگا۔خیال رہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت،عفت،ایمان،تقویٰ ایسا ہی یقینی ہے جیسے اللہ تعالٰی کا ایک ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا کیونکہ ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ لَہُمۡ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیۡمٌ"لہذا اب جو مرتد ان سرکار کو یہ بہتان لگائے وہ بہتان کی سزا کا بھی مستحق ہے اور کافر بھی کہ قرآن کریم کا منکر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے کہ صفیہ بنت ابی عبید نے انہیں خبر دی ۱؎ کہ حکومت کے غلاموں میں سے ایک غلام ۲؎ خمس کی لونڈیوں میں ایک کے ساتھ الجھ گیا اسے مجبور کردیا حتی کہ اس کی بکارت توڑ دی ۳؎ تو	

حضرت عمر نے غلام کے کوڑے لگائے اور لونڈی کے نہ لگائے کیونکہ اس نے اسے مجبور کیا تھا ۴؎(بخاری)	

۱؎حضرت نافع جناب عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں،اما م القراء ہیں،مدینہ منورہ میں آپ کا مزار مبارک ہے،اس گنہگار نے بار ہا زیارت کی ہے۔اور صفیہ بنت ابو عبید مختار ابن ابی عبید کی بہن ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر کی زوجہ تابعین میں سے ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ،حفصہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے،ان کے والد ابو عبید جلیل القدر صحابی ہیں،آپ کا بیٹا مختار ابن ابی عبید بڑا فاسق و فاجر ہے،اسے محدثین مختار کذاب کہتے ہیں جیسے حجاج کو مبیر یعنی خونخوار ظالم کہا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک مبیر اور ایک کذاب ہوگا مبیر تو حجاج ہے اور کذاب یہ ہی مختار،اللہ کی شان ہے کہ زندوں سے مردے پیدا فرماتا ہے۔

۲؎یہ واقعہ خلافت فاروقی کا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے ایک غلام نے۔

۳؎اقتض ف سے بھی آتا ہے اور قاف سے بھی اس کا مصدر اقتضاض ہے مادہ قضٌّ یا فضٌّ دونوں کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں یعنی کنواری لڑکی سے صحبت کرکے اس کا پردہ بکارت زائل کردینا،یہاں مشکوۃ شریف میں قاف سے ہے۔(دیکھئے مغرب لمعات)

۴؎اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ مجبورًا زنا پر سزا نہیں،چونکہ لونڈی مجبور کی گئی تھی اس لیے اسے سزا نہ دی گئی۔

روایت ہے حضرت یزید ابن نعیم ابن ہزال سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ جناب ماعز میرے والد کی پرورش میں یتیم تھے ۱؎انہوں نے قبیلہ کی لڑکی سے زنا کرلیا۲؎تو ان سے میرے باپ نے کہا کہ رسول اللہ کی خدمت میں جاؤ۳؎اور جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی خبر دو شاید حضور انور تمہارے لیے دعائے مغفرت فرمادیں اس سے میرے والد کا ارادہ صرف یہ امید تھی کہ ان کے لیے کوئی راہ نکل آئے ۴؎چنانچہ وہ حضور کی خدمت میں آئے بولے یارسول اللہ میں نے زنا کرلیا تو مجھ پر اللہ کی کتاب قائم فرمائیں۵؎تو حضور نے اس سے منہ پھیر لیا وہ پھر لوٹے ۶؎بولے یارسول اللہ میں نے زنا کیا ہے مجھ پر کتاب اللہ قائم فرمائیے یہاں تک کہ انہوں نے چار بار یہ کہا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ چار بار کہا ہے تو بتاؤ کس سے زنا کیا ہے ۷؎بولے فلاں عورت سے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ لیٹے عرض کیا ہاں فرمایا کیا	

	تم نے اسے چمٹایا عرض کیا ہاں فرمایا کیا تم نے اس سے صحبت کی ۸؎ عرض کیا ہاں ۹؎ راوی کہتے ہیں تب ان کو رجم کیے جانے کا حکم فرمایا انہیں حرہ کی طرف نکالا گیا ۱۰؎ پھر جب انہیں رجم شروع ہوا انہوں نے پتھروں کی تکلیف پائی تو گھبرا گئے بھاگے ہوئے نکل گئے ۱۱؎ پھر انہیں عبداللہ ابن انیس ملے حالانکہ ان کے ساتھی عاجز آچکے تھے ۱۲؎ تو انہوں نے اونٹ کی پنڈلی نکالی اس سے انہیں مارا ۱۳؎ قتل کردیا ۱۴؎ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ۱۵؎ اور حضور سے اس کا ذکر کیا فرمایا تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا شاید وہ توبہ کرلیتے تو رب ان کی توبہ قبول فرمالیتا ۱۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ عن ابیه میں باپ سے مراد نعیم ہیں اور یہاں ابی میں باپ سے مراد ہزال ہیں یعنی حضرت ماعز لاوارث یتیم تھے تو انہیں ہزال نے خدا ترسی سے پال لیا۔

۲؎ یعنی محلّہ کی لڑکی سے زنا کیا،بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ وہ لڑکی خود ہزال کی لونڈی تھی۔

۳؎ اور حضور کی بارگاہ میں جاکر رب کے حضور توبہ کرو جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔اس سے پتہ لگا کہ حضرات صحابہ حضور کو مشکل کشا جانتے تھے،آپ کے آستانہ کو رب تعالٰی کا دروازہ سمجھتے تھے اسی لیے رب تعالٰی کے گناہ کرنے پر حضور کے دروازہ پر بھیجتے تھے کیوں نہ سمجھتے کہ خود رب تعالٰی نے فرمایا:"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ"الایہ اور بنی اسرائیل سے فرمایا:"ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ"۔

۴؎ یعنی انہیں یہ امید نہ تھی کہ ان پر حد شرعی جاری ہوگی وہ سمجھے کہ زنا کی سزا اسے دی جاتی ہے جس کا زنا گواہی سے ثابت ہوا قراری مجرم سے توبہ کرائی جاتی ہے اس زنا پر گواہ نہ تھے۔

۵؎ کتاب اللہ سے مراد اللہ تعالٰی کا حکم ہے جو بندوں پر لکھا جاچکا ہے قرآن کریم مراد نہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہی ہو اور اس وقت تک رجم کی سزا کی آیت قرآن کریم میں موجود تھی،اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ ماعز مجلس مبارک سے چلے گئے تھے غائب ہوگئے تھے پھر واپس آئے۔

۷؎ حاکم عورت کا سوال اس لیے کرے کہ کبھی بعض کم عقل لوگ اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرلینے کو زنا سمجھ جاتے ہیں یا وطی بالشبہ کو زنا کہہ دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہر حرام صحبت زنا ہے حالانکہ یہ غلط ہے لہذا اس

سوال پر یہ شبہ نہیں کہ عورت کا راز کیوں فاش کرایا،نیز یہاں حد قذف لگنے کا احتمال نہیں کیونکہ رجم کے بعد حد قذف کیسی۔

۸؎یہاں مباشرت سے مراد صحبت کرنا ہے نہ کہ فقط جسم چھونا کیونکہ یہ تمام سوالات تو پہلے ہوچکے ہیں۔

۹؎معلوم ہوا کہ اقرار زنا کے لیے لفظ ہاں کہہ دینا بھی کافی ہے۔

۱۰؎اخرج بذات خود متعدی ہے اور بہ کی ب زائدہ ہے جس سے اخرج کے متعدی ہونے کی تائید مقصود ہے جیسے قرآنی آیت تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ کی ب۔(مرقات)حرہ بیرون مدینہ کی پتھریلی زمین کا نام ہے۔معلوم ہوا کہ رجم شہر سے باہر ہونا اچھا ہے۔حق یہ ہے کہ آپ کو مصلے یعنی عیدگاہ کی طرف لے جایا گیا وہاں سے بحالت رجم بھاگ کر حرہ میں پہنچ گئے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں مصلے لے جانے کا ذکر ہے۔

۱۱؎رجم گاہ کے علاقہ سے نکل گئے۔

۱۲؎عبداللہ ابن انیس کے ساتھی جو رجم کررہے تھے یا ماعز کے ساتھی جو رجم میں شریک تھے وہ عاجز آچکے تھے پکڑ نہ سکتے تھے۔

۱۳؎وظیف لغت میں گھوڑے یا اونٹ کی ہاتھ یا پاؤں کی لمبی ہڈی ہے۔(قاموس)اور مغرب میں ہے کہ وظیف بغیر اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی یعنی انہوں نے یہ ہڈی لاٹھی کی طرح نہ ماری بلکہ پتھر کی طرح پھینک کر ماری اس لیے رماہ فرمایا لہذا رجم کے معنے بالکل درست ہیں۔

۱۴؎یہاں قتل سے مراد جان نکال دینا ہے نہ کہ عرفی قتل کہ وہ تو دھار دار آلہ سے ہوتا ہے۔

۱۵؎یعنی عبداللہ ابن انیس حاضر ہوئے۔آپ انصاری ہیں،مدنی عقبی ہیں،غزوہ احد میں شریک ہوئے۔

۱۶؎یعنی اگر سزا نہ بھی پاتے اور خود ہی توبہ قبول کرلیتے ممکن تھا کہ ان کی مغفرت ہوجاتی۔لعل سے معلوم ہوا کہ زنا کی سزا بفضلہٖ تعالٰی یقینی کفارہ ہے صرف توبہ میں بخشش کی امید ہے یقینی نہیں۔مرقات میں ہے کہ پھر غامدیہ عورت نے بھی چار بار اقرار زنا کیا اور وہ بھی رجم کردی گئی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن العاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی قوم جس میں زنا پھیل جائے مگر وہ قحط سالی سے پکڑے جاتے ہیں ۱؎ اور نہیں ہے کوئی قوم جس میں رشوت عام ہوجائے ۲؎ مگر وہ مرعوبیت سے پکڑے جاتے ہیں ۳؎(احمد)

۱؎یعنی جب قوم میں زنا پھیل جائے کہ لوگ عمومًا کرنے لگیں تو قحط پھیلے گا خواہ اس طرح کہ بارش بند ہوجائے اور پیداوار نہ ہو یا اس طرح کی پیداوار تو ہو مگر کھانا نصیب نہ ہو،دوسری قسم کا قحط سخت عذاب ہے جیسا کہ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ پیداوار بہت ہے مگر قحط و گرانی کی حد ہوگئی،یہ آج کل کی حرامکاری کا نتیجہ ہے۔

۲؎ رشا کے لغوی معنی ہیں رسی،چونکہ رسی کنویں سے پانی نکالنے کا ذریعہ ہے اس لیے اس وسیلہ کو بھی رشا کہتے ہیں جو غلط فیصلہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے یعنی رشوت۔رشوت یا مال ہو یا کچھ اور چیز کہ رشوت دینا بھی حرام ہے اور لینا بھی حرام،انصاف حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے مگر لینا حرام ہے یعنی اگر حاکم بغیر رشوت لیے انصاف نہیں کرتا اور فریادی برحق ہے تو وہ رشوت دے کر اپنے لیے حق فیصلہ کراسکتا ہے مگر لینے والا حاکم حرام خور اور مجرم ہے اس کا فرض تھا کہ بغیر رشوت لیے انصاف کرتا۔

۳؎ یعنی رشوت لینے والا شخص مرعوب ہوتا ہے اور رشوت لینے والی قوم پر دوسری قوم کی ہیبت طاری ہوجاتی ہے جیسا کہ آج ہم لوگ کفار سے مرعوب ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس و ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ نے فرمایا لعنتی ہے وہ جو قوم لوط کا سا کام کرے ۱؎ (رزین)	

۱؎ یعنی لڑکوں سے حرامکاری کرے۔ملعون سے مراد ہے اللہ تعالٰی فرشتوں،انسانوں کا پھٹکارا ہوا۔خیال رہے کہ مرد سے بدکاری حرام قطعی ہے اس کا حلال جاننے والا کافر ہے کہ قرآن کریم میں اس کی حرمت صراحۃً مذکور ہے اسی بنا پر قوم لوط پر سخت عذاب آیا۔جامع صغیر میں ہے کہ ملعون ہے وہ جو اپنے باپ کو گالی دے،لعنتی ہے وہ جو اپنی ماں کو گالی دے،لعنتی ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے،لعنتی ہے وہ جو جانور سے بدکاری کرے لعنتی ہے وہ جو راستے کے نشانات مٹائے۔(مرقات)

اسی کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس سے ہے کہ حضرت علی نے ان دونوں کو جلایا اور ابوبکر صدیق نے ان دونوں پر دیوار گرائی ۱؎	

۱؎ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے بدکاری کے جرم میں فاعل مفعول دونوں کو زندہ جلادیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے ان دونوں پر دیوار گرا کر ہلاک کیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت پر حد نہیں ورنہ سزا میں صحابہ کا اختلاف نہ ہوتا،حد تو مقرر ہوتی ہے جیسے زانی کو سو کوڑے یا رجم،چور کے ہاتھ کاٹنا یا نیک بی بی کو تہمت لگانے والے کو اسی۸۰ کوڑے۔بہرحال یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ لوطی پر حد نہیں تعزیر ہے ان حضرات صحابہ نے تعزیرًا جلادیا یا دیوار گرا کر ہلاک کیا،باقی صحابہ نے اعتراض نہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ لوطی پر حد نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس پر نظر رحمت نہ کرے جو مرد یا عورت کے پاس دبر میں جائے ۱؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

۱؎خیال رہے کہ لڑکے سے بدفعلی ازروئے قرآن کریم حرام قطعی ہے مگر عورت سے دبر میں صحبت ازروئے قیاس حرام قطعی ہے کہ اس کی قطعی حرمت حائضہ و نفساء سے صحبت پر قیاس کی بنا پر ہے لہٰذا اس حرمت کا منکر بھی کافر ہے،جو کوئی عورت سے اس فعل کو حلال جانے وہ مرتد ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ فرمایا جو جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے ابوسفیان ثوری سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا اور یہ پہلی حدیث اس مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ جو جانور سے حرام کرے اسے قتل کردو۲؎اور عمل اس پر ہے اہلِ علم کے نزدیک ۳؎

۱؎بلکہ اس جرم پر تعزیر ہے وہ یہ کہ حاکم ایسے شخص کو قتل کردے اور جانور کو ذبح کرکے دفن کردے۔

۲؎یعنی سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی یہ موقوف حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایسے شخص کو قتل کرو۔

۳؎یعنی تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جانور سے بدفعلی کرنے والے پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی سزائیں قریبی اور دوری لوگوں میں قائم کرو ۱؎اور تم کو اللہ کی راہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت مانع نہ ہو۲؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی شہر میں رہنے والے مجرموں پر حد قائم کرو جو حاکم سے قریب رہتے ہیں اور دیہاتی لوگوں پر بھی حد قائم کرو جو حاکم سے دور رہتے ہیں یاجو تم سے رشتہ میں دور ہوں ان پر بھی حد قائم کرو،جو دور نہ ہوں ان پر بھی قائم کردو یا مالدار چودھری مجرموں پر بھی حد قائم کرو جو مالداری کی بنا پر حکام سے قریب رہتے ہیں اور غریب مسکین مجرموں پر بھی حد قائم کرو جو اپنی مفلسی کی وجہ سے حکام سے دور رہتے ہیں غرضکہ ہر مجرم پر قائم کرو۔

۲؎یعنی شرعی سزائیں دینے میں کسی کافر،منافق،بے دینی کی لعنت ملامت کی پرواہ نہ کرو کسی کی رعایت نہ کرو کہ سخت سزاؤں سے ہی امن و امان قائم رہتی ہے ورنہ قوم کا وہ حال ہوتا ہے جو آج ہمارا ہے کہ نہ جان محفوظ ہے نہ مال نہ عزت آبرو یہ صرف اس لیے ہے کہ ہمارے ہاں سزائیں ہلکی ہیں وہ بھی بڑے لوگوں کو نہیں ملتیں۔دُرود ہو اس ذات کریم پر جو ہم کو سب کچھ سکھا گئے اللہ تعالٰی عمل کی توفیق دے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی حدود میں سے ایک سزا کا قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات کی

	بارش سے بہتر ہے [1] (ابن ماجہ)
	اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

[1] یہاں چالیس رات کی مسلسل موسلادھار بارش مراد نہیں کہ وہ تو مضر ہے بلکہ چالیس دن کی مفید بارش مراد ہے جو ٹھہر ٹھہر کر بقدر ضرورت ہو،سزائیں جرموں کی روک،امان کا قیام،آسمانی رحمت کے نزول کا ذریعہ ہیں،حدیث پاک میں ہے کہ انسانوں کے گناہ کی وجہ سے بٹیریں اپنے گھونسلوں میں بھوکی مرجاتی ہیں یعنی ان کے گناہوں سے بارش نہیں ہوتی جس سے جانور بھی مصیبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں،بٹیر کا خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ بہت دور تک چُگ آتی ہیں۔چنانچہ بصرہ میں بٹیر ذبح ہو تو اس کے پیٹ سے سبز گندم نکلتی ہے حالانکہ بصرہ سے بہت دور گندم کی فصل ہوتی ہے کئی دن کے راہ پر۔(مرقات)

باب قطع السرقة

چوری میں ہاتھ کاٹنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ سرقه سین کے فتح اور ر کے کسرہ سے مصدرہے بمعنی چوری اور دونوں کے فتح سےسارق بمعنی چور کی جمع ہے یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا بیان یا چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان۔خیال رہے کہ سرقہ یعنی چوری کے معنی ہیں کسی کی چیز خفیہ طورپر لے لینا،شریعت میں بھی سرقہ کے یہ ہی معنی ہیں ہاں قطع کے لیے اس میں کچھ قیدیں ہیں جیسے چور عاقل بالغ ہو،مال دس درہم قیمت کا ہو،مال جلد خراب ہوجانے والا نہ ہوجیسے تر پھل پھول کسی کی حفاظت سے چرائے،مال خود محفوظ ہولہٰذا چور کے قبضہ سے مال چرانے والا،زوجین میں سے ایک دوسرے کا مال چرانے والا،جن قرابتداروں کے گھر میں آنے جانے کی اجازت ہو ان کے گھر سے مال چرانے والاان کے ہاتھ نہ کٹیں گے۔(مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ چور کے ہاتھ ۱؎چہارم دینار سے کم میں نہ کاٹے جائیں پھر زیادہ میں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یہاں سارق سے مراد جنس ہے خواہ مرد ہو یا عورت لہٰذا چوٹے اور چوٹی کی سزا ایک ہی ہے خواہ چور مؤمن ہو یا کافر۔

۲؎شوافع کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا لہٰذا چوتھائی دینار تین درہم ہوا لہٰذا جن احادیث میں تین درہم کا ذکر ہے وہ اس حدیث کی شرح ہیں۔خیال رہے کہ اس پر تو تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین درہم کا مال چرانے پر ہاتھ کٹے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے،ہمارے امام اعظم کے نزدیک پورے دینار کی قیمت کا مال چرانے پر ہاتھ کٹے گاامام اعظم قدس سرہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مرفوعًا اور موقوفًا دونوں طرح مروی ہے کہ **لایقطع الا فی دینارٍ** یعنی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا مگر ایک دینار میں،امام اعظم کے ہاں دینار دس درہم کا ہے لہٰذا دس درہم کی قیمت کے مال کی چوری پر چور کا ہاتھ کٹے گا،خواجہ حسن بصری اور داؤد اور فرقہ خارجیہ اور امام شافعی کی نواسی کا قول ہے کہ مطلقًا چوری پر ہاتھ کٹے گا خواہ ایک پیسہ کی چوری کرے،وہ کہتے ہیں کہ آیت"**اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ**

فَاقْطَعُوٓا اَیْدِیَھُمَا"مطلق ہے،باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ چوری کے لیے نصاب مقرر ہے اور آیت کریمہ"السَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ" مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے کیونکہ چور اور چوری اور ہاتھ کی تفصیل نہیں کہ کس چور کا کس چوری پر کون سا ہاتھ کٹے گا داہنا کہ بایاں اور کہاں سے کٹے گا کلائی سے یا کہنی سے یا کندھے سے،احادیث نے ان اجمالات کی تفصیل فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے ہاتھ اس ڈھال میں کاٹے جس کی قیمت تین درہم تھی ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎مجن میم کے کسرہ اور جیم کے فتحہ سے بمعنی ڈھال ہے،جن سے مشتق بمعنی چھپانا،چونکہ ڈھال سر چھپانے کا آلہ ہے اس لیے اسے مجن کہتے ہیں،ڈھال کی قیمت میں بھی احادیث میں اختلاف ہے۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے روایت کی کہ ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور چونکہ یہ ہاتھ کاٹنا حد ہے اور حدود شبہات سے دفع ہوجاتے ہیں اس لیے دینار سے کم کی روایات مشکوک و مشتبہ ہیں اور دینار کی روایت یقینی ہے لہذا حد جیسے نازک مسئلہ میں یہ ہی روایت معتبر ہونی چاہیے یعنی بڑی سے بڑی قیمت کو نصاب بنانا لازم ہے۔حاکم نے مستدرک میں بروایت مجاہد عن ایمن نقل کیا کہ حضور انور کے زمانہ میں ڈھال سے کم قیمتی مال میں ہاتھ نہ کٹتے تھے وثمنہٗ یومئذٍ دینار اور اس زمانہ میں ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔خیال رہے کہ یہ ایمن صحابی ہیں انہیں ابن ام ایمن بھی کہا جاتا ہے،ایمن تابعی دوسرے ہیں دیکھئے مرقات۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ فرمایا خدا کی پھٹکار چور پر ۱؎کہ بیضہ (خود)چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور رسّی چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار فاسق مؤمن پر بغیر نام لیے صرف وصف سے لعنت کرنا درست ہے،نام لے کر لعنت کرنا صرف کفار کے لیے ہے۔(مرقات)

۲؎یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ہر چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے اگرچہ ایک دو پیسہ کی ہی چیز چوری ہو کیونکہ بیضہ کے معنے ہیں انڈا اور حبل کے معنی ہیں رسی اور ظاہر ہے کہ انڈا اور رسی نہ دینار کے ہوتے ہیں نہ تین درہم کے،انڈا ایک دو پیسہ کا رسی ایک دو آنہ کی مگر یہ دلیل نہایت ضعیف ہے کیونکہ بیضہ خود کو بھی کہتے ہیں یعنی لوہے کی جنگی ٹوپی اور رسی کشتی اور جہاز کی بھی ہوتی ہے جو ریشمی اور قیمتی ہوتی ہے،ہوسکتا ہے کہ یہاں وہ ہی خود اور کشتی کی رسی مراد ہو اور اگر یہ ہی مرغی کا انڈا اور عام رسی مراد ہو تب بھی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ چور پر خدا

کی پھٹکار کہ انڈا رسی کی چوری سے چوری کرنا سیکھے حتی کہ چوری کا عادی ہوکر بڑی چیز چرائے اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے اسی لیے یہاں لفظ **بہ** نہ ارشاد ہوا لہذا یہ استدلال قوی نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ تو سبز میوے میں ہاتھ کٹتا ہے نہ درخت کی چربی میں[1] (مالک،ترمذی، ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)[2]	

[1] امام شافعی کہتے ہیں کہ پھل جب تک درخت میں لگا رہے **ثمر** کہلاتا ہے،درخت سے ٹوٹنے کے بعد رطب اور جب علیحدہ کرکے خشک کرلیا جائے تو **تمر** ہے لہذا یہاں **ثمر** سے مراد درخت میں لگا ہوا پھل جو توڑا نہ گیا ہواور **کثر** کاف و ث کے فتحہ سے درخت کھجور کی چربی جو درخت کے اوپر کے حصہ سے سفید رنگ کا نکلتا ہے کھایا بھی جاتا ہے یعنی ان دونوں کی چوری میں ہاتھ نہیں کٹتا،حاکم چاہے تو تعزیرًا کچھ سزا دے دے مگر احناف کے نزدیک **ثمر** سے مراد ہر وہ پھل ہے جو جلد خراب ہوجائے یوں ہی **کثر** لہذا جلد بگڑجانے والے پھلوں کی چوری میں قطع نہیں خواہ درخت میں لگا ہو یا توڑ لیا گیا ہواور خواہ باغ و درخت محفوظ ہو یا چار دیواری سے گھرا ہو یا غیر محفوظ۔

[2] اس حدیث کو احمد ابن حبان نے بھی نقل فرمایا۔اس حدیث کی بنا پر امام اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں جلد بگڑجانے والے پھلوں کی چوری میں ہاتھ نہ کٹیں گے محفوظ ہوں یا غیر محفوظ،اسی طرح دودھ گوشت وغیرہ بگڑ جانے والی چیزوں کی چوری میں ہاتھ نہ کٹیں گے،امام شافعی کے ہاں اگر درخت غیر محفوظ ہے جیسے کھلے باغ تو ان کے پھلوں کی چوری میں قطع نہیں اور اگر باغ کے ارد گرد دیوار ہے دروازہ محفوظ ہے تو اس کی پھل کی چوری سے ہاتھ کٹ جائے گا۔خیال رہے کہ پرندوں اور مرغی کی چوری میں بھی قطع نہیں۔چنانچہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک چور لایا گیا جس نے کسی کی مرغی چوری کی تھی،آپ نے حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پرندوں کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا،چنانچہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے گئے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور سے درخت میں لٹکے ہوئے پھلوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ جو کھلیان میں جگہ دینے کے بعد[1] اسے چرائے پھر	

	وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کٹنا ہے۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎جرین باغ میں وہ جگہ ہے جہاں باغبان پھل توڑ کر جمع کرتے رہتے ہیں پھر وہاں سے بازار یا اپنے گھر لے جاتے ہیں جیسے دانہ کے لیے کھلیان۔

۲؎یعنی جب تک پھل درخت پر رہے غیر محفوظ ہے لہذا اس کی چوری میں قطع نہیں اور جب توڑکر یہاں خزانہ میں رکھ لیے گئے محفوظ ہوگئے اب ان کی چوری میں ہاتھ کٹے گا،یہ حدیث امام ابویوسف اور امام شافعی کی دلیل ہے کہ خراب ہوجانے والے پھل اگر محفوظ ہوگئے ہوں تو ان کی چوری میں قطع ہے بشرطیکہ نصاب کے قدر کی چوری ہو یعنی امام شافعی کے ہاں تین درہم کی قیمت اور امام یوسف کے ہاں درس درہم قیمت کا مال،امام اعظم جرین میں جگہ دینے سے مراد لیتے ہیں خشک چھوارے جو خراب نہیں ہوتے ان کی چوری میں قطع ہے اس لیے کہ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں بروایت جریر ابن حازم عن الحسن البصری روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ان لا اقطع فی الطعام** اور **طعام** سے مراد جلد بگڑ جانے والی چیزیں ہیں جیسے گوشت،دودھ،سبزمیوے کیونکہ گندم وغیرہ کی چوری میں اجماعًا قطع ہے۔غرضکہ جرین میں قطع ہونے کی وجہ امام شافعی کے ہاں حفاظت ہے اور امام اعظم کے ہاں کھجور کا خشک ہوکر پائیدار ہوجانا ہے،امام اعظم کی دلیل قوی ہے کہ ابھی حدیث میں گزرچکا **لاقطع فی ثمر ولا کثر**،نیز اگر باغ چار دیواری سے گھرا ہواور دروازہ باغ بند ہو یا باغ میں مالک باغ موجود ہو تو درخت محفوظ ہے اس کے پھل محفوظ،تو چاہیے کہ ایسے باغ کے درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی چوری سے بھی ہاتھ کٹ جائے گا حالانکہ حدیث شریف نے معلق پھل کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی مطلقًا ممانعت کردی لہذا امام اعظم کا قول نہایت قوی ہے کہ معلق پھل کی چوری میں ہاتھ نہ کٹنے کی وجہ اس پھل کا جلد بگڑ جانا ہے نہ کہ غیر محفوظ ہونا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمان ابن ابی حسین مکی سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو درخت میں لٹکے ہوئے پھل میں ہاتھ کٹتا ہے اور نہ پہاڑ کے جانوروں میں ۲؎پھر جب اسے طویلہ۳؎اور کھلیان میں جگہ دیدے تو اتنے میں ہاتھ کٹتا ہےجو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے۴؎(مالک)۵؎

۱؎آپ قرشی نوفلی ہیں یعنی نوفل ابن عبدمناف کی اولاد سے تابعی ہیں ثقہ ہیں۔

۲؎کیونکہ پہاڑ محفوظ جگہ نہیں لہذا یہاں سے بکری وغیرہ چرانے میں قطع نہیں اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جو کوئی اونٹوں کی قطار سے ایک دو اونٹ چرالے تو قطع نہیں کہ یہ اونٹ محفوظ جگہ میں نہیں لیکن اگر اونٹ پر لدی ہوئی بوریوں میں سے غلہ وغیرہ چرالیا تو ہاتھ کٹے گا کہ بوری دانہ کے لیے محل حفاظت ہے۔

۳؎مراح میم کے پیش سے وہ جگہ جہاں اونٹ گائے وغیرہ باندھے جاتے ہیں یعنی طویلہ،بکریوں کے بندھنے کی جگہ کو حربیہ۔

۴؎ یعنی جو جانور طویلہ میں محفوظ کردیا جائے اور جو پھل درخت سے ٹوٹ کر کھلیان میں رکھ دیا جائے پھر اس جانور یا اس خشک پھل کی قیمت دس درہم ہو اس کی چوری میں چور کے ہاتھ کٹیں گے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک جنگل میں جو اونٹوں کی قطار جارہی ہے جس کے آگے یا پیچھے ایک محافظ ہے اس قطار میں سے اونٹ کی چوری سے ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ یہ شخص صرف اس اونٹ کا محافظ ہے جس پر سوار ہے یا جس کی نکیل پکڑے چل رہا ہے یا جس کو پیچھے سے ہانک رہا ہے باقی کا محافظ نہیں وہ سب غیر محفوظ ہیں،باقی اماموں کے ہاں جہاں تک اونٹوں کو دیکھ رہا ہے وہاں تک کے اونٹ محفوظ ہیں کہ انکی چوری سے ہاتھ کٹے گا،نیز احناف کے نزدیک پھلوں کے جرین میں آجانے کے معنے یہ ہیں کہ وہ خشک ہوکر چھوارے یا کشمش بن جائیں،چونکہ اب وہ جلد نہ بگڑیں گے لہذا انکی چوری سے ہاتھ کٹے گا۔دوسرے اماموں کے نزدیک جرین میں پہنچ جانے کے یہ معنی ہیں کہ وہ محفوظ ہو جائیں لہذا اگرچہ وہ تر پھل رہیں ان کی چوری سے ہاتھ کٹ جائے گا،مذہب حنفی قوی ہے کہ سرکار فرماتے ہیں **لاقطع فی ثمر ولاکثر** پھل جرین میں پہنچ کر بھی **ثمر** رہتا ہے پھر اس میں ہاتھ کٹوانا اس حدیث کے خلاف ہے۔

۵؎ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں انہوں نے صحابی کا ذکر نہ فرمایا اور مرسل حدیث امام ابوحنیفہ کے ہاں مقبول ہے،شوافع کے ہاں ناقابل قبول لہذا شوافع اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹیرے پر ہاتھ کٹنا نہیں ۱؎ اور جو ظاہر ظہور لوٹ کرے وہ ہم سے نہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ نھبۃ غنیمت کو بھی کہتے ہیں اور کسی کا مال علانیہ زبردستی چھین لینے کو بھی کہتے ہیں،یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی علانیہ زبردستی مال چھین لینے والے کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ ہاتھ کٹتا ہے چوری سے اور چوری میں خفیہ لینا ضروری ہے یا جو غازی غنیمت کے مال میں تقسیم سے پہلے چوری کرے اس کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ اس غنیمت میں چور کا بھی حصہ ہے اور جس مال میں چور کا بھی حصہ ہو اس کی چوری سے ہاتھ نہیں کٹتا لہذا ان دو توجیہوں پر اس سے دو مسئلے حاصل ہوں گے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی جو ظالم کھلے بندوں لوگوں کا مال چھین لے اور لوگ منہ تکتے رہ جائیں ایسا ظالم ہمارے طریقہ ہماری جماعت سے خارج ہے،اسلام سے نکل جانا مراد نہیں کہ یہ جرم فساد عمل ہے فساد عقیدہ نہیں۔خیال رہے کہ ڈاکو کے ہاتھ نہ کٹیں گے بلکہ ڈکیتی کی سزائیں مختلف ہیں بعض صورتوں میں اس کو سولی دی جائے گی۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا خیانت کرنے والے اور لٹیرے اور اچکّے پر ہاتھ کٹنا نہیں ۱؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ خائن وہ جو کسی کی امانت مارے خواہ اس طرح کہ کسی کی چیز عاریۃً مانگ کر لے جائے بعد میں جھوٹ کہہ دے کہ کھو گئی یا عاریۃً کا انکار کردے یا اس طرح کہ کوئی اس کے پاس بطور ودیعت مال رکھے اور یہ ہضم کرے امین کا مقابل۔**منتھب** وہ جو علانیہ جبرًا کسی کا مال چھین لے اور **مختلس** وہ جو کسی کے ہاتھ سے جلدی سے اچک کر چیز لے

کر چلتا بنے ان تینوں کے ہاتھ نہ کٹیں گے۔خائن چونکہ ایسا مال لیتا ہے جو مالک کی حفاظت میں نہیں بلکہ خود اس کی اپنی حفاظت میں ہے اس لیے یہ مال اس کے حق میں غیر محفوظ ہے لہذا یہ کام چوری نہ بنا اور لٹیرے یا اچکے کا ہاتھ کٹے گا کہ اگرچہ اس نے مال محفوظ تو کرلیا مگر خفیہ نہ لیا بہرحال یہ تینوں سارق یعنی چور نہیں لہذا ان کی سزا یہ نہ ہوگی،چاروں اماموں کا یہ ہی مذہب ہے البتہ اسحاق ابن راھویہ کا قول ہے کہ خائن کا ہاتھ کٹے گا کیونکہ مسلم و بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی،مدینہ منورہ میں ایک عورت عاریۃً چیز لے کر انکار کر دیتی تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کٹوادیا مگر ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کا ہاتھ اس خیانت سے نہ کٹا بلکہ اس نے ایک بار چوری بھی کرلی پھر کٹا،حضرت ام المؤمنین نے یہاں اس عورت کا وصف مشہور بیان فرمایا ہے،وجہ قطع بیان نہ فرمائی اور اگر خیانت سے ہاتھ کٹوایا گیا تو یہ حدیث اس کی ناسخ ہے وہ عورت یا تو فاطمہ بنت اسود ابن عبدالاسود تھی یا عمیرہ بنت سفیان ابن الاسود تھی۔(مرقات)

	اور شرح سنہ میں روایت ہے کہ صفوان ابن امیہ [1] مدینہ منورہ آئے مسجد میں سو گئے اور تکیہ اپنی چادر کا بنا لیا [2] ایک چور آیااس نےآپ کی چادر لے لی اور اسے صفوان نے پکڑ لیا پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے حضور نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا [3] تو صفوان بولے کہ میں نے یہ نہ چاہا تھا یہ اس پر صدقہ ہے [4] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ کیا ہوتا [5]

[1] آپ صفوان ابن امیہ ابن خلف جمحی قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن آپ مکہ معظّمہ سے بھاگ گئے تھے پھر عمیر ابن وہب نے آپ کے لیے حضور سے امان حاصل کی حضور نے عمیر کو اپنی چادر عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر امان کی علامت ہے پھر انکو حضور کی بارگاہ میں لایا گیا،پھر غزوہ طائف میں ایمان لائے اور ان کا اسلام قبول ہوا،حضور نے ان کو بہت عطاؤں سے نوازا۔

[2] یعنی چادر اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ حفاظت مال دو قسم کی ہے:جگہ سے حفاظت اور محافظ سے حفاظت لہذا مسجد جنگل یا راستہ میں اگر مال کے پاس محافظ ہے تو وہ مال محفوظ ہے اس کی چوری سے ہاتھ کٹے گا۔

[3] یا اس لیے کہ اس نے چوری کا اقرار کرلیا تھا یا اس لیے کہ اس کی چوری کا یہ واقعہ گواہوں سے ثابت ہوگیا تھا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صرف یہ الزام قطع کے لیے کافی نہیں۔

۴؎یعنی مجھے یہ خبر نہ تھی کہ اس معمولی سی چادر چرانے پر بھی ہاتھ کٹ جائے گا میں اس کے ہاتھ کٹوانے کے لیے اسے نہ لایا تھا صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تعزیر کے لیے لایا تھا میں یہ چادر اس کو دیتا ہوں فی سبیل اللہ لہذا اب یہ اس کا مالک ہے پھر ہاتھ نہ کٹوایا جائے۔

۵؎اس سے معلوم ہوا کہ چوری کا معاملہ حاکم کے پیش ہونے سے پہلے حق العبد ہوتا ہے اگر مال والا معاف کردے اور مقدمہ حاکم کے پیش نہ کرے تو ہاتھ نہ کٹے گا لیکن حاکم کے ہاں مقدمہ پیش ہوجانے پر حق اللہ بن جاتا ہے کہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا،یہ ہی قول ہے امام زفرو امام شافعی و احمد کا۔

	اور اسی کی مثل ابن ماجہ نے عبداللہ ابن صفوان سے انہوں نے ان کے والد سے روایت کی۔
	اور دارمی نے ابن عباس سے۔

	روایت ہے حضرت بسر ابن ارطات سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ۱؎کہ جہاد میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں ۲؎ (ترمذی،دارمی،ابوداؤد،نسائی)مگر ان دونوں نے بجائے جہاد کے سفر فرمایا ۳؎

۱؎بسر ابن ارطات کا نام عمر عامری ہے،کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے،قرشی ہیں۔حق یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں تابعین میں سے ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل ہےآخر میں دیوانہ ہوگئے تھے،امیر معاویہ یا عبدالملک کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی،بعض شامی علماء نےآپ کا سماع ثابت کیا ہے شاید صاحب مشکوۃ کی یہ روایت شامیوں کے قول پر مبنی ہے کہ فرمارہے ہیں **سمعت** میں نے حضور سے سنا۔(اشعہ،مرقات،ابن عبدالبر اور مغنی نے بھی آپ کی سماعت کا انکار کیا ہے)

۲؎اس فرمان عالی کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ بحالت جہاد جب لشکر اسلام کفار کے ملک میں ہو اگر کوئی چوری کرے تو وہاں اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں یا تو اس لیے کہ وہاں لشکر میں حاکم اسلام موجود نہیں اور شرعی سزائیں حاکم اسلام ہی دے سکتا ہے لشکر کا کمانڈر حاکم اسلام نہیں یا اس لیے کہ وہاں خطرہ ہے کہ چور ہاتھ کٹنے کے خوف سے مرتد ہوکر کفار سے جا ملے۔دوسرے معنی یہ ہیں جہاد کے مال یعنی غنیمت کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال میں خود چور کا بھی تو حصہ ہےایسے مال کی چوری سے ہاتھ نہیں کٹتے،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے،دوسرے امام نمازوروزے کی طرح وہاں دارالحرب میں حد قائم کرنے کا بھی حکم دیتے ہیں مگر وجہ فرق ہم بیان کرچکے ہیں۔

۳؎مگر سفر سے مراد بھی سفر جہاد ہے عام سفر نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سلمہ سے ۱؎حضرت ابوہریرہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے

	میں فرمایا کہ اگر وہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ابو سلمہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بیٹے ہیں،نہایت متقی ثقہ تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں باسٹھ سال عمر پائی،۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎یعنی پہلی چوری میں چور کا داہنا ہاتھ کلائی سے کاٹ دو،دوسری چوری میں بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹ دو،تیسری چوری میں دایاں پاؤں کاٹ دو،چوتھی چوری میں بایاں ہاتھ کاٹ دو۔پہلی دو سزاؤں میں اجماع امت ہے مگر آخری دوسزاؤں میں امام اعظم کا اختلاف ہے،امام اعظم فرماتے ہیں کہ تیسری چوری میں اسے قید کردیا جائے حتی کہ یا مرجائے یا سچی توبہ کے آثار اس میں نمودار ہوجائیں،امام اعظم کی دلیل حضرت علی کا فرمان ہے کہ میں شرم کرتا ہوں کہ اس چور کے کھانے کے لیے ہاتھ اور چلنے کے لیے پاؤں بالکل نہ چھوڑوں۔چنانچہ آپ نے تیسری چوری پر قید کیا اورآپ کا یہ عمل تمام صحابہ و تابعین کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اعتراض نہ کیا لہذا اس پر اجماع منعقد ہوگیا،اس حدیث ابو سلمہ کو امام طحاوی نے ضعیف فرمایا لہذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (لمعات،مرقات،اشعہ)نیز چور کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دینا ایک قسم کا ہلاک کردینا ہے اور چوری کی سزا ہلاکت نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا فرمایا کاٹ دو چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیاپھر دوبارہ اسے لایا گیا فرمایا کاٹ دو چنانچہ کاٹ دیا گیا پھر اسے تیسری بار لایا گیا فرمایا کاٹ دو چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر اسے چوتھی بار لایا گیا فرمایا کاٹ دو پھر اسے پانچویں بار لایا گیا فرمایا اسے قتل کردو ۱؎چنانچہ ہم اسے لے گئے ہم نے اسے قتل کردیا پھر ہم نے اسے گھسیٹا اسے ایک کنویں میں پھینک دیا اور اس پر پتھر مارے ۲؎(ابوداؤد اورنسائی)

۱؎اس حدیث پر کسی امام کا عمل نہیں،کوئی فقیہ چور کے قتل کا حکم نہیں دیتا لہذا یا تو حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے کہ کسی مسلمان کا خون سوائے تین وجہوں کے حلال نہیں:ارتداد،زنا بعد احصان،قصاص،یا یہ چور مرتد ہوگیا تھا یا یہ فسادی یعنی ڈاکوؤں سے مل گیا تھا ان کی امداد کرتا تھا تو سیاسۃً اسے قتل کرادیا گیا،ظاہر یہ ہی ہے کہ وہ مرتد ہوگیا تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔

۲؎یعنی ہم نے اس پر نہ نماز جنازہ پڑھی نہ دفن کیا۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ وہ مرتد ہوچکا تھا چوری کو حلال سمجھتا تھا ورنہ فاسق مسلمان کی نماز جنازہ ضروری ہے،یہاں مرقات نے بحوالہ فتح القدیر ایک عجیب حدیث نقل کی،حضرت جابر

فرماتے ہیں کہ حضور انو رصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا فرمایا اسے قتل کردو،پھر عرض کیا گیا حضور اس نے چوری کی ہے فرمایا ہاتھ کاٹ دو،چنانچہ ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر دوبارہ چوری کے جرم میں لایا گیا فرمایا قتل کردو پھر عرض کیا گیا حضور اس نے چوری کی ہے فرمایا پاؤں کاٹ دو،تیسری چوتھی بار بھی یہ ہی ہوا آخر کار پانچویں بار میں اسے قتل کردیا گیا۔نسائی نے بروایت حارث ابن حاطب نقل فرمایا کہ اس شخص نے پانچویں چوری عہد صدیقی میں کی تب صدیق اکبر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے انجام سے خبردار تھے اس لیے پہلی بار میں فرمایا تھا کہ اسے قتل کردو،یہ حدیث طبرانی سے حاکم نے مستدرک میں نقل فرمائی اور کہا صحیح الاسناد ہے۔ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی۔مرقات نے اس جگہ چوری کے عجیب واقعات بیان فرمائے۔

	اور شرح سنہ میں چور کے قطع کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی اس کے ہاتھ کاٹ دو پھر جھلسادو[1]

[1] احسموا حسمٌ سے بنا بمعنی داغ دینا یا جھلسانا،یہ جھلسانا اس لیے ہے تاکہ جسم کا تمام خون نہ نکل جائے اور چور کی موت واقع نہ ہوجائے۔حسم کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ لوہا آگ میں سرخ کرکے زخم پر لگادیا جائے۔دوسرے یہ کہ زیتون یا کوئی اور تیل کھولا کر ہاتھ تل دیا جائے،یہ جھلسنا بعض اماموں کے ہاں مستحب ہے،ہمارے ہاں واجب ہے کہ اس میں چور کی جان بچانی ہے،اس کا خرچ دیگر اماموں کے ہاں بیت المال کے ذمہ ہے،ہمارے ہاں خود چور کے ذمہ کہ تیل اور آگ کے لیے ایندھن چور سے منگوایا جائے گا کیونکہ یہ جھلسانا چور کے اپنے نفع کے لیے ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے[1] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ اس کے ہاتھ میں لٹکادیا گیا پھر اس کا حکم دیا گیا تو اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا[2](ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

[1] آپ انصاری ہیں بنی عمرو ابن عوف سے ہیں،جنگ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شامل ہوئے،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،جب امیر معاویہ جنگ صفین کے لیے گئے تو ان کی جگہ دمشق کے نائب خلیفہ رہے،۵۳ھ میں دمشق میں انتقال ہوا وہاں ہی دفن ہوئے۔

[2] تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور آئندہ کوئی چوری کی جرأت نہ کرے دیگر اماموں کے ہاں لٹکانا سنت ہے ہر چور کا ہاتھ کاٹ کر کٹا ہوا ہاتھ ہار کی طرح گلے میں پہنایا جائے،ہمارے امام صاحب کے ہاں سنت نہیں بلکہ جائز ہے اگر حاکم مناسب سمجھے تو کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چور کا ہاتھ گلے میں نہ ڈالا صرف اس کا ڈالا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب غلام چوری کرے تو

اسے بیچ دو۱؎ اگرچہ بیس درہم میں ہو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)۳؎	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ غلام اپنے آقا کے گھر سے کچھ چرائے تو اس کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ غلام کو گھر میں آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے لہذا اس کے لیے آقا کے گھر کا مال محفوظ نہ رہا جیسے خاوند بیوی ایک دوسرے کا مال چرائیں یا مہمان اپنے مہمان کی جگہ سے کچھ چرالے تو ہاتھ نہیں کٹتا کیونکہ ان کے حق میں یہ مال محفوظ نہیں۔

۲؎ نُش چالیس درہم کا ہوتا ہے لہذا آدھا نش بیس درہم کا ہوا یعنی کتنا ہی سستا بیچنا پڑے بیچ دو،یہ حکم بطور مشورہ ہے اور جس کے ہاتھ فروخت کرے اسے اس عیب پر مطلع کردے،ممکن ہے کہ وہ کسی تدبیر سے اس غلام کی چوری چھڑا دے۔

۳؎ نیز یہ حدیث امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ایک چور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا حضور نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا لوگوں نے عرض کیا حضور ہم گمان نہ کرتے تھے کہ یہ یہاں تک پہنچ جائے گا۱؎ فرمایا اگر فاطمہ ہوتیں تو میں ان کے ہاتھ کاٹ دیتا ۲؎(نسائی)	

۱؎ یعنی ہم حضور عالی کے متعلق یہ گمان نہ کرتے تھے کہ اسے اتنی سخت سزا دیں گے بلکہ ہمارا خیال تھا کہ رحم خسروانہ فرما کر اسے معمولی جھڑک فرمائیں گے،وہ حضرات سمجھے تھے کہ شرعی سزائیں معاف ہوسکتی ہیں۔

۲؎ کیونکہ مجرم پر رحم یہ ہی ہے کہ اسے پوری سزا دے دی جائے کسی کی کسی طرح رعایت نہ کی جائے کہ اس سے ملک میں امان قائم رہتی ہے اور یہ سزائیں حق اللہ ہیں کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔لو کان وہ قضیہ شرطیہ ہے جس کا مقدم اور تالی دونوں ناممکن ہیں اس سیدہ کا نام لے کر یہ بتانا منظور ہے کہ شرعی سزا میں کسی بڑے سے بڑے درجے والے کی بھی رعایت نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ"۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس اپنا غلام لایا عرض کیا اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا۱؎ تو حضرت عمر نے فرمایا اس پر قطع نہیں ۲؎ کہ وہ تمہارا خاوند ہے جس نے تمہارا سامان لے لیا ۳؎(مالک)	

۱؎ اور اس آئینہ کی قیمت ایک دینار یا اس سے زیادہ ہے۔
۲؎ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ جس کو گھر میں آنے کی دائمی یا عارضی اجازت ہو اگر وہ گھر سے چوری کرے تو اس پر قطع نہیں کہ اس گھر کا مال اس کے لیے محفوظ نہ رہا،اس پر بہت سے مسائل مبنی ہیں۔
۳؎ خیال رہے کہ اگر غلام مولیٰ کے گھر سے چوری کرے تو احناف کے نزدیک اس کا ہاتھ نہ کٹے گا،بعض آئمہ کے ہاں کٹ جائے گا لیکن اگر مولیٰ غلام کے مال کی چوری کرلے تو بالاجماع مولیٰ کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ غلام کا مال مولیٰ ہی کا ہوتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ اگر غلام مولیٰ کے سواء کسی اور کا مال چوری کرے اگرچہ وہ مولیٰ کا عزیز رشتہ دار ہی ہوں جن کے گھر جانے کی غلام کو عام اجازت نہ ہو تو اس کا ہاتھ کٹ جائے گا کیونکہ ان لوگوں کے مال غلام کے لیے غیر محفوظ نہیں بلکہ محفوظ ہیں اور محفوظ مال کی چوری میں قطع ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ فرمایا اس وقت تم کیسے ہوگے جب لوگوں کو عام وبائی موت پہنچے گی ۱؎ کہ اس میں قبر غلام کی عوض ہوگی گھر سے مراد قبر تھی ۲؎ میں نے عرض کیا اللہ و رسول ہی جانیں ۳؎ فرمایا تم صبر اختیار کرنا ۴؎ حماد ابن سلیمان نے فرمایا ۵؎ کہ کفن چور کے ہاتھ کاٹے جائیں کیونکہ وہ میت پر اس کے گھر میں گھس گیا ۶؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ایک وقت تم ایسا دیکھو گے کہ جہاں تم ہو گے وہاں کوئی وبا پھیلے گی جس سے لوگ بہت زیادہ مریں گے تم اس وقت کیا کرو گے وہاں صابر ہو کر رہو گے یا وہاں سے بھاگ جاؤ گے،یہ جگہ مدینہ منورہ کے علاوہ ہوگی کیونکہ مدینہ منورہ میں وبا نہیں پھیلتی۔
۲؎ یعنی موت اس قدر عام ہوگی کہ ایک قبر کی جگہ ایک غلام کے عوض فروخت ہوگی یا ایک قبر کی کھدوائی کی اجرت ایک غلام کی قیمت ہوگی۔
۳؎ یعنی مجھے خبر نہیں کہ اس وقت میرا کیا حال ہوگا صبر یا بے صبری،یہ تو آپ اور آپ کے رب کو ہی خبر ہے۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ہر اگلے پچھلے حالات سے خبردار ہیں،ہم کو اپنے حال کی ایسی خبر نہیں جیسی خبر حضور کو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔
۴؎ یہ حکم بھی ہے خبر بھی یعنی تم اس وقت صبر کرو گے اور ایسا ہی کرنا کہ وہاں کی جگہ سے بھاگ جانا بے صبری ہے۔
۵؎ حماد تابعی ہیں،ثقہ ہیں،کوفی ہیں،فقیہ مجتہد ہیں،حضرت انس اور سعید ابن مسیب و ابراہیم نخعی سے روایات کرتے ہیں،حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے استاذ حدیث ہیں،۱۲۰ھ میں وفات ہوئی،آپ کے والد ابو سلیمان کا نام مسلم

اشعری ہے وہ ابراہیم ابن موسیٰ اشعری کے مولیٰ ہیں،حضرت امام ابوحنیفہ کی احادیث حماد عن ابراہیم النخعی ہوتی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حضرت حماد نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی قبر کو گھر فرمایا اور گھر سے چوری کرنے والا قطع کا مستحق ہے۔خیال رہے کہ امام اعظم و امام محمد کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ نہ کٹے گا،امام ابویوسف و امام شافعی وغیرہم کے نزدیک کٹے گا،ان آئمہ کی دلیل یہ حدیث ہے مگر اس سے استدلال بہت ضعیف ہے کیونکہ اگرچہ قبر گھر ہے مگر غیر محفوظ ہے اور کفن غیر مملوک ہے،غیر محفوظ جگہ سے غیر مملوک مال کی چوری سے قطع نہیں جس مکان کا دروازہ بند نہ ہو اور کوئی محافظ بھی موجود نہ ہو وہاں سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کسی کے نزدیک نہیں کٹتا،حضرت عبداللہ ابن عباس،سفیان ثوری،امام اوزاعی اور امام زہری کا یہ قول ہے کہ کفن چور پر قطع نہیں،کفن چور کے قطع کے متعلق جس قدر روایات ہیں وہ تمام ضعیف ہیں،اس کی تفصیل اس جگہ مرقات میں دیکھو۔ابن ابی شیبہ نے امام زہری سے روایت کی کہ مروان کے پاس ایک کفن چور لایا گیا تو اس نے کوڑے لگوائے تمام صحابہ نے یہ دیکھا اور کسی نے انکار نہ کیا بلکہ مروان نے صحابہ کرام سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو سب نے رائے دی کہ اس کے کوڑے لگوائے جائیں اور اسے تمام شہر میں گشت کرائی جائے،ہاں امام اعظم کے ہاں اگر حاکم سیاسۃً کفن چور کا ہاتھ کٹوا دے تو جائز ہے کہ یہ حد نہیں بلکہ تعزیر ہے،یہ بحث اچھی طرح خیال میں رہنی چاہیے۔

باب الشفاعۃ فی الحدود

حدود میں سفارش کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں اگرچہ چوری کی سزا میں سفارش کی ممانعت کا ذکر ہے مگر کسی حد میں سفارش جائز نہیں اسی لیے صاحب مشکوۃ نے حدود جمع فرمایا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ قریش کو اس مخزومی عورت کی حالت نے غم میں ڈال دیا جس نے چوری کی تھی ۱؎ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون عرض کرے تو بولے کہ اس پر کون جرأت کرسکتا ہے سواء اسامہ ابن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں ۲؎ چنانچہ حضور سے اسامہ نے عرض کیا ۳؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو ۴؎ پھر قیام فرمایا خطبہ دیا پھر فرمایا تم سے پہلے والے صرف اس وجہ سے ہلاک کیے گئے ۵؎ کہ ان میں جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے ۶؎ اور اللہ کی قسم ۷؎ اگر محمد مصطفیٰ کی دختر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا ۸؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت سامان مانگ لیتی اور اس کا انکار کر دیتی تھی ۹؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کے گھر والے اسامہ کے پاس آئے ان سے کچھ کہا سنا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق	

	عرض کیا پھر گزشتہ حدیث کی مثل ذکر کیا ١٠؎

١؎ مخزوم قریش کا بہت بڑا قبیلہ ہے اسی قبیلہ میں ابوجہل تھا،اس عورت کا نام فاطمہ بنت اسود ابن عبدالاسد ہے حضرت ابو سلمیٰ کی بھتیجی،بہت عالی نسب اشرف قوم تھیں۔
٢؎ یہ مشورہ حضرات صحابہ نے کیا اس خیال سے کہ ایسی عالی خاندان عورت کا ہاتھ کٹوانے سے اس خاندان کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے جس سے بڑا فساد پھیل سکتا ہے لہذا اس پر جرمانہ وغیرہ کردیا جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے،قرآن کریم فرماتا ہے:"اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"۔
٣؎ حضرت اسامہ ابن زید نے اس آیت پر نظر رکھ کر سفارش کی کہ "مَنۡ یَّشْفَعْ شَفٰعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنْہَا"وہ یہ سمجھے کہ یہ سفارش بھی اچھی شفاعت میں داخل ہے۔غرضکہ تمام صحابہ کرام اور حضرت اسامہ کی نیت بخیر تھی انہیں اس مسئلہ کی خبر نہ تھی جواب بیان ہورہا ہے۔
٤؎ یہ فرمان عالی تعجب کے طور پر ہے کہ تم جیسے عقل مند ایسی سفارش کرتے ہیں یہ سفارش تو شفاعت سیئہ میں داخل ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَنۡ یَّشْفَعْ شَفٰعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْہَا"لہذا اس سفارش میں نہ تو حضرات صحابہ پر اعتراض ہے نہ حضرت اسامہ پر،یہ پہلے معلوم ہوچکا کہ چوری کا مقدمہ دائر ہونے سے پہلے حق العبد ہے کہ مالک مال معاف کرسکتا ہے اور مقدمہ پیش ہوجانے پر حق اللہ بن جاتا ہے کہ کوئی معاف نہیں کر سکتا،یہاں مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوچکا تھا۔
٥؎ اھلك یا معروف ہے تو اس کا فاعل انّھم الخ ہے یا مجہول ہے تو اس کا نائب فاعل الذین ہے ان لوگوں سے مراد یہودوعیسائی ہیں اور ہلاکت سے مراد قومی تباہی ملکی بد نظمی ہے۔
٦؎ یعنی یہودونصاریٰ میں زنا چوری قتل وغیرہ جرائم اس لیے بڑھ گئے کہ ان کے حکام و سلاطین نے مالداروں اور بڑے آدمیوں کی حدود میں رعایتیں کرنا شروع کردیں۔ملکی انتظام صرف دو چیزوں سے قائم رہ سکتا ہے سزائیں سخت ہوں جیسے اسلامی سزائیں ہیں اورکسی مجرم کی رعایت ضمانت نہ ہو کوئی بدمعاش قانون کی گرفت سے بچ نہ سکے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ"یہاں چونکہ چوری کا مقدمہ درپیش تھا اس لیے حضور عالی نے چوری کا ذکر فرمایا ورنہ ان لوگوں میں ہر جرم کی سزا کا یہ ہی حال تھا زانی ہو یا قاتل ان رعایتوں اور چودھری وغیرچودھری کے فرق کا نتیجہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں،اللہ تعالٰی ہم کو اسلامی حکومت دکھائے۔
٧؎ بصری کہتے ہیں کہ ایم بنا ہے ایمن یا یمن سے بمعنی برکت اور یہاں اقسم پوشیدہ ہوتا ہے یعنی اللہ کی برکتوں کی قسم کہتے ہیں کہ ایم جمع ہے یمین کی بمعنی قسم بہرحال ایم اللہ کے معنی ہیں اللہ کی قسم۔
٨؎ سبحان اللہ! یہ ہے عدل و انصاف جس سے زمین و آسمان قائم ہے۔خیال رہے کہ تمام اولاد اطہار میں حضور کو جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بہت ہی پیاری ہیں کیونکہ سب اولاد میں چھوٹی ہیں،نیز ان کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ،آپ کو بہت چھوٹی عمر میں چھوڑکر وفات پاگئیں لہذا آپ حضور ہی کی گود شریف میں پلیں بڑھیں اس لیے آپ

کا نام شریف ہی لیا ورنہ مراد ساری اولاد ازواج وعزیز واقارب ہیں صلوۃ اللہ وسلامہ علیٰ ابیھا وبعلھا وعلیھا وابنھا۔اور یہ قضیہ شرطیہ وہ ہے جس کے دونوں جز مقدم وتالی ناممکن ہیں جیسے "اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ"۔

۹؎ اس عورت کی پہچان کرانے کے لیے ہے کیونکہ وہ اس وصف میں مشہور ہوچکی تھی نہ کہ بیان جرم کے لیے کیونکہ اس کا ہاتھ اس انکار کی وجہ سے نہ کٹا تھا بلکہ اس نے ایک بار چوری کرلی تھی لہذا اس کا ہاتھ کٹا یعنی وہ عورت جس کا یہ حال تھا چوری میں پکڑی گئی تو حضور انور نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔بعض لوگوں نے کہا کہ امام احمد وامام اسحٰق کے نزدیک عاریت کے انکار پر بھی ہاتھ کٹ جاتا ہے اس حدیث کے ظاہری معنی کی بنا پر۔واللہ اعلم! مگر دیگر احادیث میں اس کی چوری کا صریحی ذکر ہے۔(اشعہ ومرقات)

۱۰؎ یعنی فاطمہ مخزومیہ پہلے تو عاریۃ کے انکار کا جرم کرتی تھی پھر چوری میں پکڑی گئی تھی۔خیال رہے کہ حقوق اللہ والی حدوں میں سفارش کرنا حرام ہے مگر تعزیر اور حقوق العباد والی سزاؤں میں سفارش کرنا جائز بلکہ ثواب ہے جب کہ ملزم شریر نہ ہو خواہ مقدمہ حاکم کے پاس پہنچ گیا ہو یا نہ پہنچا ہو جیسے قتل کا قصاص کہ اس میں مقتول کے وارثوں سے معافی یا صلح کرادینے میں حرج نہیں۔(مرقات)زنا اور چوری کی سزائیں حق اللہ ہیں ان میں سفارش کرنا حرام ہے،زنا کی سزا پہلے سے ہی حق اللہ ہے اور چوری حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے کے بعد حق اللہ بن جاتی ہے،اگر کوئی مالک مال سے سفارش کرکے مقدمہ حکومت میں نہ پہنچنے دے تو جرم نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس کی سفارش اللہ کی حدوں میں سے کسی حد کے لیے آڑ بن جائے تو اس نے اللہ تعالٰی کا مقابلہ کیا۱؎ اور جو باطل چیز میں جانتے ہوئے جھگڑے وہ اللہ کی ناراضی میں رہے گا حتی کہ اس سے نکل جائے گا ۲؎ اور جو کسی مسلمان میں برائی بیان کرے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ اسے کچ لہو میں رکھے گا ۳؎ حتی کہ اپنے کہے سے نکل جائے ۴؎(احمد،ابوداؤد)اور بیہقی کی شعب الایمان کی روایت ہے کہ جو کسی جھگڑے میں مدد کرے نہ جانتا ہو کہ وہ حق ہے یا باطل تو وہ اللہ کی ناراضی میں رہے گا حتی کہ نکل جائے ۵؎	

۱؎ یعنی اگر سفارشی نے ایسے حالات پیدا کردیئے جس سے شرعی حد قائم نہ ہوسکی تو یہ سفارشی اللہ کا دشمن ہے اور اگر حاکم نے سفارش قبول کرکے مجرم کو چھوڑ دیاتو سفارشی اور حاکم دونوں اللہ تعالٰی کے دشمن ہیں پہلی صورت سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ یا وزیر کسی مجرم کی سفارش کرکے حاکم کو چھوڑ دینے پر مجبور کرے اور حاکم چھوڑنا تو نہ چاہتا تھا مگر ان کے دباؤ سے مجبور ہوگیاتب یہ حکم ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور نے چھوڑانے والے سفارشی کا ذکر فرمایا چھوڑنے والے حاکم کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔

۲؎ یہ فرمان عالی بہت وسیع ہے جھوٹے مقدمہ باز،جھوٹے مناظر،جھوٹے جھگڑالوسب ہی اس میں داخل ہیں۔ رب تعالٰی ہدایت دےاگر اس حدیث پر عمل ہوجائے تو مقدمہ بازیاں مناظرے سب ہی ختم ہوجائیں۔

۳؎ ردغة الخبال ر کے فتحہ،دال کے سکون اور خ اور ب کے فتحہ سے کچا پیپ جسے اردو میں کچلھو کہتے ہیں۔اس سے مراد دوزخ کا وہ مقام ہے جہاں دوزخیوں کا پیپ و خون جمع ہوتا ہے۔

۴؎ یعنی دنیا میں جتنے روز تک یہ مسلمان بھائی کو عیب لگاتا رہا اتنے روز تک جہنم کے اس طبقہ میں رکھا جائے گاکہ وہاں رہے گا اور یہ کچلھو ہی پیئے گا۔اللہ کی پناہ!

۵؎ یہ فرمان عالی پہلے فرمان سے زیادہ سخت ہے کہ وہاں باطل پر جھگڑے کا ذکر تھا اور یہاں جس کے متعلق حق ہونے کا یقین نہ ہو باطل ہونے کا شبہ ہو اس میں جھگڑے والے کی مدد کرنے پر وعید ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ یا کسی چیز پر دوسرے سے جھگڑ رہا ہے تم کو یہ پتہ نہ چلا کہ یہ حق پر ہے یا باطل پر تم نے اس کی اندھا دھند مدد کی تو تم بھی غضب الٰہی میں آگئے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض قومیت پر دوسروں سے لڑتے ہیں،اپنے ہم قوم کی جھوٹ و ظلم پر مدد کرتے ہیں،نیز وہ بیرسٹرووکیل عبرت پکڑیں جو کچھ روپیہ کے لیے ظلم کی حمایت وکالت کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو امیہ مخزومی ۱؎ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیاجس نے صریحی اقرار کر لیا تھا اور اس کے پاس سامان پایا نہ گیا ۲؎ تو اس سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تیرے متعلق خیال نہیں کرتا کہ تو نے چوری کی ۳؎ ہو وہ بولا ہاں حضور نے دو یا تین بار اس سے فرمایا وہ ہر بار اقرار ہی کرتا رہا تو حکم دیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا ۴؎ اور اسے لایا گیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر،بولا میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا الٰہی اس کی توبہ قبول فرمالے ۵؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) میں نے چاروں اصول اور جامع اصول شعب الایمان اور معالم	

	السنن میں یوں ہی پایا ۶ ۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کا نام معلوم نہ ہوسکا صرف کنیت میں مشہور ہیں،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،آپ سے ابوذر غفاری مولیٰ ابوالمنذر نے روایت کی رضی اللہ عنہم۔(مرقات واشعہ)

۲؎ لُص لام کے پیش یا کسرہ سے ص کے شد سے یعنی ایک ایسا شخص آپ کی خدمت میں صحابہ کرام لائے جس کی چوری پر کوئی گواہ نہ تھا نہ چوری کی علامت یعنی مسروقہ مال اس کے پاس تھا لوگوں کے سامنے اس نے چوری کا اقرار کرلیا تھا اس بنا پر اسے بارگاہ عالی میں حاضر کیا گیا۔

۳؎ اِخال ہمزہ کے کسرہ سے ہے،اصل میں اخال ہمزہ کے فتحہ سے تھا،خال یخال خیال سے بنا سمع یسمع سے یعنی ہم کو تیرے متعلق یہ خیال نہیں کہ تو نے چوری کی ہو تجھے دھوکا لگا ہے۔

۴؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اقرار زنا کی طرح چوری کے اقرار میں بھی بار بار اقرار کرایا جائے اور اگر یہ چور بھی اقرار کے بعد رجوع کرلے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا دیگر اماموں یعنی امام اعظم امام مالک امام محمد بلکہ خود امام شافعی کے ایک قول میں صرف ایک اقرار پر ہاتھ کٹے گا،امام احمد و امام ابویوسف کے نزدیک صرف اقرار سے ہاتھ نہیں کٹتا،امام اعظم وغیرہم کی دلیل وہ حدیث ہے جو طحاوی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ حضور انور نے صرف ایک اقرار پر ہاتھ کٹوایا۔اس حدیث میں جو تعدد کا ذکر ہے وہ چوری کے معنے تحقیق کے لیے ہے کہ کبھی چور غلطی سے خیانت وغیرہ کو چوری سمجھ رہا ہو۔واللہ اعلم!(مرقات)

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد چور سے توبہ بھی کرائی جائے کیونکہ ہاتھ کٹ جانا تو شرعی جرم کا کفارہ ہوا اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی معافی توبہ سے ہوگی۔

۶؎ یعنی ان کتب میں یہ حدیث ابو امیہ سے مروی ہے نہ کہ ابو رمثہ سے۔خیال رہے کہ جامع اصول السنہ امام ابن اثیر کی مشہور کتاب ہے۔

	بروایت ابو امیہ اور مصابیح کے نسخوں میں ابو رمثہ سے ہے رے اور تین نقطی ث سے بجائے ہمزہ اور ی کے ۱؎

۱؎ یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔خیال رہے کہ اس پر تو تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے جب کہ چوری کے تمام شرائط پائے جائیں،اس میں اختلاف ہے کہ چور سے مال کا تاوان بھی لیا جائے گا یا نہیں،ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر مسروقہ مال چور کے پاس موجود ہے تو مالک کو دلوا دیا جائے گا اور اگر مال اس کے پاس سے جاتا رہا یا اس نے خرچ یا ضائع کردیا تو ضمان واجب نہیں صرف ہاتھ کاٹنا سزا کافی ہے،دوسرے اماموں کے ہاں مال کا تاوان بھی دلوایا جائے گا،ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو نسائی نے بروایت عبدالرحمٰن ابن عوف نقل کی کہ جب چوری والے پر حد قائم کردی جائے تو اس پر تاوان نہیں اور دار قطنی کے یہ الفاظ ہیں لاغرم علی السارق بعد قطع یمینہ اور بزاز نے روایت کی لایضمن السارق سرقۃ بعد اقامۃ الحد رب تعالٰی فرماتا ہے:"السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا"ما

کسبا میں ما عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دینا اس کے سارے جرموں کی سزا ہے چوری کی بھی اور مال ضائع کرنے کی بھی۔(مرقات و ہدایہ و کتب اصول)

باب حد الخمر

شراب کی سزا کا بیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

اخمر کے معنی ہیں چھپانا اسی لیے دوپٹے کو خمار کہتے ہیں کہ وہ سر کو چھپالیتا ہے،بعض اماموں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے،بعض کے نزدیک صرف انگوری شراب کو خمر کہتے ہیں،انگوری شراب کا ایک قطرہ بھی بالاجماع حرام ہے،دوسری شرابیں حد نشہ تک بالا جماع حرام ہیں،اس سے کم کی حرمت میں اختلاف ہے۔صحیح یہ ہے کہ وہ بھی مطلقًا حرام ہیں نشہ دیں یا نہ دیں۔شراب کی سزا اسی۸۰ کوڑے ہیں عہد صحابہ میں اولًا اختلاف رہا پھر اسی۸۰ کوڑوں پر اتفاق ہوگیا۔شراب کی سزا کے لیے شرط یہ ہے کہ بحالت نشہ اس کی گواہی یا اقرار حاکم کے پاس ہوجائے۔نشہ اترجانے کے بعد اگر اقرار یا گواہی گزرے تو امام اعظم کے ہاں اس پر یہ سزا نہیں جاری ہوگی۔خیال رہے کہ نشہ والے کی طلاق تو واقع ہوجاتی ہے مگر اس کا ارتداد درست نہیں یعنی اگر اس کے منہ سے نشہ میں کلمہ کفر نکل جائے تو اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ایک صحابی نے بحالت نشہ نماز مغرب میں سورۂ کافرون پڑھی ہر جگہ سے لا چھوڑ گئے تو یہ کلمات کفر بن گئے مگر ان پر حکم ارتداد نہ دیا گیا بعد میں شراب حرام کردی گئی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے شراب کی سزا میں چھڑیوں اور جوتوں سے پٹوایا ہے۱اور حضرت ابوبکر نے چالیس کوڑے لگائے ۲(مسلم،بخاری)

۱یہ روایت مجمل ہے کہ اس میں تعداد کا ذکر نہیں،دوسری روایتوں میں چالیس کا ذکر ہے،بعض روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شاخیں چالیس لگوائیں جس سے اسی۸۰ ہوگئیں اور ہوسکتا ہے کہ اولًا شراب کی سزا مقرر نہ تھی بعد میں مقرر ہوئی یہ روایت اول زمانہ کی ہو۔(مرقات)

۲اس روایت کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ شراب کی سزا چالیس کوڑے ہیں مگر ہمارے ہاں اسی۸۰ کوڑے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرکے اسی۸۰ کوڑے مقرر فرمائے اور کسی صحابی نے اعتراض نہ فرمایا لہذا اسی۸۰ کوڑوں پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہوگیا۔

	اور دوسری روایت میں ان ہی انس سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب کی سزا میں چالیس جوتے اور چھڑیاں لگواتے تھے ۱

۱؎ یعنی شرابی کو کچھ تو جوتے اور کچھ کوڑے دونوں کی تعداد مل کر چالیس ہوئی۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے فرماتے ہیں کہ شرابی لایا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کی امارت اور حضرت عمر کی شروع خلافت میں تو ہم اپنے ہاتھوں اپنے جوتوں اپنی چادروں سے اس پر کھڑے ہوجاتے تھے ۱؎ حتی کہ حضرت عمر کی آخری خلافت آئی توآپ نے چالیس کوڑے لگوائے ۲؎ یہاں تک کہ جب لوگ سرکش اور بے راہ ہوگئے تو اسی ۸۰ کوڑے لگوائے ۳؎(بخاری)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور پوری خلافت صدیقی میں اور خلافت فاروقی کے شروع میں شراب کی سزا مقرر نہ ہوئی تھی ہم اپنی چادر کا کوڑا بنا کر مارتے تھے،کچھ جوتے لگادیتے تھے،کچھ چھڑیاں ماردیتے تھے۔غالبًا یہ سب ملکر بھی چالیس نہ ہوتے تھے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے چالیس کوڑے بھی نہ لگوائے جاتے تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چالیس مقرر کئے۔

۳؎ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ اتنی معمولی سزا سے شراب نوشی نہیں رکتی توآپ نے اسی ۸۰ کوڑے مقرر کئے۔معلوم ہوا کہ نرم سزائیں جرم کی عادت روکنے کے لیے کافی نہیں،یہ حدیث جمہور ائمہ کی دلیل ہے کہ شراب کی سزا اسی ۸۰ کوڑے مقرر ہیں،تمام صحابہ نے یہ سزا دیکھی اور کسی نے اعتراض نہ کیا لہذا اس سزا پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہوگیا۔بہرحال زمانہ رسالت میں شراب کی سزا ضرور تھی مگر مقرر نہ تھی،پھر چالیس کوڑے عہد صدیقی یا عہد فاروقی میں مقرر ہوئی،پھر آخر عہد فاروقی میں اسی ۸۰ کوڑے مقرر ہوئے۔جن روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں چالیس کوڑے مارے وہ درست نہیں۔مرقات نے اس کی پُرزور تردید فرمائی اور اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روای فرماتے ہیں کہ جو شراب پی لے تو اسے کوڑے مارو اگر پھر لوٹے تو چوتھی بار میں اسے قتل کردو ۱؎ راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے بعد وہ شخص لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی لی تھی آپ نے اسے مارا تو مگر قتل نہ کیا ۲؎(ترمذی)

۱؎ یا تو قتل سے مراد سخت مار ہے یعنی گویا اسے مار ڈالو یا یہ حکم اول اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔کسی امام کا یہ مذہب نہیں کہ شرابی کی سزا قتل ہے بلکہ اس حدیث کا اگلا جملہ بھی یہ ہی بتارہا ہے کہ قتل کا حکم یا منسوخ ہے یا متاوّل۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ یہ قتل تعزیرًا ہو نہ کہ حد کے طور پر کہ اگر قاضی عادی شرابی فسادی کے قتل میں مصلحت دیکھے تو اسے قتل کردے۔

۲؎ اس عمل شریف سے معلوم ہوا کہ حکم قتل یا منسوخ ہے یا وہاں قتل کے معنے سخت مار ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کا قتل سواء تین جرموں کے اور کسی وجہ سے جائز نہیں ہے:ارتداد،قتلِ عمد،زنا بعداحصان،وہ حدیث بھی اس جملہ کی تائید کرتی ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ایک چھوٹی جماعت نے گزشتہ حدیث کی بنا پر حکم دیا ہے کہ شرابی کو چوتھی بار قتل کیا جائے مگر ان کا یہ قول مخالف اجماع ہے یہ حدیث اس کی ناسخ ہے یا اس کا بیان ہے۔

	اور ابوداؤد نے حضرت قبیصہ ابن ذویب سے روایت کی ۱؎

۱؎ قبیصہ ابن ذویب ق کے فتحہ سے اور ذویب ذال کے پیش واؤ کے فتحہ سے ہے،قبیصہ کی ولادت یکم ہجری میں ہوئی،آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈالا گیا،حضور انور نےآپ کے لیے دعا کی،چنانچہ آپ فقیہ تابعی ہیں اورآپ کی وفات ۸۶ھ میں ہے۔(اشعہ)

	اور دونوں کی دوسری روایت میں اور نسائی،ابن ماجہ،دارمی کی روایت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ سے مروی ہے جن میں حضرت ابن عمر،معاویہ،ابوہریرہ اور شرید ہیں ۱؎ فاقتلوہ تک ہے۔

۱؎ حضرت شرید کا نام مالک ابن سوید ہے حضور انور نےآپ کو شرید کا لقب دیا،شرید کے معنی ہیں بھاگ آنے والا،چونکہ آپ اپنی قوم کے ایک شخص کو قتل کرکے مکہ معظّمہ بھاگ آئے مسلمان ہوگئے اس لیےآپ کو یہ لقب دیا گیا،ثقفی ہیں،حضر موت میں قیام رہا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر سے ۱؎ فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں ۲؎ جب کہ آپ کے پاس وہ شخص لایا گیا جس نے شراب پی لی تھی لوگوں سے فرمایا اسے مارو ۳؎ تو بعض نے اسے جوتوں سے مارا اور بعض نے اسے ڈنڈے سے مارا اور بعض نے اسے چھڑی سے مارا۔ ابن وہب نے فرمایا کہ **متیخة** سے مراد تر شاخ ہے ۴؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹی لی وہ اس کے منہ پر ماری ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ صحابی ہیں،قرشی ہیں،عبدالرحمٰن بن عوف کے بھتیجہ ہیں کیونکہ ازہر عوف کے بیٹے ہیں،حضرت عبداللہ ابن عباس کے ہمراہیوں سے ہیں،مقام حرہ میں وفات پائی۔(مرقات،اشعہ،اکمال)

۲؎ یعنی یہ واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے گویا میں اسے اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس میں اپنی یادداشت اور اپنی یاد پر اعتماد کا اظہار ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ شرابی کو سزا حاکم اسلام دے ہر شخص اپنی رائے سے نہیں دے سکتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سزا کے لیے کوئی خاص آدمی جلاد مقرر کرنا لازم نہیں قوم کے افراد مار سکتے ہیں اگرچہ بعض کی مار ہلکی ہوگی بعض کی سخت۔

۴؎ لفظ **متیخة** میں اختلاف ہے کہ یہ کیسے پڑھا جائے،زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اولًا میم مکسورہ ہے،پھری ساکن،پھرت مفتوحہ ہے،پھرخ مفتوحہ ہے۔بعض نے میم مفتوحہ،پھرت مکسورہ،پھری ساکنہ سے پڑھا بروزن **سکینه** وہ کہتے ہیں کہ اس کا مادہ **فتح** بمعنی ضرب اور مارنا ہے،بعض نے میم کے بعد ت مشددہ سے پڑھا،اہل لغت نے یہ لفظ نہیں لیا۔بہرحال اس کے معنی ہیں مارنے کی چیز خواہ تر شاخ ہو یا چھڑی یا دُرّہ یا کوڑا۔(مرقات)ابن وہب اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں انہوں نے کہا عبدالرحمٰن کی مراد تر شاخ ہے یعنی یہ لفظ آتا ہے تو بہت سے معنی میں مگر یہاں مراد کھجور کی تر شاخ ہے،ابن وہب نہایت ثقہ عالم محدث ہیں ان کی ولادت،۱۲۵ھ میں ہے،وفات ۱۹۹ھ میں ہے۔(اشعہ)

۵؎ یا تو یہ مٹی اس کی طرف پھینکی یا منہ پر ہی ماری جس سے اس کا منہ گرد آلود ہوگیا،یہ عمل شریف غضب کے لیے ہے یا اس شراب خوری کی بدتری بیان فرمانے کے لیے ہے،پاخانہ وغیرہ نجس چیز ادھر نہ پھینکی تاکہ اس کا جسم نجس نہ ہوجائے،مسلمان خواہ کتنا ہی مجرم ہو مگر اس کے ایمان کا احترام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ شخص لایا گیا جس نے شراب پی لی تھی ۱؎ فرمایا اسے مارو تو ہم میں سے بعض اپنے ہاتھ سے مارنے والے تھے بعض اپنے کپڑے سے اور بعض اپنے جوتے سے ۲؎ پھر فرمایا اسے ملامت کرو ۳؎ تو لوگ اس پر متوجہ ہوکر کہنے لگے تجھے اللہ سے خوف نہ ہوا تو اللہ سے نہ ڈرا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم نہ کی ۴؎ بعض قوم نے کہا تجھے اللہ رسوا کرے ۵؎ فرمایا ۶؎ یوں نہ کہو نہ اس پر شیطان کی مدد کرو ۷؎ لیکن یوں کہو خدا اسے بخش دے الٰہی اس پر رحم کر ۸؎(ابوداؤد)

۱؎ شراب انگوری یعنی خمر پی تھی جیساکہ بعض روایات میں لفظ خمر ہے۔(مرقات)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ نجس جوتے سے نہ مارا ہوگا جس سے اس کا جسم نجس ہوجائے،جوتے سے مارنا اظہار غضب اور اظہار ذلت کے لیے ہے کہ یہ فعل بہت ذلیل ہے۔

۳؎ یعنی اسے زبان سے برا بھلا کہو یہ حکم استحبابی ہے اور پہلا حکم اضربوہ وجوبی تھا کیونکہ شرابی کو مار کی سزا دینا واجب ہے زبان سے ملامت کرنا مستحب۔سبحان اللہ! خود برا نہیں کہتے لوگوں کو اس کا حکم دیتے ہیں،خود تو معافی کی دعائیں دیتے ہیں ہم جیسے مجرم بھی ان کے کرم میں ہیں۔

۴؎ معلوم ہوا کہ مسلمان کو ہر گناہ میں اللہ تعالٰی کے خوف کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم بھی چاہیے کہ حضور ہمارے اعمال پر خبردار ہیں ہمارے گناہوں کو حضور دیکھ رہے ہیں اللہ تعالٰی فرماتاہے: "وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا"۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔شعر

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اسی طرح ہر نیک عمل میں رب تعالٰی کی رضااور حضور کی خوشنودی کی نیت کرنی چاہیے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ"حضور کو ہماری نیکیوں سے خوشی ہوتی ہے۔

۵؎ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ یعنی اس نے بجائے ملامت کے بددعا کی،بجائے نصیحت کے فضیحت کی۔

۶؎ اس رحمت والے نبی نے اس غموں کے دور کرنے والے رسول نے۔(مرقات)جس کا دامن ستاری ہم سب مجرموں کے لیے پھیلا ہوا ہے۔

۷؎ کیونکہ تمہاری اس بددعا کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ بار بار شراب پیا کرے اور سزا پایا کرے شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم تو شیطان کی آرزو پوری ہونے کی دعا کررہے ہو۔

۸؎ یعنی یوں کہو کہ الٰہی اس کی گزشتہ شراب نوشی وغیرہ کو معاف فرما اور آئندہ گناہوں سے بچنے نیک اعمال کرنے کے توفیق دے اس پر رحم فرما۔یاارحم الراحمین اس صحابی کا صدقہ کہ مجھ سیاہ کار بدکردار احمدیار پر بھی رحمت فرما میری گزشتہ بدکاریوں کو بخش آئندہ نیکیوں کی توفیق دے۔آمین!

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے شراب پی لی نشہ میں ہوگیا تو اسے راستہ میں جھومتے ہوئے پایا گیا۱؎ تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر چلا گیاجب وہ حضرت عباس کے گھر کے سامنے آیا ۲؎ تو وہ چھوٹ گیا تو حضرت عباس پر داخل ہوگیا انہیں لپٹ گیا۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو حضور انور ہنس پڑے اور فرمایا اس	

	نے یہ کیا اور اس کے بارے میں کچھ حکم نہ دیا۴؎ (ابوداؤد)

۱؎راوی کا شرب فرمانا اپنے گمان کی بنا پر ہے ورنہ اسے شراب پیتے کسی نے نہ دیکھا تھا نہ اس نے شراب پی لینے کا اقرار کیا تھا صرف اس کے جھومنے سے سمجھا گیا کہ اس نے شراب پی ہے لہذاحدیث بالکل واضح ہے۔**فج** اس وسیع راستہ کو کہتے ہیں جودو پہاڑوں کے درمیان ہو،اب ہر وسیع راستہ کو کہنے لگے لہذا **فج** خاص ہے اور طریق و صراط سبیل عام یعنی ہم اسے گلی کوچوں سے نہ لائے بلکہ شارع عام سے لائے۔

۲؎بعض شارحین نے یہاں دھوکا کھایا ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظّمہ کا ہے کیونکہ حضرت عباس کا گھر لب سڑک مکہ معظّمہ میں ہی تھامدینہ منورہ میں نہ تھابلکہ مدینہ پاک میں ان کا گھر گلی کوچہ میں تھا،مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے شراب حرام نہ تھی،نیز وہاں حکومت اسلامیہ قائم نہ ہوئی تھی کہ مجرم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے جاتے لہذا حق یہ ہے کہ یہ واقعہ بعد ہجرت کا ہے اور شراب حرام ہوچکنے کے بعد کا ہے ورنہ اسے پکڑا نہ جاتا۔اور حضرت عباس کے گھر کے سامنے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس گلی کے کنارہ پر پہنچے جہاں حضرت عباس کا گھر ہے،محاذات یعنی مقابلہ اسی کو شامل ہے۔

۳؎یعنی بغیر اجازت آپ کے گھر میں گھس گیا اورآپ سے لپٹ گیا کہ مجھے ان سے چھوڑا لو اور سزا سے بچالو،کیوں اس لیے۔**مصرع** ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

مگر اسے پھر پکڑ لیا گیا۔

۴؎سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تو اس کا یہ عجیب کام سن کر اور سزا اس لیے نہ دی کہ اس کے شراب پینے پر گواہی قائم نہ تھی۔اس سے حنفی مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ صرف جھومنے سے شراب کی سزا نہیں دی جاسکتی بلکہ عینی گواہی ضروری ہے یا اقرار۔جو حضرات صرف جھومنے پر حد لگادینے کے قائل ہیں وہ یہاں یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی مگر یہ توجیہ درست نہیں ورنہ پھر صحابہ اسے گرفتار کرکے بارگاہ نبوت میں حاضر نہ کرتے گرفتاری تو سزا کے لیے ہوتی ہے اور سزا جرم پر ہوتی ہے اور شراب پینا جرم جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ شراب حرام ہو چکی ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمیر ابن سعید نخعی سے فرماتے ہیں میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کو فرماتے سنا کہ میں کسی پر شرعی حد قائم کروں وہ مرجائے تو میں اپنے دل میں کچھ غم و رنج محسوس نہ کروں گا۱؎سوائے شرابی کے

۲؎ کہ اگر وہ مرجائے تو اس کا خون بہادوں گا ۳؎ یہ اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا مقرر نہ فرمائی ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ما کنت لاقیم کا لام لامِ جحود ہے جو کنت کی نفی نہیں ہونے دیتا بلکہ اجد فی نفسی کی نفی کرتا ہے جیسے "مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمٰنَکُمۡ" کالام یعنی اگر میں کسی کو زنا کے کوڑے لگاؤں یا تہمت کے کوڑے ماروں وہ مرجائے تو مجھے غم نہیں کہ ایسے موذیوں سے زمین خالی ہونا اچھا ہے۔

۲؎ کہ اگر دوران سزا میں یہ مرجائے تو مجھے بہت غم ہوگا۔

۳؎ یعنی اس مضروب کے وارثوں کو سو اونٹ دیت خون بہا ادا کروں گا۔

۴؎ اس پر آئمہ متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص شرعی حد سے مرجائے تو حاکم یا جلاد یا بیت المال پر خون بہا واجب نہیں۔لیکن اگر تعزیر سے مرجائے تو اس میں اختلاف ہے،امام مالک و احمد فرماتے ہیں کہ خون بہا نہیں،امام شافعی کے ہاں بیت المال سے دیت ادا کی جائے گی،ہمارے ہاں اس کا حکم قتل خطاہے کہ قاتل کے عصبہ دیت دیں گے اور قاتل کفارہ ادا کرے گا لہذا اگر خاوند اپنی بیوی کو یا استاذاپنے شاگرد کو یا آقا نوکر کو ادبًا مارے اتفاقًا وہ مرجائے تو اس قاتل کے وارثوں پر دیت اور قاتل پر کفارہ ہے،لیکن اگر خاوند کے صحبت کرنے سے بیوی مرجائے تو نہ دیت ہے نہ کفارہ بلکہ مہر واجب ہے۔حضرت علی کے اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ اگر شرابی کو اسی۸۰ کوڑے مارے گئے اور چالیس کے بعد وہ مرگیا تو میں ضمان دوں گا کیونکہ حضور انور نے چالیس تک مارے ہیں زیادتی تو ہم لوگوں نے کی ہے شاید یہ زیادتی حد نہ ہو بلکہ تعزیر کا حکم رکھتی ہو۔

روایت ہے حضرت ثور ابن زید دیلمی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے شراب کی سزا کے متعلق مشورہ کیا ۲؎ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ اس کو اسی۸۰ کوڑے لگائیں ۳؎ کیونکہ جب پیئے گا تو نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا تو بکواس بکے گا اور جب بکواس بکے گا تو جھوٹ گھڑے گا ۴؎ چنانچہ حضرت عمر نے شراب کی سزا میں اسی۸۰ کوڑے مارے ۵؎ (مالک)	

۱؎ مشکوۃ شریف کے نسخوں میں دیلمی ہے میم کے ساتھ،دیلم ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے مگر موطا امام مالک میں دیلی ہے بغیر میم کے،دیل ایک مشہور قبیلہ ہے،صحیح دیلی ہے بغیر میم کے،یہ تابعی حمصی شامی ہے،اس پر قدریہ ہونے کا شبہ کیا گیا چنانچہ مسلمانوں نے اسے حمص سے نکال کر اس کا گھر جلادیا۔ثورابن یزید کلاعی اور شخص ہیں جو تابعی ثقہ تھے،ان کی وفات ۱۵۵ھ میں ہوئی۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ کہ کیا شرابی کی سزا چالیس کوڑے رکھی جائے یا زیادہ کی جائے تو کتنی کیونکہ چالیس کوڑوں سے شراب نوشی پوری نہیں رکتی۔

۳؎ یہ مشورہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی صحابی نے اعتراض نہ فرمایا سب نے قبول کیا لہذا اس سزا پر صحابہ کا اجماع ہوگیا اور فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ تم کو میری اور میرے صحابہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم ہے اس لیے تمام آئمہ کے نزدیک شراب کی سزا اسی۸۰ کوڑے مقرر ہے۔

۴؎ یعنی اکثر نشہ والا مستی میں عورتوں کو ایسی گالیاں بھی دے دیتا ہے جو تہمت میں داخل ہیں اور قذف یعنی تہمت کی سزا ازروئے قرآن اسی۸۰ کوڑے ہیں تو جیسے نیند وضو توڑ دیتی ہے کہ وہ سبب ہے ریح نکلنے کی یوں ہی شراب سبب ہے قذف کی لہذا شرابی کو قاذف یعنی تہمت لگانے والا مانا جائے،یہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور بہت درست اجتہاد ہے۔

۵؎ یعنی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضٰی کا یہ مشورہ صرف قولًا ہی قبول نہ کیا بلکہ اس پر عمل بھی شروع فرمادیا کہ شرابی کو اسی۸۰ کوڑے لگانے شروع کردیئے۔خلاصہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں شرابی کی سزا مقرر نہ تھی عہد صدیقی میں چالیس کوڑے مقرر ہوئے،پھر عہد فاروقی سے تا قیامت اسی۸۰ کوڑے مقرر ہوگئے۔

باب مالا یدعی علی المحدود

باب محدود کو بددعا نہ کی جائے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ما نہیں ہے اور باب کو تنوین ہے جن نسخوں میں ما ہے وہ مصدریہ ہے جس سے لایدعی بمعنی مصدر ہوگیا یعنی سزایافتہ مجرم کو بددعا نہ کرنے کا باب۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ لقب حمار تھا۱؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے ۲؎اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں شراب کے بارے میں کوڑے لگائے تھے ۳؎انہیں ایک دن لایا گیا حضور نے حکم دیا تو انہیں کوڑے لگائے گئے تو قوم سے ایک شخص بولا خدایا اس پر لعنت کر کتنا زیادہ اسے لایا جاتا ہے ۴؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر لعنت نہ کرو ۵؎خدا کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اللہ رسول سے محبت کرتا ہے ۶؎(بخاری)	

۱؎چونکہ یہ حضرت نہایت سیدھے سادھے سادہ لوح تھے اس لیے لوگ انہیں حمار کہتے تھے وہ اس سے برا بھی نہ مانتے تھے اس لیے یہ لقب اس آیت کے ماتحت نہ آئے گا"وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقٰبِ"اب بھی بعض لوگوں کو بلّایا شکرہ کہتے ہیں وہ خود بھی اس لقب پر ہنستے ہیں،ہماری اردو زبان میں حمار ذلت کا لفظ ہے لہذا ہم اس کو اس لقب سے نہیں پکار سکتے،چترال میں مہتر بادشاہ نواب کو کہتے ہیں لکھنؤ میں بھنگی کو۔شعر

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح سندھیاں را اصطلاح سندھ مدح

۲؎یعنی اپنے پر لطف کلام بلکہ کام سے حضور انور کو ہنساتے رہتے تھے شاید اپنا لقب حمار بھی اسی لیے اختیار کیا ہوگا کہ حضور ہنسیں صلی اللہ علیہ وسلم تب تو یہ نام رکھنا اور وہ سارے کام عین عبادت ہوگئے۔جن احادیث میں ہنسانے کی ممانعت ہے وہ ناجائز باتیں کرکے یا کسی کو تکلیف پہنچاکر ہنسانا مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اشعہ میں فرمایا کہ آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سبزیاں اور مٹھائیاں لایا کرتے تھے رضی اللہ عنہ۔

۳؎ یعنی انہیں کئی بار یہ سزا دی جاچکی تھی۔(اشعۃ اللمعات)خیال رہے کہ جس گناہ کی توبہ ہوتی رہے نہ وہ کبیرہ بنتا ہے اور نہ فاعل فاسق ہوتا ہے۔
۴؎ یہ قائل سمجھے کہ ان کا بار بار یہ سزا پانا رب تعالٰی کے غضب کی بنا پر ہے انہیں حقیقت حال کی خبر نہ تھی۔رب کی قسم جس گناہ سے توبہ نصیب ہوجائے،شرمندگی حاصل ہوجائے وہ اس عبادت سے افضل ہے جس سے فخروغرور پیدا ہو،حضرت آدم کا گندم کھالینا شیطان کی ساری عبادت سے افضل ہے۔
۵؎ کیونکہ یہ گنہگار ہے غدار نہیں،ملزم ہے باغی نہیں۔بغاوت و غداری بدعقیدگی اوراللہ رسول کے مقابلہ سے ہوتی ہے۔
۶؎ مرقات نے فرمایا کہ ماعلمت میں ما بمعنی الّذی اور یہ موصول صلہ لفظ اللہ کی صفت ہے یعنی اللہ کی قسم جس کو میں جا نتا پہچانتا ہوں یہ ملزم اللہ رسول کا محب ہے یا مازائدہ ہے یعنی میں یقین و جزم سے جانتا ہوں کہ یہ اللہ رسول کا محب ہے یا مازائدہ ہے اور علمت مخاطب کا صیغہ ہے یعنی کیا تجھے یہ خبر نہیں کہ یہ اللہ رسول کا محب ہے اور اللہ رسول کی محبت قربت کا ذریعہ ہے اور قربت پر رحمت ہوتی ہے نہ کہ لعنت۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا جس نے شراب پی لی تو فرمایا اسے مارو تو ہم میں سے بعض نے اپنے ہاتھ سے مارا بعض نے اپنے جوتے سے اور بعض نے اپنے کپڑے سے پھر جب فارغ ہوئے تو بعض نے کہا کہ تجھے اللہ رسوا کرے تو فرمایا یوں نہ کہو اور اس پر شیطان کو مدد نہ دو ۱؎(بخاری)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ باب کی دوسری فصل کے آخر میں گزر چکی،اس کی شرح بھی وہاں ہی ہوچکی۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حدود شرعیہ صرف حاکم اسلام ہی قائم کرسکتا ہے نہ خود مجرم اپنے کو سزا دے اور نہ کوئی اور۔دوسرے یہ کہ حاکم جس سے چاہے سزا دلوادے ایک آدمی سے یا ایک جماعت سے،جلاد وغیرہ کا مقرر کرنا لازم نہیں،ہاں چور کا ہاتھ اس تجربہ کار سے کٹوائے جو اس کام کو جانتا ہو ورنہ نبض کا خون بہ کر ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے۔تیسرے یہ کہ سزاءشرعی کے علاوہ مجرم کو برا بھلا کہنا بھی جائز ہے تاکہ شرمندہ ہوکرآئندہ باز رہے۔چوتھے یہ کہ کسی مجرم فاسق گنہگار کو نام لے کر لعنت کرنا یا اخزاك الله کہنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں شیطان کی خوشی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو بار بار جرم کرتا رہے اور رسوا ہوتا رہے شیطان یہ ہی تو چاہتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ اسلمی ۱؎

	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی ذات پر چار بار گواہی دی کہ انہوں نے ایک عورت سے حرام کیا ۲؎ اس پر ہر دفعہ ان سے حضور منہ پھیرتے رہے ۳؎ پانچویں بار میں متوجہ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تو نے اس سے صحبت کی ۴؎ بولے ہاں فرمایا حتی کہ تیرا یہ اس عورت کی اس میں غائب ہوگیا ۵؎ بولے ہاں فرمایا جیسے سلائی سرمہ دانی میں ۶؎ اور رسی کنویں میں غائب ہوجاتی ہے ۷؎ بولے ہاں فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ زنا کیا ہے ۸؎ فرمایا ہاں میں نے اس سے وہ کام حرام کیا ہے جو خاوند اپنی بیوی سے حلال کرتا ہے ۹؎ فرمایا تم اس سے چاہتے کیا ہو عرض کیا یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک فرمادیں ۱۰؎ تب آپ نے حکم دیا وہ رجم کیے گئے ۱۱؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے دو شخصوں کو سنا ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا اسے تو دیکھو جس کی اللہ نے پردہ پوشی فرمائی تھی مگر اس نے اپنے کو نہ چھوڑا حتی کہ کتے کی سنگساری کی طرح رجم کیا گیا ۱۲؎ حضور انور اوگا دونوں سے خاموش رہے پھر گھڑی بھر چلے حتی کہ مردار گدھے پر گزرے جو ٹانگ اٹھائے تھا ۱۳؎ تو فرمایا فلاں فلاں کہاں ہیں وہ بولے یارسول اللہ ہم یہ ہیں تو فرمایا کہ اترو اور اس مردار گدھے میں سے کھاؤ ۱۴؎ انہوں نے عرض کیا یانبی اللہ اسے کون کھاتا ہے ۱۵؎ فرمایا کہ تم نے جو اپنے بھائی کی آبرو ریزی ابھی کی وہ اس میں سے کھالینے سے زیادہ بری ہے ۱۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اب جنت کی نہروں میں غوطے لگارہا ہے ۱۷؎ (ابوداؤد)

۱؎ ماعز ابن مالک اسلمی جن کا واقعہ پہلے بار ہا کچھ فرق کے ساتھ بیان ہوچکا ہے۔

۲؎ گواہی سے مراد اقرار ہے کہ یہ اقرار گواہی کے قائم مقام ہے،نیز یہ اقرار چار دفعہ چار جگہ میں تھا جیساکہ پہلے معلوم ہوچکا اور اب بھی آرہا ہے۔

۳؎ اس منہ پھیرنے میں چند حکمتیں تھیں:ایک یہ کہ ماعزآپ کے منہ مبارک کی طرف آئے تاکہ یہ اقرار پچھلے اقرار کی جگہ نہ ہو اس کی جگہ بدلی جائے۔دوسرے یہ کہ شاید اب بھی ماعز اقرار سے باز آجائیں اور سزا سے بچ جائیں زنا کے اقرار میں یہ ضروری ہے مگر ماعز پرتو توفیق الٰہی کا رنگ چڑھا ہوا تھا وہ تو بہرحال پاک ہونے جان فدا کرنے آئے تھے۔

۴؎ **نکت** کے معنے پہلے بیان ہوچکے کہ یہ **نیك** سے بنا اجوف یائی باب **ضرب یضرب** کا ماضی ہے۔عربی میں یہ لفظ اس کام کے لیے صریح ہے صحبت جماع وطی وغیرہ کنایہ،چونکہ حد میں صریح اقرار چاہیے اس لیے حضور انور نے یہ لفظ ارشاد فرمایا۔

۵؎ یعنی تیرا آلہ عورت کی فرج میں غائب ہوگیا،مراد حشفہ کا غائب ہونا ہے جس سے غسل فرض ہوجاتا ہے کہ زنا کی سزا کے لیے یہ ہی کافی ہے انزال یا پورا داخل ہونا شرط نہیں۔

۶؎ **مرود** میم کے کسرہ ر کے جزم واؤ کے فتحہ سے بمعنی سرمہ لگانے کی سلائی۔**مکحله کحل** بمعنی سرمہ کا اسم ظرف یعنی سرمہ دانی **نکت** کے بعد یہ تشریح زیادہ وضاحت کے لیے ہے۔

۷؎ پہلی مثال کنواری عورت کے لیے ہے دوسری مثال یعنی کنویں میں رسی ثیّبہ عورت کے لیے۔

۸؎ یہ تفصیل دریافت فرمانا وطی بالشبہ سے بچنے کے لیے ہے کہ بعض آدمی وطی بالشبہ کو زنا سمجھ لیتے ہیں۔

۹؎ **اهل** قرآن مجید کی اصطلاح میں بیوی کو کہتے ہیں،دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن۔لہذا اس سے بیوی مراد ہے مگر مرقات نے یہاں **اهل** میں لونڈی کو بھی داخل فرمایا۔

۱۰؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ماعز عرض کردیتے کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں تو شاید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بجائے حد لگانے کے کوئی راہ نکال دیتے۔**واللہ ورسوله اعلم**!

۱۱؎ اس رجم کا واقعہ بالتفصیل پہلے گزرگیا کہ دوران رجم میں ماعز بھاگ گئے تھے صحابہ کرام نے بمشکل رجم کیا تو فرمایا کہ تم نے چھوڑ دیا ہوتا شاید توبہ اس کی رہائی ہوجاتی۔

۱۲؎ اس کلام میں تعجب بھی ہے مردہ کی غیبت بھی اور ماعز کے پر خلوص فعل پر طعنہ بھی،یہ تینوں باتیں ممنوع ہیں۔خیال رہے کہ زندہ کی غیبت سے مردہ کی غیبت زیادہ بری ہے کہ زندہ سے معافی مانگ سکتے ہیں مگر مردہ سے معافی کیسے مانگیں۔

۱۳؎ شاید گفتگو کسی سفر میں ہوئی تھی۔**شائل شول** سے بنا بمعنی اٹھانا اسی لیے گھڑا اٹھانے والی عورت کو شائلہ کہتے ہیں اور دُم اٹھانے والی اوٹنی کو ناقہ شائلہ کہا جاتا ہے۔شائل پوز کے معنے میں بھی ترمذی شریف میں آیا۔

۱۴؎ اترنے اور کھانے کے دونوں حکم اظہار غضب کے لیے ہیں نہ وجوب کے لیے نہ اباحت کے لیے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حرام گدھے کے کھانے کا حضور نے حکم کیوں دیا۔

۱۵؎ یہ تو حرام بھی ہے مردار بھی اور طبیعت انسانی بھی اس سے نفرت کرتی ہے۔

۱۶؎ کیونکہ گدھا کھانا مجبوری کی حالت میں جائز ہوجاتا ہے جان بچانے کے لیے مگر غیبت کسی حال میں جائز نہیں،نیز بحالت اختیار گدھا کھانا ہلکا گناہ ہے مگر ایسے طیب و طاہر نفس کی غیبت وہ بھی اس کی وفات کے بعد بڑا بھاری گناہ ہے ان وجوہ سے غیبت کو گدھا کھالینے سے سخت تر فرمایا گیا۔

۱۷؎ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ماعزاسلمی شہیدوں کی طرح قیامت سے پہلے یعنی مرتے ہی روحانی طور پر جنت میں داخل ہوگئے وہاں کی نعمتیں استعمال فرما رہے ہیں۔دوسرے یہ کہ برزخ کا عذاب و ثواب برحق ہے۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی نہروں کو بھی ملاحظہ فرمارہے ہیں اور وہاں غوطے لگانے والے حضرت ماعز کو بھی دیکھ رہے ہیں حضور کی نگاہ سے کوئی چیز مخفی نہیں،جب حضور پر جنت جیسی دور کی دنیا پوشیدہ نہیں تو یقینًا حضور سے ہم اور ہمارے حالات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے حضور نے ماعز کو دیکھ کر یہ فرمایا،یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کی نہروں میں جنتی غوطے بھی لگائیں گے مگر لذت کے لیے نہ کہ میل دھونے کو کہ وہاں میل ہے ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو گناہ کو پہنچے اس پر اس گناہ کی سزا قائم کردی جائے تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے ۲؎ (شرح سنہ)

۱؎ خزیمہ خ کے پیش ز کے فتحہ سے،آپ انصاری اوسی ہیں،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،پھر حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین میں شریک رہے،جب آپ کو حضرت عمار ابن یاسر کی خبر شہادت پہنچی تو بولے عمار کے بعد زندگی بیکار ہے تلوار نکالی میدان میں گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔(اکمال،اشعہ)

۲؎ لہذا جب زانی کو رجم یا چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو یہ سزا اس کے اس جرم کا کفارہ بن گئی مگر قانون شرعی توڑنے کی توبہ کرنی پڑے گی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ کاٹ کر اس سے توبہ کرائی،ملکی قانون شکنی کی سزا یہ ہی رجم ہے اور رب تعالٰی کو ناراض کرنے کی معافی کے لیے توبہ ہے لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو سزا کو پہنچا ۱؎ پھر دنیا میں اسے سزا دے دی گئی ۲؎ تو اللہ تعالٰی اس سے عادل تر ہے کہ اپنے بندے پر آخرت میں سزا مکرر فرمادے ۳؎ اور جو سزا کا مستحق ہوا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی فرمالی ۴؎ اور اسے معافی دے دی تو اللہ کریم تر ہے اس سے کہ اس چیز کو لوٹائے جس سے معافی دے چکا ۵؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یعنی اس نے ایسا گناہ کیا جو شرعی حد لازم کرتا ہے جیسے زنا،چوری،شراب خوری،معلول بول کر علت مراد لی گئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ حد سے مراد حرام کام ہو جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا"یعنی یہ چیزیں اللہ کی محرمات ہیں۔(مرقات)

۲؎یعنی اس پر شرعی حد قائم کردی گئی۔اشعہ نے فرمایا کہ اس میں حدوتعزیر دونوں داخل ہیں۔

۳؎کہ جب عادل بادشاہ کسی مجرم کو سزا دے کر دوبارہ سزا نہیں دیتے رب تعالٰی تمام عادلوں سے بڑا عادل ہے وہ ان شاءاللہ آخرت میں اسے سزا نہ دے گا۔خیال رہے کہ یہ عدل ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم کا لہذا کہہ سکتے ہیں کہ رب تعالٰی ہم پر رحم کرے عدل نہ کرے ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔

۴؎اس طرح کہ اس جرم پر کسی کو خبردار نہ ہونے دیا اور مجرم کو توبہ مقبول کی توفیق بخش دی لہذا حدیث صاف ہے۔

۵؎یہ امید افزا کلام اس صورت میں ہے کہ بندہ کی پردہ پوشی ڈھیل دینے کے لیے ہے تو یہ غضب ہے جس کی سزا آخرت میں سخت تر ہے،اگر بندے کو اس پردہ پوشی کے بعد شرمندگی،توبہ کفارہ اداکرنے کی توفیق مل جائے تو ان شاءاللہ یہ ستر رحمت ہے اور اگر بندہ اس ستر سے غلط فائدہ اٹھائے کہ گناہ پر اور زیادہ دلیر ہوجائے تو یہ ستر غضب ہے اللہ تعالٰی توفیق خیر دے۔

دستگیرورہنما توفیق دہ　　　جرم بخش و عفوکن بہ کشا گرہ

باب التعزیر

غیر مقرر سزا کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تعزیر بنا ہے عزر سے،عزر کے معنے ہیں عظمت،حقارت،مدد اور منع وروک،اس کا استعمال زیادہ تر بمعنی روک اور منع ہے بلکہ مدد کو بھی عزر اور مدد دینے کو تعزیر اس لیے کہتے ہیں اس سے دشمن کو ایذا رسانی سے روکا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ"سزا کو تعزیر اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے جرم رکتے ہیں۔شریعت میں تعزیر اس کو کہتے ہیں جو شرعًا مقرر نہ ہو حاکم اپنی رائے سے دے۔خاوند کا بیوی کو،باپ کا بچوں کو،استاد کا شاگردوں کو سزا دینا تعزیز ہی ہے"وَاضْرِبُوْهُنَّ"فرمایا نبی کریم نے اپنے بچوں سے ڈنڈا قمچی نہ ہٹاؤ،نیز فرماتے ہیں اللہ تعالٰی اس شخص پر رحمت کرے جو اپنی قمچی سوٹی ٹانگے رکھے کہ بیوی بچے اسے دیکھتے رہیں اور درست رہیں۔(مرقات) حق یہ ہے کہ جن جرموں میں تعزیر کا حکم ہے وہاں ضرور تعزیر دے اور جن جرموں میں اس کا حکم نہیں وہاں تعزیر دینا واجب نہیں۔کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا،فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ باجماعت نماز پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا معافی ہوگئی "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"اورتعزیر مجرم کے لحاظ سے دی جائے مجرم سرکش کو تعزیر بھی سخت دے شریف آدمی کو جو اتفاقًا گناہ کر بیٹھا تعزیر معمولی بھی کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبردہ ابن نیار سے۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ دس۱۰ کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں مگر اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے کسی سزا میں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ حضرت براء ابن عازب کے ماموں ہیں،بیعت عقبہ میں حاضر تھے،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام جنگوں میں حاضر رہے،۴۵ھ؁ میں وفات ہوئی۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے،امام مالک کے ہاں زمانہ نبوی سے مخصوص ہے۔بہتر یہ ہے کہ حاکم انتالیس کوڑے تک تعزیر لگاسکتا ہے یعنی غلام کی سزاءقذف چالیس کوڑے ہے اس سے کم رکھے،امام ابو یوسف کے نزدیک پچھتّر کوڑے تک لگاسکتا ہے یعنی آزاد کی سزا تہمت اسی۸۰ کوڑے ہے اس سے کم رکھے،یہ استحبابی حکم ہے ورنہ اگر ضروری سمجھے تو حد سے زیادہ بھی لگائے۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معن ابن زائدہ کو دھوکا دہی کی سزا میں ایک سو کوڑے لگائے اور قید بھی کیا کچھ روز کے بعد ایک سو کوڑے اور لگائے،کچھ دن بعد ایک سو کوڑے اور لگائے غرضکہ صحابہ کرام کے

یہ عمل بتارہے ہیں کہ حدیث منسوخ ہے۔ (مرقات)یہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ قاضی جنس حد سے سزا دے اور اگر دوسری جنس سے سزا دے تو تعزیر میں قتل بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے سے بچے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی تعزیر یا حد میں جب کوڑے لگائے تو مجرم کو منہ پر نہ لگائے تاکہ اس کا منہ بگڑ نہ جائے،انسان کی زینت منہ سے ہے،حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا یعنی اپنی پسندیدہ صورت پر۔مگر رجم میں یہ حکم نہیں کہ وہاں تو پتھروں سے ہلاک کردینا ہے پتھر جہاں بھی لگے۔خیال رہے کہ منہ میں آنکھ ناک کان بھی شامل ہیں اور اس سے قریب ہی سر بھی ہے جس میں مغز ہے اگر چہرے پر مار پڑے تو خطرہ ہے کہ مجرم اندھا بہرا یا دیوانہ ہوجائے،اس فرمان عالی میں ہزار ہا حکمتیں ہیں۔ہم نے بعض متقی استادوں کو دیکھا کہ وہ شاگرد کی پیٹھ پر چپت وغیرہ مارتے ہیں منہ پر تھپڑ نہیں مارتے اسی حکم عالی کی بنا پر۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی کسی سے کہے اے یہودی ۱؎تو اسے بیس کوڑے مارو ۲؎اور جب کہے اور ہیجڑے (کھسرے)تو اسے بیس کوڑے مارو۳؎اورجو اپنی محرم سے زنا کرے اسے قتل کردو ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یہودی فرمانا بطور مثال ہے ورنہ اوعیسائی اوکافر کہنے کا بھی یہ ہی حکم ہے،چونکہ یہودی کفروخباثت اور ذلت طبع سب میں مشہور ہیں اس لیے صرف یہودی ارشاد ہوا۔

۲؎یہ حکم اباحت یا استحباب کاہے اور خطاب حکام سے ہے یعنی اس کہنے پر اگر سامنے والا حاکم کے ہاں دعویٰ کردے کہ اس نے میری توہین کی ہے تو حاکم اتنے کوڑے مارسکتا ہے۔معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر کہنا سخت جرم ہے۔

۳؎**مخنث** وہ ہے جس کے اعضاء میں نرمی آوازعورتوں کی سی ہو اور بدکاری کراتا ہو،عورتوں کی طرح رہتا ہو،چونکہ یہ عمل نہایت ذلت کا ہے اور مخنث نہایت ذلیل ہے اس لیے کسی کو مخنث کہنے میں اس کی اہانت ہے جس پر ہتک عزت کا دعویٰ ہوسکتا ہےاور یہ سزا جاری ہوسکتی ہے،یوں ہی اگر کسی سے کہا او شرابی او زندیق او لوطی او سود خور او دیّوث او خائن اوچوروں کی ماں ان سب میں یہ ہی سزا ہوسکتی ہے۔(مرقات)اگر کسی کو کہا او کتے اوسؤر اوگدھے تو اگر وہ شخص ذی عزت ہوجیسے عالم فقیہ سید تب تعزیر دی جائے گی،عوام میں سے ہو تو تعزیر نہیں کیونکہ یقینًا وہ انسان ہے کتا گدھا

نہیں ہے لہذا یہ الفاظ محض گالی ہیں،گالی کا یہ ہی حکم ہے جو عرض کیا گیا،اس کی تفصیل یہاں اشعۃ اللمعات میں ملاحظہ کیجئے۔

۴؎امام احمد نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرمایا ہے،باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس جرم کو حلال سمجھ کر کرلے تو مرتد ہے قتل کیا جائے ورنہ اس کا حکم زنا کا سا ہے کہ محصن ہے تو رجم کیا جائے غیر محصن ہے تو سو کوڑے مارے جائیں،غرضکہ یہ فرمان عالی یا مرتد کے لیے ہے یا دھمکانے کے لیے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ وہ اللہ کی راہ میں خیانت کرے ۱؎ تو اس کا سامان جلادو اور اسے مارو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎اس طرح کہ جہاد میں غنیمت کے مال میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لے،غلول غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔

۲؎امام احمد نے اس کے ظاہر پر عمل فرمایا ہے ان کے ہاں اس خائن کا سارا مال جلادیا جائے سوائے قرآن مجید اور جانور اور غنیمت کے چرائے ہوئے مال کے یہ نہ جلائے جائیں،باقی علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا اب منسوخ ہوچکا،امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسے مارا ضرور جائے مال نہ جلایا جائے۔خیال رہے کہ اس خیانت میں ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ یہ شرعی چوری نہیں جس مال میں خود اپنا بھی حق ہو اس کی چوری سے ہاتھ نہیں کٹتا کچھ اور بھی شرائط ہیں جن سے ہاتھ کٹتا ہے۔

باب بیان الخمر و وعید شاربها

شراب اور اس کے پینے والے کی وعید کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ خمر کے لفظی معنی ہیں ڈھکنا چھپانا اسی لیے دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں کہ وہ سر ڈھک لیتا ہے،شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ پینے والے کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے،دوسرے اماموں کے نزدیک ہر پتلی نشہ آور چیز خمر ہے اور اس کا پینا حرام نشہ دے یا نہ دے خواہ انگور کی ہو یا کھجور وغیرہ کسی اورچیز کی۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف شراب انگوری کو خمر کہتے ہیں دوسری شرابیں خمر نہیں کہلاتیں،امام اعظم کے ہاں انگوری اور غیر انگوری میں چند طرح فرق ہے:ایک یہ کہ خمر یعنی شراب انگوری حرام قطعی ہے اس کا حلال جاننے والا مرتد ہے باقی شرابیں حرام ظنی ہیں جن کا منکر کافر نہیں۔دوسرے یہ کہ خمر یعنی شراب انگوری نجس العین نجاست غلیظہ ہے دوسری شرابیں نجاست غلیظہ۔تیسرے یہ کہ خمر یعنی شراب انگوری کا ایک قطرہ پینے والے کو حد یعنی اسی ۸۰ کوڑے ماریں جائیں گے،دوسری شراب حد نشہ تک پینے والے کو حد لگے گی کم والے کو نہیں۔چوتھے یہ کہ خمر کا ایک قطرہ بھی حرام ہےنشہ دے یا نہ دے،دوسری شرابیں حد نشہ سے کم حرام نہیں بلکہ حد نشہ پر حرام ہوتی ہیں،ہاں جو کوئی لہوولعب،عیش وطرب کے لیے حد نشہ سے کم پئیے تو سخت گنہگار ہے،ہر لہو حرام ہے اور لہو والا حرام کا مرتکب۔امام محمد کے ہاں ہر شراب کا قطرہ بھی حرام ہے مگر فی زمانہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ نہ دیا جائے ورنہ فساق اس بہانہ سے شراب خوری کریں گے۔کسی نے ابو حفص کبیر سے شراب کے متعلق پوچھا توآپ نے فرمایا ہر شراب کا قطرہ بھی حرام ہے سائل نے کہاآپ نے امام اعظم کے خلاف کہاآپ نے فرمایا فی زمانہ لہوولعب کے لیے لوگ پیتے ہیں لہذا حرام کے مرتکب ہیں جن کے لیے غیر خمر کا قطرہ حلال تھا،اب وہ لوگ نہ رہے یہ وہ تھے جو صرف کھانا ہضم کرنے،نماز پر قوت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔(اشعہ ولمعات)افیون،بھنگ،چرس وغیرہ نشہ آور غیر پتلی چیزوں کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ تاحد نشہ حرام ہیں اس لیے کم دواءً،حلال لہو ولعب کے لیے حرام،نیز وہ چیزیں نجس نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ سے راوی فرماتے ہیں شراب ان دونوں درختوں سے ہوتی ہے کھجور اور انگور ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہاں خمر لغوی معنی میں ہے یعنی عقل بگاڑنے والی چیز اور ان دو چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ اس وقت عرب میں ان ہی کی شراب عمومًا ہوتی تھی ورنہ شراب اور چیزوں سے بھی بنتی ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت	

	عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ پڑھا ۱؎ تو فرمایا کہ شراب کی حرمت نازل ہوچکی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے ہوتی ہے ۲؎ انگور، چھوہارے، گیہوں، جو اور شہد سے ۳؎ خمر وہ ہے جو عقل بگاڑے ۴؎ (بخاری)

۱؎ اپنے زمانہ خلافت میں مسجد نبوی شریف میں منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خطبہ دیا یا خطبہ جمعہ تھا یا خطبہ وعظ۔

۲؎ قاموس میں ہے کہ لفظ خمر مذکر بھی ہے مؤنث بھی، یہاں ھی فرمانے سے معلوم ہوا کہ مؤنث ہے۔

۳؎ یعنی آج کل ہمارے ملک میں عمومًا ان پانچ چیزوں سے شراب بنتی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں عمومًا دو چیزوں سے بنتی تھی انگور اور کھجور لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ یعنی شراب ان پانچ چیزوں میں منحصر نہیں جو پتلی چیز نشہ آور ہو جائے وہ شراب ہے اور حرام ہے حتی کہ تربوز کا پانی اگر گرم ہو کر نشہ دینے لگے تو وہ بھی حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے جب شراب حرام کی گئی ۱؎ حالانکہ ہم شراب بہت تھوڑی ہی پاتے تھے ہماری عام شرابیں کچی کھجور و چھوہارے کی تھیں ۲؎ (بخاری)

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ شراب رب تعالٰی نے حرام فرمائی اس طرح کہ اس کی حرمت قرآن کریم میں نازل فرمائی اسی لیے حرم رسول اللہ نہ فرمایا۔(مرقات)

۲؎ کیونکہ حجاز میں انگور بہت گراں تھے کھجور بہت سستی اس لیے وہاں شراب انگوری بڑی مہنگی پڑتی تھی جو امیر لوگ پی سکتے تھے عام لوگ کھجور کی شراب پیتے تھے۔خیال رہے کہ کھجور جب درخت میں نمودار ہوتی ہے تو طلع کہلاتی ہے کچھ بڑی ہونے پر خلال پھر ملح پھر کچی بُسر پختہ مگر تر رطب کہلاتی ہے، خشک ہوکر تمر یعنی چھوہارا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ شہد کی شراب ہے ۱؎ تو فرمایا ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ اس طرح کہ شہد کو شربت بناکر برتن میں بھر لیتے ہیں حتی کہ گرم ہوکر جھاگ چھوڑ دیتا ہے نشہ دینے لگتا ہے، اسے بتع ب کے کسرہ سے ت کے سکون یا فتحہ سے۔

۲؎ اس کے معنی امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک یہ ہیں کہ غیر انگوری شراب نشہ دے تو حرام ہے غیر منشّی تھوڑی سی نشہ کی بنا پر حرام نہیں، باقی آئمہ کے ہاں اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ جو شراب نشہ آور ہوتی ہے وہ مطلقًا حرام ہے تھوڑی ہو یا بہت، انگوری ہو یا کوئی اور مگر یہ حدیث بظاہر امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ یہاں حرمت کو نشہ پر معلق کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے ۱؎ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو دنیا میں شراب پیئے پھر اس پر دوام کرتے مرجائے تو وہ آخرت میں نہ پی سکے گا ۲؎(مسلم)

۱؎ یہاں لغوی معنی کا ذکر نہیں ہے بلکہ حکم شرعی کا ذکر ہے کہ جو شئے نشہ دے وہ حکمًا خمر ہے کہ حرام بھی ہے اور اس پر اسی ۸۰ کوڑے حد بھی ہے۔معلوم ہوا کہ غیر مسکر شراب خمر کے حکم میں نہیں کیونکہ عربی لغت میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں۔چنانچہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر کا قول نقل فرمایا **حرمت الخمر وما بالمدینۃ منہا شیئ** جب خمر حرام کی گئی تو مدینہ میں وہ بالکل نہ تھی،کون نہ تھی شراب انگوری،دوسری شرابیں تو وہاں اس وقت بہت زیادہ تھیں جیساکہ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اس وقت مدینہ پاک میں کھجور کی شراب بہت تھی،نیز ابن عوف نے ابن شداد سے بروایت حضرت ابن عباس نقل فرمایا **حرمت الخمر قلیلہا وکثیرہا والمسکر من کل شراب**(اس کی اسناد نہایت صحیح ہے)یعنی خمر تو تھوڑی ہو یا بہت مطلقًا حرام ہے اس کے سواء دوسری شرابیں نشہ آور ہوں تو حرام ہیں۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ خمر اور دوسری شرابوں کے احکام میں فرق ہے۔(مرقات)خمر کا ایک قطرہ پینے پر حد ہے دوسری شرابوں میں حد نشہ تک پینے میں حد ہے۔چنانچہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں **فاذا سکر فاجلدوہ** وہ جب نشہ ہو تو کوڑے مارو۔(مرقات) دارقطنی نے حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک بدوی نے آپ کے برتنوں سے نبیذ پیا اسے نشہ ہوگیا تو انہوں نے اسے حد لگائی وہ بولا کہ میں نے تو آپ کے برتن سے نبیذ پیا تھا انہوں نے فرمایا کہ تجھے سزا نشہ کی وجہ سے دی گئی اس طرح ابن ابی شیبہ نے عبداللہ ابن نمیر عن حجاج عن ابن عوف عن عبداللہ ابن شداد عن ابن عباس روایت کی **فی السکر من النبیذ ثمانین**۔بہرحال مذہب امام ابوحنیفہ بہت قوی ہے،حد شبہات سے دفع ہوجاتی ہے،غیر خمر دوسری شرابیں ہیں اگر مسکر نہ ہوں تو ان کی حرمت میں شک تو ہے پھر اس میں حد کیسی۔

۲؎ یعنی اگر حلال جان کر پیتا رہا تو کافر ہوا کافر جنت سے محروم ہے اور اگر حرام جان کر پیتا رہا تو اگرچہ جنت میں پہنچ جائے اور وہاں کی تمام نعمتیں برتے مگر شراب کبھی نہ پائے گا۔بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ جس مدت تک شراب پیتا رہا ہے اس مدت تک نہ پائے گا یا زیادہ مقدار میں نہ پائے گا بہت تھوڑی ملے گی،بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول سے شراب طہور نہ ملے گی،غرضکہ اس جملہ کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں۔خیال رہے کہ شراب طہور جنت کی اعلیٰ نعمت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ سَقٰىهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا**"۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک شخص یمن سے آئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے متعلق پوچھا جو ان کی زمین میں پی جاتی ہے جوار کی ہوتی ہے اسے مزر کہا جاتا ہے ۱؎ تو فرمایا نبی کریم صلی

	اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا وہ نشہ آور ہے عرض کیا ہاں فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎ بے شک اللہ کے ذمہ ایک وعدہ ہے ۳؎ اس کے متعلق جو نشہ پئیے ۴؎ یہ کہ اسے طینۃ الخبال پلائے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طینۃ الخبال کیا چیز ہے فرمایا دوزخیوں کا پسینہ یا دوزخیوں کا کچ لہو ۵؎ (مسلم)

۱؎ سائل سمجھا یہ تھا کہ اسلام میں خمر حرام ہے اور خمر کہتے ہیں انگوری شراب کو اور ہمارے ملک میں انگور کی شراب نہیں ہوتی جوار کی ہوتی ہے شاید وہ حلال ہوگی اس لیے یہ سوال کیا۔

۲؎ یہ ایسا قاعدہ ہے کہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا،جوچیز بھی نشہ دے پتلی ہو جیسے شراب،خشک ہو جیسے افیون،بھنگ،چرس وغیرہ وہ حرام ہے حتی کہ اگر زعفران زیادہ کھانے سے نشہ ہوجائے تو اس کا بھی یہ ہی حکم ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۳؎ وعدہ بمعنی وعید ہے۔

۴؎ چونکہ زیادہ تر پتلی چیزیں نشہ کے لیے پی جاتی ہیں،نیز آگے پلانے کا ذکر ہی آرہا ہے اس لیے **یشرب** فرمایا ورنہ افیون و بھنگ سے نشہ کرنا بھی حرام ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ جو اذان کا جواب نہ دے اس وقت لاپرواہی سے دنیاوی کام میں مشغول رہے اور جو شخص افیون کا عادی ہو اس کے خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے ان دو چیزوں سے بہت پرہیز کرے۔

۵؎ اس پسینہ یا پیپ و خون کی بدبو،بدمزگی،خرابی بیان نہیں ہوسکتی،سزا جرم کے مطابق ہے اس نے دنیا میں گندی بدمزہ بدبودار چیز پی لہذا اس کے عوض ایسی چیز پلائی گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے چھوارے اور کچے کھجور کے ملاؤنی سے اور کشمش و چھوہاروں کی ملاؤنی سے اور کچے کھجور اور تر کھجور کی ملاؤنی سے منع فرمایا ۱؎ اور فرمایا کہ ہر ایک کا علیحدہ نبیذ بناؤ ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ان دو دو چیزوں کو ملاکر پانی میں بھگو کر ان کا شربت(نبیذ)نہ بناؤ کہ ان دو کے ملانے سے نشہ جلد پیدا ہوجاتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی متغیر ہوگیا تو دوسرے کو بھی خراب کردے گا،یہ حکم احتیاطی ہے اگر دونوں کو ملا کر بھگویا گیا اور نشہ پیدا نہ ہوا تو پینا حلال ہے۔

۲؎ امام احمدومالک نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرمایا ہے ان کے نزدیک اس مخلوط کا نبیذ حرام ہے نشہ دے یا نہ دے،امام اعظم و شافعی کے ہاں اگر نشہ دے تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و

	سلم سے شراب کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ سرکہ سے بنالی جائے ۱؎ تو فرمایا نہیں ۲؎(مسلم)

۱؎ اس طرح کہ شراب میں پیاز یا نمک ڈال دیا جائے یا دھوپ میں رکھ دی جائے حتی کہ سرکہ بن جائے۔
۲؎ یعنی شراب کو کسی تدبیر سے سرکہ نہ بناؤ بلکہ اسے پھینک دو۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک اگر شراب سرکہ بنالی گئی تو پاک بھی ہوجائے گی اور حلال بھی،امام احمد کے نزدیک وہ حرام اور ناپاک ہی رہے گی،امام مالک کے نزدیک شراب سرکہ بنانا حرام ہے لیکن اگر بنا لی جائے تو پاک ہوجائے گی،امام شافعی کے نزدیک اگر پیاز یا نمک ڈال کر سرکہ بنائی گئی تو نجس رہے گی اور اگر دھوپ میں رکھ کر سرکہ بنائی گئی تو پاک ہوجائے گی،امام ابوحنیفہ و امام اوزاعی اور لیث کے نزدیک یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب کہ شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی خطرہ تھا کہ اگر لوگوں نے سرکہ بنانا شروع کردیا تو شراب چھوڑیں گے نہیں اس لیے شراب گرادینے کا حکم دیا گیا جیسے اولًا شراب کے برتنوں کا استعمال بھی حرامت تھا جبکہ لوگ شراب چھوڑ دینے کے عادی ہوگئے شراب کو بھول گئے تب یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا امام اعظم کی دلیل حضور کا یہ فرمان عالی **نعم الادام الخل** سرکہ اچھا سالن ہے اس حدیث میں سرکہ مطلق ہے خواہ اول سے ہی سرکہ ہو یا شراب کا بنایا گیاہو۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت وائل حضرمی ۱؎ سے کہ حضرت طارق ابن سوید ۲؎ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا تو منع فرمایا وہ بولے کہ دوا کے لیے بناتا ہوں تو فرمایا کہ شراب دوا نہیں لیکن وہ نری بیماری ہے ۳؎(مسلم)

۱؎ یہ وہ ہی حضرت وائل ابن حجر حضرمی ہیں جن کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں کہ آپ یمن کے شاہزادوں سے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے حضور نے آپ کا بڑا احترام فرمایا۔
۲؎ آپ بھی حضرمی ہیں،آپ سے صرف ایک حدیث منقول ہے،صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔
۳؎ اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء نے فرمایا کہ شراب سے علاج حرام ہےاس میں شفا ہے ہی نہیں،مگر بعض نے فرمایا کہ اگر مسلمان متقی حاذق طبیب کہہ دے کہ اس بیماری کی دوا سوائے شراب کے اور کچھ نہیں تب دواءً حلال ہوجاتی ہے یعنی جب شراب حرام رہے تو اس میں شفا نہیں مگر جب بحکم شرعی صورۃ مذکورہ میں حلال ہو جائے تو اس سے علاج ہوسکتا ہے لیکن اگر گلے میں لقمہ پھنس گیا ہے پانی موجود نہیں پی کر اتارے جان جارہی ہے شراب موجود ہے تو شراب پی کر لقمہ اتار سکتا ہے۔اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ اس مصیبت سے چھٹکارا یقینًا ہوجائے گا،بہرحال یہ حدیث قابل غور ہے۔قرآن کریم نے مخمصہ کی حالت میں مردار کھانے کی اجازت دی ہے وہ آیت اس قول کی تائید کرتی ہے اس حدیث کے متعلق علماء نے بہت گفتگو کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے شراب پی تو اللہ تعالٰی قبول نہ کرے گا اس کی چالیس دن کی نماز ۱؎ پھر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول فرمائے گا ۲؎ پھر اگر لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا اگر پھر لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دین کی نمازیں قبول نہ کرے گا ۳؎ پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا ۴؎ اگر پھر چوتھی بار لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول نہ کرے گا ۵؎ اور اسے خبال کی نہر سے پلائے گا ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ صباح سے مراد دن ہے جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت آدم کی مٹی چالیس صبح خمیر کی گئی یعنی چالیس دن،بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد صبح کی نماز یعنی نماز فجر ہی ہے،حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شراب پی لے اور توبہ نہ کرے تو چالیس دن تک اس کی عبادت میں لذت حضور قلبی میسر نہ ہوگا جس کی وجہ سے وہ عبادات اگرچہ ادا تو ہوجائیں گی مگر قبول نہ ہوں گی نماز فرمایا گیا اور تمام عبادات مراد لی گئیں کہ نماز سب سے افضل عبادت ہے جب وہ ہی قبول نہ ہوئی تو دوسری عبادات بدرجہ اولٰی قبول نہ ہوں گی کیونکہ شراب ام الخبائث ہے اور نماز ام العبادات جو ام الخبائث پیئے گا وہ ام العبادات کی قبولیت سے محروم رہے گا بعض روایات میں ہے کہ جو شراب پیئے گا اس کے سینہ سے نور ایمانی نکل جائے گا۔(مرقات واشعہ و لمعات)

۲؎ توبہ کی حقیقت ہے گزشتہ پر ندامت،آئندہ کے لیے نہ کرنے کا عہد،اسی طرح شراب سے توبہ چاہیے کہ آئندہ اس کے قریب نہ جانے کا عہد کرے۔

۳؎ یعنی اگر توبہ کرتے وقت مکمل عہد کیا کہ اب کبھی نہ پئیوں گا پھر شیطان نے بہکادیا اور پی لی۔چالیس کا عدد اس لیے بیان ہوا کہ شراب کا اثر چالیس دن تک بدن میں رہتا ہے۔مرقات نے فرمایا کہ ہر غذا اور پانی کا اثر جسم میں چالیس دن تک رہتا ہے جو کوئی چالیس دن اخلاص سے عبادت کرے تو اس کے دل و زبان سے حکمت کے چشمے بہنے لگتے ہیں جو حضور کی چالیس حدیثیں مسلمانوں تک پہنچائے اسے اللہ تعالٰی محدثین و فقہاء کے زمرہ میں حشر نصیب فرمائے

گا،موسیٰ علیہ السلام سے چالیس کا چلہ کرایا گیا،فرماتاہے:"وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً"۔غرض چالیس کے عدد کی عبادات اور گناہوں میں عجیب تاثیر ہے۔(مرقات) چالیس عدد کے برکات ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھئے۔

۴؎ یعنی طاعت کے ساتھ توبہ کرے حق تعالیٰ مغفرت کے ساتھ قبول فرمالے گا۔

۵؎ یعنی جو تین بار شراب سے توبہ کرکے توڑ دے تو اب اسے توبہ قبول کی توفیق نہ ملے گی،اب صرف زبان سے تو توبہ کہے گا دل سے توبہ نہ کرسکے گالہذا یہ توبہ قبول نہ ہوگی،یہ شراب نوشی کی نحوست ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جو ابوداؤدوترمذی نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کی کہ جو شخص دن میں ستر بار گناہ کرے اور ستر بار توبہ کرے تو وہ گناہ پر مصر نہیں کہ وہاں توبہ مقبول مراد ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا"۔یہ حدیث اس آیت کریمہ کی اشارۃً شرح فرمارہی ہے،فقیر کی یہ تقریر خوب یاد کرلینی چاہیے۔

۶؎ خبال دوزخیوں کا خون و پیپ اس کثرت سے بہے گا کہ اس کی نہر بہہ جائے گی،شرابی سخت پیاسے اٹھیں گے پانی مانگیں گے تو انہیں بجائے پانی کے یہ دیا جائے گا جو انہیں شدت پیاس کی وجہ سے پینا پڑے گا۔

اور نسائی،ابن ماجہ،دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۱؎	

۱؎ یعنی یہ حدیث ترمذی نے تو حضرت عبداللہ ابن عمر ابن خطاب سے روایت کی اور نسائی ابن ماجہ،دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جس چیز کی بہت مقدار نشہ دے تو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ کیونکہ تھوڑی شراب بہت شراب کا عادی بنادیتی ہے اس لیے تھوڑی سے بھی بچنا لازم ہے،یہ حدیث ظاہر معنی سے امام شافعی وغیرہم کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی افیون،چرس،بھنگ،جو دواؤں میں استعمال کی جائے اور نشہ نہ دے تو حرام نہیں،یہاں پتلی اور خشک کی قید نہیں لہذا اس کا وہ ہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ خمر یعنی شراب انگوری کا تو ایک قطرہ بھی حرام قطعی ہے اور دوسری شرابوں کا قطرہ بھی حرام ہے جب لذت یا طرب یا لہو کے لیے پئیے یا اس لیے حرام ہے کہ وہ زیادہ پینے کا ذریعہ ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،اس کی بحث ابھی کچھ پہلے گزر چکی ہے وہاں مطالعہ فرمائیے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جس کا ایک فرق نشہ دے اس سے ایک چلو بھی حرام ہے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ فرق مدینہ منورہ کا ایک پیمانہ تھا جس میں سولہ رطل یعنی آٹھ سیر چیز سماتی تھی یہاں مطلقًا زیادتی مراد ہے یعنی جو سولہ رطل ہو تو نشہ دے وہ چلو بھر بھی حرام ہے اگرچہ نشہ نہ دے کہ یہ ذریعہ ہے زیادہ پینے کا یا شراب خوری کی عادت کا جیساکہ پہلی حدیث میں گزرا۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گیہوں سے شراب ہوتی ہے اور جو سے شراب ہوتی ہے اور کھجور سے شراب ہوتی ہے اور کشمش سے شراب ہوتی ہے اور شہد سے شراب ہوتی ہے، ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں،ہجرت کے بعد انصار میں پہلے آپ ہی پیدا ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات مہینے تھی،کوفہ میں قیام رہا،امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے،پھر حمص کے حاکم ہوئے وہاں ہی آپ کو ۶۴ھ؁ میں قتل کردیا گیا۔

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ ان تمام شرابوں کو خمر فرمانا مجازًا ہے یعنی یہ شرابیں گویا خمر ہی ہیں کہ عقل بگاڑنے بے ہوش و نشہ کردینے میں خمر کا کام کرتی ہے اور ان کے نشہ پر بھی خمر کے نشہ کے احکام جاری ہیں ورنہ خمر صرف شراب انگوری کو کہا جاتا ہے جس کے دلائل پہلے عرض کیے گئے۔خیال رہے کہ ان مذکورہ پانچ چیزوں کا ذکر حصر کے لیے نہیں کیونکہ شراب ان کے علاوہ اور چیزوں کی بھی بنتی ہے،چونکہ عمومًا عرب میں ان ہی پانچ چیزوں کی شراب ہوتی تھی اس لیے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا یعنی گیہوں،جو،چھوارے،کشمش اور شہد۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی ۱؎ تو جب سورۂ مائدہ اتری ۲؎ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا اور عرض کردیا کہ وہ شراب یتیم کی ہے ۳؎ فرمایا اسے گرا دو ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ کہ ہمارے گھر میں ایک یتیم پرورش پاتا تھا جس کا کوئی عزیز فوت ہوا اس کے مالوں کا یہ بچہ وارث ہوا ان مالوں میں شراب بھی تھی،چونکہ اس وقت تک شراب حرام نہ ہوئی تھی اس لیے وہ بھی اس بچہ کو میراث ملی،ابھی اس بچہ کی ملک میں ہی تھی کہ شراب حرام ہوگئی اس کے ضائع کرنے کا حکم صادر ہوگیا۔

۲؎ جس میں آیت کریمہ آئی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" اور شراب قطعی حرام کردی گئی اور شراب کو نجس بھی فرمایا گیا اسے شیطانی کام قرار دیا گیا،اس سے بچنے کا حکم دیا گیا۔فاجتنبوہ اس بچنے پر فلاح و کامیابی کو موقوف فرمایا گیا

کہ "لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ" اور شراب خوری کو جوئے،بت پرستی،تیروں سے فال کھولنے کی برابر قرار دیا گیا اور ظاہر ہے کہ ایسی خبیث چیز قریب جانے کے لائق نہیں چہ جائیکہ اسے پینا یا گھر میں رکھنا۔

۳؎سوال کا مقصد یہ تھا کہ اس شراب کے ضائع کرنے میں یتیم بچہ کا نقصان ہوگا اگر اجازت ہو تو س کا سرکہ بنالیں یا کفار کے ہاتھ فروخت کردیں،پینے کی اجازت مانگنا مقصود نہ تھا لہذا حدیث ظاہر ہے۔

۴؎یعنی نہ اسے کفار کے ہاتھ فروخت کرونہ اس کا سرکہ بناؤ بلکہ اسے بہادو کیونکہ یہ مال غیر متقوم ہے مسلمان اس کی تجارت بھی نہیں کرسکتا نہ کسی حیلہ سے اسے استعمال کرسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حرام چیز کو فنا کردینا چاہیے،اگرچہ وہ نابالغ بچہ کی ہوکہ یہ بھی ایک قسم کی عملی تبدیلی ہے اسی لیے ڈھول طبلہ سارنگی وغیرہ حرام آلات کی چوری پر سزا نہیں ان کے توڑنے پر ضمان نہیں کہ یہ چوری نہیں تبلیغ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ حضرت ابو طلحہ سے ۱؎ راوی انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ میں نے ان یتیموں کے لیے شراب خریدی جو میری پرورش میں ہیں ۲؎فرمایا شراب بہا دو مٹکے توڑ دو ۳؎روایت کیا اسے ترمذی نے اور ضعیف کہا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان یتیموں کے بارے میں پوچھا جو شراب کے وارث ہوئے ہیں فرمایا اسے بہادو عرض کیا کہ کیا سرکہ نہ بنالیں فرمایا نہیں ۴؎

۱؎بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابو طلحہ جناب انس کے سوتیلے باپ ہیں،حضرت انس نے ان ہی کے ہاں پرورش پائی،دونوں باپ بیٹا بڑے مراتب کے مالک ہیں،فقیر نے انکی قبر مبارک کی زیارت کی ہے۔

۲؎یعنی شراب کی حرمت سے پہلے میں نے بغرض تجارت ان یتیموں کے مال سے شراب خریدی تھی ابھی فروخت نہ کرچکا تھا کہ شراب حرام ہوگئی اب میں کیا کروں۔اس سوال کا مقصد بھی وہ ہی ہے جو ابھی اوپر کی حدیث میں عرض کیا گیا یعنی سرکہ بنالینے یا کفار کے ہاتھ فروخت کردینے کی اجازت حاصل کرنا۔

۳؎شراب کے برتن توڑ دینے کا حکم ابتداءً تحریم میں تھا جب شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی تاکہ لوگ اس کے برتن دیکھ کر پھر شراب نہ پینے لگیں۔

۴؎سرکہ بنانے کی ممانعت تنزیہی ہے یعنی شراب کا سرکہ بنانا مناسب نہیں۔(مرقات)یا یہ ممانعت شروع تحریم کے وقت کی ہے جب کہ شراب کے برتن توڑ دینے کا حکم بھی تھا اس کی تحقیق گزرچکی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اعضاء بکھیر دینے والی چیز سے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یا تو **مسکر** سے مراد پتلی نشہ آور چیزیں ہیں اور مفتر یعنی جسم میں گرمی اور ڈھیلا پن پیدا کرنے والی چیز ہے مراد خشک نشلی چیزیں ہیں جیسے افیون بھنگ چرس وغیرہ کہ اسلام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں کچھ تفصیل سے یا**مسکر** سے مراد قوی نشہ آور مفتر سے مراد ہلکا نشہ ہے،نشہ بہرحال نشہ ہے اگرچہ ہلکا ہو۔خیال رہے کہ تمباکو سے نشہ لینا بھی حرام ہے اگر حقہ یا تمباکو والے پان سے نشہ ہو تو وہ بھی حرام ہے ورنہ نہیں۔ان شاءاللہ اس کی بحث اس فصل کے آخر میں کچھ کی جائے گی،مفتر بہت وسیع فرمان ہے۔

	روایت ہے حضرت دیلم حمیری سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایک ٹھنڈی زمین میں ہیں اور وہاں سخت کام کرتے ہیں۲؎ اور ہم اس گیہوں سے شراب بناتے ہیں جس سے اپنے اعمال پر اور اپنے ملک کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں۳؎ فرمایا کیا وہ نشہ دیتی ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا اس سے بچو۴؎ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑیں گے نہیں۵؎ فرمایا اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو ۶؎(ابوداؤد)

۱؎**دیلم** دال کے فتحہ لام کے کسرہ سے ہے،**حمیر**ح کے کسرہ میم کے سکون سے .بروزن درہم،حمیر یمن کا ایک شہر ہے جو صنعاء سے غربی جانب واقع ہے۔

۲؎اس لیے ہم کو شراب اور نشہ کی سخت ضرورت ہے کہ ملک میں بغیر شراب کی گرمی اور بغیر نشہ کے بھاری کام نہیں ہوسکتے۔

۳؎لہذا ہم شراب پینے پر مجبور ہیں۔

۴؎کہ اسے مطلقًا استعمال نہ کرو نہ بحدنشہ نہ اس سے کم جیساکہ **فاجتنبوہ** کے اطلاق سے معلوم ہوا کیونکہ تھوڑی شراب بہت سی کا ذریعہ ہے۔

۵؎کیونکہ وہ پرانے عادی بھی ہیں اور اس کی انہیں ضرورت بھی ہے ملکی حالات کے لحاظ سے۔

۶؎ یعنی اگر حلال سمجھ کر پئیں تو وہ مرتد ہوگئے ان پر جہاد کرو۔(مرقات)اور اگر حرام سمجھ کر پیئے جائیں تو ان پر سختی کرو مار پیٹ کر اس سے روکو۔لفظ قاتلوا مار پیٹ پر بھی ارشاد ہوا ہے فرمایا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے روکو نہ رکے تو قاتله اسے مار کر روکو،یہاں سائل نے بہت کوشش سے سوال کیا مگر اجازت نہ ملی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے طبلہ اور جوار کی شراب سے منع فرمایا ا؎ اور فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎ (ابوداؤد) ۳؎	

ا؎ میسر جوئے کو کہتے ہیں یسر بمعنی آسانی سے بنا،چونکہ جواری جیت کے بہ آسانی مال لے لیتا ہے اور ہارکر بہ آسانی دے دیتا ہے اسی لیے اسے میسر کہتے ہیں،کوبہ نرد،شطرنج،طبلہ و سِتار سب ہی کو کہتے ہیں،یہاں شارحین نے طبلہ کے معنی کئے ہیں۔غبیراء جوار کی شراب جو حبشہ میں مروج تھی جسے ان کی زبان میں مسکرکہتے تھے۔(اشعہ)

۲؎ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر نشہ کی چیز سے نشہ لینا حرام ہے خواہ شراب تاڑی وغیرہ پتلی چیزیں ہوں یا بھنگ چرس افیون وغیرہ خشک چیزیں ہوں اگرچہ ان کے احکام میں تفصیل ہے مگر نشہ مطلقًا حرام ہے۔

۳؎ یہاں مصنف نے اپنا قاعدہ چھوڑ دیا،تینوں حدیثوں کے بعد فرمادیئے کہ ان تینوں حدیثوں کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ داخل ہوگا جنت میں ا؎ ماں باپ کا نافرمان ۲؎ اور نہ جواری اور احسان جتلانے والا ۳؎ اور نہ شراب کا عادی۔(دارمی)اس کی دوسری روایت میں بجائے جواری کے حرام زادہ ہے ۴؎	

ا؎ سابقین کے ساتھ جو اولًا ہی جنت میں پہنچیں بغیر سزا اور بغیر رکاوٹ کے یا جو یہ جرم کرے انہیں حلال سمجھ کر وہ قطعًا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۲؎ عاق وہ شخص ہے جو ایسا مباح کام کرے جس سے والدین کو تکلیف ہو بلاضرورت شرعی کرے اور انہیں دکھ پہنچانے کے لیے۔(مرقات)یہ قیود خیال میں رہیں لہذا اگر حاکم بیٹا مجرم ماں باپ پر شرعی سزا جاری کرے تو عاق نہیں اور اگر ماں باپ کو ستانے کے لیے شراب نوشی وغیرہ کرے تو وہ بدنصیب عاق سے بدتر ہے ظالم ہے۔

۳؎ منّان بنا ہے منّ سے منّ کے معنی احسان کرنا بھی ہیں احسان جتانا بھی اور توڑنا بندکرنا بھی اس تیسرے معنی میں ہے"وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ"منان رب تعالٰی کی صفت بمعنی بہت ہی احسان فرمانے والا کریم،یہاں دوسرے یا تیسرے معنی میں ہے یعنی احسان جتانے والا یا قاطع رحم قرابت داروں کے حقوق ادا نہ کرنے والا،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی"۔

۴؎ کیونکہ حرامی بچہ جبلی طور پر بدکار بدمعاش ہوتا ہے کہ اس کی سرشت میں شیطان کا دخل ہوتا ہے اور کبھی بدکاری کرتے کرتے کفر تک پہنچ کر دائمی دوزخی ہوجاتا ہے۔(مرقات)اس لیے حرامی کی نسل میں ولایت نہیں ہوتی مگر خیال رہے کہ حرامی کے یہ احکام اسلام میں آجانے کے بعد ہیں،مشرکین و مجوسی کی اولاد حرامی نہیں اگرچہ ان کے نکاح شرعی قاعدے کے خلاف ہیں مگر چونکہ ان کے دین کے موافق ہیں لہذا صحیح ہیں،اگر مجوسی مسلمان ہوجائے اور اس کے نکاح میں اس کی ماں یا بہن یا بیٹی ہو تو اب علیحدہ کرادیں گے،یوں ہی اگر مشرک کے نکاح میں سات آٹھ بیویاں ہوں تو بعد اسلام چار سے زیادہ بیویاں علیحدہ کرادیں گے مگر ان کی گذشتہ اولاد حلال ہوگی،اس سے ولید ابن مغیرہ کا مسئلہ بھی حل ہوگیا جسے قرآن کریم نے زنیم یعنی حرامی فرمایا۔اس حدیث میں زانی و زانیہ پر عتاب ہے کہ وہ زنا کرکے اپنے بچہ بلکہ اس کی نسل برباد کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت اور جہانوں کے لیے ہدایت بھیجا ۱؎ اور مجھے میرے عزت و جلال والے رب نے حکم دیا باجوں،بانسری،الغوزوں ۲؎ اور بتوں اور صلیبوں اور جاہلیت کی چیزیں مٹانے کا ۳؎ اور میرے رب عزوجل نے میری عزت کی قسم فرمائی کہ کوئی بندہ میرے بندوں میں ایک گھونٹ شراب نہ پئے گا مگر میں اتنی ہی پیپ اسے پلاؤں گا ۴؎ اور نہ چھوڑدے اسے میرے خوف سے مگر اسے پاک حوضوں سے پلاؤں گا ۵؎(احمد)

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری رحمت کفار کو بھی پہنچی کہ وہ دنیاوی عذاب سے بچ گئے اور حضور کی باطنی رحمت یعنی ہدایت سے کفار نے فائدہ نہ اٹھایا،حضور کی رحمت فرشتوں جنات انسان بلکہ تمام مخلوقات کو ملی، اس کی نفیس تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ **معازف** جمع ہے **معزف** کی جس کا مادہ **عزف** ہے بمعنی کھیل،**معزف** بروزن **منبر** کھیل کا آلہ۔اصطلاح میں ہر باجہ کو **معزف** کہا جاتا ہے اور **مزامیر** جمع ہے **مزمار** کی جس کا مادہ **زمر** ہے بمعنی گانے کی آواز۔ اصطلاح میں بانسری الغوزہ وغیرہ کو مزامیر کہا جاتا ہے یعنی مجھے رب تعالٰی نے حکم دیا ہے کہ ہر باجہ گانے کو مٹادوں۔خیال رہے کہ جھانج تو مطلقًا حرام ہے دوسرے باجے اگر غرض صحیح کے لیے استعمال کیے جائیں تو حلال ہیں،کھیل تماشہ کے لیے بجائے جائیں تو حرام۔چنانچہ غازیوں کا طبل جو جنگ وغیرہ میں اعلان کے لیے بجایا جائے یا دف تاشہ اعلان نکاح کے لیے حلال ہے،یوں ہی عیدوشادی کے موقعہ پر چھوٹی بچیوں کا دف بجانا احادیث میں آیا ہے اس کے احکام ان شاءاللہ اپنے موقعہ پر آئیں گے۔

۳؎صلب جمع ہے صلیب کی جس کا مادہ صلب ہے بمعنی صولی،صلیب صولی دینے کا آلہ،یہ عیسائیوں کی معظم چیز ہے جسے وہ پوجتے ہیں اور جاہلیت سے مراد زمانہ جاہلیت کی ناجائز رسمیں ہیں جیسے نوحہ،ماتم،خاندانی فخر،ستاروں سے بارش مانگنا۔خیال رہے کہ جزیرہ عرب میں سواء اسلام کے کسی ملت کی اجازت نہیں اس لیے عرب سے صلیب مٹائی جائے گی۔عرب کے سواء دوسرے اسلامی ممالک میں ذمی کفار کو مذہبی آزادی دی جائے گی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں،اسلام میں تو ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہے پھر صلیب مٹانے کے کیا معنی کہ یہ حکم جزیرہ عرب کے لیے ہے یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں میں سے صلیب وغیرہ کو مٹاؤں کہ انہیں اس کی تعظیم سے دور رکھوں۔

۴؎یعنی بعد قیامت دوزخ میں اسے دوزخیوں کی پیپ پلاؤں گا۔

۵؎قدس کے حوض سے مراد جنت کے حوض ہیں جن میں حوض کوثر بھی داخل ہے یعنی جو شخص شراب کا عادی تھا پھر رحمت خدا نے دستگیری کی کہ محض خوف خدا کی بنا پر توبہ کرلی اسے ان حوضوں سے پلایا جائے گا ترک کے یہ معنی ہوتے ہیں،ممکن ہے کہ اس میں وہ بھی داخل ہو جو شرابیوں میں پھنس کر شراب سے بچے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن پر اللہ نے جنت حرام فرمادی ۱؎عادی شرابی،ماں باپ کا نافرمان اور وہ بے حیا جو اپنے گھر میں بے حیائی کو قائم رکھے ۲؎(احمد،نسائی)	

۱؎یعنی اسے سابقین کے ساتھ جنت میں جانا حرام ہے یا جو ان کاموں کو حلال جان کر کرے وہ جنت سے دائمی محروم ہے کہ جنت تو مؤمنین کے لیے ہے۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں خبیث سے مراد زنا اور اسبابِ زنا ہیں یعنی جو اپنی بیوی بچوں کے زنا یا بے حیائی بے پردگی،اجنبی مردوں سے اختلاط،بازاروں میں زینت سے پھرنا،بے حیائی کے گانے ناچ وغیرہ دیکھ کر باوجود قدرت کے نہ روکے وہ بے حیاء دیوث ہے مگر مرقات نے یہاں فرمایا کہ تمام بے غیرتی کے گناہ اس میں شامل ہیں جیسے شراب نوشی،غسل جنابت نہ کرنا دیگر اس قسم کے جرم،اللہ تعالٰی دینی غیرت دے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت میں نہ جائیں گے عادی شرابی،قاطع الرحم ۱؎اور جادو کی تصدیق کرنے والا ۲؎(احمد)	

۱؎قاطع رحم عام ہے عاق سے کیونکہ عاق ماں باپ کا نافرمان ہے اور قاطع رحم اپنی نسبی عزیزوں پر زیادتی کرنے والا یا ان کے حقوق ادا نہ کرنے والا باوجود قدرت کے،مسلمان پر ماں باپ،بھائی بہن،خالہ،ماموں وغیرہم بلکہ بیوی اور اس کے والدین کے بھی حقوق ہیں۔ان حقوق کی تفصیل اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتاب **شرح الحقوق لطرح العقوق** میں ملاحظہ فرمایئے۔مسلمان کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے خبردار رہے کہ میرا کون کون رشتہ دار ہے اور ان سے میرا کیا رشتہ ہے تاکہ ان کے حقوق بقدر قرابت ادا کرے۔

۲؎یعنی جادو کو حق یعنی حلال جاننے والا یا اس کی تاثیر بذاتہٖ کا قائل جادوکرنا حرام ہے اسے حلال جاننا بے دینی ہے ورنہ جادو میں رب تعالٰی نے تاثیر رکھی ہے جس کا ثبوت قرآن مجید سے ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ"لہذا جادو کو برحق تاثیر ماننے والا مؤمن ہے اسے حلال جاننے والا کافر،یہاں دوسری صورت کا ذکر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادی شرابی اگر مرجائے تو اللہ تعالٰی سے بت پرست کی طرح ملے گا ۱؎(احمد)

۱؎یعنی بغیر توبہ کیے شرابی رہتا ہوا مرے تو اللہ تعالٰی اس پر ایسا ناراض ہوگا جیسا بت پرست پر ناراض ہوگا،قرآن کریم میں رب تعالٰی نے شراب کو بتوں کے ساتھ ذکر کیا،کہ ارشاد فرمایا:"اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلٰمُ"نیز شرابی نشہ میں بت پرستی کرے تو کوئی تعجب نہیں کہ بے عقل سب کچھ کرلیتا ہے تو شراب بت پرستی کا ذریعہ بن سکتی ہے،غرضکہ یہ وعید بہت سخت ہے۔رب تعالٰی کی پناہ!

	اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے
	اور بیہقی نے شعب الایمان میں محمد ابن عبید اللہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور کہا ۱؎کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں محمد ابن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد کی روایت سے ۲؎

۱؎یعنی بیہقی نے کہا۔مقصد یہ ہے کہ تاریخ بخاری میں میں نے خود یہ روایت نہیں دیکھی ہے بلکہ بیہقی کے حوالہ سے بیان کررہا ہوں۔

۲؎یہ محمد ابن عبید اللہ یا محمد ابن عبداللہ ابن جحش ہیں اور عبداللہ ابن جحش مشہور صحابی ہیں اور محمد بھی صحابی ہیں کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ اولًا مکہ معظّمہ سے حبشہ کو ہجرت کی پھر مکہ معظّمہ واپس آگئے اور مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے آپ فرماتے تھے کہ میں نہیں پرواہ کرتا شراب پیئوں یا اللہ کے مقابل اس ستون کو پوجوں ۱؎(نسائی)

۱؎مقصد یہ ہے کہ میرے نزدیک شراب پینااور بت پوجنا ایک درجہ کی حماقت و بے وقوفی ہے کہ بت پرستی میں سواء نقصان کوئی فائدہ نہیں،یوں ہی شراب نوشی میں صرف نقصان ہے فائدہ کوئی نہیں۔

خاتمہ:بھنگ،چرس،افیون،تمباکو!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس جگہ دو باتیں بہت ضروری فرمائیں:(۱)ایک یہ کہ سواء شراب انگوری کے دوسری تمام شرابیں جمہور علماء کے نزدیک تو مطلقًا حرام ہیں مگر احناف کے نزدیک جب حرام ہیں جب کہ نشہ دیں یا لہو لعب کے لیے پی جائیں۔حق مذہب جمہور ہے کہ ہر شراب مطلقًا حرام ہے نشہ دے نہ دے،مفتی کو اسی پر فتویٰ دینا چاہیے۔(۲)دوسرے یہ کہ خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ،چرس،افیون میں بھی اختلاف ہے،فیصلہ یہ ہے کہ دوا میں ان چیزوں کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ نشہ نہ دیں،نشہ دیں تو یہ حرام ہیں،نیز ان چاروں کا استعمال لذت کے لیے حرام ہے اگرچہ نشہ نہ دیں کہ ہر لہو باطل ہے،نیز یہ چیزیں پاک ہیں کہ اگر نمازی کے جیب میں افیون وغیرہ کی پڑیا پڑی ہو تو نماز ہوجائے گی،نیز بھنگ افیون وغیرہ کی تجارت جائز تو ہے کہ ان کا استعمال دواءً حلال ہے مگر نہ تو زیادہ کی تجارت کرے نہ نشہ والوں کے ہاتھ فروخت کرے حتی کہ شراب بنانے والے کے ہاتھ بہت مقدار میں انگور بھی نہ بیچے کہ یہ حرام پر امداد ہے، نیز افیون،بھنگ،چرس کی کاشت جائز ہے جب کہ اس سے کاشتکار کی نیت نشہ کرنے یا نشہ کرانے کی نہ ہو صرف دواءً فروخت کرنے کی ہو۔تمباکو کے احکام اس سے بھی ہلکے ہیں کہ تمباکو پینا یا کھانا نشہ کے لیے حرام ہے نشہ دے تو حرام نہیں،جو شخص بھنگ،چرس،افیون سے نشہ کرے اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔علامہ شامی نے شامی جلد پنجم کتاب الاشربہ میں تمباکو کے بہت خصوصی احکام بیان فرمائے،فیصلہ یہ فرمایا کہ تمباکو حلال ہے مگر اس سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے لہذا طبعًا مکروہ ہے،نشہ دے تو حرام۔

کتاب الامارۃ والقضاء

حاکم اور قاضی بننے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ امارت الف کے کسرہ سے امیروفرماں روا بننا یا فرماں روا بنانااور الف کے فتحہ سے بمعنی علامت یہاں الف کے کسرہ سے ہے۔قضا بمعنی فیصلہ یہاں شرعی فیصلہ مراد ہےیا قضاء کا منصب مراد ہے۔(مرقات و اشعہ)اس باب میں وہ احادیث آئیں گی جن میں امیر(سلطان)و قاضی بنانے یا ان کی شرائط و صفات کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ۱؎ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۲؎ اور جس نے حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۳؎ امیر ڈھال ہے اس کی پناہ میں جہاد کیا جائے۴؎ اور اس کی آڑ لی جائے پھر اگر اللہ کے ڈر کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس کا اسے ثواب ہے ۵؎ اور اگر اس کے علاوہ کہے تو اس کا اس پر وبال ہے ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کررہی ہے"مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ"۔خیال رہے کہ اطاعت تو اللہ تعالٰی کی بھی لازم ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور سلطان اسلام،ماں باپ،استاذ کی بھی کہ ہر بزرگ کا فرمان لائق عمل ہے مگر عبادت صرف اللہ تعالٰی کی ہے اور کسی کی نہیں اور اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوسکتی ہے،نہ خدا تعالٰی کی نہ کسی اور بزرگ کی۔اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا جو اسے کرتے ہوئے دیکھنا وہ کرنا،قرآن کریم کی اتباع مجازی ہے اسی لیے قرآن مجید میں اطاعت کے ساتھ تین ذاتوں کا ذکر ہے"اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ" اورعبادات کے ساتھ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے"اعۡبُدُوا اللّٰہَ"اور اتباع کے ساتھ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے نہ خدا تعالٰی کا نہ کسی بندے کا"فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ"۔یہ بھی خیال رہے

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا تعالٰی کی اطاعت کی طرح مطلقًا واجب ہے کہ جو بھی حکم دیں بلاوجہ پوچھے بلاوجہ سوچے سمجھے اطاعت کی جائے،دوسرے بندوں کی اطاعت واجب ہے جب کہ جائز کام کا حکم دیں خلاف شرع حکم نہ دیں،حضور کا حکم خود شریعت ہے اگر حضور نماز چھوڑنے یا نکاح نہ کرنے کا حکم دیں تو اس کے لیے وہ ہی حکم شرع ہے،دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفے اور ہماری تفسیر نعیمی پارہ پنجم جہاں اس کی بہت سی آیات و احادیث پیش کی گئیں۔

۲؎ اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ"۔

۳؎ زمانہ جاہلیت میں لوگ نہ امارت سے واقف تھے نہ قضاء سے،ان کے قبیلوں کے رئیس ہوتے تھے،جب اسلام نے یہ محکمے قائم فرمائے تو لوگوں کو تامّل اور تعجب ہوا تب یہ ارشاد فرمایا گیا تاکہ لوگ امارت و قضاء کی اہمیت جانیں۔(مرقات)خیال رہے کہ یہاں امیر کی اطاعت سے مراد جائز احکام میں اطاعت ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔(اشعہ)یہاں امام سے مراد یا تو سلطان اسلام ہے یا اس کا نائب جو جہاد میں سپہ سالار ہو یعنی جہاد کے لیے امیر ضروری ہے اور ملک کے لیے بھی،امیر ڈھال ہے جیسے ڈھال دشمن کے تیروشمشیر سے بچاتی ہے ایسے ہی سلطان رعایا کو داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ سلطان کو ڈھال کی طرح جنگ میں سب سے آگے رکھو تاکہ پہلا تیر اسی کو لگے۔(لمعات)قتال سے مرادخوارج،باغیوں کفاراور سارے فسادیوں سے جنگ ہے۔

۵؎ عظیم الشان ثواب جو ہمارے بیان بلکہ اندازے سے باہر ہے۔

۶؎ یعنی اگر بادشاہ اسلام خلاف شرع چیزوں کا حکم دے تو اس پر گناہ اور وبال بھی اتنا ہے جو ہمارے بیان و اندازے سے باہر،تمام ملک کا بوجھ اس کی گردن پر ہے،یہاں علیٰ نقصان کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت ام الحصین سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تم پر ناقص الاعضاء غلام حاکم بنادیا جائے جو تم کو اللہ کی کتاب سے چلائے اس کی سنو اور اطاعت کرو ۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ ام حصین بنت اسحاق قبیلہ احمس سے ہیں،آپ کے بیٹے یحیٰی ابن حصین ہیں،آپ صحابیہ ہیں،حجۃ الوداع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔

۲؎ یعنی اگر سلطان اسلام کسی حبشی غلام کو تمہارا حاکم بنادے تب بھی تم اس غلام حاکم کی فرمانبرداری کرو کہ یہ سلطان کی اطاعت ہے یا اگر بالفرض حبشی غلام سلطان بن جائے جسے مسلمان چن لیں تو اگرچہ وہ خلیفہ تو نہیں کہ خلافت اسلامیہ صرف قریش سے خاص ہے مگر سلطان تو ہے تب بھی اس کی اطاعت کرو۔(از مرقات)خیال رہے کہ یزید پلید نہ سلطان تھا نہ حاکم بلکہ اس کو سلطان بنانے کا مسئلہ درپیش تھا،حضرت امام حسین نے اسے سلطان بنانے سے انکار کیالہذا یہ حدیث حضرت امام حسین کے عمل کے خلاف نہیں،بادشاہ بنانا اور ہے بنے ہوئے بادشاہ کی اطاعت کرنا کچھ اور،فاسق کو نماز کا امام نہ بناؤ لیکن اگر بن چکا ہے تو جماعت نہ چھوڑواس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام بنادیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہوا۱(بخاری)	

۱؎ یہ فرمان عالی مبالغہ کے طور پر ہے یعنی اگر ذلیل و حقیر ناقص الخلقت گنجا غلام بھی تم پر حاکم مقرر ہوجائے تو اس کا حکم بھی قبولیت کے ساتھ سنو اور اس پر عمل کرو،جیسے حدیث پاک میں ہے کہ جو مسجد بنائے اگرچہ چڑیا کے آشیانہ کے برابر ہو اسے بھی ثواب ہے۔خیال رہے کہ یہاں کشمش سے تشبیہ یا تو چھوٹا ہونے میں ہے یا بال سے صاف گنجا اور پلپلا ہونے میں،اکثر حبشیوں کے سر چھوٹے ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان آدمی پر لازم ہے ۱؎ ہر اس حکم میں جسے پسند کرے یا ناپسند جب تک کہ اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بشرطیکہ اس کا حکم خلاف شرع نہ ہو۔

۲؎ یعنی سلطان اسلام کا جائز حکم تمہاری طبیعت کے خلاف ہو یا موافق بہرحال قبول کرو لیکن اگر وہ خلاف شرع حکم کرے تو اس کی فرمانبرداری نہ کی جائے،فرمانبرداری صرف اللہ رسول کی ہے مگر ایسے احکام مانے بھی نہیں اور اس بناپر بغاوت بھی نہ کرے،بادشاہ سے جنگ ملک کی تباہی کا باعث ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں اطاعت صرف بھلائی میں ہے ۱؎	

۱؎ یہ فرمان عالی بادشاہ حاکم،پیر،استاد،ماں،باپ وغیرہ سب کو شامل ہے کہ خلاف شرع حکم میں کسی کو اطاعت نہ کی جائے۔معروف وہ کام ہے جسے شریعت منع نہ کرے۔معصیت وہ کام ہے جسے شریعت منع فرمادے،یہ تعریف اچھی طرح یاد رکھی جائے۔(مرقات)آج کل بعض بے وقوفوں نے سمجھ لیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو وہ معصیت ہے یہ محض غلط ہے ورنہ زندگی گزارنا ناممکن ہوجائے گی۔اس کی بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں بدعت کی بحث میں ملاحظہ فرمایئے وہاں اس پر بہت دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ۱؎ سننے اور اطاعت کرنے پر تنگی اور آسانی میں خوشی و ناخوشی میں ۲؎ اور ہم پر ترجیح دیئے جانے میں ۳؎ اور اس پر کہ کسی چیز میں اس کے اہل و مستحق سے نہ جھگڑیں ۴؎ اور اس پر کہ ہم جہاں بھی ہوں حق ہی کہیں اللہ تعالٰی کے بارے میں	

	کسی ملامت کرنے والی ملامت سے نہ ڈریں۵ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کسی چیز میں اس کے اہل سے نہ جھگڑیں مگر یہ ہے کہ تم کھلا کفر دیکھو۶ جس کی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے قوی دلیل ہوے(مسلم،بخاری)

۱؎ اس بیعت سے مراد یا تو بیعت اسلام ہے یا کسی موقعہ پر کوئی خاص بیعت،حضرات صحابہ نے بیعت اسلام کے سواء خاص موقعوں پر اور بھی بیعتیں کی ہیں۔

۲؎ یعنی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیعت میں یہ عہد کیا کہ ہم سلطانِ اسلام کی بہر حال اطاعت کرینگے زمانہ تنگی کا ہو یا فراخی کا وہ حکم ہم پر گراں ہو یا آسان۔**عسر** و **یسر** سے مراد حالات کی تنگی وآسانی مراد ہے اور **منشط** و **مکرہ** سے مراد اپنے دل کا حال ہے لہذا عبارت میں تکرار نہیں۔

۳؎ **اثرہ** الف وث کے فتحہ سے بمعنی اختیار کرنا یا ترجیح دینا یعنی اگر اسلامی سلاطین ہمارے دنیاوی حقوق غنیمت،فئی کا حصہ یا حکومت کے عہدے ہم کو نہ دیں حق ہمارا ہو مگر دوسرے کو دے دیں یا خود مار لیں تو ہم ان کی اطاعت سے قدم باہر نہ نکالیں گے اس حق تلفی پر صبر کرینگے اور سلاطین کے مطیع رہیں گے۔اشعہ میں ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد یہ واقعات پیش آئے،انصار نے پورے صبر و تحمل سے کام لیا رضی اللہ عنھم اجمعین۔

۴؎ یہاں امر سے مراد حکومت وامارت ہے یعنی ہم اہل حکومت سے نہ جھگڑا کرینگے تو یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو عہدہ اس کے اہل کو دیا جائے تو ہم اسے چھیننے کی کوشش نہ کریں گے۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ اسلامیہ قریش سے خاص رہی،انصار نے حکم نبوی سن کر کہ **الخلافۃ للقریش** بالکل سرتابی نہ کی بلاچون وچرا حکم سرکاری قبول کرلیا،یہ تھا اس بیعت پر عمل۔

۵؎ یہ گذشتہ عہدوں کے علاوہ اور دوسرا عہد ہے یعنی ہم مداہنت فی الدین نہ کرینگے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے ہر جگہ ہر وقت سچی بات کہیں گے ہر مسلمان بقدر وسعت مبلغ ہے۔

۶؎ کفر سے مراد کفار کے سے کام ہیں یعنی گناہ ومعصیت،عام نسخوں میں **بوّاہ** واو سے ہے اور بعض نسخوں میں **براہ** رسے ہے،براہ کھلی زمین کو کہتے ہیں۔

۷؎ یعنی اگر تم اسلامی بادشاہ کا فسق وفجور کھلم کھلا دیکھو،ان کے احکام وافعال کی کوئی توجیہ نہ ہوسکے تو ان کی اطاعت نہ کرو مگر پھر بھی ان فاسق سلاطین پر خروج نہ کرے کہ ان سے لڑنا بھڑنا باجماعِ مسلمین حرام ہے۔اہل سنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ بادشاہ فسق وظلم کی وجہ سے معزول نہ ہوگا،ہاں کافر سلطانِ اسلام نہیں بن سکتا،اگر مسلمان بادشاہ کافر ہوجائے تو معزول ہوگا کیونکہ سلطان کا معزول ہونا بڑی تباہی ملک وخوں ریزی کا باعث ہے۔(مرقات)حضرات صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف جیسے ظالم وجابر وفاسق پر خروج نہ کیا بلکہ اس سے قضاء جمعہ وعیدین کی قیام حاصل کیں۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں فسق کی وجہ سے قاضی تو لائق معزولی ہے مگر سلطان قابلِ معزولی نہیں کیونکہ سلطان کی معزولی میں بہت فتنہ ہے جو قاضی کی معزولی میں کم،مگر احناف کے ہاں نہ قاضی فسق کی وجہ سے لائق معزول ہے نہ سلطان کیونکہ احناف کے ہاں فاسق اہل ولایت ہے شوافع کے ہاں نہیں،دیکھو فاسق باپ اپنی اولاد کا ولی ہے،اس کی پوری بحث یہاں مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور فرمانبرداری کرنے پر بیعت کرتے تھے۱؎

تو حضور انور فرمادیتے کہ اس میں جس کی طاقت رکھو ۲؎(بخاری، مسلم)	

۱؎چونکہ یہاں بیعت میں عہد کے معنی اور بایعنا میں عهدنا کے معنی ملحوظ ہیں لہذا بیعة کا تعدیہ علیٰ سے ہوگیا۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں کہ امت پر شفقت فرماتے ہوئے بوقت بیعت صحابہ سے فرماتے ہیں کہ مطلقًا اطاعت کا عہد نہ کرو بلکہ بقدر طاقت اطاعت کا عہد کرو تاکہ کبھی تم بدعہدی میں ماخوذ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے حاکم سے ناپسندیدہ چیز دیکھے تو صبر کرے ۱؎کیونکہ نہیں ہے کوئی جو جماعت سے بالشت بھر الگ رہے پھر مرجائے ۲؎مگر وہ جاہلیت کی موت مرے گا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی اگر حاکم یا سلطان میں کوئی شرعی یا طبعی یا اخلاقی نقص دیکھے تو صرف اس وجہ سے اس پر خروج نہ کرے اور اس کے خلاف عَلم بغاوت بلند نہ کرے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ احسن طریقہ سے اس کی اصلاح بھی نہ کرے۔جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا تو اعلی درجہ کا جہاد ہے،اصلاح اور چیز ہے خروج کچھ اور۔

۲؎یعنی جو مسلمانوں کی اس جماعت سے جو کسی سلطان اسلام پر متفق و متحد ہوں تھوڑا سا بھی الگ رہے گا اس کا انجام وہ ہوگا جو آگے مذکور ہے۔

۳؎یعنی اس کی موت زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی سی موت ہوگی کہ نہ ان کا کوئی سلطان ہوتا تھا نہ جماعت نہ ان میں تنظیم تھی نہ قومی اتفاق۔(مرقات)اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کافر ہوگا۔خیال رہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے یزید پلید کو سلطان اسلام بنانے کا مسئلہ تھا نہ کہ بنے ہوئے سلطان کی اطاعت کا مسئلہ لہذا اس عالی جناب کی ذات مقدس اس حدیث کی زد میں نہیں آسکتی،جیسے فاسق کو امام نماز بنانا مکروہ و ممنوع ہے مگر جس مسجد میں فاسق آدمی امام بن جائے تو اس کی وجہ سے جماعت نہ چھوڑے اس کے پیچھے پڑھے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو فرمانبرداری سے نکلا اور جماعت سے جدا ہوا۱؎ پھر مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا۲؎اور جس نے اندھا دھند جھنڈے کے نیچے جنگ کی۳؎کہ غصہ کرتا ہے تعصب کی بنا پر یا غصہ کرتا ہے تعصب کی طرف یا مدد دیتا ہے عصبیت کی بنا پر ۴؎پھر وہ مارا گیا تو اس کی موت جاہلیت کی ہے ۵؎اور جو میری امت پر تلوار لے کر مارتا ہو نیک کار کو بھی بدکار کو بھی ۶؎اور نہ بچے امت کے مومنوں	

	سے اور نہ پورا کرے عہد والے کے لیے اس کا عہدوپیمان ۷؎ پس وہ نہ مجھ سے ہے نہ میں اس سے۸؎ (مسلم)

۱؎ اطاعت سے مراد سلطان اسلام کی فرمانبرداری ہے اور جماعت سے مراد جماعت مسلمین ہے،جماعت سے جدا ہونے کے معنے ہیں کہ جس کی حکومت پر مسلمان متفق ہوچکے ہیں اسے حاکم نہ مانے اپنے کو جماعت کے فیصلہ سے الگ رکھے،اس جملہ کے اور معنی بھی ہوسکتے ہیں جو کتاب الاعتصام میں مذکور ہوچکے۔

۲؎ اس کے معنی ابھی عرض کیے گئے کہ اس سے مراد کفر کی موت نہیں ہے بلکہ کفار کی سی موت ہے،کفر کی موت اور کفار کی سی موت میں بڑا فرق ہے۔

۳؎ عمیہ بروزن غنیہ بھی آتا ہے غین کے پیش نون کے سکون سے اور عمّیۃ بھی آتا ہے عین کے کسرہ میم کے شد اور کسرہ سے ی کے شد سے،یہ لفظ عمی سے بنا بمعنی اندھا پن اس سے مراد وہ بلوہ یا جنگ ہے جس کی وجہ معلوم نہ ہو،کوئی شخص صرف اپنی قوم اپنے دھڑے کی حمایت میں مسلمانوں کے دوسرے دھڑے سے لڑے جیسا کہ آج کل عام دیہاتی پارٹیوں میں دیکھا جاتا ہے۔

۴؎ عصبیۃ مفعول لہٗ ہے یغضب اور یدعو کا یعنی حق و باطل کی تمیز کیے بغیر خود بھی اس اندھا دھند لڑائی میں شریک ہوجاتا ہے اور اپنے دھڑے کے دوسرے آدمیوں کو بھی بلاکر جنگ میں شریک کرتا ہے،عصبیت کے معنی ہیں ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرنا عصبہ سے بنا بمعنی وارث یا قوم۔

۵؎ یعنی ایسی موت مسلمانوں کی سی نہیں کفار کی سی ہے کافر قوم،ملک،مال وغیرہ کے لیے لڑتے ہیں مگر مؤمن کی لڑائی صرف اللہ کے لیے چاہیے یہ لڑائی بھی عبادت ہے۔

جنگ شاہاں فتنہ و غارتگری است　　جنگ مؤمن سنت پیغمبری است

قومیت کی جنگ فساد ہے للّٰہیت کی جنگ جہاد،اسلام نے ہم کو جینا مرنا سب کچھ سکھایا۔

۶؎ اس جملہ کی دو شرحیں ہیں:ایک یہ کہ امتی سے مراد امت اجابۃ یعنی مسلمان ہیں اور نیک سے مراد صالح آدمی ہیں اور فاجر سے مراد گنہگار مسلمان ہیں یعنی ہر نیک و بد مسلمان جو قتل کرے۔دوسرے یہ کہ امتی سے مراد امت دعوت ہے یعنی ہر آدمی کافر ہو یا مؤمن اور برّھا سے مراد مسلمان ہوں اور فاجرھا سے مراد کافر ہو،مرقات نے یہ دونوں شرحیں کیں۔

۷؎ اگر گزشتہ جملہ کی پہلی تفسیر کی جائے تو یہ علیحدہ مستقل حکم ہے اور اگر دوسری شرح کی جائے تو یہ جملہ اس کی شرح ہے،عہد والے سے مراد یا ذمی کفار ہیں یا مستامن کفار۔

۸؎ یعنی وہ میری امت سے نہیں یا میرے طریقہ سے نہیں اور میں اس کے معاون و مددگاروں سے نہیں یا وہ مجھ سے قریب نہیں میں اس سے قریب نہیں،یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے وہ رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کہ تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جو تم سے محبت کریں اور تم ان سے محبت کرو تم انہیں دعائیں دو وہ تمہیں دعائیں دیں ۱؎اور تمہارے بدترین حکام وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو وہ تم سے نفرت کریں تم ان پر پھٹکار کرو۲؎وہ تم پر لعنت کریں فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اس وقت ان کو پھینک دیں۳؎فرمایا نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کریں۴؎نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کریں، خبردار جس پر کوئی امیر والی ہو پھر اس میں اللہ کے گناہوں میں سے کچھ دیکھے تو جو کچھ وہ اللہ کا گناہ کرتا ہے اسے تو ناپسند کرے ۵؎اور اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے ۶؎(مسلم)

۱؎یہاں آئمہ سے مراد والی ہیں خواہ سلطان ہو یا حکام۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ حکام عادل ہوں تم سے مل جل کر رہیں،تمہاری ان کی آپس میں محبت ہو،تمہارے ساتھ نمازوں میں شریک ہوں ایسے حکام اللہ کی رحمت ہیں جیسے عہد صحابہ میں ہوتا تھا اور بعد میں بھی عادل سلاطین میں رہا۔

۲؎یعنی ظالم ہوں متکبر ہوں،اپنے عیش و طرب میں رہیں،ملک و رعایا سے لاپرواہ رہیں فساق وفجار ہوں ایسے حکام خدا کا عذاب ہیں۔

۳؎یعنی کیا ہم ان کو حکومت سے نکال باہر نہ کردیں اور ان سے کی ہوئی بیعت توڑ کر ان سے جنگ نہ کریں۔

۴؎یعنی جب تک سلاطین و حکام مسلمانوں میں جمعہ وعیدین قائم کریں،مسجدوں کا انتظام کریں،نمازوں کا اہتمام کریں تب تک تم ان کو علیحدہ نہ کرو ان کی بیعت نہ توڑو کیونکہ نمازیں قائم کرنا مؤمن ہونے کی علامت ہے،جو نمازیں قائم کرتا ہے وہ دین کا ضرور خیال رکھے گا،اس میں نماز کی اہمیت کا اظہار ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوۡمِ الۡاٰخِرِ"۔

۵؎اس طرح کہ اگر طاقت ہو تو زبان سے بادشاہ کو نصیحت کرے ورنہ اس کی حرکتوں کو دل سے برا جانے اس کی حمایت نہ کرے۔

۶؎یعنی سلطان یا حکام کی معصیت کی وجہ سے ان کی بغاوت نہ کرے ان سے لڑے نہیں کہ مسلمانوں کی خون ریزی بڑے سے بڑا گناہ ہے ہاں ان کی معصیتوں کی حمایت نہ کرے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم پر کچھ حکام ہوں گے

	جن کے کچھ کام تم پسند کرو گے کچھ ناپسند کرو گے ۱؎ تو جو انکار کرے تو وہ بری ہوگیا اور جو ناپسند کرے وہ سلامت رہا ۲؎ لیکن جو راضی ہوا ان کے ساتھ مل گیا ۳؎ انہوں نے عرض کیا تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں ۴؎ فرمایا جب تک نمازی رہیں جب تک وہ نمازی رہیں ۵؎ یعنی جو اپنے دل سے انکار کرے جو اپنے دل سے ناپسند کرے ۶؎ (مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی میں غیب کی خبر ہے۔**تعرفون** اور **تنکرون** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی **بعض اعمالھم**۔ مقصد یہ ہے کہ ان بادشاہوں اور حکام کے اعمال مخلوط ہوں گے کچھ اچھے کچھ برے کہ نماز بھی پڑھیں گے، داڑھی بھی منڈائیں گے،انصاف بھی کریں گے،شراب بھی پئیں گے۔

۲؎ انکار سے مراد زبان سے انکار کردینا ہے اور بری ہونے سے مراد نفاق اور مداہنت یعنی پلپلا پن ہے،کرہ سے مراد دل سے ناپسندیدگی ہے سلامتی ہے مراد گناہ اور وبال فسق سے محفوظ رہنا ہے یعنی ایسے بادشاہوں کے برے اعمال کو زبان سے برا کہہ دینے والا پختہ مسلمان ہے اور ان کے اعمال کو صرف دل سے برا سمجھنے والا زبان سے خاموش رہنے والا پہلے کی طرح پختہ تو نہ ہوگا مگر گناہ سے وہ بھی بچ جائے گا۔

۳؎ اس جملہ کی جزا پوشیدہ ہے یعنی جو شخص ان فاسق حکام کے برے کاموں سے دل سے راضی ہوا اور عمل میں ان کے ساتھ شریک ہوگیا کہ وہ بھی ان کے سے کام کرنے لگا تو وہ بھی گناہ فسق و فجور وبال میں انکے ساتھ شریک ہوگیا۔

۴؎ یعنی ان بادشاہوں حاکموں کو ہاتھ سے اور بذریعہ قوت و طاقت گناہوں سے نہ روکیں جو کہ تبلیغ کی اعلی قسم ہے۔

۵؎ نمازی رہنے سے مراد ہے مسلمان رہنا کیونکہ نماز ہی کفرواسلام میں فارق ہے لہذا یہ مطلب نہیں کہ بے نمازی بادشاہ حکام کی بغاوت درست ہے دوسرے گناہوں کی طرح ترک نماز بھی ایک گناہ ہے۔قرآن کریم دوزخی کفار کا ایک قول نقل فرماتا ہے جو وہ فرشتوں سے کہیں گے "لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ" ہم نمازیوں میں سے نہ تھے یعنی مسلمان نہ تھے۔خیال رہے کہ سلطان کی بغاوت بڑے فتنوں،خون ریزیوں،ملک کی تباہیوں کا باعث ہے اس لیے بڑے اہتمام کے ساتھ اس سے روکا گیا۔

۶؎ یہ کلام راوی کی طرف سے حدیث کے اس جملہ **من انکر** کی تفسیر ہے۔مقصد یہ ہے کہ انکار سے مراد صرف زبان کا انکار نہیں بلکہ دل کی نفرت بھی ضروری ہے کیونکہ دلی کراہت کے بغیر صرف زبانی انکار بیکار ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے کہ جیسا انہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا خود حضرات صحابہ نے فاسق بادشاہ ظالم و بدکار حکام دیکھ لیے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم

	میرے بعد ترجیح دیکھو گے ۱؎ اور ایسی چیزیں دیکھو گے جنہیں تم ناپسند کرو گے عرض کیا تو آپ ہم کو کیا فرماتے ہیں یارسول اللہ، فرمایا تم ان کے حق انہیں دے دو اور اپنے حق اللہ سے مانگو ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ کہ تمہارے حقوق بادشاہ دوسرے کو دیں گے تم کو تمہارے حقوق سے محروم کردیا کریں گے۔

۲؎ یعنی محض اپنا حق لینے کے لیے بغاوت نہ کرنا بلکہ ان سلاطین کی جائز اطاعت کیے جانا اور رب تعالٰی سے دعا کیا کرنا کہ خدایا ان کو ہمارے حقوق ادا کرنے کی توفیق دے۔

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے فرماتے ہیں سلمہ ابن یزید ۱؎ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا نبی اللہ فرمایئے تو اگر ہم پر ایسے حکام قائم ہوجائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق ہم سے روکیں تو حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں ۲؎ فرمایا سنو اور اطاعت کرو ۳؎ کیونکہ ان پر وہی ہے جو ان پر ڈالا گیا اور تم پر وہ ہے جو تم پر ڈالا گیا ۴؎ (مسلم)

۱؎ بعض شارحین نے ان کا نام یزید ابن سلمہ کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ سلمہ ابن یزید ہیں صحابی ہیں، کوفہ میں قیام پذیر رہے۔

۲؎ یعنی ایسے بادشاہوں کی ہم بغاوت کریں یا نہیں۔

۳؎ یعنی قولاً سنو اور عملًا ان کی اطاعت کرو یا ظاہرًا سنو اور باطنًا ان کی اطاعت کرو۔(مرقات)خلاصہ یہ ہے کہ اپنے حقوق کے لیے ملک کو ویران نہ کرو، بغاوت سے ملک کی ویرانی ہوتی ہے، قوم پر اشخاص قربان ہونے چاہیے اور دین پر تن من دھن فدا ہونے لازم ہیں۔

۴؎ یعنی ان بادشاہوں اور حکام پر شرعًا عدل و انصاف رعایا پروری ادائے حقوق واجب ہے اور رعایا پر ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ان سے ان کی ذمہ داریوں کا سوال ہوگا اور تم سے تمہاری ذمہ داریوں کا حساب ہوگا، اگر وہ اپنے فرائض کی ادا میں کوتاہی کرتے ہیں تو تم اپنے فرائض میں کوتاہی کیوں کرو تم کو اپنی قبر میں سونا ہے ان کو اپنی قبر میں سونا۔علیھم اور علیکم کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز فرمان ہے کہ اپنے حقوق کی فکر کرو دوسروں کی فکر چھوڑو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو فرماں برداری سے ہاتھ نکالے وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو

	اس طرح مرا کہ اس کے گلے میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۱؎(مسلم)

۱؎ اس حدیث میں دلیل سے مراد بندے کے ایمان و تقویٰ کی دلیل و ثبوت ہے اور بیعت سے اگر خلیفہ و سلطان اسلام کی بیعت مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جب خلیفہ رسول یا سلطان اسلام موجود ہو پھر یہ اس کی بیعت خلافت نہ کرے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اور اگر بیعت سے عام بیعت مراد ہے خواہ بیعت خلافت ہو یا بیعت ارادہ تو حدیث مطلق ہے کہ جو بغیر مرشد پکڑے مرجائے اس کی موت کفار کی سی ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے،یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ بیعت بہت قسم کی ہے:بیعت اسلام،بیعت اطاعت اور بیعت ارادت۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کا سیاسی انتظام انبیاء کرام کرتے تھے۱؎ جب کبھی ایک نبی انتقال فرماتے تو دوسرے نبی ان کے پیچھے تشریف لاتے ۲؎ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۳؎ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے ۴؎ صحابہ نے عرض کیا تو ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں۵؎ فرمایا اگلے پھر اگلے کی بیعت پوری کرو۶؎ اور انہیں ان کا حق دو کیونکہ اللہ تعالٰی ان سے خود پوچھ لے گا ان کے متعلق جن کو ان کی رعایا بنایا۔(مسلم،بخاری)

۱؎ تسوس بنا ہے سیاست سے بمعنی ملکی و قومی انتظام جس میں دینی انتظام بھی داخل ہے یعنی بنی اسرائیل میں خود حضرات انبیاء کرام سارے قومی ملکی ملی دینی انتظام فرمایا کرتے تھے،ان کے جانشین امراء و خلفاء نہ ہوتے تھے بلکہ حضرات انبیاء کے خلفاء خود انبیاء ہوتے تھے،موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون سے فرمایا تھا **اخلفنی من بعدی**۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ خلافت اسلامیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے شروع ہوئی،اسلامی سلاطین کی بیعت اور حضرات مشائخ کرام کی مریدی اسلام کی خصوصیات سے ہے،پہلے شریعت و ملک کی حفاظت حضرات انبیاء کرام سے ہوتی تھی۔

۳؎ یعنی نہ تو میرے زمانہ میں کوئی نبی ہے جو میری موجودگی میں میرا خلیفہ ہو جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں کچھ روز کے لیے عارضی خلیفہ ہوئے جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے اور نہ میرے بعد کوئی نبی ہے جو میرا مستقل خلیفہ ہو لہذا میرے خلفاء میرے دین کے سلاطین ہیں اور باطنی خلفاء حضرات اولیاء وعلماء۔خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور کے بعد نبی نہیں وہ تو پہلے کے نبی ہیں اور اب بشان نبوت تشریف نہ لائیں گے بلکہ حضور کے امتی ہوکر اور خلیفہ امام مہدی ہی ہوں گے۔

۴؎ یہاں خلفاء سے مراد ظاہری خلفاء ہیں یعنی اسلامی سلاطین و امراء خلفاء،خلافت تو قریش کے ساتھ خاص ہے اور سلطنت عام ہے،خلافت میں حکومت کے ساتھ نیابت مصطفوی بھی ہوتی ہے،سلطنت میں صرف حکومت ہےاسی لیے خلفاء راشدین کے زمانہ میں مشائخ سے بیعت نہ کی جاتی وہ خلفاء راشدین مشائخ بھی تھے انکی بیعت بیعت ارادت بھی ہوتی تھی اور بیعت حکومت بھی۔

۵؎ یعنی اگر بہت سے خلیفہ بن جائیں تو ہم کیا کریں کس کی بیعت کریں۔

۶؎ یعنی یکے بعد دیگرے خلفاء کی بیعت کرنا جب پہلا خلیفہ فوت ہوجائے تو اب جو خلیفہ بنے اس کی اطاعت کرو بیک وقت دو خلیفہ نہیں ہوسکتے،اگر ہوں تو پہلا خلیفہ ہوگا دوسرا باغی۔چنانچہ خلافت حیدری میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر معاویہ باغی،جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خلافت سے دست برداری فرمالی تب وہ سلطان برحق ہوئے۔خیال رہے کہ بیک زمانہ مختلف ملکوں کے بادشاہ بہت ہوسکتے ہیں مگر تمام مسلمانوں کا خلیفہ ایک ہی ہوگا۔آج پاکستان،ترکی،کابل،ایران اور پاکستان کے صدر یا بادشاہ الگ الگ ہیں مگر ان میں خلیفۃ المسلمین کوئی نہیں،امام مہدی تمام مسلمانوں کے خلیفۃ المسلمین ہونگے۔اس حدیث کی بنا پرصوفیاءکرام فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں دو پیروں کا مرید نہیں ہوسکتا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں دوسرے کو قتل کردو۱؎ (مسلم)

۱؎ قتل سے مراد مقاتلہ یعنی جنگ کرنا ہےاور ہوسکتا ہے کہ قتل ہی مراد ہو کیونکہ دوسرے خلیفہ باغی ہےخلیفہ نہیں،اس کے متعلق قرآن کریم کا فرمان ہے"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبْغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللہِ"۔یہاں مرقات نے بحوالہ نووی فرمایا کہ دارالاسلام وسیع ہو یا غیر وسیع،مسلمانوں کے خلیفہ بیک وقت خلیفہ دو نہیں ہوسکتے،مشرق و مغرب،جنوب و شمال کا خلیفۃ المسلمین ایک ہی ہوگا۔امام الحرمین نے اپنی کتاب الارشاد میں فرمایا دور دراز ممالک میں دو خلیفہ ہوسکتے ہیں۔(جیسے آج پاکستان و امریکہ)مگر امام نووی نے اس قول کی بہت مخالفت فرمائی اور فرمایا کہ امام الحرمین کا یہ قول اطلاق حدیث کے بھی خلاف ہے اور سلف و خلف علماء کے بھی خلاف۔

	روایت ہے حضرت عرفجہ سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فتنہ اور فساد ہوں گے شرارتیں بدخوئیاں ہوں گی ۲؎ تو جو اس امت کا معاملہ جداکرنا چاہے حالانکہ امت متفق ہو تو اسے تلوار سے مار دو کوئی بھی ہو ۳؎(مسلم)

۱؎ آپ عرفجہ ابن سعد ہیں،آپ سے آپ کے بیٹے طرفہ نے روایات لیں،آپ وہی عرفجہ ہیں جن کی ناک کٹ گئی تھی،جنگ کلاب میں تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوائی تھی مگر وہ بدبودار ہوگئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو

سونے کی ناک لگوا لینے کا حکم دیا،یہ واقعہ مشکوۃ شریف کتاب اللباس باب الخاتم میں آئے گا،آپ سے روایات بہت کم ہیں۔

۲؎ هنات ھ کے فتح سے ہے جمع هن کی بمعنی ناقابل ذکر چیز ا سی لیے شرمگاہ کو هن کہتے ہیں کہ وہ بھی ناقابل ذکر ہوتی ہے،یہاں اس سے مراد ناقابل ذکر فتنے فساد شرارتیں ہیں۔مکرر فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ فتنہ مسلسل اور دراز ہوں گے اور بہت سی قسم کے ہوں گے۔

۳؎ خواہ عربی ہو یا عجمی عالم ہو یا جاہل صوفی ہو یا پیر درویش،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہو یا کسی اور خاندان سے غرضکہ کوئی بھی ہو جب وہ میری امت میں تفریق کی کوشش کرے وہ مستحق قتل ہے۔(مرقات)اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو نئے مذاہب ایجاد کرکے مسلمانوں کے ٹکڑے کردینا چاہیں اور جیسے ایک خلیفہ کی اطاعت چاہیے ایسے ہی ایک امام کی تقلید چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی بادشاہ سے بیعت ۱؎ کرے پھر اسے اپنے ہاتھ کا عقد ۲؎ اور اپنے دل کا میوہ دے دے ۳؎ تو اگر طاقت رکھے اس کی اطاعت کرے ۴؎ پھر اگر دوسرا اس سے جھگڑا کرتا آئے تو دوسرے کی گردن مار دو ۵؎ (مسلم)

۱؎ امام سے مراد دنیاوی امام بھی ہوسکتا ہے یعنی سلطان اسلام اوردینی امام بھی،جیسے امام مجتہداور شیخ طریقت،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎ صفقة بنا ہے صفق سے بمعنی ہاتھ ملانا اسی لیے تالی بجانے کو تصفیق کہتے ہیں کہ اس میں ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہے،چونکہ مشائخ یا سلطان کی بیعت کے وقت شیخ یا سلطان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفقة یدہ ارشاد فرمایا،عرف میں جب کسی سے کوئی پختہ وعدہ کرتے ہیں تو ہاتھ ملا کر کرتے ہیں کہتے ہیں آؤ ہاتھ ملاؤ یہ کام ضرور کرنا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" مگر یہ بیعت مردوں کے لیے ہے عورتوں سے بیعت صرف کلام سے چاہیے۔

۳؎ یعنی دل کا اخلاص اسے دے کہ دل سے اس کی بیعت کرے یا دل کے میوے سے مراد اولاد ہے یعنی اپنے بال بچوں سے بھی اس امام کی بیعت کرائے۔(مرقات)

۴؎ یعنی اس کے ہر جائز حکم کی بھی بقدر طاقت تعمیل کرے۔

۵؎ یعنی اس دوسرے خواہش مند امامت کو خود یہ بیعت کرنے والے لوگ قتل کردیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک کے ہوکر رہو۔خیال رہے کہ آج کل جس جمہوریت کا رواج ہے کہ ہر پانچ سال کے بعد ملک کا نیا صدر چنا جائے،یہ عیسائیت کی جمہوریت ہے۔اسلام میں جمہوریت کے معنے یہ ہیں کہ ایک بار سلطان لوگوں کی رائے سے چن لیا جائے پھر وہ زندگی

پھر سلطان رہے جب تک کہ اس سلطان میں معزولیت کا سبب نہ پیدا ہوتب تک وہ اپنے مقام پر قائم رہے۔چنانچہ حضرات خلفاء راشدین کا چناؤ ایک ایک بار ہوا ہر پانچ سال پر نہ ہوا۔ موجودہ جمہوریت بڑے فسادات کا ذریعہ ہے کہ ہر پانچ سال میں ملک میں زبردست انقلاب آتا ہے،پھر خرابی یہ ہوتی ہے کہ حکام تو وزراء اور صدر کے ماتحت اور صدر اور وزراء ممبران کے ماتحت اور ممبران ووٹروں کے ماتحت لہذا جس کے قبضہ میں کچھ ووٹ ہیں اسے ممبران دیتے ہیں بلکہ وزراء وصدر تک دیتے ہیں کہ آگے چل کر ان سے پھر ووٹ لینے ہیں،اس بنا پر یہ چودھری لوگ وہ وہ ظلم کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ،وہ سمجھتے ہیں کہ راج ہمارا ہے کہ ووٹ ہمارے قبضہ میں ہیں جیساکہ آج دیکھا جارہا ہے،یہ جمہورت خدا کی لعنت ہے اور یہ انتخاب خدا کا عذاب۔ صحیح جمہوریت اور صحیح انتخاب اسلامی جمہوریت اور اسلامی انتخاب ہے،عیسائیت والے انتخاب میں بڑی آفت یہ ہے کہ ایک صدر ابھی رعایا پر پورا قبضہ بھی نہ کرسکا اس کی معزولیت کا وقت آجاتا ہے وہ ملک کی فکر کرے یا اپنی صدرات کی۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حکومت نہ مانگو ۲؎ کیونکہ اگر تم طلب سے حکومت دیئے گئے تو تم اس کے حوالے کردیئے جاؤ گے ۳؎ اور اگر تم بغیر طلب دیئے گئے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سمرہ سین کے فتحہ اور میم کے پیش سے،آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے بعد میں بصرہ میں رہے وہاں ہی ۵۱ھ میں انتقال ہوا۔(مرقات)خلافت عثمانی میں سجستان اور کابل،افغانستان آپ ہی نے فتح کیا۔(اشعہ)

۲؎ دنیاوی امارت و حکومت طلب کرنا ممنوع ہے مگر دینی امارت طلب کرنا عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ ہم سے دعا کیا کرو کہ "وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا"خداوندا ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔خیال رہے کہ سلطنت حکومت نفسانی خواہش،دنیا وی مال،عزت کی لالچ سے طلب کرنا حرام ہے کہ ایسے طالب جاہ لوگ حاکم بن کر ظلم کرتے ہیں مگر جب نااہل سلطان یا حاکم بن کر ملک کو برباد کررہے ہوں یا برباد کرنا چاہتے ہوں تو دین و ملک کی خدمت کے لیے حکومت چاہنا حاصل کرناضروری ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا:"اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ"لہذا یہ حدیث ان مذکورہ دونوں آیتوں کے خلاف نہیں کہ اس حدیث سے طمع دنیاوی کے لیے دنیاوی امارت چاہنے کی ممانعت ہے۔حضرت صدیق اکبر نے حضور کے پردہ فرمانے کے بعد بکوشش ملک کی باگ دوڑ سنبھال لی تھی اور پھر امیر بن کر دین و ملک کی خدمت کی جس سے دنیا خبردار ہے،آج تک اسلام و قرآن کی بقا حضرت صدیق کی مرہون منت ہے۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ طلب سے مراد کوشش اور رب سے دعا دونوں ہیں جو دعائیں مانگ مانگ کر طمع مال و عزت کے لیے سلطان بنا تو رب تعالٰی اس کی مدد نہ کرے گا وہ جانے اور حکومت جانے۔

۴؎ یعنی اگر رب کی طرف سے تم کو سلطان بننا پڑگیا تو رحمت الٰہی تمہاری دستگیری کرے گی تمہارے فیصلے درست ہوں گے ملک کا بوجھ تم سے اٹھ سکے گا،سلطنت کرنا آسان کام نہیں بغیر کرم پروردگار یہ بوجھ نہیں اٹھ سکتا۔اس حدیث کی بنا پر بزرگان دین حاکم بننے سے سخت متنفر تھے،امام ابوحنیفہ نے جان دے دی مگر قضاء قبول نہ کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ تم حکومت پر عنقریب حرص کرو گے ۱؎ اور ہوگی وہ قیامت کے دن شرمندگی ۲؎ دودھ پلانے والی اچھی اور دودھ چھوڑانے والی بری ۳؎ (بخاری)	

۱؎ اس میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے اور حرص سے مراد نفسانی خواہش ہے حضور کی یہ پیشگوئی آج آنکھوں دیکھی جارہی ہے کہ مسلمان صدارت،وزارت،سفارت،ممبری کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ ایسے سلطان کے ذمہ ہزاروں کے حقوق و مظالم ہوتے ہیں جن کے حساب سے چھوٹنا آسان نہیں ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسی نفیس عبارت ہے،سلطنت کو رعایا کی ماں قرار دیا گیا،ظالم سلطنت کو دودھ سے محروم کرنے والی ماں فرمایا گیا اور عادل سلطنت کو دودھ دینے والی سگی ماں قرار دیا گیا یعنی رعایا کو حقوق دینے والی سلطنت اچھی ہے اور محروم کرنے والی سلطنت بری۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے حاکم کیوں نہیں بنادیتے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا ۲؎ پھر فرمایا اے ابوذر تم کمزور ہو اور حکومت امانت ۳؎ اور وہ قیامت کے دن رسوائی ندامت ہے ۴؎ سوائے اس کے جو اسے حق سے لے اور وہ ذمہ داریاں پوری کرے جو اس میں ہیں ۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ ان سے فرمایا اے ابوذر میں تم کو ضعیف دیکھتا ہوں ۶؎ اور میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں ۷؎ تم نہ تو دو شخصوں پر پنچ بننا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا ۸؎ (مسلم)	

۱؎ تاکہ مجھے عدل و انصاف کرنے کا ثواب ملے یہ ثواب بے شمار ہے آپ کی یہ گزارش حرص دنیا کی بنا پر نہ تھی بلکہ طلب اجر کے لیے تھی اور اس وقت تک طلب حکومت سے حضور نے منع نہ فرمایا تھا۔

۲؎ ازراہ شفقت و محبت تاکہ ان کو اس سے منع فرمادینے سے رنج نہ ہو۔

۳؎ یعنی تم سیاستدان نہیں ہو عابد زاہد تارک الدنیا ہو اور حکومت کے لیے اسلامی سیاستدانی ضروری ہے،دیکھو رب تعالٰی نے عابد و زاہد فرشتوں کو خلیفہ نہ بنایا۔حکومت کو امانت فرما کر اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا:"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ"الایہ۔

۴؎ یعنی حکومت و سلطنت ظالم کے لیے رسوائی ہے اور عادل کے لیے ندامت و شرمندگی،وہ سوچے گا کہ میں نے حکومت کرنے کے اوقات عبادت میں کیوں نہ گزارے۔

۵؎ یعنی حکومت و سلطنت عادل حاکم کے لیے بھی ندامت ہے مگر دو شرطوں سے ندامت نہیں بلکہ باعث کرامت ہے:ایک یہ کہ حق کے ساتھ حکومت اختیار کرے کہ دوسرے نااہل ہوں اور ملک و قوم و دین کو اس کی رہنمائی کی ضرورت ہو۔دوسرے یہ کہ حقوق رعایا ادا کرے اس کے لیے حکومت اللہ تعالٰی کی رحمت ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ سات شخصوں کو عرش الٰہی کا سایہ ملے گا ان میں ایک عادل سلطان ہے،نیز فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عادل بادشاہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔حضرت یوسف علیہ السلام،اور حضرت سلیمان وداؤد علیہما السلام ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان بھی نبی تھے،ان کی سلطنت ان کے لیے درجات عالیہ کا ذریعہ ہے،یہ حدیث بڑی دلیل ہے کہ نااہل کو حکومت میں دخل دینا نہ چاہیے اگرچہ وہ کتنا ہی متقی ہو اللہ تعالٰی حکام و سلاطین کو حضرات خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

۶؎ یہ روایت بھی مسلم کی ہے۔دیکھنے سے مراد ہے معلوم کرلینا چونکہ حضور کا اندازہ ہمارے عین الیقین سے اعلٰی ہے اس لیے اراك فرمایا۔

۷؎ یعنی اگر ہم ضعیف ہوتے تو ہم بھی حکومت و سلطنت اختیار نہ فرماتے،چونکہ ہم کو اللہ تعالٰی نے قوت و طاقت دی ہے کہ نبوت و حکومت دین و دنیا دونوں کو سنبھال سکتے ہیں اس لیے ہم نے یہ قبول کی،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۸؎ یعنی اے ابوذر عام لوگوں پر حکومت تو بہت مشکل ہے تمہارے لیے تو ضروری ہے کہ تم دو شخصوں کے پنچ بھی نہ بنو بلکہ ایک یتیم کے مال کے متولی بھی نہ بنو کہ اس کی ذمہ داری بھی بہت ہے اور تم تارک الدنیا اللہ والے ہو۔اس حدیث سے آج کل کے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ممبری وزارت صدارت کے لیے سر پھوڑے مرے جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مَیں اور میرے چچازاد بھائیوں میں سے دو شخص گئے تو ان دونوں میں سے ایک نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض ان چیزوں پر ہم کو حاکم بنایئے جن پر اللہ نے آپ کو حاکم

	بنایا۱؎ اور دوسرے نے بھی اسی طرح کہا تو فرمایا واللہ ہم اس منصب پر کسی ایسے کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا طلب گار ہو اور نہ اس کو جو اس پر حریص ہو۲؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا ہم اپنے عمل پر ایسے کو قائم نہیں کرتے جو اسے چاہے۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی نبوت تو حضور کے لیے خاص ہے کوئی اس کی تمنا کرسکتا ہی نہیں مگر اللہ نے آپ کو سلطان بنایا ہے تو اپنی ماتحتی میں قاضی،حاکم کسی علاقہ کا امیر ہم کو بنادیجئے۔

۲؎ یہ سوال پورا نہ فرمانا عطاء سے منع نہیں بلکہ ان دونوں حضرات پر اور مخلوق خدا پر رحم و کرم ہے کیونکہ حکومت کے خواہشمند حکومت پاکر ظلم و ستم کرکے اپنا دین بگاڑ لیتے ہیں اور لوگوں کی دنیا برباد کرتے ہیں اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے کہ حکومت کی طلب کب بری ہے اور کب اچھی۔سوال سے مراد ہے منہ سے مانگنا اور حرص سے مراد ہے منہ سے تو نہ مانگنا مگر اس کی کوشش کرنا۔

۳؎ دنیا طلبی نفسانی خواہش کے لیے کیونکہ ایسے آدمی کی اللہ تعالٰی مدد نہیں کرتا جس سے لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگوں میں بہترین شخص اسے پاؤ گے جو اس حکومت سے سخت متنفر ہو حتی کہ اس میں مبتلا ہو جائے۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس حتّی میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ تجدون کی انتہا ہو،دوسرے یہ کہ اشد کراھیۃ کی انتہا ہو لہذا اس فرمان عالی کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ بہترین شخص وہ ہے جو حکومت و سلطنت اختیار کرنے سے سخت متنفر ہو اور وہ شخص اس وقت تک بہتر رہے گا جب تک کہ اس سے متنفر رہے،جب اس نے حکومت قبول کرلی تو بہتر نہ رہے گا۔دوسرے یہ جو شخص اولًا حاکم بننے سے متنفر ہو بننا نہ چاہتا ہو پھر رب تعالٰی کی طرف سے اسے حاکم یا سلطان بننا پڑ جائے تو پھر متنفر نہ رہے گا کیونکہ رب تعالٰی اس کی غیب سے مدد فرمائے گا مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں اسی پر شارحین زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔(لمعات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ رہو تم سب چرواہے ہو اور تم سب سے اپنے ماتحت چرنیوالوں کے متعلق سوال ہوگا۱؎ چنانچہ وہ بادشاہ جو لوگوں پر حاکم ہے وہ چرواہا ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۲؎ اور مرد اپنے گھر والوں کا چرواہا ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے خاوند

	کے گھر اس کی اولاد کی نگران ہے اور وہ ان کے متعلق پوچھی جائے گی ۳؎مرد کا غلام اپنے مولٰی کے مال پر ذمہ دار نگران ہے وہ اس کے متعلق پوچھا جائے گا ۴؎ خبردار تم سب چرواہے ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی یہ نہ سمجھو کہ صرف بادشاہ سے ہی اس کی رعایا کا سوال ہوگا ہم آزاد رہیں گے،نہیں بلکہ ہر شخص سے اپنے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا کہ تم نے ان کے دینی و دنیاوی حقوق ادا کیے یا نہیں۔راعی کے لغوی معنے ہیں چرواہا،اصطلاح میں ہر محافظ اور حاکم کو راعی کہہ دیتے ہیں کہ جیسے چرواہا ساری بکریوں کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ اگر ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو بکری والا اس سے مطالبہ کرتا ہے ایسے ہی رب تعالٰی اس سے ماتحت بندوں کے متعلق سوال فرمائے گا"قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"مثلًا والد سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنی بیوی بچوں کو رزق کیوں نہ پہنچایا،یہ بھی سوال ہوگا کہ انہیں نیک کیوں نہ بنایا۔

۲؎ چونکہ سلطان کی حکومت وسیع ہے اس لیے اسکا حساب بھی وسیع ہوگا۔وزیر کے معنے ہیں بوجھ اٹھانے والا، وزر بوجھ کو کہتے ہیں،چونکہ اس پر تمام سلطنت کا بوجھ ہوتا ہے اس لیے اسے وزیر کہا جاتا ہے اسی لیے متقی لوگ حکومت،قضا اور سلطنت قبول نہ کرتے تھے۔

۳؎ یعنی مرد سے سوال ہوگا کہ تو نے اپنی بیوی بچوں کے شرعی حقوق ادا کیے یا نہیں،جن کا خرچہ تیرے ذمہ تھا انہیں خرچ دیا یا نہیں اور جن کی تعلیم تجھ پر لازم تھی انہیں تعلیم دی یا نہیں اور عورت سے سوال ہوگا کہ تو نے اپنے خاوند کی خدمت کی یا نہیں،خاوند کے مال اور اولاد کی خیر خواہی کی یا نہیں،بچوں کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے اس لیے ماں پر لازم ہے کہ انکی پرورش اور تربیت اچھی کرے،ماں فاطمہ زہرا جیسی پرہیزگار بنے تاکہ اس کی اولاد حسین جیسی ہونہار ہو اسی لیے اچھی لڑکیوں سے نکاح کرنا اچھا ہے کہ زمین اچھی ہو تو پیداوار بھی اچھی ہوتی ہے۔شعر

بے ادب ماں باادب اولاد جن سکتی نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

بتولے باش و پنہاں شوازیں عصر ‏ ‏ ‏ ‏ کہ در آغوش شبیرے بگیری

۴؎ کہ تو نے مولٰی کے مال میں خیانت تو نہیں کی اور اس کی خیر خواہی کی یا نہیں۔

۵؎ یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ہر شخص خود اپنے نفس اور اپنے اعضاء کا راعی و ذمہ دار ہے کہ اس سے اپنے اوقات،اپنے حالات،اپنے خیالات،آنکھ ناک کان وغیرہ کا حساب ہوگا کہ کہاں استعمال کیے،رب تعالٰی فرماتا ہے: "مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ"انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس کی بھی نگرانی ہوتی ہے۔شعر

عقل و ہوش و گوش نعمتہائے عرش ‏ ‏ ‏ ‏ خرچ کردی وچہ آور دی ز فرش

غرضکہ ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کو متعلق پُرشش ہوگی،اللہ تعالٰی ہی ہم گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے پردے رکھے لغزشیں معاف کرے۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے ا؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی والی جو مسلمان رعیت کا والی بنے ۲؎ پھر ان پر خیانت کرتا ہوا مر جائے ۳؎ مگر اللہ اس پر جنت حرام فرمادے گا ۴؎(مسلم،بخاری)

ا؎ معقل میم کے فتحہ اور عین کے کسرہ سے،آپ شجرہ والے صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت رضوان کی تھی،بصرہ میں قیام رہا،خواجہ حسن بصری آپ کے شاگرد ہیں۔(اشعہ)امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہاں والی سے عام والی مراد ہے سلطان ہویا حاکم،استاذ ہو یا ماں باپ،مسلمان رعایا کا ذکر اتفاقی ہے ورنہ اپنے ماتحت کفار رعایا اور کفار نوکر چاکروں کا بھی حساب ہوگا کہ ان کے شرعی حقوق ادا کیے یا نہیں۔

۳؎ غاش بنا ہے غش سے بمعنی ملاوٹ و کھوٹ،یہاں غاش سے مراد ہےان کے حقوق نہ ادا کرنے والااور یا ان پر حق سے زیادہ بوجھ ڈالنے والا۔(مرقات)اس میں بھاری ٹیکس وغیرہ سب داخل ہیں۔

۴؎ لہذا وہ نجات پانے والے مؤمنوں کے ساتھ جنت میں نہ جائے گا اور اگر ان جرموں کو حلال جانتا تھا تو کبھی جنت میں نہ جائے گا یا ایسے ظالم کے متعلق اندیشہ ہے کہ اس کا خاتمہ خراب ہو اور وہ دائمی دوزخی بن جائے،یہاں موت کا ذکر فرماکر یہ بتایا کہ مرتے دم تک توبہ کا اسے موقعہ ہے مگر جیسی خیانت ویسی توبہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی بندہ جسے اللہ تعالٰی کسی رعیت کا والی بنائے پھر رعایا کی خیرخواہی سے حفاظت نہ کرے مگر وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا ا؎(مسلم،بخاری)

ا؎ حالانکہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی راہ سے محسوس ہوتی ہے،اس جملہ کی بھی وہ ہی شرحیں ہیں جو ابھی اوپر کی حدیث میں جنت حرام ہونے کی گئیں،لہذا یہ حدیث مغفرت و شفاعت کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں حضور کے سارے فرمان برحق ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائذ ابن عمرو سے ا؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بدترین والی ظالم لوگ ہیں ۲؎(مسلم)

ا؎ آپ مدنی ہیں،بیعۃ الرضوان والے صحابہ میں سے ہیں،اواخر عمر میں بصرہ میں قیام فرمارہے،وہاں ہی وفات پائی،خواجہ حسن بصری وغیرہ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ رعاء رے کے پیش اور عین کے مد سے ہے راعی کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجار اور نحوی کی جمع نحاۃ اور رامی کی جمع رمات،حطمہ ح کے پیش اور ط کے فتحہ سے حاطم کی جمع مشتق ہے حاطم سے بمعنی توڑنا،کچل دینا یعنی بدترین سلطان و

حکام وہ ہیں جو رعایا کی کمر توڑ دیں،ان پر ٹیکسوں گرانیوں سخت احکام سے رعایا کو پریشان کردیں جیساکہ آج کل عمومًا دیکھا جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی جو میری امت کے کسی کام کا والی ہو پھر وہ ان پر مشقت بن جائے تو اس پر مشقت ڈال[1] اور جو میری امت کی کسی چیز کا والی ہو پھر ان پر نرمی کرے تو تواس پر نرمی کر[2] (مسلم)

[1] یہ اس آقائے دو جہاں کی بددعا ہے جو رحمۃ اللعالمین ہیں،امت پر ظلم سے قلب پاک کو بہت ہی تکلیف ہوتی ہے۔ظالم حاکم کی دنیا بھی برباد آخرت بھی خراب ہے،یہ بددعا دونوں مشقتوں کو شامل ہے۔شعر

پنداشت ستم گر کہ ستم برما کرو　　برگردن او بماند و برما بگذشت

[2] یہ دعا بھی بہت شاندار ہے رحمدل حاکم کو دین و دنیا میں کامیابی کی دعا ہے۔حکام و سلاطین کو چاہیے کہ اپنے پیارے نبی کی دعا لیں۔شعر

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر　　خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انصاف والے حکام[1] اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے[2] رب کی داہنی طرف اور رب کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں[3] وہ لوگ جو اپنے حکم میں اور اپنے بال بچوں میں اور جن کے حاکم ہوں ان میں انصاف کریں[4] (مسلم)

[1] **مقسط** باب افعال کا اسم فاعل ہے،اس کا مادہ **قسط** ہے بمعنی حصہ مگر اس میں لطف یہ ہے کہ مجرد کا اسم فاعل **قاسط** بمعنی ظالم آتا ہے یعنی دوسروں کا حصہ ظلمًا لے لینے والا اور باب افعال کا اسم فاعل بمعنی عادل آتا ہے یعنی لوگوں کو انکا حصہ دینے والا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا**"بعض شارحین نے فرمایا کہ **قسط** بمعنی ظلم ہے باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے لہذا **اقساط** کے معنے دفع ظلم **مقسط** بمعنی دفع ظلم کرنے والا یعنی عادل یا قاسط بنا قسوط بمعنی ظلم سے اور مقسط بنا ہے بمعنی انصاف سے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ**"۔غرضکہ اس کلمہ میں عجیب خوبی ہے۔

۲؎منابر جمع ہے منبر کی اور منبر اسم آلہ یا ظرف ہے منبر مصدر کا بمعنی اٹھانا اور چڑھانا،منبر چڑھانے اٹھانے کا آلہ یا اس کی جگہ۔محشر میں مؤمنوں کے مقامات مختلف ہوں گے کوئی مشک کے ٹیلوں پر کوئی نور کے منبروں پر۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں منبر اپنے حقیقی معنے میں ہے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳؎داہنا فرمانا صرف سمجھانے کے لیے ہے،بادشاہوں کے ہاں جسے عزت دیتے ہیں اسے سلطان کی داہنی طرف جگہ دیتے ہیں،قرب وعزت کے بیان کے لیے یمین فرمایا گیا اور ظاہری معنے سے براءت کے لیے ارشاد ہوا کہ اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف یمین کی نسبت تو کی جاتی ہے مگر شمال میں بائیں کی نسبت نہیں کی جاتی کہ یمین بنا ہے یمن سے بمعنی برکت،شمال کی نسبت رب کی طرف بے ادبی ہے۔(از مرقات)

۴؎حکمھم سے مراد ہے سلطنت و حکومت و قضاء جس کا تعلق عام رعایا سے ہے اور اھلھم سے مراد اپنے بال بچے نوکر چاکر ہیں جن کا تعلق گھر سے ہے اور ماولوا سے مراد وہ یتیم بیوگان وغیرہ ہیں جن کی پرورش اس کے ذمہ آن پڑی ہے۔غرضکہ سیاست مدنی اور تدبیر منزل سب میں عدل و انصاف کرتے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ ماولوا میں خود اپنی ذات بھی داخل ہے یعنی اپنے متعلق بھی انصاف سے کام لیتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کی امت کی تین قسمیں فرمائیں:ظالم،مقتصد اور سابق،سابق وہ ہے جو اپنے اندر عدل و احسان دونوں جمع کرے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں بھیجا اللہ نے کوئی نبی اور نہیں خلیفہ بنایا کوئی خلیفہ ۱؎ مگر اس کے دو مشیر ہوئے ایک مشیر تو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا مشیر انہیں برائی کا مشورہ دیتا ہے اس کی رغبت دیتا ہے ۲؎ محفوظ وہ جسے اللہ بچالے ۳؎(بخاری)	

۱؎یا تو خلیفہ سے مراد حضرات انبیاء کرام ہی ہیں عطف تفسیری،رب تعالٰی نے آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:"اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً"اس سے مراد سلطان ہے۔

۲؎بطانہ لغت میں استر کو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بَطَآئِنُہَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ"اس کا مقابل ظھارہ بمعنی ابرہ،اصطلاح میں اندرونی یار،دخیل کار،مشیر خاص کو بطانہ کہا جاتا ہے کہ وہ استر کی طرح اس سے ملا رہتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اور برے مشیر قدرتی طور پر ہوتے ہیں۔

۳؎یعنی برے مشیر سے ہم محض اپنی طاقت سے بچ نہیں سکتے ہیں،رب بچائے تو بچ سکتے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اچھے مشیر سے مراد فرشتہ ہے اور برے مشیر سے مراد قرین شیطان۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فضل کیا کہ حضور کا قرین مسلمان ہوگیا جیساکہ ترمذی وغیرہ کی روایات میں ہے۔اصطلاح شریعت میں معصوم صرف حضرات انبیاءکرام ہیں اور فرشتے بعض اولیاء محفوظ ہیں۔معصوم وہ جو گناہ نہ کرسکے محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے،یہاں معصوم

لغوی معنے میں ہے جو محفوظ کو بھی شامل ہے۔ہاروت و ماروت فرشتوں سے گناہ اس لیے ہوا کہ ان میں عارضی طور پر بشریت شامل کردی گئی تھی لہذا ان کے واقعہ سے فرشتوں کی عصمت پر اعتراض نہیں ہوسکتا،رب تعالیٰ فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے"لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ"۔اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب تفسیر نعیمی کلاں پارہ اول میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ قیس ابن سعد[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے تھے جیسے امیر کے پولیس والے[2] (بخاری)	

[1] قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری،خزرجی بڑے مشہور صحابی ہیں صاحب کرم ذہین فطین معاملہ شناس انتظام میں یکتا،دراز قد بھاری بھرکم تھے،خلافت حیدری میں آپ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے، ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں شہید کیے گئے۔(اکمال)

[2] شرط شین کے ضمہ سے بمعنی علامت و نشان۔سپاہی اور حاکم کے احکام نافذ کرنے والے کو شرطی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کی نشانی ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام نافذ کرتے تھے اور قیس ابن سعد احکام رسول جاری فرماتے تھے قید کرنا فیصلہ سنانا وغیرہ وغیرہ۔معلوم ہوا کہ سلطان کے ماتحت ایسے لوگوں کا ہونا سنت ہے جو شاہی فرمان جاری کرے۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ فارس والوں نے اپنا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنالیا[1] تو فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی(ہمیشہ ناکام نامراد رہے گی) جنہوں نے اپنے کام کا حاکم عورت کو بنایا[2] (بخاری)	

[1] کسریٰ شاہ فارس کا لقب تھا،قیصر شاہ روم کا،عزیز شاہ مصر کا،تبع شاہ یمن کا،کسریٰ معرب ہے خسرو سے بمعنی بڑے ملک والا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ شاہ فارس فوت ہوگیا تو فارسی لوگوں نے اس کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا۔

[2] یعنی جس قوم کی سلطان یا حاکم عورت ہو وہ قوم ناکام نامراد رہے گی،یہاں اشعہ نے فرمایا کہ عورت ولایت اور امارت کے لائق نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ عورت امام یا قاضی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ عہدے کامل عقل اور آزادی چاہتے ہیں،عورت ناقص العقل بھی ہے اور گھر میں مقید بھی۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک جن چیزوں میں عورت کی گواہی درست ہے ان میں عورت کی قضاء بھی درست ہے۔قضاء سے مراد پنچ ہے نہ کہ جج یعنی عورت خاص شخصوں کی پنچ بن سکتی ہے وہ ناقص کہ جہاں اس کی گواہی درست نہیں وہاں وہ پنچ نہیں بن سکتی لہذا احناف کا یہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔۱۳۸۴ھ یعنی ۱۹۶۵ء کے جنوری کے پاکستانی صدر کے انتخاب میں اس حدیث کا معجزہ دیکھا گیا کہ

یہاں تمام وہابی روافض وغیرہ بدمذہبوں نے ایک عورت کو صدرات پاکستان کے لیے کھڑا کیا اور ان تمام جماعتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا صرف اہل سنت اس کے خلاف رہے،اہل سنت کی دلیل یہ ہی حدیث تھی،اللہ تعالٰی نے صرف اس حدیث پاک کی برکت سے اہل سنت کو فتح مبین عطا فرمائی کہ ملک عورت کی صدارت اور مخالفین ملک کی شرارت سے محفوظ رہا اور عورت کامیاب نہ ہوسکی۔

الحمدللہ علی ذلك وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبه صاحب اللواء المعقود و صاحب المقام المحمود واله واصحابه وسلم

بہرحال اسلام میں سلطان اور حاکم کے لیے مرد ہونا شرط ہے۔چنانچہ شرح عقائد نسفی ص۲۲۴ میں فرماتے ہیں کہ حاکم مسلمان آزاد عاقل بالغ اور مرد چاہیے عورتیں ناقص العقل بھی ہیں اور ناقص دین بھی۔ تفسیرات احمدیہ میں مولانا احمد جیون فرماتے ہیں کہ نبوت،خلافت امامت،اذان خطبہ مردوں کے لیے خاص ہے،بلقیس کا زمانہ سلیمان میں بادشاہ ہونا ایسا ہی تھا جیسے عیسائیوں میں ملکہ وکٹوریہ یا بلکہ الزبتھ بادشاہ ہوئیں،اسلام کے یہ خلاف ہے۔سرکار کے **لن یفلح قوم** فرمانے میں دو عجیب اشارے ہیں:ایک یہ کہ تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ہوگی مگر عورت کو حاکم بنانے کی سزا دنیامیں بھی ملے گی آخرت میں بھی۔ دوسرے یہ کہ دوسرے گناہوں کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہوتا ہے کہ احکام اسلامی ان پر ہی جاری ہوتے ہیں مگر عورت کو سرداری دینے کی شامت ایسی ہے کہ کفار بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں غرضکہ یہ جرم بہت سخت ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حارث اشعری ۱؎سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جماعت کا۲؎اور سننے و فرمانبرداری کرنے اورہجرت اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا ۳؎جو جماعت سے ایک بالشت برابر نکل گیا اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن سے نکال دیا ۴؎مگر یہ کہ لوٹ آئے ۵؎اور جو جاہلیت کے بلاوے سے بلائے ۶؎تو وہ دوزخ کی جماعتوں میں سے ہے ۷؎اگرچہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے ۸؎(احمد،ترمذی)	

۱؎آپ حارث ابن حارث اشعری ہیں،شام میں قیام رہااس لیےآپ کو شامی بھی کہا جاتا ہے،آپ صحابی ہیں اورآپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث منقول ہے،ابو سلام حبشی کے استاذ ہیں۔

۲؎کہ عقائدواعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہو جس چیز پر امت مسلمہ کا اجماع ہوجائے اس کا اتباع کرو اور سلف صالحین کی پیروی کرو۔(مرقات واشعہ)

۳؎ علماء واولیاء کی حق باتیں سنو ان کی اطاعت کرو اور حاکم اسلام کی اطاعت ہر جائز حکم میں کرو اور مکہ معظّمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت کرو یا جہاں اسلامی آزادی نہ ہو کفار سے جہاد کبھی اور کسی کو نصیب ہوتا ہے مگر نفس سے جہاد ہر وقت ہر مسلمان کو کرنا پڑتا ہے۔(مرقات)رب تعالٰی فرماتا ہے:"قٰتِلُوا الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَكُمۡ مِّنَ الۡكُفَّارِ "اپنے قریبی کافروں سے جہاد کرو سب سے قریبی کافر اپنا نفس ہے۔

۴؎ قِید قاف کے کسرہ ی کے جزم سے بمعنی قدروبرابر،شبر شین کے کسرہ ب کے سکون سے بمعنی بالشت،ربقه ر کے فتحہ سے رسّی کا وہ پھندا جو بکری کے گلے میں ہوتا ہے۔(اشعہ و مرقات)یعنی جو عقائدواعمال سے تھوڑا سا بھی جماعت مسلمین کے خلاف ہوجائے تو اس نے اسلام کے ذمہ اور رب کا عہد توڑ دیا۔

۵؎ یعنی اپنی بدعقیدگی سے توبہ کرے تو دروازۂ توبہ کھلا ہوا ہے۔

۶؎ جیسے اسلام سے پہلے کفار اپنی مدد کے لیے اپنے دشمن کے مقابل اپنے کنبہ یا قوم کو پکارتے تھے اور وہ قوم والے اس کی امداد کو بغیر سوچے سمجھے دوڑ پڑتے تھے خواہ وہ ظالم ہوتا یا مظلوم یعنی قومیت کی جنگ،آج کل ہم لوگوں میں صوبائی قومی ملکی تعصب بہت ہے،یہاں اس کی برائی بیان ہورہی ہے۔

۷؎ جثی جمع ہے جثوۃ کی جیم کے فتحہ یا کسرہ یا پیش سے جماعت و گروہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ نَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡهَا جِثِیًّا"۔جثوۃ لغت میں ریت کے ڈھیر کو کہتے ہیں جہاں ذروں کا اجتماع ہو،پھر بڑی جماعت کو جثوہ کہنے لگے کہ اس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

۸؎ معلوم ہوا کہ پختہ مسلمان ہونے کے لیے عبادات کے ساتھ درستی معاملات بھی ضروری ہے انسان کی جانچ معاملات سے ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت زیاد ابن کسیب عدوی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں ابوبکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے تھا ۲؎ وہ خطبہ پڑھ رہا تھا اور اس پر باریک کپڑے تھے تو ابوبلال نے کہا ۳؎ کہ امیر کو دیکھو فاسقوں کا لباس پہنتا ہے ۴؎ تو ابوبکرہ بولے چپ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو زمین میں اللہ کے بادشاہ کی توہین کرے اللہ اسے ذلیل کرے ۵؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ آپ تابعی ہیں،مصری ہیں،ثقہ ہیں،کسیب کاف کے ضمہ سے ہے مصغر۔(اکمال)

۲؎ عبداللہ ابن عامر ابن کریز اُموی حضرت عثمان ابن عفان کے ماموں ہیں،حضور کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی،حضرت عثمان نے آپ کو بصرہ و خرسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔

۳؎ غالبًا آپ ابوبردہ ابن سعد ابن ابوموسیٰ اشعری ہیں،آپ کے بیٹے کا نام بلال ہے،آپ بصرہ کے حاکم تھے۔

۴؎ یا تو کپڑے ریشمی تھے یا تھے تو سوتی مگر تھے باریک جیسے کہ عیش پسند مال داروں کا لباس ہے،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ سلطان اسلام کے وقار سے اسلام کا وقار،مسلمانوں کا رعب،ملک کا انتظام ہے،جب اس کا وقار ہی ختم ہوگیا تو یہ سب کچھ ختم ہوگیا۔باریک کپڑے پہننا حرام نہیں مگر وقارِ سلطان بگاڑنا حرام ہے۔

حکایت: حضرت امام جعفر صادق ایک بار نہایت اعلیٰ جبہ پہنے تھے سفیان ثوری نے عرض کیا اے ابن رسول اللہ یہ لباس آپ کے لیے موزوں نہیں توآپ نے سفیان کا ہاتھ اپنی آستین میں ڈالا دیکھا کہ نیچے پشمینہ کا جبہ ہے فرمایا یہ اوپر کا لباس مخلوق کے لیے ہے اوریہ اندرونی لباس خالق کے لیے۔(مرقات)الناس باللباس آج کل اعلیٰ لباس ذریعہ عزت ہے۔

حکایت: فرقہ سنجی جو ٹاٹ کے کپڑے پہنتا تھا حضرت امام حسن کی خدمت میں حاضر ہواآپ نہایت اعلیٰ جوڑا پہنے تھے،وہ بنظر اعتراض آپ کے کپڑے چھونے لگا توآپ نے فرمایا کیا دیکھتا ہے مجھ پر جنتیوں کا لباس ہے اور تجھ پر دوزخیوں کا لباس ہے،پھر فرمایا اکثر ٹاٹ پہننے والے دوزخی ہوں گے جن کے جسم پر ٹاٹ ہے دل میں تکبر ہے۔(مرقات)

روایت ہے نواس ابن سمعان سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خالق کی نافرمانی میں سے مخلوق کی اطاعت نہیں ۲؎(شرح سنہ)	

۱؎ نواس نون کے فتحہ واؤ کے شد سے،سمعان سین کے فتحہ میم کے کسرہ سے،آپ صحابی ہیں شام میں قیام رہا۔

۲؎ یعنی کوئی بندہ گناہ کا حکم دے یا نیکی سے منع کرے تو اس کی بات نہ مانو اگرچہ وہ باپ،استاذ،مرشد،حاکم یا بادشاہ ہو،لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ایسی چیز کا حکم دیں جو بظاہر خلاف قرآن و حدیث معلوم ہوتی ہوتو اس کا کرنا واجب ہے کہ اس حکم کے صادر ہونے سے اس شخص کے نام وہ گناہ رہا ہی نہیں نیکی بن گیا،اس کی صد ہا مثالیں موجود ہیں۔اگر کسی کو حضور بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس پر نماز چھوڑنا فورًا حاضر ہوجانا واجب،رب تعالیٰ فرماتاہے:"اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ" اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھئے۔حضور کے حکم سے بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت کعب پر ان کی بیوی حرام رہیں،حضرت عبداللہ ابن تملیک کو ابو رافع کے قتل کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی وغیرہ وغیرہ۔یہاں مرقات نے عجیب بات فرمائی کہ "أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ"میں رسول کے لیے اطیعوا علیحدہ ارشاد ہوا اور اولی الامر کے لیے علیحدہ استعمال نہ ہوا کیونکہ اطاعت رسول مستقلًا واجب ہے مگر اطاعت اولی الامر اس شرط سے واجب ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف حکم نہ دیں،نیز مرقات میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے کہ یہود نے انہیں بہتان لگائے عیسائیوں نے انہیں حد سے بڑھایا، بعض تمہیں حد سے بڑھادیں گے بعض بہتان لگائیں گے،فرمایا مجھے حد سے بڑھانے والے محب بھی ہلاک ہوں گے،بہتان لگانے

والے دشمن بھی ہلاک ہوں گے میں نبی اور صاحب وحی نہیں ہوں اگر میں تم کو اچھی بات کا حکم دوں تو میری اطاعت کرو اگر بری بات کا حکم دوں میں یا کوئی اور تو اطاعت جائز نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے کوئی کسی کنبہ کا سردار مگر وہ قیامت کے دن طوق میں لایا جائے گا حتی کہ یا تو اسے انصاف چھوڑ دے یا اسے ظلم ہلاک کردے ۱(دارمی)	

۱یہاں سردار سے مراد وہ سردار ہیں جو خواہش نفس کے لیے بخوشی اور بکوشش سردار بنے یعنی ایسے سردار اگرچہ دس آدمیوں کے افسر ہوں مگر قیامت میں طوق بگردن آئیں گے پھر آگے حساب کے بعد یہ طوق اتر جائے یا لازم ہوجائے،عادل تھے رہائی پائیں گے،ظالم تھے تو پکڑ میں آجائیں گے،لہذا یہ حدیث حضرت سلیمان علیہ السلام یا خلفائے راشدین یا یوسف علیہ السلام کے لیے نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابی ہے حکام کے لیے خرابی ہے سرداروں کے لیے خرابی ہے امانت داروں کی۱قومیں آرزو کریں گی قیامت کے دن کہ ان کی پیشانیاں ثریا تارے میں لٹکی ہوتیں،آسمان و زمین کے درمیان ہلتے ہوتے اور انہوں نے سرداری نہ لی ہوتی ۲(شرح سنہ،احمد)اور احمد کی روایت میں ہے کہ ان کے گیسو ثریا تارے میں لٹکے ہوتے،آسمان و زمین کے درمیان قلابازیاں کھاتے اورکسی چیز پر حکومت اختیار نہ کرتے۳	

۱**امراء** سے مراد سلطان و حکام ہیں اور **عرفاء عریف** کی جمع ہے اس سے مراد وہ چوہدری و نمبردار ہیں جو حاکم و رعایا کے درمیان واسطہ ہوں کہ رعایا کے معاملات حکومت کو پہنچاتے ہوں اور **امین** سے مراد خزانچی وغیرہ ہیں جو حکومت کی طرف سے ٹیکس،خراج وغیرہ کے نگہبان ہوں،اس میں یتیموں کے والی اور وصی بھی داخل ہیں۔چونکہ ان عہدوں پر پہنچ کر اپنے کو حقوق سے بچانا بہت مشکل ہوتا ہے اس لیے یہ ارشاد ہوامگر خیال رہے کہ یہاں بھی روئے سخن ان کی طرف ہے جو نفس کے لیے بکوشش یہ عہدے حاصل کریں۔

۲اس جملہ نے شرح فرمادی کہ امراء عرفاء سے وہ ہی مراد ہیں جو کوشش کرکے عیش کے لیے امیر بنیں یعنی ایسے حکام،چوہدری قیامت کا عذاب دیکھ کر آرزو کریں گے کہ ہم کو پیشانی کے بالوں سے آسمان سے لٹکا دیا جاتا ہم وہاں ہچکولے کھاتے یہ اچھا ہوتا اس امارت و وزارت سے،آج ہمیں ایسی ندامت ذلت،رسوائی اور عذاب نہ ہوتے۔**اقوام** فرماکر اشارۃً فرمادیا کہ سارے بادشاہ سردار یہ تمنا کریں گے بلکہ ان میں سے بعض قومیں یعنی ظالمین یا عیش پرست۔

۳؎ ظالم عیش پرست حکام کا تو یہ حال ہوگا مگر عادل سلاطین خلفاء کی یہ عزت ہوگی کہ وہ نور کے منبروں پر ہوں گے رب سے بہت قریب۔ان تمام وعیدوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حکومت کے طالب نہ بنیں کیونکہ نفس انسانی حکومت و سرداری کا خواہاں ہے۔خیال رہے کہ ملک قوم و دین کو سلطان کی بھی ضرورت ہے حکام کی بھی مگر یہ چیزیں ہیں بہت خطرناک الا من عصمه الله۔

روایت ہے غالب قطان سے ۱؎ وہ ایک صاحب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے ۲؎ راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرداری حق ہے ۳؎ اور لوگوں کو سرداروں کی ضرورت ہے لیکن سردار ہوں گے آگ میں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،آپ غالب ابن ابی غیلان ابن خطاف قطان بصری ہیں، ثقہ ہیں،خواجہ حسن بصری اور سعید ابن جبیر کے شاگرد ہیں۔

۲؎ یہ صاحب اور انکے والد تو مجہول ہیں خبر نہیں کون ہیں ان کے دادا اگرچہ مجہول ہیں مگر صحابی ہیں،چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں اس لیے انکا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

۳؎ یہاں حق بمعنی ضروری و لازم ہے یعنی ملک،قوم اسلام کو بادشاہ حکام کی ضرورت ہے کہ ان سے دین بھی قائم ہے دنیا بھی برقرار۔

۴؎ یعنی عمومًا سردار ہیں دوزخی کہ اکثر لوگ حکومت پاکر ظلم و تعدی کرتے ہیں لہذا جسے سردار بننا پڑجائے وہ بہت احتیاط سے کام کرے کہ تلوار کی دھار پر ہے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں احمقوں کی سلطنت سے تم کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں ۲؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا چیز ہے ۳؎ فرمایا کچھ سلاطین میرے بعد ہوں گے ۴؎ جو ان کے پاس گیا ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ظلم پر ان کی مدد کی تو نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ ہی میں ان سے ۵؎ اور وہ حوض پر میرے پاس ہرگز نہ پہنچیں گے ۶؎ اور جو ان کے پاس نہ گیا اور نہ سچ کہا ان کے جھوٹ کو اور نہ ان کی ظلم پر مدد کی تو وہ میرے ہی ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس پہنچیں گے ۷؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ عجرہ عین اور جیم کے پیش اور ر کے فتحہ سے ہے،آپ صحابی ہیں،انصار کے حلیف ہیں،بعض نے کہا انصار سے ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے۔آپ کے اسلام کا واقعہ یہ ہوا کہ آپ کا ایک بت تھا جس کی آپ پرستش کرتے تھے،حضرت عبادہ ابن صامت سے آپ کی بڑی پرانی دوستی تھی،ایک دن حضرت عبادہ ان سے ملنے گئے جب ان کے گھر سے نکلے تو چپکے سے اس بت کے ٹکڑے کر ڈالے جب آپ نے اپنے بت کی یہ حالت دیکھی تو قریب تھا کہ حضرت عبادہ سے الجھ پڑیں مگر دل سے آواز آئی کہ اے کعب اگر بت میں خدائی ہوتی تو اپنے کو بچالیتا،جو اپنی مدد خود نہ کرسکا وہ تیری مدد کیا کرے گا اسی وقت مسلمان ہوگئے۔(اشعہ)آخر میں کوفہ میں قیام رہا مگر مدینہ منورہ میں وفات پائی،پچھتر سال عمر ہوئی، ۵۱ھ میں وصال ہوا،مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ سفہاء جمع ہے سفیہ کی اور سفیہ بنا ہے سفہ سے بمعنی خفت و ہلکا پن،سفیہ کے معنے ہیں ہلکی عقل والا یعنی کم عقل یعنی تم کو اللہ کی امان میں دیتا ہوں اس سے کہ تم پر احمق بادشاہوں کا داؤ چلے یا اس لیے کہ تم ان کی طرف مائل ہو۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم نا اہل بادشاہوں کا زمانہ پاؤ گے مگر ان شاءاللہ ان کے شر سے محفوظ رہو گے،جسے حضور اپنے دامن میں چھپالیں اس کا کوئی کیا بگاڑے۔شعر

ڈھونڈھا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی   وہ کس کو ملے جو تیرے دامن میں چھپا ہو

۳؎ یعنی یہ سلطنت کیسے ہوگی،کیا کرے گی اور کب ہوگی اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

۴؎ ظالم،جھوٹے،بے عقل جیسے یزید ابن معاویہ،حجاج ابن یوسف وغیرہم،اس میں حضرات خلفاء راشدین داخل نہیں ورنہ پھر حضرت علی بھی اسی وعید میں داخل ہوں گے جو آگے آرہی ہے خود حضرت کعب ابن عجرہ نے بھی یہ خلافتیں پائیں اور ان کی حمایت کی،بہرحال جو ہم نے عرض کیا وہ ہی درست ہے۔

۵؎ یعنی وہ مجھ سے بے تعلق ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔اللہ کی پناہ!خیال رہے کہ ظلم پر مدد کرنے کی کئی صورتیں ہیں:ان ظالموں کو ظلم کی رغبت دینا،ان کے ظلمی قانون کو رائج کرنا،ان کے ظلم میں ان کا ہاتھ بٹانا،ان کے ظلم کی حمایت کرنا یہ کہنا کہ یہ احکام حق ہیں،غرضکہ اس میں بہت وسعت ہے۔کسی درزی نے حضرت سفیان ثوری سے پوچھا کہ ظالم حکام کے کپڑے سینا کیسا تو آپ نے فرمایا کہ جو ظالم سلطان کے کپڑے سینے کے لیے درزی کے ہاتھ سوئی فروخت کرے وہ اس آیۃ کریمہ میں داخل ہے "وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا "الایہ۔(مرقات)

۶؎ یعنی حوض کوثر پر جو جنت میں ہے یا اس کی نہر پر جو میدان محشر میں ہے جہاں حضور کی امت پانی پی کر حشر کی پیاس بجھائے گی مطلب یہ ہے کہ فائزین کے ساتھ نہ پہنچیں گے۔

۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ ان ظالموں سے قریب ہونا مجھ سے دور ہونا ہے اور ان سے دور ہونا مجھ سے قریب ہونا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو ظالم کے ظالمانہ حکم سے راضی ہو اگرچہ اس ظالم سے غائب ہو مگر وہ حاضر ہے اور آپ نے یہ ہی آیت پڑھی "وَلَا تَرْكَنُوْۤا "الایہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو بن باسی ہوا وہ سخت

دل ہوگیا ۱ جو شکار کے پیچھے رہا وہ غافل ہوگیا ۲ جو بادشاہ کے پاس پہنچا وہ فتنہ میں پڑا ۳ (احمد،ترمذی، نسائی)اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے جو بادشاہ سے چمٹ گیا ۴ وہ فتنہ میں پڑگیا اور نہیں بڑھاتا کوئی بندہ بادشاہ سے قرب مگر بڑھا لیتا ہے اللہ سے دوری ۵	

۱ یعنی دیہات کے باشندے اکثر سخت دل ہوتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا"۔کیونکہ انہیں علم کی روشنی علماء کی صحبت نہیں نصیب ہوتی لہذا خود عالم دین جو دیہات میں رہیں اور وہ دیہات والے جو علماء سے تعلق رکھیں اور شہر میں آجاتے رہیں وہ اس حکم سے خارج ہیں۔

۲ یعنی جو شکار کا شغل اپنا وطیرہ بنالے کہ محض شوقیہ شکار کھیلتا رہے وہ اللہ کے ذکر،نماز و جماعت جمعہ،رقت قلب سے محروم رہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکار نہ کیا۔(اشعہ)بعض صحابہ نے شکار کیا ہے مگر شکار کرنا اور ہے اور شکار کا مشغلہ وہ بھی محض شوقیہ کچھ اور شکار کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے یہاں مشغلہ شوقیہ کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث حکم قرآن کے خلاف نہیں۔

۳ یعنی جو عزت و دولت کمانے کے لیے ظالم بادشاہ کا درباری اور حاضر باش بنا وہ اپنا دین یا دنیا تباہ کرلے گا کیونکہ اگر وہ اس کے ظلم کی حمایت کرے گا تو اپنا دین برباد کرلے گا اور اگر اس کی مخالفت کرے گا تو اپنی دنیا برباد کرلے گا لہذا جو کوئی عادل بادشاہ کا مصاحب بنے اس کے عدل کی حمایت کرنے تک میں دین کا رواج دینے کو اور اسے اچھے مشورے دے تو وہ اعلٰی درجے کا مجاہد ہے،یوں ہی ظالم بادشاہ کی اصلاح کے لیے اس کے ساتھ رہے تو وہ غازی ہے مگر ایسا بہت مشکل ہے لہذا حضرت علی کو خلفاء راشدین کا مصاحب بننااور حضرت امام ابو یوسف کا سلطان ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بننا گناہ نہ تھا ثواب تھا،امام ابویوسف کی یہ قضاء حنفی مذہب کی اشاعت کا ذریعہ بنی۔

۴ اس طرح کہ ہر وقت اس کے ساتھ رہا وہ امید نان اور خوف جان میں مبتلا۔ہوگیا حضرت عطار نے کیا خوب فرمایا۔

ع قرب سلطاں آتش سوزاں بود

۵ اس فرمان عالی کا مقصد بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ ظالم بادشاہ سے قرب رب تعالٰی سے دوری کا ذریعہ ہے اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا من ازداد علما ولم یزدد فی الدنیا زاهدا لم یزدد من اللہ الا بعدا جو علم بڑھائے دنیا سے بے رغبت نہ ہو وہ اللہ سے دوری میں ہی اضافہ کرے گا۔

روایت ہے مقدام ابن معدیکرب سے ۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے قدیم ۲ تم کامیاب ہوجاؤ گے اگر ایسے مرو کہ نہ حاکم ہو نہ منشی ۳ اور نہ سردار ۴ (ابوداؤد)	

۱ آپ کے حالات بیان ہوچکے کہ آپ صحابی ہیں،۹۱ سال عمر پائی، ۸۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎ کندھے پر ہاتھ رکھنا،**قدیم** تصغیر فرماکر خطاب کرنا کرم و محبت کے لیے ہے۔

۳؎ یعنی سلطان یا حاکم کے منشی۔

۴؎ **عریف** کے معنے یا تو وہ ہی ہیں جو عرض کیے گئے نمبردار چودھری جو بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ ہو یا اس کے معنے مشہور آدمی جسے سب پہنچانیں۔فقہاء فرماتے ہیں خمول رحمت ہے شمول آفت ہے،مولانا برکات فرماتے تھے کہ شریف وہ ہے جو نہ ہمیں پہنچانے نہ ہم اسے پہچانیں حالانکہ آپ والی مکہ تھے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ٹیکس وصول کرنے والا نہ جائے گا۱؎ یعنی جوکہ لوگوں سے عشر لیتا ہے ۲؎(ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ اس قسم کے فرمانوں کی شرح گزشتہ حدیث میں کی جاچکی ہے کہ فائزین کے ساتھ اول ہی سے جنت میں نہ جاسکے گا کیونکہ ٹیکس لگانے والے اور ٹیکس وصول کرنے والے اکثر ظالم اور رشوت خور ہوتے ہیں مگر جسے خدا بچائے،**مکس** کا ترجمہ ٹیکس نہایت مناسب ہے،آج کل عربی میں مال کے ٹیکس کو **جمرك** اور آدمی کے ٹیکس کو **کوشان** کہتے ہیں۔

۲؎ یہاں **عشر** سے مراد پیداوار کا دسواں حصہ اور خراج اور راستہ کی چونگی باہر سے آنے والے مال کا ٹیکس وغیرہ سب ہے،یہ تفسیر اس حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق ابن مندہ کی ہے۔لفظ **یعنی** فرماکر انہوں نے فرمایا کہ صاحب مکس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عشر لینے والا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کو زیادہ پیارا اور اللہ سے زیادہ قریب جگہ والا انصاف والا بادشاہ ہے۱؎ اور قیامت کے دن تمام لوگوں میں اللہ کو زیادہ ناپسند اور بہت سخت عذاب والا اور ایک روایت میں ہے کہ رب سے بہت دور مجلس والا ظالم بادشاہ ہے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۳؎	

۱؎ قریب جگہ سے مراد عزت اور مرتبہ ہے یعنی دوسرے بادشاہوں کے مقابلہ میں عادل بادشاہ اللہ تعالٰی سے زیادہ درجہ ومرتبہ والا ہوگا یا عادل بادشاہ انصاف وعدالت کے لحاظ سے زیادہ قرب والا ہوگا لہذا اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ عادل بادشاہ حضرت صدیق اکبروفاروق اعظم یا دیگر صحابہ کرام سے زیادہ درجہ والا ہوجائے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ آج کل کے بادشاہوں کو عادل کہنا کفر ہے،مرقات کا یہ فتویٰ بالکل درست ہے کہ موجودہ بادشاہوں کا حال سب کو معلوم ہے اور ظلم کو عدل کہنا تمام فقہاء کے نزدیک کفر ہے۔

۲؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا ظالم بادشاہ ظلم کے اعتبار سے غیر ظالم سے کہیں بدتر ہوگا لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ مسلمان ظالم بادشاہ ابوجہل وغیرہ سے بدتر ہو۔خیال رہے کہ ظالم حاکم اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رعایا کے حقوق مارتا ہے اس پر حقوق کا زیادہ بوجھ ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام احمد نے بھی اپنی موطا میں روایت فرمائی،امام احمد ابن حنبل کے بیٹے نے اپنی کتاب زوائدالدھر میں امام حسن سے مرسلًا نقل فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا پیارا بندہ وہ ہے جو بندوں کا خیر خواہ ہو۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا جہاد اس کا ہے ۱؎ جو ظالم بادشاہوں کے پاس حق بات کہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد، ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں عبارت میں یا تو من سے پہلے **جہاد** پوشیدہ ہے یا **افضل** کے بعد **اھل** پوشیدہ یعنی **افضل اھل الجہاد من قال** یا **افضل الجہاد جہاد من قال** لہٰذا نحوی اعتراض اس پر کوئی نہیں۔

۲؎ اگرچہ ایک کلمہ ہی ہو جیسے ہاں یا نہیں مثلًا فاسق بادشاہ اس سے پوچھے کیا داڑھی منڈانا اچھا ہے،وہ کہہ دے نہیں،یہ نہیں کہنا بڑا جہاد ہے،یہ جہاد اس لیے افضل ہوا کہ کفار پر جہاد کرنے والے کو اپنی موت کا یقین نہیں ہوتا،شاید باز آئے یا مارا جائے مگر اس اللہ کے بندے کو اپنی موت یا جانی مالی نقصان کا یقین ہوتا ہے کیونکہ یہ اس ظالم کے قبضہ میں ہوتا ہے،نیز اگر بادشاہ اس کی اس تبلیغ سے ظلم سے باز آجائے تو ایک مخلوق کو ظلم سے رہائی نصیب ہوجائے گی،قتل کافر سے ایک کافر کم ہوگا مگر اس تبلیغ سے خلق خدا کو فائدہ ہوگا،نیز یہ کلمہ اپنے نفس پر بڑا جہاد ہے کہ ایسے بادشاہ کے سامنے خوشامد کرنے کو نفس چاہتا ہے۔امام غزالی نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کو تبلیغ صرف وعظ و نصیحت سے ہوسکتی ہے قہر سے نہیں وہ بھی نرمی سے کیونکہ اسے ظالم جابر کہہ کر پکارنا گالیاں دینا سخت فتنہ کا باعث ہے۔(احیاء العلوم،مرقات)شہد کی ایک بوند بہت سی مکھیوں کو جمع کرلیتی ہے مگر سرکہ کا ایک گھڑا مکھی کو نہیں بلاسکتا۔

اور احمدونسائی نے طارق ابن شہاب سے روایت کی ۱؎	

۱؎ طارق ابن شہاب صحابی ہیں مگر آپ کی روایات بہت ہی کم ہیں خلافت صدیقی میں آپ نے ۳۴ غزوہ کیے ۶۰ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالٰی بادشاہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے سچا وزیر دیتا ہے ۱؎ کہ جب یہ بھول جائے تو اسے یاد دلائے اور اگر یاد کرے تو اس کی مدد کرے ۲؎ اور جب اس کے لیے اس کے سوا کا ارادہ کرتا ہے تو اسے برا وزیر دیتا ہے،اگر بھول جائے تو اسے یاد نہ دلائے اور اگر یاد کرے تو اس کی مدد نہ کرے ۳؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی جب اللہ تعالٰی کسی بادشاہ کی بھلائی چاہتا ہے کہ دین و دنیا اس کی درست رہے تو اسے اچھے وزیرومشیر عطا فرماتا ہے۔وزیر کے معنے ہیں بوجھ اٹھانے والا،وزر کے معنے بوجھ بھی ہیں اور گناہ بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا"اور فرماتاہے:"يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ"چونکہ وزیر پر سلطنت کا بہت بوجھ ہوتا ہے اس لیے اسے وزیر کہتے ہیں۔

۲؎ کہ اگر بادشاہ کسی معاملہ میں حکم شرعی بھول جائے تو اسے وزیر بتادے یادشدہ حکم کے جاری کرنے میں بادشاہ کا معاون و مددگار ہو۔سبحان اللہ! اچھا وزیر رب تعالٰی کی رحمت ہے،ایسے ہی اچھی بیوی مرد کے لیے اللہ کی بخشش ہے۔

۳؎ کسی خوشامدی ملحد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ گزشتہ خلافتوں میں فتوحات وخیر بہت ہوئی،آپ کی خلافت میں فتنے زیادہ ہوئے اسکی کیا وجہ ہے؟آپ نے فورًا جواب دیا کہ ان خلفاء کے ہم وزیر تھے اور ہم کو وزیر ملے تم۔تواریخ کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوآپ کے مشیروں وزیروں نے بہت ہی پریشان کیا،نہروانیوں نے پہلے خودہی زور دیا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو علی مرتضٰی اپنا حکم و پنچ بنا لیں بعد میں خود ہی بولے کہ علی مشرک ہوگئے کہ انہوں نے ماسوئ اللہ کو حکم بنالیا،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"اور پھر حضرت علی سے پھرکر خارجی ہوگئے۔(دیکھئے کتب تواریخ اور کتاب ہشت بہشت)

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ حاکم جب لوگوں میں تہمت و شک ڈھونڈنے لگے ۱؎ تو انہیں بگاڑ دے گا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ حاکم میں بادشاہ وزیر حکام سب ہی داخل۔(مرقات)ریبہ ر کے کسرہ سے بمعنی شک و تہمت،قرآن کریم میں ہے"لَا رَيْبَ فِيْهِ"یعنی اگر سلطان یا حکام اپنی رعایا پر بدگمانی کرنے لگیں اور ان کے معمولی کاموں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور ان کی بلاوجہ پکڑ دھکڑ کرنے لگیں۔

۲؎ یعنی ان کے دین و دنیا تباہ کردے گا اور ملک میں فساد برپا ہوجائے گا کیونکہ عیوب سے بالکل خالی کوئی کوئی ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تلاش نہ کرو بلاوجہ ان پر بدگمانی نہ کرو،احادیث میں گزرچکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقراری زانی کو فرمایا شاید تو نے بوسہ لے لیا ہوگا۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم جب لوگوں کے خفیہ عیوب کے پیچھے پڑو گے تو انہیں بگاڑ دو گے ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب خصوصی طور پر جناب معاویہ سے ہے کیونکہ آئندہ یہ سلطان بننے والے تھے تو اس غیوب داں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی ان کو طریقہ سلطنت کی تعلیم فرمادی کہ تم بادشاہ بن کر لوگوں کے

خفیہ عیوب نہ ڈھونڈھا کرنا درگزر اور حتی الامکان عفووکرم سے کام لینا اور ہوسکتا ہے کہ روئے سخن سب سے ہو کہ باپ اپنی جوان اولاد کو،خاوند اپنی بیوی کو،آقا اپنے ماتحتوں کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔بدگمانیوں نے گھر بلکہ بستیاں بلکہ ملک اجاڑ ڈالے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"اور فرماتا ہے:"وَلَا تَجَسَّسُوۡا"ہم اپنے عیب ڈھونڈیں اور لوگوں کی خوبیاں تلاش کریں۔خیال رہے کہ یہاں بلاوجہ کی بدگمانیوں سے ممانعت ہے ورنہ مشکوک اوربدمعاش لوگوں کی نگرانی کرنا سلطان کے لیے ضروری ہے،جاسوسی کا محکمہ ملک رانی کے لیے لازم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت تم کیسے ہوگے جب میرے بعد حکام اس غنیمت سے لوگوں کو ترجیح دینگے ۱؎ میں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھوں گا پھر اس سے ماردوں گا یہاں تک کہ آپ سے مل جاؤں گا ۲؎ فرمایا کیا میں تمہیں اچھی چیز پر راہبری نہ کروں صبر کرنا حتی کہ مجھ سے مل جائے ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ عموماً فئ اس مال کو کہا جاتا ہے جو بغیر جنگ کفار سے حاصل کرلیا جائے جیسے خراج اور جزیہ یا وہ مال جو کفار چھوڑ کر چلے جائیں اور جو جہاد کے ذریعہ ان سے حاصل کیا جائے اسے غنیمت کہتے ہیں۔چنانچہ رب تعالٰی فیئ کے متعلق فرماتا ہے:"وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ"الایہ اور غنیمت کے متعلق فرماتا ہے:"وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ"۔فئ تمام مسلمانوں کا حق ہے اس میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا جاتا۔ **نفل** وہ مال ہے جو کسی خاص بہادر غازی کو کسی بہادری کی وجہ سے بطور انعام دیاجائے،یہاں فیئ سے مراد عام ہے اور مقصود ہے حکام وسلاطین کا ظلم بیان فرمانا یعنی بادشاہ ظلمًا بیت المال کے اموال مستحقین کو نہ دیں گے،اپنے پر خرچ کریں گے یا جسے چاہیں گے بغیر استحقاق دیں گے،بیت المال کو اپنی ملک سمجھیں گے،اس غیوب دان مخبر صادق کے علم کے قربان صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یعنی ایسے ظالم بادشاہوں سے میں جنگ کروں گا یہاں تک کہ شہید ہوکرآپ سے مل جاؤں یعنی عمر بھر ان سے لڑوں گا اپنی زندگی کا مشغلہ ان سے جنگ کو بنالوں گا۔

۳؎ یعنی ایسے ظالموں سے جنگ نہ کرنا صبر کرنا۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بادشاہ اپنے فسق یا خیانت کی وجہ سے عزل کا مستحق نہیں فاسق بادشاہوں کی بھی اطاعت واجب ہے۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے انجام اور بعد موت اس کے ٹھکانے و مقام کی خبر ہے کہ فرماتے ہیں حتی تلقانی تم مجھ سے مل جاؤ۔آخرت میں حضور سے وہ ملے گا جو مؤمن ومتقی ہوکر مرے پھر قبر وغیرہ کی منزلیں خیریت سے طے کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سایہ کی طرف سبقت کرنے والے کون ہیں ۱؎ حاضرین نے عرض کیا اللہ و رسول خوب جانتے ہیں ۲؎ فرمایا وہ لوگ جب حق دیئے جائیں تو اسے قبول کرلیں ۳؎ اور جب ان سے حق مانگا جائے تو دیں ۴؎ اور لوگوں کے لیے ایسے فیصلے کریں گے جیسے اپنی ذات کے لیے فیصلے ۵؎

۱؎ اللہ کے سایہ سے مراد یا تو اللہ کے عرش اعظم کا سایہ ہے یا اللہ تعالٰی کی رحمت و کرم مراد ہے،ورنہ اللہ تعالٰی کی ذات سایہ سے پاک ہے کہ سایہ کثیف جسم کا ہوتا ہے وہ جسم اور کثافت دونوں سے پاک ہے یعنی قیامت کے دن پہلے عرش اعظم کے سایہ یا اللہ کی رحمت میں کون پہنچیں گے۔

۲؎ صحابہ کرام کا ادب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے سوال کے جواب میں یہی عرض کرتے تھے کہ اللہ رسول جانیں،حج کے دن سوال فرمایا کہ آج کیا دن ہے یہ کون سی جگہ ہے سب کے جواب میں یہی عرض کیا گیا کہ اللہ رسول جانیں۔معلوم ہوا کہ حضور کو رب سے ملا کر ذکر کرنا بالکل جائز ہے اور یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو علوم غیبیہ بخشے ہیں کہ حضرات صحابہ نے اس غیبی چیز کے متعلق یہ عرض نہیں کیا کہ اللہ جانے بلکہ کہا آپ اور آپ کا رب جانے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد حکام وبادشاہ ہیں۔حق سے مراد وہ حقوق جو رعایا پر واجب ہیں جیسے عشروخراج و اطاعت یا حق سے مراد کلمۂ حق اور سچی بات ہے یعنی وہ بادشاہ و حکام جورعایا سے صرف اپنا حق لیں،حق سے زیادہ رشوت وغیرہ نہ لیں یا جب انہیں کوئی حق بات سنائے تو اسے قبول کرلیں اور سنانے والے کا احسان مانیں،اسے قبول کرنے میں اپنی عار محسوس نہ کریں،اس جملہ کی اور بھی شرحیں کی گئیں ہیں مگر یہ شرح قوی ہے۔

۴؎ یعنی اگر رعایا ان سے اپنا حق مانگے تو بخوشی دے دیں کسی قسم کا پس و پیش نہ کریں یا جب ان سے حق بات پوچھی جائے تو اس کے بتانے میں دریغ نہ کریں اگرچہ وہ بات ان کے خلاف ہی ہو۔

۵؎ یعنی جیسا فیصلہ اپنے یا اپنے عزیزوں کے لیے چاہتے ہیں فیصلہ حق ایسا ہی فیصلہ وہ دوسروں کے لیے کریں۔ سبحان اللہ! اگر صرف اس حدیث پر عمل کی توفیق راعی و رعایا کو مل جائے تو ملک میں نہ ہڑتالیں ہوں نہ فتنے و فساد نہ بدامنی۔شعر

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں اپنی

	امت پر تین چیزوں سے ڈرتا ہوں.برجوں سے بارش مانگنا ۲؎اور ظلم بادشاہ کا اور تقدیر کا انکار۳؎

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،خود بھی صحابی ہیں والد بھی صحابی،خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی احادیث روایت کرتے ہیں اپنے والد سے بھی اور حضرت عمرو علی سے بھی رضی اللہ عنہم۔(اشعہ)

۲؎ انواء جمع ہے نوء کی،نوء کے معنی ٹھہرنا بھی ہیں اور گر پڑنا و نکل جانا بھی،اب اصطلاح میں چاند کی منزلوں کو نوء کہتے ہیں،یہ کل اٹھائیس ہیں کیونکہ ہر رات چاند ایک منزل میں رہتا ہے۔اہل عرب سمجھتے تھے کہ بارشیں چاند کی خاص منزلوں میں رہنے سے آتی ہیں اور کہا کرتے تھے کہ بارش فلاں منزل سے ہوئی رب تعالٰی کا نام نہ لیتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کفر قرار دیا ہے۔اگر کوئی بارش کو رب تعالٰی کا عطیہ سمجھے اور ان چیزوں کو اسباب یا علامات مانے جانے تو حرج نہیں جیسے بادل کو بارش کی علامت مانا جاتا ہے۔(مرقات)مگر بہتر یہ ہے کہ ایسے الفاظ اچھی نیت سے بھی استعمال نہ کرے جو ایسے معانی کا وہم پیدا کریں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یُنَزِّلُ الْغَیْثَ"رب جب چاہے بارش بھیجے،اسباب اس کے محتاج ہیں وہ اسباب کا پابند نہیں۔

۳؎ یعنی مجھے اس کا بھی خطرہ ہے کہ میرے بعد بادشاہ ظلم کیا کریں گے اور رعایا بغاوت کیا کرے گی جس سے امن قائم نہ ہوگا اور تقدیر کا انکار کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔قربان جاؤں اس غیوب داں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ جو کچھ فرمایا وہ ہوبہو آج تک دیکھنے میں آرہا ہے۔یہ فقیر بہت سے ممالک اسلامیہ میں گیا عراق،کویت،فلسطین،شام،ایران وغیرہ ہر جگہ راعی اور رعایا میں جھگڑے ہی دیکھے،مسلمان کہیں بھی چین سے نہیں ہیں،یہ سب کچھ اس کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ دیا اللہ تعالٰی ہم کو پھر بھولا سبق یاد دلادے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر چھ دنوں کا خیال رکھواس کے بعد تم سے کچھ کہا جائے گا ۱؎پھر جب ساتواں دن ہواتو فرمایامیں تم کو وصیت کرتا ہوں خفیہ و علانیہ میں اللہ سے ڈرنا۲؎اور جب تم گناہ کر بیٹھوتو بھلائی کرلو ۳؎اور ہرگز کسی سے کچھ نہ مانگواگرچہ تمہارا کوڑا ہی گرجائے ۴؎اور امانت نہ رکھواور دو کے درمیان فیصلہ نہ کرو ۵؎

۱؎ ستہ ایام مفعول ہے اعقل کا یعنی تم چھ دن گنتے رہو اور انتظار کرو ہم ساتویں دن تم سے ایک بات کہیں گے،یہ انتظارا س لیے کرایا گیا کہ جو بات انتظار کے بعد ملے وہ خوب یاد رہتی ہے اور اس کی قدر ہوتی ہے حضور حکیم ہیں جو کچھ فرماتے ہیں،پھر جو نصیحتیں فرمائی ہیں قسم رب تعالٰی کی اگر صرف پہلی ہی بات پر عمل کی توفیق مل جائے تو دین و دنیا سنبھل جائیں۔

۲؎ یعنی خلوت و جلوت تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے خوف خدا کرو یا اپنے اعضاء ظاہری و باطنی سے خوفِ خدا کرتے رہو نہ اعمال برے کرو نہ نیت بری رکھو۔(لمعات)

۳؎ کہ اگر بتقاضاء بشری تم سے کوئی برائی ہوجائے تو اس کے کفارہ کے لیے کوئی نیکی کر لو گناہ کے بعد توبہ مقبول کرلو،نافرمانی کے بعد اطاعت کرلو،اگرکسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے زیادہ اسے آرام پہنچا دو،فرض نماز رہ گئی ہے تو قضا بھی کرلو کچھ نوافل بھی پڑھ لو۔غرضکہ یہ فرمان عالی دریائے ناپیدا کنار ہے۔

۴؎ یعنی جس سے مانگنا ذلت ہو اور توکل کے خلاف اس سے کچھ نہ مانگو،اللہ تعالٰی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا تو ہماری عزت ہے۔شعر

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستان بتایا تجھے حمد ہے خدایا

حضرت امام احمد ابن حنبل یہ دعا مانگا کرتے تھے"**اللھم کما صنت وجھی عن سجود غیرك فصن وجھی عن مسئلة غیرك** خدایا جیسے تو نے میرے چہرے کو اپنے غیر کے سجدے سے بچایا ایسے ہی اپنے غیر سے مانگنے سے بچالے،بعض احادیث میں ہے کہ اگر مانگنا پڑ جائے تو صالحین سے مانگو۔(ابوداؤد،نسائی،عن الفراسی،مرقات)

۵؎ کیونکہ امین کو اکثر خیانت کی تہمت لگ جاتی ہے اور پنچ پر طرفداری یا رشوت خوری کا الزام لگ جاتا ہے اس لیے تم ان بکھیڑوں میں نہ پڑنا تم سے یہ بوجھ نہ اٹھ سکے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا نہیں ہے کوئی شخص جو دس یا اس سے زیادہ شخصوں کے کام کا والی بنے مگر اللہ عزوجل اسے قیامت کے دن اس طرح لائے گا کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہو گا۱؎ پھر یا اس کی نیکی کھول دے یا اس کا گناہ اسے ہلاک کردے اس کی ابتداء ملامت ہے اس کا بیچ شرمندگی ہے اور اس کی انتہا قیامت کے دن رسوائی ۲؎

۱؎ یعنی حاکم عادل ہو یا ظالم آئے گا اس ہی حالت میں،یہ ان حکام کے لیے ہے جو نفسانی طور پر حکومت کے خواہش مند ہوں کہ یہ طلب جرم ہے،جس کی سزا یہ ہے پھر عادل چھوٹ جائیں گے اور ظالم جوتے کھائیں گے لہذا حدیث بالکل واضح ہے،اسے حضرات خلفاء راشدین یا حضرت داؤدوسلیمان علیہما السلام سے کوئی تعلق نہیں،دیکھو یہاں یلی ارشاد ہوا ولی نہ فرمایا گیا۔

۲؎ یعنی اس قسم کی حکومت کی ابتداء مخلوق کی ملامت ہے اور درمیان میں خود حاکم کا نفس لوّامہ اسے ملامت کرتا ہے اور اس کا نتیجہ قیامت کی رسوائی،بعض ناتجربہ کار لوگ حکام کی ظاہری شان و شوکت و تنخواہ دیکھ کر بکوشش حاکم بن جاتے ہیں،لوگ بلکہ خود ان کے قرابتدار انہیں ملامت کرتے ہیں دنیا گالیاں دیتی ہے،یہ تو دنیا کے انعام ہیں،آخرت میں جو ہوگا وہ ناقابل برداشت ہے،یزید حجاج،مروان اس حدیث کی زندہ جاوید شرح ہیں۔شعر

نہ ماند ستم گار و بد روز گار بماند برو لعنت پائیدار

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے معاویہ اگر تم حکومت کے والی بنائے جاؤ تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا ۱؎ فرماتے ہیں کہ پھر میں گمان کرتا رہا کہ میں حکومت میں مبتلا ہوں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یہاں تک کہ مبتلا کیا گیا ۲؎

۱؎ اِن اگرچہ شک کے لیے آتا ہے مگر اللہ رسول کے ایسے فرمانوں میں یقین کے لیے ہے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے:"اِنۡ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُكُمۡ" یا جیسے اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ"۔چنانچہ جناب معاویہ سلطان اسلام بنے وہ اس خبر کا ظہور تھا جو کچھ مبارک منہ سے نکلتا ہے حق ہوتا ہے۔

۲؎ یہاں بھی اظن،بمعنی اتیقن ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ"یعنی مجھے اس فرمان عالی کی بنا پر یقین ہوگیا تھا کہ مجھے حکومت یقینًا ملنی ہے ،تقدیر الٰہی یوں ہی ہے۔چونکہ تقویٰ اور عدل دونوں چیزوں اور ان کا اجتماع بہت اہم ہے اس لیے آپ نے حکومت ملنے کو مبتلا ہونا یعنی آزمائش کیا جانا فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر کی ابتداء ۱؎ اور لونڈوں کی سلطنت سے اللہ کی پناہ مانگو ۲؎ ان چھ حدیثوں کو احمد نے روایت کیا اور حدیث امیر معاویہ کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل فرمایا ۳؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ستر کا عدد وقت ہجرت سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سے ہو اس فرمان عالی کے وقت سے،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں اور ستر سے مراد ستر کے عشرہ کی ابتداء ہے یعنی ۶۰ھ سے یہ زمانہ شروع ہوجاتا ہے۔چنانچہ امیر معاویہ کی وفات ۶۰ھ میں ہے،اسی سال یزید تخت نشین ہوا۔(ازمرقات)حضرت ابوہریرہ دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی میں ۶۰ھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔چنانچہ آپ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی، ۶۰ھ بڑا ہی خطرناک ثابت ہوا کہ ستر کے عشرہ کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔(اشعہ)

۲؎ ان لونڈوں سے مراد قریش کے نو عمر بادشاہ ہیں جیسے یزید ابن معاویہ اور حکم کی اولاد۔ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حکم کے لونڈوں کو اپنے منبر کے پاس بندروں کی طرح کھیلتے دیکھا تو آپ بہت مغموم ہوئے،بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ "وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ"کی تفسیر اسی خواب سے کی ہے۔(مرقات)

۳؎ابن عساکر نے بسند ضعیف حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ ایک بار میں اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و معاویہ حضور کی خدمت میں تھے کہ حضرت علی آگئے رضی اللہ عنہم،تو حضور نے جناب معاویہ سے فرمایا کہ کیا تم علی سے محبت کرتے ہو،عرض کیا ہاں فرمایا تمہاری ان کی جنگ ہوگی،عرض کیا کہ جنگ کے بعد کیا ہوگا،فرمایا رب کی طرف سے معافی ورضا توآپ نے فرمایا رضینا بقضاء اللہ،اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا"الایہ۔(مرقات)

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن ہاشم سےوہ یونس ابن ابی اسحٰق سےوہ اپنے والد سے راوی۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جیسے تم ہو گے ویسے ہی حکام تم پر حاکم بنائے جائیں گے ۲؎	

۱؎ یحیٰی اور یونس کے حالات معلوم نہ ہوسکے،ابواسحٰق کا نام عمرو ابن عبداللہ سبعی ہمدانی کوفی ہے،تابعین میں سے ہیں،حضرت علی،ابن عباس،براء ابن عازب اور زید ابن ارقم صحابہ سے ملاقات کی لہذاآپ تابعی ہیں، خلافت عثمانی میں پیدا ہوئے، سنہ۱۲۰ھ میں وفات پائی،آپ کے بیٹے یونس،حفیدہ سفیان ہیں پچانوے یا چھیانوے سال کی عمر ہوئی۔(مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے تم پر بادشاہ و حکام مقرر ہوں گے،تم اللہ کے مطیع ہوتم پر حکام رحمدل منصف ہوں گے،تم رب کی اطاعت سے منہ موڑو گے تو تم پر ظالم و جابر بادشاہ و حکام مسلط ہوں گے، شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔شعر

چوخواہد کہ ویراں کند عالمے نہدملک درپنجہ ظالمے

خیال رہے کہ اس میں لوگو ں کی عام حالت مراد ہے کہ اگر عوام عمومًا بدعمل ہوجائیں تو حکام ظالم ہوں گے اگرچہ خاص خاص لوگ صالحین بھی ہوں لہذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر امام حسین نیک ہوتے تو یزید پلید کیوں مسلط ہوتا،حدیث کی فہم صحیح ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے ۱؎جس کی طرف اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہےتو اگر انصاف کرے تو اس کے لیے ثواب ہے اور رعایا پر شکر واجب ہے ۲؎اور جب ظلم کرے تو اس پر بوجھ ہےاور رعایا پر صبر واجب ہے۳؎	

۱؎ سایہ سے مراد رحم وکرم ہے کہ جیسے درخت کے سایہ میں دھوپ سے پناہ لی جاتی ہے ایسے ہی لوگوں کی شر سے سلطان کی پناہ لی جاتی ہے،دنیا میں سلطان پناہ ہے آخرت میں عرش اعظم کا سایہ پناہ ہوگا۔

۲؎ کیونکہ رحم دل منصف حاکم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور ظاہر ہے کہ شکریہ بقدر نعمت چاہیے شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔

۳؎ یعنی ظالم سلطان سایہ شیطان ہے مگر یہ ارادہ رحمان ایسے ظالم بادشاہ کی بغاوت کرنے کی بجائے اپنے اعمال کی اصلاح کرو کیونکہ بغاوت سے بڑا فساد ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بندوں میں افضل بندہ اللہ کے نزدیک درجہ میں قیامت کے دن انصاف والا نرم دل بادشاہ ہے ۱؎ اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں بدترین درجہ والا ظالم سخت دل بادشاہ ہے ۲؎

۱؎ رقیق یا توف سے ہے یاق سے،رفق کے معنے ہیں نرمی و ہمراہی یعنی اہل قرابت،اجنبی شریف ضعیف سب کے ساتھ رہے یا رقیق القلب ہو دل میں اس کے سختی نہ ہو،ایسے بادشاہ کے زیر سایہ رعایا امان سے رہے گی اور ملک میں امن وامان رہے گی،اس وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے درجہ والا ہوگا۔

۲؎ خرق خ کے فتحہ اور ر کے کسرہ سے صفت مشبہ ہے خرق سے،خرق رفق کا مقابل ہے بمعنی سخت دل ظالم،اسی لیے خرق پھٹنے کو بھی کہتے ہیں،چونکہ سخت دلی کا نتیجہ ظلم ہے اس لیے اسے جور کے ساتھ جمع فرمایا یعنی قوم سے بدترین آدمی ظالم اور سخت دل بادشاہ ہے کہ اس سے اللہ کے بندوں کو دکھ پہنچتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بھائی کی طرف ۱؎ ڈرانے کے لیے گھورے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ڈرائے گا ۲؎ یہ چاروں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور یحییٰ کی حدیث کے متعلق فرمایا کہ یہ منقطع ہے ۳؎ اور اس کی روایت ضعیف ہے ۴؎

۱؎ بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے یعنی جو شخص کسی مسلمان کو بلاقصور تیز نظر سے گھور کر ڈرائے ورنہ قصور مند کو گھور نا ڈرانا ضروری ہے۔

۲؎ یہ حدیث اس باب میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کو بلاقصور گھور کر ڈرانا اتنے بڑے وبال کا ذریعہ ہے تو جو ظالم حاکم لوگوں کو ستائے وہ کتنا بڑا مجرم ہوگا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کو رحمت کی نظر سے دیکھنا ثواب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عنایت کی نظر سے دیکھے گا،یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان حکومت وسلطنت پا کر فرعون نہ بن جائے،اپنی مسلمان رعایا کو اپنا دینی بھائی سمجھے اور کافر رعایا کو اپنے دامن کرم میں چھپائے۔

۳؎ یہاں منقطع سے مراد مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں،وہ صحابی ابو بکرہ ہیں مگر صرف ارسال مضر نہیں کیونکہ مرسل حدیث جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔(مرقات)

۴؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ روایات یحیی موضوع ہیں۔خیال ہے کہ روایت مؤنث ہے مگر چونکہ فعیل صفت مشبہ میں مذکر مؤنث یکساں ہیں اس لیے **ضعیفه** کہنا ضروری نہیں ضعیف بھی جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ الله تعالٰی فرماتا ہے میں الله ہوں،میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں ۱؎ بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں اور بے شک بندے جب میری فرمانبرداری کریں گے تو میں ان کے بادشاہوں کے دل ان پر رحمت و الفت سے بھردوں گا ۲؎ اور جب بندے میری نافرمانی کریں گے تو ان کے دل ناراضی و سزا کے ساتھ پھیردوں گا ۳؎ کہ وہ انہیں سخت عذاب چکھائیں گے ۴؎ تو تم اپنے کو بادشاہوں پر بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو ۵؎ لیکن اپنے کو ذکر و عاجزی میں مشغول کرو تاکہ میں تمہیں بادشاہوں سے کفایت کروں ۶؎(ابو نعیم حلیہ میں)

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ مالک کے بعد ملک فرمانے میں اعلٰی کی طرف ترقی ہے کیونکہ مالک سے ملک یعنی بادشاہ قوی ہے کہ بادشاہ کی حکومت ہوتی ہے مالک کی حکومت نہیں،نیز مالک ہر چیز کا ہوتا ہے مگر بادشاہ انسانوں کا مگر حق یہ ہے کہ یہاں اعلٰی سے نزول ہے بادشاہ سے مالک کا قبضہ زیادہ ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ"اور فرماتاہے:"قُلِ اللّٰہُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ"۔مطلب یہ ہے کہ میں بادشاہوں کے ظاہر و باطن کا بادشاہ اور مالک ہوں وہ سب مجبور و محکم ہیں ان کے دل وزبان و قلم سب میرے قبضہ میں ہیں۔

۲؎ یعنی اگر عام لوگ اور اکثر رعایا میری مطیع ہوجائے تو میں بادشاہوں کے دل میں رحمت و الفت پیدا کردوں گا۔خیال رہے کہ رافت رحمت سے قوی ہوتی ہے مہربانی کو رحمت کہتے ہیں اور بہت ہی زیادہ مہربانی کو رافت،رب تعالٰی فرماتاہے:"بِالْمُؤْمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ"۔

۳؎ یہاں بھی **سخط** سے **نقمة** سخت تر ہے،**نقمت** سے **انتقام** ہے بمعنی بدلہ لینا۔معلوم ہوا کہ بادشاہوں کی سختی ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

۴؎ یہ قاعدہ اکثریہ ہے اکثر ہمارے بداعمال کی سزا حاکم کا ظلم ہوتا ہے جب اکثریت بدعمل ہوجائے تو سلطان و حکام ظالم ہوتے ہیں پھر ان کے ظلم کا شکار نیک لوگ بھی ہوجاتے ہیں،کبھی رب تعالٰی کی طرف سے آزمائش کے طور پر بھی حاکم ظالم مسلط ہوجاتے ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جناب خلیل الله کو نمرود سے اور موسیٰ علیہ السلام کو

فرعون سے اور حضرت حسین کو یزید سے تکالیف کیوں پہنچیں؟وہ حضرات بہت نیک تھے یہ ایسے ہی جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ مَآ اَصٰبَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ"۔

۵؎ یعنی ظالم بادشاہوں کی معزولی یا موت کی دعائیں نہ کرو ممکن ہے اس ظالم کے بعد کوئی اور بڑا ظالم تم پر مسلط ہوجائے،وجہ ظلم کو دور کرو یعنی گناہوں سے توبہ کرو۔

۶؎ یعنی تم میری اطاعت کرنے لگو حکام تم پر نرم ہوجائیں گے۔شعر

سائیں تیری روٹھ سے میرا آور کرے نہ کوئے   دُر دُر کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

سائیں انکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام   ذرا سی جھانکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

باب ماعلی الولاۃ من التیسیر

باب اس کا بیان کہ والیوں پرآسانی کرنا واجب ہے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ولاۃ جمع ہے والی کی جیسے رامی کی جمع رماۃ یا قاضی کی جمع قضاۃ یا ناحی کی جمع نحاۃ،یہاں والی سے مراد بادشاہ اور حکام سب ہی ہیں،آسانی سے مراد قوانین نرم بنانا،فیصلے درست کرنا ہیں۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنے بعض کاموں کے لیے بھیجتے تھے ۱تو فرماتے تھے کہ خوشخبریاں دو متنفرنہ کرو ۲اور آسانی کرو سختی و تنگی نہ کرو ۳(مسلم،بخاری)

۱یعنی کسی کو کہیں کا حاکم بناکر بھیجنا چاہتے تو اسے حسب ذیل ہدایات فرماتے تھے۔روایات میں آیا ہے کہ اس حاکم کو کچھ دور تک پہنچانے بہ نفس نفیس خود تشریف لے جاتے تھے اس طرح کہ وہ جانے والے حاکم سوار ہوتے تھے اور سرکار انور پیدل جہاں تک پہنچاتے تھے،اس جگہ اب مدینہ پاک میں مسجد بنی ہوئی ہے جو سلع پہاڑ کے راستہ میں ہے اسے اب مسجد وداع کہتے ہیں،فقیر نے وہاں نوافل ادا کیے ہیں۔

۲یعنی لوگوں کو گزشتہ گناہوں سےتوبہ کرنے اور نیک اعمال کرنے پر حق تعالیٰ کی بخشش و رحمت کی خوشخبریاں دوان کو گناہوں کی پکڑ پر اس طرح نہ ڈراؤ کہ انہیں اللہ کی رحمت سے مایوسی ہوکر اسلام سے نفرت ہوجائے۔بہرحال انذار اور ڈرانا کچھ اور ہے،اور مایوس کرکے متنفر کردینا کچھ اور لہذا یہ حدیث ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن میں اللہ کی پکڑ سے ڈرانے کا حکم ہے جیسے"وَلِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَہُمۡ"الخ وغیرہ کہ یہاں مایوس کردینے،نفرت پھیلا دینے کی ممانعت ہے اور وہاں ڈرا کر رب کے دروازے پر لے آنے کا حکم ہے۔

۳اس طرح کہ آسانی کے ساتھ انہیں نمازوزکوۃ وغیرہ احکام شرعیہ کا پابند بنادو،زکوۃ،عشر،خراج وغیرہ آسانی سے وصول کرو بقدر حق وصول کرو۔سبحان اللہ! کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔خیال رہے کہ اس مقدس زمانہ میں حکام کے ذمہ تھا کہ لوگوں کو پابند صوم و صلوۃ،غازی وغیرہ بنائیں ان کی اصلاح کریں،آج کی طرح حکام صرف جرمانے کرنے سختیاں کرنے کے لیے نہ ہوتے تھے وہ حکومت محمدیہ اسلامیہ ہوتی تھی نفسانی یا شیطانی نہ ہوتی تھی،اللہ تعالیٰ کبھی ہم کو بھی اسلام کا راج دکھائے مسلمانوں کا راج تو دیکھ لیا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانیاں کرو سختی نہ کرو اور تسکین دو بھڑکاؤ نہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی میٹھی و نرم باتیں سناکر اسلام کی آسانیاں بتاکر خود سچے پکے مسلمان بن کر دکھا کر رعایا کو تسکین دو،تمہارے عمل ایسے نہ ہوں کہ لوگ اسلام سے ہی بھڑک جائیں۔مقولہ ہے کہ میٹھی زبان میں خرچ کچھ نہیں ہوتا ہے مگر اس سے نفع بہت ہو جاتا ہے،بادشادہ و حکام کے درست ہوجانے سے لوگ خود بخود درست ہوجاتے ہیں **الناس علی دین ملوکھم** لوگ بادشاہوں کے طریقہ پر ہوتے ہیں،مولویوں کے ہزار وعظ ایک طرف اور سلطان یا حکام کا صرف اچھا عمل ایک طرف،حکام کا عمل بہترین مبلغ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبردہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا ابو موسیٰ کو ۲؎اور معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں آسانی کرنا تنگی نہ کرنا اور خوشخبری دینا نفرت نہ پھیلانا۳؎ایک دوسرے کی اطاعت کرنا آپس میں جھگڑنا مت ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎مصنف سے یہاں دھوکا ہوگیا ابن ابی بردہ کی بجائے ابوبردہ فرمادیا جیساکہ ابھی معلوم ہوگا،ان کا نام عبداللہ ابن ابوبردہ ابن ابوموسیٰ اشعری ہے۔(مرقات)

۲؎صاحب مشکوۃ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ ابوبردہ کے دادا ہیں حالانکہ وہ ابوبردہ کے والد ہیں لہذا راوی عبداللہ ابن ابوبردہ ہیں جیساکہ بخاری شریف میں بروایت مسلم ابن ابراہیم ہے۔خیال رہے کہ ابوبردہ کے بیٹے عبداللہ اور یوسف،سعید اور بلال ہیں کل چار،بلال ابن ابوبردہ بصرہ کے حاکم رہے ان سے روایات بہت کم ہیں،ابوبردہ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن قیس ہے،عبداللہ ابن قیس کی کنیت ابوموسیٰ ہے،قاضی شریح کے بعد عامر یعنی ابوبردہ کوفہ کے حاکم رہے جن کو حجاج نے معزول کردیا اور ابو موسیٰ اشعری مکہ معظّمہ میں ایمان لائے،پھر حبشہ کی طرف پھر مدینہ منورہ ہجرت کی،حضرت عمر نے ۲۰ھ میں بصرہ کا حاکم مقرر کیا،آپ نے اھواز فتح کیا،حضرت عثمان نے منتقل کرکے کوفہ کا حاکم کردیا،آپ قتل عثمانی تک کوفہ رہے پھر مکہ معظّمہ چلے آئے حضرت علی کے پنچ بننے کے بعد مکہ معظّمہ میں رہے، ۵۲ھ میں وفات پائی۔(مرقات وغیرہ)چونکہ ابوبردہ کے سارے بیٹے ثقہ ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کی روایت مقبول ہے جہالتِ نام مضر نہیں۔

۳؎ظاہر یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کو سامنے بٹھاکر یہ نصیحت فرمائی یا تو ان دونوں کو ایک جگہ کا حاکم مقرر کیا علیحدہ علیحدہ محکموں کا یا مختلف علاقوں کا حاکم مقرر کیا،یمن پورے صوبہ کا نام ہے۔

۴؎کیونکہ تم دونوں کا آپس میں جھگڑا رعایا کے جھگڑے وا ختلاف کا سبب ہوگا۔خیال رہے کہ یہاں اختلاف سے مراد جھگڑاوفساد ہے نہ کہ اجتہادی اختلاف،وہ تو صحابہ میں ہوا اور وہ اختلاف رحمت ہے،فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم **اختلاف امتی رحمتی**۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدعہد کے لیے قیامت کے دن جھنڈا گاڑھا جائے گا تو کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی بدعہدی ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎حدیث بالکل اپنے ظاہری معنے پر ہے۔واقعی بدعہد کے چوتڑوں پر جھنڈا لگا ہوگا یا جہاں بدعہد لوگ کھڑے کیے جائیں گے وہاں ہر ایک کے جھنڈے ہوں گے جن کی بلندی ان کی غداری کے مطابق ہوگی تاکہ ان کی رسوائی ہو۔خیال رہے کہ امت رسول اللہ کے چھپے گناہ قیامت میں ظاہر نہ کیے جائیں گے علانیہ گناہوں کا وہاں اعلان ہوگا کہ جب انہوں نے خود ہی اپنے کو رسوا کیا تھا تو اب بھی رسوا ہوں لہٰذا حدیث واضح ہے یہ کہنے والا یا فرشتہ ہوگا جو اعلان کرتا ہوگا یا خود قیامت والے ہوں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ہر بدعہد کے لیے جھنڈا ہوگا قیامت کے دن جس سے وہ پہنچانا جائے گا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎معلوم ہوا کہ قیامت میں مجرموں کے جرم نشانات سے معلوم ہوں گے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی پھر سزائیں بعد کو ہوں گی۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ہر بدعہد غدار کا جھنڈا اس کے چوتڑوں کے پاس ہوگا ۱؎ قیامت کے دن اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ہر غدار کا جھنڈا قیامت کے دن اس کی غداری کے مطابق اونچا کیا جائے گا ۲؎ ہوشیار رہو کہ عوام کے سلطان کی غداری سے بڑھ کر کوئی غدار(بدعہد) نہیں ۳؎(مسلم)	

۱؎ لواء بہت بلند جھنڈے کو کہتے ہیں اور رأیة ہر جھنڈے کو۔ظاہر یہ ہے کہ یہ جھنڈا اس کی پیٹھ سے ایسا چمٹا ہوگا کہ اس کے ساتھ ساتھ پھرے گا،چوتڑوں کا ذکر اہانت کے لیے ہے **است** کا ترجمہ ہے دبر،عزت کا جھنڈا منہ کے سامنے ہوتا ہے ذلت کا جھنڈا پیچھے۔

۲؎یعنی دنیا میں بدعہدی کی جیسی کیفیت ویسی وہاں جھنڈے کی کمیت و درازی۔معلوم ہوا کہ قیامت میں مجرموں اور ان کے جرموں کی نوعیت بھی قیامت والوں پر عیاں ہوگی۔

۳؎اس فرمان عالی کے تین معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ سب سے بڑا غدار وہ ہے جو مسلمانوں کی مرضی بغیر ان کا امیر عام بن جائے جیسے متغلب و باغی۔دوسرے وہ بادشاہ بڑا غدار ہے جو مسلمانوں کے حقوق ادا نہ کرے اہل کو بھول جائے نااہلوں کو عہدے سونپے،انہیں آگے بڑھائے،انہیں اہل استحقاق پر مسلط کردے۔تیسرے یہ کہ بڑا غدار وہ شخص کہ جو امیر عام یعنی بادشاہ اسلام سے بدعہدی کرے اس سے کیے ہوئے وعدے پورے نہ کرے،چونکہ ان تینوں قسم کے

غداروں کی بدعہدی کا اثر دین،ملک،قوم پر پڑتا ہے۔ان غداروں کا تعلق عام لوگوں سے ہے اس لیے یہ تینوں غدار بدترین غدار اور اول درجے کے بدعہد قرار دیئے گئے،ہمارا ترجمہ ان معنے کا حامل ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن مرۃ سے ۱؎ کہ انہوں نے حضرت معاویہ سے فرمایا ۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جسے اللہ مسلمین کی کسی چیز کا والی و حاکم بنائے پھر وہ مسلمان کی حاجت و ضرورت و محتاجی کے سامنے حجاب کردے ۳؎ تو اللہ اس کی حاجت و ضرورت و محتاجی کے سامنے آڑ فرمادے گا ۴؎ چنانچہ حضرت معاویہ نے لوگوں کی حاجت پر ایک آدمی مقرر فرمادیا ۵؎(ابوداؤد،ترمذی) احمد اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس کی ضرورت و حاجت و محتاجی کے سامنے آسمان کے دروازے بند فرمادے گا ۶؎

۱؎ مرہ میم کے پیش ر کے شدوفتحہ سے ہے،عمرو ابن مرہ کی کنیت ابو مریم ہے،آپ جہنی ہیں یا ازدی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں شامل رہے،شام میں قیام رکھا،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ جب کہ امیر معاویہ سلطان بن چکے تھے تاکہ وہ اس حدیث پر عمل کریں۔

۳؎ اس طرح کہ نہ مظلوموں حاجت مندوں کو اپنے تک پہنچنے دے،اپنے دروازے پر سخت پہرہ بٹھادے،نہ ان کی ضروریات کی پرواہ کرے،ان سے غافل رہے،ان کی حاجت روائی کا کوئی انتظام نہ کرے،اپنی حکومت سنبھالتے اپنے عیش و آرام میں منہمک رہے۔

۴؎ یعنی اس سے اللہ تعالٰی اپنے ان مجبور بندوں کا بدلہ لے گا کہ اس کی حاجتیں ضرورتیں پوری فرمائے گا،اس کی دعائیں قبول نہ کرے گا،اس سزا کا ظہور کچھ دنیا میں بھی ہوگا اور پورا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔خیال رہے کہ حاجت،خلت اور فقر تینوں قریبًا ہم معنے ہیں مبالغہ اور تاکید کیلیے ارشاد ہوئے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حاجت معمولی ضرورت ہے جو انسان کو متفکر توکردے مگر پریشان نہ کرے۔خلت وہ ضرورت ہے جس سے انسان کے کام میں خلل واقع ہوجائے مگر حد بے قراری اضطرار تک نہ پہنچے۔فقر وہ ضرورت ہے جو انسان کے فقرے یعنی کمر توڑ دے حالت اضطرار تک پہنچ جائے جس سے زندگی دو بھر ہوجائے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔فقیر و مسکین کا فرق اور اس میں احناف و شوافع کا اختلاف کتب فقہ میں دیکھئے۔خیال رہے کہ جیسے عادل بادشاہ قیامت میں نور کے منبروں پر

ہوں گے اللہ تعالٰی سے قریب ہوں گے،ایسے غافل اور ظالم بادشاہ ذلت کے گڑھے میں اور رب تعالٰی سے حجاب میں ہوں گے۔

۵؎یعنی امیرمعاویہ نے یہ فرمان عالی سن کر ایک محکمہ بنادیا جس کے ماتحت ہر بستی میں ایک وہ افسر رکھا گیا جو لوگوں کی معمولی ضرورتیں خود پوری کرے اور بڑی ضرورتیں امیرمعاویہ تک پہنچائے پھر ہمیشہ اس افسر سے باز پرس کی کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی تو نہیں کرتا۔

۶؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا،چونکہ آسمان میں لوگوں کے رزق بھی ہیں ان کی ضرویات بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ"اس لیے آسمان کے دروازے بند ہونے کا ذکر فرمایا گیا،بہرحال مطلب ایک ہی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو شماخ ازدی سے وہ اپنے چچازاد سے راوی ۱؎ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں کہ وہ جناب معاویہ کے پاس گئے ۲؎ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو لوگوں کی کسی چیز کا والی بنایا گیا ۳؎ پھر اس نے مسلمانوں یا مظلوموں یا حاجت مندوں پر اپنا دروازہ بندکرلیا ۴؎ تو اللہ اس کی محتاجی اس کی فقیری کے وقت اس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کرلے گا ۵؎ جب کہ اسے ان سے سخت محتاجی ہوگی ۶؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ابو شماخ تابعی ہیں اور ان کے چچازاد بھائی صحابی،ان کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر کوئی حرج نہیں تمام صحابہ عادل ثقہ ہیں۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ حضرت معاویہ کی دورانِ سلطنت میں گئے یا صرف ملاقات کے لیے اور یہ حدیث تذکرۃً سنا دی یا یہ حدیث ہی سنانے کے لیے،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۳؎کہ بادشاہ بنادیا گیا یا حاکم۔ولّی ماضی مجہول ہے لام کے شد سے یا فقط کسرہ سے یعنی باب تفعیل سے یا باب ضرب یضرب سے۔

۴؎مظلوم اور ذی الحاجت کے عموم میں ذمی اور مستامن کفار بھی داخل ہیں کیونکہ بادشاہ وحکام پر تمام رعایا کی داد رسی واجب ہے مسلمان ہوں یاکافر۔

۵؎دنیا و آخرت میں،اگر لوگ بادشاہ کے محتاج ہیں تو بادشاہ بھی رب تعالٰی کا حاجت مند ہے۔
۶؎یعنی جب ایسے بادشاہ کو لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہوئی تو اللہ اس پر رحمت کے دروازے بندکرلے گا کہ لوگ اس کی مدد نہ کریں گے۔اس حدیث کا نظارہ کرنا ہے تو موجودہ زمانہ میں الیکشن کے وقت ووٹ کی بھیک مانگنے کا نظارہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ آپ جب اپنے حکام کو بھیجتے تھے ۱؎تو ان پر شرط لگاتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا ۲؎اور میدہ نہ کھانا اور باریک لباس نہ پہننا۳؎اور اپنے دروازے لوگوں کی ضرورتوں سے بند نہ کرنا۴؎اگر تم نے ان میں سے کچھ کیا تو تم پر سزا واقع ہوگی ۵؎پھر انہیں پہنچانے جاتے تھے۶؎یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

۱؎عمال ع کے پیش میم کے شد سے جمع عامل کی بمعنی حاکم اور حکومت کا کارکن،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"
۲؎برذون ب کے کسرہ ر کے سکون اور ذال کے فتحہ سے بمعنی ترکی گھوڑا جو عربی گھوڑے سے گھٹیا ہوتا ہے، اس کی مؤنث برذونہ ہے جمع براذین یعنی اے حاکمو!تم اپنے مقام حکومت میں عربی گھوڑا تو کیا ترکی گھوڑے کی سواری کے عادی نہ ہوجانا،ضرورۃ سوار ہونے کی ممانعت نہیں تھی بلکہ اظہار شان کیلیے گھوڑا پالنا اور فخریہ گھوڑے پر سوار ہوکر نکلنے کی ممانعت تھی اور اس ممانعت میں بہت سی حکمتیں تھیں۔
۳؎کیونکہ ان چیزوں سے طبعیت عیش پسند ہوجاتی ہے اور عیش پسند حاکم صحیح طور پر حکومت نہیں کرسکتا اور رعایا کے دکھ درد سے خبردار نہیں رہ سکتا،نیز جب حاکم زیادہ خرچ کرنے کا عادی ہوگا تو وہ خرچ پورا کرنے کے لیے رشوت ستانی حرام خوری کرے گا کیونکہ اس کی تنخواہ ان خرچوں کی متحمل نہیں ہوسکے گی،سادے بنو اور رعایا کو سادہ بناؤ تاکہ زندگی و موت اچھی ہو،کہاں گئے وہ خلفاء اور کہاں گئے وہ حکام۔
۴؎یعنی اپنے کو رعایا سے ایسے چھپاکر نہ رکھنا کہ لوگ تم تک پہنچ کر فریاد نہ کرسکیں بلکہ تمہارے دروازے مظلوموں کے لیے کھلے رہیں۔
۵؎یعنی تم کو معزول بھی کردیں گے اور سزا بھی دیں گے یا رب تعالٰی تم کو دنیا و آخرت میں سزا دے گا،کس چیز کی سزا،عیش و عشرت میں غافل ہوکر رعایا کی پرواہ نہ کرنا،ظلم کرنا،رشوت خوری کرنا کیونکہ مذکورہ عیش کے یہ نتیجے ہیں لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ گھوڑے کی سواری تو سنت ہے اور میدہ کھانا،باریک کپڑا پہننا جائز ہےاور سنت و جائز کام پر سزا کیسی؟خیال رہے کہ عیش پسند حکام حکومت سے بھاری تنخواہ کا بھی مطالبہ کرتے ہیں تاکہ ان کے یہ دھڑلّے کے خرچ پورے ہوسکیں پھر حکومتیں ان کی بھاری تنخواہیں ادا کرنے کے لیے رعایا پر طرح طرح کے ٹیکس لگاتی

ہیں اور غریبوں کا خون چوس کر عیش پسند حکام و ملازمین کے شوق پورے کیے جاتے ہیں جس سے ملک میں بغاوتیں فساد برپا ہوجاتے ہیں،اسلام نے سادگی سکھائی نہ تم خرچ اپنے بڑھاؤ نہ یہ مصیبتیں اٹھاؤ،رب تعالٰی نے فرمایا:"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا"اور دوسری جگہ فرمایا:"اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ"قربان جایئے اس تعلیم کے لہٰذا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بڑی دور اندیشی پر مبنی ہے۔

۶؎ وہاں تک پہنچانے جاتے جہاں تک آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکام کو پہنچانے تشریف لے جاتے تھے صورت بھی وہی ہوتی تھی کہ وہ حاکم سوار ہوتے تھے اور امیر المؤمنین پیدل رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

باب العمل فی القضاء والخوف منه

باب فیصلوں میں عمل کرنا اوران سے ڈرنا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یعنی حاکم و قاضی کس چیز سے فیصلے دے کتاب اللہ،سنت رسول اللہ،اجماع امت و قیاس مجتہد۔اور قضاء قبول کرنے سے ڈرے کہ یہ کانٹوں کا بستر ہے،یوں ہی سخت سردی اور سخت گرمی میں فیصلہ نہ کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی حاکم دو شخصوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے ۱(مسلم،بخاری)	

۱کیونکہ غصہ کی حالت میں عقل پرنفس غالب ہوتا ہے جس سے حاکم مقدمہ میں اچھی طرح غوروفکر نہیں کرسکتا،یوں ہی بھوک پیاس،دماغی پریشانی،خاص بیماری میں بھی فیصلہ نہ کرے۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر اور ابوہریرہ سے دونوں فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب حاکم فیصلہ کرے تو کوشش کرے اور درست فیصلہ کرے ۱تو اس کو دو ثواب ہیں ۲اور جب فیصلہ کرے تو کوشش کرے اور غلطی کرے تو اس کے لیے ایک ثواب ہے ۳(مسلم،بخاری) ۴	

۱کہ اس کا فیصلہ اللہ رسول کے فرمان عالی کے مطابق ہوجائے،یہ بھی رب تعالٰی کا کرم ہی ہے کہ انسان کا فیصلہ اس کے منشاء کے مطابق ہوجائے۔

۲ایک ثواب تو اجتہادوکوشش کرنے کا اور دوسرا ثواب درست فیصلہ کرنے کا کہ درستی بھی بڑا عمل ہے،قاضی عالم بلکہ درجہ اجتہاد والا چاہیے،اگر خود عالم و فقیہ نہ ہو تو فقہاء کے علم سے فائدہ اٹھائے ان کا مقلد اور متبع ہو۔

۳یہ حدیث تمام مجتہدین کو شامل ہے کہ مجتہد سے اگر غلطی بھی ہوجائے تب بھی اجتہاد کی محنت کا ثواب ہے لہذا چاروں مذہب یعنی حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی برحق ہیں کہ اگرچہ ان میں سے درست و صحیح تو ایک ہی ہے مگر گناہ کسی میں نہیں بلکہ جن آئمہ مجتہدین سے خطا ہوئی ایک ثواب انہیں بھی ہے،نیز حضرت علی و معاویہ میں گنہگار کوئی نہیں،حق پر حضرت علی ہیں اور جناب معاویہ سے غلطی ہوئی گنہگار وہ بھی نہیں۔ایک موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام سے خطا ہوگئی

اور جناب سلیمان علیہ السلام نے درست فیصلہ فرمایا تو ان دونوں بزرگوں میں گنہگار کوئی نہیں ہوا۔رب تعالٰی فرماتاہے:"فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ"۔وہ حدیث کریمہ اس آیت کی تائید کرتی ہے مگر یہ حکم مجتہد عالم کے لیے ہے غیر مجتہد یا غیر عالم اگر غلط مسئلہ بتائے گا تو گنہگار ہوگا بلکہ غیر عالم کو فتویٰ دینا ہی جائز نہیں اور مسئلہ بھی فروعی اجتہادی ہو اصول شریعت میں غلطی معاف نہیں ہوتی۔اس کی تحقیق کتب اصول اور مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔اجتہادی خطا کی مثال یوں سمجھئے کہ مسافر جنگل میں نماز پڑھے اسے سمت قبلہ کا پتہ نہ چلے تو اپنی رائے سے کام لے،اگر چار رکعت میں چار طرف اس کی رائے ہوئی اور اس نے ہر رکعت ایک طرف پڑھی تو اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف تھامگر چاروں رکعتیں درست ہوگئیں اور اس کو نماز کا ثواب یقینًا مل گیا۔اس کی نفیس بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں دیکھئے۔

۴؎ یہ حدیث احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ اور نسائی نے بروایت حضرت عمرو ابن عاص نقل فرمائی،احمد نے حضرت ابوہریرہ سے بھی نقل کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا۱؎ تو وہ بغیر چھری ذبح کردیا گیا۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ اس نے کوشش و جانفشانی کرکے سلطان سے منصب قضا حاصل کیا،بڑی تنخواہ،عزت ورشوت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے یہ شرح خیال میں رہے۔

۲؎ چھری سے ذبح کردینے میں جان آسانی سے اور جلد نکل جاتی ہے،بغیر چھری مارنے میں جیسے گلا گھونٹ کر،ڈبوکر،جلاکر،کھانا پانی بند کرکے ان میں جان بڑی مصیبت سے اور بہت دیر میں نکلتی ہے،ایسا قاضی بدن میں موٹا ہوجاتا ہے مگر دین اس طرح بربادکرلیتا ہے کہ اس کی سزا دنیامیں بھی پاتا ہے اور آخرت میں بھی بہت درازکیونکہ ایسا قاضی ظلم،رشوت،حق تلفی وغیرہ ضرور کرتا ہے جس سے دنیا اس پر لعنت کرتی ہے اللہ رسول ناراض ہوتے ہیں،فرعون،حجاج یزید وغیرہ کی مثالیں موجود ہیں۔اس حدیث کی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جیل میں مرجانا قبول فرمالیا مگر قضا قبول نہ فرمائی،رضی اللہ عنہ۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حاکم بننا تلاش کرے اور مانگے۱؎ وہ اپنے نفس کو سونپ دیا جائے گا۲؎اور جو اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ اس پر فرشتہ اتارے گا جو اسے درست رکھے گا۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ عملاً قاضی بننے کی کوشش کرے،زبان سے طلب کرے، درخواستیں دے۔ قضا سے مراد مطلقًا حکومت ہے سلطنت ہو یا دوسری حکومت۔(مرقات)مانگنے سے مراد ہے نفسانی خواہش کے لیے مانگنا جیساکہ بارہا عرض کیا جاچکا لہٰذا یوسف علیہ السلام کا شاہ مصر سے فرمانا:"اجْعَلْنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرْضِ"اس حکم سے خارج ہے۔

۲؎ یعنی ایسے طالب جاہ حاکم کی مدد اللہ تعالیٰ نہیں کرے گا اسے اس کے نفس کے حوالہ کردے گا اور ظاہر ہے کہ ہمارا نفس ہمارا بڑا دشمن ہے جو لاحول سے بھی نہیں بھاگتا رمضان میں قید نہیں ہوتا۔

۳؎ یعنی ایسے بے نفس قاضی کی بذریعہ فرشتہ مدد ہوتی رہے گی جس سے وہ ظلم وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔طبرانی نے بروایت ام سلمہ مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو قضا میں مبتلا ہو اسے چاہیے مقدمہ کے دوران فریقین میں برابری کرے جگہ دینے میں،بات کرنے میں،دیکھنے میں،اشارہ کرنے میں اسی طرح بیہقی نے حضرت ام سلمہ سے مرفوعًا روایت کی۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاضی تین طرح کے ہیں ایک جنت میں اور دو دوزخ میں تو جو جنت میں ہے وہ تو وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے پھر اس کا فیصلہ دے ۱؎ اور جو شخص حق کو جان لے مگر فیصلہ میں ظلم کرے تو وہ دوزخ میں ہے ۲؎ اور وہ شخص جو جہالت پر لوگوں کے فیصلے کرے تو وہ بھی دوزخ میں ہے ۳؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ جنتی قاضی وہ ہے جس میں تین صفات ہوں:شرعی قواعد و قوانین سے پوری طرح عالم ہو،قضا کے احکام سے خوب واقف ہو،تحقیقات کے بعد فیصلہ کرے،فیصلہ میں جلدی نہ کرے،حق فیصلہ کرے،اس کو جو حق نظر آئے بعد تحقیق اس کی ڈگری کرے۔

۲؎ چونکہ یہ حاکم ظالم ہے اس لیے یہ بدترین دوزخی ہے اسی وجہ سے اس کا ذکر پہلے فرمایا گیا اس کا درجہ دوزخ میں بدتر ہوگا وہاں ٹھہرنا زیادہ۔

۳؎ یا تو قضاء کے شرعی قوانین سے واقف نہ ہو جاہل ہو قاضی بن جائے یا مقدمہ کی نوعیت،حق و ناحق کی تحقیق سے بے خبر ہو اور فیصلہ کردے۔خیال رہے کہ فیصلہ اور فتویٰ میں فرق ہے،فیصلہ میں فریقین کا دعویٰ اور جواب دعویٰ سننا پھر گواہی وغیرہ لینا پھر قرائن وعلامات میں غور کرنا ضروری ہے مفتی کا یہ کام نہیں فتویٰ میں صورت مسئولہ کا جواب ہوتا ہے،دیکھو دو فرشتے شکل انسانی میں داؤد علیہ السلام کی خدمت میں آئے ایک نے کہا اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں میرے پاس ایک مگر یہ میری ایک بھی لینا چاہتا ہے،آپ نے دوسرے کا جواب دعوی سنے بغیر فتویٰ دے دیا۔ہندہ زوجہ ابوسفیان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں مجھے خرچہ پورا نہیں دیتے کیا میں ان کی جیب سے بقدر ضرورت نکال لیا کروں،فرمایا ہاں،ابوسفیان کو نہ بلایا ان سے جواب دعوی لیا،یہ ہے فتوی،فیصلہ اور فتویٰ کا فرق خیال میں رکھیئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمانوں کا قاضی بننا طلب کرے حتّی کہ اسے پالے ۱؎ پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب ہو تو اس کے لیے جنّت ہے ۲؎ اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب ہو اس کے	

لیے دوزخ ہے ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎اس حدیث نے ان تمام حدیثوں کی شرح کردی جن میں قضا کی برائیاں ارشاد ہوئیں یعنی خود کوشش کرکے قاضی وحاکم بننے والا۔

۲؎عدل کے ظلم پر غالب آنے کے معنی یہ ہیں کہ حاکم کا انصاف اس کے ظلم پر اس طرح غالب آجائے اور اس کی طبیعت پر ایسا چھا جائے کہ اسے ظلم کرنے نہ دے،یہ مطلب نہیں کہ وہ عدل بھی کرتا ہو اور ظلم بھی مگر عدل زیادہ کرتا ہو اور ظلم کم کیونکہ ایک ظلم بھی ظالم کا بیڑا غرق کرنے کے لیے کافی ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔(لمعات واشعۃ اللمعات)یہ توفیق اس حاکم کو ملتی ہے جو حکومت سے متنفر ہو رب کی طرف سے اسے حاکم بننا پڑ جائے۔

۳؎ظلم کے عدل پر غالب ہونے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ ظلم اس کی عادت بن جائے وہ کبھی انصاف کرے ہی نہیں۔دوسرے یہ کہ ظلم زیادہ کرے انصاف کم،یہ دونوں حاکم دوزخی ہیں۔خیال رہے کہ ایک ظلم بھی کیفیت کے لحاظ سے ہزار انصاف پر غالب ہے اگرچہ کمیت کے لحاظ سے کم ہے،ایک قطرہ پیشاب سارے کنویں کو ناپاک کردیتا ہے،یہاں غلبہ ظلم سے مراد کیفیت کا غلبہ ہے لہذا یہ خبر بھی واضح ہے۔شارحین نے اس حدیث کی اور بہت توجیہیں کی ہیں مگر یہ توجیہ قوی ہے۔بعض نے کہا ہے کہ عدل سے مراد اجتہاد کی صحت ہے اور ظلم سے مراد اجتہاد کی غلطی ہے جس حاکم کا اجتہاد و استنباط زیادہ تر کتاب وسنت کے خلاف ہوتا ہو بہت کم درست ہوتا ہو وہ حاکم نہ بنے اگر بنے گا اور اپنے غلط اجتہاد سے فیصلے کرے گا تو دوزخی ہوگا۔مرقات نے اسے ترجیح دی ہے اس کی تائید گزشتہ حدیث سے ہو رہی ہے کہ جو حاکم جاہل ہو کر فیصلے کرے وہ دوزخی ہے۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا۱؎تو فرمایا جب تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کس طرح فیصلے کرو گے ۲؎عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا ۳؎فرمایا اگر تم رسول اللہ کی سنت میں بھی نہ پاؤ عرض کیا اپنی رائے سے قیاس کروں گا ۴؎اور کوتاہی نہ کروں گا ۵؎فرماتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا(تھپکی دی)اور فرمایا شکر ہے اس کا جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں ۶؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ وہاں کا حاکم و قاضی بناکر بھیجا تو بطور امتحان یہ سوال فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم و قاضی بنانے کا حق سلطان کو ہے،یہ بھی معلوم ہوا حکومت و قضا سونپنے سے پہلے اس کا امتحان لینا سنت ہے آج بھی قانون پاس کرنے امتحان دینے کے بعد حاکم بنایا جاتا ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا مبارک سوال ہے یہ نہ فرمایا کہ اگر کتاب و سنت میں نہ ہو کیونکہ قرآن و حدیث میں سب کچھ ہے ہم کو ملے یا نہ ملے،نہ ہونا اور ہے نہ پانا کچھ اور،سمندر میں موتی ہیں مگر ہر کسی کو نہیں ملتے۔

۳؎ فیصلہ کی ترتیب یہ ہے کہ اولًا قرآن کریم سے مسئلہ نکالا جائے مگر حدیث شریف کی روشنی میں اگر حدیث قرآن کریم کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو تاویل کرکے ان دونوں میں موافقت کی جائے،اگرموافقت ناممکن ہو تو اگر حدیث متواتر ہو اور نزول آیت کے بعد کی ہو تو آیت کو منسوخ مان کر حدیث پر عمل کیا جائے جیسے تعظیمی سجدے کی اباحت قرآن سے ثابت ہے مگر حرمت حدیث سے ثابت،تو حدیث پر عمل ہے اور تعظیمی سجدہ حرام ہے،اگر یہ شرائط نہ ہوں تو حدیث چھوڑ دی جائے گی قرآن پر عمل ہوگا جیسے قرآن سے ثابت ہے کہ بالغہ لڑکی اپنے نفس کی مختار ہے،خود نکاح کرسکتی ہے"فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوٰجَهُنَّ" مگر حدیث سے ثابت ہے کہ بغیر ولی نکاح نہیں کرسکتی"ایما امراۃ نکحت نفسھا نکاحھا باطل باطل باطل۔احناف نے قرآن پر عمل فرماکر عورت کو اپنے نفس کا مختار مانا،اس کی مکمل بحث جاء الحق میں دیکھئے۔

۴؎ یعنی اگر مجھے حدیث میں بھی نہ ملے اور حضور سے پوچھنے کا موقعہ بھی نہ ملے تو خود اپنے اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔اجماع امت کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ زمانہ نبوی میں اجماع ناممکن ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسئلہ حضور سے پوچھا جاسکتا ہے،قیاس کے لیے نص نہ ملنا کافی ہے مگر اجماع کے لیے نص نہ مل سکنا ضروری ہے۔

۵؎ یعنی قیاس کرتے وقت نص سے استخراج میں کوتاہی نہ کروں گا۔قیاس شرعی کے معنے ہیں علت مشترکہ کی وجہ سے منصوص حکم کو غیر منصوص میں جاری کرنا۔ہم سے کسی نے پوچھا کہ باجرے،جوار،چاول میں سود کیسا ہے؟ہم نے کہا کہ گندم وجو میں سود کی ممانعت حدیث پاک میں ہے اور چاول وغیرہ بھی گندم کی طرح وزن وجنس میں ایک ہیں لہذا ان میں بھی سود حرام،یہ ہے قیاس،صرف رائے مراد نہیں۔اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول بحث قیاس میں مطالعہ فرمایئے۔

۶؎ حضور انور کا آپ کے سینہ پر ہاتھ مارنا یا تو شاباش دینے کے لیے یا اپنا فیض آپ کے سینے میں پہنچانے کے لیے کہ اس کی برکت سے رب تعالٰی انہیں خطا سے بچائے۔اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے اجتہادات و قیاسات بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہیں اور یہ کہ اصول اسلام صرف قرآن و حدیث نہیں بلکہ قیاس مجتہد بھی ہے۔خیال رہے کہ اصول دین چار چیزیں ہیں:قرآن،سنت،اجماع امت و قیاس،اجماع اور قیاس کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ہے،دیکھئے ہماری کتاب جاء الحق۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بناکر بھیجا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے بھیجتے ہیں میں تو نو عمر ہوں اور نہ مجھے قضا کا علم ہے ۱؎ تو فرمایا اللہ تمہارے دل کو ہدایت دے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا ۲؎ جب تم سے دو آدمی فیصلہ چاہیں تو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرنا حتی کہ دوسرے کی بات بھی سن لو ۳؎ کہ یہ اس کے لائق ہے کہ تم کو فیصلہ ظاہر

	ہوجائے ۴؎ فرماتے ہیں پھر اس کے بعد میں نے کسی فیصلہ میں کوئی تردد نہ کیا ۵؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور جناب ام سلمہ کی وہ حدیث إنما أقضي بينكم برأيي ان شاء الله فیصلوں اور گواہیوں کے باب میں ذکر کریں گے ۶؎

۱؎ یعنی مجھے قضا کا تجربہ بھی نہیں ہے،علم سے مراد تجربہ ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق تعالٰی نے وہ علم عطا فرمایا تھا جس کی مثال نہیں اور اس عرض کا مقصد حضور سے مدد مانگنا ہے کہ حضور مجھ پر یہ بوجھ رکھ تو رہے ہیں میری مدد بھی فرمائیے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھاخدایا ہم کو فرعون سے خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا،جانے سے انکار نہیں بلکہ طلب مدد ہے۔

۲؎ یعنی ہمارے فیض سے اللہ تعالٰی تمہارے دل کو غلط فہمی سے اور تمہاری زبان کو غلط فیصلہ سنانے سے محفوظ رکھے گا اس ہی کرم کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی جیسا قاضی و حاکم نہ ہوا۔معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ کرم سے علم،حکمت،قضا سب کچھ یکدم مل جاتا ہے۔اس مدرسہ میں ایک آن میں فارغ التحصیل کردیا جاتا ہے۔

۳؎ اولٰی سے مراد مدعی ہے اور ثانی یعنی دوسرے سے مراد مدعٰی علیہ یعنی جب مدعی و مدعٰی علیہ دونوں تمہاری عدالت میں حاضر ہوں اور مدعی بیان دعویٰ کرے تو مدعٰی علیہ کا جواب دعویٰ سنے بغیر فیصلہ نہ کرو کہ دونوں کا بیان سنے بغیر حق و باطل ظاہر نہیں ہوسکتا۔خیال رہے کہ اگر مدعٰی علیہ کچہری میں حاضر نہ ہو مگر شہر میں یا اور جگہ معلوم میں موجود ہو تو اس کو بذریعہ سمن حاضر کیا جائے اگر غائب ہو پتہ نہ ہو تو بوقت ضرورت غائب کے خلاف قضاء جائز ہے جیسے غائب لاپتہ شخص کی بیوی خرچہ کا دعویٰ کرے تو حاکم خرچہ کا فیصلہ کرسکتا ہے اور خرچہ ناممکن ہونے کی صورت میں نکاح فسخ کرسکتا ہے حضرت امام احمد بن حنبل کے ہاں،احناف کے ہاں بھی،بعض فقہاء کے نزدیک قضاء علی الغائب ضرورۃً جائز ہے۔(شامی،باب النفقہ)

۴؎ فریقین کی حاضری دونوں کا کلام سننا قضا یعنی فیصلہ میں ضروری ہے فتویٰ میں ضروری نہیں کہ فتویٰ صورت مسئلہ کا جواب ہوتا ہے کہ اس بیان کے مطابق شریعت کا حکم یہ ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہندہ کا بیان سن کر ابوسفیان کے خلاف فتویٰ دے دیا،داؤد علیہ السلام نے صرف ایک کا بیان سن کر بغیر دوسرے کا بیان لیے فتویٰ دے دیا ،دیکھو قرآن کریم سورۂ صٓ،یہ ہے فتویٰ۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اور اس فیضان کے بعد میں کبھی کسی فیصلہ میں رکا نہیں اور نہ میں نے غلط فیصلہ کیا،یہ تھا فیضان نبوت۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں علی اقضنا وابن ابی کعب اقرؤنا ہم سب میں بہترین قاضی علی ہیں اور بہترین قاری حضرت ابی ابن کعب ہیں۔(مرقات)

۶؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی میں نے مناسبت کے لحاظ سے بجائے یہاں کے وہاں بیان کی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے کوئی حاکم ۱؎ جولوگوں کے درمیان فیصلے کرے مگر قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ فرشتہ اس کی گدی پکڑے ہوگا پھر اس کا سر آسمان تک اٹھالے گا ۲؎ تو اگر رب فرمادے کہ اسے پھینک دے تو وہ اسے ہلاکت کی جگہ پھینک دے گا ۳؎ چالیس سال کی راہ ۴؎ (احمد،ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ حاکم سے مراد ظالم حاکم ہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر حاکم مراد ہے خواہ عادل ہو یا ظالم۔

۲؎ اگر حاکم سے ظالم مراد ہے تو رأسه کی ضمیر حاکم کی طرف ہے یعنی اس کی گردن پکڑ کے اس کا سر اوپر کو اٹھائے گا جیساکہ مجرموں کے ساتھ کیا جاتاہے اور اگر ہر حاکم مراد ہے تو رأسه کی ضمیر فرشتہ کی طرف ہےیعنی انتظار حکم میں فرشتہ اپنا سر اوپر کو اٹھائے گا کہ مجھے کیا حکم ملتا ہے۔

۳؎ **مھواۃ** بنا ہے **ھواء** سے بمعنی خلاءوفضا،**مھواۃ** کے معنے ہوئے فضاوھوا کی جگہ یعنی محل ہلاکت،اس سے مراد جہنم کا گہرا گڑھا ہے جس کی گہرائی رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔

۴؎ خریف سال کے خاص موسم کا نام ہے جو سردی وگرمی کے درمیان ہوتا ہے ربیع کا مقابل،اس سے مراد سال ہے،جزء بول کر کل مراد ہے جیسے رأس یعنی سر بول کر انسان مراد لیتے ہیں،خریف سال میں ایک ہی بار آتی ہے یعنی ایسے گہرے گڑھے میں پھینکتا ہے کہ وہ حاکم ظالم کنارہ سے گر کر چالیس سال میں اس کی تہ تک پہنچتا ہے۔خدا کی پناہ!اور اگر حاکم عادل ہے تو اس کے متعلق ارشادہوتا ہے کہ اسے جنت میں پہنچادےتو اسے اعلٰی مقام پر پہنچادیا جاتا ہے،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ گردن پکڑنا ظالم ہی کے لیے ہوگا،عادل حاکم تو نور کے منبر پر ہوں گے جیساکہ پہلے گزرچکا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ عادل قاضی پر قیامت کے دن وہ وقت آئے گا ۱؎ کہ وہ آرزو کرے گا کہ اس نے کبھی بھی دو شخصوں کے درمیان ایک چھوہارے کے بارے میں فیصلہ نہ کیا ہوتا ۲؎(احمد)	

۱؎ یوم القیامۃ یا تو لیاتین کا فاعل ہے اور یوم مرفوع اور یتمنی حال یعنی عادل حاکم پر قیامت کا دن اس حال میں آئے گا کہ وہ حاکم یہ آرزو کرے گا۔یا لیاتین کا فاعل پوشیدہ ہے وقت یا بلاء وآفۃ اور یوم القیامۃ ظرف ہے منصوب اور یتمنی اس پوشیدہ فاعل کا حال یعنی قیامت کے دن عادل حاکم پر ایسی ساعت یا آفت آجائے گی کہ وہ یہ آرزو کرے گا،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یوم القیامۃ سے پہلے ساعۃ ہے۔یہ گھڑی قیامت کا اول وقت ہوگا جب کہ حضرات انبیاء کرام نفسی نفسی فرمائیں گے جب حق تعالٰی کے عدل کا ظہور ہوگا،پھر شفاعت کا دروازہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے کھل جائے گا تب رب تعالٰی کے فضل کے ظہور کا وقت ہوگا،جب چھوٹے بچے فوت شدہ بھی ناز کرکے اپنے ماں باپ کی شفاعت کے لیے رب تعالٰی سے جھگڑیں گے،عادل کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے کہ جب عادل اور منصف حاکموں کے خوف کا یہ حال ہوگا تو ظالم حکام کا کیا پوچھتے ہو،ان کا حال تو بیان میں آسکتا ہی نہیں۔

۲؎ عادل حکام کی یہ آرزو اس الجھاوے اور درازی حساب کی وجہ سے ہوگی جو انہیں عدل و حکومت کے حساب دینے میں پیش آئے گی،وہ دیکھیں گے کہ دوسرے لوگ معمولی حساب دے کر جنت کو چلے گئے ہم ابھی حساب میں ہی الجھے ہوئے ہیں،جیسے حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کے اولیاء پر گزشتہ انبیاء کرام رشک کریں گے یعنی ان کی بے فکری آزادی دیکھ کر جیسے غریبوں کی آزادانہ زندگی دیکھ کر بادشاہ رشک کرے،قرآن کریم نے فرمایا:"اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ" یہاں انبیاءاللہ نہ ارشاد ہوا کیوں،اس لیے قیامت کے دن رنج و فکر و خوف سے آزادی صرف اولیاءاللہ کو حاصل ہوگی،رہے حضرات انبیاء کرام انہیں غم جہان ہوگا یعنی ساری امت کی فکراور ہم جیسے گنہگاروں کو غم جان لینے یعنی اپنی فکر۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی ان عادل حکام کے لیے جن کا حساب ہو،جو بغیر حساب جنتی ہوں وہ اس حکم سے خارج،جیسے حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام یا حضرات خلفاءراشدین لہذا حدیث صاف ہے واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاضی کے ساتھ اللہ تعالٰی ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے ۲؎ پھر جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس سے الگ ہوجاتا ہے ۳؎ اور اسے شیطان چمٹ جاتا ہے ۴؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب وہ ظلم کرتا ہے تو رب اس کو نفس کے سپرد کردیتا ہے ۵؎

۱؎ آپ عبداللہ ابن اُنیس جہنی انصاری ہیں،اُنیس کی کنیت ابواوفی ہے،باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں،غزوۂ احد،حدیبیہ اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،ہمیشہ مدینہ منورہ میں رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوفہ میں قیام رہا،حضرت انیس یعنی ابو اوفی کی وفات مدینہ منورہ میں ۵۴ھ میں ہوئی۔(مرقات)مگر عبداللہ ابن ابی اوفی کی وفات کوفہ میں ۸۷ھ میں ہوئی۔حضرت عبداللہ ابن ابواوفی ان صحابہ سے ہیں جن سے حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ کی ملاقات ہے

کیونکہ آپ کی وفات کے وقت امام اعظم کی عمر سات سال تھی اور کوفہ میں ان صحابہ کا قیام تھا جو امام اعظم کا وطن ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی اپنی رحمت و مدد کے ساتھ عادل حاکم کے ساتھ ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی جو ظلم کرتے ہیں اس کی رحمت و مدد اس سے الگ ہوجاتی ہے،ایک روایت میں ہے تبرأ اللہ عنہ رب تعالٰی اس سے بیزار ہوجاتا ہے۔

۴؎ شیطان سے مراد خاص شیطان ہے جو ظلم کرایا کرتا ہے ورنہ قرین شیطان تو ہمیشہ اس انسان کے ساتھ رہتا ہے جس کے ساتھ پیدا ہوا ہے یعنی پھر خاص ظلم و فساد کرانے والا شیطان اس ظالم حاکم کا ساتھی بن جاتا ہے پھر اس ظالم کی ڈور اس شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے سمجھ لو پھر یہ ظالم کیا کچھ حرکتیں نہ کرے گا۔

۵؎ یعنی پھر ظالم حاکم اپنے نفس امارہ کے سپرد کردیا جاتا ہے۔خیال رہے کہ ہمارا نفس امارہ شیطان سے زیادہ خطرناک ہے کہ نفس بادشاہ ہے اور شیطان اس کا وزیرومشیر۔ونعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی حضرت عمر کی طرف مقدمہ لے گئے ۱؎ تو آپ نے حق یہودی کا دیکھا تو اس کے حق میں فیصلہ فرمادیا ۲؎ اس پر آپ سے یہودی بولا اللہ کی قسم یقینًا آپ نے حق فیصلہ فرمایا ۳؎ اسے حضرت عمر نے درہ سے مارا ۴؎ اور فرمایا تجھے یہ کیسے معلوم ہوا تو یہودی نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم توریت میں پاتے ہیں کہ ایسا کوئی قاضی نہیں جو حق سے فیصلہ کرے مگر ایک فرشتہ اس کے دائیں ہوتا ہے اور ایک فرشتہ اس کے بائیں طرف ہوتا ہے یہ دونوں اسے ٹھیک رکھتے ہیں اور اسے حق کی توفیق دیتے ہیں ۵؎ جب تک وہ حق کے ساتھ رہے پھر جب حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ دونوں چڑھ جاتے اور اسے چھوڑ جاتے ہیں ۶؎ (مالک)

۱؎ یہ مقدمہ حضرت سعید ابن مسیب نے خود دیکھا کیونکہ آپ تابعین سے ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ نے پایا ہے۔

۲؎ یہ ہے عدل فاروقی کہ عدالت میں اپنے پرائے کا لحاظ نہیں اس کا حکم قرآن کریم نے دیا ہے۔خلافت حیدری کے دور میں ایک بار قاضی شریح کی عدالت سے حضرت علی کے مقابل ایک یہودی کو مقدمہ میں ڈگری مل گئی حالانکہ قاضی شریح حضرت علی کے ملازم تھے اس پر یہودی مسلمان ہوگیا اور جنگ صفین میں حضرت علی کی فوج میں وفات پاگیا۔(نورالانوار)

۳؎ یعنی فیصلہ حق وانصاف سے کیا یا حق تعالٰی کی مدد سے آپ نے ایسا عدل والا فیصلہ کیا،ایسا فیصلہ کوئی شخص اپنی طاقت سے نہیں کرسکتا ،دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

۴؎ درہ مارنے سے مراد اسے درہ سے چھونا ہے کبھی کسی سے بات کرتے وقت اسے ہاتھ یا چھڑی سے چھوتے جاتے ہیں ایذاءوالی مار مراد نہیں۔(اشعہ)

۵؎ اس جواب کا مقصد یہ ہے کہ امیر المؤمنین آپ نے یہ فیصلہ ان دو فرشتوں کی مدد سے کیا ہے جو آپ کے دائیں بائیں مدد کے لیے ہیں اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو آپ مسلمان کے حق میں اور میرے خلاف فیصلہ کرتے کیونکہ مسلمان آپ کا اپنا تھا اور میں غیر تھا۔آپ حاکم حق ہیں لہذا جواب سوال کے بالکل مطابق ہے۔(مرقات)اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقرر شدہ فرشتے مدد کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ یہ دونوں فرشتے حاکم کو توفیق خیر دیتے ہیں لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور ہماری مددکرتے ہیں ہم کو توفیق خیر دیتے ہیں۔

۶؎ اور اس ظالم کو اس کے نفس اور شیطان کے سپرد کرجاتے ہیں۔معلوم ہوا اللہ کے مقبولوں کا کسی کو چھوڑ دینا خدا کا عذاب ہے،اگر ڈول کو کنویں میں رسی چھوڑدے تو ڈول بجائے پانی لانے کے خود کیچڑ میں پھنس جاتا ہے۔اللہ تعالٰی ہمیشہ اپنے مقبولوں کے سایہ میں رکھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ ہماری بدکاریاں سیاہ کاریاں اللہ کے بندوں کی مدد جاتے رہنے کا سبب ہیں ورنہ وہ حضرات بلاوجہ کسی کو نہیں چھوڑ دیتے وہ تو آخر تک نباہ کرتے ہیں۔

لج پال پریت کو توڑت ناہیں　　جو بانھ پکڑیں تو چھوڑت ناہیں　　گھر آئے کو خالی موڑت ناہیں

ہم نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔

اچھوں کا زمانہ ساتھی ہے میں بد ہوں مجھ کو بنا ہو تم　　کہلا کے تمہارا جاؤں کہاں بیکس کی کہاں شنوائی ہے

روایت ہے حضرت ابن موہب سے ۱؎ کہ حضرت عثمان ابن عفان نے جناب ابن عمر سے فرمایا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرو ۲؎ آپ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین مجھے معاف رکھیں گے ۳؎ فرمایا تم اس سے نفرت کیوں کرتے ہو حالانکہ تمہارے والد فیصلے فرمایا کرتے تھے ۴؎ عرض کیا اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو قاضی ہو پھر انصاف سے فیصلے کرے تو اس لائق ہے کہ اس سے برابر برابر ۵؎ لوٹے اس کے بعد حضرت عثمان نے دوبارہ نہ فرمایا ۶؎ (ترمذی)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن موہب ہے،تابعی ہیں،حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ میں ان کی طرف سے فلسطین کے حاکم تھے تقویٰ و طہارت میں مشہور تھے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حکومت عثمانیہ کی طرف سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرلو۔

۳؎ یہ سوال طلب مہربانی کے لیے ہے یعنی کیا میں آپ کے لطف و کرم سے یہ امید کروں کہ آپ مجھے اس عہدے سے معاف رکھیں۔اللہ اکبر آج ہم عہد ے ڈھونڈھتے ہیں اور ان حضرات کو عہدے ڈھونڈھتے تھے۔

بہ بین تفاوت راہ کجا است تابہ کجا

۴؎ یعنی آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ رسالت اور زمانہ صدیقی میں بھی لوگوں میں فیصلے فرمایا کرتے تھے خلیفہ تو بعد کو بنے پھر تم قضاء سے کیوں متنفر ہو۔

۵؎ حری بروزن فعیل صفت مشبہ ہے حری بمعنی لائق ہونے کا،ب زائدہ ہے اور بالحری مبتداء ہے اور ان ینقلب اس کی خبر،بعض نسخوں میں حریٰ ح کے فتحہ سے الف مقصورہ ہے مصدر تب یہ خبر مقدم ہے اور بعد کی عبارت مبتداء مؤخر دونوں ترکیبوں کے معنی ایک ہی ہیں۔(لمعات)کفافًا ک کے فتحہ سے کف کا مصدر کفاف کے لغوی معنے ہیں برابر کہ نہ بچے نہ بڑھے جیسے کہتے ہیں لا لی ولا علی یہ ینقلب کے فاعل سے حال ہے،ہوسکتا ہے کہ بمعنی مکفوف ہو یعنی اس کی شر سے بچایا ہوا یعنی عادل و منصف قاضی کے لیے یہ ہی غنیمت ہے کہ کل قیامت میں اس کا چھٹکارا ہوجائے کہ نہ پکڑ ہو نہ ثواب ملے۔جب عادل قاضی کا یہ حال ہے تو جو قاضی ایسا ہوکہ قاضی بہ رشوت راضی اس کا کیا حال ہوگا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی میں وہ قاضی مراد ہیں جو اپنی کوشش سے قضا حاصل کریں لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں عادل قاضی کے فضائل بیان ہوئے کہ اس کی اجتہادی غلطی پر اسے ایک ثواب ہے اور درستی پر دوہرا ثواب،یہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی انتہائی احتیاط ہے کہ حضرت عثمان غنی کی پیش کردہ قضا کو بھی قبول نہیں فرماتے اور اس فرمان عالی کو اپنے جیسے بے نفس متقی ہستی پر چسپاں فرماتے ہیں فتویٰ اور ہوتا ہے تقویٰ کچھ اور۔

۶؎ یعنی حضرت عثمان غنی نے پھر جناب عبداللہ پر قبول قضاء کے لیے زور نہ دیا۔خیال رہے کہ قضا کی طلب اس کے لیے گناہ تھی اور انصاف کرنا ثواب تو مطلب یہ ہوا کہ ایسا طالب جاہ قاضی اگر عدل و انصاف کرے اور یہ عدل وانصاف اس کے طلب قضا کے گناہ کا کفارہ ہی بن جائے تب بھی غنیمت ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

اور رزین کی روایت حضرت نافع سے ان کی روایت ابن عمر سے کہ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا اے امیر المؤمنین میں تو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہیں کروں گا۱؎ فرمایا تمہارے والد تو فیصلہ کرتے تھے تو عرض کیا کہ میرے والد پر کوئی مشکل بنتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے ۲؎ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز مشکل ہوتی تو وہ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ لیتے تھے ۳؎ اور میں اسے نہیں پاتا جس سے پوچھوں ۴؎ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی پناہ مانگے تو اس نے بڑے کی	

	پناہ مانگی اور میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ آپ مجھے قاضی بنائیں۵ چنانچہ آپ نے انہیں معاف کردیا اور فرمایا کسی کو خبر نہ دینا ۶

۱؎ یعنی قاضی عام بننا تو بہت دور ہے میں تو پنچ بننے پر بھی تیار نہیں،آپ کا یہ فرمان حضرت عثمان غنی کے اس فرمان کے جواب میں ہے جو ابھی گزرا۔

۲؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عمر زمانہ نبوی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قاضی یا پنچ مقرر ہوتے تھے،یہاں وہ قضا مراد ہے۔

۳؎ اس طرح کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرماتے اور حضرت جبریل رب تعالٰی سے پوچھ کر بتاتے تھے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریل کا علم زیادہ تھا تمام فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کا علم زیادہ تھا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا"اور جناب آدم کا علم حضور کے علم کی نسبت سے ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کی نسبت سے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الخلق ہیں اور یہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی رائے عالی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد بھی فرماتے تھے،حضرت معاذ کو بھی اجتہاد کی اجازت تھی آپ نے اپنے کو اجتہاد کے لائق نہ سمجھا یہ انکسار تھا،بہرحال حدیث واضح ہے۔

۴؎ اور خود اجتہاد کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

۵؎ یعنی اللہ کی پناہ لیتا ہوں قضا کے عہدے سے۔اللہ اکبر! یہ ہے انتہائی احتیاط اور یہ حدیث قضا کی برائی میں انتہائی وعید ہے۔یہاں مرقات نے ابن عساکر سے بروایت حضرت ابی ہریرہ ایک عجیب حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ سنگ اسود نے ایک بار بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولٰی میں نے عرصہ دراز تک تیری عبادت کی اور تو نے مجھے گندگی میں ڈلوادیا(قوم عمالقہ نے سنگ اسود کو کئی سو سال گندگی میں ڈالے رکھا تھا)رب تعالٰی نے فرمایا شکر کر کہ میں نے تجھے کسی قاضی کی مجلس میں نہ رکھا کذا فی جامع صغیر السیوطی۔(مرقات)

۶؎ ورنہ یہ باتیں سن کر کوئی قضاء قبول نہ کرے گا اور محکمہ عدالت معطل ہوکر رہ جائے گا۔خیال رہے کہ قاضی اسلام بننا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی وقت لوگ نااہل ہو جائیں تو اہل کو قاضی بننا فرض عین ہوجاتا ہے،اس زمانہ پاک میں عام مجتہد صحابہ موجود تھے اس لیے حضرت ابن عمر نے یہ عہدہ قبول نہ فرمایا،دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ملاحظہ فرمایا کہ فی زمانہ کوئی خزائن سنبھالنے کا اہل نہیں تو خود بادشاہ سے فرمایا"اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ"مجھے خزانوں کا منتظم بنادے،اس وقت آپ پر یہ عہدہ سنبھالنا فرض عین ہوگیا تھا لہذا یہ حدیث اس آیت قرآنی کے خلاف نہیں۔

باب رزق الولاۃ وھدایاھم

باب والیوں کی روزی اوران کے تحفے

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ اضافت مصدر کے مفعول کی طرف ہے یعنی حکام کو جو روزیاں تنخواہ وغیرہ بیت المال سے دی جائے اور جو ہدیہ و تحفہ کسی اور کی طرف سے دیا جائے اس کا بیان۔رزق ماہوار تنخواہ کو کہا جاتا ہے اور عطا اس سالانہ روزی کو کہتے ہیں جو فوجیوں کو بیت المال سے دی جاتی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نہ تم کو دیتا ہوں اور نہ تم کو منع کرتا ہوں۱؎میں تو تقسیم کرتا ہوں۲؎وہاں رکھتا ہوں جہاں حکم دیا جاتا ہوں۳؎(بخاری)۴؎

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو غنیمت سے کچھ مال بطور انعام تقسیم فرماتے تھے اس میں مساوات و برابری نہ کرتے تھے بلکہ کسی کو کم کسی کو زیادہ حسب خدمت عطا فرماتے تھے شاید کسی کو شکایت ہوتی کہ ہم کو کم ملااس لیے حضور نے یہ ارشاد فرمایااورہوسکتا ہے کہ اس فرمان میں ما سے مراد مال،ایمان،علم عرفان وغیرہ سب ہی ہوں۔

۲؎یعنی اللہ کی تمام نعمتوں کا بانٹنے والا میں ہوں اللہ تعالٰی کی عطا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم بغیر قید کے ہے،ہر نعمت رب تعالٰی دینے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بانٹنے والے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے: "اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ"انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی فرما دیا اللہ نے دے کر حضور نے پہنچا کر غنی کردیا۔

۳؎یعنی ہمارا دینا یا نہ دینا،نیزکم و بیش دینا اپنے نفس کے عمل سے نہیں،نفسانی نہیں بلکہ رحمانی ہے جیسے ہمارا ہر کلام وحی الٰہی سے ہے ایسے ہی ہمارے کام وحی الٰہی سے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کادروازہ، دروازۂ الٰہی ہے۔

بخدا خدا کا یہ ہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کی نعمتوں کے بااختیار قاسم ہیں بے اختیار قاسم نہیں،ڈاکیہ بے اختیار قاسم ہےاور وزیر اعظم بااختیار قاسم اور بااختیار قاسم سے مانگنا جائز ہے،اللہ تعالٰی نے حضرت سلیمان سے فرمایا:"فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"اور حضرت ذوالقرنین سے فرمایا:"اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا"نیز جناب سلیمان کے متعلق فرمایا:"فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ"اور ہمارے حضور سے فرمایا"فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ

مِنۡھُمۡ"۔معلوم ہوا کہ رب نے حضرت سلیمان کو دینے نہ دینے کا ذوالقرنین کو سزا اور انعام دینے کا اختیار دیا۔حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلتی تھی،ہمارے حضور کو اجازت دینے نہ دینے کا اختیار دیا ہے لہذا اللہ کی ہر نعمت حضور سے مانگنی جائز ہے کہ حضور باذن الٰہی مختار قاسم ہیں۔

۴؎حاکم نے بروایت حضرت ابوہریرہ روایت کی انا ابوالقاسم اللہ یعطی وانا اقسم ہم ابوالقاسم ہیں اللہ دیتا ہے ہم تقسیم فرماتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت خولہ انصاریہ سے ۱؎فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض لوگ اللہ کے مال میں ناحق گھس جاتے ہیں۲؎ ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے ۳؎(بخاری)	

۱؎ خولہ دو ہیں:ایک خولہ بنت ثامر،دوسری خولہ بنت ثعلبہ حضرت اوس ابن صامت کی بیوی،یہاں پہلی خولہ مراد ہیں خولہ بنت ثامر،مرقات کی یہ ہی تحقیق ہے مگر اشعۃ اللمعات نے دوسری خولہ مراد لیں۔واللہ اعلم!

۲؎خوض کے لغوی معنی پانی میں گھس جانا،اصطلاح میں کسی باطل کام میں مشغول ہوجانے کو خوض کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"ذَرۡھُمۡ فِیۡ خَوۡضِہِمۡ یَلۡعَبُوۡنَ"باب تفعیل میں آکر مبالغہ پیدا ہوگیا۔اللہ کے مال سے مراد بیت المال کا مال ہے،زکوۃ،خراج،جزیہ،غنیمت وغیرہ۔حق سے مراد ہے یا استحقاق یا سلطان اسلام کی اجازت یعنی بیت المال میں ان کا حق نہیں اور وہ لے لیتے ہیں یا حق کم ہے وہ زیادہ لے لیتے ہیں۔

۳؎ناحق مال کھانے کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے خرچ سے ناکافی نہ تھا۱؎اور میں مسلمانوں کے کام میں مشغول کردیا گیا ہوں تو ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور اس میں مسلمانوں کی خدمت کرے گی ۲؎(بخاری) ۳؎	

۱؎ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ بننے سے پہلے بڑے کامیاب تاجر تھے،آپ مکہ معظّمہ میں غنی ترین لوگوں میں سے تھے،رب تعالٰی ان کے متعلق فرماتاہے:"وَ لَا یَاۡتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنۡکُمْ وَ السَّعَۃِ"۔معلوم ہوا کہ آپ بزرگی والے بھی ہیں وسعت مال والے بھی اور وسعت دل والے بھی۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کپڑے کے تاجر تھے، جناب عمر غلے کے تاجر،حضرت عثمان گندم اور کھجوروں کے تاجر اور حضرت عباس عطر کے تاجر تھے۔بہترین تجارت کپڑے کی ہے، پھر عطر کی۔حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم اہل جنت کا پیشہ کرنا چاہتے ہوتو کپڑے کی تجارت کرو۔(مرقات و لمعات واشعہ)

۲؎یعنی اب میں بارِ خلافت اٹھالینے کی وجہ سے تجارتی کاروبار نہیں کرسکتا،چونکہ میں نے مسلمانوں کی خدمت، ملکی انتظامات اور جہاد وغیرہ کی تیاریوں کے لیے اپنے کو وقف کردیا ہے اس لیے اب میں اور میرے عیال بیت المال سے خرچ کریں گے،میری تنخواہ بیت المال سے ہوگی اتنی جتنی میرے گھر والوں کو کافی ہو۔اس حدیث کی بنا پر علماء متاخرین فرماتے ہیں کہ امام،مؤذن،دینی مدرس،مفتی،قاضی کی تنخواہیں اوقاف سے ادا ہوسکتی ہیں اور ان لوگوں کو ان خدمات کی تنخواہ لینا درست ہے کہ اگر یہ لوگ طلب معاش میں پھنس گئے تو دین ختم ہوجائے گا سوائے حضرت عثمان کے تمام خلفاء راشدین نے تنخواہیں لی ہیں بلکہ غریب طلباء دین اور غریب مدرسین کو زکوۃ دینے کا حکم قرآن کریم نے دیا ہے،فرماتاہے:"اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا"۔

۳؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ جناب صدیق اکبر نے اپنی تنخواہ حسب ذیل مقرر فرمائی جو آپ بیت المال سے لیتے تھے۔مسلمانو سنو اورغور کرو! دو مدغلہ،تھوڑا تیل،کچھ سالن،گرمیوں میں ایک چادر اور ایک تہبند،سردیوں میں ایک پشمینہ کی پوستین گویا اس زمانہ کے لحاظ سے چھ سات روپیہ ماہوار کا سامان،کیوں نہ ہوتا کہ اس سلطان کونین سید الزاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں جن کی شان یہ ہے۔شعر

بوریا ممنون خواب راحتش　　تاج کسرے زیر پائے امتش

اس فقیر نے حضرت عمروصدیق اکبر کے مکانات دیکھے تھے جواب گرادیئے گئے وہ ایسے مکانات تھے کہ آج غریب سے غریب آدمی کا مکان بھی ان سے بڑا ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ ۱؎سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جسے ہم کسی کام پر لگادیں پھر ہم اسے معاوضہ دے دیں تو اس کے بعد جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے۲؎(ابوداؤد)

۱؎آپ بریدہ ابن خصیب اسلمی ہیں،بدر سے پہلے ایمان لائے مگر بدر میں حاضر نہ ہوئے،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں قیام رہا،پھر بصرہ میں پھر خراسان میں غازی ہوکر رہے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں ۶۲ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎یعنی اپنی تنخواہ کے علاوہ جو کچھ چھپا کرلے گا وہ چوری و خیانت ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک کام کیا تو حضور نے مجھے اجرت دی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکام و ملازمین کو تنخواہیں دیتے تھے۔اس سے وہ ہی فائدے حاصل ہوا جو ابھی عرض کیا گیا کہ دینی خدمات پر معاوضہ لینا دینا درست ہے بشرطیکہ وہ کام ضروری ہو۔

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا جب میں چل دیا تو میرے پیچھے بلانے والے کو بھیجا تو میں لوٹایا گیا ۱؎ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا کوئی چیز میری اجازت کے بغیر نہ لینا کہ وہ خیانت ہے ۲؎ جو خیانت کرے گا تو قیامت کے دن خیانت کا مال لائے گا تمہیں اس لیے بلایا تھا اب اپنے کام پر جاؤ ۳؎(ترمذی)	

۱؎ وہ فرمان عالی سنانے کے لیے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎ اگرچہ یہ فرمان عالی پہلے بھی سنایا جاسکتا تھا مگر دوبارہ واپس لوٹانے اور پھر یہ سوال فرمانے میں کہ بتاؤ ہم نے تم کو کیوں لوٹایا،اہتمام مقصود ہے جو بات اس قدر اہمیت سے سنائی جائے وہ خوب یاد رہتی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ حکام اور والیوں کو سلطان اسلام کی طرف سے تقویٰ و طہارت کی نصیحت کرنا سنت ہے۔

روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو ہمارا عامل بنے چاہیے کہ بیوی کرلے پھر اگر اس کے خادم نہ ہو تو چاہیئے کہ خادم رکھ لے اگر اس کے پاس مکان نہ ہو تو مکان بنالے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو اس کے علاوہ لے گا وہ خائن ہوگا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ شارحین نے اس حدیث کے معنے یہ کیے ہیں عامل،حاکم بیت المال سے روپیہ لے کر نکاح بھی کرسکتا ہے،غلام بھی خرید سکتا ہے یا نوکر بھی رکھ سکتا ہے،اپنے لئے گھر بھی بناسکتا ہے مگر یہ حکم اس زمانہ کا ہے جب کہ عامل کی ماہوار یا سالانہ تنخواہ مقرر نہ ہو اور بیت المال میں ان خرچوں کے نکالنے کی گنجائش ہو،حکام کی تبدیلی نہ ہوئی ہو،ایک حاکم ایک جگہ مستقل رہتا ہو،وہ عامل صحابہ کرام کی طرح دیانتدار ہو کہ صرف بقدر ضرورت ہی خرچ کرے زیادہ ایک پیسہ بھی نہ لے لیکن اگر حاکم کو آج کل کی طرح باقاعدہ تنخواہ ملتی ہو تو ان میں سے کوئی خرچ بیت المال سے نہ لے۔اب حکومتیں بعض حکام کو کوٹھی،ملازم کی تنخواہ بلکہ سرکاری دورہ کے مصارف بھی دیتی ہیں،نیز اگر حاکم کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے تو وہ ہر جگہ بیت المال(خزانہ)سے اپنی کوٹھیاں نہ بنوائے لہذا ان حالات میں اب ان چیزوں کی ا جازت نہ ہوگی۔

۲؎ یعنی ایسا حاکم اگر خزانہ کے خرچ پر ایک سے زیادہ نکاح کرے یا ایک سے زیادہ خادم و نوکر رکھے یا قدر ضرورت سے زیادہ مکان بنوائے تو خائن ہے،نیز غیر ضروری خرچ کے لیے خزانہ سے کچھ نہ لے۔

روایت ہے حضرت عدی ابن عمیرہ ۱؎ سے کہ رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم میں سے جو کوئی ہمارے کام پر عامل بنایا گیا ۲؎ پھر اس میں سے سوئی اور اس کے اوپر کوئی چیز ہم سے چھپائی تو وہ خائن ہے قیامت کے دن وہ لائے گا ۳؎ تو ایک انصاری صاحب کھڑے ہوکر بولے یارسول اللہ مجھ سے اپنا عمل(نوکری) لے لیجئے ۴؎ فرمایا یہ کیا عرض کیا کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا فرمایا یہ تو میں کہتا ہوں کہ ہم جسے کسی کام پر عامل بنائیں تو وہ تھوڑا اور بہت حاضر کردے ۵؎ پھر اس میں سے اسے جو دیا جائے وہ لے لے ۶؎ اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔(مسلم،ابوداؤد)اور لفظ ابوداؤد کے ہیں۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،کندی حضرمی ہیں،کوفہ میں رہے پھر وہاں سے جزیرہ کی طرف منتقل ہوگئے،وہاں ہی وفات ہوئی۔

۲؎ صدقہ وصول کرنے پر عامل بنایا گیا یا کہیں کا حاکم مقرر ہوا۔

۳؎ اس طرح کہ خیانت کا مال اس کے سر پر ہوگا اور قیامت کے دن رسوا ہوگا جیسے زکوۃ نہ دینے والے کامال خود مالک پر سوار ہوگا جس سے اسے تکلیف بھی ہوگی اور رسوائی بھی،یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ رب تعالٰی قیامت میں اس امت کے چھپے ہوئے گناہ چھپائے گا،علانیہ گناہ اور بعض دوسرے گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ظاہر فرمادے گا لہذا یہ حدیث ان پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ ان انصاری کا نام معلوم نہ ہوسکا،یہ کسی جگہ عامل مقرر ہوکر جارہے تھے یہ وعید سن کر اپنے میں اتنی احتیاط کی قوت نہ دیکھی انہوں نے استعفٰی پیش کیا۔

۵؎ اس کلام کی تکرار مبالغہ اور تاکید کے لیے ہے کہ تم خواہ عمل قبول کرو یا نہ کرو حکم تو یہ ہی رہے گا۔

۶؎ یہ اس صورت میں ہے کہ تنخواہ مقرر نہ ہو سلطان خود اس کے عمل اور اجرت کا اندازہ لگا کر دے،منع کیے جانے سے مراد نہ دیناہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ راشی رشوت دینے والا اور مرتشی رشوت قبول کرنے والا،رشوۃ بنا ہے رشاء بمعنی رسی سے،رسی کنویں سے پانی نکالنے کا ذریعہ ہوتی ہے،ایسے ہی رشوت کا مال ناجائز فیصلہ کرانے اور اپنا کام نکالنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اسے رشوت کہتے ہیں۔رشوت کی بہت صورتیں ہیں:حکام کی خصوصی دعوتیں،حکام کو ڈالیاں دینا،انہیں نقد روپیہ یا نیوتہ وغیرہ کے بہانے سے کچھ دینا،یہ سب رشوتیں ہیں۔خیال رہے کہ حق فیصلہ پر بھی فریقین میں سے کسی فریق سے کچھ لینا بھی

رشورت ہے کہ حاکم پر حق فیصلہ کرنا شرعًا واجب تھا،پھر رشوت لےکر ناحق فیصلہ کرنا توخداکے قہر کا موجب ہے مگر ظلم سے بچنے کے لیے یا حق فیصلہ کرانے کے لیے رشوت دینا جائز ہے۔حضرت ابن مسعود نے زمین حبشہ کے جھگڑے میں وہاں کے حاکم کو دو دینار دے کر اپنے کو ظلم سے بچایا۔(مرقات)

اسے ترمذی نے ان ہی سے اورحضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔	
اور اسے احمدوبیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ثوبان سے روایت کیا اور یہ زیادہ کیا کہ رائش سے مراد ہے جو ان دونوں کے درمیان کوشش کرے [1]	

[1] اگر یہ کلام رائش کی تفسیر و شرح ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہاں رائش کے معنے رشوت دلوانے والا ہے یعنی حاکم کا ایجنٹ و دلال جو مقدمہ والوں سے خفیہ طور پر حاکم کو رشوت دلواتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ رائش کی تفسیر نہ ہو بلکہ توسیع ہو یعنی رائش میں وہ دلال بھی داخل ہے جو فریقین اور حکام کے درمیان دلالی کرکے رشوت دلاتا ہے۔**بینهما** میں **هما** ضمیر راشی اور مرتشی کی طرف راجع ہے۔خیال رہے کہ حرام کام کی دلالی اس کی کوشش بھی حرام ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑے پہن لو [1] پھر میرے پاس آؤ [2] فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس حاضر ہوا حالانکہ آپ وضو کررہے تھے تو فرمایا اے عمرو میں نے تمہیں اس لیے پیغام بھیجا تاکہ تمہیں ایک کام میں بھیجوں [3] تمہیں خدا تعالٰی سلامت لوٹائے گا اور غنیمت دے گا [4] اور ہم تم کو کچھ مال بھی عطا فرمائیں گے [5] تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ہجرت مال کے لیے نہ تھی [6] وہ تو صرف اللہ رسول کے لیے تھی [7] فرمایا نیک آدمی کے لیے اچھا مال بہت ہی اچھا ہے [8] اسے شرح سنہ میں روایت کیا اور احمد نے اسی کی مثل روایت کی اور ان کی روایت میں یوں ہے کہ اچھا مال نیک آدمی کے لیے اچھا ہے [9]	

[1] یعنی سفر کی تیاری کرلو کیونکہ اس زمانہ میں بغیر ہتھیار سفر ناممکن تھا،راستے پُرامن نہ تھے یہ سفرجہاد کا نہ تھا ورنہ لشکر آراستہ فرمایا جاتا نوعیت سفر کا ذکر آگے آرہا ہے۔

[2] گھر والوں سے وداع ہوکر کیونکہ تم کو یہاں سے سفر پر بھیج دیا جائے گا۔

۳؎ اس جگہ وجه کے معنے اشعۃ اللمعات نے سمت و طرف کیے ہیں اور مرقات نے عمل و کام،ہمارا ترجمہ مرقات کے ماتحت ہے یعنی ہم تم کو کسی جگہ کچھ کام کے لیے بھیجتے ہیں عامل زکوۃ بنا کر یا حاکم بنا کر۔

۴؎ یہاں غنیمت سے مراد شرعی غنیمت نہیں جو جہاد میں کفار سے حاصل کی جاتی ہے بلکہ اللہ کی رحمت مراد ہے جو بغیر محنت و شفقت مل جائے ثواب،عزت،رحمت۔

۵؎ یعنی ثواب عزت کے علاوہ ہم تم کو اجرت و معاوضہ بھی عطا فرمائیں گے یہ حدیث حکام کی تنخواہ کی اصل ہے مقرر اس لیے نہ فرمائی کہ حضور مالک ہیں،غلاموں کو جو چاہیں عطا فرمادیں،یہ محض تنخواہ نہ تھی بلکہ عطیہ شاہانہ بھی تھا اور اب تنخواہ کا مقررکرنا ضروری ہے کہ اجارہ میں کام و مال دونوں مقرر ہونے چاہئیں لہذا حدیث واضح ہے اس پر اعتراض نہیں۔

۶؎ یعنی میں بغیر معاوضہ یہ خدمت انجام دوں گا کیونکہ میرا اسلام لانا ہجرت کرنا،عہدہ حاصل کرنے بڑی تنخواہ لینے کے لیے نہ تھا۔سبحان اللہ! یہ تھا اخلاص۔خیال رہے کہ حضرت عمرو ابن عاص ۵ھ؁ میں مکہ سے مدینہ منورہ حضرت خالد ابن ولید کے ساتھ حاضر ہوئے تھے،بیعت کرنے بارگاہ اقدس میں بیٹھے حضور انور نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ پکڑو اور بیعت کرو تو حضرت عمرو نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا حضور انور نے فرمایا یہ کیا،عرض کیا کہ اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ میرے پچھلے گناہ سارے معاف ہوجائیں،اے عمرو کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے سارے گناہ مٹا دیتا ہے،اسی طرح ہجرت سارے پچھلے گناہ معاف کرادیتی ہے یعنی تم تو اسلام اور ہجرت دونوں سے مشرف ہورہے ہو،حضور فرماتے ہیں کہ دوسرے لوگ تو اسلام لائے مگر عمرو ایمان لائے،دوسری روایت میں ہے کہ عمرو صالحین قریش میں سے ہیں،سنہ کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے کہ یہ واقعہ ۵ھ؁ میں ہوا یا ۸ھ؁ میں۔(اشعہ)

۷؎ یعنی اللہ رسول کو راضی کرنے کے لیے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور کا نام رب تعالٰی کا نام کے ساتھ ملانا شرک نہیں ایمان ہے۔دوسرے یہ کہ عبادت میں رب تعالٰی کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی نیت کرنا شرک یا ریا نہیں بلکہ اس سے عبادت کی تکمیل ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ"۔تیسرے یہ کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا رب تعالٰی کی بارگاہ میں حاضر ہوجانا ہے کہ مدینہ منورہ کے مہاجر آتے تھے حضور کے پاس اور عرض کرتے تھے للہ ورسولہ،قرآن کریم فرماتا ہے:"وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔سبحان اللہ! کیسا پیارا کلام عرض کیا۔

۸؎ یعنی اس مال کے قبول سے تمہارے ثواب میں کمی نہ ہوگی یہ تو رب تعالٰی کی نعمت ہے۔خیال رہے کہ مرد صالح وہ ہے جو نیکی پہچانے اور کرے اور مال صالح وہ ہے جو اچھے راستہ آئے اور اچھی راہ جائے یعنی حلال کمائی بھلائی میں خرچ ہو،اللہ تعالٰی نصیب فرمائے۔

۹؎ مطلب وہ ہی ہے صرف ترتیب بیان میں فرق ہے۔خیال رہے کہ خراب پیٹرول مشین خراب کردیتا ہے اسی طرح خراب غذا انسان کے دل و دماغ،خیال،نیت سب کو خراب کردیتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی شخص کی کچھ سفارش کردے ۱؎ پھر اسے اس سفارش پر کچھ ہدیہ دیا جائے ۲؎ وہ اسے قبول کرلے تو وہ سود کے دروازوں سے بڑا دروازہ پر آگیا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ سلطان یا حکام کے پاس مگر سفارش حق کے لیے ہو ظلم کے لیے نہ ہو۔

۲؎ یعنی مقدمہ والا یا حاجت مند اسے اس سفارش کی بنا پر کوئی چھوٹی یا بڑی چیز بطور ہدیہ دے اور یہ اسے قبول کرے،سفارش کی بنا کی قید یاد رکھنا چاہیے۔

۳؎ یعنی یہ بھی رشوت ہےاور رشوت کا گناہ سود کے گناہ کی طرح ہے کہ سود خور کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا اعلان فرمایا گیا ہے"فَاْذَنُوۡا بِحَرْبٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُوۡلِہٖ"۔

باب الاقضیۃ والشہادات

فیصلوں اور گواہیوں کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اقضیہ جمع ہے قضا کی،قضا کے لغوی معنے ہیں مضبوط کرنا اور فارغ ہونا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَقَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ"یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو مضبوط حکم دیا اور فرماتاہے:"وَلْیَقْضُوۡا تَفَثَہُمْ"اور اداء قرض کو قضائے دینی کہتے ہیں۔شریعت میں قضا وہ مقدمہ ہے جو حاکم کی کچہری میں فیصلہ کے لیے پیش کیا جائے یا خود فیصلہ،نیز بمعنی فیصلہ ہے۔شہادات جمع ہے شہادۃ کی،شہادت کے معنے ہیں حاضر ہونا،مشاہدہ کرنا آنکھ سے یا دل سے۔شریعت میں کسی دوسرے کے حق کی کسی پر خبر دیناشہادت،دوسرے پر اپنے حق کی خبر دینا دعوٰی ہے،اپنے پر دوسرے کے حق کی خبر دینا اقرار ہے اور کسی کے کسی پر حق کی خبر دینا شہادت یعنی گواہی ہے،چونکہ حاکم کے فیصلے اور گواہوں کی گواہی بہت سی قسم کی ہوتی ہے اس لیے یہاں دونوں کو جمع فرمایا یعنی فیصلوں اور گواہیوں کا بیان۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر لوگوں کو ان کے دعووں پر دے دیا جائے[1] تو لوگ انسانوں کے خونوں ان کے مالوں کا دعوٰی کردیں[2] لیکن قسم مدعٰی علیہ پر ہے[3](مسلم)اور نووی شرح مسلم میں ہے انہوں نے فرمایا کہ بیہقی کی روایت میں حسن یا صحیح اسناد سے بروایت ابن عباس مرفوعًا یہ زیادتی منقول ہے کہ لیکن گواہ مدعی پر ہے اور قسم انکاری پر[4]	

[1] اگر بفرض محال قانون اسلام یہ ہوجائے کہ ہر ایک کے دعوٰی پر بغیر گواہی اور بغیر اقرار مدعٰی علیہ فیصلہ ہوجایا کرے۔

[2] یعنی ہر ایک کہہ دیا کرے کہ فلاں پر میرا اتنا قرض ہے اور فلاں نے میرے عزیز کو قتل کردیا ہے اس کاقصاص یا دیت دلوائی جائے اس پر ملک کا نظام ہی بگڑ جائے۔

[3] یہ فرمان عالی مجمل ہے۔مقصد یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہی موجود نہ ہو اور مدعٰی علیہ اس کے دعوٰی کا اقراری نہ ہو انکاری ہو اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو قسم مدعٰی علیہ پر ہے،یہ تینوں قیدیں خیال میں رہنی چاہئیں۔چونکہ مدعی پر گواہی پیش کرنے کا وجوب بالکل ظاہر تھا اس لیے اس کا ذکر نہ فرمایا۔(اشعہ) اگر قاضی نے مدعی کے مطالبہ کے

بغیر مدعیٰ علیہ سے قسم لے لی تو مدعی پھر قسم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔اس قانون سے حدود یعنی شرعی مقررہ سزائیں اور لعان وغیرہ علیحدہ ہیں کہ ان میں گواہی وقسم اس طرح نہیں،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۴؎ یعنی شیخ محی الدین نووی نے بحوالہ مذکورہ مدعی پر گواہی لازم ہونے کا ذکر بھی فرمایا۔خیال رہے کہ **بینة** یا تو بنا ہے **بینونة** بمعنی جدائی سے یا بیان سے بمعنی ظہور،چونکہ گواہی شرعی حق و باطل کو جدا جدا کردیتی ہے یا اس سے چھپی چیز ظاہر ہوجاتی ہےاس لیے اسے **بینه** کہتے ہیں۔(مغرب،مرقات)خیال رہے کہ مدعی کے ذمہ گواہی اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہونا عظیم الشان قاعدہ ہے اور یہ حدیث معنًی متواتر ہے جیسے حدیث **انما الاعمال بالنیات** متواتر ہے،مدعی پر قسم نہیں مدعی علیہ پر گواہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لزومی قسم پر حلف اٹھائے ۱؎ حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہو تاکہ کسی مسلمان آدمی کا مال مارے ۲؎ تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملے گا ۳؎ کہ وہ اس پر ناراض ہوگاتو اللہ نے اس کی تصدیق اتاری کہ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد کے اور اپنی قسموں کے بدلہ تھوڑی قیمت خرید لیتے ہیں ۴؎ الخ(مسلم،بخاری)۵؎

۱؎ **حلف** کے معنے ہیں یمین و قسم،صبر بمعنی روکنا،جو قسم مدعی کے دعویٰ کو روک دے،اسے جاری نہ ہونے دے وہ یمین صبر ہے یعنی دعوے کو روک دینی والی قسم۔بعض نے فرمایا کہ جھوٹی قسم یمین ہے۔(لمعات)بعض کے نزدیک مضبوط قسم یمین صبر ہے جس قسم سے مدعی ترک دعویٰ پر مجبور ہوجائے جیسے عرب میں نماز عصر کے بعد کی قسم یا حضور کے منبروروضہ مطہرہ کے پاس قسم یا ہمارے ہاں قرآن مجید کو ہاتھ لگاکر یا سر پر رکھ کر قسم یا اپنے جوان بیٹے کا بازو پکڑ کر قسم۔

۲؎ یعنی پختہ قسم کھائے جھوٹی کھائے اور عمدًا کھائے دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے کھائے جیسے مال مارنا وغیرہ۔

۳؎ یعنی قیامت کے دن ظہور فضل خداوندی کے وقت جب رب تعالٰی بڑے بڑے گنہگاروں پر رحم فرمادے گا اس جھوٹے پر رحم نہ کرے گا بلکہ اسے رحمت و محبت کی نظر سے دیکھے گا بھی نہیں۔

۴؎ اس آیت کریمہ کی شرح وتفسیر ہماری تفسیر میں ملاحظہ کیجئے یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ تجارت میں قیمت غیر مقصود ہوتی ہے اسی لیے سکہ بدل جانے سے بیع ختم نہیں ہوتی اور چیز بدل جانے سے بیع ختم ہوجاتی ہے،قیمت چیز حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جیسے روپیہ ذریعہ ہے غلہ وغیرہ حاصل کرنے کا اگر اس سے چیز نہ ملے تو روپیہ بیکار ہے جیسے کھوٹا روپیہ یا وہ روپیہ جس کا چلن جاتا رہا،دنیا قیمت ہےآخرت اصل چیز اور پھر دنیا قیمت بھی ہے تھوڑی "**قُلۡ مَتٰعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ**"۔جو دنیا کے عوض دین برباد کرتا ہے وہ بے وقوف ہے کہ مقصود کے عوض غیر مقصود کرلیتا ہے اور بہت کے عوض تھوڑے کا گاہک بنتا ہے۔

۵؎اس حدیث کو احمد اور باقی چار صحاح نے اشعث ابن قیس اور ابن مسعود سے مرفوعًا روایت فرمایا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جس نے اپنی قسم سے کسی مسلمان کا حق مار لیا ۱؎ تو اللہ نے اس کے لیے آگ لازم کردی اور اس پر جنت حرام کردی ۲؎ تو حضور سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اگرچہ معمولی چیز ہو یا رسول اللہ تو فرمایا اگرچہ پیلو کی شاخ ہی ہو ۳؎(مسلم)	

۱؎ وہ مارا ہوا حق مال ہو یا کوئی اور چیز جیسے حق قذف(تہمت)بیوی کی باری کا حق یا مردار کی کھال یا وہ نجاستیں جو مال نہیں مگر ان کا استعمال جائز ہے،یہ حدیث ان سب حقوق کو شامل ہے۔(مرقات)پھر حق حقیر ہو یا عظیم۔مسلمان کی قید اہتمام ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ ذمی اور مستامن کافر کا حق مار لینے کی بھی یہ ہی سزا ہے لہذا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ذمی کافر کا حق مارلینا جائز ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدماءھم کدماءنا واموالھم کاموالنا ان کافروں کے خون اور مال مسلمانوں کے خون و مال کی طرح محترم ہیں اس لیے اگر مسلمان ذمی کافر کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کٹے گا۔

۲؎اگر اس مجرم نے یہ کام حلال جان کر کیے تو کافر ہوا اور دائمی جہنم کا حقدار اور اگر حرام سمجھ کر کیا تو ابرار کے ساتھ جنت کا اول داخلہ اس پر حرام ہوگیا،اشرار کے ساتھ اولًا سزا پائے گا پھر ایمان کی برکت سے بخشا جائے گا کیونکہ مسلمان کے لیے دوزخ میں ہیشگی نہیں۔

۳؎عرب میں پیلو(وان)بہت معمولی درخت ہے،پھر اس کی شاخ جس کی مسواک ہوتی ہے وہ تو بہت ہی حقیر چیز ہے اس لیے معمولی چیز کو اس سے تشبیہ دے دیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بشر ہوں ۱؎ اور تم میری طرف مقدمہ لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تمہارے بعض دوسرے کے مقابل اپنی دلیل میں زیادہ زبان آور ہو ۲؎ تو میں اس کے لیے اس جیسا فیصلہ کردوں جو اس سے سنوں ۳؎ تو میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ فیصلہ کروں تو وہ اسے ہرگز نہ لے کہ میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کرتا ہوں ۴؎ (مسلم،بخاری)	

اِخدا یا خدا کا جزء یا فرشتہ یا جن نہیں ہوں خالص انسان ہوں،یہ حصر اضافی ہے لہذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں صرف بشرہوں نہ نبی ہوں نہ رسول،نہ نور نہ رحمۃ اللعالمین وغیرہ۔اللہ تعالٰی نے حضور کو لاکھوں صفات بخشی ہیں مگر حضور ہیں جنس بشر سے جیسے"اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی ایک ہی الہ ہے دو باتیں نہیں یہ مطلب کہ وہ الوہیت اور وحدانیت کے سواء کسی صفت سے موصوف نہیں نہ کریم ہے نہ غفار نہ ستار نہ مالک الملک وغیرہ۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ ہم ہیں بشر اور بشر سے بھول،خطا اجتہادی غلطی بھی ہوسکتی ہے اور وہ دھوکا بھی دیا جاسکتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ بعض جھوٹے مدعی اپنے کو سچا ظاہر کریں ہم ان کی گواہی پر اعتماد کرکے اسے سچا مان لیں۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام گناہ بدعقیدگی اور ان کے ارادوں سے معصوم ہیں،خطا اجتہادی غلطی سے معصوم نہیں لہذا حدیث واضح ہے اور عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔

۲؎الحن بنالحن سے لحن کے بہت معنے ہیں آواز،کہا جاتا ہے خوش الحان،زبان دانی،کلام کو ظاہر سے پھیرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ"۔فصاحت و بلاغت،بعض معنے سے لحن اچھی چیز ہے بعض معنے سے بری یہاں بمعنی زبان دانی قدرت علی الکلام ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ جھوٹا آدمی قادر الکلام ہو اور سچا آدمی کلام پر قادر نہ ہو،جھوٹا اپنے کو سچا ظاہر کرکے اپنے حق میں فیصلہ کرائے۔

۳؎خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثروبیشتر فیصلے ظاہر پر ہوتے تھے نہ کہ حقیقت پر تاکہ قیامت تک امت کے حکام فیصلوں میں حضور کی اس سنت پرعمل کریں کہ امت کے پاس وحی،الہام شرعی،غیب پر اطلاع نہیں،اگر حضور انور کے فیصلے سارے الہام وغیرہ پر ہوتے تو امت کیسے عمل کرتی اور بعض فیصلے کشف والہام وحی پر بھی فرماتے تھے جیسے طعمہ ابن ابیرق کی چوری کا مقدمہ حضور نے اپنے کشف پر فرمایا رب نے فرمایا:"اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں وہاں بما اراك اللہ میں وحی کشف والہام سب داخل ہیں کہ خدا جو آپ کو دکھائے اس پر فیصلہ فرمادیں لہذا حدیث واضح ہے۔قرآن کریم فرمارہا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ایک چھوٹے بچے کو قتل کردیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ بچہ بڑا ہوکر ماں باپ کو کافر کردیتا یہ ہے حقیقت پر فیصلہ کہ ابھی چھوٹا ہے کوئی قصور نہیں کیا مگر خضر علیہ السلام نے قتل کردیا،رب تعالٰی قیامت میں گواہیوں تحریروں پر فیصلہ فرمائے گا یہ ہے ظاہری قانون۔

۴؎یعنی میرا جو فیصلہ گواہی یااقرار یا قسم سے انکار پر ہوگا وہ ظاہر پر ہوگا اگر واقعہ اس فیصلہ کے خلاف ہوا اور فریق دوم کو معلوم ہو تو اس کے لیے اس فیصلہ سے وہ چیز حلال نہ ہوجائے گی،حکم حاکم حرام کو حلال نہیں کرسکتا لہذا اگر حاکم جھوٹی گواہی پر مال یا خون یا طلاق کا غلط فیصلہ کردے تو مدعی اپنے مقابل کا نہ مال لے نہ قصاص،نہ طلاق کی جھوٹی گواہی پر اس کی عورت سے نکاح کرے۔خیال رہے کہ جھوٹی گواہی وغیرہ سے جو فیصلہ ہوگا وہ فیصلہ حق ہوگا مگر اس فیصلہ میں حاکم گنہگار نہ ہوگا فریقین اور گواہ گنہگار ہوں گے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرات انبیاء کرام خطاء اجتہادی پر قائم نہیں رہتے رب تعالٰی انہیں مطلع فرمادیتا ہے تو اس غلط فیصلہ پر حضور قائم کیوں رہتے تھے بذریعہ وحی مطلع

کیوں نہ کیے جاتے تھے کیونکہ خطاءاجتہادی فیصلہ ہی غلط ہوتا ہے اگرچہ اس غلطی پر گناہ نہیں اور یہاں فیصلہ حق ہے کیونکہ دلیل پر مبنی ہے،یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔(مرقات)

نوٹ ضروری: جن چیزوں میں حاکم و سلطان ولی ہو اپنے حکم سے نافذ کرسکتا ہو وہاں حاکم کا ایسا فیصلہ اسے حلال کردے گالہٰذا اگر کنواری لڑکی کے نکاح کے جھوٹے گواہ قائم کردیئے گئے اور حاکم نے نکاح کا فیصلہ کردیا تو احناف کے نزدیک یہ فیصلہ ہی نکاح مانا جائے گا اور اس شخص کو صحبت حلال ہوگی کیونکہ حاکم لڑکی کا ولی ہے وہ نکاح اس کا کراسکتا ہے،یہ فیصلہ باطن پر ہوگا۔چنانچہ خلافت حیدری میں ایک ایسا ہی مقدمہ نکاح کا پیش ہوا مرد نے ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا عورت نے انکار کیا،مرد نے دو گواہ قائم کردیئے جناب علی نے نکاح کا فیصلہ فرمادیا عورت نے عرض کیا کہ حضور اب آپ میرا نکاح اس شخص سے ہی پڑھادیجئے تاکہ حرام سے بچوں،جناب علی نے فرمایا کہ میرا یہ فیصلہ ہی تیرا نکاح ہے۔(حواشی بخاری کتاب الحیل،ہدایہ،عینی وغیرہ) یہاں مال،خون،طلاق کے فیصلوں کا ذکر ہے جن میں حاکم ولی نہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب **نعیم الباری علی البخاری** میں ملاحظہ کیجئے جس میں دلائل سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی بارگاہ میں بہت ناپسندیدہ شخص زیادہ سخت جھگڑالو ہے[1](مسلم،بخاری)	

[1] الد بناہے لدید سے بمعنی سخت جھگڑا،**خصم** بنا ہے **خصومت** سے بمعنی بہت جھگڑا دونوں کے مجموعہ کے معنے ہوئے بہت اور سخت جھگڑالو،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ**"یعنی عادی مقدمہ باز آدمی مردود بارگاہ الٰہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا قسم اور گواہ سے[1](مسلم)	

[1] اس حدیث کے معنی حضرت امام شافعی و احمد و مالک رحمۃ اللہ علیہم یہ کرتے ہیں کہ مدعی کے پاس ایک گواہ تھا تو حضور نے مدعی سے وہ گواہ قبول فرمالیا اور اس مدعی سے ایک قسم لے لی اور اس ایک گواہ اور ایک قسم پر اس کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔چنانچہ ان حضرات کے ہاں ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز ہے مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدعی پر قسم نہیں قسم مدعیٰ علیہ پر ہے،نیز ایک گواہ کافی نہیں،عام حقوق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہےاور ثبوت زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی لازم ہے۔جہاں کہیں ایک کی خبر قبول ہے وہاں وہ خبر ہے گواہی نہیں جیسے رمضان کے چاند کا ثبوت جب کہ آسمان پر گردوغبار ہو،یوں ہی یوسف علیہ السلام کی عصمت کا ایک گواہ کہ وہ شرعی گواہ نہ تھا بلکہ بطور معجزہ ایک شیر خوار بچے نے علامات عصمت کی خبر دی تھی۔خیال رہے کہ مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے اور ان تین آئمہ رضی اللہ عنہم کا یہ استدلال بہت ہی ضعیف ہے چند وجوہ سے:ایک یہ کہ ان ائمہ کے نزدیک بھی ایک گواہی اور ایک قسم پر فیصلہ صرف مالی مقدمات میں ہوگا۔دوسرے مقدمات میں صرف گواہیاں ضروری ہوں گی لہٰذا یہ حدیث ان کے معنی کے بھی خلاف ہوگی۔دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کے وہ معنی ہوں جو ان حضرات نے کیے تو یہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف ہوگی،رب تعالٰی فرماتاہے:"**فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ**

وَّامۡرَاَتَانِ "اور گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں،نیز فرماتا ہے:"وَ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ "اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بناؤ اور خبر واحد کتاب اللہ کے مقابل عمل ہے۔تیسرے یہ کہ اس معنی سے یہ حدیث ایک متواتر حدیث کے خلاف ہوگی البینة علی المدعی والیمین علی من انکر گواہی مدعی پر ہے اور قسم انکاری مدعیٰ علیہ پر وہاں قسم اور گواہی کو تقسیم فرمادیا تو مدعی قسم کیسے کھاسکتا ہے،لہذا احناف کے ہاں اس حدیث کے دو معنی ہیں:ایک یہ کہ یہاں یمین و شاہد سے جنس مراد ہے اور قضا سے عام فیصلے۔معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عموماً فیصلے مدعیٰ علیہ کی قسم اور مدعی کی گواہی پر کیے ہیں الہام یا کشف پر نہیں کیے تاکہ امت کے لیے سند رہے۔دوسرے معنی یہ کہ یہاں قضا و فیصلہ مدعیٰ علیہ کے حق میں مراد ہے یعنی ایک واقعہ میں مدعی کے پاس ایک گواہ تھا اور مدعیٰ علیہ نے قسم کھائی تو حضور نے مدعیٰ علیہ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ گواہی کا نصاب مکمل نہ تھا ان معانی سے مذکورہ قباحتوں سے میں سے کوئی قباحت نہ رہی۔

روایت ہے حضرت علقمہ ابن وائل سے وہ اپنے والد سے ۱؎ راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حضر موت کا اور ایک شخص کندہ کا حاضر ہوا ۲؎ حضرمی نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے(جبراً قبضہ)پھر کندی بولا وہ زمین میری ہے اور میرے قبضے میں ہے ۳؎ اس میں اس شخص کا کچھ حق نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں عرض کیا نہیں فرمایا تو تجھے اس کی قسم(ماننا پڑے گی)۴؎ وہ بولا یارسول اللہ یہ شخص فاسق ہے پرواہ نہیں کرتا کہ کس چیز پر قسم کھائے اور کسی چیز سے یہ احتیاط نہیں کرتا فرمایا تیرے لیے اس کی طرف سے اس کے سوا کچھ نہیں ۵؎ وہ دوسرا قسم کھانے اٹھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ پھرا ۶؎ کہ اس نے اس کے مال کی قسم کھالی تاکہ اسے ظلماً کھالے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا اللہ تعالٰی اس سے غیر متوجہ ہوگا ۷؎(مسلم)	

۱؎ یہ علقمہ تابعی ہیں،کوفی ہیں،حضرمی ہیں،ان کے والد وائل ابن حجر صحابی ہیں،علقمہ کو ابن حبان نے ثقہ فرمایا۔

۲؎ حضر موت یمن کا ایک مشہور شہر ہے،کندہ یمن کا ایک قبیلہ ہے کاف کے کسرہ سے۔

۳؎ یعنی حضرمی نے کندی پر غصب کا دعویٰ کیا اور کندی نے جواب دعویٰ کیا اور کندی نے جواب دعویٰ میں اپنے کو اس زمین کا مالک و قابض کہا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں قابض مدعیٰ علیہ ہوتا ہے غیر قابض مدعی ہوتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے گواہ طلب فرمائے اور کندی پر قسم عائد کی۔
۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس مدعیٰ علیہ پر جھوٹ یا فسق کا الزام ہو اس کی قسم معتبر ہے مگر گواہی میں تقویٰ وغیرہ کی پابندی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ بناؤ قسم میں یہ پابندیاں نہیں کیونکہ گواہی الزام کے لیے ہوتی ہے قسم دفع کے لیے۔الزام اور دفع میں بڑا فرق ہے کافر قسم کے ذریعہ اپنے سے مدعی کا دعویٰ دفع کرسکتا ہے۔
۶؎ یعنی قسم کھانے کو مڑا اس کے لیے تیار ہوا،عدالت سے واپسی مراد نہیں۔
۷؎ اور اس پر رحمت نہ کرے گا۔اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ قابض بمقابلہ غیر قابض چیز کا مستحق ہے۔دوسرے یہ کہ اگر مدعیٰ علیہ اقرار نہ کرے تو اس پر قسم کھانا لازم ہے،اگر قسم سے انکار کرے گا تو مدعی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔تیسرے یہ کہ مدعی کے گواہ مدعیٰ علیہ کی قسم پر مقدم ہیں اگر گواہ نہ ہوں تو اس سے قسم لی جاوے۔چوتھے یہ کہ دوران مقدمہ میں ایک فریق دوسرے کو فاسق وفاجر وغیرہ الفاظ کہے تو اسے برداشت کرنا پڑیں گے حاکم فسق کا ثبوت نہ مانگے گا بخلاف گواہ کے کہ اگر مدعیٰ علیہ مدعی کے گواہوں کو فاسق کہے تو حاکم ان کی عدالت کی تحقیق کرے گا۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کوئی اس چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں ڈھونڈے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی جھوٹا مدعی دو گناہ کرتا ہے:جھوٹ بولنا اور دوسرے کے حق مارنے کی کوشش کرنا لہذا وہ ہمارے طور طریقہ سے نکل جاتا ہے مؤمن کو ان عیوب سے پاک و صاف ہونا چاہیے۔ڈھونڈے امر بمعنی خبر ہے یعنی وہ آگ کا مستحق ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تم کو بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں ۲؎ وہ گواہ ہے جو طلب کیے جانے سے پہلے گواہی دے دے ۳؎(مسلم)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،جہنی ہیں،آپ کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی،پچاسی سال عمر پائی،عبدالملک کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔(اشعہ)
۲؎ شهداء جمع ہے شاهد کی بھی شہید کی بھی یہاں شاہد کی جمع ہے۔
۳؎ اس فرمان عالی کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ کسی کے پاس کسی مدعی کے حق کی گواہی ہے اور مدعی کو اس کی خبر نہیں اگر یہ گواہی نہ دے تو اس کا حق مارا جائے تب اس پر لازم ہے کہ خود مدعی کو خبر دے دے کہ میں

تیرے حق کا عینی گواہ ہوں تاکہ اس کا حق نہ مارا جائے،یہ گواہی امانت ہے جس کا چھپانا خیانت ہے۔دوسرے یہ کہ حقوق شرعیہ کی گواہی دینا واجب ہے اگرچہ اس کا دعویٰ نہ ہو جیسے طلاق،عتاق، وقف،عام وصیت کہ ان جیسی چیزوں کی گواہی قاضی کے ہاں ضرور دے اگرچہ اسے طلب نہ کیا گیا ہو،ان دونوں گواہیوں کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَقِیۡمُوا الشَّہٰدَۃَ لِلّٰہِ"۔چونکہ ان گواہیوں سے حق انسانی اور حقوق شرعیہ وابستہ ہیں لہذا ضرور ادا کرے طلب کا انتظار نہ کرے،رمضان وعید کے چاند کی گواہی ضرور دے،جس حدیث میں بغیر گواہ بنائے گواہی دینے کی برائی ہے یشھدون ولا یستشھدون وہاں جھوٹی گواہی نااہل گواہی مراد ہے۔(لمعات،مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین لوگ میرے ہم زمانہ ہیں۱پھر وہ جو ان سے متصل ہوں گے پھر وہ جو ان سے ملے ہوں گے۲پھر ایسی قوم آئے گی جن میں ہر ایک کی گواہی اسی کی قسم پر پہل کرے گی اور اس کی قسم اس کی گواہی پر۳(مسلم،بخاری)	

۱قرن کے لغوی معنی ہیں ملنا،اسی سے ہے اقتران زمانہ اور اہل زمانہ اور گروہ کو قرن اس لیے کہتے ہیں کہ ہم زمانہ اور ایک گروہ کے لوگ ملے ہوئے ہوتے ہیں اس میں گفتگو ہے کہ قرن یعنی زمانہ کس مدت کا نام ہے،تیس سال،چالیس سال،ساٹھ سال،ستر سال اسی۸۰ سال،سو سال آخری قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تم ایک زمانہ تک جیتے رہو عشی قرنا تو وہ سو برس جیا۔(مرقات)بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین کا زمانہ حضور انور کا زمانہ ہے،ق میں صدیق کی طرف ر میں حضرت عمر کی طرف ن میں حضرت عثمان کی طرف اور ی میں حضرت علی کی طرف اشارہ ہے۔بعض نے فرمایا کہ حضور کے صحابہ حضور کے قرن ہیں،بعض نے فرمایا کہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری شریف میں زندہ تھا وہ حضور کا ہم زمانہ ہے۔(از مرقات واشعہ مع زیادت)خیال رہے کہ زمانہ نبی اور ہے زمانہ نبوت کچھ اور،حضور کا زمانہ نبوت تا قیامت ابدالاباد تک ہے۔جس زمانہ میں لوگ حضور کو دیکھ کر صحابی بنتے تھے وہ زمانہ محدود ہے ورنہ آج بھی زمانہ حضور کا ہے اور ہمیشہ زمانہ حضور کا ہی رہے گا۔

لطیفہ: ایک صاحب نے بدعت کی تعریف کی کہ بدعت وہ ہے کہ جو حضور کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوتو ایک عاشق دل شاد نے کہا آج کس کا زمانہ ہے،آج بھی انہیں کا رواج انہیں کا زمانہ ہے،ہم آج کلمہ پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم،محمد اللہ کے رسول ہیں اگر یہ زمانہ ان کا نہیں تو"ہیں"کسے کہہ رہے ہو جو ہمارے رسول بھی زندہ ہیں ان کی رسالت بھی قائم دائم ہے۔

۲یعنی تابعین اور تبع تابعین۔خیال رہے کہ صحابی وہ مؤمن انسان ہیں جنہوں نے حضور انور کو ایک نگاہ دیکھا یا ایک آن کے لیے صحبت پائی مگر تابعی وہ لوگ جنہوں نے صحابی کی مستقل صحبت پائی ہو،ایسے ہی تبع تابعین وہ جنہوں نے تابعی

کی صحبت پائی ان کا فیض حاصل کیا ہو لہذا امام ابوحنیفہ تابعی ہیں مگر یزید تابعی نہیں کہ اگرچہ وہ صحابی کا بیٹا ہے مگر فیض صحابہ حاصل نہ کرسکا۔اسی لیے یہاں مرقات نے **یلونھم** کے معنے کیے ای **یقربونھم فی الخیر کالتابعین** جو صحابہ سے خیر میں قریب ہوں۔

۳؎ یعنی جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں پر دلیر ہوں گے پرواہ نہ کریں گے کہ اپنی گواہی کی قسم سے ثابت کریں یا جھوٹی قسم کو جھوٹی گواہی سے ثابت کریں دونوں پر حریص ہوں گے۔اس حدیث کی بنا پر حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ جو گواہ قسم کھاکر گواہی دے یا برعکس تو اس کی گواہی رد ہے مگر جمہور آئمہ فرماتے ہیں کہ گواہی رد نہ ہوگی،اس کی تحقیق مرقات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ فرمایئے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ صحابہ تمام زمانوں سے افضل ہے،پھر جس قدر زمانہ حضور سے دور ہوجائے گا خیریت کم ہوجاتی جائے گی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک قوم پر قسم پیش فرمائی تو انہوں نے جلد بازی کی تو حضور نے حکم دیا کہ قسم میں ان کے درمیان قرعہ ڈالاجائے کہ کون قسم کھائے۱؎(بخاری)	

۱؎ اس حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے کسی جماعت کے خلاف دعویٰ کیا اس کے پاس گواہ نہیں تھے،قسم اس جماعت پر آئی ان میں سے ہر شخص نے پہلے قسم کھانے کی کوشش کی تب قرعہ ڈالا مگر شارحین فرماتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں نے کسی چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے کے قبضہ میں ہے،وہ قابض کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں ان میں سے کس کی ہے ان دونوں مدعیوں کے پاس گواہی نہیں یادونوں کے پاس گواہی ہے،حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قرعہ اندازی کرکے جسکے نام پر قرعہ آئے اس سے قسم لی جائے اسی کو دے دی جائے،امام شافعی کے ہاں اس تیسرے کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے،امام اعظم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو نصف دے دی جائے۔**واللہ اعلم**!(لمعات،اشعہ،مرقات)قرعہ یا قسم ان پر نہ ہوگی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہی مدعی پر ہے اور قسم مدعیٰ علیہ پر۱؎(ترمذی)	

۱؎ اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعیٰ علیہ اس کے دعویٰ کا انکار کرے اور مدعی قسم کا مطالبہ کرے تو قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ان دو شخصوں کے بارے میں جو حضور	

	کی طرف میراث کا مقدمہ لائے ۱؎ کہ اس کا ان کے پاس سواء دعویٰ کے کوئی گواہ نہ تھا تو فرمایا کہ میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو میں اس کے لیے آگ کے ایک حصہ کا فیصلہ کرتا ہوں ۲؎ اس پر ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا حق میرے اس صاحب کے لیے ہے ۳؎ تو فرمایا یوں نہیں لیکن جاؤ پھر تقسیم کرو اور حق کی تلاش کرو ۴؎ پھر قرعہ ڈالو پھر تم میں سے ہر ایک اپنے ساجھی سے معافی مانگ لے ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں تمہارے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں ان چیزوں میں جن میں مجھ پر نزول وحی نہیں ہوا ۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی ایک چیز کے متعلق دو صاحبوں نے دعویٰ کیا کہ میری ہے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ مجھے یہ چیز میرے عزیز کی میراث میں ملی ہے اور کسی کے پاس گواہ تھے نہیں۔

۲؎ یعنی میرا شرعی فیصلہ جو ظاہر پر مبنی ہو وہ غیر مستحق کے لیے یہ چیز حلال نہ کردے گا اگر واقعی وہ سچا ہو تو لے ورنہ چھوڑ دے۔اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ حضور انور کے فیصلے کتنی قسم کے ہیں اور کس فیصلہ کا کیا حکم ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! یہ تاثیر ہے اس زبان فیض ترجمان کی کہ ایک فرمان میں ان دونوں کے قال حال،خیال،سب اعمال بدل گئے۔

۴؎ یعنی یہ چیز دونوں صاحب آپس میں برابر تقسیم کرلو اور تقسیم میں حق کا خیال رکھو۔توخی بنا ہے وخیٌ سے بمعنی میانہ روی جس میں نہ جلدی ہو نہ دیر اور بمعنی قصدو تحری،یہاں دوسرے معنی میں ہے۔

۵؎ یہ درحقیقت صلح کرانا ہے فیصلہ نہیں۔سبحان اللہ! کیا شاندار تصفیہ ہے ان دونوں میں ہر شخص کا خیال یہ تھا کہ یہ متروکہ چیز صرف میری ہے تو فرمایا کہ ہر ایک آدھی آدھی لے لو،تقسیم بالکل درست ہو اور تعیین کے لیے قرعہ ڈالو کہ کون سا حصہ کون لے،پھر تقویٰ و پرہیزگاری کے طور پر ایک دوسرے کو اپنے حق سے بری کردو کہ اگر میرا کچھ حق تیری طرف چلا گیا ہو میری طرف سے تجھے معاف اور اگر تیرا کچھ حق میری طرف آگیا ہو تو معاف کردے۔اس سے معلوم ہوا کہ مجہول حق سے براءت کردینا جائز ہے احناف کا یہ قول ہے۔(مرقات)

۶؎ نزول وحی میں وحی سے عام وحی مراد ہے خواہ اصطلاحی وحی متلو ہو یا غیر متلو یا الہام یا کشف یا کچھ اور یعنی مقدمات کے فیصلے ہم وحی یا الہام وغیرہ سے فرماتے ہیں جب کسی مقدمہ میں یہ چیزیں نہ ہوں تو اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے ہیں جس میں مدد گواہی،قسم،علامات سے لیتے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ دو شخصوں نے ایک گھوڑی کے متعلق دعویٰ کیا تو ان میں سے ہر ایک نے گواہی قائم کی کہ یہ جانور میری ہے اس سے بچے لیے ہیں ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا جس کے قبضہ میں وہ تھی ۲؎ (شرح سنہ)۳؎	

۱؎ یعنی اس گھوڑی سے میں نے بچے حاصل کیے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ والا مدعیٰ علیہ ہے اور غیر قابض مدعی ہے اگر غیر قابض گواہی قائم کرے تو اس کے لیے فیصلہ ہے ورنہ قابض سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا،امام اعظم کے نزدیک قابض کے گواہ نہ لیے جائیں گے کہ مدعیٰ علیہ پر گواہ نہیں ہاں اس کے گواہ بچہ دینے پر قائم ہوسکتے ہیں اگر دونوں بچہ دینے پر گواہی پیش کردیں تب بھی فیصلہ قابض کے حق میں ہوگا۔

۳؎ یعنی صاحب مصابیح نے یہ حدیث اپنی کتاب شرح سنہ میں روایت کی اسے بیہقی اور شافعی نے بھی روایت فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک اونٹ کا دعویٰ کیا پھر ان میں سے ہر ایک نے دو گواہ قائم کردیئے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان آدھاآدھا بانٹ دیا ۲؎(ابوداؤد)اور ابوداؤد کی دوسری روایت اور نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ دوشخصوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا جن میں سے کسی کے پاس گواہ نہ تھے ۳؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ ان دونوں کے درمیان کردیا ۴؎	

۱؎ چونکہ ان میں سے ہر ایک مدعی تھا کوئی اس اونٹ کا قابض نہ تھا لہذا ان میں سے کوئی مدعیٰ علیہ نہ تھا اس لیے حضور انور نے دونوں کی گواہی قبول فرمائی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گواہ صرف مدعی سے لیے جاتے ہیں دونوں سے کیوں لیے گئے،ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی پہلے سے قابض ہوں مگر احتمال اولیٰ قوی ہے کہ اونٹ کسی تیسرے کے قبضہ میں تھا جو نہ اس کا مدعی تھا نہ اسے مالک کی خبر تھی۔

۲؎ اس طرح کہ دونوں کو اس کا مالک مان لیا کہ یاتو یہ دونوں اس اونٹ سے مشترکہ کام لیں یا اس کی قیمت دونوں نصف تقسیم کرلیں۔یہ مطلب نہیں کہ ذبح کرکے دونوں میں تقسیم فرمادیا،ایسے مقدمات میں یہ ہی فیصلہ ہونا چاہیے،یہ جب ہے جب کہ کسی کی گواہی خاص علامت سے قوت نہ پاتی ہو ورنہ علامت والے کی گواہی کو قوت ہوگی اور اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

۳؎ شاید یہ دوسرا واقعہ ہے،پہلا واقعہ کوئی اور تھا ممکن ہے کہ وہ ہی واقعہ ہو جو ابوداؤد کے حوالے سے مذکور ہوااور گواہ نہ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ دونوں کے پاس گواہ تھے جو تعارض کی وجہ سے ساقط ہوگئے لہذا دونوں کے پاس گواہی مقبول نہ رہی،مرقات نے اخیری توجیہ کو ترجیح دی۔

۴؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ جانور کو مشترک قرار دیا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ دو شخصوں نے ایک جانور میں جھگڑا کیا اور ان کے پاس گواہ نہ تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا قسم پر قرعہ ڈالو۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس کا وہ ہی مطلب ہے جو فصل اول کی آخری حدیث کے ماتحت بیان ہوا کہ دو شخصوں نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے شخص کے قبضہ میں تھی اور وہ اس کا مدعی نہ تھا بلکہ کہتا تھا کہ مجھے خبر نہیں کہ اس کا مالک کون ہے اور ان دونوں مدعیوں کے پاس گواہ نہ تھے تب حضور انور نے بذریعہ قرعہ ایک سے قسم لی کیونکہ وہ دوسرے کے حق کا انکاری تھا اور بعد قسم اسے وہ شے دے دی،یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی ہے کہ ان کا مذہب ایسے واقعہ کے متعلق یہ ہی ہے،امام شافعی کے ہاں ایسی حالت میں وہ چیز اس تیسرے کے پاس ہی چھوڑ دی جائے گی اور امام اعظم کے ہاں دونوں مدعیوں میں آدھی آدھی تقسیم ہوگی لہذا ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو ابھی گزری جس میں تقسیم کا ذکر ہے۔واللہ اعلم!

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس سے قسم لی کہ اس اللہ کی قسم کھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۱؎ کہ تیرے پاس اس مدعی کی کوئی چیز نہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ معلوم ہوا کہ مدعیٰ علیہ سے قسم لیتے وقت رب تعالٰی کی بعض صفات کا ذکر بھی کیا جائے جس سے قسم کھانے والے کے دل میں ہیبت پیدا ہو مثلًااس سے یوں قسم لی جائے کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم اتارا رب یا رب کعبہ کی قسم۔

۲؎ نہ وہ چیز جس کا یہ دعویٰ کرتا ہے نہ کوئی اورچیز،اس تعمیم سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت اشعث ابن قیس سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین تھی ۲؎ اس نے انکار کردیا میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا تو حضور نے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں تو یہودی سے فرمایا تو قسم کھا ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تب تو یہ قسم کھا

	جائے گا اور میرا مال لے جائے گا۴ تب اللہ نے یہ آیت اتاری بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہدوپیمان اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خرید لیتے ہیں ۵ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎آپ کا نام اشعث ابن قیس ابن معدیکرب ہے،کنیت ابو محمد ہے،کندی ہیں، ۱۰ھ میں وفد کندہ کے ہمراہ آئے۔حضور کے ہاتھ شریف پر اسلام قبول کیا،اپنی قوم کے سردار تھے،حضور کی وفات کے بعد اپنے قبیلہ کے ساتھ مرتد ہوگئے،پھر خلافت صدیقی میں دوبارہ اسلام لائے،حضرت صدیق اکبر نے اپنی ہمشیرہ کا آپ سے نکاح کردیا،پھر آپ حضرت سعد ابن ابی وقاص کے ساتھ عراق کی جنگ میں گئے اور قادسیہ،مدائن اور نہاوند آپ نے فتح کیے،پھر کوفہ میں قیام رہا، ۴۰ھ میں کوفہ وفات پائی،آپ کی نماز جنازہ امام حسن نے پڑھائی،جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ صلح کے وقت امیر معاویہ کے ہمراہ رہے۔(اشعہ،مرقات)لہذا آپ امام شافعی کے ہاں صحابی ہیں اور احناف کے ہاں تابعی ہیں کیونکہ ارتداد کی وجہ سے آپ کی صحابیت ختم ہوچکی کہ احناف کے ہاں صحابیت کے لیے مسلسل مؤمن رہ کر وفات پانا شرط ہے۔(ازمرقات)

۲؎جس میں جھگڑا تھا قابض یہودی تھا جیساکہ آئندہ مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مدعی کے مقابلہ میں کافر مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی مگر مسلمان مدعیٰ علیہ کے مقابلہ میں کافر مدعی کے کافرگواہ معتبر نہیں کیونکہ قسم دفع کے لیے ہوتی ہے اور گواہی دوسرے پر الزام کے لیے تو کافر کی گواہی مسلمان مدعیٰ علیہ پر الزام نہیں کرسکتی،اس کی بحث کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎مقصد یہ ہے کہ میں اس قسم کا اعتبار نہیں کرتا کیونکہ یہ کافر ہے اور کافر مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لیے جھوٹی قسم کھانے میں خوف نہیں کرتے۔

۵؎اس آیت میں حضرت اشعب ابن قیس کو تو یہ بتایا گیا کہ تم یہودی سے صرف قسم لینے کے مستحق ہو اب اگر وہ جھوٹی قسم کھائے تو وہ ذمہ دار ہے اور یہودی کو یہ بتایا گیا کہ توریت شریف میں بھی جھوٹی قسم کھانے پر وعید ہے اگر تو نے ایسی جرأت کی تو بحکم توریت تو سخت مجرم ہوگا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت اشعث کے سوال کا جواب اس آیت میں نہ دیا گیا نہ اعتراض ہے کہ آیت قرآنیہ کا اثر اس کافر یہودی پر پڑے گا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقدمہ میں کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں کافر کی قسم معتبر ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ ایک شخص کندہ کا اور ایک شخص حضر موت کا یہ دونوں اپنا مقدمہ یمنی زمین کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے تو حضرمی بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین میری ہے اس کے باپ نے مجھ سے غصب کرلی تھی ۱؎ اور وہ زمین اسی کے قبضہ میں ہے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں ۲؎ عرض کیا نہیں لیکن میں اس سے قسم لوں گا اس پر کہ اللہ کی قسم وہ نہیں جانتا کہ وہ میری زمین ہے ۳؎ کہ اس کے باپ نے وہ مجھ سے غصب کی ہے تب کندی قسم کے لیے تیارا ہوا ۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کا مال جھوٹی قسم سے نہیں مارے گا مگر وہ اللہ تعالٰی سے کوڑھی ہوکر ملے گا ۵؎ تو کندی بولا وہ زمین اسی کی ہے ۶؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی یمن کے علاقہ میں ایک میری مملوکہ زمین تھی اس کے باپ نے اس پر ناجائز قبضہ کرکے مجھے بے دخل کردیا باپ اس کا فوت ہوگیا اس نے بطور میراث اس زمین پر قبضہ کرلیا ہے،اسے خبر ہے کہ اس کے باپ نے میری زمین چھینی تھی مجھے دلوائی جائے،چونکہ اب بظاہر زمین کا مالک وہ ہی تھا اس کے لیے اس پر ہی دعویٰ کیا گیا اگرچہ غصب کا مجرم اس کا باپ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ پرانے مقدمہ کی بھی سماعت حاکم کو کرنا چاہیے،جرم نیا ہو یا پرانا بہرحال جرم ہے ،یہ بھی معلوم ہوا کہ ناجائز قبضہ ناجائز ہے کوئی شخص ناجائز پرانے قبضہ کی وجہ سے اس کا مالک نہیں ہوجاتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے اپنے مملوکہ مال کی میراث بٹے گی۔امانت،غصب،قرضہ،عاریت میں میراث جاری نہ ہوگی،یہ چیزیں مالکوں کو واپس ہوں گی۔

۲؎ یعنی اس مقدمہ میں تم مدعی ہو کہ خلاف ظاہر کا دعویٰ کررہے ہو اور یہ شخص بوجہ قابض ہونے کے مدعی علیہ ہے لہذا تم اس غصب کی گواہی پیش کرو۔

۳؎ یعنی یہ اس واقعہ کو جانتا ہے ورنہ اپنی لاعلمی پر قسم کھا جائے۔

۴؎ یعنی اس نے قسم کھانا چاہی۔

۵؎ یہ فرمان عالی اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،بعض اعمال کا اثر چہرے بلکہ تمام جسم پر قیامت میں نمودار ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوۡہٌ"کفروایمان بھی چیزوں سے نمودار ہوگا اور اعمال بدونیک بھی،واقعی ایسا جھوٹا حقیقتًا کوڑھی ہوگا،بعض شارحین نے بلاوجہ کوڑھی ہونے کی تاویلیں کیں کہ وہ حرکت و برکت سے محروم ہوگا وغیرہ۔

۶؎ سبحان اللہ! یہ ہے اثر اس زبان فیض ترجمان کا کہ دو کلمات میں اس کے دل کا حال بدل گیا اور سچی بات کہہ کر زمین سے لا دعویٰ ہوگیا۔یہ حدیث فصل اول میں بروایت حضرت علقمہ ابن وائل گزر چکی مگر وہاں یہ ذکر نہ تھا کہ کندی نے کہا یہ اس کی زمین ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن انیس ۱؎سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے سے بڑا گناہ اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے۲؎اور ماں باپ کی نافرمانی ۳؎ اور گزشتہ پر جھوٹی قسم۴؎اور نہیں قسم کھاتا کوئی روکنے والی قسم ۵؎پھر اس میں مچھر کے پر برابر ملاوٹ کرے مگر وہ تاقیامت اس کے دل میں داغ بنادی جاتی ہے ۶؎ (ترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ۷؎	

۱؎اُنیس الف کے ضمہ نون کے فتحہ سے،یہ عبداللہ صحابی جہنی انصاری ہیں،غزوہ احد وغیرہ میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ ایسے مقامات پر شرک سے مراد مطلقًا کفر ہوتا ہے کیونکہ ہر کفر بڑے سے بڑا گناہ ہے الخ،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ"کفر بڑا ظلم ہے اور فرماتا ہے:"وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا"کفار مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں۔فقیر نے بھی اس کی تحقیق اپنی تفسیر میں کی ہے کہ جہاں شرک کا مقابلہ ایمان سے ہوگا وہاں اور جہاں شرک مطلق ہوگا وہاں اس سے مراد ہر کفر ہوگا،کفر کے معنی ہیں کسی اسلامی عقیدے کا انکار کرنا جیسے نبی کی نبوت،قرآن کی حقانیت،قیامت،نماز،زکوۃ وغیرہ کا انکار اور شرک کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالٰی کے برابر ماننا یا اللہ تعالٰی کی شان گھٹا کر اس کو کسی بندے کے برابر سمجھنا،برابری کے عقیدے کے بغیر شرک ناممکن ہے،دیکھو ہماری کتاب علم القرآن۔رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ"اور فرماتاہے:"اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ"۔بہرحال شرک میں شرط ہے کسی کو رب کے برابر سمجھنا،یہ خوب خیال میں رہے۔

۳؎ماں باپ اگرچہ کافر ہوں ان کے حقوق ادا کرنا شرعًا ضروری ہیں۔عقوق کے معنی ہیں ادائے حق کی کوتاہی کرنا یہ سخت گناہ ہے۔

۴؎قسم تین طرح کی ہے:قسم لغو،قسم منعقدہ،قسم غموس۔بے خبری میں جھوٹی قسم جو منہ سے نکل جاوے وہ لغو ہے،اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ،آئندہ کے متعلق قسم اگر یہ توڑ دی جائے تو کفارہ واجب ہے،گزشتہ واقعہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم اس میں کفارہ نہیں گناہ ہے۔غموس بنا ہے غمس سے بمعنی ڈبونا،چونکہ یہ قسم انسان کو گناہوں میں ڈبو دیتی ہے اس لیے یمین غموس کہتے ہیں۔

۵؎ قسم صبر کے معنی پہلے عرض کیے جاچکے ہیں کہ ایسی قسم جو مقابل کو انکار سے روک دے جیسے مسجد نبوی میں منبر رسول کے پاس قسم یا بعد نماز عصر قرآن مجید سر پر رکھ کر قسم وغیرہ۔

٦؎ یعنی یہ قسم اس کے دل میں ایسا میل پیدا کردیتی ہے جیسے شیشہ یا شفاف تلوار میں گردوغبار کے دھبے اور یہ داغ تا قیامت رہے گا بعد قیامت اس کا نتیجہ دیکھے گا۔جب جھوٹ کی ملاوٹ کا یہ وبال ہے تو خاص جھوٹی قسم کا کیا حال ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ اعضائے ظاہری کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے جیسے کہ دل کا اثر ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے دل کی رنج و خوشی چہرے سے ظاہر ہوتی ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ دل مثل آئینہ کے صاف و شفاف ہے اس کی صفائی کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔

۷؎ یہ حدیث احمد ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ نہیں قسم کھاتا کوئی میرے اس منبر کے پاس ۱؎ جھوٹ پر قسم اگرچہ ھری مسواک پر ہو مگر وہ اپنا ٹھکانہ آگ کا بناتا ہے یا اس کے لیے آگ واجب ہوجاتی ہے ۲؎(مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اگرچہ مکہ معظمہ یعنی کعبہ معظمہ کا منبر اور تمام عالم کی مسجدوں کے منبر حضور ہی کے ہیں مگر ھٰذا فرماکر بتایا کہ ہماری مراد مسجد نبوی شریف کا منبر ہے جو ریاض الجنہ کے دوسرے کنارہ پر واقعہ ہے۔شعر

اک طرف روضہ کی جالی اک سمت منبر کی بہار بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

۲؎ یعنی دوسری جگہ جھوٹی قسم کھانے سے ہمارے منبر کے سامنے ایسی قسم کھانا زیادہ خطرناک ہے کہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت بھی۔معلوم ہوا کہ اچھی جگہ اچھے وقت میں جیسے نیکی کا ثواب زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی گناہ کا عذاب بھی زیادہ،دیکھو اور مہینوں میں روزہ توڑنے سے صرف قضا واجب ہوتی ہے مگر ماہ رمضان میں روزہ توڑنے پر اکسٹھ روزے واجب ہیں ایک قضا کا ساٹھ کفارہ کے یہ کفارہ کیا ہے ماہ رمضان کی بے حرمتی۔

	روایت ہے حضرت خریم ابن فاتک ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھی،پھر جب فارغ ہوئے تو سیدھے کھڑے ہوئے پھر تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے برابر کی گئی ۲؎ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ بچو گندگی یعنی بتوں سے ۳؎ اور بچو جھوٹی بات سے ۴؎ اللہ کی طرف جھکتے ہوئے اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے ۵؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ خریم خ کے ضمہ سے ر کے فتحہ سے،آپ خریم ابن اخرم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہیں،اسدی ہیں، صحابی ہیں،حدیبیہ میں حاضر ہوئے،بدر میں شرکت ثابت نہیں۔

۲؎ زور بنا ہے زود بالفتح سے جس کے معنی ہیں مائل ہونا،ٹیڑھا ہونا۔اصطلاح میں جھوٹ کو بھی زور کہتے ہیں اور ملمع سازی کو بھی کیونکہ جھوٹا آدمی جھوٹ کی وجہ سے راہِ حق سے ہٹ جاتا ہے ملمع سازی عملی جھوٹ ہے کہ پیتل کو ملمع کرکے سونا دکھایا جاتا ہے یعنی قرآن کریم میں جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ بیان فرمایا اور اسے شرک کے برابر قرار دیا کیونکہ شرک بھی جھوٹ کی ہی تو قسم ہے۔مشرک کہتا ہے رب دو ہیں یہ قول جھوٹ ہے سمجھتا ہے کہ بت لائق عبادت ہیں یہ اعتقادی جھوٹ ہے،نیز مشرک رب تعالٰی کے خلاف جھوٹ بول کر اس کا حق مارتا ہے اور یہ جھوٹا بندے کے خلاف جھوٹ بول کر اس کا حق مارتاہے لہذا جھوٹ کو شرک سے بہت تناسب ہے۔

۳؎ من الاوثان میں من بیانیہ ہے اور اوثان رجسؐ کا بیان جیسے ظاہری پلیدی جسم یا کپڑے کو گندا کرتی ہے ایسے ہی بت پرستی دل کو گندا کرتی ہے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ جیسے تم ظاہر گندگیوں سے گھن کرتے ہو ویسے ہی باطن گندگیوں سے گھن کرو،باطنی گندگی بت پرستی اور جھوٹی بات،جسم سے زیادہ دل اور روح کی فکر کرو۔

۵؎ حنفاء جمع ہے حنیف کی حنیف کے معنی ہیں کسی کی طرف جھکنا،مائل ہونااور جنیف جیم سے کسی سے الگ ہونا،اس سے مائل ہونا ہے،حنیف وہ ہے جو باطل سے ہٹا ہو حق کی طرف مائل ہواسی لیے حضرت ابراہیم السلام کو قرآن کریم نے حنیف فرمایا،ان کے صدقہ سے ہر مسلمان حنیف ہے کہ کفر سے ہٹا ہوا ہے ۔

اور اسے احمدوترمذی نے حضرت ایمن ابن خریم سے ۱؎ روایت کیا مگر ابن ماجہ نے تلاوت کا ذکر نہ کیا ۲؎	

۱؎ یعنی ابوداؤد وغیرہ نے تو والد سے روایت کی اور ترمذی نے بیٹے یعنی ایمن سے روایت کی،ایمن حضرت خریم کے بیٹے ہیں،ایمن کی صحابیت ثابت نہیں اس لیے ان کی روایت مرسل ہوگی۔

۲؎ یعنی ابن ماجہ نے یہ بیان نہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں آیت کریمہ "فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ" تلاوت فرمائی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں جائز ہے گواہی خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی ۱؎ اور نہ سزا کوڑے مارے ہوئے کی ۲؎ اور نہ کینہ والے کی اپنے بھائی کے خلاف ۳؎ اور نہ ولاء ونسب میں تہمت والے کی ۴؎ اور نہ کسی گھر والوں کے خرچہ پر گزارہ کرنے والے کی ۵؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور یزید ابن	

زیاد دمشقی راوی منکر الحدیث ہے ٦ ۔	

١؎ خیانت ضد ہے امانت کی،کسی کا مال ناحق دبالینا،خیانت کی بہت صورتیں ہیں یہاں یا تو خیانت سے یہ مال مار لینا مراد ہے یا اس سے ہر فسق و بدکاری مراد۔گناہ کبیرہ کرنا یا گناہ صغیرہ پر اڑ جانا اسے کرتے رہنا فسق ہے اور ہر فسق خیانت ہے کہ اس میں حق اللہ اور حق شرع کا مارنا ہے اس لیے ہر فاسق خائن ہے،مرقات نے یہاں خائن کے یہ ہی معنی کیے یعنی فاسق،اشعۃ اللمعات نے بھی اسی معنی کو ترجیح دی۔مطلب یہ ہے کہ فاسق معلن کی گواہی قاضی کے ہاں قبول نہیں قرآن کریم فرماتاہے:"وَ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"اپنے میں سے دو عادلوں و پرہیزگاروں کو گواہ بناؤ اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ شرابی،زانی،چور،داڑھی منڈے وغیرہم فسّاق کی گواہی قبول نہیں اس حکم کا ماخذ یہ ہی حدیث اور یہ ہی آیت ہے۔

٢؎ خیال رہے کہ کوڑوں کی سزا کنوارے زانی کو بھی دی جاتی ہے(سو کوڑے)اور شرابی کو بھی(اسی ٨٠ کوڑے) اور پارسا عورت کو زنا کی تہمت لگانے والے کو بھی(اسی ٨٠ کوڑے)مگر یہاں مراد یہ تیسرا شخص ہے تہمت کی سزا والا کیونکہ مردود الشہادت صرف یہ ہی شخص ہے نہ کہ پہلے دو،اس پر ساری امت کا اجماع بھی ہے قرآن کریم کی تصریح بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ الَّذِیۡنَ یَرْمُوۡنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاۡتُوۡا بِاَرْبَعَۃِ شُہَدَآءَ فَاجْلِدُوۡہُمْ ثَمٰنِیۡنَ جَلْدَۃً وَّ لَا تَقْبَلُوۡا لَہُمْ شَہٰدَۃً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوۡنَ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا"مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں قاذف تہمت لگانے والے کی گواہی توبہ کے بعد بھی قبول نہیں ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا،مگر امام شافعی کے ہاں بعد توبہ اس کی گواہی قبول ہوگی،وہ فرماتے ہیں الا الذین تابوا کا تعلق لاتقبلوا سے ہے اور ہمارے ہاں اس کا تعلق فاسقون سے ہے یعنی یہ قاذفین فاسق ہیں سواء توبہ کرنے والوں کے،نیز امام شافعی کے ہاں قاذف تہمت لگاتے ہی مردود الشہادت ہے مگر ہمارے ہاں کوڑے لگنے کے بعد یعنی ہمارے ہاں گواہی رد ہونا تہمت کی سزا کا تتمہ ہے،یہ حدیث ان دونوں مسئلوں میں امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلود یعنی کوڑے لگائے ہوئے کی گواہی مردود قرار دی اور ہمیشہ کے لیے مردود قرار دی توبہ کرے یا نہ کرے۔(مرقات و کتب فقہ)چونکہ اس جملہ کی تائید قرآن کریم سے ہورہی ہے لہذا حدیث کا یہ جزء قوی ہے۔

٣؎ بھائی سے مراد وہ ہے جس کے خلاف گواہی دے رہا ہے اسلامی بھائی چارہ مراد ہے یعنی کینہ پرور اور دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہیں اگرچہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ بوجہ دشمنی اسے نقصان پہنچانے کے لیے اس کے خلاف جھوٹی گواہی دے گا اس لیے احتیاطًا یہ لازم کردیا گیا۔

٤؎ یعنی جو غلام اپنے کو مولیٰ کے سوائے کسی اور کا آزاد کردہ غلام بتاکر اپنی ولاء اس سے ثابت کرے یوں ہی جو شخص اپنے کو دوسرے خاندان سے منسوب کرے ان کی گواہی قبول نہیں۔آج کل لوگوں کو بناوٹی سید بننے کا بہت شوق ہے ایسے مصنوعی سیدوں کی گواہی مردود ہے یہ فرمان عالی بہت جامع ہے۔عربی میں قانع کہتے ہے سائل کو اور مقنع کہتے ہیں صابر کو جو تھوڑے کھانے پر قناعت کرے،یہاں وہ شخص مراد ہے جو کسی کے گھر رہ کر اس کی عطاء پر گزارہ کررہا ہو،چونکہ اس گھر والے کے حق میں گواہی کا نفع خود اس کو بھی پہنچے گا کہ اس کو جو مال ملے گا اس مال سے اس کو

کھانا ملے گا اس لیے گواہی قبول نہیں جو گواہی خود گواہ کو نفع بخش ہو وہ قبول نہیں جیسے باپ کی گواہی اولاد کے حق میں،زوجین کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہ کوئی قبول نہیں یوں قرض خواہ کی گواہی اپنے مقروض کے حق میں قبول نہیں۔

۵؎اس میں خادم تابع لے پالک سب داخل ہیں جو کسی کی روٹی پر گزارہ کرتا ہو اس کی گواہی اس گھر والوں کے حق میں قبول نہیں کہ یہ شخص اپنی پرورش کے لیے اس کے حق میں گواہی دے گا۔

۶؎اگرچہ یہ حدیث غریب ہے مگر اس کے بعض اجزاء کی تائید قرآن مجید سے ہورہی ہے اور بعض اجزاء کی تائید دیگر احادیث سے،نیز آئمہ دین کا اسی پر عمل ہے ان وجوہ سے یہ قوی ہوگئی۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ تو خیانتی مرد کی گواہی جائز ہے نہ خیانتی عورت کی ۱؎اور نہ زانی مرد کی نہ زانیہ عورت کی ۲؎نہ کینے والے کی اپنے بھائی کے خلاف ۳؎اور رد فرمائی اس کی گواہی جو کسی کے گھر سے گزارہ کرے اسی گھر والوں کے لیے ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎اس کی شرح ابھی گزرگئی کہ حق یہ ہے کہ اس سے مراد ہر فاسق اور فاسقہ ہے۔

۲؎کیونکہ زانی فاسق ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں توبہ کے بعد قبول ہے کہ اب فاسق نہیں رہا۔

۳؎یعنی دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہیں خواہ وہ دشمن سگا بھائی ہو یا دینی بھائی نسبًا اجنبی لفظ **اخیہ** دونوں کو شامل

ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں دنیاوی عداوتیں مراد ہیں،دینی اختلاف کی صورت میں مسلمان کی گواہی کافر کے خلاف قبول ہے یوں ہی اگر اسلام کی مختلف جماعتوں کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں۔

۴؎اس کی شرح اور وجہ ابھی اوپر مذکور ہوئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جنگلی (دیہاتی) آدمی کی گواہی بستی والے کے خلاف جائز نہیں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرماتے ہیں ان کے ہاں دیہاتی کی گواہی شہری آدمی کے خلاف مطلقًا قبول نہیں،دوسرے امام اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اکثر دیہاتی لوگ احکام شرعیہ سے بے خبر ہوتے ہیں،انہیں گواہ بننے،گواہی دینے کے مسائل معلوم نہیں ہوتے ان پر بھول چوک غالب ہے،اگر کسی دیہاتی میں یہ خرابیاں نہ ہوں تو اس کی گواہی قبول ہے،بعض نے فرمایا کہ اس حدیث میں **لایجوز** بمعنی **لایحسن** ہے یعنی دیہاتی کی گواہی شہری کے خلاف اچھی نہیں کیونکہ دیہاتی کو بوقت ضرورت گواہ بننے یا گواہی دینے کے لیے بلانا مشکل ہوتا ہے مگر یہ حکم جب تھا جب کہ

اسباب سفر کم تھے اب نقل و حرکت میں دشواری نہیں۔بہرحال یہ حدیث یا منسوخ ہے یا کچھ قیود سے مقیداور جو وجوہ گواہی قبول نہ ہونے کے عرض کیے گئے وہ مجروح ہیں کیونکہ اگر ان وجوہ سے شہری کے خلاف گواہی جائز یا بہتر نہیں تو شہری کے موافق گواہی کیوں جائز ہے یہ وجوہ تو جب بھی موجود ہیں،غرضکہ سواءامام مالک کے اور کسی امام کے ہاں اس حدیث پر عمل نہیں۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے [1] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ فرمایا تو ہارے ہوئے نے جب پیٹھ پھیری تو بولا مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے [2] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی عاجز پر ملامت فرماتا ہے لیکن تجھ پر احتیاط لازم تھی [3] پھر جب تجھ پر کوئی چیز غالب آئے تو کہو کہ اللہ مجھے کافی ہے،وہ اچھا کارساز ہے [4] (ابوداؤد)

[1] عوف ابن مالک دو ہیں:ایک تابعی،دوسرے صحابی،یہاں صحابی مراد ہیں جو اشجعی ہیں،غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،آخر میں ملک شام میں رہے،وہاں ہی وفات پائی،۷۳ھ میں آپ کی وفات ہے،بہت سے صحابہ نے آپ سے روایات لیں۔(اشعہ)

[2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ جس کے خلاف ہوا تھا اس نے یہ پڑھا جس کا مقصد یہ تھا کہ مدعی نے ظلمًا مجھ سے مال وصول کرلیا ناجائزطور پر،حسرت و غم کے لیے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

[3] سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ فرمان ہے۔مقصد یہ ہے کہ اولًا خود احتیاط سے کام نہ لینا بعد میں نقصان ہوجانے پر یہ کلمات کہنا اور توکل کرنا رب تعالٰی کو ناپسند ہیں توکل کی حقیقت یہ ہے۔شعر

توکل می کنی دو کارکن   کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

لہذا جب کسی کو قرض دو تو گواہی،تحریر وغیرہ سے اس کی پختگی کرلو،بغیر گواہی تحریر قرض دے دینا پھر مقدمہ ہار جانے پر توکل کا اظہار کرنا غلط ہے۔

[4] یعنی جب تو پوری پوری احتیاط کرلے مگر قضائے الٰہی سے تجھے نقصان ہوجائے تب تو یہ کہہ کر توکل کا اظہار کرتب تیرا توکل درست ہے۔

	روایت ہے حضرت بہزابن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روای [1] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت میں قید کیا [2] (ابوداؤد)اور ترمذی و نسائی نے یہ زیادتی کی پھر اسے چھوڑ دیا [3]

۱؎ آپ بہز ابن حکیم ابن معاویہ ابن حمید قشیری ہیں،تابعین میں سے ہیں،اکثر محدثین آپ کو ثقہ کہتے ہیں مگر مسلم،بخاری نے ان کی روایت اپنی کتاب میں نہ لی،ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت منکر نہیں۔(مرقات واشعہ)بعض نے آپ کو صحابی مانا مگر یہ صحیح نہیں۔

۲؎ اس طرح کہ کسی نے جھوٹی گواہی دی،اس کا جھوٹ ظاہر ہوجانے پر اسے قید کردیا۔(مرقات)یا کسی نے اس پر قرض کا دعویٰ کیا یا کسی اور جرم کا الزام لگایاتو حضور نے مدعیٰ علیہ کو تحقیق کے دوران میں قید کردیا،پھر جرم ثابت نہ ہونے پر اسے چھوڑ دیا۔(مرقات و اشعہ)

۳؎ یا تو جھوٹے گواہ کو سزاءً کچھ روز قید کرکے چھوڑ دیا یا جرم ثابت نہ ہونے پر مدعیٰ علیہ کوچھوڑ دیا۔معلوم ہوا کہ قید کرنا بھی احکام شرعیہ سے ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی حکم دیا کہ دونوں فریق حاکم کے سامنے بٹھائے جائیں ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس زمانہ میں حکام مسندوں پر بیٹھے تھے اس لیے فریقین کو ان کے سامنے بٹھایا جاتا تھا،اب حکام کرسی پر بیٹھے ہوتے ہیں اس لیے فریقین اور انکے وکیل سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ حاکم فریقین میں برابری کرے،نشست اور گفتگو دونوں کی یکساں رکھے،کسی ایک کی طرف میلا ن نہ کرے کہ اس سے دوسرے فریق کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ حاکم کے لیے سب سے ضروری چیز فریقین میں برابری برتنا ہے۔(مرقات)یہ بہت مشکل چیز ہے کبھی ایک فریق اعلیٰ منصب والا ہوتا ہے دوسرا فریق معمولی حیثیت کا۔ حاکم اگر اعلیٰ منصب والے کو اپنے پاس بٹھائے دوسرے کوسامنے کھڑا کرے تو یہ جرم ہے اس سے ددسرے فریق کا دل ٹوٹے گا۔خلفاء اسلام کی تواریخ سے ایسے واقعات کا پتہ لگتا ہے کہ معمولی رعایا نے بادشاہ کے خلاف دعویٰ کردیا،قاضی نے سلطان کو طلب کیا تو اسے اور مدعی کو اپنے سامنے ایک ہی کٹہرے میں کھڑا کردیا دوران مقدمہ میں بادشاہ کا کوئی احترام نہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الجہاد

جہاد کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ؔجہاد بنا ہے جھدٌ سے جھد جیم کے پیش سے یا فتحہ سے بمعنی مشقت ہے۔شریعت میں جہاد بالکسر کے معنی ہیں کفار کے مقابلہ میں مشقت کرنا یا تلوار سے لڑ کر غازیوں کی مدد کرکے مال سے یا رائے سے یا ان کے ساتھ جاکر ان کی جماعت بڑھاکر۔جہاد کا درجہ اسلام میں بہت بڑا ہے عام مؤمن اپنا مال،وقت یا کوشش اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں،مجاہد اپنی جان سے دین اسلام کی خدمت کرتا ہے،جان بڑی پیاری چیز ہے اس لیے مجاہد خدا کو بڑا پیارا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ عبادات الٰہیہ پرہمیشگی کرنا بھی جہاد اعظم ہے بلکہ نماز کی پابندی جہاد سے افضل ہے کہ جہاد تو نماز قائم کرنے کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔جہاد حسن لغیرہ ہے اور نماز حسن بعینہٖ ہے۔(مرقات)حق یہ ہے کہ عام حالات میں نماز جہاد سے افضل ہے مگر بعض خصوصی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض احادیث میں نماز کو جہاد پر مقدم فرمایا گیا ہےاور بعض احادیث میں جہاد کو نماز پر مقدم فرمایا گیا۔اس جگہ اشعۃ اللمعات میں فرمایا ہے کہ عام مردوں کی روح ملک الموت قبض کرتے ہیں اور شہیدوں کی روح کو خود رب تعالٰی براہ راست قبض فرماتا ہے۔(اشعہ)شہید کے اور فضائل ان شاءاللہ آئندہ بیان ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ۱؎ اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے ۲؎ اسے جنت میں داخل کرنا اللہ کے ذمہ ہے ۳؎ خواہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اس زمین میں بیٹھ رہے جس میں پیدا ہوا ۴؎ لوگوں نے عرض کہ کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دے دیں ۵؎ فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں ۶؎ جو اللہ نے ان کے لیے تیار کیے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں ۷؎ دو درجوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے ۸؎ جب تم	

	اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو وہ جنت کا درمیان اور جنت کا اعلیٰ حصہ ہے ۹؎ جس کے اوپر اللہ کا عرش ہے وہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں ۱۰؎(بخاری)

۱؎ قرآن مجید اور حدیث شریف میں رسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اور اللہ رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ رب نے جو کچھ بھیجا اور حضور جو کچھ لائے ان سب پر ایمان لائے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ حقیقتًا ایمان ہے اللہ رسول کو ملانا،اللہ رسول میں فرق کرنا کفر ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا"۔ملانے کے معنے ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحوں میں دیکھو۔

۲؎ چونکہ نماز روزہ تمام عبادات میں افضل ہیں،نیز ان کا پابند دوسری عبادات بھی بفضلہٖ تعالٰی باآسانی ادا کرتا ہے ان وجوہ سے یہاں صرف ان ہی دونوں کا ذکر فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ اس فرمان عالی کے وقت زکوۃ و حج فرض نہ ہوئے ہوں اس لیے ان کا ذکرنہ فرمایا گیا ہو یا حج و زکوۃ کی فرضیت صرف مالداروں پر ہے روزہ نماز سب پر۔

۳؎ یعنی حق تعالٰی کے وعدے کی بنا پر جو اس نے وعدہ فرمایا،داخلہ سے مراد اولی داخلہ ہےورنہ جنت کا مطلق داخلہ تو صرف ایمان سے ہوگا یا بلندی درجات کے ساتھ داخلہ ان اعمال سے ہوگا کیونکہ جنت کا داخلہ ایمان سے ہوگا وہاں درجات اعمال صالحہ سے ہے۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد فتح کے دن یا اس کے بعد ہے کہ فتح سے پہلے ہجرت فرض تھی اور یہاں وطن پیدائش میں رہنے کی اجازت ہے مگر فتح سے پہلے صرف مکہ معظّمہ سے یا جہاں کفار کا غلبہ تھا وہاں سے ہجرت فرض تھی اسلامی شہروں سے ہجرت کرنا فرض نہ تھی۔اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے بعض خصوصی حالات میں فرض عین ہوجاتا ہے۔

۵؎ یہ عرض کرنے والے حضرت معاذ ابن جبل جیساکہ ترمذی میں ہے وہاں یہ بھی ہے کہ حضور نے فرمایا چھوڑ دو کہ لوگ عمل کریں۔خیال رہے کہ ایسی احادیث حضرات صحابہ نے اپنی وفات کے وقت اس خوف سے بیان فرمادیں کہ وہ علم چھپانے کے الزام میں نہ آویں لہذا یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور انور نے منع فرمادیا تھا تو ان حضرات نے ایسی احادیث روایت کیوں فرمادیں۔

۶؎ ترمذی میں ہے کہ ہر درجہ اتنا وسیع ہے کہ ان میں سے ایک درجہ میں عالمین جمع ہوجائیں تو سب کو کافی ہوجاوے۔

۷؎ مجاہدین سے مراد نمازی حاجی اورنفس سے مجاہدہ کرنے والے سب ہی ہیں۔(مرقات)بشرطیکہ یہ کام رضائے الٰہی کے لیے ہوں جیسا کہ فی سبیل اللہ سے معلوم ہوا۔

۸؎ یعنی پانچ سو سال کا راہ یہ سو درجے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے خاص ہیں لہذا مجاہدہ کرو تاکہ یہ درجہ پاؤ۔

۹؎ اوسط سے مراد ہے افضل اور اعلیٰ سے مراد سب سے اونچا ہے لہذا اوسط اور اعلیٰ ہی میں تعارض نہیں۔

۱۰؎یعنی فردوس کی چھت عرش اعظم ہے اور فردوس سے جنت کی چاروں نہریں پانی،دودھ،شراب طہور اور شہد کی نہریں اصولًا یہاں سے نکلتی ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس کی سی ہے جو دن کا روزہ دار رات کو آیات الٰہی کی تلاوت کرنے والا ہو۱؎نہ روزے سے تھکے نہ نماز سے ۲؎حتی کہ اللہ کی راہ کا مجاہد لوٹ آوے(مسلم،بخاری)۳؎	

۱؎قانت بنا ہے قنوت سے،احادیث میں قنوت چند معنے میں استعمال ہوا ہے اطاعت،عاجزی،نماز،دعا،عبادت، قیام۔نماز کا قیام خاموشی۔یہاں قانت سے مراد عابد ہے یا قائم یا نمازی یعنی مجاہد غازی اگرچہ آرام کرے سوئے یا کوئی جائز کام کرے ثواب عبادت ہی پائے گا کیونکہ سفر جہاد ہی تو ہے جیسے روزہ ہر وقت منہ میں رہتا ہے اس لیے رزہ دار ہوتے ہوئے بھی عابد ہے،ایسے ہی اس سفر میں بہرحال غازی رہتا ہے اس لیے کھاتے پیتے سوتے جاگتے عابد ہوتا ہے۔غازی کو بھی چاہیے کہ اس سفر میں ناجائز حرکت نہ کرے اللہ رسول سے شرم کرے،حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم کی بحالت جنگ حالت یہ ہوتی تھی کہ منہ میں قرآن ہاتھ میں تلوار۔

۲؎خیال رہے کہ یہ تشبیہ ثواب میں ہے نہ کہ عمل میں لہذا حدیث پر یہ اعتراض تھا کہ ہمیشہ روزے رکھنا اور تمام رات نماز قرآن پڑھنا بالکل نہ سونا تو ممنوع ہے کہ وہاں ممانعت اسی لیے تو ہے کہ انسان تھک کر بیمار ہوجائے گا پھر فرائض وواجبات سے بھی جاتا رہے گا،اگر کوئی شخص ہمیشہ کے روزے ساری رات نماز سے تھکن محسوس نہ کرے تو اس کے لیے ممانعت بھی نہیں۔اس لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علی وسلم نے نہ تھکنے کے قید لگادی کہ فرمایا لا یفتر۔

۳؎یعنی یہ ثواب صرف میدان جنگ میں رہنے کے اوقات سے خاص نہیں بلکہ جاتے آتے سفر میں بھی ملتا ہے گھر واپس پہنچنے تک یہ ثواب ہے جہاد کرنے کا ثواب علیحدہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ضامن ہوچکا اس کا جو اس کی راہ میں نکلا ۱؎اسے نہ نکالے مگر مجھ پر ایمان اور میرے رسول کی تصدیق ۲؎نہ کرادے وہ ثواب یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں جو وہ حاصل کرے یا اسے جنت میں داخلہ دے دوں ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎غالب یہ ہے کہ سبیل سے مراد راہ جہاد ہے اسی لیے مؤلف یہ حدیث جہاد کے بیان میں لائے۔ہوسکتا ہے کہ اس جہاد سے طلب علم،عمرہ و حج کے تمام سفر مراد ہوں مگر پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے کہ اگلا مضمون اس کی تائید کررہا ہے اور رب کی یہ ضمانت کرم کی ضمانت ہے۔

۲؎ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تمام رسولوں کی تصدیق ہے اس لیے اس جملے میں ارشاد ہوا جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں دہائیاں ہیں۔

۳؎ **او ادخله** کا عطف **ارجعه** پر ہے یعنی اگر غازی جیت کر لوٹا تو غنیمت و ثواب سب کچھ لے آیا،اگر شکست کھا گیا تو ثواب کے ساتھ لوٹا،اگر شہید ہوگیا تو جنت میں گیا ہر طرح نفع میں ہے۔مثل مشہور ہے کہ لٹ گئے تو روزہ،لوٹ لائے تو عید،مار آئے تو غازی،مر گئے تو شہید۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ مجبوری نہ ہوتی کہ مسلمان لوگوں کے دل خوش نہیں ہوتے مجھ سے پیچھے رہ جانے سے ۱؎ اور ہم اتنی سواریاں پاتے نہیں جو ان سب کو دیں ۲؎ تو ہم کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے ۳؎ اور اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھرزندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیاجاؤں ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی غریب و فقیر مسلمانوں کے دل نہیں چاہتے کہ بے سواری ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ جہاد میں نہ جائیں گھر بیٹھے رہیں کیا،تمہیں خبر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تھے، حضرت طلحہ ٹھیک دوپہر کی تیز دھوپ میں سفر سے مدینہ منورہ اپنے باغ میں پہنچے جہاں وہ کھانا،پانی،ٹھنڈا سایہ ان کے منتظر تھے مگر جب سنا کہ حضور غزوۂ تبوک میں گئے ہوئے ہیں سواری سے نہ اترے،اس طرف سواری ہانک دی رضی اللہ عنہ،فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے محبوب تپتی ریت میں ہوں اور میں گھنے درختوں کے سایہ میں ہوں۔

۲؎ یعنی ہمارے پاس اتنی سواریاں ہی نہیں کہ ہر جہاد میں ہم سب مسلمانوں کو ان پر سوار کرکے جہاد کے میدان میں پہنچادیں وہ پیچھے رہ جانے پر راضی نہیں سب کو ساتھ لے جانے کا موقع نہیں۔

۳؎ سریہ وہ چھوٹا لشکر ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں یعنی اگر یہ دشواری نہ ہوتی تو ہم کسی معمولی اور بڑے لشکر کے پیچھے نہ رہتے ہر لشکر کے ساتھ جاتے ہر جہاد میں شریک ہوتے۔معلوم ہوا کہ جہاد عمومًا فرض کفایہ ہوتا ہے کبھی فرض عین۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر بڑے رحیم وکریم ہیں کہ مساکین کے رنج وغم کالحاظ فرماکر کبھی جہاد جیسے مرغوب چیز کو چھوڑدیتے،حضور نےامت کی تکلیف کا لحاظ فرماتے ہوئے بہت سی عبادات نہ کیں جیسے ہمیشہ تراویح اور تہائی رات گزارنے پر نماز عشاء وغیرہ۔

۴؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:کہ راہ خدا میں شہادت بڑی اعلیٰ عبادت ہے کہ حضور انور بار بار شہادت پانے کی تمنا فرماتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ناممکن نیکی کی تمنا بھی ثواب ہے رب تعالیٰ نے خبر دے دی تھی کہ کوئی کافر حضور کو شہید

نہ کرسکے گا"وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ"یہ بھی خبر دی ہے کہ بعد موت کوئی دنیا میں واپس نہ آئے گا انھم لا یرجعون۔ان خبروں سے معلوم ہو چکا تھا کہ حضور کی شہادت ناممکن ہے اور بار بار دنیا میں آنا شہید ہونا بھی محال ہے مگر حضور اس کی تمنا آرزو کرتے رہے۔کیوں؟ اس لیے کہ یہ تمنا ثواب ہے امید صرف ممکن کی ہوسکتی ہے مگر آرزو تمنا ہر ممکن اور ناممکن چیز کی جاسکتی ہے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں ایک دن گھوڑا باندھنا[2] دنیا اور جو دنیا پر ہے اس سے بہتر[3] (مسلم،بخاری)	

[1] آپ کے حالات بار ہا بیان ہوچکے ہیں کہ آپ سہل ابن سعد ساعدی انصاری ہیں،پہلے آپ کا نام حزن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر سہل رکھا،کنیت ابوالعباس ہے،حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی،آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی، ۹۱ھ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں جن کی وفات سب سے آخری میں ہوئی۔

[2] رباط ر کے کسرہ اور ضمہ کے ربط سے بنا ہے بمعنی باندھنا اس لیے بندھے گھوڑے کو خیل مربوط کہتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّ مِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ"۔شریعت میں بہ نیت جہاد گھوڑا پالنے کو بھی کہتے ہیں اور اسلامی سرحد،باڈر پر کفار کے مقابل رہنے کو بھی جب کہ سرحد پر ہر وقت خطرہ ہو اور یہ مقابلہ کفار کے لیے ہر وقت وہاں تیار رہے یہاں رباط کے معنی دونوں بن سکتے ہیں۔

[3] یہ حدیث مختلف عبارتوں سے آئی ہے۔چنانچہ احمد نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی ہے کہ ایک دن کا رباط ایک ماہ کے روزہ رات کی عبادت سے افضل ہے۔طبرانی نے حضرت ابوداؤد سے روایت کی ایک ماہ کا رباط ہمیشہ کی روزی سے افضل ہے،جو مرابط ہو کر مرے گا وہ قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا اور برزخ میں اسے صبح شام روزی جنت کی ہوا ملے گی قیامت تک اسے ثواب ملتا رہے گا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں ایک بار صبح و شام جانا[1] دنیا سے اور جو دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے[2] (مسلم،بخاری)	

[1] صبح سے دوپہر تک کا جانا غدوہ ہے اور دوپہر سے شام تک کا وقت جانا رواح۔اللہ تعالٰی کی راہ میں جانا اس کی بہت صورتیں ہیں:جہاد کے لیے جانا،نماز کے لیے مسجد میں جانا،طلب علم دین کے لیے مدرسہ یا استاذ کے پاس جانا مراد ہے اسی لیے مصنف اسے باب الجہاد میں لائے۔

[2] کیونکہ دنیا اور دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اس کا ثواب باقی۔خیال رہے کہ دنیا کی چیز وہ ہے جس کا تعلق نفس سے ہو۔نماز،روزہ،حج وعبادات،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وغیرہ عبادات دنیا میں تو ہیں مگر دنیا کی چیزیں نہیں تو ان کا

تعلق قلب و روح سے ہے لہذا کوئی غازی اس صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا جو ایک بار ایمان و خلاص کے ساتھ حضور کو دیکھے پھر فوت ہوجائے ہم جیسے کروڑوں مسلمانوں کی عمر بھر کی عبادت ایک آن کے دیدار یار پر صدقے و قربان لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن رات گھوڑا پالنا ایک مہینہ کے روزوں ونمازوں سے بہتر ہے۱؎ اور اگر مرجاوے تو اس کا وہ عمل جو کرتا تھا جاری رہے گا ۲؎ اور اس پر اس کا رزق بہایا جائے گا ۳؎ اور فتنوں سے امن میں رہے گا ۴؎ (مسلم)

۱؎ خیال رہے کہ جہاد کی یہ تیاری رباط میں داخل ہے فی زمانہ بندوق توپ چلانے کی مشق،موٹر کار،ٹینک،ہوائی جہاز کی بمباری سیکھنا سب رباط ہے جب کہ جہاد کی نیت سے ہو،ایک ماہ کے روزے نماز کا ذکر یہاں کثرت کے لیے ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ کا ذکر ہے،یا مجاہد و مرابط کا جیسااخلاص ویسا ثواب۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا کرم نوازی ہے کہ مرابط جو جو نیکیاں زندگی میں کرتا تھا ان سب کا ثواب قیامت تک اسے پہنچتا رہتا ہے اس کا ہر عمل جاری بن جاتا ہے۔

۳؎ یعنی شہید کی طرح اسے بھی قبر میں ہمیشہ جنتی رزق ملتا رہے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یُرۡزَقُوۡنَ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىہُمُ اللہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ"۔

۴؎ امن معروف ہے یا مجہول اور فتان یا نون کے فتحہ سے ہے،فتنہ کا مبالغہ یاف کے ضمہ سے فاتن بمعنی فتنہ گر کی جمع یعنی اللہ کی راہ میں مرابط بڑے فتنہ سے یا فتنہ گری سے محفوظ رہے گا یا محفوظ رکھا جائے گا،بڑے فتنہ سے مراد حساب قبر کا فتنہ و آزمائش ہے اور فتنہ گری یعنی آزمائش کرنے والوں سے مراد عذاب کے فرشتے،منکر نکیر یا دجال اور شیطان ہیں۔مرابط حساب قبر عذاب قبر سے بھی محفوظ ہے،دوزخ کی آگ اور وہاں کے ملائکہ کے عذاب سے امن میں رہے گا،نیز شیطان اور اگر اس کی زندگی میں دجال نکلے تو اس کے شر سے محفوظ رہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ مجاہد اور مرابط سے حساب قبر بھی نہیں ہوگا اور تنگی قبر وحساب قبر سے محفوظ رہے گا،اس فقہی فرمان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو عبس ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی بندے کے پاؤں اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں ۲؎ پھر آگ چھوئے ۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں،زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالعزیٰ تھا،اسلام میں آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن جبیر ہوا مگر آپ کی کنیت نام پر غالب رہی،بدر اور تمام غزوات میں شامل ہوئے،ستر سال کی عمر پائی ۳۴ھ میں وفات پائی،مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی جو شخص رضائے الٰہی کے لیے کوئی راستہ طے کرے اور راستہ طے کرنے میں اس کے قدموں پر گرد و غبار پڑے۔خیال رہے کہ اللہ کی راہ حج،طلب علم،جنازہ کی حاضری،بیماری،بیمار پرسی، جماعت نماز میں حاضری سب ہی کو شامل ہے مگر مطلقًا اللہ کی راہ سے مراد سفر جہاد ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ وقف کیا ہے وہ کہاں استعمال کیا جائے گا،فرمایا حج میں،قرآن کریم میں جو مصرف زکوۃ میں فی سبیل اللہ واقعہ ہے امام ابویوسف کے ہاں اس سے مجبور غازی مراد ہے،امام محمد کے ہاں مجبور حاجی۔(مرقات)

۳؎ یعنی ایسے شخص کو دوزخ کی آگ جلانہیں سکتی جب راہِ خدا کے غبار کا یہ عالم ہے تو غور کرو کہ خود جہاد کا فائدہ کیا ہوگا خوفِ خدا سے آنکھ کے آنسو،راہ خدا کا غبار،دوزخ کی آگ بجھانے میں اکسیر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر اور اس کا قاتل کبھی آگ میں جمع نہ ہوں گے ۱؎ (مسلم)

۱؎ کافر سے مراد حربی کافر ہے اور قاتل سے مراد مجاہد غازی مسلمان ہے یعنی جو غازی جہاد میں کسی کافر کو قتل کرے تو وہ مقتول کافر تو دوزخ میں گیالہٰذا یہ قاتل غازی دوزخ میں نہیں جائے گا،یہ مطلب نہیں کہ مقتول کافر تو دوزخ کے ادنی طبقے میں ہو اور یہ غازی دوزخ کے دوسرے طبقہ میں ہو مطلقًا دوزخ میں اجتماع کی نفی ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں سب سے مفید زندگی اس شخص کی ہے ۱؎ جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں تھامے رہے جو اس کی پشت پر اڑ جاتا ہے جب کبھی گھبراہٹ یا طلب مدد کی آواز سنے اس پر اڑ کر پہنچے ۲؎ جو قتل و موت کو ان کے ٹھکانوں سے ڈھونڈھتا ہے ۳؎ یا وہ شخص جو بکریوں میں رہے ان پہاڑ کی چوٹیوں میں سے کسی چوٹی میں یا ان جنگلوں میں سے کسی جنگل میں رہے ۴؎ نماز قائم کرے، زکوۃ دیتا رہے اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہے ۵؎ حتی کہ اسے موت آجائے لوگوں میں سے یہ مرد صرف بھلائی میں ہی ہے ۶؎ (مسلم)

۱؎ لفظ معاش عیش بمعنی زندگی سے بنا ہے زندگی گزارنے کا ذریعہ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں مسلمان کی بہترین زندگی یہ ہے اور بہترین ذریعہ زندگانی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

۲؎یعنی ویسے تو لوگوں سے بے نیاز رہتا ہے مگر جب مسلمانوں کو اس کی جانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے یا مسلمانوں پر کفار ٹوٹ پڑیں یا ڈاکو حملہ کریں اسے خبر لگے کہ فلاں جگہ مسلمان کمزور ہیں مصیبت میں ہیں تو فورًا وہاں پہنچ جائے پرندہ کی طرح یااڑ کر وہاں پہنچ جائے،پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو یہ وہاں پہنچ جائے اسلام کی خدمت مسلمانوں کی مدد کے لیے۔

۳؎یعنی وہ اسلام کا ایسا فدائی ہو مسلمانوں کا ایسا مددگار ہو کہ خدمت اسلام و مسلمین میں قتل ہوجانا یا مرجانا جینے سے بہتر سمجھے،خطرناک موقعوں کی تلاش میں رہتا ہو جہاں لوگ جاتے ہوئے گھبراتے ہوں یہ وہاں شوق سے پہنچتا ہو بہادر جانباز ہو۔

۴؎خلاصہ یہ ہے کہ اول نمبر کامیاب زندگی والا تووہ پہلا شخص ہے اس کے بعد نمبر دوم کا اعلٰی زندگی والا وہ ہے۔خیال رہے کہ عرب میں بکریاں بہترین ذریعہ معاش تھیں اور بعض متقی حضرات دنیا کے جھگڑے سے بچنے کے لیے شہر سے دور جنگل میں ڈیڑہ ڈال لیتے تھے کسی پانی والے سر سبز مقام پر رہنے سہنے لگتے تھے، بکریوں کے دودھ پر گزارا کرتے،فتنوں سے الگ رہتے،اب بھی بعض جگہ ایسے بدو دیکھے جاتے ہیں اس لیے بکریوں کا ذکر فرمایا ورنہ جو شخص فتنوں سے بچنے کے لیے آبادی سے دور رہے گزارہ کے لیے کوئی چیز پنشن جانور زمین وغیرہ اختیار کرے وہ بھی اس فرمان عالی میں داخل ہے۔

۵؎اگرچہ عبادات میں نمازوزکوۃ بھی داخل تھیں مگر چونکہ نماز و زکوۃ اعلٰی درجہ کی عبادت ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر علیٰحدہ فرمایا۔

۶؎یقین سے مراد موت ہے کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے یا چونکہ موت کے بعد ہر شخص کوتوحید،رسالت، فرشتوں،جنت و دوزخ وغیرہ کا یقین ہوجاتا ہے اس لیے موت کو یقین فرمایا یعنی ذریعہ یقین رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الْیَقِیۡنُ"۔یہ حصر اضافی ہے یعنی دنیا دار فتنوں میں مبتلا آخرت سے غافل آدمی بھلائی میں نہیں بلکہ بھلائی میں صرف یہ ہیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اس حدیث کی بنا پر بعض زاہدین نے فرمایا کہ گوشہ نشینی افضل ہے،جلوت سے خلوت بہتر مگر حق یہ ہے کہ خلوت سے جلوت افضل،حضرات انبیاء کرام لوگوں میں رہے، تبلیغ کرتے رہے،نیز جس رہنے سے جمعہ عیدین نماز باجماعت نصیب ہوتی ہے،جنگل میں یہ نعمتیں کہاں،شہر میں علم ہے،ذکر کے حلقے ہیں،اچھوں کی صحبتیں ہیں۔حدیث فتنوں کے ظہور کے زمانہ کے متعلق ہے جب شہروں میں امن نہ رہے یا اس کمزور آدمی کے لیے ہے جو بستی اور اختلاط کی تکالیف پر صبر نہ کرسکے(مرقات)

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کیا ۲؎ اور جو کسی غازی کے گھر بار میں اس کا نائب بن کر رہا اس نے جہاد کیا ۳؎(مسلم،بخاری)

ا؎ آپ صحابی ہیں،عبدالملک کے زمانہ میں کوفہ میں وفات پائی، ۷۸ھ؁ میں بعض نسخوں میں یزید ابن خالد ہے۔
۲؎ یعنی غازی کو سامان سفر سامان جنگ یا روٹی،کپڑا،سواری دینے والے کو بھی جہاد کرنے کا ثواب ملتا ہے،یہاں جہاد سے حکمی جہاد مراد ہے یعنی ثواب۔
۳؎ یعنی جو مجاہد کے پیچھے اس کے بال بچوں کی خدمت اس کے گھر بار کی دیکھ بھال کرے وہ بھی ثواب جہاد میں شریک ہوگیا کیونکہ اس کی اس خدمت سے غازی کا دل مطمئن ہوگا جس سے وہ جہاد اچھی طرح کرسکے گا تو گویا یہ شخص غازی کے اطمینانِ دل کا ذریعہ بنا۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غازیوں کی بیویوں کا احترام بیٹھ رہنے والوں کے ذمہ ایسا ہے جیسے اپنی ماؤں کا احترام ا؎ اور بیٹھ رہنے والوں میں سے کوئی شخص نہیں جو مجاہدین میں سے کسی کے گھر والوں میں خلیفہ بنے ۲؎ پھر ان میں اس غازی کی خیانت کرے ۳؎ مگر یہ خائن غازی کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہوگا پھر غازی اس کے اعمال میں سے جو چاہے گا لے گا ۴؎ اب تمہارا کیا خیال ہے ۵؎ (مسلم)

ا؎ حرمت سے مراد یا حرام ہونا ہے حلت کا مقابل یا اس سے مراد عزت و حرمت ہے جیسے کہا جاتا ہے بیت اللہ الحرام یعنی اگرچہ ہر غیر منکوحہ غیر مملوکہ عورت سے صحبت کرنا زنا ہے جس کی سزا رجم ہے مگر اپنی ماں سے صحبت کرنا سخت تر گناہ اور بے حیائی ہے ایسے ہی اگرچہ اور دوسری عورتیں بھی اس مسلمان پر حرام ہیں مگر مجاہد غازی کی بیوی زیادہ حرام،اگر کوئی مسلمان غازی کی بیوی سے زنا کرے بلکہ اسے بدنظری سے ہی دیکھے تو سخت عذاب کا،وبال کا،قہر الٰہی کا مستحق ہوگا کہ اس نے ایسے مقبول خدا کی خیانت کی جو راہ خدا میں جان کی بازی لگا رہا ہے یا جیسے ماں کی عزت و حرمت اولاد پر اشد ضروری ہےایسے ہی مجاہد غازی کی بیوی کی عزت و احترام ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کی حفاظت کریں،ان کی تکالیف دور کرنے کی کوشش کریں ان کا کام کاج کریں۔
۲؎ اس طرح کہ غازی جہاد کو جاتے وقت اسے اپنے گھر کا نگران و منتظم بنایا گیا ہو یا وہ تو اچانک میدان جہاد میں چلا گیا ہو،اس کے بال بچوں نے اسے اپنا سر پرست مان لیا ہو،یہ کلمہ دونوں معنی میں شامل ہے۔گھر والوں سے مراد بیوی،بچے،لونڈی اور بوڑھے ماں باپ وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔
۳؎ یہاں خیانت سے عزت،عصمت،مال،زمین وغیرہ تمام کی خیانتیں شامل ہیں۔ان میں سے کسی قسم کی خیانت کرے اس کی سزا وہی ہے جو آئندہ مذکور ہے۔
۴؎ اگر چاہے گا تو اس خائن کی تمام عمر کی ساری عبادتیں چھین لے،روزے،نمازیں،حج،زکوۃ وغیرہ گویا یہ خیانت نیکیاں چھن جانے کا سبب ہے۔

۵؎ یعنی خود خیال کرلو کہ مجاہد ایسے خائن کی کوئی نیکی چھوڑے گا ہرگز نہیں۔نیکی چھین لینے کے یہ معنے ہیں کہ اس خائن کو نیکی کا ثواب نہ ملے بلکہ جو اسے ثواب و درجہ ملتا وہ اس غازی کو دے دیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ سوچو کہ رب تعالٰی کے ہاں مجاہد کی کیا عزت و حرمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں ایک شخص جہاد والی اونٹنی لایا۱؎ عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں ہے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے عوض تجھے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ملیں گی جو۳؎ سب کی سب مہار والی ہوں گی۔(مسلم)	

۱؎ کبھی **خطام** بمعنی **زمام** آتا ہے یعنی مہار،لمبا رسہ،نکیل جس کا ایک کنارہ اونٹ کی ناک میں ہوتا ہے دوسرا مالک کے ہاتھ میں،کبھی خطام صرف نتھ کو کہتے ہیں اور زمام پوری مہارو نکیل کو،نتھ وہ رسی پتلی سی ہے جو ناک میں ڈال کر پورے سر سے گھما کر باندھ دی جائے،پھر اس رسی میں نکیل باندھی جاوے جیسے عمومًا گاؤں والے بیل بھینس کو باندھتے ہیں۔

۲؎ فقراء کے لیے یا مجاہدین غازیوں کے لیے،دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں اس لیے مؤلف یہ حدیث **کتاب الجہاد** میں لائے۔

۳؎ حق یہ ہے کہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،اللہ تعالٰی بطور اعزازاہل جنت کو سواری کے لیے گھوڑے اونٹنیاں عطا فرمائے گا جن کی رفتار ہوا سے زیادہ ہوگی جیسے قربانی کرنے والوں کو صراط طے کرنے کے لیے سواری دی جائے گی۔بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد ہے سات سو اونٹنیاں خیرات کرنے کا ثواب دے گا مگر یہ درست نہیں ورنہ پھر مہار والی ہونے کے کیا معنی،کیا ثواب کے بھی مہار ہوتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں خرچ کرنے والوں کو زیادہ ثواب ملتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ تجھے اونٹ کے عوض سات سو اونٹ اور مہار کے عوض سات سو مہاریں عطا ہوں گی تیری کوئی خیرات ضائع نہ جاوے گی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ہذیل کے قبیلہ بنی لحیان کی طرف بھیجا۱؎ تو فرمایا ہر دو شخصوں میں سے ایک شخص چلا جائے ثواب ان دونوں کو ہوگا۲؎ (مسلم)	

۱؎ ہذیل کفار کا بڑا قبیلہ تھا اور بنی لحیان اس کا **فخذ** جیسے پٹھان بڑا قبیلہ ہے،پھر یوسف زئی،کمال زئی ان کے چھوٹے خاندان،یہ جہاد بنی لحیان پر تھا۔

۲؎ یعنی گھر کے سارے آدمی لشکر میں نہ جائیں،باپ بیٹے،بھائی،بھائی،چچا بھتیجے میں سے ایک شخص تو جہاد میں جائے دوسرا شخص گھر میں رہ کر اسے سنبھالے،نفس ثواب مشترک ہوگا۔معلوم ہوا کہ مجاہد کا خلیفہ مجاہد کے ثواب میں شریک ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ دین قائم رہے گا اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کرتی رہے گی ۲؎ حتی کہ قیامت قائم ہوجاوے ۳؎(مسلم)۴؎

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،عامری ہیں،حضرت سعد ابن وقاص کے بھانجے ہیں،آپ کی والدہ خالدہ بنت ابی وقاص ہیں،کوفہ میں رہے،وہاں ہی ۷۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی روئے زمین میں کہیں نہ کہیں جہاد ہوتا ہی رہے گا اگرچہ کبھی کسی خاص جگہ نہ ہو اور اس کے جہاد کی وجہ سے دین قائم رہے گا۔مرقات نے فرمایا کہ شام اور روم کے مسلمان اکثر جہاد کرتے رہیں گے۔**الحمدللہ**! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی اب تک ظاہر ہورہی ہے کہ کہیں نہ کہیں جہاد ہوتا ہی رہتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد دائمی عبادت ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا۔اس سے مرزائی عبرت پکڑیں جو جہاد کو منسوخ مانتے ہیں **نعوذباللہ**!جو کوئی جہاد کو منسوخ مانے وہ ایسا ہی مرتد و کافر ہے جیسا کہ نماز روزہ کو منسوخ ماننے والا۔

۳؎ یا تو اس سے قرب قیامت مراد ہے یا خود قیامت مراد،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ قیامت سے چالیس سال پہلے دنیائے اسلام و قرآن ختم ہوجائے گا،قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی جن میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا پھر جہاد کیسا۔

۴؎ اسے ابوداؤد نے بھی روایت فرمایا۔ایک حدیث میں ہے کہ میری امت میں ایک ٹولہ ہمیشہ غالب رہے گا،اس کے مخالفین اسے کچھ نقصان نہ پہنچاسکیں گے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث علماء کو شامل ہے کہ وہ حضرات قلم و زبان سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں زخمی کیا جاتا اللہ کی راہ میں کوئی ۱؎ اللہ ہی جانے کہ کون اللہ کی راہ میں زخمی کیاجاتا ہے ۲؎ مگر وہ قیامت کے دن اسی طرح آئے گا کہ اس کا زخم خون بہاتا ہوگا ۳؎ رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی سی ہوگی ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ اس زخم سے موت ہوجائے یا نہ ہو۔

۲؎ اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ ہر شخص جو میدان جہاد میں زخمی ہو وہ فی سبیل اللہ زخمی نہیں۔فی سبیل اللہ زخمی وہ ہے جس میں ریانیتِ دنیا نہ ہو،یہ رب ہی جانتا ہے کہ کون راہِ خدا میں زخمی ہوا اور کون طلب دنیا میں۔دوسرے یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ راہ خدا میں زخمی کون ہوتا ہے اسے پوری پوری جزا دے گا۔جیسے "**وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ**"۔اس صورت میں یہ جملہ اس کی اظہار شان کے لیے ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کفار سے جہاد

میں یا باغیوں ڈاکوؤں کے ہاتھوں زخمی ہونے والا،یوں ہی تبلیغ دین کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہونے والا اس میں سب شامل ہیں سب کا یہ ہی اجر ہے جو یہاں مذکور ہے۔

۳؎ یعنی اس کے زخم ہرے ہوں گے ان سے تازہ خون جاری ہوگا مگر اس دن تکلیف نہ ہوگی۔یہ خون جاری ہونا اس کے مجاہد ہونے کی نشانی ہوگی جس سے تمام محشر والے اس کی عزت کریں گے۔بعض روایات میں بجائے **یثعب** کے **یتفجر** ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں،یعنی بہانا۔

۴؎ لہذا وہ خون نہ تو نجس ہوگا نہ بدبودار بلکہ اس کی مہک سے محشر والے تعجب کریں گے اور اس شخص کا احترام کریں گے،جب زخمی کا یہ حال ہے تو راہ خدا عزوجل میں شہید ہونے والے کا کیا پوچھنا،یہ خوشبو عبادت کے اثر سے ہوگی جیسے روزہ دار کے منہ کی خوشبو رب تعالٰی کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی نہیں جو جنت میں داخل کیا جاوے ۱؎ پھر وہ دنیا میں لوٹنا پسند کرے اگرچہ دنیا کی ہر چیز اسے ملے ۲؎ سوائے شہید کے کہ وہ آرزو کرتا ہے کہ دنیا میں لوٹا یا جائے پھر قتل کیا جائے دس بار ۳؎ کیونکہ وہ احترام دیکھتا ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں روحانی داخلہ مراد ہے جو بعض مؤمنوں کو مرتے ہی نصیب ہوجاتا ہے،جسمانی داخلہ بعد قیامت ہوگا جب دنیا ختم ہوچکی ہوگی لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ عام مؤمنین کی قبروں میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے وہاں کی ہوائیں،خوشبوئیں وغیرہ آتی رہتی ہیں شہداء وغیرہ کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں داخل ہوجاتی ہیں بعد قیامت اس جسم کے ساتھ جنت میں داخلہ ہوگا۔(ان شاءاللہ تعالٰی)

۲؎ کیونکہ دنیا آفات کی جگہ ہے،اگرچہ دنیا میں کسی کو بہت زیادہ آرام ملے مگر وہ سب آرام اس آرام کے مقابل تکالیف ہیں،جیل کا اے کلاس بھی گھر کی آزادی گھر کے آرام کے مقابل ہیچ ہے۔

۳؎ دس بار سے مراد کئی بار ہے،یعنی شہید تمنا کرے گا کہ پھر مجھے دنیا میں بھیج کر شہادت کا موقعہ دیا جائے،جو مزہ راہِ خدا عزوجل میں سر کٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ کرامت سے مراد اخروی عزت و حرمت ہے یعنی وہ سوچے گا کہ جب ایک دفعہ شہید ہونے سے مجھے اتنی عزت ملی تو بار بار شہید ہونے سے کتنی عزت ملے گی اور ہوسکتا ہے کہ کرامت سے مراد وہ لذت ہو جو اسے راہِ خدا عزوجل میں سر کٹانے سے ہوئی ہو،عبادت میں بھی لذت ہے،جسے اللہ کے بندے محسوس کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت مسروق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ ابن مسعود سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اللہ کی راہ میں مقتولوں کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ	

	ہیں روزی دیئے جاتے ہیں،الخ ۲؎ فرمایا ہم نے اس کے متعلق پوچھا۳؎ تو فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۴؎ ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹک رہی ہیں۵؎ جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں ۶؎ پھر ان کی طرف ان کا رب متوجہ ہوتا ہے ۷؎ تو فرماتا ہے کیا تم کوئی چیز چاہتے ہو۸؎ وہ عرض کرتے ہیں ہم کیا چیز چاہیں ہم تو جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں ان کے لیے تین بار یہ سوال کیا جاتاہے ۹؎ جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مانگنے سے نہ چھوڑیں جائیں گے تو عرض کرتے ہیں یا رب ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں ۱۰؎ تاکہ ہم تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں جب رب دیکھتا ہے کہ انہیں کوئی حاجت نہیں تو یہ چھوڑے جاتے ہیں ۱۱؎(مسلم)

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،حضور کی وفات سے پہلے اسلام لائے مگر زیارت نہ کرسکے،خلفائے راشدین،ابن مسعود اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کی زیارت و صحبت سے شرف حاصل ہوا،حضرت ابن مسعود کے ساتھ اکثر رہے،کثرت نوافل کی وجہ سے پاؤں سوجے رہتے تھے،جب حج کو جاتے تو حرم شریف میں ہی رہتے وہاں ہی سوتے تھے،بچپن میں آپ کو چوری کرلیا گیا تھا اس لیے نام مسروق ہوا،بصرہ کے حاکم رہے،کوفہ میں ۶۲ھ؁ وفات پائی۔

۲؎ سوال کا مقصد یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کے کیا معنی اور انہیں روزی کس طرح دی جاتی ہے وہ تو دفن ہوچکے ان کی میراث تقسیم ہوچکی ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کرچکیں،جب ان پر مُردوں کے احکام جاری ہوچکے تو وہ زندہ کیونکر ہیں۔

۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لہذا یہ حدیث مرفوع ہے،(مرقات،اشعہ،نووی،شرح مسلم)کیونکہ ظاہر یہ ہی ہے کہ حضرت ابن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی دریافت کیا۔

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی ان روحوں کے لیے ان کے بدنوں کے قائم مقام اجسام پیدا فرماتا ہے ان اجسام میں یہ روحیں امانۃً رہتی ہیں،یہ اجسام ان روحوں کے اپنے نہیں ہوتے لہذا یہ تناسخ یا اواگون نہیں۔

۵؎ یعنی شہداء کی روحیں وہاں سیر تو کرتی ہیں اور جنت کے میوے تو کھاتی ہیں مگر حوروں اور وہاں کے مکانات کو استعمال نہیں کرتیں،یہ استعمال تو بعد قیامت ہوسکے گا۔رب تعالٰی نے ان کے لیے دنیاوی پنجروں یا آشیانوں کی طرح نورانی قندیلیں بنا دی ہیں جن میں وہ قیام کرتی ہیں۔

۶؎ یعنی ہر وقت وہ روحیں جنت میں ہی رہتی ہیں،یہ سیر کرتے وقت بھی اور دوسرے وقت بھی مگر اس کے باوجود ان روحوں کا تعلق ان کی قبور اور مدفون جسموں سے ضرور رہتا ہے جیسے سورج کی شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں مگر سورج سے تعلق رکھتی ہیں یا ہمارا نور نظر آسمان کی سیر کر تا ہے مگر آنکھ سے بے تعلق نہیں ہوجاتاورنہ آنکھ اندھی ہوجاتی،ارواح شہداء کی لطافت توان شعاعوں اورنور نظر سے کہیں زیادہ ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض یعنی کہ جب شہداء کی روحیں جنت میں ہیں تو قبورشہداء کی زیارت،انہیں اسلام کرنا بے کار ہوا۔اس حیات کی پوری بحث اس مرآت کے **باب الجمعہ** میں ملاحظہ فرمائیں،حدیث **فبنی العاصی برزق** کی شرح میں۔

۷؎ **اطلاع** کے معنی ہیں جھانکنا،چڑھنا مگر یہ معنی رب تعالٰی کے لیے ناممکن ہے اس لیے یہاں اس کے معنی نظر فرمانا، تجلی فرمانا،توجہ فرمانا مناسب ہیں۔

۸؎ بعض شہداء سے بے حجابانہ یہ کلام ہوتا ہےاور اکثر سے وراء حجاب،اس عالم میں ان آنکھوں سے رب تعالٰی کا جمال دیکھنا ناممکن ہے،وہ عالم بھی دوسرا ہے اور دیکھنے والی آنکھ بھی دوسری۔

۹؎ یہ بار بار سوال فرمانا اظہار کرم خاص کے لیے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۱۰؎ یعنی ہم کو کچھ نہ کچھ مانگنا ہی پڑے گاتب وہ جنت کی بقیہ نعمتیں حوروقصور وغیرہ نہیں مانگتے بلکہ پھر ان اجسام میں پہلے کی طرح جانا مانگتے ہیں جس سے انہیں ظاہری زندگی ملے اور پھر وہ جہاد کرکے شہید ہوسکیں۔ خیال رہے کہ یہاں سوال ظاہری زندگی اور شرعی جہاد اور شرعی شہادت کا ہے ورنہ بعض موقعوں پر ارواح شہداء کو میدانِ جہاد میں جہاد کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔چنانچہ ابن قیم نے **کتاب الروح** میں ص۱۵۳ پر لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم کی روحوں نے بعد وفات کفار کے بڑے لشکر جرار کو بھگادیااور مجاہد مسلمانوں کی مدد کی اور وہ مدد بالکل درست تھی۔صبح کو لشکر کفار مقتول تھا اور باقی بھاگ چکا تھامگر یہ جہاد اور نوعیت کا ہے،نیز اسی **کتاب الروح** میں ہے کہ حضرت کی روح پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک دوردراز ملک میں پہنچ کر ایک رافضی کو قتل کیا۔

۱۱؎ خیال رہے کہ رب تعالٰی نے ان روحوں کو دوسری طرف یعنی دوسرے سوالوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا،ورنہ وہ دیدار الٰہی دیار مصطفوی کی تمنا کرتے بلکہ ان کی توجہ شہادت کی طرف دلائی تاکہ لوگوں کو شہادت اور غزوہ کی اہمیت کا پتہ لگے،یہ بھی خیال رہے کہ اس دنیا میں ناممکن چیز کی دعا کرنا ممنوع ہے مگر وہ تو دنیا ہی دوسری ہے وہاں ناممکن کی دعا کرنا ممنوع نہیں،کہ شہداء دنیا میں واپس آنے کی دعا کرتے ہیں جو ناممکن ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہوچکی ہیں۔دوسرے یہ کہ قیامت سے پہلے کوئی شخص جزاوثواب کے لیے جنت میں اس جسم سے نہیں جاسکتا۔تیسرے یہ کہ بعض خوش نصیبوں کو روحانی داخلہ قیامت کے پہلے بھی عطا ہوسکتا ہے۔چوتھے یہ کہ جنت کے پھل،ہوا،دوسری نعمتیں قیامت سے پہلے بعض لوگ استعمال کرتے ہیں مگر وہاں کی حوروں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے،حوریں تو بعد قیامت ہی میسر ہوں گی۔دیکھو آدم علیہ السلام کو جنت کے قیام کے زمانہ میں صرف کھانے کی اجازت تھی،اگر حوروں کی اجازت ہوتی تو آپ کو تنہائی کی وحشت نہ ہوتی اور حضرت حوا کی پیدائش کی خواہش نہ پیدا ہوتی۔پانچویں یہ کہ روح کو فنا نہیں موت جسم پر طاری ہوتی ہے کہ اس سے روح علیحدہ کردی جاتی ہے۔چھٹے یہ کہ

روح کو راحت و تکلیف کا احساس بعدموت رہتا ہےورنہ برزخ کے ثواب و عذاب کے کیا معنی ؟ساتویں یہ کہ برزخ کا ثواب و عذاب برحق ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ"یہ آیت کریمہ عذاب قبر کے لیے صریحی نص ہے جس کی تاویل نہیں ہوسکتی، برزخ کے احوال برحق ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں قیام فرمایا۱؎ تو ان سے ذکر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان لانا تمام اعمال میں افضل ہے ۲؎ تو ایک شخص اٹھا پھر بولا یارسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو میرے تمام گناہ مٹادیئے جائیں گے۳؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے حالانکہ تو طالب ثواب ہو آگے جاتا ہو پیٹھ پھیرتا نہ ہو۴؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے کیا کہا ۵؎ وہ بولا کہ فرمایئے تو اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو کیا میری خطائیں مٹادی جائیں گی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جب کہ تو صابر طالب اجر ہو،آگے بڑھتا ہوا ہو،پیچھے ہٹتا نہ ہو سوا قرض کے ۶؎ کیونکہ مجھ سے جبریل نے یہ ہی کہا ہے۷؎(مسلم)	

۱؎ وعظ فرمانے کے لیے یوں تو حضور کا ہر کلام وعظ تھا اور ہر مجلس مجلس وعظ تھی مگر بعض دفعہ اہتمامًا قیام فرماکر کلام فرمایا جاتا تھا یہ بھی ان ہی میں سے تھا۔

۲؎ خیال رہے کہ ایمان دل کا عمل ہے اور جہاد جسم کا عمل،ایمان تو مدار نجات ہے اور اعمال ظاہری ذریعہ ترقی درجات،بعض حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے اور عام حالات میں نماز جہاد سے افضل ہے،یہاں وہ ہی خاص حالات مراد ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں نماز کو افضل اعمال فرمایا گیا ہے۔

۳؎ حق یہ ہے کہ یہاں خطایا سے مراد سارے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہیں بلکہ تمام حقوق اللہ اور حقوق عباد جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۴؎ یہاں تمام گناہوں کی معافی کے لیے دو قیدیں ارشاد ہوئیں:ایک اخلاص سے جہاد کرنا،دوسرے وہاں سے گھبرا کر نہ بھاگنا،سینہ میں تیر یا گولی کھانا۔یہاں پیٹھ پھیرنے سے مراد بزدلی کے طور پر بھاگنے کے ارادے سے پیٹھ پھیرنا

ہے،اگر اکیلا رہ جانے والا غازی اپنے کیمپ کی طرف قوت حاصل کرنے کے لیے بھاگے یا جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹے تو اس کا یہ حکم نہیں،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ"لہذا یہ حدیث آیت کے خلاف نہیں۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سوال بھول نہ گئے تھے،دوبارہ سوال کرنا اظہار اہتمام کے لیے ہے تاکہ اسے یہ جواب خوب یاد رہے۔(مرقات)

۶؎ یہاں قرض کے متعلق شارحین کے کئی قول ہیں:بعض نے فرمایا کہ قرض سے مراد بندے کے سارے مارے ہوئے حقوق ہیں چوری،خیانت،غصب،قتل وغیرہ۔مرقات نے فرمایا کہ قرضہ سے وہ قرضہ مراد ہے جس کے ادا کرنے کی نیت نہ ہو،اگر ادا کرنے کی نیت تھی مگر موقعہ نہ ملا کہ شہید ہوگیا وہ قرض خود قرض خواہ سے معاف کرادیا جائے گا مگر دریا کا شہید اس کا قرضہ بھی معاف ہوجاتا ہے اور اس کی روح بلاواسطہ خود رب تعالیٰ قبض فرماتا ہے حضرت ملک الموت کے سپرد نہیں فرماتا۔(مرقاۃ)

۷؎ یعنی ابھی وحی الٰہی آئی جس میں مجھ سے یہ فرمایا گیا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور پر صرف قرآن کریم کی ہی وحی نہ ہوئی اس کے علاوہ اور بھی وحی ہوئی ہیں۔دوسرے یہ کہ ہر وحی کو صحابہ کرام دیکھا نہ کرتے تھے،بعض وقت ان حضرات نے وحی آتے دیکھی،بلکہ بعض اوقات جبرائیل امین کو بھی دیکھا اور بعض وقت کچھ بھی نہ دیکھا،رب تعالیٰ نے اپنے محبوب سے باتیں کرلیں پاس والوں کو خبر بھی نہ ہوئی،اس وقت جو وحی آئی یہ اسی دوسری قسم کی تھی،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ وحی پہلے آچکی تھی مگر یہ درست نہیں،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سائل سے یہ پہلے ہی فرمادیتے دوبارہ بلانے اور سوال پوچھنے کی حاجت نہ ہوتی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل ہونا(یا قتل کرنا)۱؎ ہر چیز کو مٹا دیتا ہے سواء قرض کے ۲؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قتل مصدر مجہول ہے بمعنی قتل کیا جانا،شہید ہونا،اس کی تائید گزشتہ حدیث کررہی ہے،اور ہو سکتا ہے کہ قتل سے مراد قتل کرنا،یعنی جہاد کرنا ہو۔

۲؎ اس کی شرح ابھی ہوچکی۔قرض سے مراد وہ قرض ہے جس کا مطالبہ کرنے کا حق بندے کو ہو خواہ بیوی کا دین،مہر ہو،یا کسی سے لیا ہوا قرض،یا ماری ہوئی امانت،یا غصب کیا ہوا مال کہ یہ ہی بندوں کے حقوق ہیں،اپنے ذمہ رہی ہوئی زکوۃ فطرانہ،قربانی،ذمہ کی نذر یا روزہ نماز وغیرہ مراد ہیں،مرقات نے یہاں ان سب چیزوں کو دین مانا ہے مگر یہ قوی نہیں،ورنہ پھر تو کوئی گناہ معاف نہ ہونا چاہیے کیونکہ ہر گناہ رب تعالیٰ کا وہ قرض ہے جو بندے نے مار لیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان دو شخصوں سے بہت خوش ہوتا ہے ۱؎ جن میں سے ایک دوسرے کو قتل

	کرے پھر دونوں جنت میں پہنچیں ۲؎ کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے تو مارا جائے پھر اللہ قاتل کو توبہ کی توفیق دے دے پھر وہ شہید کردیا جائے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ضحك کے معنی ہیں ہنسنا،رب تعالٰی کے لیے یہ ناممکن ہے اس لیے بعض شارحین نے اس کے معنی کیے ہیں خوش ہونا،راضی ہونا،پسند فرمانا۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ضحك کے معنی ہیں پانی بہانالہٰذا اس کے معنے ہوئے رحمتیں بہاتا ہے،یہ معنے نہایت لذیذونفیس ہیں۔

۲؎یعنی یہ قاتل و مقتول دونوں ایک ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جنت میں جاویں گے۔خیال رہے کہ دنیا کی تمام مسلمانوں کی ذاتی عداوتیں آخرت میں ختم ہوجاویں گی،یوں ہی دنیا کی جسمانی محبتیں بھی وہاں فنا ہوجائیں گی،ایمانی عداوت و رحمت باقی رہے گی،مسلمان باپ کافر بیٹے کو عذاب میں دیکھ کر خوش ہوگااور اجنبی مسلمان دوسرے مسلمان کو عذاب میں دیکھ کر ملول ہوگا،اس کی سفارش و شفاعت کرکے اسے بخشوائے گا،یونہی وہ دو مسلمان جو دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے کے دشمن تھے وہاں دوست ہوجائیں گے۔رب فرماتاہے:" وَنَزَعْنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخْوٰنًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ" اور فرماتاہے: "اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیۡنَ"۔

۳؎کہ پہلا بھی شہیدوسعید مرا اور دوسرا بھی شہید و سعید،دیکھو حضرت امیر حمزہ کو جناب وحشی نے شہید کیا اور پھر بعد میں خود بھی سعیدومؤمن ہوکر فوت ہوئے،رضی اللہ عنہما۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن حنیف سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سچے دل سے اللہ سے شہادت مانگے ۲؎ تو اللہ اسے شہیدوں کے درجوں پر پہنچادے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے ۳؎ (مسلم)

۱؎آپ صحابی بھی انصاری بھی،بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے،غزوہ احد میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے رہے،پھر حضرت علی کے ساتھ رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر فرمایا،پھر فارس پر،۳۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی،امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہاں ہی دفن کیا۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎اسی طرح کہ دل سے شہادت کی آرزو کرے،زبان سے دعا کرےاور بقدر طاقت جہاد کی تیاری کرے،موقعہ کی تاک میں رہے،صرف سچی دعا کو بھی بعض شارحین نے اسی میں داخل فرمایا ہے۔

۳؎اسی طرح کہ یہ حکمی شہید ہوگا،جو جنت میں شہداء کے ساتھ رہے گا،رب تعالٰی کی عطا ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ربیع بنت براء ۱؎ جو حارثہ ابن سراقہ کی ماں ہیں ۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

	میں آئیں بولیں یا رسول اللہ آپ مجھے حارثہ کی کیوں خبر نہیں دیتے اور وہ بدر کے دن شہید کیے گئے تھے۳؎ کہ انہیں غائبانہ تیر لگا تھا اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کرلوں۴؎ اگر اس کے سوا ہو تو ان پر رونے میں کوشش کروں ۵؎ تو فرمایا اے ام حارثہ جنت بہت سی جنتیں ہیں ۶؎ اور تمہارے لخت جگر نے اعلیٰ درجہ کی فردوس حاصل کی ہے ۷؎ (بخاری)

۱؎ یعنی براء ابن عازب کی دختر نیک اختر،اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ یہ درست نہیں بلکہ آپ ربیع بنت نضر ہیں اور نضر حضرت انس ابن مالک کے چچا ہیں اور براء ابن مالک حضرت انس کے بھائی ہیں،لہذا ربیع بنت نضر حضرت انس کی پھوپھی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ آپ جنگ بدر میں سب سے پہلے شہید ہیں انصاری ہیں۔

۳؎ یعنی انہیں غائبانہ تیر لگامارنے والے کا پتہ نہ چلا تھا۔اگر کسی کو تیر مارا جائےاور لگ جائے دوسرے کے اسے بھی **سھم غرب** کہتے ہیں مگر یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔مقصد یہ ہے کہ حضور میرے بچے حارثہ کا پتہ بتادیجئے کہ وہ کہاں ہے جنت یا دوزخ میں۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف فرما ہو کر جنت و دوزخ کے ہر مقام اور وہاں کے باشندوں کو دیکھ رہے ہیں،پتہ اس سے پوچھا جاتا ہے جو جانتا ہو۔حضور نے بھی یہ نہ فرمایا کہ مجھے خبر نہیں تیرا بیٹا کہاں ہے حضرت جبرئیل آئیں گے تو پوچھ کر بتائیں گے بلکہ فورًا بتادیا جو جنت کو دیکھ رہا ہے وہ زمین کے ذرہ ذرہ کو بھی دیکھ رہا ہے کیونکہ جنت بمقابلہ روئے زمین سے دور ہے،یہ ہی معنے ہیں حاضر ناظر کے،صحابہ کرام کا یہ ہی عقیدہ تھا۔

۴؎ اور بالکل گریہ وزاری نہ کروں اس نعمت کی شکریہ میں۔خیال رہے کہ بی بی ربیع کو حضرت حارثہ کے شہید ہونے میں شک تھا کیونکہ وہ کفار سے لڑے بغیر غائبانہ تیر سے شہید ہوئے تھے نہ معلوم وہ تیر کافر نے مارا تھا یا کسی مسلمان کا ہی لگ گیا تھا۔اس نے یہ تردد ظاہر کیا،شہید کے جنتی ہونے میں شک نہ تھا کہ یہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے خبر قرآنی میں کسی مسلمان کو شک و تردد نہیں ہوسکتا۔

۵؎ یہاں رونے سے مراد جائز رونا ہے آنسوؤں سے نوحہ ماتم مراد نہیں کہ حضرات صحابہ اور صحابیات اس سے محفوظ تھے یعنی پھر میں اس محرومی پر روؤں کہ میرا بیٹا جان سے ہاتھ بھی دھو بیٹھا اور جنتی بھی نہ ہوا،اس محرومی پر رونا بھی عبادت ہے،جیسے اللہ کی نعمت پر خوش ہونا عبادت ہے۔

۶؎ جنت کے سو درجے ہیں اوپر تلے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

۷؎ یعنی جنت کے درجوں میں سب سے اونچا درجہ جنت الفردوس ہے جو سب سے آخری درجہ ہے جس کے اوپر عرش الٰہی ہے تیرے بیٹے کو رب نے وہ دیاہے کہ اب اس کی روح فردوس کی سیر کررہی ہے،بعد قیامت وہ مع جسم اس میں

داخل ہوگا۔یہ ہے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کہ حضور مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوکر جنت کے ہر طبقہ کے ہر باشندے کو دیکھ رہے ہیں اور آئندہ ہر سعید و شقی اور ان کے درجوں مرتبوں کو بھی جانتے ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تشریف لے گئے حتی کہ بدر میں مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۱ اور مشرکین بھی آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمانوں و زمین کی برابر ہے ۲ تو عمیر ابن حمام بولے۳ خوب خوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے خوب خوب کہنے پر کون چیز بھڑکا رہی ہے۴ بولے یارسول اللہ اور کوئی چیز نہیں سواء اس امید کے کہ میں بھی جنت کے اہل سے ہوجاؤں ۵ فرمایا تم اہل جنت میں سے ہو ۶ راوی فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ چھوارے نکالے۷ اور انہیں کھانے لگے پھر بولے کہ اگر ان چھوہاروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ زندگی بہت دراز ہے ۸ فرماتے ہیں کہ جتنے چھوارے ان کے پاس تھے پھینک دیئے پھر کفار سے جنگ کی حتی کہ شہید کردیئے گئے ۹ (مسلم)

۱ بدر ایک شخص کا نام تھا جس نے ایک جگہ کنواں کھدوایا اس کنویں کا نام بھی بدر تھا،پھر اس میدان کا نام بدر ہوگیا اب وہاں بڑی بستی ہوگئی ہے۔مدینہ منورہ سے ایک سو چوالیس میل جانب مکہ معظّمہ ہے۔اس فقیر نے اس جگہ اور اس کے متبرک مقامات کی کئی بار زیارت کی ہیں۔پہلا باقاعدہ اسلامی جہاد اسی جگہ ہوا،بدر مذکر بھی بولا جاتا ہے مؤنث بھی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہد صحابہ کے ساتھ بدر میں پہلے پہنچ گئے،مشرکین مکہ بعد میں وہاں پہنچے۔

۲ یعنی اس عمل کی طرف چلو جو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے وہاں جانا گویا جنت میں ہی جانا ہے جیسے فرمایا گیا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے یا جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے،عموماً ہر چیز کی چوڑائی اس کی لمبائی سے چھوٹی ہوتی ہے،جنت کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمینوں کی برابر ہے تو غور کرو کہ اس کی لمبائی کتنی ہوگی،اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت نفیس طریقہ سے باریک مسئلہ سمجھا دیا۔

۳ آپ عمیر ابن حمام ابن اجرع انصاری سلمی ہیں،انصار میں سب سے پہلے شہید آپ ہیں،آپ کو خالد ابن اعلم نے شہید کیا۔(مرقات)

۴؎ یعنی ہمارے اس فرمان پر تم کیوں خوشی منارہے ہو اور خوب خوب کیوں کہہ رہے ہو کچھ اس کی حقیقت بھی ہے یا صرف شغل کرتے ہوئے یہ کہتے ہو،قتل کے ڈر سے کہتے ہو یا جنت کی امید سے۔حضور انور کا سوال اس لیے ہے کہ حضرت عمیر جواب دیں اور مسلمانوں کو ان کی اولوالعزمی معلوم ہوجائے ورنہ حضور تو ہر ایک کے دل کی حالت سے خبردار تھے جیسے جبل احد کے پتھروں کے دل کا حال معلوم کرکے فرمایا کہ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور انسانوں کے دل کا حال کیونکر نہ معلوم ہوگا اس کا خیال رہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ اپنا عمل و اخلاص و نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا ریا کاری نہیں بلکہ اس سے عمل اور زیادہ قبول ہوجاتا ہے۔

۶؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک کے سعیدو شقی ہونے پر مطلع ہونا کہ حضرت عمیر کے جنتی ہونے یعنی ایمان پر خاتمہ اور شہادت حساب محشر میں کامیابی،پل صراط سے بخیریت گزرنے کی خبر پہلے ہی سے دے رہے ہیں کیونکہ جنت میں داخلہ ان سب منزلوں سے گزرنے کے بعد ہوگا۔خیال رہے کہ جس کے ایمان و جنتی ہونے کی حضور رجسٹری فرمادیں اس کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے رب کی وحدانیت یقینی ہے۔

۷؎ قرن قاف اور رکے فتحہ سے بمعنی ترکش جس میں تیر رکھے جاتے ہیں۔

۸؎ یہ ہے شوق شہادت کہ اب اپنی زندگی بھی بوجھ معلوم ہورہی ہے یا یہ عمل ہے حضور کے اس فرمان عالی پر کہ قوموا الی جنۃ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ"۔

۹؎ اور اپنے مقصد کو پہنچ گئے،نیت خیر سے موت کی تمنا،موت کی دعا،موت حاصل کرنے کی ایسی کوشش بھی عبادت ہے۔شعر

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے ——— کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ اپنے میں شہید کسے گنتے ہو ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو راہِ خدا میں مارا جائے تو وہ شہید ہے ۲؎ فرمایا تب تو میری امت کے شہید بہت کم ہوں گے ۳؎ جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں مرجائے وہ شہید ہے ۴؎ اور جو طاعون میں مرجائے وہ شہید ہے ۵؎ اور جو پیٹ کی بیماری میں مرجائے وہ شہید ہے ۶؎ (مسلم) ۷؎	

۱؎ یہاں عد بمعنی شمار کرنا بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی گمان کرنا بھی لہذا متعدی ہر دو مفعول ہے اور ما جنس کے سوال کے لیے بھی آتا ہے نوع کے سوال کے لیے بھی اور کسی وصف کے لیے بھی اور افراد کے سوال کے لیے بھی یہاں تمام معنی درست ہیں یعنی تم کس کس مسلمان کو شہید سمجھتے ہو یا کس صفت سے شہادت کا حاصل ہونا جانتے ہو۔(مرقات)

شہید بروزن فعیل صفت مشبہ یا بمعنی مفعول ہے جیسے شہیر بمعنی مشہور یا بمعنی فاعل جیسے خریب بمعنی خارب اور یہ لفظ یا شہادت بمعنی گواہی سے بنا ہے یا شہود بمعنی حاضری سے یا مشاہدہ بمعنی دیکھنے سے یعنی اپنے خون کے قطروں سے توحیدورسالت کی گواہی دینے والا یا جس کی بخشش و عزت کی قرآن و حدیث نے گواہی دی یا مرتے ہی رب تعالٰی کی بارگاہ میں یا جنت میں حاضر ہونے والا یا مرکر تمام جہان کا مشاہدہ کرنے والا یا جنت کی نعمتوں کو دیکھنے والا یا حضرات انبیاء کرام کی طرح دوسری امتوں پر گواہ،اور بھی اس کے بہت معنی ہیں۔(لمعات) ان کے مشاہدہ کے متعلق قرآن کریم فرماتاہے:"وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ"جواب تک ان سے نہ ملے ان پر خوشیاں منارہے ہیں کہ عنقریب وہ لوگ مرکر یا شہید ہو کر ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

۲؎ یعنی شہادت کے لیے ہم نے دو شرطیں سمجھی ہیں:ایک قتل ہونا اور دوسرے راہ خدا میں قتل ہونا یعنی جہاد میں کفار یا باغیوں وغیرہم کے ہاتھوں قتل ہونا۔

۳؎ کیونکہ ان دو شرطوں سے بہت سے حقیقی شہید بھی نکل جائیں گے جیسے چور ڈاکو کے ہاتھوں مقتول اور حکمی شہداء تو سارے ہی نکل جاویں گے۔

۴؎ یعنی وہ قتل تو نہ ہو اپنی موت مرے مگر مرے اللہ کی راہ میں جیسے حاجی سفر حج میں یا طالب علم طلب علم کے زمانہ میں اور جو اللہ کا کام کرتے کرتے مرے یہ سب شہید ہیں۔

۵؎ یعنی جہاں طاعون پھیلے وہاں سے بھاگ نہ جائے اور طاعون سے مرجائے وہ بھی شہید ہے کیونکہ وہ جنات کا مقتول ہے۔طاعون بنا ہے **طعن** سے بمعنی نیزہ مارنا طاعون والے کو محسوس ہوتا ہے کہ میرے جسم میں کوئی نیزے ماررہا ہے اس لیے اسے طاعون کہتے ہیں لہذا یہ شخص شہید ہوتا ہے۔

۶؎ پیٹ کی بیماریوں سے مرنے والا حکمًا شہید ہوتا ہے جیسے دست،درد،استسقاء،چونکہ ان بیماریوں میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے کہ پیٹ کی خرابی تمام بیماریوں کی جڑ ہے اس لیے اس سے مرنے والا حکمًا شہید ہے۔حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمی شہداء کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس میں فرمایا ڈوب کر ہلاک ہونے والا،جل کر،دیوار وغیرہ سے دب کر مرنے والا،مسافر،مرابط،جو جمعہ کی رات یا دن میں مرے یہ سب شہید ہیں کہ قیامت میں شہداء کے زمرہ میں اٹھیں گے۔(مرقات) یہ سب کرامتیں حضور کی طفیل ہیں۔

۷؎ طبرانی نے کبیر میں بروایت سلمان فارسی حدیث نقل کی کہ حضور انور نے اس جواب میں فرمایا کہ اس کی راہ میں قتل طاعون،عورت کا نفاس میں مرجانا،جل کر مرنا،ڈوب کر مرنا،پیٹ کی بیماری سے مرنا،سل کی بیماری سے مرنا،یہ تمام شہادت ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے غازیوں کا کوئی چھوٹا بڑا لشکر ۱؎ جو جہاد کرے تو غنیمت پالے اور سلامت رہے مگر وہ اپنے ثواب کے دو تہائی حصے فورًا

	حاصل کرلیتے ہیں ۲؎ اور نہیں ہے کوئی غازیوں کی چھوٹی بڑی فوج جو ناکام رہے اور تکلیف دی جائے ۳؎ مگر ان کے ثواب پورے ہوجاتے ہیں ۴؎ (مسلم)

۱؎ چار سوغازیوں تک کا لشکر سریہ کہلاتا ہے اس سے بڑا لشکر فوج،نیز جس جہاد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شرکت نہ فرماویں وہ سریہ ہے اور جس میں حضور بنفس نفیس شرکت فرمادیں وہ غزوہ۔(مرقات و اشعہ) یعنی آئندہ حکم ہر چھوٹے بڑے لشکر کے لیے ہے۔

۲؎ کیونکہ جہاد میں رب کی طرف سے تین نعمتیں ملتی ہیں،سلامتی،غنیمت،ثواب و اجر پہلی دو نعمتیں دنیا میں اور آخری نعمت ثواب و اجرآخرت میں۔

۳؎ **یخفق** بنا ہے **خفق** سے بمعنی مجاہد کا بغیر غنیمت ہونا یا شکاری کا بغیر شکار واپس لوٹنا،تکلیف سے مراد زخم و شہادت اور دوسری تمام تکالیف ہیں جو عموماً جہاد میں پیش آتی ہیں یعنی جو غازی غنیمت تو حاصل نہ کرسکے زخمی یا شہید ہوجائے۔

۴؎ یعنی اسے یہ تینوں چیزیں آخرت میں ملیں گی۔خیال رہے کہ غنیمت اور سلامتی کو اجر فرمانا اس لیے ہے کہ غزوہ میں یہ بھی رب تعالٰی کا عطیہ ہوتا ہے ورنہ غازی کا جہاد سلامتی اور غنیمت کے لیے نہیں ہوتا وہ تو صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مرجائے اور نہ تو جہاد کرے ۱؎ اور نہ اپنے دل میں اس کا خیال کرے ۲؎ تو نفاق کے حصے پر مرے گا ۳؎ (مسلم)

۱؎ یا اس طرح کہ اس کی زندگی میں جہاد ہوا ہی نہیں یا اس طرح کہ جہاد تو ہو مگر یہ شریک نہ ہو یا نہ ہوسکے غرضیکہ اس فرمان عالی کی کئی صورتیں ہیں۔

۲؎ **نفسه** سے پہلے فی پوشیدہ ہے اور خیال کرنے سے مراد یا جہاد کی تمنا کرنا ہے یا تیاری جہاد کرنا ہے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں نیکی کی تمنا بھی باعث ثواب ہے گناہ کی تمنا بھی گناہ۔

۳؎ یعنی ایسا آدمی منافق سے مشابہ ہوگا جو جہاد سے بہت بچتے تھے اور جو کسی قوم سے مشابہت رکھے وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مبارک وغیرہ محدثین نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ اس زمانہ میں جہاد سے بے گانہ رہنا منافقین کی علامت۔(مرقات و نووی) جیسے حدیث پاک میں ہے"**من ترك الصلوٰة متعمدًا فقد كفر**"جودانستہ طور پر نماز چھوڑے کافر ہے،یہ بھی اسی زمانہ پاک کے متعلق ہے کہ اس زمانہ میں بے نمازی ہونا کفار کا نشان تھا،فرماتے ہیں کہ مؤمن اور کافر کے درمیان فرق نماز ہے،بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہر زمانہ کے متعلق ہے۔مطلب یہ ہے کہ جہاد کا خیال بھی دل میں نہ لانا نفاق پیدا کرتا ہے۔(مرقات) جیسے ارشاد ہوا کہ گانا بجانا بلکہ گانے کی آواز رغبت سے سننا دلی نفاق اس طرح پیدا کرتا ہے جیسے پانی کا سیل گھاس کو۔اسی حدیث کی بنا

پر بعض علماء نے فرمایا کہ جہاد فرض عین ہے مگر حق یہ ہے کہ بعض حالات میں فرض عین ہوتا ہے اکثر حالات میں فرض کفایہ۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ ایک شخص غنیمت کے لیے جہاد کرتا ہے ۱؎ اور ایک شخص اپنی شہرت چرچے کے لیے ۲؎ اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اس کا درجہ دیکھا جاوے ۳؎ تو اللہ کی راہ میں مجاہد کون ہے فرمایا وہ ہے جو صرف اس لیے جہاد کرے کہ اللہ تعالٰی کا کلمہ بلند ہوجائے ۴؎ وہ اللہ کی راہ میں مجاہد ہے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی صرف مال غنیمت حاصل کرنے یا ملک جیتنے اور وہاں راج کرنے کی نیت سے جہاد کرتا ہے،رضاءالٰہی کی نیت نہیں کرتا جیسا کہ آج کل عمومًا جنگ کے وقت ملک وقوم کی خدمت کا نام لیتے ہیں،اللہ کے دین کی خدمت کا ذکر تک نہیں کرتے اس لیے بچنا چاہیے۔

۲؎ یعنی صرف اس لیے جہاد کرتا ہے کہ لوگوں میں اس کی بہادری کا چرچا ہو اور اسے شہرت و عزت حاصل ہو،کفار کو اپنی شجاعت دکھانا ان کے مقابل اپنی شان و بہادری بیان کرنا عبادت ہے۔

۳؎ یری کی تین قرأتیں ہیں:باب فتح کا مضارع مجہول،باب افعال کا مضارع معروف اور باب فتح کا مضارع معروف یعنی تاکہ اس کا درجہ دیکھا جاوے یا لوگوں کو اپنا درجہ شجاعت دکھائے مسلمانوں کو یا تاکہ وہ اپنی جنت کی جگہ دیکھ لے یعنی صرف جنت حاصل کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔(مرقات و اشعہ) تیسرے معنی صوفیانہ ہیں۔صوفیاء کے نزدیک جنت حاصل کرنے یا دوزخ سے بچنے کے لیے بھی عبادت نہ کی جائے،صرف جنت والے رب کو راضی کرنے کے لیے عبادت کرنی چاہیے،جب وہ راضی ہوگیا تو سب کچھ مل جائے گا۔

۴؎ کلمتہ اللہ سے مراد کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ ہے یعنی اسلام کی اشاعت کرنے اور کفر کا زور توڑنے کے لیے جہاد ہو۔خیال رہے کہ خدمت دین کے ساتھ غنیمت کی نیت بھی ہونا مضر نہیں مگر کمال اس میں ہے کہ خالص خدمت دین کی نیت ہو غنیمت بلکہ جنت حاصل کرنے کا بھی ارادہ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے ۱؎ مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسی قومیں بھی ہیں ۲؎ کہ تم چلے اور تم نے کوئی جنگل طے نہ کیا مگر وہ تمہارے ساتھ تھے ۳؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ مگر وہ ثواب میں وہ تمہارے شریک ۴؎ لوگوں نے کہا یارسول	

	اللہ وہ رہے مدینہ ہی میں فرمایا وہ رہے مدینہ ہی میں جن کو معذوری نے روک لیا ۵؎(بخاری)

۱؎ تبوک مدینہ منورہ سے چھ سو ساٹھ میل دور جانب شام ہے اس طرح کہ ایک سو ساٹھ میل خیبر ہے اور خیبر سے پانچ سو میل تبوک سے کچھ فاصلہ پرمان ہے پھر مان کے بعد عمان ہے اردن کا دارالخلافہ،فقیر نے خیبر کی تو باقاعدہ زیارت کی ہے مگر تبوک اور مان پر ہوائی جہاز سے پرواز کی ہے عمان اور بیت المقدس جاتے ہوئے،غزوہ تبوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔جیساکہ اشعہ نے فرمایا۔

۲؎ یعنی مختلف جماعتوں و قبیلوں کے مسلمان وہ بھی ہیں جو اس غزوہ میں جانے کی دل سے تمنا کرتے تھے مگر کسی سخت مجبوری کی وجہ سے نہ جاسکے۔

۳؎ اس طرح کہ جسم ان کے مدینہ میں رہے اوردل تمہارے ساتھ جہاد میں رہے،نیز ان کی نیت ان کے ارادے تمہارے ساتھ رہے یا وہ اجروثواب میں تمہارے ساتھ رہے کہ تمہارے پیچھے تمہارے گھر بار کی دیکھ بھال اور تمہارے بال بچوں کی خدمت کرتے رہے۔

۴؎ اس طرح کہ نفس ثواب میں تمہارے ساتھ شریک رہے اگرچہ عملی جہاد میں تم ان سے بڑھ گئے۔اس وجہ سے غنیمت میں ان کا حصہ نہ ہوگا،رب فرماتاہے:"وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً"۔اس سے معلوم ہوا کہ نیت خیر کا بڑا درجہ ہے،اس طرح کسی نیکی سے رہ جانے پر افسوس کرنا بھی ثواب ہے۔

۵؎ معذوری سے مراد واقعی معذوری ہے،جو بعض مخلص صحابہ کو تھی،بناوٹی معذوری نہیں جو بہانہ باز منافقین نےظاہر کی تھی ان پر تو سخت عتاب فرمایا گیا دیکھو سورۂ توبہ۔

	اور مسلم نے روایت کیا حضرت جابر سے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوااور آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں عرض کیا ہاں ۱؎ فرمایا تو انہیں ہی میں جہاد کر ۲؎(مسلم،بخاری) اور ایک روایت یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کی طرف لوٹ جا ان سے اچھا برتاؤ کر ۳؎

۱؎غالب یہ ہے کہ اس کے ماں باپ کو اس کی خدمت کی حاجت تھی،وہ اکیلا بیٹا خدمت گار تھا اور جہاد اس وقت فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا،ایسی صورت میں ماں باپ کی خدمت جہاد پر مقدم ہے،اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو جہاد مقدم ہے۔

۲؎یہاں جہاد سے مراد لغوی جہاد ہے بمعنی مجاہدہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا"اس سے مراد ہے جہاد بالنفس۔

۳؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی جہاد کے لیے بغیر والدین کی اجازت کے نہیں جانا چاہیے،اگر جہاد فرض ہو تو بہتر ہے کہ ان سے اجازت لے لے لیکن اگر وہ اجازت نہ دیں تو بھی چلا جاوے،اگر وہ منع کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے یہ حکم مؤمن والدین کے لیے ہے،کافر ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں خواہ جہاد فرض ہو یا نفل۔خیال رہے کہ مسلمان ماں باپ کی اجازت کے بغیر کسی نفلی عبادت کے لیے نہ جاوے جیسے نفلی حج،نفلی عمرہ،زیارت وغیرہ حتی کہ اگر مسلمان ماں باپ اجازت نہ دیں نفلی روزہ بھی نہ رکھے۔چنانچہ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا بولا میں ہجرت پر بیعت کرنے آیا ہوں والدین روتے رہ گئے ہیں فرمایا واپس جاؤ جیسے انہیں رُلا کر آئے ویسے ہی انہیں ہنساؤ،اسی ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوسعید خدری روایت کی ہے کہ یمن سے ایک شخص ہجرت کرنے مدینہ منورہ حاضر ہوا اس سے حضور نے پوچھا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں عرض کیا ہاں،فرمایا تو ان سے پوچھ کر آیا ہے بولا نہیں،فرمایا واپس جاؤ،اجازت لے کر آؤ،اگر اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت کرو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ فتح کے بعد ہجرت نہیں ۱؎لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے نکالا جائے تو نکل جاؤ ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی فتح مکہ کے بعد مکہ معظمہ سے ہجرت کرجانا ضروری نہیں کیونکہ اب مکہ معظمہ میں مشرکین نہیں،اب وہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی ہے یہ مطلب نہیں کہ کسی جگہ سے کبھی ہجرت نہیں ہوگی۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔جن میں ارشاد ہے کہ ہجرت تاقیامت جاری ہے۔خیال رہے کہ دارالکفر سے جہاں اسلامی آزادی بالکل نہ ہو،ہجرت کرجانا فرض ہے بشرطیکہ طاقت ہو اور جہالت کی جگہ سے علم کی جگہ گناہوں کی جگہ سے توبہ کی جگہ ہجرت کرجانا مستحب ہے۔(مرقات)

۲؎یعنی اگر جہاد کبھی فرض ہوجائے اور اسلامی حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو تو جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے یہ حکم وجوبی ہے اور اس وقت کے لیے ہے کہ جب جہاد فرض عین ہوچکا ہو اس لیے صیغہ جمع ارشاد ہوا یعنی سب نکل جاؤ،رب

فرماتا ہے:"اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجٰهِدُوۡا بِاَمۡوٰلِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ"۔خیال رہے کہ نیت سے مراد ہے ازروئے جہاد کرنا یا ارادۂ جہاد۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایک گروہ حق پر جہاد کرتا رہے گا ۱؎ ان پر غالب رہے گا جو ان سے دشمنی رکھے ۲؎ حتی کہ اس کے آخری لوگ مسیح دجال سے جنگ کریں گے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی اسلام میں جہاد ہوتا رہے گا،کبھی منسوخ نہ ہوگا جو جہاد کا حکم منسوخ مانے وہ کافر ہے جیسے وہ جو نماز یا زکوۃ و حج وغیرہ کو منسوخ ماننے والا کافر ہے۔

۲؎ ناوی بنا ہے مناوات سے بمعنی معادات و دشمنی کرنا،نوء سے بنا بمعنی اٹھنا،یہاں مراد ہے کسی کے مقابلہ کے لیے اٹھنا،میدان میں آنا،اس میں غیبی خبر ہے کہ اللہ تعالٰی مجاہد مسلمانوں کو کفار پر غلبہ دیتا رہے گا،اگر کبھی مغلوب ہوجاؤ تو یہ مغلوبیت اتفاقی ہوگی یا اپنی کسی غلطی کی بنا پر۔

۳؎ یہاں آخری لوگ سے مراد حضرت امام مہدی و جناب عیسٰی علیہ السلام کے ساتھی مسلمان ہیں۔دجال کو مسیح اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ممسوح العین کانا ہوگا۔یہ صفت مشبہ بمعنی مفعول ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ مسیح یعنی چھوکر لاعلاج بیماروں کو اچھا کردیتے تھے۔وہاں صفت مشبہ بمعنی فاعل ہے ۔خیال رہے کہ دجال سے اس جہاد کے بعد دنیا میں کوئی کافر نہ رہے گا،حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات تک یہ ہی حال رہے گا آپ کی وفات کے بعد پھر کفر شروع ہوگا حتی کہ ایک ایسی ہوا چلے گی کہ ہر مؤمن کو وفات دے دے گی،صرف کفار ہی زمین پر رہ جائیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو تو نہ جہاد کرے اور نہ غازی کو سامان دے یا غازی کے گھر میں اس کا بھلائی سے نائب نہ بنے ۱؎ اسے اللہ تعالٰی قیامت سے پہلے سخت حادثہ پہنچائے گا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو شخص یا جو لوگ ان تینوں نعمتوں سے محروم رہے نہ جہاد کرے نہ مجاہد کو سامان دے نہ مجاہد کے بیوی،بچوں کی خدمت کرے۔غالبًا روئے سخن ان لوگوں سے ہے جن کے زمانہ میں جہاد ہو اور وہ یہ تینوں کام نہ کرے اور اگر کسی کو جہاد دیکھنا نصیب ہی نہ ہو وہ اس حکم سے علیحدہ رہے۔

۲؎ قارعه بنا ہے قرع سے بمعنی کھڑکانا،ٹھوکنا،اب پریشان کن مصیبت کو بھی قارعه کہتے ہیں کہ وہ دل کو کھڑکا دیتی ہے اسی لیے قیامت کو قارعه کہا جاتا ہے"اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ"کہ وہ مخلوق کو پریشان کردے گی جس سے عام لوگوں کے حواس جاتے رہیں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا کفار سے جہاد کرو۱؎ اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اپنی زبانوں سے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی)	

۱؎ مشرکین سے مراد کفار حربی ہیں خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے اور جہاد خواہ محترم مہینہ میں ہو یا ان کے علاوہ۔خیال رہے کہ کفار عرب سے جزیہ قبول نہیں،صرف اسلام ہی ان کے لیے ذریعہ امان ہے اور کفار عجم سے جزیہ بھی قبول ہے کہ وہ ہمارے رعایا بن کر رہیں،ہم کو حق حفاظت میں جزیہ دیں اور ہمارے ملک میں امان سے رہیں،نیز جہاد کے لیے یہ لازم نہیں کہ کفار ابتداء کریں،ہم مسلمان مدافعانہ اور جارحانہ ہر طرح کا جہاد کرسکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قٰتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقٰتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً"اس آیت اور اس حدیث نے ترک جہاد اور نرمی کی تمام آیات اور احادیث کو منسوخ فرمادیا چنانچہ آیت "فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ" بھی منسوخ ہے۔(مرقات)اسکی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کرو۔

۲؎ جان کا جہاد تو مشہور ہے میدان جنگ میں شمشیر یا تدبیر سے جنگ،مال کا جہاد،غازیوں کو سامان دینا،زبان کا جہاد کفار کی زبانی قلمی تردید دلائل سے کرنا،ان کی شکست کی دعا کرنا،انہیں ڈرانا دھمکانا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ معبودین کو برا کہنے کی ممانعت کی آیت یا منسوخ ہے یا معلل ہے اس کیفیت سے جب مسلمان انہیں گالیاں دینے سے روک نہ سکیں اس کی مثل لمعات میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیلاؤ۱؎ کھانا کھلاؤ۲؎ کھوپڑیوں پر چوٹ لگاؤ۳؎ جنت کے وارث بن جاؤ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی مسلمانوں میں اسلامی سلام کا رواج ڈالو،اگر مسلمان کفار کی صحبت کی وجہ سے آداب عرض یا گڈ مارننگ وغیرہ کہنے کے عادی ہوگئے ہوں تو ان سے یہ بری عادت چھڑواؤ۔یا ہر واقف ناواقف مسلمان کو سلام کرو یا بلند آواز سے سلام کہو

تاکہ سامنے والا سن لے اور جواب سلام دے پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ سلام کرنا سنت ہے جواب دینا فرض،سلام کے مسائل ان شاء اللہ باب السلام میں عرض ہوں گے۔

۲؎ حسب موقعہ عزیزوں اور نیک لوگوں کی دعوت کرواور عمومًا بھوکوں محتاجوں کا پیٹ بھرو کہ یہ اسلام کا شعار ہے۔

۳؎ یعنی جہاد میں حربی کافروں کو قتل کرو۔ھام جمع ہے ھامۃ کی بمعنی کھوپڑی۔خلاصہ یہ ہے کہ سخاوت شجاعت دونوں کے جامع بن جاؤ۔

۴؎ یعنی یہ اعمال جنت ملنے کا ذریعہ ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ جنت حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ اور مشقت کی ضرورت ہے،جو مسلمان ایسے مجاہدے کرلے گا وہ آسان کام بخوبی کرسکے گا جیسے نماز روزہ حج وغیرہ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس میں نماز روزہ حج کا ذکر نہیں،چونکہ ہر جنتی جنت میں اپنی جگہ بھی لے گا اور کافر کے حصے پر بھی قبضہ کرلے گا اس لیے وراثت فرمایا گیا اور چونکہ جنتیں بہت سی ہیں اس لیے جمع ارشاد ہوا۔

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا ہر میت کا خاتمہ اپنے اعمال پر ہوجاتا ہے ۲؎ سوا اس کے جو خدا کی راہ میں مرابط ہوکر مرے ۳؎ کہ اس کے عمل قیامت تک اس کے لیے بڑھتے رہتے ہیں ۴؎ اور قبر کے فتنہ سے وہ امن میں رہتا ہے ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)
	دارمی،بروایت،عقبہ بن عامر۔

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں،غزوہ احد اور بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،خیبر کی فتح میں شامل تھے،حضور کے بعد دمشق میں رہے وہاں امیر معاویہ کی طرف سے دمشق کے گورنر رہے،امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۳ھ میں دمشق میں ہی وفات پائی،وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی آخر حیات میں جو نیک و بدعمل کرتا تھا اس پر مرجاتا ہے اور مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں کہ فاعل کی موت افعال کو ختم کر دیتی ہے۔

۳؎ یعنی اسلامی ملک کی سرحد پر جہاد پر تیار رہا اور وہاں ہی فوت ہوگیا،مرابط کے معنی پہلے بیان ہوچکے ہیں،یہ ربط بمعنی باندھنے سے بنا۔مرابط وہ جو اپنے کو کفار کے مقابل باندھ دے،اپنے ہاں جہاد کے لیے گھوڑا باندھے۔

۴؎ اس طرح کہ قیامت تک اسے ہر گھڑی وہ ہی ثواب ملتا رہتا ہے جو زندگی میں ملتا تھا اس کا رباط فی سبیل اللہ صدقہ جاریہ ہوجاتا ہے کیونکہ مسلمان اس کے رباط سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

۵؎ اس طرح کہ اس سے نہ حساب قبر ہو نہ اسے عذاب قبر ہو،بقیہ صدقات جاریہ میں یہ انعام نہیں ملتا یہ صرف مرابط کو ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی راہ میں

	اونٹنی دوہنے کے وقفہ کی برابر جہاد کرے ۱؎ تو یقینًا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ۲؎ اور جو اللہ کی راہ میں معمولی زخمی کیا جائے یا معمولی تکلیف دیا جائے ۳؎ تو وہ زخم قیامت کے دن اس سے زیادہ چمکدار ہوگا جیسا کہ تھا ۴؎ اس کا رنگ زعفرانی ہوگا ۵؎ اس کی خوشبو مشک کی سی اور جسے اللہ کی راہ میں پھنسی نکل آوے ۶؎ تو یقینًا اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی ۷؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ عربی میں **فواق** جانور کو دوبارہ دوہنے کے درمیان وقفہ کو کہتے ہیں،اس وقفہ سے مرا دیا تو صبح شام دوہنے کے درمیان کا فاصلہ ہے یا ایک دفعہ دوہنے کے درمیان کا وقفہ ہے کیونکہ اونٹنی کو کچھ دوہ کر تھوڑا ٹھہرجاتے ہیں،اتنے میں وہ پھر دودھ اتارلیتی ہےتو اسے پھر دوہتے ہیں،یہ ٹھہرنا فواق کہلاتا ہے یہ چند منٹ کا ہی ہوتا ہے۔**فواق** بنا ہے **فوق** سے بمعنی اوپر،چونکہ دودھ اوپر سے ہی تھن میں آتا ہے اس لیے اسے فواق کہا جاتا ہے۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یعنی رب تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا کہ اسے اول ہی سے جنت میں داخل فرمائے گا گناہوں کی سزا کے لیے اسے دوزخ میں نہ رکھے گا کیونکہ اس کے گناہ اس جہاد کی برکت سے معاف ہوچکے،جب پل بھر کے جہاد کا یہ درجہ ہے تو غور کرو کہ جو ہمیشہ جہاد میں رہے اس کا مرتبہ کیا ہوگا۔

۳؎ لغت میں **نکبة** معمولی حادثہ یا تکلیف کو کہتے ہیں زخم ہو یا اور کوئی تکلیف،یہاں جراحت سے مراد وہ زخم ہے جو کفار کے ہاتھوں غازی کو پہنچے اور **نکبت** سے مراد وہ زخم ہے جو گھوڑے سے گر جانے یا اپنا ہتھیار لگ جانے سے غازی کو پہنچے۔مرقات نے اس کو ترجیح دی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پاک میں ایک دفعہ خون نکل آیا تھا تو فرمایا تھا۔شعر

ھل انت الا اصبع دمیت　　　　وفی سبیل اللہ ما لقیت

۴؎ یعنی تازہ زخم جتنا سرخ تھا اس سے زیادہ سرخ ہوگا۔حق یہ ہے کہ **انھا** کی ضمیر صرف **نکبة** کی طرف ہے۔مقصد یہ ہے کہ جب جہاد میں اتفاقی لگی ہوئی چوٹ کا یہ درجہ ہے تو کفار کے ہاتھوں لگے ہوئے زخم یا قتل کا کیا مرتبہ ہوگا،بعض شارحین نے فرمایا **کاغزر** کا کاف زائدہ ہے۔

۵؎ اس طرح کہ زخم کی سرخی میں زعفرانی زردی جھلکتی ہوگی جس سے اس کا حسن زیادہ ہوگا اور اس کی خوشبو سے وہ میدان مہکتا ہوگا جہاں جہاں یہ غازی کھڑا ہوگا۔یہ قیامت میں ہوگا اس علامت سے غازی پہنچانا جائے گا اور اس کا احترام کیا جائے گا۔

۶؎ **خراج** خ کے پیش سے جسم میں سے ابھر آنے والی چیز جسے ابھارہ کہا جاتا ہے جیسے پھڑیا پھنسی آبلہ وغیرہ یعنی اگر غازی کے جسم پر میدان جہاد میں کوئی قدرتی پھڑیا پھنسی نکل آوے نہ کسی کافر کی طرف سے چوٹ لگی ہو نہ کسی اور وجہ سے۔

۷؎ طابع بنا ہے طبع سے بمعنی چھپنا مہر لگنا"طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ"۔مطلب یہ ہے کہ قدرتی پھڑیا پھنسی بھی اگر غازی کو نکل آئے تو اس پر شہید کی نشانی ہوگی،اسے شہیدوں کے زمرہ میں داخل کیا جاوے گا، ان کا سا احترام ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کی راہ میں کوشش تو کی ہے۔

روایت ہے حضرت خریم ابن فاتک سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرے تو اس کے لیے سات سو گنا لکھا جاتا ہے۔(ترمذی،نسائی)۲؎	

۱؎ آپ خریم ابن احزم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہیں ۔غزوہ بدر میں اپنے بھائی سبرہ کے ساتھ شریک ہوئے یہ ہی قوی ہے،بعض مؤرخین نے کہا کہ آپ فتح مکہ کے دن اپنے بیٹے ایمن ابن حزیم کے ساتھ ایمان لائے مگر یہ درست نہیں،آخر میں شام میں قیام رہا۔(کمال،اشعہ)

۲؎ اللہ کی راہ میں خرچ سے مراد ہر دینی کام میں خرچ ہے جہاد ہو یا حج یا طلباء و علماء کی خدمت،زکوۃ،فطرہ،قربانی اور تمام نفلی صدقات کہ ان کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے۔اس حدیث کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے "مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوٰلَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ"الخ ثواب کے یہ مختلف درجے اخلاص کے درجوں کے لحاظ سے ہیں اور جہاں خرچ کیا اس کی اہمیت کے اعتبار سے بھی،اس کے خروج سے جتنا دین کو فائدہ ہوگا اتنا ہی ثواب زیادہ۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خیراتوں میں افضل اللہ کی راہ میں خیمہ کا سایہ ہے ۱؎ اور اللہ کی راہ میں خادم کا عطیہ ہے ۲؎ یا راہ خدا میں نر کی سواری ہے ۳؎(ترمذی)	

۱؎ اس طرح کہ مجاہدین کو بالکل یا عاریۃً خیمہ دے دیا جائے کہ وہ سفر جہاد میں اس کے سایہ میں بیٹھا کریں،اسی طرح حجاج کو عرفات وغیرہ میں خیمہ،شامیانہ لگادینا،اگر طلباء میدان میں بیٹھ کر پڑھتے ہوں مدرسہ کی عمارت نہ ہو ان کے لیے سایہ کا انتظام کردینا،جہاں مسجد نہ ہو وہاں نمازیوں کے لیے شامیانہ یا خیمہ لگادینا سب ہی اس میں داخل ہیں۔قسطاط ہر چھوٹے بڑے خیمہ کو کہا جاتا ہے۔

۲؎ غازیوں،حاجیوں،دینی علماء وطلباء کی خدمت کے لیے کوئی آدمی مقرر کردینا جس کی تنخواہ خود برداشت کرنا۔

۳؎ اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ مجاہدین کے لیے جو اونٹنیاں ہوں انہیں حاملہ کرنے کے لیے نر اونٹ عاریۃً دے دینا کہ یہ بھی ثواب ہے اس سے جو اونٹ کی نسل چلے گی اس پر مجاہدین جہاد کریں گے اسے ثواب ملیگا۔دوسرے یہ کہ مجاہد کو سواری کے لیے عاریۃً اونٹ دے دینا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص آگ میں داخل نہ ہوگا جو اللہ کے خوف سے روئے حتی کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے ۱؎ اور کسی بندے پر راہ خدا کا غبار ۲؎ اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوسکتا ۳؎ ترمذی اور نسائی نے آخری جملہ میں یہ زیادتی کی کہ مسلمان کے نتھنوں میں کبھی ۴؎ اور اس کی دوسری روایت میں یہ کہ کسی بندے کے پیٹ میں کبھی ۵؎ اور کسی بندے کے دل میں کبھی بخل اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے ۶؎

۱؎ یعنی جیسے دوہے ہوئے دودھ کا تھن میں واپس ہونا ناممکن ہےایسے ہی اس شخص کا دوزخ میں جانا ناممکن ہے،جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے:"**حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ**"۔خوف خدا میں رونے کے بڑے فضائل ہیں اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔

باش چوں دولاب دائم چشم تر   تادرون صحن تو روید خضر

۲؎ راہ خدا کا غبار وہ غبار ہے جو رب کی رضا کے لیے راستہ چلا جائے اور وہاں کا غبار بدن یا کپڑوں یا پاؤں یا چہرے پر پڑے جیسے مسجد کو جاتے طلب علم،جہاد حج وعمرہ وغیرہ کرنے کی حالت میں جو گردوغبار پڑے۔

۳؎ یعنی جیسے دو ضدیں جمع نہیں ہوسکتیں ایسے ہی ایک جگہ یہ دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں،رب تعالیٰ نے اس غبار اور دوزخ کے دھوئیں کو نقیضیں یا ضدیں بنادیا ہے یہ اس کی بندہ نوازی ہے۔

۴؎ چونکہ ناک کے نتھنے پیٹ اور دماغ کے دروازے ہیں کہ انہیں کے ذریعہ ہوا اندر باہر آتی جاتی ہے،اگر ان میں راہِ خدا کا غبار پڑے تو یقینًا سانس کے ساتھ پیٹ اور دماغ میں بھی پہنچے گا اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا گیا۔خیال رہے کہ لفظ **منخر** میم اور خ کے فتح سے بھی ہے اور دونوں کے پیش سے بھی اور میم کے فتحہ اور خ کے کسرہ سے بھی،بروزن مجلس اور میم کے کسرہ خ کے فتحہ سے بھی بہت لغات میں بمعنی ناک کا نتھنا۔

۵؎ یعنی جس مؤمن کے پیٹ میں سانس کے ذریعہ راہ خدا کا غبار پہنچ جائے وہاں دوزخ کا دھواں نہ پہنچے یعنی وہ دوزخ میں تو کیا دوزخ کے قریب بھی نہ جائے گا جہاں دوزخ کی آگ کا دھواں پہنچتا ہے۔خیال رہے کہ دوزخ میں کہیں آگ بغیر دھوئیں کی ہے جیسے دنیا میں ویلڈنگ کی آگ اور کہیں دھوئیں والی ہے،لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ دوزخ کی آگ بغیر دھوئیں کے ہے پھر وہاں دھواں کیسا؟

۶؎ **شح** اس بخل و کنجوسی کو کہتے ہیں جو مالی عبادات سے انسان کو روک دے یا ظلم کرادے۔ایمان سے مراد کامل ایمان ہے یعنی کامل مؤمن کبھی بخیل و کنجوس نہیں ہوتااور کنجوس آدمی کبھی کامل مؤمن نہیں بن سکتا بلکہ کبھی بخل ایمان سے بھی روک دیتا ہے۔قارون کے بخل نے اسے کافر بنادیا،بخل اور شح میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر شح بخل ہے مگر ہر بخل شح نہیں۔**شح** خدا تعالیٰ کا عذاب ہے۔خیال رہے کہ عربی میں دل کو قلب کہتے ہیں،قلب کے معنی ہیں الٹنا

پلٹنا،چونکہ دل کبھی روح کی طرف ہوجاتا ہے جس سے اس پر نورانی تجلیاں پڑتی ہیں اور کبھی نفس کی طرف جس سے اس پر نفسانی تاریکیاں آجاتی ہیں،گویا دل وہ بیٹھک ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک یار کی طرف(درون خانہ)دوسرا غیار کی طرف یار والا دروازہ کھل جاوے تو خلوت خانہ ہوجاتا ہے،ورنہ جلوت خانہ اس لیے اسے قلب کہتے۔(از مرقات مع الزیادۃ)اس لیے حضور دعا مانگتے تھے کہ اے دلوں کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ جیسے صاف آئینہ میں سارا گھر اور گھر والا نظر آتا ہے یوں ہی صاف شفاف دل میں عرش و فرش جنت و دوزخ مخلوق و خالق کی تجلی نظر آتی ہے۔

در دل مؤمن بگنجم اے عجب　　گر توے جوئی دریں دلہا طلب

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آنکھیں ہیں جنہیں آگ نہ چھوئے گی۱ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئے۲ اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دے۳(ترمذی)

۱ یعنی دو قسم کی آنکھیں یہ شبہ شخصی نہیں بلکہ نوعی ہے۔خیال رہے کہ جب اس آنکھ کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی تو آنکھ والے کو بھی نہ چھوئے گی،یہ مطلب نہیں کہ صرف آنکھ تو آگ سے بچی رہے باقی جسم آگ میں جائے،اگر ایک عضو بخشا جاوے تو اس کے صدقہ سے سارے اعضاء بخشے جائیں گے۔مصنفین علماء دین کی اگر انگلیاں بخش دی گئیں تو ان شاءاللہ سارا جسم بخش دیا جائے گا۔

۲ اسی طرح جو آنکھ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں روئے ان شاءاللہ بخشی جائے گی،دو نعمتیں بڑی شاندار ہیں خوف خدا عشق مصطفیٰ۔شعر

ذرہ عشق نبی از حق طلب　　سوز صدیق و علی از حق طلب

۳ اسی طرح کہ سفر جہاد کا غازی سوجاوے،یہ بندہ ان کا پہرہ دے تاکہ کفار شب خون نہ مار سکیں یہ رات جاگ کر گزارے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب ایک گھاٹی پر گزرے جس میں میٹھے پانی کا چھوٹا چشمہ تھا۱ وہ چشمہ انہیں پسند آیا۲ تو بولے کاش میں لوگوں سے علیحدہ ہوجاتا تو اس گھاٹی میں ہی قیام کرلیتا۳ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا۴ تو فرمایا یہ نہ کرو۵ کیونکہ تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں پھرنا اپنے گھر ستر سال تک نمازیں پڑھتے رہنے سے

	افضل ہے ۶؎ کیا تم نہیں چاہتے اللہ تمہیں بخشے اور تمہیں جنت میں داخل کرے ۷؎ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو اللہ کی راہ میں اونٹنی کے دوہنے کے فاصلہ کی برابر جہاد کرے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ۸؎ (ترمذی)

۱؎ **شعب** یعنی گھاٹی پہاڑ کے شگاف کو کہتے ہیں خواہ آرپار ہو یا آگے سے بندعرب میں ایسی جگہ بہت ہی قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے جہاں سبزہ بھی ہو اور میٹھے پانی کا چشمہ بھی اور جگہ محفوظ بھی۔

۲؎ دل چاہا کہ مدینہ منورہ چھوڑ کر اپنی بکریاں بھیڑیں لے کر یہاں آن بسیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۳؎ تاکہ اطمینان سے عبادت الٰہی کرتا اور لوگوں کے اختلاط سے بچ جاتا،یہ اختلاط ہزار ہا غفلتوں گناہوں کا سبب ہے ان کا یہ ارادہ بھی نیت خیر سے تھا۔

۴؎ یا تو **فذکر** معروف ہے تو اس کا فاعل خود وہ صحابی ہیں جن کا یہ ارادہ تھا یا مجہول ہے تو ذکر کرنے والے کوئی اور صحابی ہیں یعنی خود انہوں نے یہ ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا حضور سے عرض کیا گیادونوں روایتیں ہیں۔

۵؎ یعنی نفلی عبادت کے لیے فرض و واجب عبادات نہ چھوڑو کہ یہاں رہ کر تم نماز جماعتوں،جمعہ،عیدین اور جہاد،تبلیغ وغیرہ عبادات سے محروم ہوجاؤ گے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو نفلی عبادات فرائض چھوڑا دے وہ گناہ ہے،اگر نماز تہجد سے فرض کی نماز قضا یا جماعت ترک ہوجاوے تو تہجد نہ پڑھو۔پنجگانہ نماز جماعت سے پڑھو۔یہ بڑا اصولی مسئلہ ہے یاد رکھنا چاہیے،بعض لوگ عام جلسوں جلوسوں کی وجہ سے رات کو زیادہ جاگتے ہیں جس سے فجر کی جماعت نہیں پاتے وہ اس سے عبرت پکڑیں۔

۶؎ یعنی تمہارا شہر مدینہ میں رہنا جہاں جہاد بھی نصیب ہوتا رہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کے پیچھے نمازیں میسر ہوگی،یہاں جنگل میں گھر بنا کر بیٹھنے سے بہت ہی زیادہ افضل ہے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ شاید وہ صحابی فرضی جہاد سے فارغ ہوچکے ہوں گے اور اس زمانہ میں فی الحال جہاد فرض عین نہ ہوگااس لیے افضل فرمایا،ورنہ حضور سخت منع فرماتے۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ بمقابلہ دیہات کے شہر میں رہنا بہتر ہے کہ شہر میں بعض وہ عبادات نصیب ہوجاتی ہیں جو گاؤں میں میسر نہیں ہوتیں،ستر سال فرمانا بہت زیادہ کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا کہ صف جہاد یا صف نماز میں کھڑا ہونا اللہ کے نزدیک ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔(حاکم،مرقات)

۷؎ یعنی تم کو مغفرت تامہ اور جنت کا اولی داخلہ نصیب فرمادے۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ خلوت کی زندگی جلوت کی زندگی سے بہتر گوشہ کمال نہیں۔خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں جن احادیث میں گوشہ نشینی کو افضل فرمایا گیاوہاں فتنوں کے زمانہ کی گوشہ نشینی مراد ہے۔(لمعات واشعہ)

۸؎ **فواق فاقہ** کی تفسیر ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ اس سے مرادیا صبح شام کا دوہنے کا فاصلہ ہے یا ایک بار دوہنے میں جو کچھ فاصلہ کیا جاتا ہے وہ مراد ہے،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

	سلم سے راوی فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن گھوڑا باندھنا اس کے ماسوا دوسری منزلوں میں ایک ہزار دن سے افضل ہے ۲(ترمذی،نسائی)

۱اسلامی سرحد پر کفار کے مقابلہ میں گھوڑا باندھنا وہاں جہاد کے لیے تیار رہنا۔

۲یہ افضلیت اس صورت میں ہے کہ جہاد فرض عین ہوچکا ہویا اسلامی سرحد پر بہت خطرہ ہو،وہاں سے مسلمانوں کے ہٹ جانے سے اسلامی ملک خطرہ میں پڑ جائے،امن و سکون کے حالات میں دوسری منازل اس سے افضل ہوسکتی ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ نماز کے بعد نماز کا انتظار اور مسجد میں حاضری کی پابندی یہ رباط ہے یہ رباط ہے یہ رباط ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر وہ تین شخص پیش کیے گئے جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے ۱شہید، پاکدامن،پاکباز۲ اور وہ غلام جو اللہ کی عبادت اچھی طرح کرے اور اپنے مولاؤں کی خیر خواہی کرے ۳(ترمذی)

۱یعنی مجھے وہ تین قسم کے آدمی دکھائے گئے جو بعد انبیاء کرام دوسرے جنتیوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔اس ترجمہ سے تمام اعتراضات اٹھ گئے۔خیال رہے کہ جنت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے،پھر دوسرے انبیاءکرام،پھر سب سے پہلے حضور کی امت جائے گی،پھر دوسری امتیں۔حضور کی امت میں داخلہ ترتیب سے ہوگا کہ بعض حضرات بعض سے پہلے۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے حضرت بلال ہٹو بچو کرتے جنت میں داخل ہوں گے اور حضور انور کے ساتھ حضرت صدیق اکبر و فاروق داخل ہوں گے مگر یہ داخلہ حضور کی اتباع میں ہوگا،دولہا کے ساتھ اس کے دوست اور خاص خادم بھی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری آنکھوں سے تاقیامت جنتیوں اور دوزخیوں کو ملاحظہ فرمالیا تھاجیساکہ لفظ **عرض** سے ظاہر ہے،یہاں اولیت اضافی ہے اور تین سے مراد شخص تین نہیں بلکہ نوعی تین ہیں ان تین میں کروڑوں مسلمان ہوں گے۔

۲**عفیف** اور **متعف** میں چند طرح فرق کیا گیا ہے:زنا سے بچنے والا عفیف،بھیک و سوال سے بچنے والا متعفف،اکیلا آدمی گناہ سے بچے وہ عفیف ہے،بال بچوں والا گناہ سے بچے وہ متعفف ہے،ظاہری گناہوں سے بچنے والا عفیف ہے،باطنی گناہوں سے بچنے والا متعفف ہے۔

۳اس سے معلوم ہوا کہ جسے دنیاوی الجھنیں زیادہ ہوں اس کی عبادت افضل ہے اس سے جو فارغ البال ہو، دیکھو انسان کی عبادت فرشتوں کی عبادت سے افضل ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حبشی سے کہ نبی کریم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے ۱فرمایا دراز

	قیام[۲] عرض کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے فرمایا فقیر کی طاقت[۳] عرض کیا گیا کون سی ہجرت افضل ہے[۴] فرمایا اس کی جو ان سب چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ نے اس پر حرام کیں[۵] عرض کیا گیا کون سا جہاد افضل ہے فرمایا اس کا جو کفار پر اپنے مال و جان سے کرے[۶] عرض کیا گیا کہ کون سا قتل اشرف ہے فرمایا جس کا خون بہادیا جائے اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں[۷] ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل بہترین ہے، فرمایا وہ ایمان جس میں تردد نہ ہو[۸] اور وہ جہاد جس میں خیانت نہ ہو[۹] اور پاکیزہ حج،عرض کیا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے[۱۰] فرمایا دراز قیام پھر باقی حدیث میں وہ دونوں متفق ہوگئے[۱۱]

۱؎ یعنی نماز کے اعمال میں کون سا عمل افضل ہے۔

۲؎ بعض لحاظ سے نماز میں دراز قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت زیادہ تلاوت قرآن بہت ہے اور بعض لحاظ سے دراز سجدہ افضل ہے کہ اس میں اظہار عجز زیادہ ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔بعض علماء نے فرمایا کہ رات کے نوافل تہجد وغیرہ میں لمبا قیام افضل ہے اور دن کے نوافل اشراق چاشت وغیرہ میں زیادہ سجدے افضل ہیں،یہ بہرحال حدیث میں تعارض نہیں اس کی کچھ بحث مرآۃ جلد اول کتاب الایمان میں گزرچکی ہے۔

۳؎ **جھد** جیم کے پیش ہ کے سکون سے بمعنی طاقت و قوت اور **مقل اقلال** سے بنا،بمعنی کم کرنا اور فقیر ہوجانا اس کا مادہ **قلل** ہے بمعنی کمی اس سے ہے قلّت۔اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ غریب آدمی مشقت سے پیسہ کمائے پھراس میں سے خیرات کرے۔دوسرے یہ کہ فقیر کوخود بھی ضرورت ہوخود مشقت وتکلیف میں ہواس کے باوجوداپنی ضرورت روک کر خیرات کرے دوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھے،مگر یہ دوسرے معنی اس فقیر کے لیے ہوں گے جو خود صابر ہو اور اکیلا ہو بال بچے نہ رکھتا ہو ورنہ آج خیرات کرکے کل خود بھیک مانگنا یوں ہی بال بچوں کے حقوق مارکر خیرات کرنا کسی طرح جائز نہیں۔(مرقات)ہاں اگر کسی کے بال بچے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے گھر والوں کی طرح صابر ہوں پھر وہ جناب صدیق کی طرح خیرات کردے تو یہ اس کی خصوصیت ہے،سلطان عشق کے فیصلے عقل سے وراء ہیں۔شعر

موسیا آداب دانا دیگراند   سوختہ جان در داناں دیگراند

۴؎ بمعنی ہجرت(چھوڑنا)کی بہت سی قسمیں ہیں:وطن چھوڑنا،گناہ چھوڑنا،بُرے خیالات چھوڑنا وغیرہ ان میں سے اعلیٰ درجہ کی ہجرت کون سی ہے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب ہے گناہ چھوڑنے کی ہجرت وطن چھوڑنے کی ہجرت سے اعلیٰ ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ ترک گناہ کی ہجرت ہمیشہ ہر مسلمان کو میسر آسکتی ہے۔اس کی شرح کتاب الایمان میں گزر چکی۔

۶؎ یعنی جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے اعلیٰ قسم کا جہاد یہ ہے کہ مجاہد اپنی جان و مال سب کچھ راہ خدا میں خرچ کرکے جہاد کرے کیونکہ یہ جہاد نفس پر بہت گراں ہے۔خیال رہے کہ یہ افضلیت اضافی ہےایک اعتبار سے اور بعض حالات میں یہ جہاد افضل اور دوسرے اعتبار سے خصوصی حالات میں ظالم حاکم کے سامنے حق بات کہہ دینی افضل ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا کہ افضل الجھاد کلمة حق عند سلطان جائر۔

۷؎ یعنی راہ خدا کا وہ شہید اعلیٰ درجہ کا شہید ہے جو میدانِ جہاد میں جان و مال سب قربان کردے کہ خود بھی جان دے دے،گھوڑا بھی ہلاک ہوجائے،چونکہ اس کی قربانی دوگنی ہے،نیز اس نے بڑے معرکہ کا جہاد کیالہذا اس کی شہادت بھی اعلیٰ قرار پائی۔أھریق کی ہ زائدہ ہے اصل میں اریق تھا۔مرقات نے فرمایا کہ گھوڑے کی ہلاکت سے اس کی شجاعت و بہادری کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسا جانباز اور بہادر تھا کہ بغیر گھوڑے کے پاؤں کٹے دشمن کے قابو میں نہ آیا اس کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں ہے۔

۸؎ ایمان کو عمل میں داخل فرمایاکیونکہ ایمان یقین دل کا نام ہے،یہ دل کا عمل ہے،تردد نہ ہونے کے معنی یہ ہیں رنج و خوشی تنگی و فراخی حال میں اسلام سے نہ پھرے،دنیا کی کوئی حالت اس کے قلب کی حالت نہ بدل سکے۔ایک وقت حضرت حسین حضور کے کندھے پر سوار ہیں اور ایک وقت ظالم قاتل شمر آپ کے سینے پرانوار پر سوار ہے مگر دونوں حال میں قلب کا حال یکساں ہے،اس فرمان کی اور شرحیں بھی کی گئی۔

۹؎ اسی طرح کہ غنیمت میں خیانت کرے تقسیم سے پہلے امیر کے حوالہ ساری غنیمت کردے،پھر تقسیم میں اسے جو حصہ ملے اسے بخوشی قبول کرے۔

۱۰؎ حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جس میں گناہ سے بچا جائے یا وہ حج جس میں ریا و نام و نمود سے پرہیز ہو یا وہ حج جس کے بعد حاجی مرتے وقت تک گناہوں سے بچے،حج برباد کرنے والا کوئی عمل نہ کرے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ حج مقبول وہ ہے جس کے بعد حاجی دنیا میں زاہد آخرت میں راغب رہے،یا حج مبرور وہ ہے جو حاجی کا دل نرم کردے کہ اس کے دل میں سوز،آنکھوں میں تری رہے،حج کرنا آسان ہے حج سنبھالنا مشکل ہے۔

۱۱؎ خیال رہے کہ افضل اعمال کے بیان میں احادیث مختلف ہیں،کسی حدیث میں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے کسی میں دوسرے عمل کو،یہ اختلاف حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ کبھی جہاد افضل اور کبھی نماز اعلیٰ پھر نماز میں کبھی زیادہ سجدے افضل اور کبھی دراز قیام بہتر۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہید کی اللہ کے ہاں چھ خصلتیں(درجے) ہیں ۱؎ پہلی ہی دفعہ میں اسے بخش دیا جاتا ہے۲؎ اور اسے جنت کا ٹھکانا دکھادیا جاتا ہے۳؎ اور اسے قبر کے عذاب سے امان دی جاتی ہے اور	

	وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا۴؎اور اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہوگا۵؎اور بہتر حورعین(آنکھوں والی)سے اس کا نکاح کیا جائے گا۶؎اوراس کے ستر اہل قرابت میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی ۷؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ کہ یہ چھ خوبیاں کسی اور میں جمع نہیں ہوتیں۔

۲؎کہ اس کا خون زمین پر پیچھے گرتا ہے اور اس کے تمام گناہوں کی معافی پہلے ہی ہوچکتی ہے۔حتی کہ امام شافعی کے ہاں شہید پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جاتی،وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ معافی گناہ کے لیے ہوتی ہے اس کی معافی تو پہلے ہی ہوچکی،امام اعظم فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ شرافت انسانی کے ظہور کے لیے ہے جس کا شہید زیادہ حقدار ہے نہ کہ معافی گناہ کے لیے ورنہ چھوٹے بچوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز نہ ہوتی۔

۳؎بعض غازی صحابی نے شہید ہونے سے پہلے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ جنت وہ ہے یارسول اللہ میں دیکھ رہا ہوں پھر شہید ہوئے،بعض زخمی مجاہدوں نے باوجود پیاس کے جان توڑتے ہوئے پانی قبول نہ کیا فرمایا کہ اب کوثر سامنے ہے،وہاں ہی جاکر پئیں گے جیساکہ احادیث و تواریخ میں وارد ہے۔

۴؎رب تعالٰی فرماتاہے:"یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ"اور فرماتاہے:"لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ"یعنی شہید کو نہ قیامت میں گھبراہٹ ہوگی نہ قبر میں،نہ مرتے وقت،نہ پل صراط پر،نہ موت کو ذبح کردیئے جانے پر۔

۵؎یعنی اسے عزت کا تاج پہنایا جائے گا جس سے وہ تمام محشر والوں سے ممتاز ہوگا جیسے بادشاہ یا وزیر تاج کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

۶؎حور بنا ہے حوراء سے بمعنی آنکھ کی تیز سفیدی،پتلیوں کی تیز سیاہی،یہ چیز حسن کا اعلٰی درجہ ہے۔عین جمع ہے عیناء کی بڑی بڑی آنکھ،چونکہ حوروں کی آنکھیں بڑی اور خوب سفید و سیاہ ہیں اس لیے انہیں حورعین کہا جاتا ہے۔(مرقات)یعنی شہید کو اپنی دنیاوی اور کفار کی مؤمنہ بیویوں کے علاوہ جو اسے کفار کے ورثہ میں ملیں گی بہتر حوریں بیویاں دی جائیں گی۔خیال رہے کہ حور جنس بشر سے نہیں کہ وہ اولاد آدم علیہ السلام نہیں ہیں نورانی مخلوق ہے۔دنیا میں انسان کا نکاح غیر جنس سے درست نہیں،آخرت میں بعد قیامت درست ہوگا،یہ بھی خیال رہے کہ حوروں سے اختلاط بعد قیامت ہوگا،قیامت سے پہلے اگرچہ شہید جنت کے پھل فروٹ کھائیں گے مگر حوروں سے بے تعلق رہیں گے۔

۷؎یا ستر سے مراد کثرت و زیادتی ہے یا ستر کا عدد،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔اقرباء سے مراد رشتہ دار اور دوست و احباب دونوں ہیں۔(مرقات)بشرطیکہ مسلمان ہوں کافرومشرک کا شفیع کوئی نہیں،جب شہید ستر کی شفاعت کرے گا تو خاص علماءواولیاء اللہ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا کیا پوچھنا ہے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کے عدل کے ظہور کے وقت یعنی

اول قیامت صرف حضور ہی شفاعت فرمائیں گے۔اسے شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے اور پھر ظہور فضل کے وقت شہید وغیرہ شفاعت کریں گے لہذا شفیع المذنبین صرف حضور کا لقب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اللہ سے ملے بغیر جہاد کی نشانی کے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس میں رخنہ ہوگا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎اس سے مراد یا وہ لوگ ہیں جن پر جہاد فرض ہو اور نہ وہ جہاد کریں نہ تیاری جہاد کریں نہ ارادہ جہاد،نہ کسی مجاہد کی مالی مدد کریں وہ قیامت میں اس کمال سے محروم ہوں گے جو مجاہدین کو حاصل ہوگا۔یا جہاد سے عام جہاد مراد ہے خواہ کفار سے جہاد ہو یا نفس ناہنجار سے یا شیطان سے یا نافرمان اولاد سے یا گنہگار بے شرم مسلمانوں سے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی جہاد ہر مسلمانوں کو میسر ہوتا ہے لہذا حدیث کا مطلب واضح ہے اور اس حدیث کی بنا پر نہیں کہا جاسکتا کہ شریعت و طریقت کے چاروں امام،نیز بارہ امام اہل بیت کو جہاد میسر نہ ہوا،وہ بھی ناقص ہونے چاہئیں۔(معاذاللہ!)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہید قتل کی تکلیف نہیں پاتا مگر اتنی جتنی کہ کوئی چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف پائے ۱؎(ترمذی،نسائی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں شہید سے مراد حقیقی شہید یعنی ظلمًا مقتول خصوصًا جہاد میں کفار کے ہاتھ شہید یعنی شہید کو نزع کی شدت نہیں،نہایت معمولی چسک سی ہوتی ہے اور راہِ خدا میں جان دینے کی جو لذت ہے وہ تو ایسی ہے جو بیان میں نہیں آسکتی،حتی کہ شہید بارگاہِ الٰہی میں پہنچ کر اس لذت کو حاصل کرنے کے لیے پھر دنیا میں آنا چاہتا ہے۔مرقات نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں شہید حکمی بھی داخل ہو۔خیال رہے کہ بعض عشاق کو مرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دکھایا جاتا ہے جس میں وہ ایسے وارفتہ ہوجاتے ہیں کہ انہیں نزع کی شدت محسوس نہیں ہوتی۔دیکھو مصر کی عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے مگر ہائے وائے نہ کی کہ انہیں کچھ تکلیف محسوس نہ ہوئی،جمال محمدی میں محویت کا کیا عالم ہوگا،رب ہی جانے۔جب دہلی میں غازی عبدالرشید کو ایک گستاخ آریہ کے قتل کے عوض پھانسی دی گئی تو اولًا اس نے پھانسی کو چوما پھر جان نکلنے پر آیہ کریمہ "کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ"پڑھی اور ہنستے ہوئے جان خدا کے حوالے کردی۔عاشقوں کے حال نیارے،لہذا حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے اور ایسے مرنے والوں کو مرتے دیکھا بھی گیا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اللہ تعالٰی کو دو قطروں سے زیادہ کوئی	

	چیز پیاری نہیں ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے ۱؎ ہو ایک خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے ۲؎ اور لیکن دو نشان قدم پس ایک وہ نشان قدم جو اللہ کی راہ میں ہو ۳؎ اور ایک وہ نشان قدم جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض میں ہو ۴؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ خیال رہے کہ گنہگاروں کو رب تعالیٰ کے عذاب سے خوف ہوتا ہے،نیکوکاروں کو اس کی ذات سے ہیبت و جلال سے خوف ہوتاہے یہ خوف محبت و اطاعت پیدا کرتا ہے،یہ خوف اللہ کی بڑی نعمت ہےاور خوف ایذاء جو نفرت پیدا کرتا ہے وہ خدا سے خوف کرنا کفر ہے جیسے سانپ یا ظالم حاکم سے خوف،دیکھو شیطان نے بھی کہا تھا "اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللہَ رَبَّ الْعٰلَمِیۡنَ"مگر یہ خوف مفید نہیں مضر ہے،یہاں پہلی قسم کے دو خوف مراد ہیں۔

۲؎ چونکہ آنسوؤں کے قطرے مسلسل آنکھوں سے ٹپکتے رہے اور خون ایک دم نکل کر بہہ جاتا ہے اس لیے آنسو کے لیے **دموع** جمع ارشاد ہوا اور خون کے لیے **دم** واحد فرمایا گیا۔قطرہ سے مراد جنس قطرہ ہے نہ کہ شخصی قطرہ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں،بہت سے آنسوؤں کا قطرہ ایک کیونکر ہوگا اور شہید کے جسم سے خون کا دہارا بہتا ہے ایک قطرہ نہیں نکلتا۔

۳؎ اللہ کی راہ سے ہر وہ راستہ مراد ہے جو رضاء الٰہی کے لیے طے کیا جائے جیسے نماز کے لیے مسجد کو جانا، طلب علم کے لیے مدرسہ جانا،جہاد کے لیے میدان جہاد میں جانا اور وہاں چلنا پھرنا۔نشان قدم سے عام نشان مراد ہے خواہ محسوس ہو یا نہ ہو لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ پختہ سڑک پر چلنے میں نشان قدم پڑتے ہی نہیں پھر پیاری کیا چیز ہوگی۔

۴؎ یعنی کسی شرعی فریضہ کو ادا کرنے کے لیے چلا اس کے نشان قدم رب کو پیارے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اثر سے مراد مطلقًا نشان ہو،قدم کی قید نہ ہو تو حدیث بہت جامع بھی ہوگی اور واضح بھی لہذا سردیوں میں وضو سے ہاتھ پاؤں پھٹ جائیں،گرمیوں میں پیشانی پر گرم زمین پر سجدے پڑ جاویں،روزے میں منہ کی بو،حج و جہاد میں غباررراہ جو کپڑوں اور منہ پر پڑ جائے،یہ رب کو بڑے پیارے ہیں،مرقات نے یہ ہی توجیہ اختیار کی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دریا میں سوار نہ ہوا ۱؎ مگر حاجی ہو تو یا عمرہ کرنے والا یا غازی فی سبیل اللہ ہوکر ۲؎ کیونکہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس میں یا تو خطاب صرف حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ہے کہ تم سوا ان تین ضرورتوں کے کبھی سمندر کا سفر نہ کرنا،اگرچہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ جاتے ہوئے سمندر نہیں آتا،خشکی کا راستہ ہی ہے مگر آئندہ کے لیے فرمایا گیا کہ تم

کبھی غزوہ میں سمندر پار چلے جاؤ تو وہاں سے حج کے لیے سمندر کا سفر کرسکتے ہواور یا خطاب ان سارے مسلمانوں سے ہے جو اس زمانہ میں تھے جب کہ سمندری سفر بادبانی کشتیوں پر ہوتا تھا اور سخت خطرناک تھا،مخالف ہوا چلنے کی صورت میں ایک ایک ماہ سمندر میں ایک جگہ ہی ٹھہرنا پڑ جاتا تھایا پھر جدھر کی ہوا ہوتی ادھر ہی کشتی چل دیتی تھی،ملاحوں کے قابو سے نکل کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی تھی،اب جب کہ سمندری سفر نہایت آسان ہوچکا یہ حکم بھی نہیں رہا،اب اتنی سائنسی سہولتیں ہوچکنے کے بعد بھی بہت حجاج جہاز میں مرجاتے ہیں،بیمار تو بہت ہی ہوجاتے ہیں،خود یہ فقیر بھی ہر دفعہ حج کے موقعہ پر دست و قے دوران سفر وغیرہ میں مبتلا رہا۔غور کرو کہ اس زمانہ میں دریائی سفر کا کیا حال ہوتا ہوگا لہذا یہ فرمان اس وقت کے لحاظ سے نہایت موزوں ہے۔ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت بطور مشورہ ہو،ایک حدیث میں ہے کہ اکیلا مسافر شیطان ہے اور دو مسافر دو شیطان اور تین مسافر قافلہ ہیں،یہ فرمان عالی بھی اس وقت کے لحاظ سے ہےجب راستے پُرخطر تھے۔

۲؎ بعض علماء نے سمندر حائل ہونے کو ترک حج کے لیے عذر قرار دیا ہے۔اس حدیث میں ان کی صحیح تردید ہے کہ جب اس ابتدائی دور میں جب سمندر کا سفر نہایت ہی خطرناک تھاسمندر حج کے وجوب کے لیے عذر نہ ہوا تو اب کیسے ہوسکتا ہے۔یہاں فرمایا گیا کہ حج،عمرہ،جہاد ایسے اہم ہیں کہ ان کی ادائیگی کے لیے سمندر میں بھی سفر کرنا پڑے تو کرو یہ سمندر کی خطرناک لہریں تمہیں ان چیزوں سے روک نہ دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے کبھی سمندر کا سفر نہ کیا،زمانہ عثمانی میں صحابہ کرام نے جہاد کے لیے سمندر پار کیا ہے کہ ام احرام کی ایک روایت میں ہے۔

۳؎ یہ فرمان عالی یا تو اپنے ظاہری معنی پر ہے کہ سمندر میں پانی کے نیچے آگ کا سمندر ہے اور پھر آگ کے سمندر کے نیچے پانی کا اور سمندر ہے دنیا کی وجہ سے ایسی خطرناک جگہ نہ جانا جہاں اوپر تلے تین سمندر ہیں دو پانی کے ایک آگ کا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ"جب سمندر آگ سے بھڑکائے جائیں گے یا تینوں سمندر آگ کے کردیئے جائیں گے،سمندر کا ذکر حاکم کی ایک روایت میں بھی ہے یا اس سفر کی دشواری فرمانے کے لیے یہ کلمہ ارشاد ہوا کہ سمندر گویا آگ و پانی کی مصیبتوں سے گھر اہواہے۔(لمعات واشعہ،مرقات)جب بحری جہاز میں چلتے چلتے آگ لگ جاتی ہے تو وہاں آگ و پانی و سمندر کا اجتماع ہوجانا،کچھ سوار جل کر مرجاتے ہیں کچھ ڈوب کر۔اللہ کی پناہ!

روایت ہے حضرت ام حرام سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا دریا میں چکرانے والا جسے قے آتی ہے اسے ایک شہید کا ثواب ہے ۲؎ اور ڈوب جانے والے کو دو شہیدوں کا ثواب ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ ام حرام بنت ملحان ابن خالد نجاریہ ہیں،ام سلیم کی بہن،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہی گھر میں قیلولہ(دوپہر کا آرام)فرماتے تھے،حضرت عبادہ ابن صامت کی زوجہ ہیں،حضرت انس کی خالہ،خلافت عثمانیہ میں اپنے خاوند کے ساتھ روم کے جہاد میں شریک ہوئیں اسی میں شہید ہوئیں،قبرص میں قبر شریف ہے،آپ کا نام معلوم نہ ہوسکا۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی جو حج یا عمرہ یا جہاد یا تجارت کے لیے دریا کا سفر کرے اور اس میں چکرائے،قے کرے اگرچہ زندہ نکل جائے جب بھی اسے شہید کا ثواب ہے،ناجائز یا غیرضروری سمندری سفر کا یہ حکم نہیں اور یہ ثواب جب ہے جب کہ سوا سمندری رستہ کے کوئی اور راستہ نہ ہو۔یعنی مجبورًا یہ سفر کرے۔
۳؎ ایک ثواب اس کی مشقت اٹھانے کا دوسرا ثواب ڈوب جانے کا۔

روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا۱؎ پھر قتل کیا گیا اسے اس کے گھوڑے یا اونٹ نے کچل دیا اسے زہریلے جانور نے ڈس لیا ۲؎ یا اپنے بستر پر کسی سبب سے مر گیا جیسے اللہ نے چاہا تو وہ شہید ہے ۳؎ اور اس کے لیے جنت ہے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ فصل یا تو باب ضرب سے ہے یعنی گھر سے جدا ہوا نکلا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ**" یا فصل باب تفعیل سے ہے یعنی جس نے اپنے کو اپنے وطن سے جدا کیا جہاد کے لیے یا حج کے لیے یا طلب علم کے لیے۔
۲؎ عربی میں **ھامہ** وہ زہریلا جانور ہے جس کا زہر قاتل ہو جیسے سانپ وغیرہ اور **سامہ** وہ زہریلا جانور ہے جس کا زہر تکلیف دہ تو ہو قاتل نہ ہو جیسے بچھو بھڑ وغیرہ۔
۳؎ یا شہید حقیقی یا شہید حکمی جیسا کہ گزشتہ فرمان سے ظاہر ہے ظلمًا مقتول تو شہید حقیقی ہے اور زہریلے جانور وغیرہ سے مرنے والا شہید حکمی۔
۴؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ سفر کی موت شہادت ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے سفر سے مراد راہِ خدا کا سفر ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاہد کی واپسی جہاد کی طرح ہے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کی چند شرحیں ہیں:ایک یہ کہ غازی کا سفر جہاد سے اپنے وطن کی طرف لوٹنا بھی وہ ہی ثواب رکھتا ہے جو جہاد میں جانا رکھتا تھا۔دوسرے یہ کہ دشمن کو بہکانے کے لیے میدان جہاد سے واپس ہوجانا تاکہ دشمن مطمئن ہوکر تیاری جنگ ختم کردے پھر اچانک پلٹ کر اس پر حملہ کردیا جائے،یہ ایک جنگی چال ہوتی ہے اس کا ثواب پہلی بار میدانِ جہاد میں آنے کی طرح ہے۔تیسرے یہ کہ دشمن کا دباؤ بڑھ جانے اور اسلامی لشکر کے شکست کھاجانے کے یقین ہوجانے پر جہاد کے میدان سے واپس ہوکر اپنے مرکز میں پہنچ جانا اس کا بھی وہی ثواب ہے جو جہاد میں جانے کا ثواب تھا۔چوتھے یہ کہ دوسری تیسری بار جہاد میں جانے کا وہ ہی ثواب ہے جو اول بار جہاد میں جانے کا تھا۔خیال رہے کہ

قفل اور **قفول** کے معنے ہیں لوٹنا،واپس ہونا،اس سے ہے قافلہ،سفر میں جانے والی جماعت کو نیک فال کے لیے قافلہ کہاجاتا ہے،یعنی خیریت سے واپس آنے والے مسافروں کی جماعت۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غازی(مجاہد) کے لیے اس کا ثواب ہے ۱؎ اور غازی کے مددگار کے لیے ۲؎ اپنا ثواب ہے اور غازی کا ثواب ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو خود جہاد میں جائے اور غزوہ کرے اسے جہاد کا وہ پورا پورا ثواب ملے گا جو مجاہد کے لیے رب نے خاص فرمایا ہے۔

۲؎ یعنی جو مسلمان کسی مجاہد غازی کو مالی امداد دے کہ اسے سامان جہاد سواری وغیرہ مہیا کردے جس سے وہ جہاد کرلے۔لغت میں **جعل** ج کے پیش سے بمعنی اجرت و مزدوری آتا ہے،یہاں مزدوری اور سامان جہاد سب مراد ہیں۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک جہاد کی اجرت دینا بالکل جائز ہے مگر امام شافعی کے ہاں ناجائز ہے حتی کہ اگر کسی غازی نے یہ اجرت لے لی تو واپس کرنا واجب ہے یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی اس مال دینے اور معاونت کرنے والے کو دوگنا ثواب ملے گا۔ایک تو راہ خدا میں جہاد کرنے کا، دوسرے اس مجاہد کو رغبت جہاد دینے اسے جہاد پر تیار کرنے کا **الدال علی الخیر کفاعله**۔خیال رہے کہ امام زہری اور امام مالک و امام اعظم کے ہاں جہاد پر اجرت دینا لینا جائز ہے اور اجیر کو بھی ثواب ملے گا اس لیے کہ اسے اجرت لینے کے باوجود حضور نے غازی فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم پر بہت شہر فتح کیے جائیں گے اور ہوں گے لشکر جمع کیے ہوئے ۱؎ ان لشکروں میں کچھ فوجیں مقرر کر دی جائیں گی ۲؎ تو ایک شخص جہاد میں بھیجے جانے کو ناپسند کرے گا ۳؎ وہ اپنی قوم سے بھاگ جائے گا ۴؎ پھر وہ قبیلوں کو تلاش کرے گا اپنے آپ کو ان پر پیش کرے گا ۵؎ کہ میں فلاں لشکر میں کس کو کفایت کروں ۶؎ اور یہ اپنے خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہوگا ۷؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی ابھی تو اسلامی ممالک کا رقبہ بہت محدود ہے،عنقریب وقت آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بہت بڑے بڑے ملک عطا فرمائے گا،اسلامی ممالک بہت ہوجائیں گے تو خلیفۃ المسلمین ہر ملک کے لیے علیحدہ علیحدہ یافوجیں مقرر فرمائے گا تاکہ ہر جگہ کفار کا مقابلہ ہوتا رہے جس قدر ملک وسیع ہوتا ہے اسی قدر فوج زیادہ رکھنی پڑتی ہے،یہ غیبی خبر ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور عہدِ فاروقی سے اس کا ظہور شروع ہوا۔

۲؎ یعنی سلطان اسلام بڑے لشکر کے مختلف حصے کرکے علیحدہ علیحدہ ممالک میں بھیجے گا۔**جنود** سے مراد بڑے بڑے لشکر ہیں اور جو ہیڈکوارٹروں میں رہیں اور **بعوث** سے مراد چھوٹی چھوٹی فوجیں ہیں جو الگ الگ سرحدوں پر حفاظت کے لیے مقرر کی جائیں۔

۳؎ یعنی اس زمانہ میں عموماً مسلمان فی سبیل اللہ جہاد پر تیار ہوں گے مگر خال خال کوئی آدمی بغیر اجرت لیے جہاد میں جانے پر آمادہ نہ ہوں گے۔بعث سے مراد بلا اجرت جہاد میں بھیجا جانا ہے۔**الرجل** فرماکر بتایا کہ یہ مزدوری لینے کا شوق خال خال کسی میں ہوگا۔

۴؎ اس لیے بھاگے گا کہ اسے بغیر اجرت جہاد میں نہ جانا پڑے۔

۵؎ یعنی یہاں سے بھاگ جانے کے بعد مختلف قبیلوں خاندانوں میں پھرے گا ان سے ملے گا،کیوں،اجرت و مزدوری کی تلاش کے لیے۔

۶؎ یعنی لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ کون مجھے سامان جہاد اور مزدوری دیدے تو میں اس کی طرف سے جہاد کروں وہ آرام کرے مجھے روپیہ دے کر اپنی طرف سے جہاد میں بھیج دے۔

۷؎ یعنی ایسا شخص جسے جہاد سے کوئی رغبت نہ ہو صرف مال پر نظر ہو اور جہاد میں شرکت کو صرف مال حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے اسے جہاد کا کوئی ثواب نہ ملے گا،یہ آخر دم تک صرف مزدور رہے گا غازی فی سبیل اللہ نہ ہوگا اور نہ جہاد کے ثواب کا مستحق ہوگا۔یہ حدیث امام کی دلیل ہے کہ جہاد پر اجرت دینی لینی جائز ہے کیونکہ مزدور کو حضور نے گنہگار نہ فرمایا ثواب سے محروم فرمایا وہ بھی اس لیے کہ اس کا مقصود صرف مال تھا،نیز مال دینے والے کو بھی گنہگار نہ فرمایا بلکہ اسے ثواب جہاد پانے والا قرار دیا کہ ثواب سے محروم صرف مزدور کو بتایا نہ کہ مال دینے والے کو۔**ذالك** مبتدا ہے اور **الاجیر** اس کی خبر۔

روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا میں بہت بوڑھا تھا میرے پاس کوئی نوکر بھی نہ تھا ۲؎ میں نے ایک مزدور ڈھونڈھا جو مجھے کفایت کرے تو میں نے ایک شخص کو پایا جس کے لیے میں نے تین دینار مقرر کیے ۳؎ پھر جب مال غنیمت آیا تو میں نے چاہا کہ اس کے لیے اس کا حصہ جاری کردوں ۴؎ چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے یہ عرض کیا تو فرمایا کہ میں اسے مزدور کے لیے اس جہاد میں دنیا و آخرت میں سوا طے شدہ دیناروں کے اور کچھ نہیں پاتا ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین طائف اور تبوک میں شریک رہے،عہدِ فاروقی میں نجران کے حاکم رہے،جنگ صفین میں حضرت کے ساتھ رہے،اسی میں شہید ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ پتہ نہ لگا کہ یہ کون سا غزوہ تھا،بہرحال انہیں جہاد کا شوق تھا مگر بڑھاپے کی وجہ سے انہیں کسی خادم کی ضرورت تھی جو میدان جہاد میں ان کی خدمت کرے۔

۳؎ کھانے پینے کے علاوہ تین دینار مجھ سے لے لے اور جہاد میں میرے ساتھ چلے وہاں میری خدمت کرے۔

۴؎ یعنی اسے بھی دوسرے غازیوں کی طرح غنیمت کا حصہ دوں یا دلواؤں اگر پیادہ تھا تو پیادہ غازی کا حصہ اور اگر سوار تھا تو سواری غازی کا حصہ۔

۵؎ یعنی اسے یہ تین دینار ہی ملیں گے ان کے سوا نہ ثواب ملے نہ غنیمت کا حصہ۔خیال رہے کہ مجاہد کے خدمت گار نوکر کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔بعض نے فرمایا کہ اسے حصہ غنیمت نہ ملے گا جہاد کرے یا نہ کرے صرف طے شدہ مزدوری ملے گی یہ امام اوزاعی،اسحاق کا قول ہے۔امام شافعی کے دو قول ہیں:ایک وہ جو اوپر گزرا کہ اجرت نہ ملے گی،دوسرا قول یہ ہے کہ اجرت ملے گی حصہ غنیمت نہ ملے گا،بعض کے نزدیک اسے اختیار ہوگا کہ غنیمت کا حصہ لے یا اجرت،چوتھا قول یہ ہے کہ اگر اس مزدور نے جنگ کرنے کی شرط نہ لگائی تھی مگر جہاد کیا قتال کیا تو اسے اجرت بھی ملے گی اور غنیمت کا حصہ بھی،احناف کے ہاں اجارہ اور اجر جمع ہو سکتے ہیں۔(مرقات)یہ حدیث بھی امام اعظم کی دلیل ہے کہ جہاد پر اجرت ناجائز نہیں،نہ اس اجرت کا واپس کرنا ضروری ہے۔

3845 - [58](صحیح) وعن أبي هريرة أن رجلا قال:يا رسول الله رجل يريد الجهاد في سبيل الله وهو يبتغي عرضا من عرض الدنيا فقال النبي صلى الله عليه وسلم:" لا أجر له " . رواه أبو داود	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ایک شخص راہِ خدا عزوجل میں جہاد کا ارادہ کرتا ہے ساتھ ہی وہ دنیاوی سامان سے کسی سامان کی خواہش کرتا ہے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے کچھ ثواب نہیں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ **عرض** ع اور ر کے فتحہ سے بمعنی مال ہے تھوڑا ہو یا زیادہ اور ر کے سکون سے بمعنی سامان،لہذا روپیہ پیسہ **عرض** ر کے فتحہ سے ہے مگر عرض نہیں بلکہ وہ عین ہے عرض دنیا سے مراد ہر دنیاوی خیر ہے مال ہو یا عزت یا شہرت یا اجرت۔(مرقات)یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں گیا مگر اس کا مقصد دنیا ہے مال ہو یا متاع یا عزت یا شہرت اللہ کے لیے وہاں نہ گیا لہذا جواب بالکل برحق ہے۔

۲؎ کیونکہ وہ اس جہاد سے مرضی الٰہی کا طالب نہ تھا،طالب دنیا تھا لہذا ثواب کا مستحق نہیں،لیکن اگر رضائے الٰہی کے لیے جہاد کرے اور خیال یہ بھی ہو کہ رب تعالٰی غنیمت عطا فرمائے تو ان شاءاللہ ثواب بھی ملے گا۔اگرچہ اس غازی سے کم ملے گا جو غنیمت کی نیت بالکل نہ کرے،بہرحال ثواب کا مدار نیت پر ہے پہلے حدیث گزر چکی کہ غازی اجروثواب اور غنیمت لے کر لوٹتا ہے۔(مرقات)

3846 - [59](حسن) وعن معاذ قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" الغزو	روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد دو قسم کے ہوتے ہیں ۱؎ جو

غزوان فأما من ابتغى وجه الله وأطاع الإمام وأنفق الكريمة وياسر الشريك واجتنب الفساد فإن نومه ونهبه أجر كله . وأما من غزا فخرا ورياء وسمعة وعصى الإمام وأفسد في الأرض فإنه لم يرجع بالكفاف " . رواه مالك وأبو داود والنسائي	غازی رضاء الٰہی کی تلاش کرے امیر کی فرمانبرداری کرے اپنی پیاری چیز خرچ کرے ۲؎ ساتھی سے نرمی کرے ۳؎ دنگے فساد سے بچے ۴؎ تو اس کا سونا جاگنا سب کا سب ثواب ہے ۵؎ اور جو شخص شیخی دکھلاوے شہرت کے لیے جہاد کرے اور امیر کی نافرمانی کرے اور زمین پر فساد پھیلائے ۶؎ تو وہ برابری سے بھی نہ لوٹے گا ۷؎ (مالک،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی جنس جہاد اور مطلق جہاد دو قسم کا ہے،جہاد فی سبیل اللہ کی دو قسمیں نہیں بلکہ وہ خود جنسی جہاد کی ایک قسم ہے یہ ضرور خیال میں رہے۔(مرقات)

۲؎ یہاں امیر سے مراد جہاد کا امیر ہے کمانڈر یا اپنا افسر اور پیاری چیز سے مراد مال اور جان ہے کہ یہ دونوں چیزیں خرچ کرنے پر تیار ہوجائے۔

۳؎ یعنی دوسرے غازیوں کے ساتھ جو اس کے رفیق سفر ہوں نرم اور اچھا برتاؤ کرے۔

۴؎ دنگے فساد سے مراد ساتھیوں کے ساتھ مار پیٹ گالی گلوچ ہے جیسا عمومًا جاہل لوگ اپنے رفیق سفر سے کرتے ہیں،بحالت جہاد تو ایسی حرکتیں سخت خطرناک ہیں۔

۵؎ جاگنا اور جاگنے کے سارے دینی و دنیاوی کام جیسے نماز اور کھانا پینا،کلام کرنا،ہنسنا بولنا،رونا وغیرہ کہ یہ سب عبادت ہی بن جاتے ہیں۔

۶؎ فساد سے مراد وہ ہی آپس کی لڑائی جھگڑا ہے جو ابھی مذکور ہوا یعنی جو شخص یہ تینوں جرم کرے اس کا یہ حکم ہے۔

۷؎ یعنی گنہگار ہوکر لوٹے گا کہ ان حرکتوں کے گناہ کا بوجھ سر پر ہوگا اور اس سفر وغیرہ کا ثواب کچھ بھی نہ ملے گا لہذا بجائے نیکی کمانے کے گناہ کماکر لائے گا۔**کفاف** کے بہت معنی ہیں:بہتر چیز،جو چیز ضرورت سے نہ بچے یعنی بقدر ضرورت چیز،ثواب خیروبھلائی،**کفاف** کاف کے فتحہ سے بھی ہے اور کسرہ سے بھی،جو کسرہ سے ہے وہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔یہاں مرقات نے ریا پر بہت اچھی بحث کی۔خلاصہ یہ ہے کہ ریا سے اکثر عمل کا ثواب کم ہوجاتا ہے عمل باطل نہیں ہوتا اسی لیے ریا کار پر ریا سے کی ہوئی عبادت کا لوٹانا واجب نہیں اور اگر بعد میں توبہ نصیب ہوجائے تو ان شاءاللہ وہ کمی بھی پوری ہوجاتی ہے پھر ریا کی بھی دو قسمیں ہیں ریا نفس عمل،یہی کہ اگر لوگ نہ دیکھتے ہوں اور رائے ناموری کی امید نہ ہو تو نیکی کرے ہی نہیں۔دوسرے ریا کمال عمل میں،اگر لوگوں کے دکھاوے کو اچھی طرح نیکی کرے ورنہ معمولی طرح پہلی زیادہ خطرناک ہے دوسری ریا ہلکی۔خیال رہے کہ کوئی شخص ریا کی وجہ سے عمل نہ چھوڑ دے،اخلاص کی دعا کرے اور عمل کرے جاوے کبھی رب تعالٰی اخلاص بھی نصیب کر ہی دے گا،مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑے۔

3847 - [60] (ضعيف) وعن عبد الله بن عمرو أنه قال:يا رسول الله أخبرني عن	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جہاد کے

الجهاد فقال:" يا عبد الله بن عمرو إن قاتلت صابرا محتسبا بعثك الله صابرا محتسبا وإن قاتلت مرائيا مكاثرا بعثك الله مرائيا مكاثرا يا عبد الله بن عمرو على أي حال قاتلت أو قتلت بعثك الله على تلك الحال " . رواه أبو داود	متعلق خبر دیجئے ۱؎ تو فرمایا اے عبداللہ ابن عمرو ۲؎ اگر تم صابر بن کر طلب اجر کرتے ہوئے جہاد کرو گے تو اللہ تعالٰی تم کو صبر والا طالب اجر ہی اٹھائے گا ۳؎ اور اگر تم ریاکار اور زیادتی کی ہوس سے جہاد کرو گے تو اللہ تم کو ریا کار ہوس والا اٹھائے گا ۴؎ اے عبداللہ ابن عمرو جس حال پر جنگ کرو گے یا مارے جاؤ گے تم کو اللہ اس حال پر اٹھائے گا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ جہاد کی تفصیل اور تفضیل (فضیلت) بتایئے یا اس کی حقیقت پر مطلع فرمایئے یا جہاد مقبول و نامقبول کے متعلق خبر دیجئے۔جواب شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال تیسری بات کے متعلق تھا کہ جہاد مقبول کون سا ہے اور جہا د مردود کون سا۔

۲؎ حضور انور نے انہیں اس لیے پکارا بغور جواب کو سنیں۔

۳؎ اس حدیث کی بنا پر صوفیاءکرام فرماتے ہیں جس حال جیو گے اسی حال میں مرو گےاور جس حال میں مروگے اسی حال میں اٹھو گے۔(مرقات)زندگی میں اچھا مشغلہ رکھو تاکہ اس مشغلہ میں موت آئے اور اسی حال میں حشر ہو،نمازی آدمی کو نزع و قبر میں بھی نماز ہی یاد آتی ہے جیساکہ بعض روایات میں بھی ہے اور دیکھا بھی گیا کہ اللہ تعالٰی انجام بخیر کرے۔

۴؎ یعنی اگر تم نام اور مال کی خواہش کے لیے جہاد کرو گے اسی فکر میں مارے جاؤ گے تو قیامت میں اس کی سزا میں گرفتار اٹھوگے لہذا دنیا میں آخرت کی فکر کرو تاکہ آخرت میں بے فکر اٹھو،دنیا کی ناجائز فکر میں نہ ادبال ہو۔

۵؎ جہاد کے علاوہ باقی اعمال کا بھی یہ ہی حال ہے،اللہ تعالٰی اس فقیر گنہگار کو دینی خدمت کا مشغلہ نصیب کرے،قبول فرمائے،اس میں موت دے اور دین کے خادموں کے زمرے میں حشر نصیب کرے،سنا ہے اچھوں کے ساتھی بھی بخشے جاتے ہیں۔

3848 - [61](لم تتم دراسته) وعن عقبة بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" أعجزتم إذا بعثت رجلا فلم يمض لأمري أن تجعلوا مكانه من يمضي لأمري ؟ " . رواه أبو داود وذكر حديث فضالة:" والمجاهد من جاهد نفسه " . في " كتاب الإيمان "	روایت ہے حضرت عقبہ ابن مالک سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کیا تم اس سے عاجز ہو کہ جب کسی شخص کو بھیجوں پھر وہ میرا حکم جاری نہ کرے تو تم اس کی جگہ کسی ایسے کو مقرر کر دو جو میرا حکم جاری کرے ۲؎ (ابوداؤد)اور فضالہ کی وہ حدیث کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے کتاب الایمان میں ذکر کردی گئی ۳؎

۱؎ صاحب مشکوۃ نے ان کا ذکر اسماءالرجال میں نہیں فرمایا،اشعہ نے فرمایا کہ آپ صحابی ہیں یعنی اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔

۲؎ یعنی اگر میں کسی کو امیروحاکم بناکر کہیں بھیجو،جہاد میں یا اور جگہ اور پھر وہ حاکم میرے فرمان کے مطابق عمل نہ کرے تو تم کو لازم ہے کہ اسے معزول کرکے دوسرے ایسے آدمی کو امیر بنالو جو میرے احکام نافذ کرے۔اس حدیث

سے معلوم ہوا کہ رعایا ظالم حاکم کو معزول کرکے عادل حاکم مقرر کرسکتی ہے مگر خیال رہے کہ یہ جب ہے جب کہ اس کے معزول کرنے میں خون ریزی اور فتنہ و فساد نہ ہو بہ آسانی وہ معزول کیا جاسکے۔(مرقات)لہذا صحابہ کرام کا حجاج ابن یوسف جیسے ظالم و خونخوار حاکم کو معزول نہ کرنا اس کے ظلم سہنا اس حدیث کے خلاف نہیں۔اس کے الگ کرنے میں بڑے فتنہ کا دروازہ کھلتا بڑی خونریزی ہوتی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر قاتل سفاک حاکم کے معزول کرنے میں خونریزی اس سے کم ہو جتنی اس کے قائم رہنے میں ہو تو اسے معزول کردیا جائے اگر اس کے برعکس ہو تو معزول نہ کیا جائے۔نیز مالی ظالم کو معزول نہ کرواؤ جانی ظالم کو معزول کرواؤ اس شرط سے جوابھی مذکور ہوئی غرضیکہ تبدیلی حکومت آسان چیز نہیں۔ خیال رہے کہ مؤذن کو امام معزول کرسکتا ہے اور امام کو متولی مسجد علیٰحدہ کرسکتا ہے اور متولی کو عامۃ المسلمین معزول کرسکتے ہیں۔یہ مسئلہ یہاں سے ماخوذ ہے عوام کی بڑی طاقت ہوتی ہے۔آج کل اس کا نظارہ ہر الیکشن کے موقعہ پر ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی،ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ حدیث کتاب الایمان میں ذکر کردی ہے ایک طویل حدیث کے ضمن میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

3849 - [62](لم تتم دراسته) عن أبي أمامة قال:خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سرية فمر رجل بغار فيه شيء من ماء وبقل فحدث نفسه بأن يقيم فيه ويتخلى من الدنيا فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" إني لم أبعث باليهودية ولا بالنصرانية ولكني بعثت بالحنيفية السمحة والذي نفس محمد بيده لغدوة أو روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها ولمقام أحدكم في الصف خير من صلاته ستين سنة " . رواه أحمد	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے ۱؎ تو ایک شخص غار پر گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزی تھی ۲؎ تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہاں ہی قیام کرے اور دنیا سے الگ ہو جائے ۳؎ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں اجازت مانگی ۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہ تو یہودیت لے کر بھیجا گیا نہ عیسائیت لے کر ۵؎ لیکن میں تو آسان سیدھی ملت لے کر بھیجا گیا ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کی جان ہے اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے ۷؎ اور تم میں سے کسی کا صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی نمازوں سے افضل ہے ۸؎(احمد)

۱؎ سریہ سین کے فتحہ ر کے کسرہ ی کے شد سے ہے بمعنی چھوٹا لشکر جس کی تعداد چار سو تک ہو جو دشمن کی طرف بھیجا جائے۔یہ سری سے بنا ہے بمعنی خفیہ بھیجا اس لیے فرمایا کہ "اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا" یا اسراء بمعنی اختیار سے بنا ہے۔سریہ چلی ہوئی جماعت،محدثین کی اصطلاح میں سریہ وہ لشکر ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جائیں۔غزوہ وہ جہاد ہے جس میں سرکار بنفس نفیس تشریف لے جائیں۔یہاں سرکار عالی اس لشکر کو وداع کرنے تشریف لے گئے تھے نہ کہ جہاد کے لیے یا سریہ سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی مطلقًا لشکر۔(مرقات)

۲؎ یا تو پانی کا چشمہ تھا یا بہتا پانی تھا تھوڑا جو ایک دو آدمیوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور آس پاس کی زمین سبزہ زار تھی جہاں کچھ بوکر پیداوار کرلی جائے جو اپنے اور اپنی بکریوں کے لیے کافی ہو یہ چیز ملک عرب میں بڑی ہی غنیمت ہے۔

۳؎ یعنی ابھی یا اس جہاد کے بعد تارک الدنیا ہو کر اس جگہ قیام کرے جذبہ یہ تھا کہ دنیا اور دنیا والوں میں مشغولیت یاد خدا میں رخنہ ڈالتی ہے اور کبھی اختلاط کی وجہ سے گناہ بھی سرزد ہوجاتے ہیں۔تارک الدنیا ہوکر رہنے میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں گی۔

۴؎ اگر اس جہاد میں حضور انور شریک تھے تو وہاں ہی اجازت مانگی ورنہ مدینہ منورہ واپس آکر دونوں احتمال ہیں۔

۵؎ یعنی راہبانہ زندگی اور تارک الدنیا ہوکر رہنا عیسائیوں اور یہودیوں کے دین میں ہے اسلام میں نہیں،تم کو ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ ترک دنیا بہت شاق و دشوار ہے اور اس کا فائدہ اگر ہے تو صرف اسی ایک تارک الدنیا کو۔

۶؎ یعنی ہمارا دین آسان ہے اور تمام برائیوں سے دور ہے۔**حنیف** بمعنی برائیوں سے ہٹا ہوا بچا ہوا،**سمحہ** بمعنی آسان۔مطلب یہ ہے کہ اسلام کے احکام نرم اور بہت فائدے مند ہیں،تم شہر میں رہو وہاں تم کو نماز پنجگانہ باجماعت،جمعہ،عیدین،جہاد،علماء کی صحبت اور اس زمانہ میں تو ہمارا دیدار بھی نصیب ہوگا،وہاں گوشہ تنہائی میں رہنے سے تم ان تمام نعمتوں سے محروم رہو گے۔

۷؎ جہاد یا حج یا طلب دین کے لیے ایک دفعہ صبح یا شام کو نکلنا تمام دنیا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے کہ دنیا فانی ہے اور یہ ثواب باقی ووافی ہے اب تم خود سوچ لو کہ تمہارا مدینہ میں رہنا افضل ہے یا اس چشمہ پر اکیلے رہنا بہتر۔

۸؎ یعنی ایک بار جہاد میں غازیوں کی صف میں یا نماز میں حاجیوں کی صف میں کھڑے ہوجانا بے شمار برسوں کی ان نمازوں سے افضل ہے جو اکیلے ادا کی جائیں۔جب اس صف میں کھڑے ہوجانے کا یہ ثواب ہے تو سوچو کہ خود جہاد اور باجماعت نماز کا کیا ثواب ہوگا۔یہاں ساٹھ سے مراد بے شمار ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ستر کا ذکر ہے۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عام حالات میں خلوت و گوشہ نشینی کی زندگی سے جلوت کی زندگی افضل ہے۔اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ جن احادیث میں شہر سے بھاگ جانے گوشہ نشین ہوجانے کا مشورہ دیا گیا ہے وہ فتنوں اور بلاؤں کے زمانہ کے متعلق ہے جب کہ شہر میں دین کا خطرہ ہو۔

3850 - [63](صحیح) وعن عبادة بن الصامت قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من غزا في سبيل الله ولم ينو إلا عقالا فله ما نوى " .	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ

رواه النسائي	میں جہاد کرے اور نہ نیت کرے مگر ایک رسی کی تو اس کے لیے وہی ہے جس کی نیت کرے ۱؎(نسائی)

۱؎عقال چھوٹی رسی جس سے اونٹ کو باندھا جائے،مراد ہے نہایت معمولی چیز۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ کامل غازی وہ ہے جو جہاد میں غنیمت حاصل کرنے کی بھی نیت نہ کرے صرف رضا الٰہی اعلاء دین کی نیت کرے اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ رضا الٰہی کے ساتھ غنیمت کی بھی نیت کرنے سے ثواب میں کمی تو ہوجاتی ہے ثواب بالکل نہیں جاتا رہتا۔یہ بھی گزر گیا کہ مخلوط ریا عمل کو باطل نہیں کرتی۔

3851 - [64](صحيح) وعن أبي سعيد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:" من رضي بالله ربا والإسلام دينا وبمحمد رسولا وجبت له الجنة " . فعجب لها أبو سعيد فقال:أعدها علي يا رسول الله فأعادها عليه ثم قال:" وأخرى يرفع الله بها العبد مائة درجة في الجنة ما بين كل درجتين كما بين السماء والأرض " . قال:وما هي يا رسول الله ؟ قال:" الجهاد في سبيل الجهاد في سبيل الله الجهاد في سبيل الله " . رواه مسلم	روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ۱؎اس پر ابوسعید نے تعجب کیا بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث مجھے دوبارہ فرمایئے ۲؎حضور نے انہیں دوبارہ یہ بشارت سنائی پھر فرمایا دوسری چیز بھی ہے جس کی برکت سے اللہ تعالٰی بندے کے سو درجے جنت میں بلند فرماتا ہے ۳؎ہر دو درجوں کے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسا آسمان و زمین کے درمیان عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد اللہ کی راہ میں جہاد،اللہ کی راہ میں جہاد ۴؎(مسلم)

۱؎اس جملہ کے معانی بار ہا بیان ہوچکے۔اللہ تعالٰی سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بندہ راضی بہ قضا رہے،نعمتوں میں رب تعالٰی کا شکر کرے،مصیبتوں میں صبر کرے،اسی طرح اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی احکام پر راضی دل سے انہیں پسند کرے خواہ سمجھ میں آویں یا نہ آویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضور کے تمام اقوال،افعال،اعمال،احوال سے دلی محبت کرے۔جس چیز کو حضور سے نسبت ہو اسے دل سے محبوب رکھے۔شریعت،طریقت،حقیقت معرفت کو دل سے پسند کرے کیونکہ شریعت حضور انور کے جسم اطہر کے حالات کا نام ہے،طریقت قلب پاک مصطفٰی کی واردات ہے،یوں ہی حقیقت و معرفت روح پاک سر پاک کی واردات کا نام ہے۔غرضیکہ یہ سب حضور کی ادائیں ہیں ایسے شخص کے لیے دنیا میں ہی جنت واجب ہوچکی کہ جئے گا جنتی ہوکر،مرے گا جنتی ہوکر،اٹھے گا جنتیوں کے زمرہ میں۔مرقات نے فرمایا کہ رب تعالٰی کا فرمان:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ"دو جنتوں سے مراد دنیا و آخرت کی جنت ہے یعنی رب تعالٰی سے ڈرنے والے کے لیے ایک جنت دنیا میں ہے اور دوسری جنت آخرت میں۔سبحان اللہ! کیسی پیاری بات ہے۔حضور کی شریعت،اطاعت،محبت دنیا کی جنت ہے۔

۲؎ یہ تعجب انتہائی خوشی کا تھا اور دوبارہ کہلوانا اس لیے تھا کہ ایسے ہمارے بشارت والے کلمے پھر ایسے بے مثال بشیرونذیر کے لبوں سے بہت لذیذ معلوم ہوئے۔شعر

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

۳؎ یعنی دوسری خوشخبری اور سنواور خوش ہو،کیوں نہ خوش ہوں جب رب تعالٰی نے ہم کو ایسے بشیرونذیر کی امت میں بنایا یعنی ایک عمل ایسا بھی ہے جس سے عامل کو جنت کا اوپر والا درجہ ملتا ہے،جو سو درجے بلند ہے،ہر دو درجوں کا اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

۴؎ اگرچہ اسلام میں جہاد بھی آگیا تھا مگر چونکہ یہ دوسرے اعمال سے بہت افضل ہے اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے اس لیے اسے خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا یا مطلب یہ ہے کہ جسے جہاد نصیب ہوجائے اسی کے لیے درجے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد اکثر فرض کفایہ ہوتا ہے،مرقات نے اس سے یہ ہی مسئلہ مستنبط فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ تلے ہیں ۱؎ تو ایک فقیر الحال شخص کھڑا ہوگیا ۲؎ بولا اے ابو موسیٰ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ۳؎ فرمایا ہاں تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا ۴؎ پھر بولا میں تم کو سلام(وداعی) کرتا ہوں ۵؎ پھر اپنی تلوار کا غلاف توڑا اسے پھینک دیا ۶؎ پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف چل پڑا اس سے دشمن پر حملہ کیا حتی کہ قتل کیا گیا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ تلواروں سے مراد جہاد کے ہتھیار ہیں،چونکہ اس زمانہ میں جہاد میں زیادہ استعمال تلواروں کا ہوتا تھا اس لیے خصوصیت سے تلواروں کا ہی ذکر فرمایا۔آج کل توپوں،بندوقوں،راکٹوں کا بھی یہ حال ہے کہ ان کے نیچے جنت ہے جبکہ وہ جہاد میں استعمال ہورہے ہوں۔ان تلواروں سے مراد یا تو کفار کی تلواریں ہیں جو وہ غازی مسلمانوں کے مقابل کھینچیں یعنی ان تلواروں سے جنت بہت قریب ہے کہ مسلمان شہید ہوا اور جنت میں پہنچا۔جیسے فرمایا گیا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یا مراد خود مجاہدین کی اپنی تلواریں ہیں یعنی جب مجاہدین تلوار سونتے کفار پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو گویا جنت ان تلواروں کے سایہ میں ہوتی ہے اور سایہ میں تو خود مجاہدین ہیں تو وہ اس وقت ہی جنت میں ہیں مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے،مرقات نے اس ہی کو ترجیح دی ہے۔

۲؎ اس مقبول بندے کا نام معلوم نہ ہوسکا کوئی غریب شکستہ حال بے پرو جو اس جہاد میں آیا تھا وہ یہ بولا،رضی اللہ عنہ۔

۳؎ یعنی اے صحابی رسول کیا تم نے بلاواسطہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا کسی ذریعہ سے تم کو یہ فرمان عالی پہنچا ہے اور کیا یہ فرمان یقینی ہے۔

۴؎ جو اس کے ساتھ جہاد میں آئے ہوئے تھے۔

۵؎ اب میں شہید ہونے جارہا ہوں لوٹ کر آنے کا ارادہ نہیں ہے،اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب ہے۔شعر

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۶؎ کیونکہ اب اس غلاف کی ضرورت نہ رہی تلوار بند کرنا نہیں ہے،اب مارنا ہے یہ ہے شوق شہادت،جذبہ جہاد حضرت زرا ابن ازدر رضی اللہ عنہ بغیر زرہ پوستین پہنے جہاد کرتے تھے۔شوق شہادت میں عاشقوں کے حالات بتارہے ہیں۔

۷؎ اس طرح کہ نہ معلوم کتنے کافروں کو قتل کیا پھر بہادری کے جوہر دکھا کر سینے میں تیر تلوار کھا کر شہید ہوا ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان،یہ حدیث مسلم کے علاوہ احمد وترمذی نے بھی روایت کی ہے۔مناسب یہ تھا کہ مؤلف ان دونوں حدیثوں کے متعلق فرمادیتے رواھما مسلم۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جب احد کے دن تمہارے بھائی شہید کیے گئے تو اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھیں ۱؎ وہ جنت کی نہروں پر جاتی ہیں اس کے پھل کھاتی ہیں ان سونے کے قندیلوں کی طرف بسیرا لیتی ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوتی ہیں ۲؎ جب ان شہدا نے اپنے کھانے پینے آرام و راحت کو پایا ۳؎ تو بولے کہ ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے یہ پیغام کون پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ۴؎ تاکہ وہ جنت سے بے رغبت نہ ہوجاویں اور جہاد کے وقت بزدلی یا بے دلی نہ کریں ۵؎ تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ تمہاری طرف سے یہ پیغام ہم پہنچاتے ہیں تب رب نے یہ آیت اتاری کہ اللہ کی راہ میں مقتول لوگوں کو مردہ نہ سمجھو ۶؎ بلکہ وہ تو زندہ ہیں تا آخر آیات ۷؎ (ابوداؤد)

۱؎ جیسے یہ روحیں دنیا میں انسانی جسم میں تھیں مگر اس طرح کہ اس جسم کی تربیت کرتی تھیں اوران کی اپنی روحیں تھیں،اس طرح رب نے وہ ہی روحیں سبز پرندوں کے جسموں میں امانت کے طور پر رکھیں مگر اب وہ روحیں ان جسموں کی تربیت نہیں کرتیں نہ وہ جسم ان روحوں کے اپنے ہیں اور وہ روحیں انسانی روحیں یعنی نفس ناطقہ میں رہیں لہذا اس سے آریوں کا تناسخ جسے وہ اواگون کہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا۔وہ سبز پرندوں کے جسم ان روحوں کے لیے ایسے ہیں جیسے دنیا میں ہمارے لیے لباس یا مکان اسی لیے **فی جوف** ارشاد ہوا۔

۲؎ یہ غذا اور پانی ان روحوں کے لیے ہی ہے وہ جسم اس سے پرورش نہیں پاتے اس لیے یہاں غذا اور بسیرے کو روحوں کی طرف نسبت فرمایا گیا،ان روحوں کا اڑ کر ہر جگہ پہنچنا ایسا ہے جیسے ہمارا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اڑنا۔ خیال رہے کہ ان روحوں کے جنت میں ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ان شہدا کی قبریں روحوں سے خالی ہوگئیں یا جسم بے کار ہوکر گل سڑ گئے وہ جنت میں بھی ہیں اور اپنی قبروں میں بھی،پھر اس جہان کی سیر کرتی ہیں،دنیا والوں کو جانتی پہچانتی ہیں،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ "جو لوگ ابھی ان تک نہیں پہنچے ان کے متعلق خوشیاں منارہے ہیں کہ وہ بھی عنقریب ان کے پاس پہنچنے والے ہیں۔دیکھو ہمارا نور نظر آسمان پر پہنچنے کے باوجود آنکھوں میں بھی رہتا ہے سورج کی شعاعیں زمین پر پہنچ کر بھی آسمان بلکہ سورج میں رہتی ہیں،اس کی بحث پہلے بھی کی جاچکی ہے اس کا بہت خیال رہے۔

۳؎ خیال رہے کہ ماکل،مشرب اور مقیل تینوں مصدر میمی ہیں اسم ظرف نہیں،مقیل دوپہر کے آرامگاہ کو کہتے ہیں۔قیلولہ سے بنا ہے یہاں عیش و آرام مراد ہے جنت میں بلکہ بعد موت نیند نہیں،حدیث شریف میں جو ہے کہ قبر میں بندہ مؤمن سے فرشتے کہتے ہیں نم کنومۃ العروس تو سوجا دلہن کی طرح وہاں یہ سونا مراد نہیں جاگنے کا مقابل بلکہ بے فکری والا آرام مراد ہے،محاورہ میں غفلت اور عیش دونوں کو نیند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ع جملہ عالم راہمہ درخواب داں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان شہداء کو کھانے پینے کی اجازت تو ہوتی ہے مگر حوروں کی اجازت نہیں وہ تو بعد قیامت ہوگی جب اس جسم سے داخلہ ہوگا۔

۴؎ یعنی زندہ ہیں اور جنت میں ہیں،یہ مطلب نہیں کہ ہم جنت میں زندہ اور دنیا میں مردہ ہیں جیساکہ اس زمانہ کے بعض بے دین کہتے ہیں۔

۵؎ ینکلو نکل سے بنا بمعنی بزدلی۔(مرقات)بے دلی و بے رغبتی۔(اشعۃ اللمعات)یعنی جہاد جنت کے گلزار کا راستہ راہ خدادار ہے لہذا ان کانٹوں کی پرواہ نہ کرو یہاں کے گلزار تک پہنچو۔

۶؎ اسمیں خطاب یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے،قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ شہداء کو مردہ نہ کہو،یہاں فرمایا گیا کہ انہیں مردہ نہ سمجھو،کہنا زبان یا قلم سے ہوتا ہے،سمجھنا دل و دماغ سے،جتنی تاکید رب تعالیٰ نے حیات شہداء کی کی ہے اتنی تاکید اور کسی چیز کی نہ کی کہ مؤمن کے زبان،قلم،دل،دماغ سب کو انہیں مردہ کہنے سمجھنے سے روک دیا۔

۷؎ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ"تک کی آیت نازل فرمائیں جن میں شہداء کا زندہ ہونا،جنت کی سیر کرنا،وہاں کے پھل فروٹ کھانا،دنیا والوں کے حالات سے خبردار رہنا جو لوگ کہ ابھی دنیا میں ہیں مگر کچھ دنوں بعد ان سے ملنے والے ہیں ان کی آمد پر خوشیاں منانا لوگوں کے انجام سے خبردار ہونا،سب کچھ ہی بیان فرمایا۔جب شہید کی زندگی اس کے عیش و آرام،اس کے علم کی یہ حالت ہے تو جن محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دم کی یہ ساری بہاریں ہیں ان کی حیات و علم کی کیا کیفیت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مؤمن تین قسم کے ہیں ۱؎ ایک وہ جو اللہ کے رسول پر ایمان لائیں پھر شک نہ کریں ۲؎ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں ۳؎ اور وہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر امن میں ہوں ۴؎ پھر وہ کہ جب وہ طمع کے قریب پہنچے تو اسے اللہ عزوجل کے لیے چھوڑدے ۵؎ (احمد)

۱؎ قربان جاؤں اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ حضور نے یہاں اقسام نہ فرمایا بلکہ اجزاء فرمایا کیونکہ کل کے اقسام و افراد ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں مگر کل کے اجزاء ایسے مخلوط ہو تے ہیں کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتے جیسے سکنجبین کے اجزاء،چونکہ یہ تینوں قسم کے مؤمن دنیا میں شکل و عقل،رنگ ڈھنگ وغیرہ میں ممتاز نہیں سب یکساں معلوم ہوتے ہیں،ظاہر میں یکساں،ضمائر میں فرق اس لیے انہیں اجزاء فرمایا،نیز سب مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں جن میں روح رواں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور نے سب کو ایک بنادیا،لہذا انہیں اجزاء فرمایا،صلی اللہ علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وبارك وسلم،ہم عجمی گنوار اس عربی سردار کے راز کیا سمجھیں۔شعر

فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی　　　　لاف مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی

۲؎ اللہ و رسول پر ایمان لاتے ہی سارے ایمانیات کا ذکر آگیا،رب تعالٰی نے بھی فرمایا:"اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ"۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی سے ملا کر بولنا جائز ہے،ثمہ لانے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ و رسول کو ملانا ہی جان ایمان ہے۔دیکھو کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں۔ثم فرما کر یہ بتایا گیا کہ مرتے دم تک مؤمن کو کسی ایمانی چیز میں تردد نہ ہونا چاہیے اعتبار خاتمہ کا ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بد عملی اور گناہ کی عادات عملی تردد وشک ہے،مؤمن کامل وہ ہے جو اعتقادی و عملی دونوں قسموں کے شکوک سے دور رہے۔

۳؎ جہاد کا ذکر ایمان کے بعد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ تمام نیک اعمال کا اعتبار ایمان کے بعد ہے،کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں،جڑ کٹ جانے پر شاخوں کو پانی دینا بیکار ہے،یہ بھی بتایا گیا کہ جہاد وہ افضل ہے کہ جو ہر قسم کے مال اور جان سے کیا جاوے کہ مجاہد خود بھی میدان میں جاوے اور ہر طرح کا مال بھی وہاں خرچ کرے۔

۴؎ یعنی دوسری قسم کا مؤمن وہ ہے جو اگرچہ کسی کو نفع نہ پہنچاسکے مگر نقصان بھی نہ پہنچائے مسلمانوں کو اس کی طرف سے امن ہو،ہر شخص یہ سمجھتا ہو کہ اس سے ہم کو نقصان نہ پہنچے گا،الذی واحد فرما کر یہ بتایا کہ ایسے لوگ دنیا میں تھوڑے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔　　مصرع　　مرا بجز تو امید نیست بر مرداں

۵؎ یعنی تیسرے نمبر کا مؤمن وہ ہے کہ بہت دفعہ اس کے دل میں مال عزت شہرت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو اور اس کا دل چاہے کہ دوسروں کی طرح میں بھی ہر جائز ناجائز طریقہ سے یہ چیزیں حاصل کروں مگر پھر وہ اپنے دل کو

ان چیزوں سے روکے محض خوفِ خدا کی وجہ سے کہ کہیں رب تعالٰی ناراض نہ ہوجائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى"ایسا شخص بھی مجاہد ہے جو ہر وقت اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے،اسے بری طرف جانے سے روکتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی عمیرہ سے [1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جان جسے اللہ تعالٰی قبض فرمائے [2] ایسی نہیں جو تمہاری طرف لوٹنا چاہے اگرچہ اس کے لیے دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں ہوجائیں سواء شہید کے [3] ابن ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ کی راہ میں مارا جانا اس سے زیادہ پیارا ہے کہ میری ملک اون والے اور ڈھیلے والے ہوں [4] (نسائی)	

[1] آپ مدنی قرشی ہیں،آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،اگر آپ صحابی ہیں تو حدیث متصل ہے اور اگر تابعی ہیں تو یہ حدیث مرسل ہے کہ صحابی کا ذکر اس میں نہیں۔(از مرقات،اشعہ)

[2] اگرچہ جان قبض کرنا حضرت ملک الموت کا کام ہے مگر چونکہ ان کا یہ کام رب تعالٰی کے حکم سے ہوتا ہے، نیز محبوبوں کا کام رب کا کام ہے اس لیے یہاں قبض روح کو رب تعالٰی کی طرف نسبت فرمایا گیا۔مرقات نے فرمایا کہ قبض روح حقیقتًا رب کا کام ہے مجازًا حضرت ملک الموت کا کام۔

[3] یعنی جسے اللہ تعالٰی بخش دے وہ دنیا میں واپس آنے کی کبھی تمنا نہیں کرتا کیونکہ وہاں کے عیش خالص اور دنیا کے عیش مصیبتوں سے مخلوط۔کفار تو دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگر جھڑک دیئے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں دنیا میں واپس آنے سے مراد عمل کرنے کے لیے اس جسم عنصری کے ساتھ آنا مراد ہے،ورنہ شہداءواولیاء دنیا میں سیر فرماتے ہیں،بعض حضرات نے ان سے ملاقاتیں بھی کی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تمام نبیوں نے نماز ادا کی معراج کی رات،اور فقیر نے اس نماز کی جگہ کی زیارت کی بیت المقدس میں رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَا تَكُنۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآئِهٖ"اے محبوب آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں۔

[4] اون والوں سے مراد دیہاتی لوگ ہیں جو اونی خیموں میں رہتے ہیں اور ڈھیلے والوں سے مراد شہری لوگ ہیں جو مکانات بنا کر رہتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ تمام جہان کی بادشاہت سے اللہ کی راہ میں شہید ہونا مجھے زیادہ پیارا ہے۔خیال رہے کہ اس زیادہ پیارا ہونے کی وجہ سے حضور کو رب تعالٰی نے شہادت کا ثواب عطا فرمادیا کہ نیکی کی تمنا بھی نیکی ہے پھر خیبر والے زہر کے اثر سے حضور کی وفات ہوئی،زہر سے وفات بھی شہادت ہے،فقہی شہادت یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہونا حضور کو عطا نہ ہوا،کہ رب تعالٰی نے فرمایا تھا"وَ اللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔اگر کوئی

کافر آپ کو شہید کردیتا تو بظاہر اس آیت کے خلاف ہوتا۔تمام روئے زمین کے شہداء کی شہادتوں کا ثواب حضور کو عطا ہوتا ہے کہ حضور کے حکم سے جہاد اور شہادتیں ہورہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت حسناء بنت معاویہ[1] سے فرماتی ہیں مجھے میرے چچا نے حدیث سنائی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنت میں کون جائے گا فرمایا نبی جنت میں ہوں گے اور شہید جنت میں ہوگا اور بچہ جنت میں ہوگا[2] اور زندہ گاڑھا ہوا بچہ جنت میں ہوگا[3] (ابوداؤد)[4]

[1] آپ حسناء بنت معاویہ ابن سلیم صرمیہ ہیں،تابعیہ ہیں،بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام خنساء ہے اور حسناء آپ کا لقب ہے،آپ کے دو چچا ہیں حارث اور اسلم۔غالبًا یہ روایت حارث سے ہے آپ نے عوف اعرابی سے روایات لیں۔

[2] یعنی ہر ناسمجھ بچہ جنتی ہے خواہ مسلمان کا بچہ ہو یا کافر کا حتی کہ کچا گرا ہوا بچہ بھی جنتی ہے اگرچہ مؤمن کا بچہ جنت کے اعلیٰ مقام میں ہوگا اور کافر کا بچہ ادنی جگہ میں یا دیگر اہلِ جنت کا خادم۔

[3] کفار عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیتے تھے اسے موؤدہ کہتے تھے۔وئید کے بھی یہ معنی ہیں یعنی کفار کی بچیاں جو زندہ درگور کردی گئیں ہیں وہ جنتی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے ناسمجھ بچے جنتی ہیں،اس کے مخالف روایات اس حدیث سے منسوخ ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ"جب زندہ دابی ہوئی بچی سے پوچھا جائے کہ تو کس قصور میں ماری گئی تھی اگر وہ خود ہی دوزخی ہوتی تو اس سوال کے کیا معنی ہوتے۔غرضیکہ اس حدیث کی تائید بہت سی آیات سے ہے،رب تعالٰی بغیر گناہ کسی کو دوزخ نہ دے وہ کریم ہے،چونکہ یہ چاروں جماعتیں یعنی انبیاء شہداء بچے اور موؤدہ بغیر حساب جنت میں جائیں گے اسی لیے خصوصیت سے ان چار کا ذکر ہوا،ورنہ جنتی اور لوگ بھی ہیں۔خیال رہے کہ جنت کسبی،عطائی،وہبی تین طرح حاصل ہوگی،اپنے اعمال سے،اپنے بزرگوں کے اعمال سے جیسے مسلمانوں کے بچے صرف عطا ذوالجلال سے جیسے ایک مخلوق جنت پر کرنے کے لیے پیدا کی جائے گی مگر دوزخ صرف کسبی طور سے ملے گی وہبی یا عطائی نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ"اور فرماتاہے:"هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"۔

[4] یہ حدیث احمد نے بھی روایت کی اور جامع صغیر میں بھی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت علی،ابوالدرداء،ابوہریرہ،ابو امامہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عمرو اور جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین سے یہ تمام حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں[1] کہ حضور نے فرمایا جو شخص راہِ خدا میں کچھ خرچہ بھیج دے[2] اور خود اپنے گھر

	میں رہے۳؎ اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم ملیں گے۴؎ اور جو راہِ خدا میں بذات خود جہاد کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرے تو اس کے لیے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہیں پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی اللہ جسے چاہے گا بہت زیادہ دے گا ۵؎(ابن ماجہ)

۱؎چونکہ ان آٹھوں صحابہ نے الگ الگ یہ روایت کی ہے اس لیے یحدث واحد کا صیغہ ارشاد ہواجمع یعنی یحدثون نہ فرمایا۔(مرقات)

۲؎روپیہ یا موسم کے مطابق نمازیوں کے لیے کپڑے یا ان کے لیے راشن یا ہتھیار۔غرضیکہ کوئی چیز جو مجاہدوں کو ضروری ہوان کے لیے کھیل کا سامان،گانے بجانے کے آلات،سینما فلم وغیرہ مراد نہیں کہ ان کا استعمال عام لوگوں کو ممنوع ہے اور مجاہدوں کو زیادہ ممنوع کہ وہ راہِ خدا میں سربکف ہیں،شہادت کی موت انکے سامنے ہے انہیں اس وقت بہت ہی تقویٰ اختیار کرنا چاہیے سرکاری ملازموں کا جب ریٹائر ہونے کا زمانہ قریب ہوتا ہے تو وہ بہت احتیاط برتتے ہیں کہ کہیں ہماری بے احتیاطی پنشن پر اثر نہ کرے۔

۳؎کیونکہ اس وقت جہاد فرض کفایہ ہو فرض عین نہ ہو،ورنہ فرض عین ہونے کے وقت تو ہر مسلمان کو جہاد کرنا چاہیے،اس وقت گھر میں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴؎اس کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے"مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوٰلَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ"

۵؎اس طرح کہ جانی اور مالی دونوں قسم کا جہاد کرے توچونکہ اس کا عمل زیادہ ہے اس لیے اجر بھی زیادہ،یہ حدیث اس آیت کے اس جز کی شرح ہے"وَاللہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے ۱؎فرماتے ہیں جناب عمر ابن خطاب کو سناکہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک کھرے ایمان والا مؤمن ۲؎جو دشمن سے ملے تو اللہ کی تصدیق کرے۳؎ حتی کہ مارا جاوے یہ وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف یوں آنکھیں اٹھائیں گے۴؎ اور اپنا سر اٹھایا حتی کہ آپ کی ٹوپی گرگئی ۵؎ مجھے خبر نہیں حضرت عمر کی ٹوپی مراد لی ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی شریف ۶؎فرمایا اور ایک وہ شخص جو کھرے ایمان والا ہے ۷؎دشمن سے ملے گویا

	اس کی کھال میں بزدلی کی وجہ سے خار دار درخت کے کانٹے چبھودیئے گئے ۸؎اسے غائبانہ تیر لگا قتل کردیا ۹؎تو یہ دوسرے درجہ میں ہے ۱۰؎اور ایک بندہ مؤمن جس نے نیک و بداعمال ملے جلے کیے ۱۱؎دشمن سے ملا اللہ کی تصدیق کی حتی کہ قتل کردیا گیا ۱۲؎تو یہ تیسرے درجہ میں ہے ۱۳؎اور ایک بندہ مؤمن جس نے اپنے نفس پر زیادتی کی ۱۴؎دشمن سے ملا اللہ کی تصدیق کی حتی کہ قتل کیا گیا ۱۵؎تو یہ چوتھے درجے میں ہے ۱۶؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن و غریب ہے۔

۱؎آپ کے حالات فصل دوم کے شروع میں گزر چکے۔

۲؎خواہ مرد ہو یا عورت۔کھرے ایمان سے مراد یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی درست ہوں اعمال بھی اور متقی پرہیزگار ہو جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۳؎ فصدق کی قرأت دال کے شد سے بھی ہے اور بغیر شد کے بھی لہذا اس جملہ کے دو معنی ہیں،اگرشد سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ اللہ کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں،شوق وذوق سے کفار کو مارے اور شہید ہوکر جان دیدےاوربغیر شد کی صورت میں معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی کو سچ کر دکھائے وہ تمام وعدے جو اس نے رب سے کیے تھے کیونکہ مؤمن ایمان لاکر اللہ تعالٰی سے بہت سے وعدے کرلیتا ہے اور اللہ تعالٰی اس سے بہت سے وعدے فرمالیتا ہے،اس کی تفصیل ہماری تفسیر میں ملاحظہ کرو،رب فرماتاہے:"مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ"۔اس آیت میں اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو مؤمن رب سے کرتا ہے۔

۴؎لوگوں سے مراد عام مؤمنین اہل محشر ہیں اگر قیامت سے مراد میدان قیامت ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ خود میدان قیامت میں لوگوں کے مقام مختلف ہوں گے،اچھے اعمال والے اونچی جگہ ہوں گے اور گنہگار نیچی جگہ اور اگر جنت مراد ہے تب تو ظاہر ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں،ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

۵؎اتنا سر اٹھایا انتہائی بلند کے اظہار کے لیے ہے یعنی جیسے سر کے اوپر چاند یا تاروں کو دیکھو تو ٹوپی گر جاتی ہے ایسے ہی ان کو دیکھنے والوں کا یہ حال ہوگا۔

۶؎یہ ان راوی کا قول ہے جو حضرت فضالہ سے روایت فرمارہے ہیں اور اراد کا فاعل حضرت فضالہ ہیں یعنی حضرت فضالہ نے کس کی ٹوپی مراد لی یہ مجھے خبر نہیں اور میں ان سے پوچھنا بھی بھول گیا۔ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد ہوگی۔(اشعہ)غالبًا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ٹوپی نہیں پہنتے تھے بلکہ عمامہ شریف استعمال فرماتے تھے۔واللہ اعلم!

۷؎یعنی اس کے عقائد و اعمال سب درست ہیں مگر بہادری و شجاعت میں پہلے سے کم ہے ایسے موقعہ پر گھبرا جاتا ہے جیسا کہ اگلے فرمان سے ظاہر ہے۔

۸؎عرب شریف میں طلحہ ایک خاردار درخت کا نام ہے جو ببول کی طرح اونچا ہوتا ہے اور کانٹوں سے بھرا ہوتا ہے اس کے کانٹے بھی لمبے ہوتے ہیں یعنی وہ ہے تو متقی مسلمان مگر قدرتی طورپر کچھ کمزور دل ہے کہ جہاد کے میدان میں خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جسم میں کپکپی پیدا ہوجاتی ہے جیسے اس کے جسم میں ببول کے کانٹے چبھ گئے ہوں۔

۹؎یعنی وہ میدان جہاد میں پہنچ گیا مگر اس نے جہاد کیا نہیں اپنی دلی کمزوری کی وجہ سے اس کے باوجود وہ شہید ہوگیاایسے تیر سے جس کا چلانے والا معلوم نہیں۔

۱۰؎کیونکہ اس کے پاس ایمان و تقویٰ تو ہے مگر بہادری اور جرات و دلیری نہیں۔اس سےمعلوم ہوا کہ بہادر و قوی مؤمن کمزور اور بزدل مؤمن سے افضل ہے۔(مرقات)

۱۱؎یعنی اس کا ایمان تو درست ہے مگر اعمال مخلوط ہیں اسے حضور نے جید الایمان(کھرے ایمان والا)نہ فرمایا کیونکہ ایمان کا جید ہونا تقویٰ و طہارت سے ہوتا ہے۔

۱۲؎اس جملہ کی تحقیق اور صدق اللہ کی دو قرأتیں ہم ابھی اسی حدیث میں عرض کرچکے ہیں،یعنی یہ شخص مخلوط الاعمال ہے مگر بہادروشجاع ہے،جہاد کیا بہادری کے جوہر دکھا مرا۔

۱۳؎معلوم ہوا کہ بہادری سے تقویٰ افضل ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بہادر غیر متقی کو متقی غیر بہادر سے پیچھے رکھا،تقویٰ عجیب چیز ہے۔

۱۴؎اس طرح کہ اس نے اپنی زندگی گناہوں خطاؤں میں گزاری اس جملہ پاک میں خوارج اور معتزلہ دونوں کی تردید ہے کہ خوارج تو گنہگار کوکافر کہتے ہیں اور معتزلہ نہ کافر نہ مؤمن،اہل سنت کے نزدیک وہ مؤمن ہےحضور انور نے اسے مؤمن فرمایا،قرآن کریم میں بھی اسے مؤمن کہا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے"وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیۡنَ اقْتَتَلُوۡا"۔دیکھو آپس میں جنگ جدال کرنے والے گنہگاروں کو مؤمن فرمایا گیا،ہمارے ہاں اعمال ایمان کا جز نہیں ذریعہ کمال ایمان ہیں۔

۱۵؎یعنی تھا فاسق مگر تھا بہادر،شجاعت کے جوہر دکھا کر شہادت کا پیالہ پیا۔

۱۶؎اس ترتیب مراتب کا خلاصہ یہ ہے کہ شہید یا تو متقی بھی ہے اور بہادر بھی یہ اول درجہ کا ہے۔یا متقی ہے مگر بہادر نہیں یہ دوسری قسم کا ہےیا بہادر ہے مگر متقی نہیں،اس کی پھر دو قسمیں یا فاسق و مسرف نہیں وہ تیسرے درجہ میں ہے یا فاسق اور مسرف ہے یہ چوتھے درجے میں ہے۔خیال رہے کہ اس حدیث میں تصدیق سے مراد شجاعت و بہادری۔(اشعہ و لمعات)

	روایت ہے حضرت عتبہ ابن عبد سلمی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقتولین تین

	طرح کے ہیں وہ مؤمن جو اپنی جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرے پھر جب دشمن سے ملے تو جہاد کرے حتی کہ قتل کیا جائے ۲؎ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کہ یہ اللہ کی رحمت میں ہے پاک و صاف کیا ہوا۳؎ عرش کے نیچے اللہ کے خیمہ میں۴؎ نہیں بڑھے اس پر حضرات انبیاء مگر نبوت کے درجہ کی وجہ سے ۵؎ اور ایک وہ مؤمن جس نے اچھے برے مخلوط کام کیے ۶؎ اس نے اپنی جان اور مال سے راہ خدا میں جہاد کیا جب دشمن سے ملا تو جہاد کیا حتی کہ قتل کردیا گیا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شہادت میں صفائی ہے۷؎ اس کے گناہ اور خطائیں مٹادیں ۸؎ تلوار خطاؤں کو مٹانے والی ہے ۹؎ اور وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل کیا جائے گا ۱۰؎ اور ایک منافق جو اپنے جان و مال سے جہاد کرے پھر جب دشمن سے ملے تو قتال کرے حتی کہ قتل کیا جائے تو یہ دوزخ میں ہے ۱۱؎ کیونکہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی ۱۲؎ (دارمی)

۱؎ عتبہ عین کے پیش اور ت کے جزم سے آپ کا نام عتلہ تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ رکھا،غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،مقام حمص میں چورانوے سال کی عمر میں،۸۷ھ میں وفات پائی،بقول واقدی آپ شام کے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی میں مؤمن سے مراد متقی پرہیزگار مؤمن ہے اور اگلے اوصاف سے مراد ہے جان و مال راہ خدا میں خرچ کرنا بہادر ہونا،صابر ہونا یہ ہے اول درجے کا شہید۔

۳؎ **ممتحن** کے چند معنی ہیں وہ سب یہاں بن سکتے ہیں (۱) آزمایا ہوا،امتحان لیا ہوا(۲) پاس شدہ کامیاب (۳) سینہ کھولا،شرح صدر والا(۴) پاک و صاف کیا ہوا جیسے بھٹی کے ذریعہ لوہا پاک کیا جاتا ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقْوٰی"اس آیت کی تفسیر میں علماء نے امتحان کے بہت معانی بیان فرمائے ہیں۔

۴؎ یعنی ایسے شہید کو مرتے ہی رب تعالٰی سے اس قدر قرب نصیب ہوتا ہے جو دوسروں کو میسر نہیں ہوتا۔خیمہ سے مراد نوری مقام ہے اس کی حقیقت رب ہی جانے۔

۵؎ یعنی اگر حضرات انبیاء نبی نہ ہوتے تو شہیدان کے برابر ہوجاتے مگر چونکہ وہ حضرات نبی ہیں اس وجہ سے وہ ان شہیدوں سے اعلیٰ افضل ہیں۔خیال رہے کہ نبی غیر نبی سے کروڑوں درجہ اعلیٰ ہے اور نبی کا ہر عمل غیر کی ہر نیکی سے کروڑوں گنا زیادہ ہے،جب صحابی کا دو چار سیر جَو خیرات کرنا غیرصحابی کے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے تو نبی کی شان کا کیا کہنا،یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے انسان دوسرے جانوروں سے صرف ناطق ہونے میں اعلیٰ ہے تو جیسے ناطق نے انسان کو جانوروں سے ذاتی طور پر ممتاز کردیا کہ یہ اشرف المخلوقات ہوگیا ایسے ہی نبی کو نبوت نے ذاتی حیثیت سے امتیاز بخش دیا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ"کی قید نے بھی ایسا ہی فرق کردیا لہٰذا ان جیسی آیات و احادیث دیکھ کر دھوکا نہیں کھانا چاہیےاور حضرات انبیاءکرام سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے،اس بھنور میں بہت سے بیڑے غرق ہوچکے ہیں،نبی کا ادب روح ایمان ہے۔(از اشعۃ اللمعات مع الزیادۃ)

۶؎ یہ دوسرے درجہ کا متقی نہیں زندگی میں گناہ بھی کرتا رہا ہے۔

۷؎ **فیه** کا مرجع یا وہ شخص ہے اور **ممصمصة** خبر ہے مبتداء پوشیدہ کی یعنی اس شہید کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ اس کا معاملہ صفائی کا ہے،یا **فیه** کا مرجع جہاد و شہادت ہے یہ خبر مقدم ہے اور **ممصمصة** مبتداء مؤخر یعنی اس جہاد میں یا اس شہادت میں صفائی ہے **ممصمه مضمضه** کی طرح ہے جس کے معنی ہیں منہ میں پانی لے کر کلی کرنا جیسے کہ ا یسی کلی منہ کو پاک صاف کردیتی ہے یوں ہی یہ شہادت اس کے سارے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اس کا بیان اگلے فرمان عالی میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ شہادت تمام گناہوں سے مؤمن کو پاک و صاف کردیتی ہے۔

۸؎ یعنی شہادت نے اس کی زندگی بھر کی خطائیں ختم کردیں۔

۹؎ تلوار تمام گناہ صغیرہ کو تو مٹا دیتی ہے گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر ہیں حقوق العباد شاید رب تعالیٰ قیامت میں صاحبِ حق سے معاف کرادے جیساکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔اس حدیث میں **خطایا** فرما کر اسی جانب اشارہ ہے۔عموماً خطاکہتے ہیں صغیرہ گناہ کو جس کا تعلق بندے کے حق سے نہ ہو لہٰذا شہید کے ذمہ جو لوگوں کے قرض وغیرہ ہوں وہ ادا کرنے ہوں گے،حدیث واضح ہے۔اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی کہتے ہیں کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ نماز جنازہ میت کے گناہ مٹانے کے لیے ہوتی ہے شہید کے گناہ تو تلوار سے مٹ چکے اب نماز کیوں پڑھی جائے،امام اعظم فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ شرافت انسانی کے اظہار کے لیے ہے شہید اس کا زیادہ حقدار ہے،دیکھو نابالغ بچوں پر نماز پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ بے گناہ ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھی گئی حالانکہ حضور معصوم ہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء پر نماز پڑھی حتی کہ شہدا احد پر چند سال بعد نماز پڑھی اس کی بحث پہلے ہوچکی۔

۱۰؎ یعنی دوسرے جنتی مسلمانوں کے لیے دروازے مقرر ہیں کہ روزہ دار باب ریان سے جائیں نمازی فلاں دروازے سے مگر شہید کے لیے کوئی قید نہیں جس دروازے سے جانا چاہے جائے یہ اجازت اس کی شان ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

۱۱؎ یعنی جو اعتقادی منافق بطور نفاق جہاد میں چلا جائے اور وہاں اسے سب کچھ خرچ کرنا پڑ جائے اور شہید بھی ہوجائے تب بھی وہ دوزخی ہے کیونکہ جنتی ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔خیال رہے کہ منافقین اپنا نفاق چھپانے کیلیے کبھی جہاد میں بھی چلے جاتے تھے۔

۱۲؎اس سے معلوم ہوا کہ کسی نیکی سے منافق جنتی نہیں ہوسکتا اللہ تعالٰی فاجر آدمی سے بھی اپنے دین کو قوت دیتا ہے لہٰذا سب سے پہلے عقائد کی اصلاح ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عائذ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازے میں تشریف لے گئے جب جنازہ رکھا گیا ۲؎تو حضرت عمر ابن خطاب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز نہ پڑھیئے کیونکہ فاجر آدمی ہے ۳؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی کہ کیا تم میں سے کسی نے اسے اسلامی کام پر دیکھا ہے ۴؎تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ اس نے ایک رات راہِ خدا میں پہرہ دیا تھا ۵؎تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور اس پر مٹی ڈالی ۶؎اور فرمایا تیرے ساتھی تو گمان کرتے ہیں کہ تو دوزخی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتیوں میں سے ہے ۷؎اور فرمایا اے عمر تم سے لوگوں کے اعمال کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی ۸؎ لیکن تم سے پوچھ گچھ ہوگی اسلام کے متعلق ۹؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ابن عائذ دو ہیں:ایک قیس ابن عائذ اور دوسرے منذر ابن عائذ دونوں صحابی ہیں۔(اشعہ)غالبًا یہاں قیس ابن عائذ مدنی مراد ہیں جو بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،بصرہ میں رہے۔(مرقات)

۲؎اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا تب حضرت عمر نے وہ بات کہی جو آگے آرہی ہے۔

۳؎فاجر سے مراد منافق نہیں بلکہ سخت گنہگار ہے یعنی جہاں تک میرا علم ہے اس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی میں نے اسے نیک کام کرتے نہیں دیکھا برائیاں کرتے دیکھا ہے،حضور اس پر نماز نہ پڑھیں تاکہ آئندہ لوگ عبرت پکڑیں اور گناہوں سے باز رہیں جیسے کہ حضور مقروض پر نماز نہیں پڑھتے تاکہ لوگ قرض لینے سے بچیں۔

۴؎یہ ہے حضور کی شان ستار العیوبی کہ حضرت عمر یا کسی اور سے اس کے گناہ نہ پوچھے،کہ تم نے اسے کیا گناہ کرتے دیکھاتم اسے فاجر کیوں کہتے ہو بلکہ لوگوں سے اس کے نیک اعمال کی گواہی لی تاکہ اس کے عیوب چھپے رہیں اور اس کی نیکی ظاہر ہوجائے۔اے کریم! تمہارے کرم کے قربان مجھ سیاہ کار بدکار کا بھی ایسے ہی پردہ رکھنا۔شعر

ستار میرے قربان تیرے دنیا میں تو میرے عیب ڈھکے
محشر میں بھی پردہ رکھ لینا تجھ سا نہ کوئی رہبر پایا

خیال رہے کہ حضور کا لوگوں سے اس کی نیکیاں پوچھنا گواہی قائم کرنے کے لیے ہے جیسے قیامت میں رب تعالٰی گواہی شہادت لے کر فیصلے فرمائے گا ورنہ حضور ہر شخص کے ہر نیک و بداعمال سے خبردار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا"حضور نے دو قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ ان کو عذاب ہورہا ہے ان میں ایک چغل خور تھا دوسرا چرواہا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔شعر

اے فراعنت صبح آثار و دھور چشم تو بینندہ ما فی الصدو

۵؎ اس طرح کہ لشکر تھکا ہوا آرہا تھا رات میں ایک جنگل میں آرام کرنا چاہتا تھا پہرہ دار کی ضرورت تھی تاکہ دشمن شب خون نہ مار دے اس اللہ کے بندہ نے تمام لشکر کو سلادیا خود تمام رات جاگ کر پہرہ دیا اس کی یہ نیکی میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔

۶؎ یعنی حضور نے اس کے تمام گناہ نظر انداز فرمادیئے اور اس کی ایک نیکی کی گواہی لے کر اس کی نماز بھی پڑھی اور اس قبر پر تین لپ مٹی بھی اپنے دست اقدس سے ڈالی،اے مرنے والے تیرے نصیب کے صدقے۔خیال رہے کہ اس شخص نے اگرچہ بہت گناہ کیے ہوں گے مگر اس رات کے پہرہ سے سارے معاف ہوچکے اور حضور کی اس نماز اور دفن فرمانے سے اسے رب نے بڑے درجے عطا فرمائے۔اہل سنت کا یہ عقیدہ کہ تمام صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں بالکل حق ہے کہ وہ اگرچہ گناہ کرلیتے تھے مگر اس رحمت کے سمندر میں نہا دھو کر پاک و صاف ہوجاتے تھے لہذا اس پر روافض یہ اعتراض نہیں کرسکتے کہ صحابہ فاجر و فاسق بھی تھے گناہ کرنا اور چیز ہے فاسق ہونا یا رہنا دوسری چیز۔

۷؎ اول درجہ کا جنتی وہ ہے جو مرتے ہی روحانی طور پر اور محشر کے بعد بغیر سزا پائے جسمانی طور پر اول ہی سے جنت میں جائے گا کیونکہ تیرے سارے گناہ اس پہرے اور میری نماز سے معاف ہوچکے یہ ہے اس غیوب دان صلی اللہ علیہ وسلم کا علم۔

۸؎ یعنی دنیا میں ہم اور سارے مسلمان تم سے کسی میت کے برے اعمال کے متعلق نہ پوچھیں گے لہذا تم ایسے موقعہ پر کسی مسلمان کے گناہ بیان نہ کرنا،عیب پوشی سے کام لینا دیکھو ہم نے اس کی نیکی کی تو گواہی لی مگر گناہوں کی گواہی نہ لی اپنے مسلمان مردوں کو بھلائی سے یاد کرنا۔(از لمعات و اشعہ مع زیادہ)

۹؎ یعنی ہم اور ہمارے صحابہ تم سے میتوں کے ایمان کی گواہی لیا کریں گے تم ان کے ایمان کی گواہی دیا کرو مسلمان کو بعد موت اچھائی سے یاد کرو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض میت پر نماز نہ پڑھتے تھے صحابہ سے پڑھوادیتے تھے تاکہ لوگ قرض سے بچیں۔قرض حق العبد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا،نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ ڈاکو وغیرہ پر نماز نہ پڑھی جاوے کیونکہ یہ فتنہ گر ہیں یہ شخص حقوق اللہ کا مجرم ہوگا لہذا اس کے سارے گناہ نظر انداز کردیئے گئے۔فقیر کی اس شرح سے حسب ذیل اعتراض اٹھ گئے:(۱) ایک یہ کہ تم سنی لوگ کہتے ہو کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔حضرت عمر کے اس قول سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ فاجر بھی ہیں(۲) دوسرے یہ کہ حضور نے حضرت عمر وغیرہم سے اس میت کے گناہ کیوں نہ پوچھے نیکی کیوں پوچھی(۳) تیسرے یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز بھی نہیں پڑھتے تھے تو ایسے گنہگار کی نماز کیوں پڑھ لی(۴) چوتھے یہ کہ حضور کو علم نہیں ورنہ آپ لوگوں سے کیوں

پوچھتے کہ اس میت کی کوئی نیکی بیان کرو۔خیال رہے کہ حضور انور کا اس میت کے متعلق جنتی ہونے کی گواہی دینے سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی سعادت و شقاوت انکے جنتی دوزخی ہونے سے خبردار ہیں،ورنہ بغیر خبر حضور اس کے جنتی ہونے کی خبر کیسے دے رہے تھے یہ ہے حضور کا مطلع ہونا علوم خمسہ پر۔

باب إعداد آلة الجهاد

جہاد کے آلات تیار کرنے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ آلات جہاد سے مراد سامان و اسباب جہاد ہیں خواہ ہتھیار ہوں جن سے دشمن پر جارحانہ کاروائی کی جاتی ہے یا بار برداری کے سامان جن کے ذریعہ میدانِ جہاد میں جانا اور لے جانا ہوتا ہے جیسے تیر و تلوار،نیز بھالے یا آج کل بندوق توپ راکٹ وغیرہ اور جیسے گھوڑے اونٹ وغیرہ اور آج کل موٹریں ہوائی جہاز وغیرہ غرضیکہ اس ایک کلمہ میں بہت ہی وسعت ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا حالانکہ آپ ممبر پر تھے ۲؎ کہ فرماتے تھے تیار کرو ان کے مقابل وہ قوت جس کی طاقت رکھو خبردار وہ قوت تیر اندازی ہے،خبردار وہ قوت تیر اندازی ہے،خبردار وہ قوت تیر اندازی ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،جہنی ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے جب کہ امیر معاویہ کے بھائی عتبہ ابن ابو سفیان وفات پا گئے پھر امیر معاویہ نے انہیں معزول فرمادیا، ۵۸ ؁ھ ہجری میں مصر ہی میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے،آپ سے بہت سے صحابہ و تابعین نے روایات لی ہیں۔(مرقات)

۲؎ مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث صرف میں نے ہی نہیں سنی بلکہ میرے ساتھ بہت صحابہ نے سنی ہے کیونکہ آپ نے خطبہ جمعہ یا کسی وعظ میں برسرمنبر علانیہ فرمائی ہے۔

۳؎ یعنی قرآن مجید کی اس آیت میں جس ثبوت کا حکم تاکیدی دیا گیا ہے وہ قوت آج کل تیر اندازی ہے۔آیت کریمہ کا مقصد فی زمانہ اسی طرح حاصل ہوگا کہ مسلمان تیر لگانے نشانہ لگانے کی خوب مشق کریں۔فقیر کی اس شرح سے یہ اعتراض اٹھ گیا اگر صرف تیر اندازی سیکھنا ضروری ہے تو آج کل نہ تیر ہیں نہ اس کی مشق تو اب اس آیت پر عمل کیسے ہو کیونکہ اب بجائے تیر کے گولہ بارود توپوں سے،گولہ باری ہوائی جہازوں سے،بم باری،راکٹ اندازی ہے،اب ان چیزوں کا سیکھنا اس آیت کریمہ پر عمل ہے بشرطیکہ جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہو۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب روم تم پر فتح	

	کیا جائے گااور اللہ تمہیں کفایت کرے گا ا؎تو تم سے کوئی اس سے عاجز نہ ہوجائے کہ اپنے تیروں سے کھیلے ۳؎(مسلم)

ا؎یعنی خلافت فاروقی میں روم جیسی مضبوط سلطنت تمہارے زیر نگین ہوگی اور اللہ تعالٰی تم کو رومی عیسائیوں کے شر سے محفوظ کردے گا کیونکہ وہ تمہاری رعایا بن جائیں گے۔اس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غیبی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں پوری ہوئی۔

۲؎یعنی چونکہ تم نے روم جیتنا ہے اور رومی لوگ نہایت اعلٰی درجے کے تیر انداز ہیں لہٰذا ابھی سے تیر اندازی کی مشق کرو اس سے غافل نہ رہو تاکہ اس جنگ کے وقت تمہارا یہ فن کام آوے۔اس تیر اندازی کو لہو فرمانا رغبت کے لیے ہے یعنی یہ فن عبادت بھی ہے اور دل لگی فرحت و سرور،قوت و طاقت حاصل ہونے کا ذریعہ بھی لہٰذا اس سے غافل نہ رہو،نفس لہو یعنی کھیل کود کی طرف راغب ہے،دل عبادت کا خواہاں،تیر اندازی میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں لہٰذا یہاں لہو سے مراد غفلت کی چیز نہیں بلکہ مراد رغبت کی چیز ہے،صحابہ کرام نے اس حدیث پر عمل کیا اور جیتنا عہد فاروقی میں۔ کاش آج اسکولوں میں بجائے ہاکی کرکٹ اور فٹ بال کے ایسے کھیل کھلائے جائیں جو کھیل بھی ہوں اور ہنر بھی جیسے گھوڑ دوڑ اور نشانہ بازی۔خیال رہے کہ دنیا میں تین اعظم گزرے ہیں جنہوں نے بڑی فتوحات کیں سکندر اعظم،نپولین اعظم اور فاروق اعظم،سکندر اور ذوالقرنین کی فتوحات غیروں کے پاس چلی گئیں مگر فاروق اعظم کی فتوحات بفضلہٖ تعالٰی اب تک تمام کی تمام مسلمانوں کے قبضے میں ہیں جیسے روم،شام،ایران،عراق وغیرہ اللہ تعالٰی دائم قائم رکھے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تیر اندازی سیکھے پھر اسے چھوڑ دے تو وہ ہم سے نہیں ا؎یا اس نے نافرمانی کی ۲؎(مسلم)

ا؎یعنی ہم سے ملا ہواہم سے قریب نہیں یا اس جماعت سے نہیں جن سے ہم راضی ہیں کیونکہ اس نے کفران نعمت کیا ہے کہ تیر اندازی جیسی عبادت سیکھ کر بھلادی ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے کہ اسے حاصل کرکے سستی سے بھلادیا۔

۲؎عصٰی یا تو حضور انور کا فرمان ہے یا راوی نے تردد فرمایا کہ مجھے پورا خیال نہیں یا حضور نے یہ فرمایا اور یا یہ لفظ ارشاد فرمایا۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ا؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کی ایک قوم پر تشریف لائے جو بازار میں تیر اندازی کررہی تھی ۲؎تو فرمایا اے بنی اسماعیل تیر چلاؤ کیونکہ تمہارے والد تیر انداز تھے اور میں فلاں جماعت کے ساتھ ہوں(دو فریق میں سے ایک کے لیے)تو انہوں نے اپنے ہاتھ روک لیے ۴؎فرمایا تمہیں کیا ہوا وہ بولے ہم کیسے تیر اندازی کریں آپ فلاں قبیلہ

والوں کے ساتھ ہوگئے ۵؎ فرمایا تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں ۶؎ (بخاری)	

۱؎ آپ سلمی ہیں، بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے، بہت ہی بڑے بہادر اور پیادہ لڑنے والوں کے امام تھے، تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، آپ ہی سے بھیڑیئے نے کلام کیا تھا، اسی برس عمر پائی ۷۴ھ میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔
۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں سوق سے مراد ایک خاص جگہ ہے جو مدینہ منورہ میں تھی، بعض نے فرمایا کہ سوق ساق کی جمع ہے بمعنی پیادہ یعنی وہ لوگ پیدل تیر اندازی کرتے تھے ظاہر بھی یہ ہی ہے کیونکہ بازار میں تیر اندازی مشکل ہے وہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔
۳؎ یعنی اسماعیل علیہ السلام تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے تم ان کی اولاد ہو تم بھی اس میں کمال پیدا کرو تمہارے باپ کی میراث ہے۔
۴؎ یعنی یہ فرمان عالی سن کر دوسرے فریق نے تیر اندازی بند کردی۔
۵؎ یعنی حضور آپ تو ان دوسروں کے ساتھ ہوگئے ہم بے سہارا رہ گئے پھر ہم کس کے بل بوتے پر تیر اندازی کریں یہ عرض معروض اس دوسرے فریق نے کی۔
۵؎ یعنی ہم تمہارے دونوں فریقوں کے معاون اور مددگار ہیں یہ معیت سے مراد لی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ڈھال سے آڑ لیتے تھے ۲؎ اور ابوطلحہ اچھے تیرانداز تھے تو وہ جب تیر پھینکتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچک کر دیکھتے ۳؎ ان کے تیر گرنے کی جگہ کو ملاحظہ فرماتے تھے۔(بخاری)	

۱؎ حضرت طلحہ کا نام زید ابن سہل ہے، انصاری خزرجی بخاری ہیں، تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں، حضور فرماتے تھے کہ لشکر اسلام میں اکیلے ابوطلحہ کی صرف آواز ایک سو سپاہیوں سے بڑھ کر ہے، آپ نے غزوہ حنین میں بیس کفار کو اکیلے قتل کیا اور ان کے سامان پر قبضہ کیا، آپ کے حالات پہلے بھی بیان ہوچکے ہیں، بصرہ میں آپ کا مزار ہے، فقیر نے زیارت کی ہے۔
۲؎ یعنی حضرت ابوطلحہ جہاد کے موقعوں پر حضور انور کے ساتھ کھڑے ہوتے اور ڈھال اس طرح لیتے تھے کہ خود ابوطلحہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آڑ میں ہوجاتے تھے اس قدر قرب تھا آپ کو حضور انور کے ساتھ۔(اشعہ و مرقات) بعض غزوات میں خود اپنے جسم کو حضور کی ڈھال بنادیا۔
۳؎ یعنی حضرت ابوطلحہ کا تیر اتنی دور جاتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرنے کی جگہ کو اچک کر ملاحظہ فرماتے یہ ملاحظہ فرمانا اگر عام حالات میں تھا تو گرنے کی جگہ دیکھتے تھے۔اگر جہاد کی حالت میں تھا تو یہ دیکھتے تھے کہ اس تیر نے کتنے کفار مارے کیونکہ حضرت ابوطلحہ کا تیر خالی نہ جاتا تھا نشانہ پر ضرور لگتا تھا، بڑے خوش نصیب تھے رضی اللہ عنہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ برکت گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں ہے۱(مسلم)

۱؎گھوڑے سے مراد جہاد کے گھو ڑے ہیں اور پیشانی کے بالوں سے مراد گھوڑے کا سارا جسم ہے یعنی جہاد کا گھوڑا بڑا ہی مبارک ہے اس کے بال بال میں برکت ہے۔رب تعالٰی نے گھوڑے کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ ارشاد فرمایا:"وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الْخَیۡلِ"۔دیکھو قوت میں گھوڑا بھی داخل تھا مگر خصوصیت سے رب تعالٰی نے اس کا ذکر فرمایا۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ گھوڑے کی پیشانی کے بال اپنی انگلی سے ہٹا رہے ہیں ۱؎اور فرمارہے ہیں کہ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں سے قیامت تک بھلائی وابستہ ہے ۲؎ثواب اور غنیمت ۳؎(مسلم)

۱؎اس طرح کہ اپنے دستِ اقدس سے گھوڑے کی خدمت فرمارہے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ پیار میں اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہے ہیں بالوں کو مروڑے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں۔معلوم ہوا کہ جہاد کے گھوڑوں کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرنا بھی سنت ہے اور اس سے محبت کرنا اس کی پیشانی پر پیار سے ہاتھ پھیرنا بھی سنت ہے کیونکہ یہ آلہ جہاد ہے اور حضور کا پیارا ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں گھوڑے سے مراد جہاد کا گھوڑا ہے نہ کہ عام گھوڑے جو تانگہ میں چلانے،یا ریس میں جوا کھیلنے کے لیے پالے جاتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جنس گھوڑا مراد ہے کیونکہ یہ آلہ جہاد ہے اس پر جہاد ہوسکتا ہے۔

۳؎یہ دونوں یا ان میں سے ایک اگر مجاہد جیت آیا تو ثواب کمالایا۔اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک گھوڑے جہاد میں کام آئیں گے دیکھ لو آج اس سائنس کے زمانہ میں گھوڑے خچر بہت کام آتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا ۱؎اللہ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے ۲؎تو اس کا پیٹ بھرنا پانی پلانا اس کی لید اور پیشاب قیامت کے دن اس شخص کی میزان میں ہوں گے ۳؎(بخاری)

۱؎جہاد کرنے کو یا حج یا عمرہ کرنے کو یا زیارت کرنے کو گھوڑا رکھایا پالا یا مطلب یہ ہے کہ اس نے گھوڑا فی سبیل اللہ وقف کیا۔

۲؎ یعنی اخلاص سے پالا دنیاوی غرض اس میں شامل نہ تھی کہ ثواب اعمال کی شرط اخلاص ہے۔
۳؎ یعنی پانی کے وہ قطرے جو یہ گھوڑے پئے گھاس کے وہ تنکے جو یہ گھوڑا کھائے اسی طرح اس کا پیشاب اور لید اس پالنے والے کے نیکیوں کے پلے میں ہوں گے۔(بخاری)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو ناپسند فرماتے تھے ۱؎ اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے داہنے پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا اس کے داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو ۲؎	

۱؎ اشکال شین کے کسرہ سے،لغۃً اس رسی کو کہتے ہیں جس سے گھوڑے کے پاؤں باندھے جائیں۔اصطلاح میں شکال کے کئی معنی ہیں:ایک یہ کہ گھوڑے کا ایک پاؤں یا ہاتھ سفید ہو باقی تین سیاہ یا سرخ ہوں۔دوسرے یہ کہ تین ہاتھ پاؤں سفید ہوں باقی ایک سرخ یا سیاہ تیسرے وہ جو خود یہاں مذکور ہیں۔
۲؎ یہ تفسیر یا تو راوی حدیث حضرت ابوہریرہ نے فرمائی ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ گھوڑا سیاہ یا سرخ ہو مگر اس کا داہنا ہاتھ پاؤں یا اس کے برعکس بایاں ہاتھ داہنا پاؤں سفید ہوں باقی دوسرے دو سرخ یا سیاہ ہوں اس کی ناپسندیدگی کی وجہ خود ہی حضور جانتے ہیں نور نبوت سے عقل کو اس میں دخل نہیں اور ہوسکتا ہے اس رنگ کے گھوڑے عیب دار ہوتے ہیں۔جیسی چستی چالاکی تیزی جہاد کے گھوڑے میں چاہیے ویسی اس میں نہ ہوتی ہو۔واللہ ورسولہ اعلم!

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کے درمیان جن کا ضمار کیا گیا ہو ۱؎ حفیا سے دوڑ کرائی اور اس کی انتہا ثنیہ وداع تھی ۱؎ اور دو حدود کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا ۲؎ اور ان گھوڑوں کے درمیان جن کا ضمار نہیں کیا گیا ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک دوڑائی کرائی ۴؎ جن کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ضمار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ گھوڑے کو مصالحے دے کر فربہ کیا جائے پھر اس کی خوراک کم کرکے کسی بند جگہ میں باندھ دیا جائے تو جھول وغیرہ اس پر کس دی جائے حتی کہ پسینہ اسے خوب چلے اور گھوڑا قدرے دبلہ ہو کہ اپنی اصلی حالت پر آ جائے ایسا گھوڑا بہت قوی ہوتا ہے اس عمل کو اضمار کہتے ہیں اور ایسے گھوڑے کو مضمر کہا جاتا ہے،اس کا مادہ ضمر ہے یعنی بمعنی دبلا پن اور پیٹ کا پیٹھ سے لگ جانا۔(مرقات وغیرہ)
۲؎ حفیا یا حیفاح کے فتحہ سے مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے ثنیہ بمعنی پہاڑ کی گھاٹی اسے ثنیہ وداع اس لیے کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اپنے مہمان کو یہاں تک پہنچانے جاتے تھے،یہاں سے اسے وداع یعنی رخصت

کرتے تھے۔ فقیر نے اس جگہ کی زیارت کی ہے اب وہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد وداع کہتے ہیں،اس کے متصل موقف سیارات یعنی لاریوں کا اڈا ہے اور لکڑی و کوئلہ کی ٹال ہے مشہور جگہ ہے۔

۳؎عربی میل کہ تین میل کا ایک کوس ہوتا ہے تو چھ میل کے دو کوس پختہ ہوئے اب عرب شریف میں بجائے میل کے کیلو ہوتے ہیں ہمارے پاکستانی پونا میل کا ایک کیلو ہے۔

۴؎زریق ایک قبیلہ کا نام ہے جس کے مورث اعلیٰ کا نام زریق تھا اس قبیلہ کے محلّہ میں یہ مسجد تھی اس لیے اسے مسجد بنی زریق کہتے تھے۔

۵؎چونکہ ضمار کیا ہوا گھوڑا بہت قوی ہوتا ہے اس لیے اس کی ڈور کا فاصلہ زیادہ رکھا گیا اور بغیر ضمار والا گھوڑا اس سے ہلکا اس لیے اس کا فاصلہ تھوڑا تجویز ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑدوڑ کرانا جائز بلکہ سنت ہے۔بشرطیکہ اس پر مالی ہار جیت نہ ہو ورنہ پھر جوا ہے اور حرام ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا۱؎وہ کبھی دوڑ میں پیچھے نہ رہتی تھی ۲؎ایک بدوی اپنے چھوٹے اونٹ پر آیا ۳؎تو وہ اس سے آگے نکل گیا یہ مسلمانوں پر گراں گزرا ۴؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ذمہ قدرت پر لازم ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اونچی نہ جائے مگر اسے کبھی پست فرمائے ۵؎(بخاری)	

۱؎**عضباء** عین کے فتحہ ضاد کے سکون سے بمعنی کان کٹی یا کان چری اس اونٹنی کے کان کاٹے یا چیرے نہ گئے تھے بلکہ وہ پیدائشی ایسی ہی تھی یا تو یہ وہ ہی اونٹنی تھی جس کا نام قصواء تھا تو اس کا نام قصواء اور لقب **عضباء** تھا یا یہ دوسری اونٹنی ہے قصواء اور تھی۔**واللہ اعلم!**

۲؎یعنی ایسی تیز رفتار تھی کہ دوڑ میں کسی اونٹ سے کبھی پیچھے نہ رہی تھی۔

۳؎ **قعود** کے معنی ہیں بیٹھنا،اصطلاحًا قعود اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سواری کے لائق ہوجائے کہ اس پر سوار بیٹھ سکے دو سال کی عمر سے لے کر چھ سال کی عمر تک اونٹ قعود کہلاتا ہے پھر اسے جمل کہا جاتا ہے اونٹ کی عمروں کے بہت نام ہیں۔

۴؎یہ ناگواری اور طبیعت پر گرانی طبعی تھی کہ صحابہ کرام کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی اونٹ ہمارے نبی کے اونٹ سے آگے نکل جائے۔

۵؎یعنی اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز دنیا میں ہمیشہ سب سے اونچی رہتی ہواسے کبھی کسی سے نیچا بھی کرادے تاکہ فخر ٹوٹ جائے رب تعالیٰ کی کبریائی پر نظر رہے اسی قانون کے مطابق یہ اونٹنی آج پیچھے رہ گئی اس پر رنج نہ کرو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی ایک تیر کے ذریعہ تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا۱؎ اس کے بنانے والے کو جب کہ اپنی صنعت میں بھلائی کی نیت کرے ۲؎ اور تیر مارنے والے کو۳؎ اور تیر دینے والے کو ۴؎ تیر چلاؤ اور گھوڑے کی سواری کرو ۵؎ اور تمہارا تیر چلانا گھوڑے کی سواری سے مجھے زیادہ پیارا ہے ۶؎ ہر وہ چیز جس سے مرد کھیلے باطل ہے ۷؎ سوا اس کے کہ اپنی کمان سے تیر اندازی کرنے کے اور اپنے گھوڑے کو سکھانے کے اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے کے کہ یہ کھیل برحق ہیں ۸؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد، دارمی نے یہ اور زیادتی کی کہ جو تیر اندازی سیکھ کر بے رغبتی سے اسے چھوڑ دے تو اس نے ایک نعمت تھی جسے چھوڑ دیا فرمایا اس کی ناشکری کی ۹؎	

۱؎ یعنی مجاہد جو تیر کفار پر چلائے تو اس کے ایک تیر کی برکت سے تین مسلمان جنتی ہوجاتے ہیں۔یہاں تین شخصوں سے مراد تین مسلمان ہیں کیونکہ کافر جنت میں نہیں جاسکتا،آج جہاد میں امریکہ روس وغیرہ کے اسلحہ استعمال کیے جائیں تو امریکی عیسائی یا روسی وغیرہ اس سے جنتی نہیں ہوسکتے۔یہ اسلام کی قید اگلے مضمون سے بھی ظاہر ہے اور تیر سے مراد مرد مجاہد کا تیر ہے نہ کہ شکار کا تیر۔

۲؎ یعنی کاریگر تیر ساز ثواب کا جب مستحق ہے جب کہ جہاد کی نیت سے تیر بنائے صرف تجارت کی نیت نہ ہو ہر جگہ نیت کو بڑا دخل ہے۔

۳؎ جو راہ خدا میں تیر چلائے خواہ جہاد کی حالت میں یا تیر اندازی کی حالت میں کہ یہ مشق جہاد کی تیاری کے لیے ہے۔

۴؎ منبل باب تفعیل سے ہے یا افعال سے اسم فاعل،نبل سے بنا بمعنی تیر انبال یا نبیل کے معنی ہیں تیر دینا تیر انداز کو یا تیر چلاتے وقت یا نشانہ پر لگنے کے بعد اٹھا کر لانا،اسے دینا،تیر خواہ اس دینے والے کی ملکیت ہو یا تیر انداز کی یا کسی تیسرے کی۔اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کی مدد کرنا بھی نیکی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقْوٰی"اسی طرح گناہ کی مدد گناہ ہے،رب فرماتاہے:"وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔

۵؎ یعنی صر ف پیدل تیر اندازی کی مشق نہ کرو بلکہ سواری پر تیر چلانا بھی سیکھو یا یہ مطلب ہے کہ صرف تیر اندازی کی مشق نہ کرو بلکہ گھوڑ سواری بھی سیکھو اب اس زمانہ میں بندوق چلانا،نیزہ بازی کرنا،ہوائی جہازرانی کی مشق،توپ سے گولہ اندازی سیکھنا بہ نیت جہاد اسی حکم میں ہے۔

۶؎ شارحین فرماتے ہیں کہ یہاں گھوڑا سواری سے مراد نیزہ بازی ہے کہ اکثر گھوڑے پر سے دشمن کو نیزے مارے جاتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ نیز ہ بازی سے تیر اندازی اچھی ہے کہ تیر اندازی جہاد میں زیادہ کام آتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ گھوڑا سواری کی مشق سے تیر اندازی کی مشق مجھے زیادہ پیاری ہے کیونکہ گھوڑا سواری کبھی فخروریا پیدا کردیتی ہے۔(مرقات)

۷؎ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ لہو یعنی کھیل میں دو چیزیں ہوتی ہیں:غفلت اور لذت،غافل کرنے والا ہر عمل باطل ہے مگر لذت والا عمل تفصیل طلب ہے یہاں لہو سے مراد لذت والا عمل ہے۔

۸؎ ان تینوں پر ثواب ملتا ہے کیونکہ تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری سے دین و ایمان کی حفاظت ہے کہ یہ تیاری جہاد ہے اور اپنی بیوی سے کھیلنے چھیڑ کرنے میں مجاہد غازی پیدا کرتا بھی ہے اور اپنی اور اپنی بیوی کی عصمت و عفت کی حفاظت بھی کہ ایسی خوش طبعی کرنے والا جوڑا ان شاءاللہ غیر عورت یا غیر مرد کی طرف رخ نہیں کرتا،بعض مردوں کی بیویاں خوبصورت ہوتی ہیں مگر وہ بدصورت رنڈیوں کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں،کیوں،اس لیے کہ ان کی بیویوں کو زینت و لہو نہیں آتا ورنہ رنڈی میں کیا چیز ہے جو اپنی حلال زوجہ کے پاس نہیں۔دل لبھانا ایسے موقعہ پر عبادت ہے،قربان جائیے اس تعلیم کے جس نے مسلمانوں کے گھر اور میدان جہاد دونوں بتادیئے یعنی جسے یہ فن آتے ہوں پھر وہ ان کی مشق چھوڑ دے جس کی وجہ سے وہ بھول جائے تو اس نے رب تعالٰی کی نعمت کی ناقدری کی اور وہ ناشکری کا مرتکب ہوا لہذا گنہگار ہوگا جیسے کوئی قرآن مجید حفظ کرکے بھول جائے سستی کی وجہ سے یوں ہی دینی علم حاصل کرکے بھول جانا بھی گناہ ہے جب کہ اپنی سستی کی وجہ سے ہو نعمت کی قدر چاہیے۔

	روایت ہے ابو نجیح سلمی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے اللہ کی راہ میں تیر پہنچایا تو وہ اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہے ۲؎ اور جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا تو اس کے لیے آزاد کیے ہوئے کے برابر ہے ۳؎ اور جو اسلام میں بوڑھا ہوا تو اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا ۴؎ بیہقی شعب الایمان اور ابوداؤد نے پہلی فصل روایت کی ۵؎ اور نسائی نے پہلی اور دوسری ۶؎ اور ترمذی نے دوسری اور تیسری ۷؎ اور ان بیہقی اور ترمذی کی روایات میں ۸؎ بجائے فی الاسلام کے یوں ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جوان ہوا ۹؎

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن عتبہ ہے،چوتھے مسلمان ہیں،اسلام لاکر اپنی قوم بنی سلیم میں لوٹ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا تھا کہ جب تم کو ہماری ہجرت کی خبر ملے تو ہمارے پاس آجانا۔چنانچہ آپ اپنی قوم ہی میں رہے،فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور مدینہ پاک ہی میں مقیم رہے،حضور کی بارگاہ میں مقبول تھے،آپ کے بقیہ حالات پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یعنی جو شخص کفار پر صرف تیر پھینک دے خواہ لگے یا نہ لگےتو بھی اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔معلوم ہوا کہ تیر پھینکنے سے تیر مارنا افضل ہے۔

۳؎ یعنی جو مسلمان ہوکر جئے گھر میں یامیدان جہاد میں یعنی جوانی بڑھاپا اسلام میں گزرے تو یہ نور حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔معلوم ہوا کہ پرانا مسلمان نو مسلم سے اس جہت سے افضل ہے۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ سر داڑھی سے سفید بال نہ اکھیڑے کہ یہ نور ہے۔ایک دفعہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے آئینہ دیکھا اپنے سر اور داڑھی میں سفید بال دیکھ کر فرمایا ظھر الشیب ولم یذھب العیب یعنی شیب(بڑھاپا)تو آگیا مگر عیب نہیں گئے۔(مرقات)

۵؎ یعنی حدیث کا پہلا فقرہ درجة فی الجنة تک نقل فرمایا۔

۳؎ یعنی نسائی نے پہلا جملہ فی الجنة تک بھی روایت کیااور تیسرا جملہ من شاب شیبةً روایت فرمایا،دوسرا جملہ روایت نہ کیا ومن رمی الخ۔

۴؎ یعنی ترمذی نے پہلا جملہ روایت نہ کیا من بلغ باقی دوفقرے روایت فرمائے۔

۵؎ خیال رہے کہ روایتھما کی ضمیر ترمذی و نسائی کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے کیونکہ اس نے تیسرا فقرہ روایت ہی نہیں کیا اوریہ مضمون تیسرے فقرے کا ہے۔

۶؎ یعنی بیہقی کی ایک روایت میں تو تیسرے فقرے میں فی الاسلام ہے اور دوسری روایت میں بجائے فی الاسلام کے فی سبیل اللہ ہے لہذا یہاں یہ اعتراض نہیں کہ ابھی تو صاحبِ مشکوۃ بحوالہ بیہقی فی الاسلام روایت کرچکے ہیں اب بیہقی کی روایت سے ہی فی سبیل اللہ فرمارہے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے سبقت پر مال ۱؎ مگر تیر یا اونٹ یا گھوڑے میں ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ سبق ب اور ق کے فتحہ سے وہ مال جو آگے نکل جانے والے کو دیا جائے یعنی مالی شرط لگانا کہ جیتنے والا ہارنے والے سے اتنا مال لے یہ تمام مقامات میں تو حرام ہے کہ جوا ہے مگر ان تین چیزوں میں جائز ہے کہ یہ تیاری جہاد کا ذریعہ ہے اس سے مجاہد کو تیاری جہاد کا شوق پیدا ہوتا ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی تیاری جہاد کے لیے مسلمان آپس میں مقابلتًا تیر اندازی کریں اور شرط یہ ہو کہ اگر میرا تیر پیچھے رہ جائے وہ اتنی رقم آگے تیر والے کو دے،یوں ہی اونٹ یا گھوڑوں کی دوڑکرنا مالی شرط پر کہ پیچھے رہ جانے والا اتنی رقم آگے والے کو دے یہ جائز ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ تیر اندازی میں پتھر پھینکنا اور گھوڑ دوڑ میں خچروں گدھوں کی دوڑ اور خود اپنی

دوڑ بھی داخل ہے کہ جہاد کی تیاری کے موقعہ پر ان چیزوں میں مقابلہ کرنا جائز ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ ان چیزوں میں دو طرف مالی شرط حرام ہے کہ جوا ہے لہذا اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ تیسرا شخص مال رکھے اور کہے کہ جو آگے بڑھ جائے اسے یہ مال ملے گا یہ جائز ہے کہ یہ جوا نہیں انعام ہے،یا فریقین میں سے ایک شخص کہے کہ اگر تو مجھ سے آگے بڑھ گیا تو تجھے اتنا مال میں دوں گا لیکن اگر میں تجھ سے آگے نکل گیا تو تجھ سے کچھ نہ لوں گا یہ بھی جائز ہے کہ یہ بھی انعام ہے جوانہیں،باقی کبوتروں کتوں وغیرہ کے مقابلہ میں یہ بھی حرام ہے کہ بدعت ہے۔(اشعۃ اللمعات)لہذا اس حدیث کی بنا پر آج کل کی مروجہ ریس وغیرہ کو جائز نہیں کہا جاسکتا کہ یہ خالص جوا ہے اور حرام ہے۔دو طرفہ مالی شرط کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ تیسرا گھوڑا بیچ میں داخل کردیا جائے جسے محلل کہتے ہیں اس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کرے[1]تو اگر وہ پیچھے رہ جانے سے مطمئن ہو تو اس میں بھلائی نہیں اور اگر پیچھے رہ جانے سے امن نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں[2]شرح سنہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو دو گھوڑوں کے درمیان گھوڑا داخل کرے مطلب یہ ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے سے امن میں نہ ہو تو وہ جوا نہیں اور جو گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کرے اور پیچھے رہ جانے سے امن میں ہو تو وہ جوا ہے[3]	

[1] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی ایک صورت کی شرح ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلًا زید اورعمر اپنے گھوڑے مقابلہ میں دوڑا رہے ہیں تو بکر نے بھی ان کے درمیان اپنا گھوڑا کھڑا کردیا اور شرط یہ ٹھہری کہ اگر بکر کا گھوڑا نصب العین حد پر پہلے پہنچ گیا پھر زیدوعمر کے گھوڑے ایک ساتھ یا آگے پیچھے وہاں پہنچے تو بکر ان دونوں سے سو سو روپیہ لے گااور اگر زید و عمر کے گھوڑے ایک ساتھ وہاں پہلے پہنچ گئے پھر تیسرا گھوڑا بکر کا پہنچا تو کسی کو کچھ نہ ملے گا اور اگر زید عمر کے گھوڑوں میں سے کسی کا گھوڑا پہلے پہنچ گیا پھر دوسرا گھوڑا بکر کے گھوڑے کے ساتھ یا آگے پیچھے پہنچے تو یہ اگلے گھوڑے والا یہ پوری رقم دو سو روپیہ پر قبضہ کرے گا اور اگر بکر کا گھوڑا اور اس کے ساتھ پہلے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ایک ساتھ پہلے پہنچے پھر ایک گھوڑا بعد میں پہنچا تو وہ دونوں اگلے گھوڑے والے اس رقم پر قبضہ کرلیں یہ جائز ہے کہ اب جوا نہ رہا۔(مرقات)

[2] یعنی اگر اس تیسرے شخص بکر کو یقین ہے کہ میرا گھوڑا ان دونوں سے آگے نکلے گا کہ یہ تیز ہے وہ دونوں سست تو اس مال کا لینا بکر کو بہتر نہیں اور اگر مشکوک معاملہ ہو تو مال اسے حلال ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں دونوں فریقوں کا مالی شرط لگانا ہار جیت مقرر کرنا جوا اور حرام ہے لیکن جب تیسرا آدمی ان میں اپنا گھوڑا شامل کردے جو مال نہ

دے اور اسے اپنے اس گھوڑے کے جیتنے کا یقین بھی نہ ہو شک میں ہو کہ نہ معلوم جیتے یا ہارے تو وہ دونوں فریق مالی ہار جیت طے کرسکتے ہیں اور وہ عمل جوا نہ رہے گا۔اس تیسرے گھوڑے کو شریعت میں محلل کہتے ہیں یعنی اس عمل یا اس مال کو حلال کرنے والا اب جیت و ہار کی چار پانچ صورتیں ہوگئیں جو ابھی عرض کی گئیں۔

۳؎ یہاں ان یسبق معروف بھی ہوسکتا ہے اور مجہول بھی یعنی اس کے آگے رہنے کا امن و اطمینان ہو یا پیچھے رہ جانے سے امن ہو۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ڈانٹ ڈپٹ ہے نہ ساتھ میں گھوڑا رکھنا ۲؎ یحیی نے اپنی حدیث میں یہ زیادتی کی کہ گھوڑ دوڑ میں ۳؎ ابوداؤد،نسائی اور اسے ترمذی نے کچھ زیادتی کے ساتھ باب الغصب میں روایت کیا ۴؎

۱؎ آپ کے حالات بار بار بیان ہوچکے،آپ وہ ہی صحابی ہیں جو تیس سال بیمار رہے اور اس بیماری پر صابر و شاکر رہے،آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔

۲؎ یعنی گھوڑ دوڑ میں دونوں فریق یا ایک فریق نہ جلب کرے نہ جنب یہ دونوں لفظ کتاب الزکوۃ میں گزر چکے ہیں مگر وہاں ان کے اور معنی تھے یہاں جلب کے معنی ہیں اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا اور شور مچا کر ڈانٹ کر اس دوڑ والے گھوڑے کو تیز کرنا۔اور جنب کے معنی ہیں اس دوڑنے والے گھوڑے کے ساتھ اور گھوڑا رکھنا اگر راہ میں وہ گھوڑا تھک جائے تو اس دوسرے کو بازی میں لگادیاجائے۔چاہیے یہ کہ دوڑ کی حالت میں گھوڑوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ خود اپنی مرضی و طاقت سے دوڑیں جو آگے نکل جائے وہ جیتے۔لفظ فی الرھان یا تو حضور انور کا ہی فرمان عالی ہے یا کسی راوی کا ہے جو حدیث کی تفسیر کے لیے بولا گیا یعنی جلب اور جنب گھوڑ دوڑ میں ممنوع ہے اور جگہ نہیں۔

۴؎ ترمذی نے وہاں زیادتی یہ فرمائی ہے ولاشغار فی الاسلام ومن انتھب نھبة فلیس منا یعنی اسلام میں شغار(مقابلہ کا نکاح بغیر مہر)نہیں اور جو لوٹ مچائے وہ ہم میں سے نہیں،یہ حدیث نسائی نے بھی بروایت حضرت انس نقل فرمائی۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بہترین گھوڑا سیاہ رنگ کا ہے سفید پیشانی والا ناک سفید والا ۱؎ پھر سفید پیشانی والا پانچ کلیان،داہنا پاؤں خالی پھر اگر کالا نہ ہو تو اس صفت کا سرخ رنگ والا۔(ترمذی،دارمی)

۱؎ ادھم تیز سیاہ،اقرح وہ گھوڑا جس کی پیشانی پر کچھ سفیدی ہو،ارثم وہ گھوڑا جس کی ناک یا اوپری ہونٹ سفید ہو،جس گھوڑے میں یہ تین وصف جمع ہوں وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ہے۔غالبًا ایسا گھوڑا طاقتور بہادر اور وفادار ہوتا ہوگا یا کوئی اور وجہ ہوگی۔

۲؎ یعنی اگر گھوڑے میں یہ مذکورہ تین وصف نہ ہوں تو پھر ایسا ہو کہ پیشانی پر سفید داغ،پاؤں سفید اور سیدھا ہاتھ یا سیدھا پاؤں غیر سفید۔محجل وہ گھوڑا ہے جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں کم یا زیادہ بشرطیکہ گھٹنوں تک سفیدی نہ ہو اس سے کم ہو۔

۳؎ یعنی اگر سیاہ گھوڑے میں یہ اوصاف جمع نہ ہوں تو سرخ گھوڑا ہی اچھا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں۔کمیت وہ گھوڑا ہے جس کی دم سیاہ باقی جسم سرخ ہو مگر سرخ کو بھی کمیت کہتے ہیں نر ہو یا مادہ یہ لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے،شیہ کے معنی رنگ بھی ہیں اور علامت بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے"لَاشِيَةَ فِيْهَا"۔

روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم اختیار کرو ہر سرخ پنج کلیان سفید پیشانی والا یا صاف سرخ پنج کلیان ۲؎ یا کالا پنج کلیان ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کی کنیت ہی نام ہے،جشم ابن معاویہ کی اولاد میں ہیں اس لیے آپ کو جشمی کہا جاتا ہے۔

۲؎ تیز سرخ گھوڑے کو کمیت کہتے ہیں اور ہلکے سرخ کو اشقر۔اغر کے معنی ہیں چمکدار،اب سفید پیشانی والے گھوڑے کو اغر کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی چمکتی ہے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بہتر تو وہ گھوڑا ہے جس کا رنگ تیز سرخ ہو پیشانی سفید چمکدار ہاتھ پاؤں سفید،پھر وہ گھوڑا جس کا رنگ ہلکا سرخ ہو پیشانی چمکدار ہاتھ پاؤں سفید،پھر وہ گھوڑا جس کا رنگ سیاہ ہو پیشانی چمکیلی ہاتھ پاؤں سفید۔خیال رہے کہ پچھلی حدیث میں ادھم یعنی سیاہ کو کمیت یعنی سرخ پر مقدم رکھا گیا تھا یہاں اس کے برعکس ہے کہ سرخ کو سیاہ پر مقدم فرمایا وہاں وہ کالا مراد تھا جو اقرع بھی ہو ارثم بھی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گھوڑے کی مبارکی صاف سرخی میں ہے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی سرخ گھوڑا بڑا مبارک ہے کہ اس کی بدولت گھر میں،ایمان میں،اعمال میں،مال میں،اولاد میں برکت رہتی ہے جب کہ یہ جہاد کے لیے ہو۔

روایت ہے حضرت عتبہ ابن عبد سلمی سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تو گھوڑے کی پیشانی کے بال کاٹو ۱؎ نہ گردن کے بال اور نہ ان کی	

	دم کیونکہ ان کی دم ان کے مور چھل(پنکھے) ہیں ۲؎ اور ان کی گردن کے بال ان کے کمبل ہیں ۳؎ اور ان کی پیشانی کے بالوں میں خیر وابستہ ہے ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ **لاتقصوا قص** سے بنا بمعنی قینچی یا چاقو سے کاٹنا یعنی گھوڑے کی گردن اور پیشانی کے بال رہنے دو انہیں نہ کاٹو اس حکم کی وجہ آگے ارشاد ہورہی ہے۔

۲؎ جن کے ذریعہ گھوڑے اپنے جسم سے مکھی مچھر اڑاتے ہیں،دم کی حرکت سے وہ تندرست بھی رہتے ہیں اس سے حسین بھی معلوم ہوتے ہیں۔

۳؎ جن کے ذریعہ ان کے جسم گرم رہتے ہیں اور اس گرمی سے تندرست رہتے ہیں اور اس گرمی سے ان کی تندرستی قائم رہتی ہے۔**دفاء** وہ کمبل جسے اوڑھا کر کسی کو گرمی پہنچائی جائے۔(مرقات وغیرہ)

۴؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دینی و دنیاوی چیز کا علم بخشا ہے،دیکھو دم کا مور چھل ہونا،گردن کے بالوں کا کمبل ہونا یہ دنیاوی چیزیں ہیں اور پیشانی کے بالوں میں بھلائی ہونا یہ دینی چیز ہے حضور کو دونوں معلوم ہیں،یونہی گھوڑے کے حالات کا علم ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں اس فن میں مہارت ہو آج لوگ بہت محنت سے گھوڑوں کے ماہر بنتے ہیں رب تعالٰی نے سب کچھ خود ہی حضور کو سکھادیا ہے۔حضرات انبیاء کرام کے علوم صرف دین سے محدود نہیں ہوتے دنیا و دین ہر ایک پر حاوی ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گھوڑا پالو ۱؎ اور اس کی پیشانی کے بالوں اور ان کی پچھاڑی یا فرمایا ان کی سیرین پر ہاتھ پھیرو ۲؎ اور انہیں ہار پہناؤ ۳؎ اور تانت کے ہار نہ پہناؤ ۴؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ بہ نیت جہاد اور بہ نیت خدمت دین آج کل امن کے زمانہ میں بھی مسلمان اس لیے گھوڑے پالے کہ اگر کبھی اللہ نے موقعہ دیا تو اس پر جہاد کروں گا۔مسلمانوں کی خدمت کروں گا یا یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو ان شاء اللہ ثواب ملے گا۔

۲؎ **اعجاز** جمع ہے **عجز** کی بمعنی پچھلا حصہ اور **اکفال** جمع ہے **کفل** کی،کاف کے فتحہ سے بمعنی سرین چوتڑ یہاں دونوں لفظوں سے مراد سرین ہیں۔یعنی گردو غبار سے پاک و صاف رکھنے کے لیے ان کے تمام جسم خصوصًا سرین پر ہاتھ کپڑا کھریرا پھیرتے رہو اور انہیں ملتے ولتے رہو،اب بھی گھوڑے والے خصوصًا عرب گھوڑوں کی بہتر خدمت کرتے ہیں،انہیں اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں،گھوڑے کی طرح وفادار جانور کوئی نہیں یہ جنگ وغیرہ خطرناک موقعوں پر مالک کو بچانے کے لیے اپنی جان دے دیتا ہے بعض موقعہ پر اپنے سوار کو حیران کن طریقہ سے دشمن کے نرغہ سے نکال لاتا ہے۔

۳؎ یعنی گھوڑوں کی گردن میں موتی منکوں پھولوں وغیرہ کے خوبصورت ہار باندھو کہ گھوڑوں کے حسن سے دین کی رونق ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دینی چیزوں کو آراستہ کرنا سنت سے ثابت ہے،مسجدیں سجانا،قرآن مجید پر اعلیٰ غلاف چڑھانا،علماء کا اچھا لباس پہننا،کعبہ معظّمہ کو قیمتی غلاف پہنانا،روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاندار پردے ڈالنا،بزرگوں کی خانقاہوں اور اولیاء اللہ کے مزارات پر زینت کرنا،مزارات اولیاء پر چادر ڈالنا سب کچھ اسی لیے ہے کہ ان سے دین کی شان ہے یہ سب چیزیں اس حدیث سے بھی ماخوذ ہیں۔مزارات کی چادروں کو علامہ ابن عابدین نے شامی شریف میں مستحب فرمایا ہے،عوام کی قبور جن سے رونق دین وابستہ نہیں ان پر تکلفات نہ کیے جائیں کہ محض عبث ہیں۔غازی لوگ تلواروں،بندوقوں،توپوں کو ہار پہناتے ہیں،خود میں نے جہاد کشمیر کے موقعہ پر پٹھانوں اور فوجیوں کو دیکھا ہے جب کہ پاکستان نیا نیا بنا تھا اور کشمیر میں جنگ لڑی جارہی تھی،ان چیزوں کو حرام کہنا حماقت ہے۔

۴؎ کیونکہ تانت سے گردن کٹتی ہے گھوڑے کو تکلیف ہوتی ہے یا اس لیے کہ کفار کا عقیدہ تھا کہ تانت گلے میں باندھنے سے گھوڑے کو نظر نہیں لگتی تو یہ عمل ان سے تشبیہ ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مامور تھے ۱؎ حضور نے ہم کو کسی چیز سے خاص نہ فرمایا لوگوں کے بغیر سوا تین چیزوں کے ۲؎ ہم کو حکم دیا کہ ہم وضو پورا کریں ۳؎ اور صدقہ نہ کھائیں ۴؎ اور گھوڑی پر گدھا نہ چڑھا جائیں ۵؎(ترمذی،نسائی)	

۱؎ اس طرح کہ آپ کے اقوال اعمال احوال بلکہ میلان طبیعت خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا نفسانی یا شیطانی طرح پر نہ تھا اس لیے حضور کی کسی چیز پر اعتراض کفر ہے حتی کہ انبیاء کرام کی خطائیں بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں جن پر مخلوق کو لاکھوں عطائیں ملتی ہیں،دیکھو ہماری تفسیر نعیمی۔رب فرماتا ہے:"یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ" آپ کا ہر قول و عمل رجحان طبیعت تبلیغ ہے دیکھو مرقات۔

۲؎ یعنی ہم اہل بیت نبوت کو بھی وہ احکام دیئے جو عام مسلمانوں کے دیئے سواء ان تین حکموں کے جو ابھی بیان ہورہے ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ مبالغہ اور بہت احتیاط سے وضو کرنا عام مسلمانوں کے لیے مستحب ہے مگر ہم اہل بیت کے لیے فرض ہے یہ فرضیت اہل بیت کی خصوصیت ہے۔(مرقات)

۴؎ اس طرح بنی ہاشم خصوصًا اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ و فطرہ نذر وغیرہ واجب صدقے نہیں لے سکتے اگرچہ غریب ہوں حتی کہ زکوۃ کا عامل اگر غنی بھی ہو تو زکوۃ سے اسے تنخواہ دی جائے گی لیکن اگر عامل سید ہو تو اسے زکوۃ سے اجرت بھی نہیں دے سکتے یہ ہے اس پاک و صاف نسب کی طہارت و نجابت۔شعر

ہے صدقہ میل پھر اس پاک و ستھرے کو روا کیوں ہو کہ دنیا کھارہی ہے جس کے آل پاک کا صدقہ

۵؎ یعنی ہم اہل بیت خچر نہ بنائیں۔خیال رہے کہ خچر بنانا بلاوجہ عوام کے لیے مکروہ ہے حضور کی اولاد کے لیے حرام ہے کیونکہ خچر بنانے میں اول تو نسل کشی ہے کہ خچر کی نسل نہیں چلتی۔دوم اعلیٰ سے ادنی حاصل کرنا ہے کہ گھوڑا اعلیٰ ہے خچر ادنی اسی لیے جہاد میں غازی کے گھوڑے کا تو حصہ ہوتا ہے اس کے خچر کا حصہ نہیں ہوتا مگر چونکہ کبھی خچر بھی کام آتا ہے اس لیے خچر بنانا امت کے لیے حرام نہیں مگر اہل بیت اطہار کے لیے بہت حرام۔اس حدیث میں روافض کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باطنی علوم اہل بیت اطہار کو دے گئے جن کی خبر دوسروں کو نہیں حتی کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی انہیں کے پاس رہا۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایک خچر ہدیۃً پیش کیا گیا تو حضور اس پر سوار ہوئے ۱؎ تو حضرت علی نے عرض کیا ہم بھی گدھے کو گھوڑی پر چڑھایا کرتے تو ہمارے پاس بھی اس جیسے جانور ہوجاتے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے نہیں ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ اس خچر کا نام دلدل تھا جو شاہ اسکندریہ مقوقس نے حضور انور کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا اور حضور نے اس پر سواری فرمائی۔(اشعہ)

۲؎ کیونکہ خچر مضبوط جانور ہے اس سے بہت دشوار کام بھی بہ آسانی ہوجاتے ہیں اور یارسول اللہ یہ آپ کو مرغوب بھی ہے کہ حضور نے اس پر سواری فرمائی ہے۔

۳؎ یعنی جو لوگ احکام شرعی سے ناواقف ہیں وہ یہ کام کرتے ہیں۔خیال رہے کہ خچر بنانا معززین کو جائز نہیں مگر خچر پر سواری کرنا اس سے کام لینا بلاکراہۃً جائز ہے جیسے جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں مگر بنی ہوئی تصویر کا فرش یا بستر میں استعمال بالکل جائز ہے،رب تعالٰی نے خچر کا ذکر اپنے انعامات کے سلسلہ میں کیا کہ فرمایا:"وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)	

۱؎ **قبیعه** بروزن **سیکنه** تلوار کے قبضہ کا کنارہ جو پکڑتے وقت مٹھی سے باہر رہتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلوار وغیرہ کو چاندی سے آراستہ کرنا جائز ہے،بعض علماء نے اس حدیث کے بناء پر فرمایا کہ گھوڑے کی کاٹھی اور زین کو چاندی سے آراستہ کرسکتے ہیں،بعض علماء نے اس کا انکار فرمایا،وہ فرماتے ہیں کہ تلوار اور چیز ہے کاٹھی دوسری چیز،کاٹھی میں چاندی استعمال کرنا جانور کو آراستہ کرنا ہے۔(مرقات)

روایت ہے ہود ابن عبداللہ ابن سعد سے وہ اپنے دادا	

	مزیدہ سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن حالانکہ آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ھودھ کے پیش واؤ کے سکون سے ہے حضرت ہود نبی کے نام پر نام ہے،بعض نسخوں میں ہوذہ ذال کے ساتھ ہے یہ صحیح نہیں مزیدہ بروزن مسعدہ حضرت ہود کے نانا ہیں صحابی ہیں اور ہود تابعی ہیں بعض نے مزیدہ بروزن **سبعیہ** کہا۔(مرقات)

۲؎ یعنی جب حضور انور فتح مکہ کے دن مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو آپ کی تلوار میں سونے چاندی کا زیور تھا۔اسی حدیث کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تلوار میں سونے کا زیور بھی جائز فرمایا مگر یہ درست نہیں اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔حق یہ ہے کہ تلوار میں سونے کا استعمال حرام ہے۔(اشعہ ومرقات)استیعاب میں فرمایا کہ یہ حدیث مزیدہ کی اسناد قوی نہیں بہرحال اس سے استدلال درست نہیں۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے دن دو زرہیں تھیں کہ جن کے درمیان اجتماع فرمایا تھا ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ بہت کم عمر صحابہ میں سے ہیں،چنانچہ آپ کی پیدائش ۲ھ میں ہے،آپ کی کنیت ابو یزید ہے،کندی ہیں،اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے،اس وقت آپ کی عمر صرف سات سال تھی،۸۰ھ میں وفات پائی آپ کے والد یزید ابن سعید ہیں۔

۲؎ **ظاھر** بنا ہے **مظاھرۃ** سے **وتظاھر** سے جس کے معنی ہیں تعاون یعنی ایک دوسرے سے مدد لینا،چونکہ غازی زرہ سے جہاد ہی میں مدد لیتا ہے اس لیے زرہ کے استعمال کو **تظاھر** یا **مظاھر** کہہ دیتے ہیں یہاں جمع کرنا مراد ہے یعنی حضور انور نے احد کے دن دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں کہ اوپر والی کو ظہار(ابرہ)بنایا تھا نیچے والی کو بطانہ(استر)اس میں حضور انور کی کمال شجاعت کا ذکر ہے کیونکہ زرہ بہت بھاری ہوتی ہے دو زرہ پہن کر چلنا پھرنا جہاد کرنا آسان نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کا استعمال توکل کے خلاف نہیں،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدا لمتوکلین ہیں پھر بھی ہتھیار زرہ وغیرہ استعمال فرماتے ہیں،زرہ لوہے کا لباس ہے قمیص کی طرح اس سے تلوار وغیرہ اثر نہیں کرتی۔

	روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھندا سیاہ اور آپ کا چھوٹا جھنڈا سفید تھا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ **رایۃ** بنا ہے رای سے بمعنی دیکھنا دکھانا اور **لواء** بنا ہے **لوی** سے بمعنی لپیٹنا یا گاڑنا،اصطلاح میں چھوٹے جھنڈے کو لواء کہتے ہیں جو کبھی خود لڑنے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور بڑے جھنڈے کو **رایۃ** کہا جاتا ہے جو لشکر جرار کا نشان ہوتا

ہے اور اس کے برعکس بھی استعمال ہوتا ہے یعنی چھوٹا جھنڈا رایۃ اور بڑا جھنڈا لواء یہاں پہلے معنی میں حضور کے بڑے جھنڈے کا نام رایۃ تھا اسے ام اطرب بھی کہتے تھے،اکثر لواء بڑے جھنڈے کو بولتے ہیں ولواءالحمد یومئذٍ بیدی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ ہوگا،سیاہ سے مراد بھلسا ہے تیز سیاہ نہیں،دیکھو مرقات واشعہ۔

روایت ہے حضرت موسیٰ ابن عبیدہ سے جو محمد ابن قاسم کے مولیٰ ہیں ۱؎ فرماتے ہیں مجھے محمد ابن قاسم نے براء ابن عازب کے پاس بھیجا ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے جھنڈے کے متعلق دریافت کرنے کے لیے تو فرمایا وہ سیاہ رنگ کا چوکھٹا تھا اون کا ۳؎(احمد ،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ زہدی ہیں،تابعین میں سے ہیں،بہت سے محدثین نے آپ کو ضعیف فرمایا ہے،بعض نے آپ کی توثیق کی ہے اور محمد بن قاسم بھی تابعی ہیں،آپ کا لقب خلاء عنبری ہے،کنیت ابوالغیار،جعفر منصور کے آزاد کردہ غلام ہیں،رہواز میں پیدا ہوئے،بصرے میں قیام رہا۔

۲؎ کہ حضور کا جھنڈا کس قسم اور کس رنگ کا ہوتا تھا ان حضرات کا یہ عشق رسول تھا کہ حضور کے ہر حال ہر ادا کی تحقیق کرکے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

۳؎ نمرہ عربی میں چیتے کو کہتے ہیں کیونکہ اکثر وہ رنگ برنگا ہوتا ہے اس لیے اب رنگ برنگے اونی کپڑے کو بھی کہنے لگے نمرہ اونی چادر جو اکثر بدوی لوگ پہنتے ہیں،لہذا یہاں سیاہ سے مراد سیاہ دھاری والا ہے جس میں سفید دھاریاں بھی ہوں۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم مکہ میں تشریف لائے حالانکہ آپ کا جھنڈا سفید تھا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس کا ذکر پہلے ہوچکا کہ لواء سے مراد یا تو چھوٹا جھنڈا ہے جو ہر قوم کا الگ تھا مہاجرین کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا یا بڑا جھنڈا مراد ہے جو لشکر کا نشان تھا۔ظاہر یہ ہے کہ وہ جھنڈے بالکل سادہ تھے ان پر کوئی نشان یا تحریر نہ تھی،بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تھا۔واللہ اعلم! اب سلطنتوں کے جھنڈوں پر عموماً تحریر تو نہیں ہوتی مگر کچھ خصوصی نشان ہوتے ہیں اور مخصوص رنگ جیسے ہمارے پاکستان کے جھندے کا رنگ سبز اور سفید ہے نشان چاند تارا مگر تحریر کوئی نہیں اللہ تعالٰی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے صدقہ میں ہمارا پاکستان اسلامستان بن جائے اس کا جھنڈا ہمیشہ بلندوبالا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد گھوڑے سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہ تھی ۱؎(نسائی)	

۱؎ گھوڑے سے مراد جہاد کے لیے تیار کیے ہوئے گھوڑے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں گھوڑوں سے مراد خود جہاد ہی ہے۔خیال رہے کہ اپنی بیوی سے محبت کمال تقویٰ کی دلیل ہے اور جہاد سے محبت کمال ایمان کی دلیل،اپنی بیوی سے وہ ہی محبت کرے گا جو غیرعورت کی طرف مائل نہ ہوگا اور جہاد سے اس کو محبت ہوگی جسے ترقی اسلام خدمت خلق کا جذبہ میسر ہوگا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی قوت مردمی عطا ہوئی تھی پھر نو بیویوں پر صبر فرمانا یہ حضور کا کمال تھا۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف میں عربی کمان تھی ۱؎تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں فارسی کی کمان ہے ۲؎فرمایا یہ کیا ہے اسے پھینک دو اور اسے ان جیسی چیزوں کو اختیار کرو ۳؎اور کامل ہے نیزہ ۴؎یہ ہیں وہ چیزیں کہ اللہ تعالٰی ان کے ذریعے دین کو قوت دے گا اور تم کو شہروں میں قبضہ دے گا ۵؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی ملک عرب کی بنی ہوئی عربی گھوڑا بمعنی تلوار عربی کمانیں بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھیں۔

۲؎فارسی کمان سے مراد عجمی کمان ہے۔عرب کے پانچ صوبوں کا نام ہے حجاز،عراق،نجد،یمن،بحرین ان پانچ صوبوں کے سوا تمام ممالک عجم ہیں۔

۳؎یعنی عربی تلواریں،عربی ڈھالیں،عربی سامان جنگ استعمال کرو کہ یہ اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔

۴؎ قنا جمع ہے قناۃ کی بمعنی نیزہ اور رماح کے معنی بھی ہیں نیزہ،تو یہ اضافت اپنی نفس کی طرف ہے جس سے کمال کے معنی پیدا ہوئے جیسا کہا جاتا ہے یہ مردوں کا مرد ہے یعنی کامل و بہادر مرد ہے ایسے اس کے معنی ہوئے نیزوں کا نیزہ کامل نیزہ اس سے مراد عربی نیزہ ہے۔

۵؎یعنی ان شاءاللہ تم لوگ عربی ہتھیاروں کے ذریعہ بہت سے ملک فتح کرو گے،حضور کا یہ وعدہ سچا ہوا کہ صحابہ کرام نے ان ہی تلواروں،تیروں کمانوں کے ذریعہ قیصروکسریٰ کے ملک فتح کیے شام و روم وغیرہ پر قبضے کیے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سواء عربی نیزوں وتلواروں کے کبھی کسی کا کوئی ہتھیار نہ استعمال کرنا یہ حکم اسی زمانہ کے لیے ہے۔

باب آداب السفر

باب سفر کے آداب وطریقے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ جہاد میں اکثر سفر بھی کرنا پڑتا ہے اس لیے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کے بیان میں سفر کے احکام بھی بیان کیے۔آداب جمع ہے ادب کی بمعنی طریقہ پسندیدہ۔سفر مقابل ہے حضر کا اس کے لغوی معنی ہیں ظاہر ہونا روشن ہونا اس لیے صبح کے اجالے کو اسفار کہا جاتا ہے،چونکہ سفر کے ذریعہ دوسرے شہروں ملکوں کے حالات ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اسے سفر کہتے ہیں۔آداب سے مراد مطلقًا طریقے سفر ہیں خواہ سفر سے پہلے ہوں یا سفر کے دوران میں یا سفر کے بعد اور سفر سے مراد ہر سفر ہے خواہ جہاد کے لیے ہو یا حج کے لیے یا کسی دنیاوی جائز کاروبار کے لیے۔سفر فرض بھی ہے،واجب بھی،مستحب،مکروہ بھی اور حرام بھی جیسا سفر کا مقصد ویسا سفر کا حکم۔چنانچہ فرض حج کے لیے سفر کرنا فرض ہے اور چوری ڈکیتی کے لیے سفر کرنا حرام۔اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کریں۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے ۲؎ اور آپ جمعرات کے دن نکلنا پسند فرماتے تھے ۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ وہ ہی کعب ابن مالک ہیں جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوسکے تھے جس پر آپ کا بائیکاٹ کیا گیا تھا،پھر سورۂ توبہ میں آپ کی توبہ قبول ہونے بائیکاٹ کھلوانے کا ذکر ہے،بڑی ہی شان کے مالک ہیں اللہ تعالٰی نے آپ کو صادقین میں سے فرمایا ہے کہ ہم مسلمانوں کو حکم دیا"کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ"۔

۲؎ تبوک غیر منصرف ہے علمیۃ اور وزن فعل کی وجہ سے۔بوك سے بنا ہے بمعنی پانی کا جوش مارنا لکڑی وغیرہ رہنے کی وجہ سے،شام کے ایک شہر کا نام تبوک ہے۔یہ فقیر تبوک کے اوپر سے ہوائی جہاز سے گزرا،مدینہ منورہ سے خیبر ایک سو ساٹھ میل ہے اور خیبر سے پانچ سو میل تبوک ہے،اس زمانہ میں مدینہ منورہ سے تبوک ایک ماہ کے فاصلہ پر تھا،غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا اور یہ حضور انور کا آخری غزوہ ہے۔(از مرقات) فقیر نے خیبر کی زیارات کی ہیں اب حجاز کی سرحد مقام مان تک ہے،مان تبوک سے تقریبًا دو سو میل ہے اور مان سے مقام عمان تین سو میل ہے،عمان اردن کا دارالخلافہ ہے،عمان سے ۹۸ میل بیت المقدس ہے جسے اب قدس کہتے ہیں بیت المقدس فلسطین میں ہے۔

۳؎یا تو سفر جہاد کے لیے جمعرات پسند فرماتے تھے یا ہر سفر کے لیے۔خیال رہے کہ چند وجوہ سے جمعرات کو سفر کے لیے پسند فرمایا گیا:ایک یہ کہ جمعرات مبارک دن ہے کہ اس میں بندوں کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں،بہتر یہ ہے کہ عملی حج کی ابتداء اس دن سے ہو۔دوسرے یہ کہ جمعرات ہفتہ کا آخری دن ہے۔تیسرے یہ کہ جمعرات جمعہ کا پڑوسی ہے کہ اس کی آمد کی خبر دیتا ہے۔چوتھے یہ کہ جمعرات کو عربی میں خمیس کہتے ہیں تو اس دن روانگی میں نیک فال ہے۔پانچویں یہ کہ جمعرات کو خمیس کہتے ہیں جو خمیس بمعنی پانچ سے بنا ہے اور غنیمت سے اللہ رسول کے لیے خمس ہی نکالا جاتا ہے اللہ تعالٰی خمیس کی برکت سے خمس والی غنیمت عطا فرمائے۔خیال رہے کہ سفر کے لیے ہفتہ ،سوموار اور جمعرات نہایت ہی مبارک ہیں جو کوئی ہفتہ کے دن سورج نکلنے سے پہلے سفر کو نکل جائے ان شاءاللہ کامیاب اور بامراد واپس ہوگا۔(ازمرقات و اشعہ مع زیادۃ)مگر خیال رہے کہ اسلام میں کوئی دن یا کوئی ساعت منحوس نہیں ہاں بعض دن بابرکت ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر لوگ جانتے کہ تنہائی میں کیا نقصان ہیں۱؎تو میں نہیں جانتا کہ کوئی سوار رات کو اکیلا چلتا ۲؎(بخاری)

۱؎دینی و دنیاوی دونوں نقصان۔دینی نقصان تو یہ کہ اکیلا آدمی سفر میں جماعت نہیں کرسکتا۔دنیاوی نقصان یہ کہ اکیلے میں وحشت بھی ہوتی ہے،سفر کے ضروریات بھی پورے نہیں ہوتے،بیماری میں تو بہت ہی تکلیف ہوتی ہے،اگر موت واقع ہوجائے تو کوئی وطن میں خبر پہنچانے والا بھی نہیں ہوتا۔

۲؎یعنی اگر اکیلے سفرکرنے کے نقصانات کما حقہ معلوم ہوں تو پیدل تو کیا سوار بھی اکیلے سفر کرنے کی جرات نہ کرے لہذا اس میں پیدل کو اکیلے سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔خیال رہے کہ اُس زمانہ میں راستے پر امن نہ تھے اکیلے سفر نہایت خطرناک تھا اب ریل ہوائی جہاز موٹروں کی وجہ سے وہ خطرے نہیں ہیں لہذا اب احکام نرم ہوں گے،نیز رات کا اکیلے سفر اس زمانہ میں زیادہ خطرناک تھا وہاں یہ مثل مشہور تھی اللیل اخفی بالویل اس لیے خصوصیت سے رات ہی میں سفر کا ذکر ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فرشتے ان ساتھیوں کے ساتھ نہیں رہتے جن میں کتا ہو اور نہ جن میں جھانجھ ہوا۱؎(مسلم)

۱؎یہاں ساتھیوں سے مراد سفر کے ساتھی ہیں،کتے سے مراد وہ کتا ہے جو شوقیہ رکھا گیا ہو بلاضرورت،شکار یا حفاظت کے کتے کا یہ حکم نہیں۔فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو خصوصیت سے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں خصوصًا غازی حاجی مسافروں کے ہمراہ۔جرس وہ گھنگرو باجہ وغیرہ جو اونٹ گھوڑوں کی گردن میں محض آواز کے لیے باندھے جاویں،ہمارے ہاں یہ مکروہ تنزیہی ہیں،بعض علماء شام فرماتے ہیں کہ چھوٹے گھنگرو جائز ہیں بڑے اور بہت آواز

والے مکروہ،ضرورۃً یہ بھی جائز ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بچی کے پاؤں سے آواز والے جھانجن اتروادیئے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کے پاؤں سے جھانجر اتروادیئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر باجے کے ساتھ شیطان ہے۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھانجھ شیطان کا باجہ ہے ا؎(مسلم)	

ا؎مزامیر جمع ہے مزمار کی یہ زمار سے بنا بمعنی آراستگی آواز،اصطلاح میں ہر باجہ مزمار ہے مگر جھانجھ تو مطلقًا حرام ہے،جھانجھ کے علاوہ دیگر باجے تاشہ نقارہ طبل وغیرہ اگر لہوولعب کے لیے ہوں تو حرام ہیں ضرورۃً جائز ہیں جیسے جہاد میں طبل جنگ،اعلان نکاح کے لیے دف یا تاشہ۔سحری و افطاری کے لیے طبل یا نقارہ بجانا کہ یہ جائز ہیں اس کی کچھ بحث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے،یہاں مرقات نے بھی کچھ بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جھانجھ کی حرمت لعینہٖ دوسرے باجوں کی حرمت لغیرہ۔قوالی اور اس کے ڈھول کا مسئلہ ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو وہاں ہم نے اس کی نفیس بحث کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو بشیر انصاری سے ا؎کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضور کے بعض سفر میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا ہار نہ چھوڑا جائے مطلقًا کوئی ہار نہ چھوڑا جائے مگر وہ کاٹ دیا جائے ۲؎(مسلم،بخاری)	

ا؎آپ کا نام قیس ابن عبید اللہ ہے،کنیت ابو بشیر انصاری مزنی ہیں،یہ تو صاحب مشکوۃ نے اکمال میں فرمایا مگر صاحب استیعاب کہتے ہیں کہ آپ کے نام کی تحقیق نہ ہوسکی آپ کی وفات واقعہ حرہ کے بعد ہوگئی،آپ نے بہت ہی عمر پائی۔

۲؎تانت کا ہار تو اس لیے کٹوادیا کہ تانت سے ہر جانور کی گردن کٹتی ہے اور اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، دوسرے ہار کٹوانے کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ ان ہاروں میں گھونگروں یا جھانجر یا اور بجنے والی چیز باندھی جاتی تھیں جو کہ باجہ ہے اور باجے سے فرشتے رحمت نہیں آتے۔دوسرے یہ کہ جاہلیت کے لوگ یہ ہار جانور سے نظر بد بچانے کے لیے بطور گنڈہ باندھتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہار نظر بد سے بچالیں گے یہ جاہلانہ مشرکانہ عمل تھا۔تیسرے یہ کہ ان ہاروں میں باجہ یا اور آواز دینے والی چیزیں ہوتی تھیں جن کی آواز سے دشمن ان غازیوں کی نقل و حرکت پر مطلع ہوجاتا اس لیے یہ جنگی تدبیر کے خلاف تھا۔چوتھے یہ کہ ہار اونٹ کا گلا گھونٹ دیتے تھے جب وہ درخت سے کچھ پتے توڑنے کے لیے گردن اٹھاتا تھا،بہرحال اس ممانعت میں بہت سی وجہیں ہوسکتی ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ قاصد کے ذریعہ پیغام اونٹ والوں کو بھیجا کہ اپنے اپنے اونٹ کی گردن سے ہار کھول دیں ممکن ہے کہ خود قاصد کو ہی حکم دیا ہو کہ وہ خود ہار توڑ دے۔(ازمرقات)خیال رہے کہ اسماء الٰہیہ یا جائز دعاؤں کے گنڈے کرانا ڈالنا بالکل درست ہے،ناجائز منتروں کے گنڈے حرام ہیں بتوں کے نام کے گنڈے کفر ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سبزی کی سال میں سفر کرو ۱؎ تو اونٹ کو اس کی زمین کا حصہ دو ۲؎ اور جب تم خشکی کی سال میں سفر کرو تو اس پر تیز رفتار کرو ۳؎ اور جب تم رات آرام کرو تو راستہ سے الگ اترو ۴؎ کیونکہ وہ جانوروں کے راستے اور رات میں کیڑے مکوڑوں کے ٹھکانے ہیں ۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم خشک سال میں سفرکرو تو اونٹ کے دبلے ہونے سے جلدی کرو ۶؎ (مسلم)

۱؎ خصب خ کے فتحہ ص کے سکون سے بمعنی ارزانی کا سال یہاں مراد سرسبزی کا زمانہ ہے جب بارشیں مناسب ہوچکی ہوں جنگل ہر بھرے ہوں۔

۲؎ اس طرح کہ تھوڑی تھوڑی دور سفر کرکے اونٹ کو چرنے کے لیے چھوڑ دو کہ وہ بھی زمین کی سبزی کھالے راستہ میں ٹھہرتے اور چراتے ہوئے سفر طے کرو۔

۳؎ راستہ میں بلا ضرورت نہ ٹھہرو جلد سفر کرکے منزل پر پہنچو تاکہ اونٹ تھک کر راہ میں ہی نہ رہ جائیں جس سے تم کو بھی مصیبت پڑ جائے۔

۴؎ **عرستم** بنا ہے **تعریس** سے عربی میں **تعریس** کے معنی ہیں مسافر کا آخری رات میں آرام کرنا،یہاں بطریق تجربہ مطلقًا رات میں آرام کرنا مراد ہے اول رات میں ہو یا آخررات میں جیساکہ آئندہ وجہ بیان فرمانے سے معلوم ہورہا ہے۔یہ احکام استحبابی ہیں بطور مشورہ۔

۵؎ **دواب** سے مراد مسافروں کے جانور ہیں،**ھوام** سے مراد زہریلے جانور سانپ بچھو وغیرہ بہرحال راستے اور گزرگاہ میں اترنا ٹھہرنا تکلیف دہ بھی ہے خطرناک بھی۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ **تعریس** سے مراد مطلقًا اترنا ہے رات میں ہو یا دوپہری میں۔

۶؎ **نقی** نون،قاف،ی بمعنی ہڈی کی مینگ یعنی اس سے پہلے سفرختم کر کے گھر پہنچ جاؤ کہ جانوروں کی ہڈی کی مینگ ختم ہوجائے اور دبلے ہوکر تھک رہیں۔بعض شارحین نے **نقب** ب سے روایت کی ہے بمعنی اونٹ کے پاؤں کا ہلکا ہوجانا یعنی ان کا پاؤں ہلکا پڑ جانے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ جب بھی مطلب وہ ہی ہے،بعض لوگوں نے **نقب** بمعنی راستہ کہا مگر یہ غلط ہے کہ پھر مطلب ہی کچھ نہیں بنتا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں اس حال میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ۱؎ کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص اونٹ پر آیا ۲؎ تو

	دائیں بائیں طرف مارنے لگا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جس کے پاس بچی ہوئی زائد سواری ہو تو وہ اس پر خرچ کرے جس کے پاس سواری نہیں۳؎ اور جس کے پاس بچا ہوا توشہ ہو تو وہ اس پر خرچ کرے جس کے پاس توشہ نہیں۴؎ فرماتے ہیں کہ حضور نے ہر قسم کے مال کا ذکر فرمایا۵؎ حتی کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بچے ہوئے میں کوئی حق ہی نہیں ۶؎(مسلم)

۱؎ وہ اونٹ دبلا اور تھکا ہوا تھا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اپنے اونٹ کو دو طرف مارنے لگا کیونکہ وہ چلتا نہ تھا تھک گیا تھا یا باہنے دائیں نظرمارنے نگاہ دوڑانے لگا تاکہ کوئی اس کا حال زار دیکھ کر اس کی مدد کرتا ہے یا نہیں یعنی وہ شخص شریف النفس تھا کسی سے سوال نہ کیا بلکہ امداد کی امید پر ادھر ادھر دیکھنے لگا شاید یہ شخص اپنے وطن میں امیر آدمی تھا یہاں سفر میں قابل مدد ہوگیا تھا۔(مرقات) اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دائیں بائیں دوڑانے لگا پریشانی کی وجہ سے اسے کچھ سوجھتا نہ تھا غرضیکہ وہ سخت پریشان تھا۔

۳؎ **فلیعد** بنا ہے **اعادۃ** سے بمعنی لوٹانا یعنی جس کے پاس سواری اپنی ضرورت سے زیادہ ہو وہ اس کی طرف لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں یا ہے مگر ناکارہ ہوگئی اور ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ **اعداد** سے بنا ہو بمعنی تیار کرنامہیا کرنا یعنی ایسا غنی آدمی اپنی زائد سواری ایسے بے کس کے لیے مہیا کردے،بہرحال مطلب یہ ہی ہے کہ اسے دے دے اسے مالک بنا دے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کا درد ہے۔

۴؎ غالبًا یہ شخص بے توشہ بھی ہوچکا تھا جس کی لوگوں کو خبر نہ ہوئی اس لیے حضور نے سواری کے ساتھ توشہ کا بھی ذکر فرمایا۔

۵؎ جیسے کپڑا،جوتا،مشکیزہ،خیمہ،درہم،دینار وغیرہ ہر قسم کا مال۔

۶؎ یعنی حضور نے ایسی خیرات کو ایسی اہمیت دی کہ ہم سمجھے کہ ضرورت سے زیادہ مال ہماری ملک ہی نہیں۔بس اپنے پر خرچ کرنے سے جو بچے وہ دوسرے کو دے دینا واجب ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں ہمارے مالوں کے مالک مطلق ہیں جیسے مولیٰ اپنے غلام کے جان و مال کا مالک ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ**"یہاں اولیٰ کے معنی قریب تر بھی کیے گئے ہیں اور مالک تر بھی،دیکھو ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب وغیرہ تین صاحبوں کو بائیکاٹ کے زمانہ میں فرمادیا کہ اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤ وہ بیویاں ان کی منکوحہ تھیں مگر ان سے اختلاط منع فرمادیا،یہ ہے حضور کی ملکیت کچھ عرصہ حکم رہا کہ اپنی قربانیوں کے گوشت تین دن سے زیادہ استعمال نہ کرو تو یہ استعمال ممنوع ہوگیا،پھر زیادہ استعمال کی اجازت دی تب جائز ہوا۔غرضیکہ ہم سب مسلمان حضور انور کے لونڈی غلام ہیں حضور ہمارے مالک اگر وہ ہم کو اپنی عبدیت و غلامیت میں قبول فرمالیں تو ہمارے نصیب

کھل جائیں۔ایک بار حضرت مرشدی مولائی مولانا نعیم الدین صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ حضور پر زکوۃ فرض نہیں،میرے نزدیک اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور مالک ہیں سارے مسلمان حضور کے لونڈی غلام،مالک اپنے غلاموں کو زکوۃ نہیں دے سکتا،چونکہ حضور کے لیے مصرف زکوۃ موجود نہیں اس لیے آپ پر زکوۃ فرض نہیں،عرض کیا پھر تو ہم پر بھی زکوۃ فرض نہیں ہونی چاہیے کہ غلاموں پر زکوۃ فرض نہیں،فرمایا ہم لوگ عبد ماذون ہیں اور بعض خاص حالات میں ماذون غلام پر زکوۃ ہوجاتی ہے۔ماذون غلام وہ ہے جسے کاروبار کی اجازت مولٰی نے دے دی ہو،اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔شعر

بندگانش حور وغلمان و ملک چاکر انش سبز پوشان فلک

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی تھا جس سے ان حضرات کا بچا ہوا مال خیرات کردینا فرض کردیا گیا تھا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر عذاب کا ٹکڑا ہے ۱؎ تم میں سے ہر ایک کو اس کی نینداس کے کھانے پینے سے روکتا ہے ۲؎ تو جب کوئی اس طرف سے اپنی حاجت پوری کرے ۳؎ تو اپنے گھر کی طرف جلدی کرے ۴؎ (متفق علیہ)

۱؎ یہاں عذاب سے مراد تکلیف دہ ہے نہ کہ سزاکیونکہ بعض سفر تو ثواب ہیں جیسے سفر جہاد،سفر حج،سفر طلب علم وغیرہ مگر یہ سارے سفر تکلیف دہ ضرور ہیں جن میں وہ تکالیف ہوتی ہیں جو آگے مذکور ہیں۔

۲؎ یعنی عمومًا سفر میں انسان وقت پر کھانے،وقت پر سونے،وقت پر باجماعت نماز گھر کی طرح نہیں کرسکتا۔چنانچہ اب بھی یہ دیکھا جاتا ہے اگرچہ اب ریل،بس،ہوائی جہازوں کے سفر میں بڑی آسانیاں ہوچکی ہیں۔

۳؎ نهمه کے معنی ہیں بلوغ الهمته اور وجهه سے مراد اپنی سفر کی جہت ہے یعنی جس طرف سفر کرکے گیا تھا تو جس مقصد کے لیے گیا تھا سفر میں وہ مقصد پورا ہوجائے۔(مرقات)

۴؎ تاکہ نماز کی جماعتیں حقوق کی ادائیگی اچھی طرح سے ہوسکیں،بعض علماء نے فرمایا کہ دنیاوی سفروں کے لیے یہ فرمان ہے۔سفرحج و سفرجہاد وغیرہ کا یہ حکم نہیں مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ میں جتنی حاضری نصیب ہوجائے بہتر ہے اسی لیے یہاں نهمته فرمایا۔نهمه کہتے ہیں دنیاوی ضرورت و حاجت کو،فقیر اس کو ترجیح دیتا ہے،حاکم و بیہقی نے بروایت حضرت عائشہ بجائے نهمته کے حجه روایت کی یعنی حج سے فارغ ہوکر جلد لوٹو جیساکہ مرقات میں ہے مگر مدینہ آخر مدینہ ہی ہے وہ تو ہر مؤمن کا دیس ہے پردیس ہے ہی نہیں جیسا سکون قلب اداء عبادات میں وہاں میسر ہوتا ہے گھرمیں میسر نہیں ہوتا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تھے تو آپ کے گھر والے بچے پیشوائی کے لیے

	جاتے تھے ۲؎ حضور ایک سفر سے آئے تو مجھے حضور کی پیشوائی کے لیے لایا گیا تو مجھے حضور نے اپنے آگے سوار کرلیا پھر حضرت فاطمہ کے بیٹوں میں سے ایک لایا گیا ۳؎ تو اسے اپنے پیچھے بٹھالیا فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تین ایک سواری پر داخل ہوئے ۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ حضرت علی کے بھتیجے ہیں،قریشی ہاشمی مدنی ہیں،اسلام میں پہلے آپ کی ولادت ہے،حبشہ میں ۸۰ھ مدینہ منورہ میں نوے سال کی عمر میں عبدالملک کے زمانہ میں وفات ہوئی،آپ کا لقب بحرالجود بھی ہے اور جواد ابن جواد بھی،اسلام میں آپ سے اور آپ کے والد سے بڑھ کر کوئی سخی نہ تھا،حضور کی وفات کے وقت صرف ۹ سال کے تھے بہت صفات کے حامل ہیں۔(اشعہ)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی سفر سے آتے وقت پیشوائی کرنا سنت صحابہ ہے،نیز مسافر کے گھر کے بچوں کو بھی پیشوائی کے لیے جانا سنت ہے۔

۳؎ یا جناب حسن کو یا حضرت حسین کو رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۴؎ اس طرح کہ ایک سواری پر تین سوار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں حضور کے پیچھے حضرت حسنین میں سے ایک اس خوش نصیبی پر صدقے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ وہ اور ابوطلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے ۱؎ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفیہ تھیں جنہیں حضور اپنی سواری پر پیچھے سوار کیے ہوئے تھے ۲؎ (بخاری)

۱؎ کسی سفر سے مدینہ منورہ واپس آئے۔خیال رہے کہ ابوطلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں اور اس وقت خیبر سے یہ سب حضرات واپس ہوئے تھے جیساکہ مرقات اور اشعۃ اللمعات میں ہے۔بی بی صفیہ اسی خیبر میں حاصل ہوئی تھیں،پہلے آپ جناب دحیہ کلبی کے حصہ میں تھیں پھر حضور انور نے ان سے خود قبول فرما کر اپنی زوجیت سے شرف بخشا رضی اللہ عنہا۔

۲؎ طریقہ سفر یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بی بی صفیہ ایک اونٹ پر تھے اور حضرت انس و ابوطلحہ اپنے اونٹ پر اس طرح مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ گھوڑے خچر یا اونٹ پر سوار کرلینا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر رات میں سفر سے نہ آتے تھے ۱؎ مگر صبح یا شام کے وقت ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎کیونکہ بغیر اطلاع اچانک رات میں مسافر کا گھر پہنچنا گھر والوں کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور اس زمانہ میں خبر رسانی کے ذرائع بہت محدود تھے اب تو خط،تار ٹیلی فون وغیرہ سے خبر دی جاسکتی ہے۔یطرق بنا ہے طرق سے بمعنی دروازہ بجانا کواڑ کھڑکانا،چونکہ رات میں آنے پر اس کھڑکانے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے رات میں آنے والے مسافر کو طارق کہتے ہیں ستارہ کو بھی طارق کہا جاتا ہے کہ وہ رات میں ہی چمکتا ہے۔(مرقات)

۲؎صبح صادق سے زوال تک کا وقت غدوہ ہے اور زوال سے سورج ڈوبتے تک کا وقت عشیہ یعنی حضور کی مدینہ منورہ میں آمد یا صبح کے وقت ہوتی تھی یا بعد ظہر۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی تم میں سے بہت عرصہ غائب رہے تو رات میں اپنے گھر نہ آئے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ حکم اس زمانہ کے لیے تھا جب کہ آنے والا مسافر اپنی آمد کی اطلاع اپنے گھر نہ دے سکتا تھا اب اطلاع دے کر رات میں آنا بالکل جائز ہے۔یہاں مرقات میں ہے کہ اس ممانعت کے بعد دوشخص آزمائش کے لیے اپنے گھر رات میں پہنچے تو انہوں نے اپنی بیویوں کے پاس اجنبی مرد پائے گویا انہیں اس مخالفت امر کی سزا ملی حضور کے ہر حکم میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم رات میں آؤ تو اپنی بیوی کے نہ جاؤ ۱؎ حتی کہ وہ زیر ناف لوہا استعمال کرلیں ۲؎اور پریشان بالوں میں کنگھی پھیرلیں ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی جب تم سفر سے اپنے شہر میں آؤ رات میں نہ جاؤ،بعض نسخوں میں یوں ہے اذا دخلت بیتك وہ اس شرح کی تائید کرتا ہے۔(مرقات)

۲؎ استحداد کے معنی ہیں حدید یعنی لوہا استعمال کرنا یعنی استرہ سے صفائی کرنا۔مغیبۃ سے مراد یا وہ عورت ہے جس کا خاوند بہت عرصہ تک غائب رہا ہو یا مغیبہ سے مراد زیر ناف کے بال ہیں۔خیال رہے کہ عورتوں کو استرہ سے صفائی کرنا ممنوع ہے لہذا یہاں استحداد سے مراد چونا بال صفا صابن وغیرہ سے صفائی کرنا مراد ہے یعنی بطریق تحدید صرف صفائی مراد ہے لوہے سے صفائی مراد نہیں۔(مرقات و اشعہ)

۳؎یعنی سر کے پریشان بالوں کو کنگھی سے سلجھا کر یکساں کرلیں کیونکہ عورتیں اپنے خاوندوں کی لمبی غیر موجودگی میں ان چیزوں کی پرواہ کم کرتی ہیں۔مقصد یہ ہے کہ تم دیر کے بعد وطن پہنچنے پر اپنی بیویوں کو خراب حالت میں نہ دیکھو بلکہ اچھی حالت میں دیکھو اب چونکہ خط تار ٹیلی فون وغیرہ سے اطلاع دی جاسکتی ہے لہذا اب یہ حکم نہیں جب عورت کو کسی

ذریعہ سے اپنے خاوند کی آمد کی اطلاع مل جائے تو یہ پابندی نہیں۔(از مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو چاہیے کہ خاوند کی آمد پر اپنے کو آراستہ کرے تاکہ اسے رغبت تام ہو۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے ۱؎ تو ایک اونٹ یا گائے قربان فرمائی ۲؎(بخاری)

۱؎ یا ہجرت کرکے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ پہنچے یا جب دراز سفر سے مدینہ منورہ تشریف فرماہوتے تھے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۲؎ قربانی سے مراد گائے یا اونٹ ذبح فرمانا ہے دعوت کے لیے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر وطن پہنچنے پر اہل قرابت کی دعوت کرے اسے دعوت قدوم کہتے ہیں یہ مسنونہ دعوتوں میں سے ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ گائے کا گوشت کھانا بھی سنت سے ثابت ہے۔یہاں **او بقرۃ** فرمانا یا تو راوی کے شک کی بنا پر ہے یا یہ مطلب ہے کہ کبھی اونٹ اور کبھی گائے ذبح فرما کر اہل مدینہ کی دعوت فرماتے تھے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تھے مگر دن کو دوپہر کے وقت پھر جب تشریف لاتے تو مسجد سے ابتداء فرماتے وہاں دو رکعتیں پڑھتے ۱؎ پھر وہاں ہی لوگوں کے لیے تشریف رکھتے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ دن میں آنے کے متعلق ابھی عرض کیا جاچکا سفر کو جاتے وقت مسجد سے روانہ ہونا اور واپسی پر مسجد میں پہلے آنا اگر وقت کراہت نہ ہو تو ان دونوں موقعوں پر دو نفل نماز سفر یا نماز قدوم پڑھنا سب کچھ سنت ہے اس سے سفر میں بڑی برکتیں رہتی ہیں۔

۲؎ یعنی پہلے اہل مدینہ سے ملاقات فرماتے،ان کے دکھ درد سنتے،ان کے مقدمات کے فیصلے فرماتے،انہیں شرف زیارت بخشتے،پھر گھر میں تشریف لے جاتے۔طبرانی اور حاکم نے بروایت ثعلبہ حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد سے ابتدا فرماتے پھر حضرت خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے پھر اپنے گھر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو جب ہم مدینہ منورہ آئے تو مجھ سے فرمایا مسجد میں جاؤ ۱؎ وہاں دو رکعت پڑھو(بخاری)

۱؎مسجد سے مراد یا حضرت جابر کے محلے کی مسجد ہے یا مسجد نبوی شریف دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے مسجد اللہ کا گھر ہے وہاں حاضر ہونا گویا رب تعالٰی سے ملاقات کرنا ہے اس کا استحباب حدیث فعلی سے بھی ثابت ہے اور حدیث قولی سے بھی۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت صخر ابن وداعہ غامدی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میری امت کے صبح کے کاموں میں برکتیں دے ۲؎اور جب کوئی فوج یا لشکر بھیجتے تو شروع دن میں بھیجتے تھے۳؎اور صخر تاجر تھے تو وہ اپنا مال تجارت اول دن میں بھیجا کرتے تھے تو وہ بڑے امیر ہوگئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی) ۵؎	

۱؎آپ کا نام صخر ابن عمرو ابن عبداللہ ابن کعب ازدی ہے،آپ صحابی ہیں،طائف میں قیام رہا،شمار اہل حجاز سے ہے۔(مرقات اشعہ)

۲؎یعنی میری امت کے تمام ان دینی و دنیاوی کاموں میں برکت دے جو وہ صبح سویرے کیا کرے جیسے سفر طلب علم تجارت وغیرہ۔

۳؎یعنی حضور کی دعا وہ تھی جو ابھی بیان ہوئی اور عمل یہ تھا لہٰذا حضور کے دعاوعمل سے یہ وقت برکت والا ہے۔

۴؎یعنی صحابہ کا تجربہ بھی اس کے متعلق ہوچکا ہے کہ وہ حضرات اس سنت پر عمل کی برکت سے بہت فائدے اٹھا چکے ہیں۔فقیر نے بھی تجربہ کیا کہ صبح سویرے کاموں میں بہت برکت ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو طالب علم مغرب و عشاء کے دوران اور فجر کے وقت محنت کرے پھر عالم نہ بنے تو تعجب ہے اور جو طالب علم ان دو وقتوں میں محنت نہ کرے اور عالم بن جاوے تو بھی حیرت ہے۔

۵؎ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابوہریرہ روایت کی الٰہی میری امت کے جمعرات کے دن صبح کے وقت کے کاموں میں برکت دے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم تاریکی شب میں سفر کیا کرو ۱؎ کیونکہ رات میں زمین لپٹ جاتی ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اب بھی اہل عرب رات میں سفر زیادہ کرتے ہیں،سمندری جہاز رات میں تیز چلائے جاتے ہیں،تمام حجاج سے بعد نماز عشاء کہہ دیا جاتا ہے کہ اب آرام کرو جیساکہ ہم نے تجربہ کیا۔**دلجہ** رات کی اندھیری کو کہتے ہیں اسی سے ہے ادلاج۔

۲؎ اس طرح کہ رات کا مسافر یہ ہی سمجھتا ہے کہ ابھی میں نے سفر کم کیا ہے مگر ہوجاتا ہے زیادہ۔اس فرمان عالی کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات میں بھی سفر کیا کرو صرف دن کے سفر پر قناعت نہ کیا کرو،بعض احادیث میں ہے کہ اول دن اور اول رات میں سفر کرو۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ۲؎ اور تین سوار صحیح سوار ہیں ۳؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی جنگل میں اکیلا مسافر آفات کے نرغہ میں ہوتا ہے،نماز باجماعت سے محروم ہے،ضرورت کے وقت اسے مددگار کوئی نہ ملے گا،بلاؤں آفتوں کے خطرے میں ہے خصوصًا اس زمانہ پاک میں جب کہ راستے پر خطر تھے اب اس امن کے زمانہ میں بھی ریل کے ڈبہ میں اکیلے سفرکرنے والے چلتی ٹرین میں لٹ گئے حتی کہ حکومت نے انٹر کلاس کی زنانہ سواریوں کو اجازت دی کہ وہ رات میں اپنی تھرڈ کلاس کی سہیلی کو اپنے ساتھ انٹر میں بٹھا سکتی ہیں سرکار کے فرمان ہمیشہ ہی مفید ہیں۔

۲؎ یعنی دو مسافر بھی آفات کے خطرے میں ہیں کہ اگر ایک بیمار ہوجائے تو دوسرا بے یارومددگار رہ جائے۔

۳؎ یعنی تین مسافر ہیں جنہیں صحیح معنی میں قافلہ کہا جاوے۔رکب اسم جمع ہے جیسے **نفر** اور **رھط** اور **صحب** اس لیے ارشاد ہوا کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ (رحمت)ہے۔اس فرمان عالی میں بھی بڑی حکمتیں ہیں سفر میں کسی کی رضا قضا واقع ہوجائے تو باقی اور دو آسانی سے اسے سنبھال سکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین شخص سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر مسافر تین یا زیادہ ہوں تو انتظام قائم رکھنے کے لیے اپنے میں سے ایک افضل اور تجربہ کار کو اپنا سردار بنائیں جو ہر چیز کا انتظام رکھے اور باقی ساتھی اس کے مشورہ پر عمل کریں اس میں برکت بھی ہوگی اور سفر میں آسانی بھی اس سردار کو چاہیے کہ اپنے کو ان ساتھیوں کا حاکم نہ سمجھے بلکہ خادم تصور کرے،نماز بھی وہ ہی پڑھائے جیساکہ بزاز نے بروایت حضرت ابوہریرہ مرفوعًا روایت کی کہ جب تم چند آدمی سفرکرو تم میں سے بڑا قاری (عالم) تمہاری امامت کرے اور جب وہ تمہاری امامت کرے تو وہ ہی تمہارا امیروسردار ہے۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و	

سلم سے راوی فرمایا بہتر ساتھی چار ہیں ۱؎ اور بہترین فوج چار سو ہیں ۲؎ اور بہتر لشکر چار ہزار ہیں ۳؎ اور بارہ ہزار کی نفری کبھی تھوڑی ہونے کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگی ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ صحابہ جمع ہے صاحب بمعنی ساتھی کی اور فاعل کی جمع بروزن فعالہ اس کے سوا کہیں نہیں آئی۔(مرقات) یہاں ساتھی سے مراد سفر کے ساتھی ہیں۔چار ہم سفر ساتھیوں کو اس لیے افضل فرمایا گیا کہ اگر ان میں سے ایک راستہ میں فوت ہو جائے اور ان بقیہ میں سے ایک کو اپنا وصی و منتظم کرجائے تو باقی دو اس وصیت کے گواہ بن سکتے ہیں۔بعض شارحین نے کہا کہ پانچ ساتھی چار سے افضل ہیں بلکہ جس قدر ساتھی زیادہ ہوں اتنا ہی اچھا ہے۔(اشعہ) جیسے جماعت نماز میں جس قدر ساتھی زیادہ ہوں اسی قدر اچھا۔

۲؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ سریہ چھوٹے لشکر کو بھی کہتے ہیں اور اس فوج کو بھی جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جائیں یہاں پہلے معنی میں ہے کیونکہ اس کے مقابل جیوش آرہا ہے۔

۳؎ یعنی بہتر یہ ہے کہ لشکر جرار چار ہزار سے کم نہ ہو زیادہ ہو تو بہتر ہے۔

۴؎ یعنی بارہ ہزار کا لشکر جرار کبھی کمی تعداد کی وجہ سے دشمن کے مقابل شکست نہیں کھائے گا کسی اور وجہ سے شکست کھا جائے جیسے آپس کے جھگڑے،امیر کی نافرمانی،بے صبری،مال غنیمت کی رغبت وغیرہ۔چنانچہ غزوہ حنین میں حضرات صحابہ نے اولًا ظاہری شکست کمی تعداد کی وجہ سے نہ کھائی بلکہ اپنی کثرت پر اعتماد کرنے رب تعالٰی سے بے توجہ ہوجانے کی وجہ سے کھائی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ"اس جنگ میں ہوازن سے مقابلہ تھا،مسلمان بارہ ہزار تھے،دس ہزار اہل مدینہ اور دو ہزار وہ مسلمانان مکہ جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔(مرقات) اولًا مسلمانوں کے قدم اکھڑے پھر جب مسلمانوں کی نظر گئی تو فتح پائی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران پیچھے رہتے تھے ۱؎ تو کمزور کو لے آتے اور پیچھے بٹھالیتے تھے اور ان کے لیے دعا فرماتے تھے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی تمام سفروں جہاد وغیرہ میں صحابہ کرام کو آگے رکھتے تھے خود تواضع اور تعاون کے لیے پیچھے سفر کرتے تھے۔

۲؎ یعنی سرکار ابدقرار کے پیچھے رہنے میں یہ حکمتیں تھیں کہ جو مسافر کمزوری کی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہ جاتا یا کسی مسافر کی کوئی چیز رہ جاتی وہ خود سرکار لے آتے تھے اس کے علاوہ تمام صحابہ کو سامنے رکھ کر ان کے لیے دعائے خیر فرماتے تھے۔سبحان اللہ! ایسے رحیم و کریم نبی پر جان قربان۔شعر

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی بان　چہ باک از موج بحر آنرا کہ دارد نوح کشتی بان

روایت ہے ابو ثعلبہ خشنی سے[1] فرماتے ہیں کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں اور جنگلوں میں بکھر جاتے تھے[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ان گھاٹیوں میں اور جنگلوں میں بکھرا رہنا یہ کام شیطان سے ہے[3] چنانچہ اس کے بعد مسلمان کسی منزل میں نہ اترے مگر اس حالت میں کہ بعض بعض سے ملے رہتے حتی کہ کہا جاتا اگر ان پر ایک کپڑا بچھا دیا جاتا تو ان پر پھیل جاتا[4] (ابوداؤد)	

[1] آپ کا نام جرہم ہے،کنیت ابوثعلبہ مگر آپ کنیت میں مشہور ہیں،آپ بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،حضور انور نے آپ کو اپنی قوم خشن کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا،آپ کی تبلیغ سے وہ سب لوگ مسلمان ہوگئے پھر آپ نے شام میں قیام اختیار کیا، ۷۵ھ میں انتقال کیا۔(اشعہ) مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۵۵ھ میں حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی رضی اللہ عنہما۔(مرقات واشعہ)

[2] **شعاب** جمع ہے **شعب** کی بمعنی گھاٹی یا پہاڑی راستہ یعنی حضرات صحابہ کرام دوران سفر میں جب کبھی عارضی قیام فرماتے تھے تو متفرق ہوکر کچھ حضرات کہیں کچھ کہیں۔

[3] یعنی تمہارے اس طرح بکھرنے سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ کفار سے تم پر چڑھائی کرادے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ متفرق ہیں ان پر اچانک ٹوٹ پڑو یہ ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے اس طرح الگ الگ اترنا خطرناک ہے۔**انما ذلکم** تاکید کے لیے ہے جیسے جسمانی دوری خطرناک ہے ایسے ہی دلی دوری بھی شیطانی اثر سے ہوتی ہے اور سخت خطرناک رب تعالٰی مسلمانوں میں تنظیم اور یکجہتی نصیب کرے۔

[4] **سبحان اللہ!** حضور نے مسلمانوں کے صرف جسموں کو یکجا نہ فرمایا بلکہ ان کے دلوں کو بھی یکجا کردیا مسلمان یک دل اور یک جان ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مسافر منزل پر اکٹھے رہیں اس میں بہت فائدے ہیں۔ہر ایک ایک دوسرے سے خبردار رہتا ہے تعاون کرسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ بدر کے دن ہم ایک ایک اونٹ پر تین تین تھے[1] تو ابولبابہ[2] اور علی بن ابی طالب رسول اللہ کے ساتھی[3] تھے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی(چلنے کی)باری آتی تو یہ دونوں عرض کرتے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چل لیں گے[4] تو حضور فرماتے کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور	

میں ثواب سے مستغنی تم سے بڑھ کر نہیں ۵؎(شرح سنہ)	

۱؎چونکہ اس غزوہ میں سواریاں بہت تھوڑی تھیں حتی کہ تین سو تیرہ غازیوں میں صرف دو گھوڑے تھے اس طرح سامان جنگ برائے نام تھاتلواریں صرف آٹھ،زرہیں صرف چھ،یوں ہی اونٹ بھی بہت کم تھے اس لیے ایک اونٹ پر تین غازی باری باری سوار ہوتے تھے۔شعر

تھے ان کے ساتھ دوگھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

۲؎جناب ابولبابہ کا نام رفاعہ ابن عبدالمنذر ہے،انصاری ہیں اسی لیے آپ کی کنیت نام پر غالب ہے،بیعت عقبہ میں شامل تھے بدر کے شمول میں اختلاف ہے۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

۳؎زمیل بنا ہے زمل سے ز کا فتحہ میم کا کسرہ بمعنی سواری میں شریک،زمالہ سواری کے اونٹ کو بھی کہا جاتا ہے جس پر مسافر کا سامان ہو۔(مرقات) یعنی ایک اونٹ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضی و جناب ابولبابہ سوار تھے کہ باری باری سے سوار ہوتے تھے۔

۴؎ان دونوں بزرگوں کا ارادہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بدر تک سوار رہیں ہم دونوں یہ سفر پیدل طے کریں حضور اپنی بھی سواری کریں اور ہماری باریوں میں بھی۔

۵؎یعنی دنیا میں تم دونوں ہم سے زیادہ طاقتور نہیں ہم چلنے پر تم سے زیادہ قوت رکھتے ہیں اور آخرت میں ہم ثواب الٰہی سے بے نیاز نہیں،یہ پیدل چلنا بڑے ثواب کا کام ہے لہذا ہم اپنی باری پر پیدل چلیں گے تم سوار ہو گے،یہ ہے حضور کا عدل و انصاف اپنے غلاموں کے ساتھ اور یہ ہے حضور کا انکسار اس فرمان عالی میں قیامت تک کے سرداروں بادشاہوں کو عدل کی تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اپنے جانوروں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ ۱؎کیونکہ اللہ تعالٰی نے انہیں اس لیے تمہارا تابع کیا ہے کہ تم کو اس شہر تک پہنچادیں جہاں تم بغیر سخت مشقت کے نہ پہنچتے ۲؎اور رب نے زمین تمہارے لیے ہی پیدا کی ہے تو تم زمین پر اپنی ضرورت پوری کرو ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی بلاضرورت انہیں کھڑا کرکے ان پر سوار رہو اور لوگوں سے بات چیت تجارت وغیرہ کرتے رہو اس میں جانور کو بلا وجہ تکلیف دینا ہے یہ کام نیچے اتر کر کرو ان پر صرف سفر کرو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر قیام فرماکر عرفات شریف میں خطبہ دینا یا حجاج کا عرفات میں اونٹ پر قیام کرنا ضرورۃً ہے.

۲؎ یہاں بلاضرورت سوار رہنے سے ممانعت ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں اور ممکن ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہو جب جانور بہت دراز سفر کرکے آیا ہو تھکا ہوا ہو یا جب بوجہ قحط سالی کے جانور دبلے اور کمزور ہوں اور اجازت اس صورت میں ہو کہ جانور قوی اور تازہ دم ہوں۔واللہ اعلم!

۳؎ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور سب کے لیے بعض حالات میں حکم وجوبی ہے اور بعض حالات میں استحبابی ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی منزل پر اترتے تو نوافل نہ پڑھتے تھے حتی کہ کجاوے کھول دیتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی ہم نفلی عبادت پر اس کام کو مقدم رکھتے تھے کہ پہلے اونٹوں پر سے کجاوے وغیرہ اتارتے تھے تاکہ وہ ہلکے ہو جاویں پھر منزل پر نوافل وغیرہ ادا کرتے تھے اس میں اونٹوں کو راحت ہوتی تھی اور ان حضرات کو بے فکری ہوجاتی تھی جس سے نماز اطمینان سے ہوتی تھی اس ایک عمل میں بہت سی حکمتیں۔سفر میں یہ ہی چاہیے خواہ سفر جہاد ہو یا سفر حج یااور کوئی سفر۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کے ساتھ گدھا تھا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو جاؤ اور خود پیچھے بیٹھ گیا ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی اپنے جانور کے سینہ کے تم زیادہ حق دار ہو مگر اس طرح کہ تم وہ حق میرے لیے کردو ۲؎ اس نے عرض کیا میں نے حضور کو یہ حق دے دیا تب حضور سوار ہوئے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یہ پتہ نہ چلا کہ یہ کون سا سفر تھا بہرحال کوئی سفر ہو حضور انور اس میں پیدل تھے اس اعرابی نے چاہا کہ حضور کو آگے سوار کریں خود پیچھے بیٹھیں ادب کے لیے۔

۲؎ گردن سے قریب کا حصہ سینہ کہلاتا ہے اس فرمان عالی میں یہ تعلیم دی گئی کہ اگر ایک جانور پر دو شخص سوار ہوں تو آگے جانور کا مالک بیٹھے پیچھے دوسرا آدمی۔

۳؎ چونکہ جانور کا سینہ مالک کا اپنا حق ہے وہ چاہے جسے دے اس لیے حضور انور اس کی اجازت کے بعد آگے سوار ہوئے۔

	روایت ہے سعید ابن ہند سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ

	تو اونٹ شیطانوں کے ہوں گے اور کچھ گھر شیطانوں کے ہوں گے ۲؎ لیکن شیطانوں کے اونٹ وہ تو میں نے دیکھ لیے۳؎ کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھ اعلیٰ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے۴؎ جنہیں موٹا کیا ہوتا ہے تو ان میں سے کسی اونٹ پر سوار نہیں ہوتا اور اپنے بھائی پر گزرتا ہے جو عاجز رہ گیا ہے تو اسے سوار نہیں کرتا ۵؎ لیکن شیطانوں والے گھر تو وہ میں نے نہ دیکھے ہیں ۶؎ حضرت سعید کہتے تھے کہ میں نہیں سمجھتا مگر یہ ہیں پنجرے جنہیں لوگ ریشم سے ڈھکتے ہیں ۷؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،حضرت سمرہ ا بن جندب صحابی کے آزادکردہ غلام ہیں،آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ابوہریرہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کیں اور آپ سے آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن سعید اور نافع ابن عمرجحمی وغیرہم نے روایات کیں،ثقہ ہیں عالم ہیں۔

۲؎ جو اونٹ یا گھر ضرورت سے زیادہ رکھے جائیں اور ان سے کوئی دینی کام نہ لیا جائے صرف نام ونمود ہی مقصود ہو وہ شیطانی اونٹ اور گھر ہیں جیسے بعض چوہدری اپنی بڑائی دکھانے کے لیے بلاضرورت جانور گھوڑے مکانات رکھتے ہیں،ہم نے بعض امیروں کے ایسے مکانات دیکھے جو نہایت عالیشان ہیں مگر ویران پڑے ہیں نہ ان میں خود رہتے ہیں نہ کسی کو رہنے کے لیے دیتے ہیں،حتی کہ بلاضرورت مسجدیں بنا دینا جو ویران پڑی رہیں صرف زمین گھیر دی جائے وہ بھی ممنوع ہیں،ہم نے سنا ہے کہ انور ضلع بریلی چھوٹی سی بستی میں لوگوں نے ضد یا فخر کے لیے اٹھارہ سو مسجدیں بنادیں ہیں سوا چند کے باقی سب ویران پڑی ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ مال حرام سے جو گھوڑے یاگھر خریدے جائیں وہ شیطانی ہیں مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس فرمان عالی میں وہ غیبی خبر ہے کہ آئندہ مسلمان ایسی حرکتیں کیا کریں گے واقعی یہ دونوں چیزیں دیکھی جارہی ہیں۔

۳؎ یعنی زمانہ نبوی میں یہ دونوں چیزیں نہ تھیں حضور انور نے غیبی خبر دی تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے شیطانی اونٹ تو اپنی آنکھوں دیکھ لیے یہ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔

۴؎ نجیبات جمع ہے نجیبة کی جو نجابت بمعنی شرافت سے بنا ہے،نجیب اونٹ وہ ہے جو بہت قوی ہو رفتار میں ہلکا و سبک ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے امیر لوگ سفرمیں اپنے ساتھ بہت سے گھوڑے خچر اونٹ لے کر سفرکرتے تھے جن میں سے بعض پر سواری و باربرداری کرتے تھے اور اکثر خالی چلتے تھے صرف شان ظاہر کرنے کہ لوگ یہ خالی جانور دیکھیں کہ یہ بڑ ا آدمی ہے جیساکہ نجیبات جمع فرمانے سے معلوم ہوا،یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے لوگ اپنے ان جانوروں کو خوب موٹا تازہ کرتے تھے تاکہ ان کی موٹائی تروتازگی ان لوگوں کی مالداری کی علامت ہو۔آج بھی بعض امیر لوگ خوب موٹے تازے کتے اپنے ساتھ رکھتے ہیں جب گھر سے نکلتے ہیں تو کتوں کے جھرمٹ میں نکلتے ہیں اسے اپنی امیری کانشان سمجھتے ہیں یہ اسی زمانہ جاہلیت کی رسم ہے۔نعوذ باللہ!

۵؎ یعنی ان فالتو جانوروں کی اسے خود تو ضرورت ہے نہیں اور ضرورت مند مسافروں کو بھی نہیں دیتا۔وہ مسکین مسافر پیدل سفرکرتے ہیں اور اس کے یہ فالتو جانور خالی چلتے ہیں،آج امیر چوہدری کے کتے دودھ ملائی کھاتے ہیں اور غریب پڑوسی مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی یہ بھی اسی زمانہ کی نقل ہے اللہ تعالٰی ہم مسلمانوں کو اپنے حبیب کا نقّال بنالے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ ہم نے اس سے بدتر لوگ دیکھ لیے کہ مالداروں کے ساتھ سفر میں فالتو جانور خالی چلتے ہیں اور غریب پیادہ مسافروں کو دیکھ کر یہ فرعونی لوگ مذاق اڑاتے ہیں بہت دفعہ ان غریب مسافروں سے بوجھ اٹھواتے ہیں جانور خالی چلاتے ہیں۔

٦؎ یہاں تک حضرت ابوہریرہ کا قول ہے یعنی ہم نے زمانہ صحابہ میں شیطانی فالتو گھر نہیں دیکھے مگر آئندہ ہوں گے ضرورکیونکہ مخبرصادق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی ہے اور ممکن ہے کہ کلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہو یعنی ہم نے شیطانی جانور تو بچشم خود ملاحظہ فرمائے جو کفار کے پاس ہیں مگر شیطانی گھر ہمارے بعد ہوں گے کہ کفار تو درکنار مسلمان چوہدری نمبردار بھی رکھا کریں گے۔

۷؎ اقفاص جمع ہے قفص کی بمعنی پنجرہ جس میں پرندہ قید رکھا جاتا ہے اس سے مراد یا تو اونٹوں کے محمل ہودج ہیں جو امیر لوگ سفر میں استعمال کرتے ہیں سواری کے جانوروں پر یا خالی فالتو جانوروں پر اوریا ان کے رہنے کے مکانات ہیں جنہیں وہ لوگ ریشم وغیرہ سے سجاتے تھے۔غالبًا یہ خبر زمانہ تابعین میں ظاہر ہوئی جو حضرت سعید ابن ہند نے دیکھی۔

روایت ہے حضرت سہل ابن معاذ سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا تو لوگوں نے منزلیں تنگ کردیں اور رستے بندکردیئے ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلانچی بھیجا جو لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ جس نے منزل تنگ کی یا راستہ کاٹا تو اس کا کوئی جہاد نہیں ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کے والد معاذ ابن انس جہنی ہیں،اہل مصر میں آپ کا شمار ہے،تابعی ہیں،سہل ابن معاذ کو یحیٰی ابن معین نے ضعیف کہا مگر ابن حبان نے آپ کی توثیق کی۔خیال رہے کہ حضرت سہل بھی تابعی ہیں اور آپ کے والد معاذ ابن انس بھی تابعی،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے سہل ابن معاذ کے سعد ابن معاذ ہے وہ غلط ہے کیونکہ حضرت سعد ابن معاذ تو صحابی ہیں اور معاذ ابن انس تابعی۔(مرقات)

۲؎ اس طرح کہ بعض لوگوں نے راستہ پر اپنا سامان رکھ دیا جس سے راستہ بند ہوگیا اور گزرنے والوں کو تکلیف ہونے لگی اور بعض نے ضرورت سے زیادہ منزل پر جگہ گھیر لی جس سے ساتھیوں پر تنگی ہوگئی۔معلوم ہوا کہ ہر وقت سفروحضر میں ہرمسلمان کو اپنے ساتھیوں کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے۔

۳؎ یعنی اس جہاد کا پورا ثواب نہ ملے گا بعض لوگ مسجد میں گزرگاہ پر نماز شروع کردیتے ہیں جس سے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے بعض حضرات صف میں زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتے ہیں انہیں اس حدیث سے سبق لینا چاہیے مسلمانوں کو تکلیف سے بچانا عبادت کا مغز ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اچھا ہے وہ وقت جب مرد اپنے گھر سفر سے آئے وہ شروع رات ملے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث کے چند معنی کے گئے ہیں: ایک یہ کہ سفر سے مراد قریب کا سفر ہے یعنی جب انسان کہیں قریب ہی گیا ہو تو اول شب میں گھر پہنچے آخر رات میں نہ پہنچے اور دن میں پہنچنے کا فرمان دور کے سفر کے لیے تھا۔دوسرے یہ کہ دراز سفر سے اطلاع دے کر جب آئے تو اول رات میں آئے اور بغیر اطلاع آنا ہو تو دن میں آئے۔تیسرے یہ کہ **دخل الرجل** سے مراد اپنی بیوی کے پاس آنا ہے یعنی صحبت تو مطلب یہ ہوگا کہ مسافر گھر پہنچے دن میں اور اپنی اہلیہ کے پاس جائے اول شب میں تاکہ بقیہ شب اطمینان سے گزرے۔بہرحال یہ حدیث ان گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں حکم تھا کہ مسافر کو دن میں گھر آنا چاہیے۔(ازمرقات و اشعہ ولمعات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر میں ہوتے پھر رات میں اترتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے ۱؎ اور جب صبح سے کچھ پہلے آرام کرتے تو اپنی کلائی کھڑی فرماتے اور اپنا سر اپنے ہاتھ پر رکھتے ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی دوران سفر میں کہیں منزل پر قیام فرماتے تو سونے کی نیت سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیساکہ حضور انور کا دائمی طریقہ تھا کہ قبر کی رخ بستر ہوتا داہنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھتے داہنی کروٹ پر لیٹتے کہ اس طرح لیٹنے میں نیند غفلت کی نہیں آتی رات کو بہ آسانی اٹھا جاسکتا ہے۔اطباء بائیں کروٹ لینے کو اس لیے کہتے ہیں تاکہ نیند خوب آجائے اطباء کی نظر راحت بدن پر ہے حضور کی نظرپاک تہجد کے لیے اٹھنے پر تھی۔خیال رہے کہ **عرس** سے بنا ہے **تعریس** سے بمعنی آخری شب کا نزول آخری شب کا آرام۔عرب میں عموماً رات میں سفر کرتے تھے اول رات سفر آخر رات آرام۔

۲؎ اور لیٹ جاتے تاکہ کچھ تھکنی دور ہوجائے مگر نیند نہ آجائے کیونکہ نماز فجر کا وقت قریب ہے ہر جگہ نماز کا خیال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کو کسی فوج میں بھیجا۱؎ یہ جمعہ کے دن میں اتفاقًا واقع ہوا ۲؎ تو ان کے ساتھی سویرے ہی چلے گئے اور انہوں نے کہا کہ میں پیچھے رہ جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لوں پھر ان سے جاملوں گا۳؎ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی انہیں دیکھا ۴؎ تو فرمایا تم کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح میں جانے سے کس چیز نے روکا تو عرض کیا کہ میں نے چاہا آپ کے ساتھ نماز پڑھ لوں پھر ان سے جا ملوں ۵؎ فرمایا کہ اگر تم تمام زمینی چیزیں خیرات کردو تو بھی ان کے سویرے نکل جانے کا درجہ نہیں پاسکتے ۶؎(ترمذی)	

۱؎ حضرت عبداللہ ابن رواحہ انصاری خزرجی ہیں،بیعۃ عقبہ،بدر،احد،خندق اور تمام غزوات میں شریک رہے سوائے فتح مکہ کے کیونکہ آپ سن آٹھ میں غزوہ موتہ میں شہید ہوچکے تھے،آپ حضور کے شاعروں میں سے ہیں،حضرت حسان کی طرح نعت گو صحابہ ہیں غالبًا اس فوج کا افسر بناکر بھیجا گیا تھا۔جس لشکر میں حضور تشریف نہ لے جاویں وہ سریہ کہلاتا ہے۔بھیجا سے مراد ہے جانے کا حکم صادر فرمایا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی یہ حکم جمعہ کے دن صبح سویرے نکل جانے کا تھا اس طرح کہ جمعرات کے دن حکم ہوا کہ کل صبح سویرے فلاں فلاں حضرات اس طرف جہاد کے لیے چلے جاویں۔جمعہ کے دن اذان جمعہ سے پہلے سفر جائز ہے اگر حضور عین نماز کے وقت حکم دیں تو اس وقت نکل جانا ضروری۔

۳؎ یہ آپ کا اجتہاد تھا آپ کا خیال تھا کہ صرف چند گھنٹے ٹھہر جانے میں مدینہ منورہ،مسجد نبوی اور حضور کے ساتھ جمعہ میسر ہوجائے،مدینہ پاک کی ایک نماز کا پچاس ہزار ثواب ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز تو لاکھوں نمازوں سے بہتر ہے یہ فوائد جلد چلے جانے اور جنگل میں پہنچ کر بجائے نماز جمعہ ظہر ادا کرنے میں نہ حاصل ہوں گے اور اس ٹھہر جانے کی کسر میں نکال لوں گا کہ تیز سواری پر ان مجاہدین سے جا ملوں گا تعمیل ارشاد ہوجائے گی بہرحال نیت نہایت ہی اچھی تھی۔

۴؎ اس طرح کہ نماز جمعہ کے بعد آپ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے وداع ہونے کے لیے یا ویسے ہی برکت حاصل کرنے کے لیے جیسے آج کل بھی بعد نماز جمعہ بزرگوں سے ملاقات کی جاتی ہے۔

۵؎ یعنی کسی دنیاوی کام کے لیے نہیں رکا ہوں اس لالچ میں ٹھہر گیا ہوں کہ ڈبل ثواب حاصل کروں آپ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کا اور جہاد میں جانے کا۔

۶؎ یعنی اگر تم میرے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے ساتھ ساری دنیا کا مال خیرات بھی کردو تو جو ثواب ان سویرے نکل جانے والوں کو تعمیل حکم کا ملا وہ تم کو ان تمام عبادات کا نہیں مل سکتا۔معلوم ہوا کہ حضور کی اطاعت تمام عبادات سے افضل ہے،ان کی اطاعت میں ترک جمعہ عبادت ہے بغیر اطاعت جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں پڑھنا اعلیٰ عبادت نہیں۔شعر

معلوم ہوا کہ جملہ عبادات فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

ان کے در پر دم نکل جائے تو جی جائیں حسن ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں

اس لیے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رضائے یار بہتر ہے لقاء یار سے دور رہیں مگر راضی رہیں یہ بہتر ہے اس سے کہ ہم قریب رہیں اور حضور ناراض رہیں۔شعر

لقائے دوست چہ خواہی رضاء دوست طلب کہ حیف باشد ازوغیراو تمنائے

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحمت کے فرشتے ان ہمراہیوں کے ساتھ نہیں رہتے جن میں چیتے کی کھال ہو ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس زمانہ میں متکبر لوگ فخر کے طور پر چیتے کی کھال کی زین گھوڑے پر ڈال کر سوار ہوتے تھے یہ طریقہ متکبر ہی کا تھا،نیز چیتے اور شیر کی کھال پر سواری دل میں تکبر اور سختی پیدا کرتی ہےاس لیے اس سے منع فرمادیا گیا سنا ہے کہ ہرن کی کھال پر ہمیشہ بیٹھنا نامردی پیدا کرتا ہے۔واللہ اعلم! بعض شارحین نے اس کی ممانعت کی اور وجہ بھی بیان فرمائی ہیں۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے ۲؎ تو جو خدمت میں ان سے آگے بڑھ گیا وہ لوگ کسی پر کسی عمل سے سبقت نہیں کرسکتے سواء شہادت کے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان) ۴؎

۱؎ آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں کہ آپ کا نام پہلے حزن تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام سہل رکھا،آپ ساعدی ہیں،انصاری مدنی ہیں،خود بھی صحابی ہیں خود آپ کے والد سعد بھی صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ سولہ سالہ تھے پھر کافی عمر پائی، ۹۱ھ اکیانوے ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،آپ مدینہ پاک کے آخری صحابی ہیں،آپ کی وفات پر مدینہ پاک صحابہ سے خالی ہوگیا۔(اشعہ)

۲؎ اس فرمان عالی کی دو شرحیں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ سفر میں جو اپنے ساتھی مسافروں کا امیر بنے وہ ان کا حاکم نہ بنے بلکہ خادم بنے کہ اپنے آرام پر اپنے ساتھیوں کے آرام کو مقدم رکھے اور ان کی ظاہری و اندرونی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرے اس صورت میں یہ خبر بمعنی امر ہے۔دوسرے یہ کہ سفر میں جو اپنے ساتھیوں کی خدمت کرے وہ اگرچہ بظاہر معمولی ہے مگر درحقیقت ان سب کا سردار ہے شرف خدمت سے ہے نہ کہ فقط نام سے۔یہاں مرقات نے

فرمایا کہ ایک سفر میں حضرت عبداللہ مروزی کے ساتھ ابو علی نے سفر کیا حضرت عبداللہ امیر سفر بنے تو آپ اکثر ابو علی کا سامان بھی اپنی پشت پر اٹھاتے بارش ہوئی تو ابو علی پر کمبل تان کر کھڑے ہوگئے پوچھا گیا کہ یہ کیا فرمایا کہ امیر سفر کے یہ ہی فرائض منصبی ہیں یہ ہے اس حدیث پاک پر عمل۔

۳؎ یعنی سفر جہاد وغیرہ میں جو شخص اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا رہے گا وہ ان سب نمازیوں وغیرہم سے بڑھ جاوے گا ان لوگوں کا کوئی عمل اس خدمت سے نہیں بڑھ سکتا ہاں جو ان میں سے راہ خدا میں شہید ہوجائے گا وہ شہادت اس خدمت سے بڑھ جائے گی۔یہ فرمان عالی عقل کے بھی بالکل مطابق ہے کیونکہ اس سفر میں یہ خدمت کرنے والا نماز وغیرہ سارے کام دوسروں کی طرح کرے گا مگر خدمت یہ کرے گا دوسرے نہ کریں گے تو اس کا عمل زیادہ ہوا لہذا اس کا درجہ وثواب بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

۴؎ اس حدیث کو حاکم نے اپنی تاریخ میں ابن ماجہ نے حضرت ابوقتادہ سے خطیب نے حضرت ابن عباس سے بھی روایت کیا۔(مرقات)

باب الکتاب الی الکفار ودعائھم الی الاسلام

کفار کو فرمان لکھنا اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے شاہ روم قیصر اور شاہ فارس کسریٰ وغیرہم کو دعوت نامہ لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ انہیں دعوت اسلام دیں تو واقف کار صحابہ کرام نے عرض کیا یہ بادشاہ بغیر مہر والے خط کو نہیں پڑھا کرتے تب حضور انور نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں نقش کروایا "محمد رسول اللہ"یوں کہ پہلے محمد پھر اس کے اوپر رسول پھر اس کے اوپر اللہ اور ان سلاطین کو فرامین لکھے جیساکہ ابھی احادیث میں آرہا ہے۔مہر والی انگوٹھی بادشاہ،قاضی اور مفتی کے لیے سنت ہے۔(از مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے قیصر کو فرمان لکھااسے دعوت اسلام دیتے ہوئے [1] اور دحیہ کلبی کو اپنا خط دے کر اس کی طرف بھیجا [2] اور انہیں حکم دیا کہ یہ خط بصریٰ کے حاکم کو دے دیں [3] تاکہ وہ قیصر کو پہنچادیں [4] تو اس میں یہ تھا شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو مہربان رحم والا ہے [5] یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے سلطان روم ہرقل کے طرف ہے [6] اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے [7] اس کے بعد میں تم کو دعوت اسلام سے بلاتا ہوں [8] اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے اللہ تم کو ڈبل ثواب دے [9] اور اگر تم نے منہ پھیرا تو تم پر تمام رعایا کا گناہ ہے [10] اور اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سواءکسی کو نہ پوجیں اورکسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہمارے بعض بعض کو اللہ کے مقابل رب نہ بنالیں [11] پھر اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں [12] (مسلم،بخاری)اور مسلم کی

روایت میں یوں فرمایا کہ یہ فرمان محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے اور فرمایا رعایا کا گناہ اور فرمایا اسلام کی دعوت ١٣	

ا؎ بادشاہ روم کا لقب اس زمانہ میں قیصر تھا اور بادشاہ فارس کا لقب کسریٰ اور بادشاہ حبشہ کا لقب نجاشی،شاہ ترک کا لقب خاقان،شاہ قبط کا لقب فرعون، شاہ مصر کا لقب عزیز اور شاہ حمیر کا لقب تبع،شاہ ہند کا لقب سلطان ہوتا تھا۔(نووی،اشعہ،مرقات)حضور انور نے یہ فرمان نامے حضرت زید ابن ثابت سے لکھوائے تھے خود ان پر مہر کی تھی ان فرمانوں کے فوٹو چھپے ہوئے ہیں اور مع ترجمے کے شائع ہوئے ہیں،اس قیصر کا نام ہرقل تھا۔

٢؎ دحیہ دال کے کسرہ ح کے سکون اور ی کے فتحہ سے آپ دحیہ ابن خلیفہ ہیں،قبیلہ بنی تغلب سے ہیں،احد اور بعد کے غزوات میں شامل رہے،بہت خوبصورت تھے،اکثر جبرائیل امین آپ کی شکل میں آتے تھے،حضرت دحیہ آخر عمر میں حضرت امیر معاویہ کے پاس شام میں رہے یہ فرمان عالی ٦ھ میں روانہ ہوئے۔

٣؎ خیال رہے کہ بصریٰ صوبہ خوران کا ایک شہر ہے دمشق اور بعلبک کے درمیان یہ صوبہ روم کے قبضہ میں تھا یہاں روم کا گورنر رہتا تھا اور بصرہ دوسرا شہر ہے جو عراق میں ہے جہاں سے بغداد شریف کو ریل جاتی ہے میں نے بصرہ و بغداد کی زیارات کی ہیں،بعض لوگ اسے بصرہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔

٤؎ جیسے آج کل سفیر یا وزیر خارجہ کے ذریعہ صدر مملکت سے بات ہوتی ہے ویسے ہی اس زمانہ میں گورنر بصریٰ کے ذریعہ قیصر روم کو پیغام دیئے جاتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعوت اسلام گورنر بصریٰ کے ذریعہ بھیجی۔معلوم ہوا کہ ہر ملک کے قوانین پر عمل کرنا درست ہے جب کہ وہ خلاف اسلام نہ ہوں۔

٥؎ معلوم ہوا کہ اپنے خط وغیرہ دنیاوی تحریروں کو بھی بسم اللہ سے شروع کرنا سنت ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ بلقیس کو خط لکھا تھا تو اسے بھی بسم اللہ سے شروع فرمایا تھا(قرآن کریم)آج کل بعض محتاط لوگ بجائے بسم اللہ کے ٧٨٦ یعنی بسم اللہ کے عدد لکھتے ہیں نیچے ٩٢ محمد کے نام کے عدد کیونکہ آج کل خطوط ڈاک سے جاتے ہیں جس سے بسم اللہ وغیرہ کی بے ادبی ہوتی ہے ۔وہ فرمان عالی ہاتھوں ہاتھ گئے تھے ان کی یہ احتیاط بھی اچھی ہے غرضیکہ ادب اعلیٰ عبادت ہے جتنا ہوسکے اچھا ہے۔

٦؎ معلوم ہوا کہ خط میں کاتب اور مکتوب الیہ کا نام شروع میں لکھنا سنت ہے بعد میں مضمون ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ مکتوب الیہ کے کچھ خصوصی القاب لکھنا بھی بہتر ہے خود اپنے خصوصی صفات بیان کرنا بھی اچھا ہے،حضور انور نے عبداللہ ورسولہ میں اپنے کمال عبودیت اور جمال و رسالت دونوں بیان فرمائے۔ہرقل عیسائی تھا،اس فرمان میں اشارۃً ان کی غلطی کی طرف بھی متوجہ فرمادیا کہ تم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بجائے بندے کے خدا مان لیا۔

٧؎ معلوم ہوا کہ کفار کو السلام علیکم نہ کہا جائے کفار وبے دینوں کو یہ سلام کرے،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون سے یہ ہی سلام فرمایا تھا ہدیٰ سے مراد ہدایت اسلام ہے۔

۸؎ داعیہ مصدر ہے بمعنی دعوت (بلانا) جیسے عافیہ اور عافیت بعض نسخوں میں بدعایۃ الاسلام ہے اس کے معنی بھی یہ ہی ہیں جیسے رعایۃ۔

۹؎ یعنی اگر تو اسلام لے آیا تو دنیا میں برے عقیدے،برے اعمال اور جزیہ و قتل سے بچے گا اور آخرت میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے گا اور تجھے اور نو مسلموں سے ثواب بھی دگنا ملے گا ایک ثواب عیسائی رہنے کا پھر مسلمان ہوجانے کا کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے گناہ تو معاف ہوجاتے ہیں پچھلی نیکیاں قبول۔

۱۰؎ اریسین جمع ہے اریسی کی بمعنی کاشتکار،ماتحت،رعایا،خدام یعنی اگر تو کافر رہا تو تیری وجہ سے تیری رعایا اور خدام بھی کافر رہیں گے تو ان سب کے کفر کا وبال تجھ پر پڑے گا الناس علی دین ملوکھم،بعض نے فرمایا کہ اریسی عیسائیوں کا نام ہے کیونکہ یہ اریس کے ہیں اس لیے انہیں اردیسیہ بھی کہا جاتا ہے اریس کوئی بڑا پادری گزرا ہے۔(مرقات)یعنی تجھ پر تمام عیسائیوں کے عیسائی رہنے کا گناہ ہوگا۔

۱۱؎ یہ قرآن کریم کی آیت ہے،اس کی تفسیر ہماری تفسیری نعیمی میں ملاحظہ فرماؤ۔یہاں اتنا سمجھ لو کہ کلمۃ سے مراد سارے ایمانی اسلامی عقیدے ہیں جن کو حضرات انبیاء کرام بھی جانتے مانتے تھے اور نو مسلم و پرانے مسلم یکساں ہیں اس کی تفسیر ان لانعبد الخ ہے۔رب بنانے سے مراد یا تو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننا ہے یا پادریوں جوگیوں کو حرام اور حلال کا مالک جاننا ان سے اپنے گناہ معاف کرانا ہیں جو عیسائیوں کے ہاں ہوتا ہے اسلام میں نہ یہ عقیدے ہیں نہ یہ اعمال ہیں آیت کریمہ بہت جامع ہے یہاں اس کی تفسیر کا موقع نہیں۔

۱۲؎ یعنی اگر تم ایمان قبول نہ کرو تو بھی اس خط سے تم کو ہمارا مذہب معلوم ہوگیا کل قیامت میں تم کو ہمارے ایمان کی گواہی بارگاہ الٰہی میں دینا ہوگی۔خیال رہے کہ قیامت کے دن مؤمن کے ایمان کے گواہ کفار بھی ہوں گے اور درخت ذرے وغیرہ بھی جنہوں نے مؤمن کے ایمان کو اس کے اعمال کو دیکھا جہاں تک مؤذن کی آواز اذان پہنچتی ہے وہاں تک کہ ہر چیز اس کے ایمان کی گواہ ہے۔

۱۳؎ یریس اور دعایۃ دونوں لفظوں کی تحقیق ابھی کردی گئی ہے۔اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خط کو بسم اللہ سے شروع کرنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ کفار کو سلام اس طرح کیا جائے"اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"۔ تیسرے یہ کہ جہاد سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینا چاہیے یہ دعوت کبھی واجب ہے کبھی مستحب۔چوتھے یہ کہ ایک شخص کی خبر معتبر ہے،اکیلے حضرت دحیہ کو خط دے کر بھیجا گیا ان کے ساتھ گواہ نہ گئے۔پانچویں یہ کہ کفار کے ملک میں ایک دو آیتوں والا کاغذ بھیجنا جائز ہے وہاں قرآن لے جانا ممنوع ہے جب کہ اس کی توہین کا اندیشہ ہو،دیکھو حضور نے اس خط شریف میں قرآنی آیت لکھ کر عیسائیوں کے ملک میں بھیجی۔چھٹے یہ کہ ایک دو آیتوں کو بے وضو اور کافر چھو سکتے ہیں۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان عالی میں آیت قرآنیہ تحریر فرماکر گورنر بصریٰ کی معرفت ہرقل شام روم کو روانہ فرمایا حالانکہ عظیم بصری اور ہرقل دونوں عیسائی تھے۔ساتویں یہ کہ خط میں مضمون سے پہلے اپنا اور مکتوب الیہ کا نام لکھے۔آٹھویں یہ کہ پہلے اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا اگر بڑا آدمی فاسق ہو تو اس کی تعریف زیادہ نہ لکھے معمولی القاب لکھے۔دیکھو حضور انور نے شاہ روم کو صرف عظیم الروم لکھا یعنی جسے رومی لوگ بڑا سمجھتے ہیں۔ دسویں یہ کہ تبلیغ

میں بے نیازی بھی چاہیے اور نرم کلامی بھی،رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا"فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا"فرعون سے نرم کلام کرنا۔گیارہویں یہ کہ کلام بلیغ اور مختصر بہتر ہوتا ہے۔بارھویں یہ کہ کفار کے سرداروں کو عذاب بہت زیادہ ہوگا ان کی وجہ سے ان کے ماتحت لوگ بھی کافر رہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ"۔تیرھویں یہ کہ اگر اہل کتاب مسلمان ہوجائیں تو انہیں ثواب ڈبل ملتا ہے پہلے عیسائی ہونے کا پھر مسلمان ہوجانے کا۔چودھویں کہ یہ عبدیت رسالت پر مقدم ہے کہ اسی لیے عبدہ و رسولہ فرمایا گیا کہ عبدیت کا تعلق صرف رب تعالٰی سے ہے اور رسالت کا تعلق مخلوق سے بھی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس فرمان عالی کے بھیجتے وقت یہ آیت کریمہ"یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا"الخ نازل ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ یہ فرمان عالی ۶ھ میں بھیجا گیا اور آیت کریمہ کا نزول وفد نجران کے موقعہ پر ہوا یعنی ۹ھ میں یہ حضور عالی کا اپنا فرمان تھا جس کے مطابق تین سال بعد آیت کریمہ ان ہی الفاظ میں نازل ہوئی۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرمان نامہ عبداللہ ابن حذافہ سہمی کے ذریعہ کسریٰ کی طرف بھیجا۱ اور انہیں حکم دیا یہ فرمان نامہ بحرین کے گورنر کو دے دیں پھر بحرین کے گورنر نے وہ خط کسریٰ کو دیا۲ جب کسریٰ نے پڑھا تو اسے پھاڑ دیا،ابن مسیب کہتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ دعا فرمائی کہ وہ ہی پورے پورے پھاڑ دیئے جائیں۳(بخاری)	

۱؎ کسریٰ شاہ فارس کا لقب تھا،خسرو کا معرب،خسرو کے معنی ہیں بڑے ملک والا،اس کسریٰ کا نام پرویز ابن ہرمز ابن نوشیروان تھا یعنی نوشیروان کا بیٹا یا پوتا۔(اشعہ)عبداللہ ابن جزعہ ہیں،کنیت ابوالحارث،بدر میں شریک ہوئے،مصر میں قیام رہا،وہاں مصر میں ہی ۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

۲؎ بحرین بصرہ کے قریب لب سمندر مشہور شہر ہے وہاں کا گورنر کسریٰ کی طرف سے مقرر کردہ تھا یہ کسریٰ کے وزیر خارجہ کے فرائض انجام دیتا تھا اس لیے حضور نے اس کی معرفت کسریٰ کو فرمان عالی بھیجا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ملک اور وہاں کے قوانین و احکام فرائض حکام سے خبردار تھے۔

۳؎ خیال رہے کہ ہرقل شاہ روم نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی سن کر دل سے اسلام قبول کرلیا مگر اپنی رعایا و حکام کے خوف سے اسلام ظاہر نہ کرسکا مگر پرویز بدنصیب نے اہانت کے طور پر نامہ عالیہ پھاڑ ڈالا جس پر حضور نے اسے یہ بددعا دی کہ خدا ان کے ٹکڑے کردے اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ پرویز کا بیٹا شیرویہ تھا جو زنا اور دولت کا بڑا حریص تھا اس نے خزانہ پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے باپ پرویز کو قتل کردیا پھر خزانوں پر قابض ہوکر انہیں

کھلوایا،چنانچہ دواؤں کے خزانہ کی بھی جانچ پڑتال کی اس میں ایک دوا پر لکھا ہوا تھا کہ یہ قوت مردمی کے لیے اکسیر ہے شیرویہ نے یہ دوا کھالی یہ تھا زہر کھاتے ہی مرگیا چھ ماہ بعد اس کی موت واقعی ہوگئی پھر اس ملک پر نحوست ہی آتی رہی حتی کہ عہد فاروقی میں سارے فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اس وقت فارس کا بادشاہ یزد جردابن شہر یار ابن شیرویہ ابن پرویز تھا اس کی بیٹی شہر بانو بنت یزد جرد گرفتار کرکے مدینہ منورہ لائی گئی اور حضرت عمر نے جناب حسین سے ان کا نکاح کیا۔(مرقات)شہر بانو کی قبر تہران(ایران)میں ہے میں نے زیارت کی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ شاہ روم نے حضور انور کا خط شریف پڑھ کر ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر بہت محفوظ صندوق میں رکھ لیا تب حضور نے اسے دعا دی کہ ان کا ملک باقی رہے ۔فتح الباری میں شرح میں سیف الدین منصور سے روایت کی کہ وہ رومی بادشاہ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر گئے تو اس نے ایک سنہری صندوق سے ایک بوسیدہ کاغذ نکالا جس کے حروف بھی جگہ جگہ سے مٹ چکے تھے اور اس کا ریشمی غلاف بھی گل چکا تھا اور بولا کہ یہ تمہارے نبی کا خط ہے جو ہمارے دادا قیصر کے نام آیا تھا ہم اسے بہت سنبھال کر رکھتے ہیں اور ہمارے یہاں مشہور ہے کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس رہے ہماری سلطنت قائم رہے گی ہم عیسائیوں سے چھپاتے ہیں،امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ شاہ روم اپنے ملک کے خوف سے ایمان نہ لایا دل میں مؤمن ہوچکا تھا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کی طرف اور ہر جابر بادشاہ کی طرف فرامین لکھے ۱؎اور انہیں اللہ کی دعوت دیتے تھے یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ۲؎(مسلم)

۱؎چنانچہ حضور نے شاہ اسکندریہ مقوقس اور منذرابن سادی اور شاہ عمان اور شاہ یمامہ اور حارث ابن ابی شمر اور شاہ جر بادشاہ اذرج شاہ دج شاہ اکیدروغیرہم کے نام فرامین لکھے،یہ فرامین ۶ھ میں لکھے گئے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎جس شاہ حبشہ نجاشی پر حضور انور نے نماز جنازہ پڑھی ہے وہ ہے اصحمہ یہ بادشاہ نجاشی دوسرا ہے مؤمن یہ بھی تھا حضور انور نے عمرو ابن امیہ ضمری کے ہاتھ اس کو فرمان عالی لکھا جب اس کے پاس عمرو پہنچے تو وہ تخت سے اتر کر دوزانو بیٹھ گیا،خط شریف کو چوما آنکھوں سے لگایا فرمان عالی پڑھ کر فورًا مسلمان ہوگیا اور اپنے بیٹے کو بہت تحفے ہدیئے دے کر حضور کے پاس بھیجا،اس کا وہ لڑکا راستہ میں فوت ہو گیاتب حضور انور نے نجاشی کو دوسرا خط شریف بھیجا،نجاشی کی اولاد میں اب تک یہ دونوں خطوط محفوظ ہیں جنہیں وہ تبرکًا رکھتے ہیں۔ان کی زیارت کرتے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)رضی اللہ عنہم اجمعین

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن بریدہ سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا فوج پر امیر بناتے تو اسے اپنے خاص ذاتی معاملہ میں اللہ سے ڈرنے کی اور اپنے مسلمان

	ساتھیوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرماتے تھے ۲؎ پھر فرماتے کہ اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو،ان سے جنگ کرو جو اللہ کے منکر ہیں ۳؎ جہاد کرو تو نہ خیانت کرو،نہ بدعہدی اور نہ مثلہ کرو نہ کسی بچہ کو قتل کرو ۴؎ اور جب اپنے دشمن مشرکوں سے ملو تو انہیں تین خصلتوں یا تین باتوں کی طرف بلاؤ ۵؎ تو وہ ان میں سے جو بات مان جائیں تم ان سے قبول کرو اور ان کے ہاتھ روک لو ۶؎ انہیں اسلام کی طرف بلاؤ ۱؎ تو اگر وہ یہ مان لیں تم ان سے قبول کرلو اور ان سے ہاتھ روک لو ۷؎ تو پھر انہیں اپنے وطن سے مہاجرین کی جگہ کی طرف منتقل ہو جانے کی دعوت دو ۸؎ اور انہیں خبر دو کہ وہ یہ کرلیں گے تو ان کے لئے وہ ہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں اور ان پر وہ ذمّہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں ۹؎ اگر وہ وہاں سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو انہیں آگاہ کردو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہونگے کہ ان پر وہ احکام الٰہی جاری کئے جائیں گے ۱۰؎ جو مسلمانوں پر جاری کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے غنیمت وفئ سے کچھ نہ ہوگا ۱۱؎ مگر یہ کہ مسلمان کے ساتھ جہاد کریں ۱۲؎ پھر اگر وہ انکار کریں تو تم ان سے جزیہ مانگو ۱۳؎ پھر اگر وہ لوگ تمہاری مان لیں تو تم ان سے قبول کرلو اور ان سے ہاتھ روک لو ۱۴؎ لیکن اگر وہ انکاری ہوں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ کرو ۱۵؎ اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو پھر وہ تم سے خواہش کریں کہ تم ان کے لئے اللہ رسول کا ذمہ کرو تو تم ان کے لئے نہ اللہ کا ذمہ اور نہ اس کے نبی کا ذمہ ۱۶؎ بلکہ ان کے لیے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو کیونکہ اگر تم اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ توڑے جاؤ تو یہ اس سے آسان ہے کہ تم اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ توڑے جاؤ ۱۷؎ اور اگر تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو پھر وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم پر اتارو تو تم ان کو اللہ کے حکم پر نہ اتارو لیکن انہیں اپنے حکم پر اتارو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے متعلق اللہ کا حکم پاؤ گے یا نہیں ۱۸؎ (مسلم)

۱؎ سلیمان تابعی ہیں،عہد فاروقی میں پیدا ہوئے،ان کے والد بریدہ ابن حصیب صحابی ہیں،حضرت علی کے خاص لوگوں سے ہیں، مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی لشکر کے سپہ سالار سے فرماتے کہ اپنے ذاتی معاملہ میں اللہ سے ڈرنا،ترک نماز،خیانت دیگر خلاف شرع باتوں سے پرہیز کرنا اور اپنے ماتحت سپاہیوں وغیرہم کے ساتھ بھلائی کرنا،نرم برتاوا کرنا گویا اپنے آپ مشقت جھیلنا،ماتحتوں پر نرمی کرنا اس لیے پہلے تقوی اللہ فرمایا اور بعد میں خیرًا۔

۳؎ یعنی جہاد میں صرف رضاالٰہی کی نیت ہو،ملک گیری،غنیمت عزت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو،رب تعالٰی راضی ہوجائے تو تمہیں سب کچھ مل جائے گا،اللہ کے انکار سے مراد اللہ کے دین کا انکار ہے لہذا اس میں نبوت یا کتاب اللہ کا انکار بھی داخل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف کفار پر ہوگا خواہ اصلی کافر ہوں خواہ مرتد ہی کہ مسلمان اسلام چھوڑ کر بے دین ہوجائیں اور ان سے جنگ کرنی پڑے وہ بھی جہاد ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کو نبی مان لینے پر جہاد کیے،خلافت حیدری کے زمانہ میں جو حضرت عائشہ صدیقہ یا امیر معاویہ سے جنگیں ہوئیں وہ جہاد نہیں صرف قتال ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ"۔

۴؎ اس مختصر فرمان عالی میں چار چیزوں سے منع فرمایا گیا:غنیمت میں خیانت،بحالت جنگ جو مقابل کفار سے وعدہ کرلیا جائے اس کے خلاف کرنا،مقتول کافر کے ناک کان،ہاتھ پاؤں کاٹنا یا اس کا منہ کالا کرنا،کفار کے ناسمجھ بچوں کو قتل کرنا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مثلہ کرنا(مقتول کی شکل بگاڑنا)منسوخ ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قبیلہ عرینہ کے مرتد ڈاکوؤں کی آنکھیں پھوڑیں وہ اس حکم سے منسوخ ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کفار ہمارے مقتول شہداء کا مثلہ کریں تو ہم بھی اس کے جواب میں ان کا مثلہ کرسکتے ہیں مگر پہلی بات صحیح ہے،اگر بحالت جنگ اتفاقًا کفار کے بچے مرجائیں تو مجاہدین گنہگار نہیں کہ ان کا ارادہ نہ تھااور اگر بچہ کفار کا بادشاہ یا سپہ سالار ہو تو اسے قتل کردیا جائے کہ اس سے کفر کی شوکت تو ٹرنا ہے۔اس کی پوری بحث فتح القدیر اور مرقات میں دیکھو۔کفار کی عورتیں و بوڑھے لوگ اگر جنگ سے علیحدہ ہوں تو انہیں قتل نہ کیا جائے،اگر بادشاہ یا سپہ سالار ہو یا کفار کے مددگار کہ انہیں طریق جنگ سکھاتے ہوں تو ضرور قتل کردیئے جاویں۔

۵؎ اس میں خطاب امیر لشکر سے ہے کہ یہ کام امیر کا ہے عام غازیوں کا نہیں۔خصال جمع خصلة کی،خلال جمع ہے خلة کی دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی عادت۔

۶؎ سبحان اللہ! یہ ہے اسلامی جہاد کہ ایک دم کفار پر ٹوٹ پڑنے کی اجازت نہیں۔جہاد میں اصل مقصود اسلام پھیلانا ہے نہ کہ صرف کفار کو قتل کرنا جنگ تو صرف مجبوری سے ہے۔

۷؎ یعنی بطور مشورہ ان کو دعوت اسلام دو،کہو کہ مسلمان ہوکر ہمارے بھائی بن جاؤ،اگر ان کفار تک دعوت اسلام نہ پہنچی ہو وہ اسلام کو جانتے ہی نہ ہوں تو یہ حکم وجوبی ہے کہ بغیر دعوت دیئے جنگ کرنا ممنوع ہےاور اگر پہنچ چکی ہے تو یہ امر استحبابی ہے کہ اگر بغیر دعوت دیئے بھی جنگ کی گئی تو جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے دعوت بعد میں جنگ اور یہ حکم اسی وقت ہے جب یہ چیزیں ممکن ہوں،اگر حالات نازک ہیں دعوت کا موقعہ نہیں جلد حملہ نہ کرنے میں خطرہ ہے تو یہ حکم نہیں۔

۸؎ یعنی بلاوجہ بدگمانی نہ کرو کہ انہوں نے دھوکہ کے لیے اسلام قبول کیا ہے دل سے قبول نہیں کیا بلکہ ان کا اسلام لانا مان لو،اگر دھوکہ دہی کی علامات موجود ہوں تو ان کا حکم دوسرا ہے۔

۹؎ مرقات نے فرمایا کہ ہجرت کا یہ حکم فتح مکہ سے پہلے تھا،فتح مکہ ہوچکنے کے بعد اب ان کفار سے ہجرت کے لیے نہ کہا جائے گا۔چنانچہ عہد فاروقی وغیرہ میں بڑے معرکے کے جہاد ہوئے،لوگ مسلمان ہوئے مگر کسی کو مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہوجانے کا حکم نہ دیا گیا،نہ مدینہ منورہ میں اتنی جگہ ہے کہ تمام نو مسلم مہاجروں کو جگہ وہاں مل سکتی ہے لہذا یہ فرمان اسی زمانہ کے لحاظ سے ہے۔

۱۰؎ زمانہ نبوی میں مہاجرینِ مدینہ کو فئی میں سے حصہ ملا کرتا تھا خصوصًا جب وہ جہاد میں جاتے تو ان کی واپسی تک ان کے بال بچوں کو اس فئی سے خرچہ ملتا رہتا تھا، نیز مہاجرین کو جہاد کے لئے حسبِ الحکم جانا پڑتا تھا یہاں یہ ہی دو خبریں مراد ہیں یعنی اگر تم مہاجرین بن کر مدینہ منورہ آگئے تو تم کو فئی کا وہ ہی حصہ ملا کرے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے اور تم پر اسی طرح جہاد میں جانا لازم ہوا کرے گا جو دیگر مہاجرین پر لازم ہے۔غیر مہاجرین مسلمان جو کفار کے ملک میں رہتے ہیں ان پر اس طرح جہاد واجب نہیں یعنی جیسے دوسرے غیر مہاجرین پر لازم ہے۔غیر مہاجر مسلمان جو کفار کے ملک میں رہتے ہیں ان پر اس طرح جہاد واجب نہیں۔

۱۱؎ یعنی جیسے دوسرے غیر مہاجر مسلمانوں پر جہاد نہیں صرف نمازوروزہ وغیرہ ہے ایسے ہی ان پر ہوگا انہیں مہاجرین کی رعایات نہ ملیں گی۔

۱۲؎ یا تو غنیمت اور فئی ہم معنی ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے یا غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے جنگ میں لڑکر حاصل کیا جائے اور فئی وہ مال ہے جو بغیر جنگ ہاتھ آجائے۔

۱۳؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مہاجرین کو غنیمت و فئی میں سے کچھ دیا جاتا تھا جو غیر مہاجر کو نہ ملتا تھا۔

۱۴؎ یعنی اگر کفار اسلام قبول نہ کریں تو تم ان کو مسلمان ہونے پر مجبور نہ کرو بلکہ انہیں کہو کہ ہماری رعایا بن جائیں اور ہم کو جزیہ(ٹیکس)دیا کریں کہ ہم ان کی حفاظت کریں وہ ہم کو ٹیکس دیں۔خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں مشرکین عرب اور مجوسیوں سے ٹیکس(جزیہ)نہ لیا جائے گا ان کے لیے صرف اسلام ہے یا قتل۔مرتدین سے جزیہ کسی مذہب میں نہیں اسے تو مسلمان ہی ہونا پڑے گا ورنہ قتل کیا جائے گا،یہ حدیث امام مالک و اوزاعی کی دلیل ہے ان کے ہاں ہر کافر سے جزیہ قبول کیا جائے گا اہل کتاب ہو یا مشرک یا مجوسی اور عربی ہو یا عجمی۔امام شافعی کے ہاں اہل کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ قبول ہوگا خواہ عربی ہوں یا عجمی۔ہمارے اور امام شافعی کے ہاں یہ حدیث اہل کتاب کے متعلق ہے،انہیں مشرکین فرمایا گیا ہے لغت کے لحاظ سے کہ وہ مشرک ہیں لہذا یہ حدیث ہمارے اور شوافع کے خلاف نہیں۔

۱۵؎ یعنی جزیہ قبول کرکے انہیں اپنی رعایا بنا لو انہیں قتل نہ کرو کہ اداء جزیہ کے بعد ان کفار کے مال و جان مسلمانوں کے مال وجان کی طرح ہو جاتے ہیں جیساکہ حضرت علی کی روایت میں ہے۔(مرقات)

۱۶؎ یہ ہے وہ تیسری بات جس کا ذکر پہلے ہوا تھا یعنی اگر کفار ایسے سرکش ہوں کہ نہ تو مسلمان بنیں نہ تمہاری اطاعت کریں تب ان پر جہاد کرو۔

۱۷؎ یعنی اگر قلعہ میں گھرے ہوئے کفار خواہش کریں کہ ہم کو اللہ رسول کی ذمہ داری پر ان کی ضمانت پر قلعہ سے باہر نکال لو کہ ہماری جان و مال کے اللہ رسول ضامن و ذمہ دار ہیں اگر تم نے ہم کو باہر نکال کر قتل کیا یا مال لیا تو تم ان دونوں ذاتوں کے مجرم ہو گے۔یہاں مرقات نے ذمہ کے معنی کیے عہد و امان۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی ضمان اللہ رسول کی امان لینا جائز ہے،بعض لوگ اپنے مسافر سے کہتے ہیں اللہ رسول کی ضمان پانچ پیروں کی امان میں جاوے،بعض لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کا امام ضامن مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں،ان سب کا ماخذ یہ فرمان عالی بھی ہوسکتا ہے یعنی کفار کو اللہ رسول کی ضمان پر نہ اتارو بلکہ اپنی ضمان و امان پر اتارو۔

۱۸؎ یہاں دو روایتیں ہیں اَن الف کے فتح سے اور اِن الف کے کسرہ سےاور **تخفروا** بنا ہے **اخفار** سے بمعنی توڑنا یا معروف ہے یا مجہول ہم نے مجہول کی روایت لی ہے یعنی اگر تم کفار کو اللہ رسول کے ذمہ پر اتارواور وہ اتر کر اس ذمہ کو توڑ دیں تو یہ بہت برا ہے،اگر تمہارے ذمہ کو توڑیں تو یہ نرم ہے اور اگر **تخفروا** معروف ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اگر وہ لوگ بدعہدی کریں اور تم ان کی بدعہدی کی وجہ سے ان کی امان توڑو تو اللہ رسول کی امان توڑنا سخت ہے اپنی امان توڑنا سہل لہذا حدیث پاک میں بدعہدی وعدہ خلافی امان توڑنے ضمان کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں،یہ خوب خیال میں رکھنا چاہیے۔

۱۹؎ یعنی اگر محصور کفار تم سے کہیں کہ ہم قلعہ سے اتر آتے ہیں ہم پر اللہ تعالٰی کا حکم جاری کرنا تو تم یہ قبول نہ کرو کیونکہ تم جو حکم جاری کرو گے وہ وحی سے تو ہوگا نہیں تمہارے اپنے اجتہاد سے ہوگا نہ معلوم کہ اجتہاد درست ہو یا نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد اپنے اجتہادی حکم کو یقینی طور پر اللہ رسول کا حکم نہیں کہہ سکتا،کیا خبر ہے کہ یہ اجتہاد درست ہے یا نہیں۔اسی لئے علامہ شامی نے فرمایا کہ اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ تم حق پر ہو یا امام شافعی تو ہم کہیں گے کہ غالبًا حق پر ہم ہی ہیں مگر شائد حق پر وہ ہوں اگر پوچھا جائے تم حق پر ہو یا معتزلہ و خوارج تو ہم کہیں گے کہ یقینًا ہم ہی حق پر ہیں وہ لوگ یقینًا باطل پر ہیں کیونکہ امام شافعی سے اجتہادی اختلاف ہے اور ان معتزلہ و خوارج سے عقیدہ کا اختلاف ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان دنوں میں جن میں دشمن سے جنگ فرمائی ۲؎ تو یہاں تک انتظار فرمایا کہ سورج ڈھل گیا ۳؎ تو حضور لوگوں میں کھڑے ہوئے پھر فرمایا کہ اے لوگو دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو ۴؎ اور اللہ سے امن کی دعا مانگو پھر جب بھڑ جاؤ تو صبر کرو ۵؎ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے ۶؎ پھر کہا اے اللہ اے کتاب کے اتارنے والے اور بادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو بھگانے والے انہیں بھگادے اور ان کے مقابل میں ہماری مدد فرما ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں، ۸۷ھ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ جنگ کون سی تھی مگر یہ معلوم ہوا کہ اس جنگ میں مسلمان حملہ آور تھے کفار نے مدینہ منورہ پر حملہ نہ کیا تھا۔خیال رہے کہ جہاد ہر طرح جائز ہے مدافعانہ بھی اور جارحانہ طور پر بھی۔جن بے وقوفوں نے سمجھا کہ مسلمان صرف دفاع کریں انہوں نے غلط سمجھا،سواء احد و احزاب کے حضور نے تمام جہاد جارحانہ ہی کیے ہیں۔

۳؎ جب کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہی نماز ظہر کا وقت آگیا فتح و نصرت کی ہوائیں چلنے لگیں مجاہدین قیلولہ کرکے تازہ دم ہوگئے دعا کی قبولیت کا وقت آگیا کیونکہ نماز کے وقتوں میں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔معلوم ہوا کہ یا تو صبح کے وقت جہاد کیا جائے یا دن ڈھلے،بیچ دوپہری میں جہاد نہ کرے۔(مرقات وغیرہ)حدیث شریف میں ہے کہ دن ڈھلے آسمان کے دروازہ رحمت کھل جاتے ہیں۔(اشعہ)

۴؎ یعنی جنگ کی تمنا نہ کرو نہ دعا مانگو کیونکہ جنگ ایک بلا ہے بلا کی آرزو اچھی نہ بہتر اس میں فخروتکبر کی بو ہے اس لیے اس تمنا سے بچو اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ نہ کرو۔ہمیشہ اللہ سے فضل و رحمت مانگو۔بیماری اگرچہ اللہ کی رحمت کا باعث ہے،سانپ کاٹے کی موت شہادت کی موت ہے مگر نہ تو ان کی دعا کرو نہ کوشش اور جب رب کی طرف سے آجائے تو صبر کرو۔

۵؎ یعنی دعا کرو امن و عافیت کی نہ کہ جنگ کی اور اگر کفار سے جنگ کرنا پڑے تو پھر ہمت و استقلال سے کام لو۔سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم ہے۔

۶؎ تلوار سے مراد ہتھیار جنگ ہیں جن میں تیر بندوق توپ اور ہوائی جہاز راکٹ وغیرہ سب شامل ہیں،چونکہ اس زمانہ میں جہاد کا عام استعمالی ہتھیار تلوار تھی اس لیے ہی اس کا ذکر فرمایا۔سایہ تلوار سے مراد ہے اٹھی ہوئی کھچی ہوئی تلوار خواہ ہماری تلوار ہو جو کافروں کے سر پر پڑرہی ہو یا کفار کی تلوار ہو جو وہ ہم پر اٹھا رہے ہوں یعنی جنت جہاد سے بہت ہی قریب ہے گویا تلواروں کے سایہ میں ہے کہ غازی شہید ہوا اور جنگ میں گیا۔خیال رہے کہ تمام جنتی مسلمان بعد قیامت جنت میں جائیں گے مگر شہید کی روح جسم سے نکلتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے۔

۷؎ معلوم ہوا کہ جہاد سے پہلے دعاء نصرت کرنا سنت ہے اور بہتر ہے کہ دعا ماثورہ مانگے یہ دعا ہو یا کوئی اور دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو یا حضرات اولیاء سے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جب ہمارے ساتھ کسی قوم پر جہاد کرتے تو حملہ نہ فرماتے حتی کہ صبح پالیتے اور ان کی طرف غور کرتے ۱؎ اگر اذان سنتے تو ان سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کردیتے ۲؎ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کی طرف گئے تو ہم ان تک رات میں پہنچے ۳؎ جب سویرا ہوا اور اذان نہ سنی تو آپ سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہوا کہ میرے قدم حضور کے قدم سے چھوتے تھے ۴؎ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی زنبیلیں اور	

	پھاوڑے لے کر نکلے ۵؎ پھر جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بولے محمد خدا کی قسم محمد اور لشکر ۶؎ پھر انہوں نے قلعہ میں پناہ لے لی ۷؎ تو جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر ویران ہوگیا ۸؎ جب ہم ایک قوم کے میدان میں اترے تو ڈرائے ہوؤں کا سویرا برا ہوگیا ۹؎ (مسلم بخاری) ۱۰؎

۱؎ یعنی کسی قوم پر رات میں حملہ نہ کرتے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ہی عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ممکن تھا کہ جہاں حملہ کرنا ہے وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو اس لیے توقف فرماتے۔یہ عمل شریف امت کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے خبردار ہیں کہ کون کہاں ہے اور کس حال میں ہے جیساکہ بارہا عرض کیا جاچکا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ اذان دین کا شعار ہے،اس کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور اگر کسی جگہ کے مسلمان اذان چھوڑ دیں تو سلطان اسلام ان پر جہاد کرے۔اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے مسلمان اذان قائم کریں۔

۳؎ اور پہنچے اس حالت میں کہ خیبر والے ہمارے اس آمد سے بالکل ہی بے خبر تھے۔اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان غازیوں کو بلند آواز سے تکبیر کہنے تک سے روک دیا تھاتاکہ کسی طرح خیبر والوں کو ان کی آمد کا پتہ نہ چل جائے۔مقصد یہ تھا کہ خونریزی کے بغیر فتح ہو جائے۔

۴؎ اس طرح کہ میں اور میرے سوتیلے والد ابوطلحہ ایک گھوڑے پر سوار تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار تھے مگر یہ دونوں اس قدر ملے ملے چل رہے تھے کہ ہر پاؤں کو حضور کی قدم بوسی نصیب ہوجاتی تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک گھوڑے پر یہ تین حضرات سوار تھے حضرت انس اور ابوطلحہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا ہے۔

۵؎ **مکاتل** جمع ہے **مکتل** کی بمعنی زنبیل(ٹوکری)اتنی بڑی کہ جس میں پندرہ صاع چیز آجائے۔ایک صاع ساڑھے چار سیر کا۔(اشعہ)**مساحی** جمع ہے **مسحاۃ** کی بمعنی پھاوڑا۔یہ **سحو** سے بنا بمعنی کھولنا،چونکہ پھاوڑے کے ذریعے زمین سے مٹی ہٹا کر زمین کھولی جاتی ہے اس لیے **مسحاۃ** کہتے ہیں یعنی زمین کھولنے کا آلہ۔مقصد یہ ہے کہ اہل خیبر ہمارے حملہ سے ایسے بے خبر تھے کہ وہ صبح کو کھیتی باڑی اور باغبانی کے اوزار لے کر اپنے کھیتوں اور باغوں کی طرف نکلے راہ میں انہوں نے ہم کو دیکھا تو دنگ رہ گئے۔

۶؎ یعنی محمد رسول اللہ اور لشکر اسلام پہنچ گئے حیرت سے انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا۔خیال رہے کہ لشکر کو خمیس یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں (۱) مقدمہ (۲) ساقہ (۳) میمنہ (۴) میسرہ (۵) قلب یا اس لیے کہ غنیمت

کے پانچ حصے ہوکر خمس یعنی پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہوتا تھا اور چار حصے فوج کے، خمیس کے معنی ہیں خمس یعنی پانچ والی۔

۷؎ خیبر میں اب تک پانچ بلکہ سات قلعے ہیں ایک قلعہ بہت بڑا یہاں یا تو جنس قلعہ مراد ہے یا بڑا قلعہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔فقیر نے وہ قلعہ دیکھا ہے بہت اونچا اور بہت ہی مضبوط ہے،پہاڑی سا معلوم ہوتا ہے،بہت چوڑی دیواریں ہیں اور گرد خندق ہے جواب تک دیکھنے میں آتی ہے۔

۸؎ یہ جملہ خبر ہے یا دعا یعنی کفار سے خالی ہوگیا یا خالی ہوجائے،رب تعالٰی نے فرمان سچا کر دکھایا اب تک وہاں کفار نہ پہنچ سکے ہیں۔

۹؎ یہ فرمان عالی اس آیت کریمہ سے اقتباس ہے"فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ" یعنی ہمارا ان پر ٹوٹ پڑنا ان پر عذاب الٰہی ہے کہ ہمارے آتے ہی ان کا سویرا بگڑ گیا یعنی ان کا حال خراب ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا دشمن پر حملہ کے وقت نعرہ تکبیر سنت ہے اور قرآن کریم سے اقتباس صحیح طور پر جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

۱۰؎ یہ حدیث ترمذی،نسائی،ابن ماجہ نے بھی روایت کی۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن مقرن سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حاضر ہوا ۲؎ جب حضور اول دن میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے حتی کہ ہوائیں چلتیں اور وقت نماز آجاتا ۳؎ (بخاری)	

۱؎ آپ نعمان ابن عمرو ابن مقرن مزنی ہیں،سوید ابن مقرن کے بھائی،حضرت سوید فتح کے دن قبیلہ مزنیہ کے علمبردار تھے،آپ نے اپنے ساتھ بھائیوں اور چارسو ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کی تھی،پھر بصرہ میں قیام پذیر رہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہاوند کے گورنر تھے،وہاں ہی اکیس ۲۱ھ میں فوت ہوئے، رضی اللہ عنہ۔

۲؎ جہاد سے مراد جنس جہاد ہے یعنی بہت سے جہادوں میں شریک ہوا ہوں۔

۳؎ ارواح جمع ہے ریح کی چونکہ ریح اصل میں روح تھا واؤ ی سے بدل گیا تھا اس لیے جمع ارواح آئی،ارياح بھی آتی ہے مگر بہت کم۔ریاح اور ارواح بہت زیادہ،جمع کی جمع اراویح یا ارایيح ہے۔چونکہ بیچ دوپہری میں کفار سورج کی پوجا کرتے ہیں اس لیے اس وقت نماز نہیں ہے اور حضور اس وقت جہاد بھی نہ کرتے تھے،سورج ڈھلے سورج کی پوجا ختم ہوجاتی ہے،نماز ظہر پڑھنے لگتے ہیں نمازیوں کے لیے دعائیں شروع ہوجاتی ہیں،دوپہری کی شدت جاتی رہتی ہے،قدرے ٹھنڈی ہوا بھی چلنے لگتی ہے اس لیے حضور اس وقت جہاد فرماتے تھے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت نعمان ابن مقرن سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۱؎ تو آپ اگر شروع دن میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے حتی کہ سورج ڈھل جاتا اور ہوائیں چل پڑتیں اور نصرت و فتح اترتی ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎بہت سے جہادوں میں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎اس طرح کہ مسلمان بعد نماز ظہر غازیوں کے لیے دعائیں مسجدوں میں کرتے ہوتےاور ادھر غازی لوگ میدان میں جہاد کرتے گویا جہاد مسلمانوں کی دعاؤں کے سایہ میں ہوتے تھے۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے وہ نعمان ابن مقرن سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تو فجر طلوع ہوتی تو آپ رک جاتے حتی کہ سورج طلوع ہوجاتا۱؎پھر جب سورج طلوع ہوتا تو جنگ کرتے پھر جب نصف دن ہوجاتا تو رک جاتے۲؎ حتی کہ سورج ڈھل جاتا پھر جب ڈھل جاتا تو جہاد کرتے عصر تک پھر ٹھہر جاتے حتی کہ عصر پڑھ لیتے پھر جہاد کرتے،قتادہ کہتے ہیں کہ کہا جاتاہے۳؎کہ اس وقت فتح و نصرت کی ہوائیں چلتیں ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کے لیے دعائیں کرتے ۴؎(ترمذی)	

۱؎آفتاب نکلتے تک کا انتظاراس لیے ہوتا تھاکہ نمازفجر سے اطمینان کے ساتھ فراغت ہوجائے اور بعد نماز ورد وظیفے اور پھر نماز چاشت سے فارغ ہوجاتے تھے،ہمیشہ ہی نماز اور ذکراللہ کی پابندی چاہیے مگر جہاد میں بہت زیادہ چاہیے۔ثابت قدمی اور ذکر اللہ یہ دو ایسے ہتھیار ہیں جو کفار کے پاس نہیں،رب فرماتاہے:"اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا"۔

۲؎یہاں نصف دن سے مراد شرعی دن کا آدھا ہے جسے ضحوہ کبریٰ کہتے ہیں۔اس وقت سےسورج ڈھلنے تک کافی وقفہ مل جاتا ہےجس میں غازی آرام کرکے تازہ دم ہوجاتے ہیں کیونکہ نجومی کہتے ہیں کہ دن کے آدھے اور سورج ڈھلنے میں وقفہ بہت کم ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی عام صحابہ اور عام مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اس وقت جنگ کرنے میں یہ حکمتیں ہیں اور یہ شہرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی بنا پر ہے۔آزمائش ہے کہ جو بات مشہور ہواس کی اصل ضرور ہوتی ہے۔
۴؎ بعد فجر بعد ظہر تو عموماً دعائیں ہوتی ہیں مگر بعد عصر میں یہ خصوصیت ہے کہ بہت سے انبیاء کرام نے اس وقت جہاد میں فتح پائی ہے۔چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک نبی جہاد فرمارہے تھے،شہر قریب فتح تھا کہ سورج ڈوبنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے سورج تو بھی مامور ہےاور میں بھی مامور ہوں،خدایا اسے روک دے،چنانچہ سورج روک دیا گیاجب انہوں نے شہر فتح فرمایا تب سورج ڈوبا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عصام مزنی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا تو فرمایا جب تم مسجد دیکھو یا مؤذن کو سنو تو کسی کو قتل نہ کرو ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب تم کسی بستی میں قولی یا فعلی علامت اسلام دیکھو تو اندھا دھند وہاں قتال نہ کروبلکہ مسلمان و کافر کی چھانٹ سے کرو کہ کوشش کرو کہ صرف کفار تمہاری تلوار سے مارے جاویں مسلمان زد میں نہ آویں۔(مرقات)لہذا حدیث واضح ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر حربی کفار کے ملک میں کوئی مسجد ہو تو ان پر جہاد ہی نہ ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں حملہ کیا وہاں قتال بھی ہوا حالانکہ وہاں تو کعبہ شریف موجود تھا لہذا احد سے مراد ہے کوئی مسلمان۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو وائل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت خالد ابن ولید نے ۲؎ فارس والوں کو لکھا ۳؎ میں شروع کرتا ہوں مہربان رحم والے اللہ کے نام سے یہ خط ہے خالد ابن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کی طرف جو فارس کی جماعت میں ہیں ۴؎ اس پر سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرے اس کے بعد ہم تم کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن اگر تم نہ مانو تو جزیہ اپنے ہاتھ سے دو حالانکہ تم ذلیل ہو ۵؎ پھر اگر تم نہ مانو تو میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہوجانے کو ایسا پسند کرتے ہیں جیسے فارس کے لوگ شراب	

	پسند کرتے ہیں ۶؎ اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ۷؎(شرح سنہ)

۱؎ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے،اسدی کوفی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،حضور کی بعثت کے وقت دس سال کے تھے،جلیل القدر صحابہ سے ملاقات ہے جن میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود بھی ہیں اور حضرت ابن مسعود کے خاص ساتھیوں سے ہیں،حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی،بڑے ثقہ بزرگ ہیں،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں،قرشی مخزومی ہیں،زمانہ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے،آپ کی والدہ لبابہ صغریٰ ہیں،حضرت ام المؤمنین میمونہ کی بہن ۲۱ھ میں وفات ہوئیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب دیا،ایک بار زہر ہتھیلی پر رکھ کر کھالیا کوئی اثر نہ ہوا،ایک بار کوئی شخص شراب سے بھری ہوئی مشک لیے جارہا تھا تو فرمایا الٰہی اسے شہد بنادے وہ شہد ہوگئی۔(مرقات)آپ کا مزار پرانوار دمشق و حلب کے درمیان شہر حمص میں ہے،یہ گنہگار قریب مزار تک پہنچا ہے۔

۳؎ غالبًا یہ خط خلافت فاروقی میں روانہ کیا جب کہ ایران پر مسلمانوں کا حملہ ہونے والا تھا۔خیال رہے کہ ملک فارس عہد فاروقی میں فتح ہوا۔

۴؎ مَلا جماعت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ کو بھر دیتی ہے اور سرداروں کو بھی کیونکہ انکی ہیبت سے لوگوں کے دل بھرے ہوتے ہیں۔ملا کے معنی ہیں بھرنا خلاء کے مقابل یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔جماعت اور سرداران یعنی یہ خط اس جماعت یا ان سرداروں کی طرف ہے جن میں رستم اور مہران شامل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام صرف بادشاہ کو بھی دی جائے،کفار کے سرداروں کو بھی اور عام لوگوں کو بھی کیونکہ رستم اور مہران فارس کے بادشاہ نہ تھے قوم کے سردار تھے۔

۵؎ یعنی بہتر تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہوکر دونوں جہاں کی عزت و عظمت حاصل کرلو ورنہ تم کو جزیہ دینے کی ذلت اختیار کرنا پڑے گی۔جزیہ دینا خود ایک ذلت ہے یہ عبارت قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے"حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمۡ صٰغِرُوۡنَ"اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ ذمی کفار خواہ کتنے بڑے امیر ہوں مگر اپنا جزیہ(ٹیکس)حاکم اسلام کے سامنے خود لے کر حاضر ہوں،اپنے نوکر وغیرہ کے ہاتھ نہیں بھیج سکتے کیونکہ آیتِ کریمہ میں عن ید ارشاد ہوا ہے۔

۶؎ یعنی اگر تم جزیہ بھی قبول نہیں کرتے اور ہماری رعایا بھی نہیں بنتے تو پھر ہماری تمہاری جنگ ہے مگر اس جنگ کا انجام سوچ لو۔تم کو شراب کے عارضی نشہ سے الفت ہے ہمارے مجاہدوں کو عشق الٰہی کے دائمی نشہ سے محبت،تم شراب پی کر لڑتے ہو ہم نشہ عشقِ الٰہی میں مخمور ہوکر صرف رب کے لیے لڑتے ہیں،عارضی چیز اصل کے مقابل میں ٹھہر سکتی ہے۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کسی سے بے خبری میں نہیں لڑتے بلکہ پہلے اسے خبردار کرتے پھر ہتھیار اٹھاتے ہیں۔یہ حکم بے خبر کفار کے لیے ہے جنہیں ابھی دعوت اسلام نہ پہنچی ہو بلکہ باخبر کفار کے ایمان کی اگر امید ہو تو انہیں خبر

دے دینا مستحب ہے۔فارسیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوت اسلام دے چکے تھےاب یہ دعوت دینا مستحب تھا،یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کی جنگ ملک گیر یا مال حاصل کرنے کو نہیں ہوتی صرف رضا الٰہی اور تبلیغ اسلام کے لیے ہوتی ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کو السلام علیکم نہ کہا جائے۔انہیں وہ سلام کیا جائے جو یہاں مذکور ہے قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر ہے۔

باب القتال فی الجهاد

باب جہاد میں قتل۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جہاد،قتال،غزوہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں۔جہاد بنا ہے جھد سے بمعنی مشقت اورصرف طاقت۔غزوہ بنا ہے غزوٌ سے بمعنی باہر نکلنا اور جنگ کے لیے روانگی،قتال بمعنی ایک دوسرے کو قتل کرنا۔اس باب میں اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنے کے فضائل اور غازی کے ثواب کی احادیث مذکور ہوں گی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے دن عرض کیا فرمایئے کہ اگر میں قتل کردیا جاؤں میں کہاں ہوں گا فرمایا جنت میں۱؎ تو اس نے اپنے ہاتھ میں سے چھوارے پھینک دیئے۲؎ پھر جنگ کی حتی کہ قتل کردیا گیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جنت کے اس اعلیٰ مقام میں جو شہیدوں کے لیے ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ کا خاتمہ بالخیر ہونے والا تھا اور تمام گناہوں کی معافی اس کے نصیب میں تھی شہادت اس کے مقدر ہوچکی تھی اس لیے یہ جواب عطا ہوا۔معنی یہ ہیں تو شہید ہوتے ہی جنت میں پہنچے گا۔

۲؎ یعنی وہ سائل چھوارے کھا رہا تھا اور یہ سوال کررہا تھا جواب عالی سنتے ہی شہادت و جنت کے شوق میں چھوارے پھینک دیئے اسے اب تھوڑی زندگی بھی بوجھ معلوم ہونے لگی۔

۳؎ بعض شارحین کا خیال ہے کہ یہ صاحب حضرت عمیر ابن حمام ہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ حضرت عمیر تو غزوہ بدر میں شہید ہوئے ہیں اور واقعہ غزوہ احد کا ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ارادہ فرماتے تھے کسی جہاد کا مگر آپ اس کی دوسری طرف کا توریہ فرماتے تھے ۱؎ حتی کہ یہ جہاد یعنی غزوہ تبوک ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی میں جہاد کیا اور دور دراز سفر کا رخ

	فرمایا اور بڑے جنگل بہت دشمنوں پر رخ کیا ۲؎لہذا مسلمانوں کے لیے ان کا معاملہ کھول دیا تاکہ وہ اپنے جہاد کی تیاری کرلیں چنانچہ آپ نے ان سب کو اس طرف کی خبر دیدی جدھر کا ارادہ تھا ۳؎(بخاری)

۱؎آپ انصاری خزرجی ہیں،عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے،سوا غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں حاضر رہے،حضور کے نعت گو شعراء میں سے ایک ہیں،آپ ان تین صحابہ میں سے ہیں جن کا غزوہ تبوک کے موقعہ پر بائیکاٹ کیا گیااور پھر عرش اعظم سے جن کی قبولیت توبہ کا سورۂ توبہ میں اعلان ہوا،آخر عمر شریف میں نابینا ہوگئے تھے،ستتر۷۷ سال عمر ہوئی، ۵۰ھ؁ پچاس ہجری میں وفات ہوئی۔

۲؎یعنی علامات سے ظاہر فرماتے تھے کہ اس طرف حملہ کرنا ہے جیسے اس جانب کے حالات دریافت کرنا،ادھر کے گاؤں شہر کے نام پوچھنا تاکہ اگر کوئی جاسوسی کرے تو اس طرف والوں کو جنگ کی خبر دے اور جدھر حملہ کرنا ہے ادھر کے لوگ بے خبر رہیں اور بے خبری میں ان پر حملہ ہوجائے تاکہ جلد فتح ہوجائے اور خونریزی کم سے کم ہو۔اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس طرف کی خبر نہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹ ہے،یہ طریقہ ہماری جنگی تدبیر تھی اب بھی اس پر عمل چاہیے۔شعر

سکندر کہ باشرقیاں حرب داشت　　　در خیمہ گویند در غرب داشت

دشمن کو اپنے ارادے پر خبردارنہ ہونے دینا اچانک حملہ کرنا بہت مفید ہوتا ہے۔

۲؎تبوک مدینہ منورہ سے چودہ منزل پر واقع ہے اردن کے قریب،اب خیبر سے جو ہوائی جہاز عمان جاتا ہے وہ تبوک سے گزرتا ہے۔فقیر نے اس ہوائی جہاز سے سفر کیا ہے۔اشعہ میں فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔

۳؎یعنی غزوہ تبوک میں اپنا ارادہ ظاہر فرمادینا غازیوں کی تیاری کے لیے تھاکہ غازی دراز سفر کا سامان کرلیں۔اس زمانہ میں غزوہ کا زیادہ سامان خود غازی اپنے خرچ سے کرتے تھے اب تمام تیاری حکومت کرتی ہے اس لیے فوج کو آخر وقت تک خبر نہیں ہوتی کہ ہم کہاں جارہے ہیں،صرف کمانڈر یا کرنل وغیرہ مطلع ہوتے ہیں،اس غزوہ کا ذکر قرآن کریم میں بہت زیادہ ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لڑائی دھوکا ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎خدعہ خ کے فتحہ یا پیش سے،کسرہ سے بھی آتا ہے مگر کم یعنی جنگ کی جان دشمن کو دھوکہ میں رکھنا ہے کہ اسے ہمارے اصلی ارادہ اور اصلی حال پر خبر نہ ہونے پائے،اپنی تھوڑی سی جماعت کو بہت ظاہر کیاجائے تھوڑے سامان کو بے شمار دکھایا جائے یہ جنگی کمال اور مجاہد کی چال ہے۔کسی میدان کو خالی چھوڑ دینا کہ دشمن اسے خالی جان کر اپنی فوج لے آوے پھر داہنے بائیں اور پیچھے سے نکل کر اس کی فوج کو گھیر لینا جس سے ساری فوج ہتھیار ڈال دے،یہ ہے دھوکہ اس دھوکہ سے مراد جھوٹ اور ناجائز مکروفریب نہیں اب بھی جنگوں میں ایسی چالیں بہت چلی جاتی ہیں۔مرقات

نے فرمایا کہ یہ حدیث قریبًا متواتر ہے کہ اسے احمد،ابوداؤد، ترمذی اور مسلم،بخاری،ابن ماجہ،بزاز،طبرانی ابن عساکراور جامع صغیر میں بہت سے صحابہ کرام نے نقل فرمایا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم ۱؎ اور کچھ انصاری بیبیوں کو لے کر جہاد فرماتے تھے جب جہاد کرتے تھے تو یہ بیبیاں پانی پلاتی تھیں زخمیوں کی دوادارو کرتی تھیں ۲؎(مسلم)

۱؎ آپ ام سلیم بنت ملحان ہیں میم کے کسرہ سے،آپ کے نام میں اختلاف ہے۔پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں انہیں سے حضرت انس پیدا ہوئے،مالک کے قتل ہوجانے کے بعد بیوہ ہوگئیں اور مسلمان ہوگئیں،ابو طلحہ نے آپ کو اپنے سے نکاح کرلینے کا پیغام دیا،آپ بولیں کہ میں مسلمان ہوں تم مشرک نکاح کیسا۔اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو میں تم سے مہر بھی نہیں مانگتی تمہارا اسلام ہی میرا مہر ہوگا اور میں تم سے نکاح کرلوں گی،حضرت ابوطلحہ کے مسلمان ہوجانے پر آپ ان کے نکاح میں آئیں،بڑی جلیل الشان صحابیہ ہیں،۔آپ کا نام رمامہ یا ملیکہ یا غمیصہ یا رمیصاء ہے۔

۲؎ یعنی زخمی مجاہدوں کو پانی پلانا اور دوا دارو کرنا ان کی روٹی وغیرہ پکانا ان بیبیوں کا کام تھا یا تو اپنے خاوندوں کی خدمات کرتی تھیں یا اپنے دوسرے محرم رشتہ داروں کی اور اگر اجنبی غازیوں کی یہ خدمات کرتی تھیں تو باپردہ رہ کر بغیر ان کے جسموں کو ہاتھ لگائے۔فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر عورتوں کو جہاد میں لے جانے کی ضرورت پڑے تو بوڑھی عورتوں کو لے جایا جائے،اگر جوانوں کی ضرورت درپیش ہو تو لونڈیوں کو لے جایا جائے مگر ان سے جنگ نہ کرائی جائے کہ اس میں مسلمانوں کی ذلت ہے،ہاں اگر سخت ضرورت پڑ جائے تو قتال بھی کرسکتی ہیں جیسے غزوہ حنین میں خود ام سلیم نے جنگ کی ہے۔(مرقات)ضروریات کا حکم اور ہے۔غرضیکہ عورتوں کو جہاد میں جانا ان سے جنگ کرانا سخت ضرورت کے وقت ہے۔

	روایت ہے حضرت ام عطیہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات جہاد کیے میں غازیوں کی منزلوں میں ان کے پیچھے رہتی تھی ان کا کھانا پکاتی تھی زخمیوں کی دوا دارو کرتی تھی ۲؎ اور بیماروں کا انتظام کرتی تھی ۳؎(مسلم)

۱؎ آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے،انصاریہ ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں آپ بہت زیادہ گئی ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ آپ جنگ نہ کرتی تھیں بلکہ غازیوں کی یہ خدمات انجام دیتی تھیں اس تفصیل سے جوابھی گزری کہ کھانا عام غازیوں کے لیے پکاتی تھیں مگر دوا مرہم پٹی اپنے محرم رشتہ داروں کی کرتی تھیں یا عام غازیوں کی مگر پردہ کے ساتھ بغیر انہیں ہاتھ لگائے۔غرضیکہ اس حدیث کو اس زمانہ کی بے پردگی آوارگی اور عورتوں کی آزادی پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

۳؎ یہ عورتوں کا جہادوں میں جانا سخت ضرورت کے وقت تھا لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ہے" وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ"اے نبی کی بیبیو اپنے گھروں میں رہو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ ہے مسلمانوں کا جہاد۔حضرت ابوبکر صدیق نے جب یزید ابن ابوسفیان کو شام کے جہاد پر بھیجا تو فرمایا کہ کفار کے بچوں عورتوں بڈھوں راہبوں(جوگیوں)وغیرہم کو قتل نہ کرنا صرف انہیں قتل کرنا جو تم سے لڑنے کے لیے مقابلہ میں آئیں۔(مرقات)مگر خیال رہے کہ اگر راہب جوگی یا بڈھے یا عورتیں کفار کو جنگ میں مدد دے رہے ہوں تو انہیں قتل کیا جائے گا کہ اب وہ مقاتل ہیں۔اس کی تحقیق کے لیے کتب فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اب لڑائیوں میں پہلے بے قصور عورتیں بچے ہی بم باری سے ہلاک ہوتے ہیں،جنگ صرف میدان جنگ میں ہوتی تھی اب ہر بستی ہر گھر میں ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت صعب ابن جثامہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے گھر والوں کے متعلق پوچھا گیا جن پر شب خون مارا جائے تو ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہوجائیں فرمایا وہ سب ان سے ہی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے باپوں سے ہیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ لیثی ہیں،دوان اور ابواء میں رہتے تھے،ابوبکر صدیق کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی شب خون مارنا رات کے اندھیرے میں کفار پر حملہ کردینا جائز ہے،مگر اس وقت جوان کافروں کے مارنے کی نیت کرو،عورتیں بچے اگر اندھیرے میں تمہارے ارادہ کے بغیر مارے جائیں تو تم پر گناہ نہیں کہ وہ بھی کفار کے حکم میں ہیں۔بہرحال کفار کے عورتوں بچوں کو قتل کی ممانعت ارادۃً قتل سے تھی یہاں اجازت بغیر ارادۂ قتل کی ہے لہذا ان احکام میں تعارض نہیں۔جیسے کفار کے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو قتل کرنا حرام ہے لیکن اگر اس شبِ خون مارنے میں وہ بھی قتل ہوجائیں یا کفار مسلمان بچوں یا مسلمانوں کو اپنے آگے رکھ لیں تو ان پر تیر اندازی،گولہ باری جائز ہے مگر کفار کو قتل کرنے کی نیت سے کی جائے اگرچہ وہ مسلمان بھی اس سے ہلاک ہوجائیں کیونکہ مجاہدین ان وجوہ سے جہاد نہ کریں تو اسلام کی بقا کیونکر ہوگی۔اس کی مفصّل بحث فتح القدیر اور مرقات میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجوروں کے درخت کٹوائے اور جلوا دیئے ۱؎ اس کے متعلق حضرت حسّان کہتے ہیں ۲؎ بنی لوی کے سرداروں پر وہ آگ آسان ہوگئی جو بویرہ میں پھیل	

	گئی۳؎ اور اسی کی بارے میں یہ آیت اتری کہ تم نے جو درخت کھجور کے کاٹ ڈالے اور جو ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے وہ اللہ کے حکم سے ہے۴؎(بخاری،مسلم)

۱؎ بنی قریظہ اور بنی نضیر یہود مدینہ کے دو قبیلے ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا مگر انہوں نے بدعہدی کی ان کی بدعہدی کی وجہ سے غزوہ خندق کا واقعہ پیش آیا،اس غزوہ سے فارغ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محلوں کا محاصرہ فرمالیا،وہ لوگ اپنے محلوں قلعوں میں گھس کر بیٹھ رہے تھے،آخر کار وہ قلعوں سے اترے،بنی قریظہ قتل کیے گئے اور بنی نضیر جلاوطن کردیئے گئے،حضور انور نے بنی نضیر کے نخلستان یا تو اس لیے اجاڑ دیئے کہ ان کے مکانات ان باغوں میں گھرے ہوئے تھےراستہ صاف کرنے کو یہ اجاڑے گئے یا اس لیے کہ وہ لوگ اپنے یہ باغ اجڑتے دیکھ کر گھبرا کر باہر نکلیں اور گرفتار کرلیے جائیں۔اس کا پورا واقعہ قرآن مجید سورۂ احزاب شریف میں مذکور ہے۔

۲؎ حضرت حسان کے پورے حالات ہم مرآت جلد اول میں لکھ چکے ہیں کہ آپ حضور کے شاعر اور نعت خواں صحابی ہیں،آپ،آپ کے والد آپ کے دادا آپ کے پر دادا تمام کی عمریں ایک سو بیس سال ہوئیں،سوائے آپ کے کسی میں عمروں کا یہ اجتماع نہ ہوا۔

۳؎ بویرہ تصغیر ہے بور کی،بور بنی نضیر کے اس باغ کا نام تھا جو اجاڑا گیا۔سراۃ جمع ہے سری کی بمعنی سردار۔سری بنا ہے سروۃٌ سے بمعنی سرداری۔لوی لام کے پیش واؤ کے فتحہ سے قریش کے اجداد میں سے ایک دادا کا نام ہے یعنی قریش پر یہ سخت آگ آسان ہوگئی کہ انہوں نے بہ آسانی اس باغ کو جلتے ہوئے دیکھ لیا یا سن لیااور کچھ نہ کرسکے،حالانکہ عربوں کو کھجوروں کے باغ بڑے پیارے ہیں،وہ ان کا جل جاناکٹ جاناکسی طرح گوارہ نہیں کرتےمگر اس وقت بے بس تھے کچھ نہ کرسکے۔

۴؎ اس باغ کے اجاڑنے پر بعض کفار بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فساد سے منع فرماتے ہیں اور خود ہی فساد کی اجازت دیتے ہیں،باغ اجاڑنے سے بڑھ کر فساد کون سا ہوسکتا ہے۔تب ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا کہ میرے محبوب اور ان کے صحابہ نے یہ جو کچھ کیا ہمارے حکم سے کیا ہم ان کے اس عمل سے راضی اور خوش ہیں۔سبحان اللہ! یہ ہے کرم خداوندی حضور کے صحابہ پر کہ کام ہےصحابہ کا نام ہے رب کا۔شعر

سنگریزہ می زند دست جناب　　　مارمیت ازرمیت آید خطاب
تاابد گر شرح ایں مفصل کنم　　　جز تحیر ہیچ نہ بود حاصلم

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے باغوں مکانوں کا اجاڑ دینا جائز ہے جب ان میں مصلحت ہو کہ اس کے بغیر فتح نہ ہوسکے،اگر اس کے بغیر فتح ممکن ہو تو یہ کام ہرگز نہ کیے جائیں کہ بعد فتح یہ سب چیزیں مسلمانوں کی ملک ہوں گی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عون سے ۱؎ کہ نافع نے انہیں خبر دیتے ہوئے لکھا کہ حضرت ابن عمر نے انہیں خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ

	فرمایاجب کہ وہ مقام مریسیع میں اپنے جانوروں میں مشغول و غافل تھے ا؎ تو لڑنے والوں کو قید کیا اور بچوں کو قتل کیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں،عالم ہیں،آپ کے والد کا نام یا عون ہے نون سے یا عوف ہے ف سے،نون سے عون زیادہ مشہور ہے۔

۲؎ بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان ہے،مریسیع مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔حضرت عبداللہ ابن عون نے جناب نافع سے پوچھا تھا کہ کیا جہاد سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینا واجب ہے یا ان پر اچانک حملہ کر دینا بھی جائز ہے جب کہ وہ بالکل بے خبر ہوں تب حضرت نافع نے یہ حدیث انہیں لکھ بھیجی جس سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ اول اسلام میں جہاد سے پہلے تبلیغ واجب تھی پھر یہ حکم نہ رہا۔دیکھو حضور انور نے بنی مصطلق پر اچانک حملہ فرمایا،اس غزوہ میں حضرت جویریہ بنت حارث گرفتار ہو کر آئیں جنہیں آزاد فرما کر حضور نے ان سے نکاح کیا،رضی اللہ عنہا۔

۳؎ یعنی مجبورومعذور و بےقصور بچوں،بوڑھوں،دیوانوں،بے بس عورتوں وغیرہم کو قیدی بنالیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غافل کفار پر اچانک حملہ کردینا جائز ہے،ان کا مال غنیمت لوٹنا،ان کے جوان جنگجو لوگوں کو قتل کرنا،ان کے بچوں عورتوں کو لونڈی غلام بنانا جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی اسید سے ا؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بدر کے دن فرمایا ۲؎ جب کہ ہم نے قریش کے مقابل صفیں باندھیں ۳؎ اور انہوں نے ہمارے مقابل صف آرائی کی کہ جب تم سے قریب ہوں تو تیر لو ۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب وہ تم سے قریب ہوں تو انہیں تیرمارو اور اپنے تیر باقی رکھو ۵؎(بخاری)اور حضرت سعد کی حدیث **ھل تنصرون** الخ **باب فضل الفقراء** میں ہم بیان کریں گے اور حضرت براء کی حدیث بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ(ان شاءاللہ)**باب المعجزات** میں ہم بیان کریں گے ۶؎

۱؎ آپ مالک ابن ربیعہ انصاری ساعدی۔(اشعہ)تمام غزوات میں حاضر ہوئے،اٹھتر سال کی عمر پائی ۶۰ساٹھ ہجری میں وفات پائی،آپ سے بہت حضرات نے احادیث نقل کیں۔

۲؎ یعنی جب کفار قریش تم سے اتنے قریب ہوجائیں کہ تمہارے تیر ان تک پہنچ سکیں تو تیر استعمال کرو بہت دور ہوں تو استعمال نہ کرنا کہ اس میں تیر ضائع ہوجائیں گے۔**سھم** درمیانی تیر کو کہتے ہیں،بہت لمبے تیر کو **نشاب** کہا جاتا ہے،کثب کے معنی ہیں قرب۔(مرقات واشعہ)

۳؎ یعنی سارے تیر استعمال کرکے خود خالی نہ ہوجاؤ کہ کیا خبر کب تیروں کی ضرورت پڑجاوے۔اب بھی لڑائیوں میں ان دونوں قانون پر عمل ہوتا ہے کہ دشمن زد میں ہوجاوے تب گولہ باری کی جاتی ہے اور سارے گولے خرچ نہیں کردیئے جاتے سامان جنگ محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں ہی تھیں ہم مناسبت کا خیال کرتے ہوئے پہلی حدیث تو **باب الفقراء** میں بیان کریں گے اور دوسری حدیث **باب المعجزات** میں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے فرماتے ہیں کہ بدر میں رات کے وقت ہم کو نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے تیار فرمایا ۱؎(ترمذی)

۱؎ جب صبح کو جنگ بدر ہونے والی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہم لوگوں کو مقامات پر مقرر کیا،سامان جنگ استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا ترتیب دیا،غرضیکہ جنگی ضروریات پر ہم کو واقف فرمایا۔**عباء** کے معنی ہیں لشکر جمع کرنا اور لشکر کو تیار کرنا۔

	روایت ہے حضرت مہلب سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو تمہارا نشان ۲؎ **حم لاینصرون** ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ **مہلب** میم کے پیش لام کے شد سے،آپ مہلب ابن صفرہ ازدی ہیں،تابعی ہیں،فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے،عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۸۳ھ ہجری میں علاقہ خراسان میں مقام مرو میں انتقال ہوا،بصرہ میں قیام رہا،خوارج سے آپ کی بہت لڑائیاں ہوئیں،حضرت سمرہ اور ابن عمر سے ملاقات ہے رضی اللہ عنہم لہذا یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی سے روایت نہیں تابعی نے کہا کہ حضور نے یہ فرمایا۔

۲؎ **شعار** بنا ہے **شعر** سے،اسی سے ہے **شعور** بمعنی پہچان،علامت،نشان۔شب خون مارتے وقت اندھیرے کی وجہ سے اپنے پرائے کی پہچان نہیں ہوتی اس لیے ہم بھی اور دشمن کی فوج بھی اپنے اپنے لیے کوئی نشان مقرر کرلیتے تھے تاکہ ہمارے

ہاتھوں اپنا ہی آدمی دھوکے سے نہ مارا جائے،وہ نشان کچھ الفاظ مقرر ہوتے تھے جسے لڑتے وقت بولتے جاتے تھے ان الفاظ کا شعار اس زمانہ میں(کوڈ ورڈ)کہتے تھے،یہ تعلیم غزوہ خندق کے موقعہ پر ہوئی تھی۔(مرقات)

۳؎حٰمٓ آیت قرآنیہ ہے جو بعض سورتوں کے اول میں ہے یا اللہ تعالٰی کا نام ہے اور لاینصرون دعائیہ کلمہ ہے۔یعنی حٰمٓ کی برکت سے کفار بے مدد گار ہیں اے اله العالمین کفار کو بے یارکردے ہم کو ان پر فتح نصیب فرمایا،اے اللہ سات حٰمٓ والی سورتوں کے صدقہ سے کفار بے مددگار بنادے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حٰمٓ والی سورتیں بہت شاندار ہیں۔خیال رہے کہ حٰمٓ میں دو حرف ہیں:ح اور میم۔ح ان اسماء الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں ح ہے جیسے حمید،حسنان،حکیم،حلیم،حنان،حی اور میم سے ان اسماء الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے مجید،منان،مالك،ملك،مقتدر،مؤمن،مھیمن وغیرہ۔اس حٰمٓ سے ان تمام اسماء الٰہیہ کی توسل سے دعا ہوگئی۔روضۃ الاحباب میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر مہاجرین کا شعار یاخیل اللہ تھا تو یہ شعار انصار کا ہوگا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ مہاجرین کا نشان عبداللہ اور انصار کا نشان عبدالرحمٰن تھا ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎یہ واقعہ کسی اور جہاد میں ہےعلاوہ غزوہ خندق کے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔علیحدہ علیحدہ شعار الگ الگ جماعتوں کی پہچان کے لیے ہوتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات مہاجرین افضل ہیں حضرات انصار سے کہ ان کا شعار عبداللہ ہوا جس میں رب تعالٰی کا اسم ذات ہے اور انصار کا شعار عبدالرحمٰن ہے جس میں رب تعالٰی کا صفاتی نام ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر صدیق کے ساتھ جہاد کیا ۱؎تو ہم نے ان پر شب خون مارا ہم انہیں قتل کرتے تھے اور اس رات ہمارا نشان تھا أمِت أمِت ۲؎(ابوداؤد)

۱؎یہ پتہ نہ لگا کہ یہ واقعہ کس جہاد میں ہوابہرحال زمانہ پاک نبوی میں جہاد ہے مگر حضور سرکار عالی بنفس نفیس اس میں تشریف نہیں لے گئے ہیں،حضرت ابوبکر صدیق سپہ سالار اعظم ہیں۔

۲؎یہ بھی دعا ہے۔أمِت کے معنی ہیں موت دے یعنی یا الٰہ العالمین کفار کو ہمارے ہاتھوں موت دے کر ہلاک فرمادے یا مغلوب کردے یا کفر کو موت دے کہ یہ کفار مسلمان ہوجائیں،کفر غارت ہو اور ہوسکتا ہے کہ اس میں خطاب سامنے والے غازی مسلمان سے ہو یعنی اے بہادر غازی مار مار بہادری کر۔

	روایت ہے حضرت قیس ابن عبادہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنگ کے وقت

شور ناپسند کرتے تھے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎تابعی ہیں،بصری ہیں،بہت عابد و زاہد تھے،حضرت علی،ابی ابن کعب،عبداللہ ابن سلام سے ملاقات ہے،خواجہ حسن بصری نے آپ سے روایات لیں مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ چھپا ہوا رافضی تھا۔واللہ اعلم! بہرحال مشکوک ہے۔
۲؎ذکر اللہ کے سواء اور باتوں کا شور ناپسند تھا اس زمانہ میں لوگ اپنی شیخی بہادری کے گیت گاتے ہوئے جنگ کیا کرتے تھے،اس کو حضرات صحابہ ناپسند کرتے تھے ایسے وقت اللہ کا ذکر چاہیے کہ اگر شہادت ہو تو اللہ کے ذکر پر۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مشرکوں کے بڈھوں کو قتل کروا اور ان سے چھوٹوں یعنی بچوں کو زندہ چھوڑ دو ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎یہاں بڈھوں سے مراد وہ بڈھے ہیں جو یا تو مسلمانوں کے مقابل جنگ کررہے ہوں یا لڑنے والوں کی پشت پناہی کرتے ہوں یا انہیں لڑاتے ہوں بہرحال جنگ میں حصہ لیتے ہوں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کافر بوڑھوں کے قتل سے ممانعت ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں شیوخ سے مراد جنگی تدبیر رکھنے والے جوان ہیں یعنی جو عمر میں جوان ہوں تدبیر و عقل تجربہ میں بوڑھے کیونکہ اس کے مقابل بچوں کا ذکر آرہا ہے۔
۲؎یہ تفسیر یا صحابی سمرہ ابن جندب کی ہے یا کسی راوی حدیث کی یا خود صاحب مصابیح کی۔شرخ شین کے پیش رے فتح سے جمع ہے شارخ کی جیسے رکب جمع ہے راکب کی۔شرخ کے معنی ہیں لڑکپن یا شروع جوانی۔چھوڑنے سے مراد ہے انہیں قتل نہ کرنا بلکہ قید کرلینا تاکہ انہیں غلام بنالیا جائے یا کسی وجہ سے انہیں آزاد کردیا جائے۔غرضیکہ اس چھوڑنے میں بہت مصلحت ہے۔

روایت ہے حضرت عروہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت اسامہ نے خبردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا فرمایا اُبنا پر جہاد کرو صبح کے وقت ۲؎اور آگ لگا دو۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎عروہ سے مراد عروہ ابن زبیر تابعی ہیں اور اسامہ سے مراد حضرت اسامہ ابن زید ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت محبوب صحابی ہیں،حضرت زید ابن حارثہ کے بیٹے۔خیال رہے کہ عروہ ابن زبیر کی ولادت بائیس ۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی،مدینہ منورہ میں سے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں،آپ کا باغ و کنواں و مسجد مدینہ منورہ کے قریب ہے۔فقیر نے اس کنوئیں کا پانی بھی پیا ہے،وہاں مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے بیر عروہ اور مسجد عروہ کے نام سے مشہور ہے۔

۲؎ اغر ہمزہ کے فتحہ اور غین کے کسرہ سے اغارۃ کا امر ہے یعنی حملہ کرو۔بعض نسخوں میں اغز سے غزو کا امر مگر پہلا نسخہ زیادہ صحیح ہے۔اُبنا فلسطین کی ایک بستی ہے جو عسقلان اور رملہ کے درمیان واقع ہے اسے پٹنی بھی کہتے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ اُبنا ایک قبیلہ کا نام ہے اس نام سے وہ بستی اُبنا کہلاتی ہے۔صبح کے وقت عمومًا کفار غافل ہوتے ہیں اور وہ وقت مبارک بھی ہے اس لیے اس وقت حملہ کرنے کا حکم دیا کہ اس وقت حملہ کرنے میں خونریزی کم ہوگی اور فتح بہ آسانی میسر ہوجائے گی۔

۳؎ یعنی اُبنا والوں کی کھیتیاں باغات جلادو تاکہ وہ گھبرا کر جلد گھروں سے نکل پڑیں بلکہ اگر ضرورت پڑے تو ان کے گھروں میں آگ لگادو کیونکہ کبھی کفار کے گھر انکی پناہ گاہ بلکہ ان کے مورچے بن جاتے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بعض حالات میں ان کے جانور بھی ذبح کرکے ان کے گوشت جلادیئے جائیں جب کہ ہم انہیں لا نہ سکیں تاکہ وہ کفار کے کام کے نہ رہیں بلکہ اگر حالات جنگ مسلمانوں کے خلاف ہوں اور اپنا سامان بھی غازی لوگ وہاں سے نہ لاسکیں تو اسے بھی آگ لگاکر فنا کردیں۔چنانچہ ایک بار حضرت جعفر ابن ابی طالب نے جب جنگ کا حال بگڑتے دیکھا تو خود اپنا گھوڑا ہلاک کردیا تاکہ دشمن کے کام نہ آوے،ہاں زندہ جانوروں کو جلانا حرام ہے کہ یہ آگ کا عذاب ہے جو رب تعالٰی ہی دے گا۔حضرت عثمان ابن حبان فرماتے ہیں کہ میں جناب ام الدرداء کے پاس تھا کہ میں نے ایک زندہ کھٹمل کو آگ میں ڈال دیا تو آپ بولیں کہ حضرت ابوالدرداء فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو زندہ آگ میں جلانے سے منع فرمایا۔(مرقات)آج کل تو جنگ ہے آگ کی کہ بم باری سے شہرو بستیاں جلادی جاتی ہیں رب تعالٰی محفوظ رکھے، اسلام کے اس حکم پر اعتراض کرنے والے آج کی جنگوں کو دیکھیں۔

روایت ہے حضرت ابو اسید سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ جب کفار تم سے قریب ہوں تو ان پر تیر چلاؤاور تلواریں نہ سونتو حتی کہ وہ تم سے قریب تر ہوجائیں ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ حدیث بالکل ظاہر ہے کہ جب تک کفار تیر کی زد میں ہوں تب تک تلواریں نہ سونتو کہ بے کار ہے اور ایک ہاتھ تلوار سے بلاوجہ گھِر جائے گا۔جب تلوار کی زد میں آجائیں تب تیر بے کار ہیں اب تیر سے ہاتھ نہ گھیرو تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑو۔

روایت ہے حضرت رباح ابن ربیع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد میں تھے تو حضور نے لوگوں کو کسی چیز پر جمع دیکھا ۲؎ تو حضور نے بھی ایک شخص کو فرمایا دیکھو یہ لوگ کس چیز پر جمع ہوئے ہیں وہ آیا بولا ایک مقتولہ عورت پر ۳؎ تو فرمایا کہ یہ عورت تو جنگ نہ کرتی تھی ۴؎ اور مقدمہ پر خالد ابن ولید تھے تو حضور نے ایک شخص کو بھیجا فرمایا خالد	

سے کہو کہ نہ تو کسی عورت کو قتل کریں نہ مزدور کو ۵؎(ابوداؤد)٦؎	

۱؎ رباح ر کے فتحہ سے اور ب سے ہے،آپ صحابی اسدی ہیں،حضرت حنظلہ کاتب کے بھائی ہیں،آپ سے ابوداؤد نسائی نے صرف یہ ہی ایک حدیث نقل کی۔(اشعہ)

۲؎غالبًا جہاد ختم ہوچکا تھا یا کچھ دیر کے لیے جنگ بند ہوئی تھی ورنہ عین جنگ میں لوگ کسی جگہ اس طرح جمع نہیں ہوا کرتے۔

۳؎یعنی کافرہ عورت مسلمان غازیوں کے ہاتھ قتل ہوئی ہے،اس کی نعش پر لوگ جمع ہیں۔خیال رہے کہ لفظ **قتیل** مذکر مؤنث دونوں کے لیے بولا جاسکتا ہے،یہاں مؤنث کے لیے بولا گیا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ کافرہ عورت کا احترام یا پردہ نہ زندگی میں ہے نہ بعد موت۔لہذا اس کی نعش اجنبی مسلمان مرد دیکھ سکتے ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ان صحابہ نے اس عورت کی نعش کو کیوں دیکھا۔

۴؎یعنی یہ عورت نہ تو کفار کی ملکہ تھی نہ سپہ سالار،نہ مردوں کے دوش بدوش لڑنے والی پھر اسے کیوں قتل کیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافرہ عورت ملکہ یا لڑانے والی یا مسلمانوں سے لڑنے والی ہو تو اسے ضرور قتل کیا جائے،یہ عورت اپنے خاوند یا دوسروں کی خدمت کے لیے آئی ہوگی۔

۵؎عورت و مزدور سے مراد وہ ہی ہے جو جنگ میں حصہ نہ لیتے ہوں فوج یا کسی فوجی کی خدمت کے لیے آئے ہوں۔انکی علامت یہ ہوتی ہوگی کہ ان پر سامان جنگ نہ ہوگا اور خدمت کے اسباب یا علامات ہوں گے۔سبحان اللہ! اسلام میں کیسا عدل و انصاف ہے کہ لڑتے وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔

٦؎اس حدیث کو نسائی،ابن ماجہ،احمد،ابن حبان،حاکم نے بھی کچھ فرق سے نقل فرمایا۔یہ حدیث صحیح ہے مسلم،بخاری کی شرط پر ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۱؎ چلو اللہ کے نام پر اللہ کی مدد پر رسول اللہ کے دین پر کسی قریب موت بڈھے کو قتل نہ کرو۲؎ نہ چھوٹے بچے کو ۳؎نہ عورت کو اور خیانت نہ کرنا اپنی غنیمتیں ملالینا اصلاح اور بھلائی کرنا۴؎ کیونکہ اللہ بھلائی والوں سے محبت کرتا ہے ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎یعنی ایک بار حضور انور نے صحابہ کرام کو جہاد کے لیے بھیجا انہیں رخصت فرماتے وقت یہ دعائیں اور نصیحتیں کیں۔

۲؎بڈھے سے مراد وہ ہی بڈھا ہے جو جنگجو کفار کو جنگی تدبیریں نہ بتاتا ہو ورنہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کی جنگ میں زید ابن صمہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔زید ابن صمہ کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی کیونکہ وہ لڑرہا تھا۔(مرقات)

۳؎ بچہ سے مراد نابالغ بچہ ہے یہاں بھی یہ ہی قید ہے کہ بچہ نہ تو کفار کا بادشاہ ہو نہ جرنیل وغیرہ نہ سپاہی بلکہ جنگ سے بے تعلق ہو۔

۴؎ یعنی ہر غازی اپنی حاصل کردہ غنیمت علیحدہ نہ رکھے بلکہ ملا کر سپہ سالار کے سپرد کردے آپس میں ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرے۔مجاہدوں کی جان ایک ہو جسم الگ الگ،مسلمانوں کا آپس میں لڑنا بھڑنا ہر وقت ہی برا ہے مگر ایسی حالت میں بہت خطرناک ہے۔

۵؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ کفار کے بچے،دیوانے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے،ان کے پنڈت جوگی جو جنگ سے بے تعلق ہوں قتل نہ کیے جائیں۔موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے شام پر لشکر کشی کی جس کے سپہ سالار یزید ابن ابوسفیان تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے یزید میں تم کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں:کسی بچہ کو،عورت کو،بڈھے کو قتل نہ کرنا۔پھل دار درخت کو نہ کاٹنا،گائے بکری کو ذبح نہ کرنا مگر کھانے کے لیے،آبادی کو نہ جلانا نہ ویران کرنا،قیدی کفار کے اہل قرابت کو جدا نہ کرنا،بزدلی نہ کرنا،خیانت نہ کرنا۔(مرقات)موجودہ کفار اسی فرمان صدیق میں غور کریں اور آج کل کی وحشیانہ جنگوں کو دیکھیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں جب بدر کا دن تھا تو عتبہ آگے تھا اس کے پیچھے اس کا بیٹا اور اس کے دونوں بھائی تھے ۱؎ پکارا کہ کوئی مقابلہ میں آتا ہے تو اس کے مقابلہ میں انصاری جوانوں نے جواب دیا ۲؎ وہ بولا تم لوگ کون ہو انہوں نے بتایا تو بولا ہم کو تمہاری ضرورت نہیں ہم تو اپنے چچا زادوں کو کہتے ہیں ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمزہ اٹھو اے علی کھڑے ہو اے عبیدہ ابن حارث اٹھو ۴؎ چنانچہ حمزہ تو عتبہ کی طرف آئے اور میں شیبہ کی طرف گیا ۵؎ اور عبیدہ اور ولید کے درمیان دو چوٹیں ہوئیں ۶؎ تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقابل کو ٹھنڈا کردیا ۷؎ پھر ہم ولید پر ٹوٹ پڑے اسے ہم نے قتل کیا اور ہم عبیدہ کو اٹھالائے ۸؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی گھمسان کی جنگ سے پہلے مبارزت کی جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ عتبہ ابن ربیعہ اس کا بیٹا ولید ابن عتبہ اور عتبہ کا بھائی شیبہ ابن ربیعہ کفار کی صف سے میدان میں آئے اور مسلمانوں سے اپنا مقابل مانگا اس زمانہ میں جماعتی جنگ سے پہلے شخصی جنگ ہوتی تھی۔

۲؎ اس طرح کہ مسلمانوں میں سے تین انصاری نوجوان اس کے مقابل پہنچے۔انتداب کے معنی ہیں دعوت جنگ قبول کرنا۔

۳؎ یعنی تم سے لڑنا میری توہین ہے ہمارے مقابل مہاجرین مکہ قرشی جوانوں کو بھیجو تاکہ قرشی کا مقابلہ قرشی سے ہو۔

۴؎ حارث ابن عبدالمطلب حضور کے چچا ہیں،عبیدہ ان کے بیٹے حارث ایمان نہ لائے مگر عبیدہ شروع میں ہی اسلام لائے۔دارارقم میں حضور کے تشریف لے جانے سے پہلے ہی،عبیدہ عمر میں حضور سے زیادہ تھے۔اس وقت بوڑھے تھے۔

۵؎ ابوداؤد شرح سنہ میں بلکہ مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ زیادتی ہے کہ حمزہ نے تو عتبہ کو قتل کردیا اور میں نے شیبہ کو قتل کردیا بہرحال ان دونوں صاحبوں نے اپنے حریفوں کو دوزخ میں پہنچادیا کیوں نہ ہوتا کہ یہ دونوں اللہ کے شیر تھے شیر کے مقابل بھیڑ کہاں ٹھہرے۔

۶؎ اس طرح کہ عبیدہ نے ولید پر تلوار کا وار کیا جو اسے زخمی کر گیا اور ولید نے عبیدہ کو زخمی کردیا دو طرف وار بھر پور ہوئے۔

۷؎ یہاں ٹھنڈا کرنے سے مراد موت نہیں بلکہ زخموں سے چور کرکے ضعیف و کمزور کردینا ہے یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کو پہنچائے ہوئے زخموں سے چور ہوکر نڈھال ہوگئے۔

۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں شخصی جنگ(مبارزہ)اپنے حریف کے سوا دوسرے پر حملہ کردینا بھی جائز ہے۔امام مالک و شافعی کے ہاں تو مطلقًا جائز ہے،امام ابوحنیفہ کے ہاں امام کی اجازت سے جائز ہے،یہ ہی امام اوزاعی فرماتے ہیں۔یہاں حضرت حمزہ و علی کا ولید پر ٹوٹ پڑنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ہوا ہوگا۔خیال رہے کہ کتب تواریخ میں ہے کہ حضرت علی ولید کے مقابل گئے تھے جناب علی بھی جوان تھے اور ولید بھی شیبہ اور عتبہ بوڑھے تھے،ادھر حضرت حمزہ اور عبیدہ بوڑھے تھے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا تو لوگ پھر گئے پورا پھرنا ۱؎ پھر ہم مدینہ پہنچے تو وہاں چھپ گئے اور ہم نے سوچا کہ ہم تو ہلاک ہوگئے ۲؎ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو بھگوڑے ہیں ۳؎ فرمایا بلکہ تم پلٹنے والے ہو اور میں تمہاری پناہ ہوں ۴؎ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں اس کی مثل ہے اور فرمایا نہیں بلکہ تم پلٹا لینے والے ہو فرماتے ہیں تو ہم قریب ہوئے ہم نے حضور کے ہاتھ چومے ۵؎ پھر فرمایا میں مسلمانوں کی پناہ ہوں ۶؎ اور ہم امیہ ابن عبداللہ کی حدیث کہ **کان لیستفتح** اور ابوالدرداء کی حدیث کہ مجھے اپنے کمزوروں میں ڈھونڈو۔ان شاءاللہ **باب فضل فقراء** میں بیان کریں گے ۷؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ناس سے مراد یہ ہی مجاہد غازی صحابہ ہیں اور حیص کے معنی ہیں میدان جنگ سے واپس آجانا بغیر کامیاب ہوئے اور ہوسکتا ہے کہ ناس سے مراد کفار ہوں اور حیص کے معنی ہوں ان کا مسلمانوں پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنا۔بہرحال حیص کے معنی ہیں پھرنا،مائل ہونا یا کسی سے مائل ہونا۔مقصد یہ ہے کہ ہم اس جنگ میں فتح حاصل نہ کرسکے۔کفار کے سخت حملہ کی وجہ سے بغیر جنگ جیتے واپس ہوگئے۔

۲؎ یہ حضرات سمجھے یہ تھے کہ جہاد سے بھاگ جانا مطلقًا گناہ کبیرہ ہے خواہ بزدلی کی وجہ سے ہو یا سخت مجبوری کی وجہ سے حالانکہ مجبورًا بھاگنا گناہ صغیرہ بھی نہیں۔ایسی شدت میں جان دے دینا افضل ہے،جان بچاکر بھاگ جانا گناہ نہیں۔اس خیال سے یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی ہمت نہ کرسکے شرمندگی کی وجہ سے۔خیال رہے کہ یہ شرمندگی رب کو بڑی پیاری ہے۔

۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے مدینہ منورہ پہنچنے کا دن اور اتنے روز تک حاضر بارگاہ نہ ہونے کا سبب پوچھا ہوگا تب ان حضرات نے یہ عرض کیا کہ ہم کس منہ سے حضور کے سامنے آتے ہم کرکے ہی کیا آئے تھے۔مسلمانوں خیال رکھو کہ ہم کو بھی قبر و حشر میں اللہ رسول کے سامنے پیش ہونا ہے ہم بھلا کس منہ سے وہاں جائیں گے ہم نے کیا کیا ہے۔اللہ تعالٰی بے ڈھنگوں بے رنگوں کی لاج رکھے بے پوچھے ہی بخشے۔شعر

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب　　بخش بے پوچھے میرے سارے گناہ اے کردگار

۴؎ عکار بنا ہے عکر سے بمعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنا۔عکار مبالغہ ہے جیسے کرار فئۃ لشکر کا وہ حصہ یا وہ سردار جس کی طرف پناہ لی جائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ"۔مطلب یہ ہے کہ تم بھگوڑے نہیں بلکہ کفار پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والے شیر ہو،تمہارا میرے پاس آنا بھگوڑا پن نہیں ہے بلکہ اپنی پناہ کے پاس آنا ہے تاکہ پھر تازہ دم ہوکر دوبارہ کفار پر حملہ کرو۔میں تمہاری پناہ،تمہاری قوت، تمہاری طاقت ہوں۔شعر

مجھ سے بے بس کی طاقت پہ دائم درود　　مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

اگرشکار کی طرف سے شیر پلٹ جائے تو بزدلی کے لیے نہیں پلٹتا بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کے لیے پلٹا کھاتا ہے،تم شیر ہو میں تمہاری پناہ۔یا رسول اللہ ہم گناہگاروں پر ایسے ہی الطاف کریمانہ فرمانا،آپ کے سوا ہماری کوئی پناہ نہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام　　ہمچوکاہے آمدم کو ہے گناہ آوردہ ام

۵؎ یہ سمجھ کر کہ ہم کیا سمجھے تھے اور حضور نے کیا بشارت دی۔ہم ہم ہیں وہ وہ ہی ہیں۔اس کرم کو دیکھ کر ہم بے ساختہ حضور کے ہاتھوں پر ٹوٹ پڑے جن ہاتھوں کا سہارا دونوں جہان کو ہے۔اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وبارك وسلم۔

۶؎ یعنی فئۃ یعنی پناہ مطلق ہے جس سے عموم حاصل ہوا یعنی میں اپنی امت کی پناہ ہوں ہر مصیبت میں کوئی مصیبت پڑے میری پناہ لیں،دین و دنیا کی آفت و بلا میں حضور سہارا ہیں۔حضور پناہ ہیں تاقیامت ہر مسلمان کی۔شعر

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ　　تم کہو دامن میں آتم پہ کروڑوں درود

۷؎یعنی وہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں ہی تھیں۔ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے علیٰحدہ علیٰحدہ ان دو بابوں میں ذکر کی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان ابن یزید سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر گوپھن نصب فرمایا ۲؎(ترمذی مرسلًا) ۳؎	

۱؎حق یہ ہے کہ ثورابن یزید ہیں کیونکہ ثوبان ابن یزید صحابہ تابعین میں کسی کا نام نہیں،بعض نسخوں میں صرف ثوبان ہے وہ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں مگر انکے والد کا نام یزید نہیں ثور ابن یزید کلاعی شامی حمصی ہیں،تابعی ہیں،حضرت خالد ابن معدان سے ملاقات ہے،۱۵۵ھ؁ ایک سو پچپن ہجری میں وفات پائی۔ (مرقات)

۲؎یعنی حضور انور نے غزوہ طائف میں طائف کے کنارہ پر گوپھن(گھونی)نصب فرمائی تاکہ اس میں پتھر رکھ کر طائف پر پتھروں کی گولہ باری کی جائے۔بڑی گوپھن سے قلعہ کی دیواریں تک توڑ دی جاتی تھیں،طائف کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔فقیر نے طائف کی زیارت کی ہے،وہاں حضرت عبداللہ ابن عباس کا مزار پرانوار ہے۔

۳؎چونکہ ثور ابن یزید تابعی ہیں،انہوں نے صحابی کا نام لیا نہیں،اس لیے یہ حدیث مرسل ہوئی۔خیال رہے کہ طائف کے معنی ہیں گھومنے والا،چونکہ طائف کا راستہ پیچ دار ہے کہ مکہ معظّمہ سے طائف جانے والا گھومتا خم کھاتا ہوا جاتا ہے،نیز یہ زمین پہلے ملک شام میں تھی رب تعالٰی نے وہاں سے منتقل فرما کر اسے بیت اللہ کا طواف کراکر یہاں رکھی دعاء ابراہیم کی وجہ سے۔نیز یہ سرزمین عرصہ تک پانی پر گردش کرتی رہی طوفان نوح میں۔ان وجوہ سے اسے طائف کہتے ہیں،بڑی سرسبز ہے آب و ہوا بہت اچھی۔(مرقات)

باب حکم الاسراء

باب قیدیوں کا حکم۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اسراء الف کے فتح سین کے جزم سے جمع اسیر کی بمعنی قیدی۔یہ جمع قلّت ہے اور اساری جمع کثرت، چونکہ جہاد میں کبھی کفار قید ہوکر بھی آتے ہیں اس لیے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ اس قوم سے خوش ہوتا ہے جو پابہ جولان جنت میں داخل ہوتے ہیں ۱؎اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کی طرف زنجیروں میں کھینچ کر لائے جاتے ہیں ۲؎(بخاری)

۱؎اس طرح کہ جنگ میں گرفتار ہو کر آتے ہیں،پھر مسلمانوں کے اخلاق و عبادات سے اثر لے کر مسلمان ہوجاتے ہیں،پھر رب تعالٰی انہیں حسن خاتمہ نصب فرماکر جنت میں داخل فرمادیتا ہے۔یہ اسیری ان کی دوزخ سے رہائی جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

۲؎سرکار کا یہ فرمان عالی بدر کے قیدیوں کو ملاحظہ فرماکر تھا کہ وہ تمام ہی مسلمان بلکہ مسلمان گرہوگئے۔حضرت عباس حضرت ابوالعاص وغیرہم اسی دن ہی ایمان لے آئے تھے اگرچہ بعض نے اظہار ایمان فتح مکہ کے دن کیا۔غرضیکہ ان کے لیے یہ قیدوبند اللہ کی رحمت ہوگئی۔(از اشعہ)اس فرمان کی اور شرحیں بھی کی گئیں۔بعض لوگ دنیاوی مصیبتیں دیکھ پاکر توبہ کرکے جنتی ہوجاتے ہیں ان کے لیے یہ مصیبتیں زنجیریں ہیں جن کے ذریعہ رب انہیں جنت کی طرف کھینچتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکوں کا ایک جاسوس آیاجب کہ حضور سفر میں تھے تو حضور کے صحابہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا پھر چل دیا ۱؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تلاش کرو اور اسے قتل کردو ۲؎ میں نے قتل کردیا تو حضور نے اس کا سامان مجھے بخش دیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی مسلمانوں کے حالات دیکھ کر ان کے آئندہ ارادے معلوم کرکے ان کی باتیں سن کر مشرکوں کی طرف مخبری کرنے روانہ ہوگیا۔
۲؎یہ جاسوس یا تو حربی کافر تھا جو بغیر اجازت دارالاسلام میں گھس آیا تھا یا کوئی ذمی کافر تھا جو حربی کفار کی جاسوسی کی وجہ سے اپنا ذمہ توڑ چکا تھا،یہ دونوں قسم کے کفار قتل کے مستحق ہیں آج کل بھی اس پر عمل ہے۔اگر مسلمان کفار کی جاسوسی کرے تو اسے قتل تو نہ کیا جائے گا مگر اسے سزا ایسی سخت دی جائے گی کہ آئندہ جاسوسی کی ہمت نہ کرے۔(مرقات)لیکن اگر کوئی مسلمان کفار کو لشکر اسلام کا پتہ بتائے ان پر گولہ باری کرا کر کفار کے ہاتھوں لشکر اسلام کو قتل کرادے تو یقینًا قتل ہوگا۔مسلمان کو قتل کرنا،قتل کرانا،قتل کا سبب بننا،مسلم قوم کو تباہ کرنا ان سب کی سزا قتل ہے۔
۳؎یعنی اس مقتول جاسوس کا سارا سامان گھوڑا جوڑا ہتھیار اس کے جسم کا سونے چاندی کا زیور غرضیکہ ساری چیزیں قاتل یعنی حضرت سلمہ ابن اکوع کو عطا فرمائیں۔اس مسئلہ کی بحث ان شاءاللہ اپنے مقام پر آئے گی۔اس میں جو آئمہ دین کا اختلاف ہے وہاں ہی مذکور ہوگا۔ان شاءاللہ!یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ جہاد میں قاتل کو مقتول کا سامان بغیر خمس نکالے ہوئے دے دینا امام شافعی کے ہاں اسلامی قانون ہے کہ بہرحال دینا ہی پڑے گا اور ہمارے ہاں اگر امام اس کا اعلان کردے تو دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوازن پر حملہ کیا۱؎ تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کررہے تھے ۲؎ کہ اچانک ایک شخص سرخ اونٹ پر آیا اسے بٹھادیا اور لگا دیکھنے اور ہم میں کمزور لوگ تھے اور سواریوں میں کمی تھی۳؎ اور ہمارے بعض پیدل تھے کہ وہ دوڑتا ہوا نکلا۴؎ اپنے اونٹ کے پاس آیا اسے اٹھایا اسے لے کر اونٹ دوڑ گیا تو میں دوڑتا ہوا نکلا حتی کہ میں نے مہار پکڑلی میں نے اسے بٹھالیا پھر میں نے اپنی تلوار سونت لی تو اس کے سر پر مار دی ۵؎ پھر میں اونٹ ہانک لایا جس پر اس کا سامان اس کے ہتھیار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگ مجھے سامنے سے ملے تو فرمایا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا لوگوں نے کہا ابن اکوع نے حضور نے فرمایا اس کا سارا سامان انہیں کا ہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس غزوہ کا نام غزوہ حنین ہے جو فتح مکہ کے بعد ۶ شوال ہفتہ ہی کے دن ہوا۔حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔فقیر نے اس کی زیارت کی ہے۔ہوازن اس قبیلہ کفار کا نام ہے جو وہاں مسلمانوں کے مقابل تھے پھر یہ مسلمان ہوگئے۔

۲؎**نتضحی ضحی** سے بمعنی چاشت اس لیے چاشت کے وقت کی نماز کو صلوۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔بعض شارحین نے یہاں اس کے یہ معنی کیے ہیں۔یعنی ہم نماز چاشت پڑھ رہے تھے مگر قوی یہ ہی ہے کہ یہاں ناشتہ کا کھانا مراد ہے یعنی ہم لشکر والے حضور انور کے ساتھ ناشتہ میں مشغول تھے۔

۳؎**ضعفة** ض کے فتحہ عین کے بھی فتحہ سے جمع ہے،**ضعیف** بمعنی کمزوری اور **رقت** کے معنی ہوتے ہیں پتلا پن،غلظ کا مقابل یہاں تنگی وکمی مراد ہے یعنی ہمارے پاس اس زمانہ میں سامان جنگ حتی کہ سواریوں کی بھی کمی تھی اور ہم لوگ جسمانی کمزور بھی تھے۔

۴؎تاکہ ہماری اس کمزوری اور بے سامانی کی خبر ہمارے حریف کافروں کو دے کر انہیں ہمارے مقابلہ پر دلیر کرے یعنی میں تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا حتی کہ اس کے اونٹ تک پہنچا آگے ہوکر اس کی مہار پکڑ کر روک لیا اللہ اکبر یہ ہے اسلامی ہمت،آپ نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ میرے مہار کو پکڑتے ہوئے مجھے قتل کرکے بھاگ جائے گا۔جو مرد میدان ہتھیلی پر سر رکھ لے وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

۵؎کہ وہ مرگیا،یہ تائید غیبی تھی کہ اس دوران میں اس نے آپ کو شہید نہ کردیا،اس کی ہمت ہی نہ پڑی **من کان للہ کان اللہ لہ**۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ جاسوس کا قتل جائز ہے اور جاسوس کے ثبوت کے لیے صرف علامات ہی کافی ہیں،باقاعدہ گواہیوں کی ضرورت نہیں۔آج بھی جس کے پاس خبر رسانی کے آلات پائے جاتے ہیں اسے جاسوس مان لیا جاتا ہے۔

۶؎یعنی صرف اس کا لباس ہی نہیں بلکہ ہتھیار،لباس،زیور،سواری،کاٹھی وغیرہ جو کچھ اس مقتول کے پاس تھا سب ان کو دے دو اور اس میں خمس بھی نہ لیا جائے یہ ہی ہمارا مذہب ہے کہ قاتل غازی کو کافر مقتول کا سارا مال دیا جائے اس میں خمس نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب بنی قریظہ نے حضرت سعد ابن معاذ کے حکم پر اترنا چاہا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا تو وہ گدھے پر سوار آئے ۲؎جب قریب آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کی طرف اٹھو چلو۳؎ چنانچہ وہ آئے بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے حکم پر اتر رہے ہیں۴؎ فرمایا کہ میں تو حکم دیتا ہوں کہ ان کے جنگجو قتل کردیئے جائیں	

	اور بچے قید کرلیے جائیں ۵؎فرمایا تم نے ان کے متعلق فرشتے کا حکم دیا ۶؎اور ایک روایت میں ہے اللہ کا حکم دیا ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ واقعہ شوال ۵ھ؁ پانچ ہجری کا ہے کہ یہود مدینہ بنی قریظہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے بد عہدی کرکے مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا جس کی وجہ سے غزوہ احزاب یعنی خندق کا واقعہ پیش آیا،اللہ تعالٰی نے ان سب کفار کی تمام تدبیروں کو ایک آندھی کے ذریعہ ختم فرمادیا۔مسلمانوں نے غزوہ خندق سے فارغ ہوکر بحکم خداوندی ان بدعہد یہودیوں بنی قریظہ کا محلّہ گھیر لیا۔یہ لوگ پچیس دن اپنے قلعوں میں محصور رہ کر تنگ آگئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم حضرت سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں وہ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔حضور نے بھی ان کی یہ درخواست قبول فرمالی،چونکہ حضرت سعد ابن معاذ قبیلہ اوس کے سردار تھے اور بنی قریظہ اس کے حلیف تھے زمانہ جاہلیت میں اس لیے انہیں یقین تھا کہ حضرت سعد ہمارے حلیف ہونے کا لحاظ کرکے ہم پر نرمی کریں گے اس لیے وہ آپ کے فیصلہ پر راضی ہوئے مگر فیصلہ وہ ہوا جو آگے آرہا ہے۔

۲؎آپ غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے تھے بیمار تھے اس لیے سواری پر حاضر ہوئے،آپ کہیں دور سے نہ آئے تھے اپنے گھر سے ہی آئے تھے جو مدینہ منورہ میں تھا۔(مرقات)

۳؎اس میں خطاب ان انصار سے ہے جو حاضر بارگاہ تھے یا سارے حاضرین سے یعنی اپنے ان سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاؤ اور ان کے استقبال و پیشوائی کے لیے جاؤ،ابھی حضرت سعد کا خچر دور ہی تھا تب یہ حکم صادر ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ان کا استقبال کرنا سنت ہے۔جن احادیث میں تعظیمی قیام سے منع فرمایا گیا ہے وہ وہ ہے کہ سردار بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں یہ ہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔(مرقات واشعہ)بعض نے کہا کہ یہ قیام تعظیمی نہ تھا بلکہ حضرت سعد بیمار تھے خود اتر کر نہ آسکتے تھے ان کی مدد کے لیے یہ حکم دیا گیا اس لیے یہاں لام نہ فرمایا الیٰ ارشاد ہوا مگر یہ توجیہ کمزور ہے ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو انہیں اتارنے کے لیے بھیج دیا جاتا سب کو یہ حکم نہ ہوتا۔**قوموا** جمع ہے نیز پھر **سیدکم** نہ فرمایا جاتا بلکہ **مریضکم** ارشاد ہوتا۔**سیدکم** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام سرداری کی وجہ سے تھا نہ کہ بیماری کی وجہ سے،چونکہ قیام کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بھیجنا بھی تھا اس لیے الیٰ ارشاد ہوا۔قیام تعظیمی کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو اور ان شاءاللہ اس کتاب میں **باب القیام** میں آوے گی۔

۴؎یعنی تمہارے فیصلہ پر یہ بنی قریظہ راضی ہیں اور ہم کو بھی منظور ہے لہذا تم فیصلہ کرو۔معلوم ہوا کہ کسی کو پنچ مقرر کرنا اس سے فیصلہ کرانا سنت سے ثابت ہے۔

۵؎جنگجو سے مراد مطلقًا جوان مرد ہیں خواہ جنگ کرتے ہوں یا کراتے ہوں یا رائے دیتے ہوں اور **ذریۃ** سے مراد چھوٹے بچے عورتیں ہیں جنہیں جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو۔(مرقات)خیال رہے کہ ان یہود مدینہ اور کفار و مشرکین میں یہ طے ہوا تھا کہ مشرکین تو باہر سے مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کریں اور ہم اندرون مدینہ مسلمانوں کو ماریں اور مسلمانوں کو

ایسا کچل دیں جیسے چکی میں دانہ اس لیے ان کے جوانوں کو مقاتلہ فرمایا گیا۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ غزوہ احزاب میں باقاعدہ قتال ہوا ہی نہ تھا،مشرکین تو خندق دیکھ کر حیران رہ گئے یہود مدینہ ان کی رکاوٹ و حیرانی کی وجہ سے باقاعدہ جنگ نہ کرسکے۔

۶؎ فرشتہ سے مراد یا تو جبریل علیہ السلام ہیں یا وہ فرشتہ جو مؤمن کے دل میں بطور الہام اچھے خیالات پیدا کرتا ہے۔

۷؎ یعنی تم نے ایسا حکم دیا جس سے اللہ رضی ہے یا اللہ تعالٰی نے بذریعہ فرشتہ تمہارے دل میں یہ حکم ڈالا اور تم نے سنایا۔زبان تمہاری ہے فیصلہ رب کا ہے۔سبحان اللہ! کیسی شان ہے حضرت سعد کی رضی اللہ عنہ۔اس سے معلوم ہوا کہ بڑے اہم فیصلوں میں بھی حکم(پنچ)بنانا جائز ہے اور پنچ کے فیصلہ پر فریقین کو راضی ہونا پڑے گا،پنچ کے فیصلہ کی اپیل نہیں۔سلطان بھی اپنا پنچ بناسکتا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے ۱؎ وہ لوگ بنی حنیفہ کا ایک شخص پکڑ لائے جسے ثمامہ ابن اثال کہا جاتا تھا یعنی یمامہ والوں کا سردار ۲؎ تو اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا ۳؎ تو اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا تیرے پاس کیا ہے ۴؎ اے ثمامہ وہ بولا اے محمد میرے پاس بھلائی ہے ۵؎ اگر آپ قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے ۶؎ اور اگر آپ احسان کریں تو شکر گزار پر کریں گے ۷؎ اگر آپ مال چاہتے ہوں تو طلب فرمایئے جو چاہیں گے حاضر کیا جائے گا ۸؎ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا ۹؎ حتی کہ کل کا دن ہوا تو فرمایا اے ثمامہ تیرے پاس کیا ہے وہ بولا میرے پاس وہ ہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر احسان فرماؤ گے تو شکر گزار پر احسان فرماؤ گے اور قتل فرماؤ گے تو بڑے بھاری خون والے کو قتل فرماؤ گے اور اگر آپ مال چاہتے ہوں تو طلب کیجئے حاضر کیا جائے گا جو آپ چاہیں گے اسے پھر حضور انور نے چھوڑ دیا حتی کہ پرسوں کا دن ہوا تو اس سے فرمایا کہ ثمامہ تیرے پاس کیا ہے وہ بولا میرے پاس وہ ہی ہے جو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر کریں گے اور

	اگر قتل کریں گے تو بھاری خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہوں تو طلب کیجئے جو آپ چاہیں گے حاضر کیا جائے گا ۱۰؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ ثمامہ کو کھول دو ۱۱؎ وہ مسجد کے قریبی باغ کی طرف گیا غسل کیا پھر مسجد میں آیا ۱۲؎ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اس کی رسول ہیں اے محمد اللہ کی قسم مجھے روئے زمین پر کوئی چہرہ تمہارے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا اب آپ کا رخ انور تمام چہروں سے مجھے زیادہ پیارا ہوگیا ۱۳؎ اللہ کی قسم مجھے کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ ناپسند نہ تھا مگر اب آپ کا دین مجھے تمام دینوں سے زیادہ پیارا ہوگیا ۱۴؎ اللہ کی قسم کوئی شہر مجھے آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا مگر اب مجھے آپ کی نگری تمام شہروں سے زیادہ پیاری ہوگئی ۱۵؎ اور آپ کے لشکر نے مجھے اس حال میں گرفتار کیا کہ میں عمرہ کا ارادہ کررہا تھا اب آپ کیا مناسب سمجھتے ہیں ۱۶؎ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا ۱۷؎ تو جب وہ مکہ آئے تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا تم بے دین ہوگئے ۱۸؎ وہ بولے نہیں لیکن میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ایمان لے آیا ۱۹؎ اور خدا کی قسم یمامہ سے تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ نہ پہنچے گا حتی کہ اس کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں ۲۰؎ (مسلم) اور بخاری نے اسے مختصرًا روایت کیا۔

۱؎ یہ واقعہ ہجری کا ہے۔نجد کے لغوی معنی ہیں اونچی زمین مگر اس سے مراد ہوتا ہے عرب کا ایک صوبہ کیونکہ یہ صوبہ یمن سے ہے نیچا۔حجاز،عراق،یمن،بحرین،نجد ان پانچ صوبوں کا نام عرب ہے باقی عجم۔

۲؎ یمامہ نجد کے علاقہ میں ایک شہر ہے،مکہ معظمہ سے سولہ منزل ہے،یہاں ہی مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا،بنی حنیفہ ایک قبیلہ کا نام ہے اسی قبیلہ میں مسیلمہ پیدا ہوا۔

۳؎ مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تاکہ ثمامہ یہاں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے دیکھے اور اسے ایمان میسر ہوجائے۔چنانچہ معلوم ہوا کون ہے جو غور سے حضور کو دیکھے اور ان پر فدا نہ ہوجائے۔

کفرواسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے تو اگر جلوہ دکھا دے تو تو ہی تو ہوجاوے

اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو مسجد میں آنا،اسے وہاں لانا وہاں رکھنا،وہاں باندھنا جائز ہے،ثمامہ عموماً اس ستون سے بندھا رہتا تھا پیشاب یا پاخانہ کے لیے اسے باہر لے جایا جاتا تھا کھانا پانی وہاں ہی دیا جاتا ہوگا۔دھوپ کا تو وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،غرضیکہ ثمامہ کو وہاں کوئی تکلیف نہ تھی،وہاں بندھے رہنے میں انہیں وہ لذت آتی ہوگی جو بیان سے باہر ہے۔دیکھتے جلوہ محبوب کا آتے جاتے۔اب تک لوگ اس ستون کی زیارت کرتے ہیں جس سے ثمامہ کو باندھا گیا تھا،ثمامہ وہاں تین دن بندھے رہے۔

۴؎ یعنی تیرا حال کیا ہے تجھے کھانے پینے وغیرہ کی کوئی تکلیف تو نہیں یا تیرا ہمارے متعلق خیال کیا ہے ہم تجھ سے کیا برتاؤ کریں گے۔(اشعہ و مرقات)اس قید پر ہزاروں آزادیاں قربان۔

دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہے

۵؎ یعنی ہر طرح خیریت و آرام سے ہوں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے صحابہ کرام میری راحت کا بہت خیال رکھتے ہیں یا حضور کے متعلق میرا خیال خیر ہے کیونکہ محسن ہیں آپ سے مجھے ظلم کا اندیشہ نہیں۔(مرقات)

۶؎ دم دال سے ہے بمعنی خون اور خون والے سے مراد ہے مستحق قتل یا شریف قوم یعنی اگر آپ مجھے قتل فرمادیں تو واقعی میں قتل ہی کا مستحق ہوں کہ آپ کے دشمنوں میں سے ہوں اس قتل میں آپ ظالم نہ ہوں گے یا آپ بڑے قیمتی خون والے کو قتل کریں گے کیونکہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں سردار کا خون بڑا اہم ہوتا ہے۔بعض روایات میں ذم نقطے والی ذال سے ہے بمعنی ذمہ اور عہد یعنی آپ بڑے ذمہ دار کو قتل کریں گے میں معمولی آدمی نہیں ہوں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں سردار ہوں مگر یہ روایت غیر مشہور سی ہے۔

۷؎ یعنی اگر آپ مجھ پر احسان فرما کر مجھے چھوڑ دیں گے تو عمر بھر آپ کا شکر گزار رہوں گا،میں احسان فراموش نہیں ہوں،احسان مند رہوں گا۔

۸؎ یعنی آپ مجھے فدیہ لے کر چھوڑنا چاہیں تو میں بہت بڑا مالدار قوم کا سردار ہوں میری قوم کو پیغام بھیجئے جتنا مال چاہیں گے آجائے گا۔

۹؎ اس حال میں بندھا رہنے دیا نہ قتل کرایا نہ آزاد کیا نہ کوئی مطالبہ فرمایا،یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ ان دنوں میں حضور نے اس کے دل پر توجہ فرمائی باطن میں تصرف فرمایا اس کا نتیجہ تیسرے دن ظاہر ہوا۔

۱۰؎ خیال رہے کہ ان تینوں دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ایک ہی رہا مگر ثمامہ نے پہلے دن جواب میں قتل کا ذکر پہلے کیا احسان و مال کا ذکر بعد میں مگر پچھلے دو دنوں کے جواب میں انعام و رحم خسروانہ کا ذکر پہلے کیا قتل کا ذکر بعد میں کیونکہ ثمامہ کی نظر پہلے دن اپنے جرم پر تھی اور دوسرے دنوں میں حضور کے رحم و کرم و احسان پر۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ مجرم کو چاہیے پہلے اپنے جرم کا اقرار کرے پھر استغفار،ثمامہ پر پہلے دن خوف غالب تھا باقی دنوں میں امید غالب،پہلے دن ثمامہ اجنبی تھا آخر دنوں میں رحم خسروانہ کرم شاہانہ سے آشنا ہوچکا تھا۔(ازمرقات)

۱۱؎ تین دن جمال کا نظارہ کراکے اپنی ادائیں دکھا کر فرمایا کہ ثمامہ کو آج قید سے آزاد کردو جہاں چاہیں جائیں مگر ثمامہ کا دل اپنی محبت میں قید کرلیا۔چڑیا کے پر کاٹ کر پنجرے سے نکال دو اور کہو جا اڑ جامگر اب وہ اڑے کس چیز سےاڑنے والی چیز تو ختم ہوچکی۔صحابہ نے سوچا ہوگا کہ ثمامہ گئے مگر کہاں جاتےجانے کے قابل ہی نہ رہے۔

تال سوکھ پر بھٹ ہوا اور ہنسا کہیں نہ جائیں باندھے پچھلی پریت کے وہ کنکر چن چن کھائیں

ہنس تالاب کے کنارہ رہتا ہے تالاب سوکھ جانے پر وہاں ہی مٹی چاٹ کر دم توڑ دیتا ہےمگر تالاب چھوڑکر نہیں جاتا۔

۱۲؎ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ پہلے قیدکرکے لائے گئے تھےاب خود قید ہوکر آئے۔

گر کے قدموں پر وہ قرباں ہوگیا پڑھ لیا کلمہ مسلمان ہوگیا

معلوم ہوا کہ اسلام لاتے وقت غسل کرنا سنت صحابہ ہے،بعض نسخوں میں **نجل** جیم سے ہےبمعنی تھوڑا یا بہتا ہوا پانی مگر قوی روایت **نخل** خ سے ہےیعنی وہ قریبی باغ میں گئے جس میں کچھ پانی تھا وہاں غسل کیا۔معلوم ہوا کہ جاری پانی سے وضو و غسل کرلینا جائز ہےمالک سے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ اتنے پانی سے عمومًا منع نہیں کیا جاتا۔

۱۳؎ چہرے سے مراد ذات ہے،چونکہ ملاقات کے وقت پہلے چہرہ ہی نظر آتا ہےاس لیے ذات کے لیے چہرہ ہی بول دیا جاتا ہے یعنی اب چند منٹ پہلے تک مجھے آپ سے بہت عداوت ونفرت تھی مگر قید سے چھوٹتے ہی میرے دل کی دنیا بدل گئی کہ میرا دل آپ کی محبت سے ایسا بھر گیا کہ اب جیسے آپ مجھے پیارے ہیں ایسا پیارا کوئی نہیں نہ ماں باپ نہ اولاد بلکہ نہ اپنی جان تمام چیزوں میں یہ سب داخل ہیں۔معلوم ہوا کہ جب دل میں ایمان آتا ہے تو پہلے محبت رسول آتی ہے یہ محبت رسول ہی اصلی ایمان ہے۔جنہوں نے حضور کو جادو گر کہاانہوں نے قرآن کو جادو کہا،جنہوں نے حضور کو کاہن یا شاعر(ناول گو)کہا انہوں نے قرآن کو کہانت اور شعر(ناول)کہا،جنہوں نے حضور کو رسول اللہ کہا انہوں نے قرآن شریف کو کتاب اللہ کہا،قرآن بلکہ رحمان کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،آپ کی معرفت سے قرآن و رحمان تک پہنچا جاتا ہے۔

۱۴؎ دین اسلام میں توحید،قرآن،حشرونشر،فرشتے،قیامت وغیرہ سب داخل ہیں یعنی آپ کی محبت سے مجھے ان تمام کی محبت نصیب ہوگئی۔گھر میں جب گھر والا آتا ہے تو مع سامان کے آتا ہے،محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی مکین ہیں اور یہ ساری محبتیں اس محبت کا سامان۔

۱۵؎ یعنی اب مجھے مدینہ پاک کے گلی کوچے عرش و فرش کے ہر مقام سے زیادہ پیارے ہوگئے۔معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کی محبت علامت ایمان ہےوہاں کے ذرے دونوں جہان سے زیادہ پیارے ہیں۔

خاک طیبہ ازدو عالم خوشتر است اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

یہ محبت مدینہ علامت ایمان اور ذریعہ نجات ہے،اللہ نصیب فرمادے۔

من مذھبی حب الدیار لاھلھا وللناس فیما یعشقون مذاھب

۱۶؎ یعنی میں اپنے گھر سے عمرہ کرنے مکہ معظّمہ جارہا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار کرلیا گیا،اب فرمائیں عمرہ کو جاؤں یا نہ جاؤں۔سبحان اللہ! قدرت نے کہا ہوگا کہ اے ثمامہ مدینہ کے راستے سے مکہ معظّمہ جاؤ،خود رب کعبہ سے ملنا ہو تو مدینہ کے راستے سے ملا جاتا ہے تو کعبہ کو بھی اسی راستہ سے جانا چاہیے۔

ملتے ہیں سب اہلِ دل خدا سے　　　طیبہ سے نجف سے کربلا سے

ثمامہ کی قوت ایمانی کا یہ حال ہوگیا کہ اب عمرہ بھی کرنا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر،آپ فرمائیں تو عمرہ کروں ورنہ نہ کروں،ہر عبادت ان کی اجازت سے کی جائے تو عبادت ہے۔

۱۷؎ پہلے جنت رضاء الٰہی کی خوشخبری دی بعد میں عمرہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔بتایا کہ اسلام کی برکت سے تمہارے سارے گناہ معاف ہوگئے،نیکیاں قبول ہوگئیں۔

۱۸؎ صبوت بنا ہے صبو سے بمعنی میل اور جھک جانا۔علم سے جہالت اور دین سے بے دینی کی طرف جھک جانے کو صبو کہتے ہیں۔کفار مکہ اسلام لانے کو صبو اور مسلمانوں کو صابی کہتے تھے یعنی اے ثمامہ تم اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑکر بے دین بن گئے۔

۱۹؎ یعنی تم الٹی بات کہہ رہے ہو اب تک میں بے دین تھا اب دین والا ہوگیا،اب تک کافر تھا اب مؤمن ہوگیا،میں تو گویا اب پیدا ہوا۔یہاں ساتھ سے مراد زمانہ کی ہمراہی نہیں بلکہ دین میں ساتھ ہونا مراد ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے مؤمن ہیں جب کہ عالم کی کوئی چیز نہ بنی تھی۔

۲۰؎ چنانچہ ثمامہ نے یمامہ پہنچ کر حکم دے دیا کہ مکہ معظّمہ گندم،جو،کوئی غلہ نہ جانے پائے اور یمامہ کے غلہ پر ہی مکہ والوں کا گزارہ تھا،قریشی بھوکے مرنے لگے تب انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خطوط اور آدمی بھیجے کہ خدا کا واسطہ اپنی رشتہ داریوں کا صدقہ آپ ثمامہ کو غلہ بھیجنے کا حکم فرمادیں ہم آخر ہیں تو آپ کے عزیزوقرابت دار تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو حکم دیا اور مکہ والوں کو روزی نصیب ہوئی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں کفار کو نہ ہتھیار فروخت کیے جائیں نہ غلہ۔اس سے کفار کو قوت حاصل ہوگی اور امن کے زمانہ میں اگرچہ غلہ انکے ہاتھ فروخت کیا جاسکتا ہے مگر ہتھیار پھر بھی نہ فروخت کرو۔کفار سے سلوک و احسان کرنا جائز ہے حتی کہ جنگی کافر قیدی کو بلامعاوضہ چھوڑ دینا بھی جائز ہے جب کہ اس میں مصلحت ہو۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص ابن ربیعہ کو احسان فرما کر چھوڑ دیا تھا یہ بدر میں قیدی ہوئے تھے،اس میں جو آئمہ اسلام کا اختلاف ہے وہ فقہ میں دیکھو۔اس حدیث سے بہت سے مسائل نکل سکتے ہیں جن میں سے کچھ ہم نے شرح کے دوران بیان کر دیئے،باقی تحقیق مرقات میں اس جگہ مطالعہ فرماؤ۔ثمامہ کی برکت سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا کہ اگر مطعم ابن عدی زندہ ہوتے پھر وہ مجھ سے ان گندوں کے متعلق گفتگو کرتے تو ان کی وجہ سے میں انہیں چھوڑ دیتا۔(بخاری)	3965 - [6](صحيح) وعن جبير بن مطعم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في أسارى بدر:" لو كان المطعم بن عدي حيا ثم كلمني في هؤلاء النتنى لتركتهم له " . رواه البخاري

۱؎ آپ جبیر ابن معطم ابن عدی نوفل ابن عبدمناف ہیں،کنیت ابومحمد ہے،فتح مکہ یا خیبر کے دن ایمان لائے، بڑے شاعرنسبوں کے عالم سردار قوم تھے،حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد تھے، ۵۴ھ چوّن میں وفات پائی، آپ نے یہ حدیث زمانہ کفر میں سنی تھی اور بعد اسلام روایت کی۔مطعم سے مراد جبیر ابن مطعم کے والد ہیں۔ان گندوں سے مراد یا تو بدر میں مقتولین کفار ہیں کہ وہ کفر پر مرے یا بدر کے قیدی کہ وہ اس وقت گندگی کفر میں تھے۔خیال رہے کہ مطعم ابن عدی نے طائف میں کفار طائف کو حضور سے ہٹایا تھااور حضور کی زبردست حمایت کی تھی،فرمایا کہ اے جبیر تمہارے والد کا مجھ پر احسان ہے اگر آج وہ زندہ ہوتے اور ان کفار کی سفارش کرتے تو ان کی سفارش پر میں ان سب کو بغیر معاوضہ چھوڑ دیتا۔خیال رہے کہ شروع اسلام میں کفار قیدیوں کو احسان کرکے چھوڑ دینا جائز تھا،پھر منسوخ ہوگیا یہ ہی مذہب ہےامام ابوحنیفہ مالک وا حمد کا،امام شافعی کے ہاں اب بھی جائز ہےان کی دلیل آیۃ کریمہ ہے اور یہ حدیث ہے،ہمارے ہاں یہ دونوں اس آیت سے منسوخ ہیں"قٰتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً"۔(دیکھو فتح القدیر اور مرقات وغیرہ)حضرت جبیر بطور فخریہ روایت کررہے ہیں کہ حضور نے میرے والد کی ایسی عزت افزائی کی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ مکہ والوں میں سے اسّی آدمی تنعیم پہاڑ سے ہتھیار بند ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کودے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غفلت اور حضور کے صحابہ کی غفلت کے ارادے میں تھے ۲؎ کہ انہیں زندہ گرفتار کرلیا ۳؎ پھر انہیں زندہ چھوڑ دیا اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں آزاد کردیا ۴؎ تب اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ وہ رب وہ ہے جس نے مکہ کے درمیان ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا ۵؎(مسلم)

۱؎ یہ واقعہ سال حدیبیہ کا ہے،**تنعیم** مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر بیرون حرم جگہ کا نام ہے،یہاں سے عمرہ کا احرام باندھنے لوگ مکہ معظّمہ سے آتے ہیں،قریب ترین یہ ہی جگہ ہے،یہاں ہی مسجد حضرت عائشہ صدیقہ ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔اسے تنعیم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی داہنی جانب نعیم پہاڑ ہے اور بائیں طرف ناعم پہاڑ واقع ہے،اس جنگل کا نام نعمان ہے،دیکھو مرقات۔یہ اسّی آدمی ڈھال تلوار وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح تھے،ان کی نیت خراب تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ تو عمرہ کے احرام میں تھےاور ان کے ارادے کچھ اور ہی تھے۔

۲؎ یعنی ان کی نیت یہ تھی کہ مسلمان غافل ہوں تو ہم ان پر ٹوٹ پڑیں سب کو شہید کردیں۔**غرہ** غین کے کسرہ سے بمعنی غفلت و فریب۔

۳؎ سلم سین کے کسرہ یا فتحہ اور لام کے سکون سے بمعنی صلح،سلامی،اطاعت،سپرد کردینا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ"اور فرماتاہے:"رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ"ایک اور ایک سے زیادہ پر بولا جاتا ہے،یہاں بمعنی سلامتی یا بمعنی اطاعت یعنی سارے کے سارے صحیح سلامت یا مطیع و فرمانبردار ہوکر گرفتار کرلیے گئے۔

۴؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو انہیں قتل کیا نہ قیدی بلکہ اسی طرح چھوڑ دیا تاکہ ان پر اپنے ظلم حضور کی معافی کا اثر پڑے اگر یہ احسان نہ کیا جاتا تو کفار مکہ سے جنگ چھڑ جاتی۔

۵؎ یعنی اللہ تعالٰی کا ہی کرم تھا کہ اس نے ان اسّی کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا جس سے وہ تم سے لڑ نہ سکے بلکہ گرفتار ہوگئے اور تمہارے دل میں رحم و کرم ڈال دیا جس سے تم نے انہیں قتل یا قید نہ کیا بلکہ چھوڑ دیا جس کا نتیجہ آخر کار صلح ہوا۔اس جگہ کو بطن مکہ اس لیے فرمایا گیا کہ مکہ معظّمہ سے حدیبیہ بہت ہی قریب ہے حتی کہ اس کا ایک حصہ حرم شریف میں ہی واقع ہے اس آیۃ کریمہ کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں مگر قوی تفسیر یہ ہی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ صحابہ کرام کو بارگاہ الٰہی میں وہ قرب حاصل ہے کہ ان کے فعل کو رب تعالٰی اپنا فعل قرار دیتا ہے کہ یہاں اس آیت کریمہ میں رب نے فرمایا:"کَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ"۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم سے انس ابن مالک نے بروایت ابو طلحہ ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس سرداران قریش کے متعلق حکم دیا ۲؎ تو وہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور پلید کنویں میں ۳؎ ڈال دیئے گئے اور جب حضور کسی قوم پر غالب آتے تھے تو میدانِ جنگ میں تین شب قیام فرماتے تھے ۴؎ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو اپنی سواری کے متعلق حکم دیا تو اس پر پالان باندھ دیا گیا ۵؎ پھر حضور چلے اور حضور کے صحابہ پیچھے پیچھے گئے حتی کہ کنوئیں کے کنارے پر کھڑے ہوئے ۶؎ تو انہیں ان کے اور ان کے باپ داداؤں کے نام سے پکارنے لگے کہ اے فلاں ابن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں ۷؎ کیا اب تم کو یہ پسند ہے کہ تم نے اللہ رسول کی اطاعت کی ہوتی ۸؎ ہم نے تو وہ حق پایا جو ہم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا ۹؎ تو تم نے بھی وہ حق پالیا جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا ۱۰؎ تو حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ حضور ان جسموں سے کلام فرماتے	

	ہیں جن میں جان نہیں ۱۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے میرے فرمان کو تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے ۱۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے ۱۳؎ (مسلم،بخاری) بخاری نے یہ زیادہ کیا کہ قتادہ نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں زندہ کیا حتی کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سنادیا سرزنش،ذلت،بدلہ،حسرت،ندامت کے لیے ۱۴؎

۱؎ آپ قتادہ ابن وعامہ ہیں،کنیت ابو الخطاب ہے،نابینا تھے،حضرت انس اور عبداللہ ابن حسن صدیق سے ملاقات ہے،،تابعی ہیں، ۱۰۷ھ ایک سو سات ہجری میں وفات ہوئی۔(اکمال)

۲؎ غزوہ بدر میں ستر ۷۰ کفار ہلاک کردیئے تھے اور ستر قیدی۔ہلاک شدگان میں چوبیس بڑے چوٹی کے سردار تھے جن کی نعشیں خصوصیت سے یہاں پھینکوائی گئی تھیں۔صنادید جمع ہے صندید کی،صندید کے معنی ہیں رئیس سردار،بہادر،اشرف عظیم یہاں تمام معنی بن سکتے ہیں۔

۳؎ طوی ط کے فتحہ اور واؤ کے کسرہ ی کے شد سے بمعنی من والا کنواں جس کا کنارہ گول دیوار سے گھیر دیا گیا ہو تاکہ اس میں کوئی گر نہ جائے یا تو پہلے ہی سے وہ کنواں گندا تھا کہ وہاں نجاسات ڈالی جاتی تھیں یا آج ان خبیثوں کی نعشیں ڈالنے کی وجہ سے گندا ہوگیا۔بعض روایات میں ہے کہ وہ قلیب یعنی کنوئیں کے جھیرے میں ڈالے گئے تھے،ہوسکتا ہے کہ بعض نعشیں کنوئیں میں ڈالی گئی ہوں اور بعض جھیرے میں۔

۴؎ یعنی طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ فتح فرمانے کے بعد فورًا واپس نہ ہوجاتے تھے بلکہ تین دن اسی میدان میں قیام فرماتے،پھر وہاں سے واپس ہوتے۔عرصہ وہ جنگل جس میں کوئی عمارت نہ ہو۔

۵؎ یعنی واپسی کے لیے سواریاں تیار کی گئیں ان پر سامان سفر رکھ دیا گیا۔

۶؎ جس کنوئیں میں ان سرداروں کی نعشیں پڑی تھیں اس کنوئیں کے کنارے پر قیام فرمایا اب وہ کنواں ناپید ہوگیا ہے۔میں کئی بار بدر شریف میں حاضر ہوا،تمام تاریخی مقامات کی زیارات کیں مگر یہ کنواں نظر نہ آیا۔معلوم ہوا کہ وہ گم ہوکر رہ گیا ہے۔

۷؎ یعنی ابوجہل امیہ ابن خلف وغیرہم میں سے ہر ایک کو الگ الگ نام لے کر پکارا اور کلام سب سے مجموعۃً کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کو پکارنا جائز ہے اگرچہ مردے کفار ہی ہوں اور ان سے کلام کرنا درست ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ذبح کیے ہوئے جانوروں کو پکارا "ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا"۔زیارات قبور کے موقعہ پر مردوں کو پکارکر سلام کرنا ان سے کلام کرنا سنت ہے۔

۸؎ سوال تقریری ہے۔یعنی اب تو یقینًا تم کو یہ آرزو ہے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کرلیا ہوتا اور اللہ رسول کی اطاعت کی ہوتی جو واقعہ تھا حضور نے وہی بیان فرمادیا۔خیال رہے کہ بعد موت روح اپنے مقام پر پہنچادی جاتی ہے مؤمن کی اچھے مقام پر،کافر کی روح عذاب کے مقام پر مگر روح جہاں بھی ہو اسے قبر اور جسم سے تعلق ضرور رہتا ہے جیسے سونے کی حالت میں روح سیرانی عالم کی سیر کرتی ہے مگر سونے والے کے جسم سے تعلق رکھتی ہے کہ جہاں جسم کو ہاتھ لگایا اسے آواز دی روح کو خبر ہوگئی اس لیے قبر پر جاکر اسلام و کلام کیا جاتا ہے۔اس کی تحقیق ہم نے اپنی تفسیر نعیمی پارہ دوم **بل احیاء** کی تفسیر میں بھی کی ہے اور اسی مرآت **باب الجمعہ** مسئلہ **حیات النبی** میں بھی کی ہے۔حیات اموات اور حیات شہداء حیات النبی کا فرق وہاں مطالعہ کرو۔

۹؎ اس وعدے سے مراد بعض وہ ربانی وعدے ہیں جن کا ظہور دنیا میں ہوچکا ہے۔بدر میں تھوڑے مسلمانوں کا بہت طاقتور مسلح کفار پر غلبہ،فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لیے اترنا وغیرہ۔وہ وعدے مراد نہیں جن کا ظہور بعد موت یا بعد قیامت ہوگا کہ وہ وعدے تو پورے ہوں گے ابھی پورے ہوئے نہیں۔

۱۰؎ یہاں وعدے سے مراد وہ وعیدیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کفار تک پہنچیں خواہ دنیاوی ہوں یا برزخی جیسے بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھانا اور عذاب قبر وغیرہ،اخروی وعیدیں جن کا ظہور قیامت میں یا بعد قیامت ہوگا مراد نہیں کہ وہ ابھی پوری نہیں ہوئیں آئندہ ہوں گی لہذا حدیث بالکل صاف ہے کوئی اعتراض نہیں،اس فرمان عالی کا مقصد ان کفار کو سرزنش فرمانا ہے۔

۱۱؎ یعنی یہ مردے نہ تو آپ کا فرمان سن سکتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں ایسوں سے کلام فرمانا عبث ہے اور عبث کام شان نبوت کے خلاف ہے۔

۱۲؎ **اسمع** اسم تفضیل ہے جو زیادتی سننے پر دلالت کرتی ہے،جب تفضیل کی نفی ہوئی تو زیادتی کی نفی ہوئی یعنی تم زندے ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں اور تمہارے برابر بلکہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں کہ تم صرف سن رہے ہو مگر وہ میرا کلام سن بھی رہے ہیں اور عذاب قبر دیکھ بھی رہے ہیں۔

۱۳؎ ایسا جواب جو عوام سن سکیں ورنہ میت کا سننا اس کا جواب دینا احادیث سے ثابت ہے مگر وہ جواب عام لوگ نہیں سنتے،مقبولین بارگاہ خصوصًا کشف قبور والے حضرات میت سے سلام و کلام اور گفتگو سب کچھ کرلیتے ہیں۔

۱۴؎ یعنی مقتولین بدر کفار کا حضور بدر ہر وقت زندوں کا کلام نہیں سنتے۔یہ قتادہ کا قول ہے۔

مسئلہ سماع موتی

خیال رہے کہ حضرات انبیاءکرام اور اولیاءاللہ کے بعد وفات سننے دیکھنے تصرف کرنے کے متعلق تمام اسلامی فرقے اسی پر متفق ہیں کہ وہ حضرات بعد وفات سنتے دیکھتے عالم میں تصرف کرتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء دنیاوی حقیقی حیات سے زندہ ہیں اور حضرات اولیاء بہ حیات اخروی معنوی زندہ ہیں۔(اشعۃ اللمعات)عام مردوں کے سننے کے متعلق علماء اسلام کی تین جماعتیں ہیں:ایک جماعت کہتی ہے کہ عام مردے کبھی نہیں سنتے۔حضرت عائشہ صدیقہ بھی پہلے یہ ہی فرماتی تھیں مگر بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور سماع موتی کی قائل ہوں گئیں۔(اشعۃ اللمعات)دوسری جماعت کہتی ہیں کہ مردے عام حالات میں تو نہیں

سنتے مگر خاص وقتوں میں سنتے ہیں جیسے بعد دفن،کہ دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتے ہیں یا حضور کے اس فرمان کے وقت مقتولین میں زندگی پیدا کی گئی جس سے انہوں نے حضور کا یہ فرمان سن لیا۔یہ قول حضرت قتادہ کا ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہوا۔تیسری جماعت کا قول ہے کہ عام مردے بھی ہر وقت سنتے،زائرین کو دیکھتے،پہچانتے ہیں۔

منکرین سماع کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ"اے محبوب تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکو(۲)قرآن کریم فرماتاہے:"وَ مَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ"جو قبروں میں ہیں آپ انہیں نہیں سنا سکتے(۳)حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمان کہ مردے نہیں سنتے(۴)فقہاء فرماتے ہیں کہ جوکسی سے نہ بولنے کی قسم کھالے پھر اس سے مرے بعد کلام کرے تو اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں کیونکہ میت کلام سنتی سمجھتی نہیں۔منکرین سماع موتی کے کل یہ چار دلائل ہیں۔

قائلین سماع موتی کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)قرآن میں ہے حضرت صالح علیہ السلام جب عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر گزرے تو آپ نے ان سے خطاب کرکے فرمایا:"یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ"۔(۲)قرآن کریم میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی کافر عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر گزرے تو "فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ"۔یعنی اے قوم میں نے تم کو احکام الٰہی پہنچائے تمہاری بڑی خیر خواہی کی تو اب میں کافر قوم پر کیسے غم کروں۔(۳)قرآن کریم فرماتاہے:"وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـهَةً یُّعۡبَدُوۡنَ"اے محبوب اپنے سے پہلے رسولوں کو دریافت فرمالو ہم نے اللہ کے سوا کوئی معبود بنائے جن کی پوجا کی جائے(۴)یہ ہی حدیث جو مسلم،بخاری نے روایت کی جس سے معلوم ہوا کہ کافر مردے بھی سنتے ہیں۔(۵)مسلم شریف میں ہے کہ بعد دفن جب لوگ واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے(۶)حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو ان سے خطاب کرکے سلام بھی کہتے تھے اور کلام بھی کرتے تھے کہ تم ہمارے سلف ہو ہم تمہارے خلف(۷)حضرت عائشہ صدیقہ جب مکہ معظمہ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر پہنچیں تو سلام کیا اور فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن اگر میں تمہارے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو تم کو وہاں ہی دفن کرتی جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی(۸)حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرصدیق دفن رہے تب تک میں بے حجاب اندر چلی جاتی تھی جب سے حضرت عمر دفن ہوئے ہیں تب سے میں حجاب کے ساتھ اندر جاتی ہوں حضرت عمر سے شرم و حیاء کی وجہ سے(۹)فقہاء فرماتے ہیں کہ قبرستان میں جائے تو اہل قبور کو سلام کرے،عام مؤمنوں کو یوں کہے السلام علیکم دار قوم من المسلمین وانا ان شاء اللہ لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم

العافیۃ۔شہداء کو یوں سلام کرے"سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ "۔اولیاء اللہ کو یوں سلام کرے"سلامٌ علیکم بما کسبتم فنعم عقبی الدار "اور ظاہر ہے کہ نہ سننے والوں کو سلام کرنا ممنوع ہے۔دیکھو سوتے ہوئے کہ سلام نہ کرو کہ وہ سنتا نہیں،نیز جو سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے،جو نماز پڑھ رہا ہے،استنجاء کررہا ہے اسے سلام نہ کرو کہ اگرچہ وہ سلام سنتا تو ہے مگر جواب دے نہیں سکتا۔اگر قبر والے مردے سلام سنتے نہ ہوتے یا جواب نہ دے سکتے تو انہیں سلام کرنا ممنوع ہوتا۔معلوم ہوا کہ وہ سنتے بھی ہیں جواب بھی دیتے ہیں۔

منکرین سماع موتی کے چاروں دلائل نہایت ہی کمزور ہیں،ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

جواب(۱)آیت کریمہ "اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی"میں مردے اور بہرے سے مراد دل کے بہرے کفار ہیں جوحضور کی تبلیغ کو مفید طور پرنہیں سنتے کیونکہ اس جگہ قرآن کریم نے فرمایا:"اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا"آپ ان ہی کو سناسکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔دیکھو یہاں موت کے مقابل میں ایمان کا ذکر فرمایا۔معلوم ہوا کہ موت سے مراد کفر ہےقرآن کریم نے خود اس کی تفسیر کردی۔

جواب(۲)آیت"مَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ "میں بھی قبر والوں سے مراد کفار ہیں جن کے مردہ دل ان کے سینوں میں بے حس دفن ہیں۔قرآن کریم نے آنکھ،کان،ناک والے کفار کو بہرااندھا فرمایا ہے،فرماتاہے:"صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ"ان قرآنی آیات سے واضح ہے کہ اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ ان دونوں آیتوں میں مردے ہی مراد ہیں تو بھی ان میں مردوں کے سننے کی نفی نہیں بلکہ حضور کے سنانے کی نفی ہے یعنی مردوں کو آپ نہیں سنا سکتے ہم سنا سکتے ہیں یا مفید سنانا ہےیعنی مردے آپ کا کلام سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے کہ فائدہ زندگی میں اٹھایا جاسکتا تھا۔

جواب(۳)ہم بحوالہ اشعۃ اللمعات عرض کرچکے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اس سے رجوع فرمالیا،وہ اوّلًا سماع موتی کا انکار فرماتی تھیں پھر قائل ہوگئیں،خود انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر جاکر ان سے خطاب فرمایا،حضرت عمر فاروق کے دفن ہوجانے پر روضہ انور میں با پردہ جانے کا التزام فرمایاحضرت عمر سے شرم و حیا کی وجہ سے۔

جواب(۴)قسم میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے،دیکھو مچھلی کو قرآن کریم میں گوشت فرمایا:"لَحۡمًا طَرِیًّا"مگر فقہاء قسم کے موقعہ پر اسے گوشت نہیں مانتے،جوشخص گوشت نہ کھانے کی قسم کھائے وہ مچھلی کھانے سے حانث نہیں ہوتا،کیوں،اس لیے کہ اسے عرف میں گوشت نہیں کہتےلہذا جوعرف میں بولنے سے مراد ہوتا ہے ظاہری سوال و جواب والا بولنا،مردے سے بولنے کو عرفاً بولنا نہیں کہتے اس لیے مردے سے کلام کرنے والا حانث نہیں ہوتا بہرحال یہ دلائل نہایت کمزور ہیں۔

دوسری جماعت کے پاس کوئی دلیل نہیں صرف حضرت قتادہ کی رائے ہے جو قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث شریف کے بھی۔مردے میں بعض وقت جان پڑجاناپھر نکل جانا یہ پڑتے نکلتے رہنا قتادہ کی رائے ہے کسی آیت یا حدیث

میں اس کا ذکر نہیں لہٰذا اس کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں۔بہرحال حق یہ ہے کہ مردے زندوں کا کلام سنتے انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔

قبروں سے فیض لینا:اس کی مکمل بحث ہم مرآت جلد دوم باب زیارت قبو رمیں کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ بعض کی یہ گفتگو سن لینا حضور کی خصوصیات سے ہے جو رب تعالٰی نے ایک خاص حکمت سے وہاں ظاہر فرمائی،ورنہ عام مردے بلکہ خود مقتولین خشک علماء اس کے منکر ہوئے ہیں مگر صاحب کشف اولیاءوعلماء کا عقیدہ ہے کہ بزرگان دین کی قبور سے مدد لینا،فیض حاصل کرنا بالکل درست ہے،انکے فیوض سے مایوس ہونا کفارکر طریقہ ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَئِسُوۡا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الۡکُفَّارُ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡقُبُوۡرِ"یہ لوگ آخرت سے ایسے مایوس ہیں جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہیں۔معلوم ہوا کہ اہل قبور کے فیوض سے مایوس طریقۂ کفار ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بار بارش کے لیے حضور کے روضہ انور کی چھت کھلوادی فورًا بارش آئی۔(مشکوۃ شریف باب الکرامات)رب العالمین نے بنی اسرائیل کو حکم دیا "ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ"بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے جاؤ اور کہو کہ مولٰی معافی دے دے۔وہاں کیوں بھیجا مدفون انبیاء کرام کی قبروں سے فیض حاصل کرنے کے لیے۔حضرت موسٰی علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں،یہ قبور والوں کی مدد ہی توہے۔اس مسئلہ کی تحقیق مرآت جلد دوم باب زیارۃ قبور میں دیکھو اور حیات انبیاء کی تحقیق باب الجمعۃ میں کی جاچکی ہے۔

	روایت ہے مروان ۱؎ اور حضرت مسور ابن مخرمہ سے ۲؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا جب کہ حضور کے پاس ہوازن کا وفد مسلمان ہوکر آیا ۳؎ تو انہوں نے حضور سے سوال کیا انہیں ان کے مال اور قیدی واپس کردیں ۴؎ تو فرمایا کہ تم لوگ ان دو میں سے ایک کو اختیارکرلو یا قیدی یا مال تو وہ بولے کہ ہم اپنے قیدی اختیارکرتے ہیں ۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اللہ کی وہ تعریف فرمائی جو اس کی شان کے لائق ہے پھر فرمایا کہ بعد حمد تمہارے بھائی توبہ کرتے ہوئے آئے ہیں ۶؎ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی انہیں واپس کردوں ۷؎ تو تم میں سے جو پسندکرے کہ بخوشی یہ کرے تو وہ کرے ۸؎ اور تم میں سے جو اپنے حصہ پر رہنا چاہے حتی کہ اس میں سے عطا فرمائیں جو اللہ ہمیں غنیمت دے تو وہ یوں کرے ۹؎ تب لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم

	نے بخوشی قبول کرلیا ١٠؎ تو رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو تم میں سے اجازت دینے والوں کا پتہ نہ چلا ان میں سے جنہوں نے اجازت نہ دی ١١؎ تو تم واپس جاؤ حتی کہ تمہارے سردار تمہارا ارادہ ہم تک پہنچادیں ١٢؎ تب لوگ لوٹ گئے پھر ان سے ان کے سردار نے گفتگو کی پھر وہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم کی طرف لوٹے خبر دی کہ ان سب نے خوشدلی سے اجازت دے دی ١٣؎ (بخاری)

١؎ ان کا نام مروان ابن حکم ابن ابوالعاص ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبدمناف ہے ٢ھ؁ یا خندق کے سال پیدائش ہے حضور کی زیارت نہ کی کیونکہ حضور صلی الله علیہ وسلم نے ان کے باپ حکم کو ایک جرم کی بنا پر مدینہ سے نکال کر طائف بھیج دیا،مروان اس کے ساتھ تھا عہد عثمانی میں حکم کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت ملی تب یہ ا پنے باپ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا،اس کی کنیت عبدالملک ہے،حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دادا ہے،معاویہ ابن یزید کے بعد تخت سلطنت پر قابض ہوا،٦٥ھ؁ پینسٹھ میں دمشق میں وفات پائی،تابعی ہیں،حضرت عثمان و علی سے احادیث لیں اور اس سے حضرت عروہ ابن زبیر اور علی ابن حسین یعنی امام زین العابدین نے احادیث روایت کیں۔خیال رہے کہ حضرت عثمان کا حکم اور مروان کو مدینہ منورہ واپس بلانا سچی توبہ کی بنا پر تھا اور درست تھا اس لیے حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ منورہ سے نہ نکالا بلکہ حضرت عثمان کے واپس بلانے کو قائم رکھا،اگر حضرت عثمان پر اعتراض کیا جاوے تو جناب علی مرتضٰی پر بھی اعتراض ہوگا۔

٢؎ آپ زہری قرشی ہیں،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بھانجہ ہیں،ہجرت کے دو سال بعد مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے،حضور کی وفات کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے،قتل عثمان تک مدینہ منورہ میں رہے،پھر مکہ معظّمہ منتقل ہوگئے،یزید کی بیعت نہ کی،یزید نے مکہ معظّمہ کا محاصرہ کراکے منجنیق سے وہاں پتھر برسائے،آپ حطیم شریف میں نفل پڑھ رہے تھے کہ عین نماز میں ایک پتھر آپ کے لگا شہید ہوگئے،عین حطیم کعبہ میں یہ واقعہ شروع ربیع الاول ٦٤ھ؁ چونسٹھ ہجری میں ہوا،آپ سے بہت سے لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

٣؎ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا یہ غزوہ ا سی قبیلہ ہوازن پر ہوا تھا،اس میں بہت قیدی اور بہت مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا،پھر یہ ہی لوگ مسلمان ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حضور صلی الله علیہ وسلم سے درخواست کی سرکار نے ان پر رحم خسروانہ فرمایا۔

٤؎ یعنی اس قبیلہ نے درخواست پیش کی کہ ہمارے قیدی چھوڑ دیئے جائیں اور ہمارا مال جو غنیمت بن چکا ہے ہم کو واپس کردیا جائے قیدی سات ہزار تھے مال کا تو حساب ہی نہ تھا۔(مرقات)

٥؎ جب قبیلہ ہوازن کو یقین ہوگیا کہ حضور انور دونوں چیزیں واپس نہ فرمائیں گے تو بولے کہ اچھا ہمارے قیدی چھوڑ دیئے جائیں ہم مال نہیں چاہتے کیونکہ ان کے غلام بننے میں ہماری ذلت ہے۔

۶؎ یہ ہے رب تعالٰی کی بے نیازی،کہ جو کل تک مسلمانوں کے سخت دشمن تھے وہ آج مسلمان ہوکر بھائی بن گئے اور یہ ہے حضور کی کرم نوازی کہ دشمن کو گلے لگالیتے ہیں۔

۷؎ یعنی سارے ہوازنی قیدی بغیر فدیہ لیے ہوئے چھوڑ دوں۔

۸؎ ہوازن کے قیدی مسلمان غازیوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔اب حضور انور کی رائے یہ ہوئی کہ وہ تمام قیدی آنے والے ہوازن کو واپس کردیئے جائیں بغیر فدیہ چھوڑ دیئے جائیں لہذا ان غازیوں سے فرمایا کہ ہر شخص اپنے حصہ کا قیدی واپس کردے جو معاوضہ واپس کرنا چاہے بطیّب خاطر تو وہ ایسا ہی کرے۔

۹؎ یعنی جو غازی بلامعاوضہ واپس نہ کرنا چاہے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب جس جہاد میں بھی کفار قیدی ہاتھ آئیں گے اسے اس کے عوض غلام دیا جائے گا۔معلوم ہوا کہ قیدی واپس کرنے کا حکم سرکاری تھاجس پر عمل کرنا ہر غازی پر واجب تھا اور معاوضہ لینے نہ لینے کا اختیار تھا۔خیال رہے کہ **یفیئ** بنا ہے **فئی** سے،فئی وہ مال ہے جو کفار سے بغیر جنگ حاصل کیا جائے،جزیہ و خراج بھی اس میں داخل ہے مگر یہاں فئی سے مراد غنیمت ہے۔(مرقات واشعہ)**غنیمت** وہ مال ہے جو کفار سے بحالت جنگ لڑ کر حاصل کیا جائے۔

۱۰؎ یعنی تمام صحابہ نے یک زبان ہوکر عرض کیا کہ ہم بغیر معاوضہ بخوشی اپنا اپنا قیدی واپس کرتے ہیں معاوضہ کے طلبگار نہیں۔

۱۱؎ یعنی ہم تم میں سے ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ نہیں پوچھ سکتے جماعتی حیثیت سے یہ سوال و جواب ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص معاوضہ ہی چاہتا ہو مگر اب مجلس میں خاموش رہا ہو یا بولا ہو تو ان آوازوں میں اس کی آواز دب گئی ہو اس لیے یہ جماعتی اجازت کافی نہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے دل کے ارادے سے خبردار ہیں مگر تعلیم امت کے لیے یہ احتیاط فرما رہے ہیں تاکہ بادشاہ یا حاکم یا اور کوئی کسی کا مملوک مال بغیر اس کی صریحی اجازت کے کبھی نہ لے ورنہ حضور تو مسلمانوں کی جان و مال کے مالک ہیں،ہم سب حضور کے لونڈی غلام ہیں ہمارا مال جسے چاہیں بغیر پوچھے دے دیں۔(دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی) یہاں تعلیم مقصود ہے۔

۱۲؎ **عرفاء** جمع ہے **عریف** کی،**عریف** کے معنی ہیں رئیس نقیب سردار یعنی ہر قبیلہ کا ہر شخص اپنے سردار سے اپنا ارادہ بیان کرے وہ سردار ہم تک پیغام پہنچادے۔

۱۳؎ یعنی ایسا ہی ہوا کہ ہر ہر قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ کے ہر غازی صحابی سے ملا،ہر ایک کا ارادہ علیحدہ علیحدہ معلوم کیا پھر حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے ۱؎ تو ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو کو قید کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنی عقیل میں سے ایک شخص کو قید کرلیا ۲؎ تو اسے باندھ دیا پھر اسے مقام حرہ میں ڈال دیا ۳؎ پھر اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	

	گزرے ۴؎ اس نے حضور کو پکارا اے محمد اے محمد میں کس جرم میں پکڑا گیا،فرمایا اپنی قوم کے حلیف ثقیف کے جرم میں ۵؎ پھر حضور نے اسے یونہی چھوڑا اور چل دیئے اس نے پھر کہا یامحمد اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے رحم فرمایا لوٹ آئے ۶؎ فرمایا تیرا کیا حال ہے وہ بولا میں مسلمان ہوں ۷؎ فرمایا اگر تو یہ بات اس وقت کہتا جب تو اپنے معاملے کا مالک تھا ۸؎ تو پوری کامیابی پاتا ۹؎ راوی فرماتے ہیں پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے فدیہ میں دے دیا جنہیں ثقیف نے گرفتار کرلیا تھا ۱۰؎(مسلم)

۱؎ یعنی اسلام سے پہلے بنی ثقیف جو ہوازن کا ایک خاندان ہے بنی عقیل کے حلیف تھے۔حلیف وہ کہلاتا تھا جس کا کسی سے معاہدہ ہوجائے کہ ہم دونوں ہر نیک و بد،خیروشر میں ایک دوسرے کے ساتھی رہیں گے۔اس معاہدہ کو حلف کہتے تھے،معاہدہ کرنے والوں کو حلیف۔اسلام نے گزشتہ معاہدوں کو کچھ ترمیم کے ساتھ باقی رکھا کہ اچھی بات پر معاہدہ ٹھیک ہے بری بات پر معاہدہ غلط۔آئندہ کے لیے حلیف سے منع فرمادیا کہ حضور نے ارشاد فرمایا **لا حلف فی الاسلام** کیونکہ اسلام کا معاہدہ ہی کافی ہے۔

۲؎ اس زمانہ کے قاعدہ کے مطابق ایک حلیف دوسرے حلیف کے جرم میں پکڑا جاتا تھا،ثقیف نے مسلمان پکڑ لیے تو اس کے عوض ثقیف کے حلیف بنی عقیل کا ایک آدمی پکڑ لیا تاکہ بنی ثقیف اپنے حلیف کو چھوڑنے کے لیے ہمارے مسلمانوں کو چھوڑ دیں۔

۳؎ حرہ بیرون مدینہ میدان کا نام ہے جو پتھریلا علاقہ ہے وہاں سایہ وغیرہ نہیں سیاہ پتھر ہیں وہاں ڈالا تاکہ یہ قیدی اپنی تکلیف اپنی قوم کو پہنچائے،وہ لوگ جلد از جلد اسے چھوڑانے کے لیے مسلمان قیدیوں کو آزاد کردیں۔اس زمانہ میں بھی منافقین مدینہ کفار کے جاسوس تھے جو یہاں کے حالات کفار کو بتاتے رہتے تھے۔

۴؎ تاکہ اس کا دکھ درد دیکھیں اور سنیں اس کے کھانا پانی کا انتظام فرمادیں اس لیے خود بہ نفس نفیس شہر مدینہ سے حرہ تشریف لے گئے۔

۵؎ خیال رہے کہ قبیلہ بنی ثقیف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ ہوچکا تھا کہ ہم دونوں فریق صلح سے رہیں گے،ثقیف نے حضور سے بدعہدی کی،بنی عقیل کا فرض تھا کہ وہ اپنے ان حلیفوں کو اس بدعہدی سے منع کرتے مگر وہ خاموش رہے یہ ان کی طرف سے گویا بدعہدی ہوئی یعنی تو بنی عقیل کا ایک فرد ہے تو بنی ثقیف کا معاہدہ حلیف ہے تیرے حلیفوں نے ہم سے بدعہدی کی تو ان کے جرم میں گرفتار ہوا۔

۶؎ ایسے قیدیوں پر کون رحم کرتا ہے مگر حضور رحمۃ اللعالمین ہیں کہ ایسوں پر بھی رحم فرماتے ہیں ایسوں کی بھی سنتے ہیں۔شعر

ایک تم ہو کہ بخش دیتے ہو کون ان جرموں پر سزا نہ کرے

۷؎یا تو پہلے سے ہی مسلمان ہوں یا اب حضور کے دیدار کی برکت سے مسلمان ہوگیا ہوں۔(مرقات)مگر دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ ظاہر ہے۔

۸؎یعنی قید ہونے گرفتار کیے جانے سے پہلے کہہ دیتا تو پکڑا نہ جاتا۔خیال رہے کہ اگر کافری قیدی کہے کہ میں تو گرفتاری سے پہلے ہی مسلمان تھا تو اس کی بات نہ مانی جائے گی جب تک اپنے دعویٰ پر شرعی گواہی قائم نہ کرے اور اگر قید ہونے کے بعد مسلمان ہوجائے تو اسے قتل نہ کیاجائے گامگر غلام بنالیا جائے۔اس وقت کا اسلام قتل سے بچالے گا غلامیت سے نہ بچاسکے گااور اگر قیدی قید ہوچکنے کے بعد جزیہ قبول کرلے اس کے قتل کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔(مرقات)

۹؎اس طرح کہ دنیا میں تو قیدوغلامیت کی ذلت سے بچ جاتا اور آخرت میں عذاب الٰہی سے،اب اس وقت مسلمان ہونے سے تو آگ سے بچ گیا مگر غلامیت کی قید سے نہ بچ سکا۔یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ اسلام قبول نہ کیاکیونکہ حضورکو اس کے منافق ہونے کا پتہ تھا کبھی حضور حقیقت پرحکم جاری فرماتے تھے۔مدعی اسلام کے قتل کا حکم دیا ہے اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ کافر ہوکرمرا۔(اشعہ)

۱۰؎یعنی کچھ عرصہ کے بعد حضور انور نے اسے کفار کے حوالہ کردیا اور اس کے عوض اپنے مسلمان قیدی کفار سے چھڑا لیے۔اس سے معلوم ہوا کہ جوشخص قیدی ہوچکنے کے بعد مسلمان ہو اس کو قدیمی مسلمان کو چھوڑانے کے لیے فدیہ دیا جاسکتا ہے۔ہدایہ میں ہے کہ ایسے قیدی کو فدیہ میں دینا جائز نہیں جو بحالت قید مسلمان ہوچکا ہو۔اگر ہمارا اور کفار کا معاہدہ اس قسم کا ہوچکا ہو کہ بعد صلح فریقین اپنے قیدیوں کو چھوڑدیں تو ایسے مسلمان قیدیوں کو چھوڑنا پڑے گا۔(مرقات)مگر ایسے عورتوں بچوں کو فدیہ میں بھی نہ دیا جائے گا جو قید ہوکر مسلمان ہوگئے ہوں۔اس کی پوری بحث فتح القدیر میں اور اس جگہ مرقات میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجے ۱؎توحضرت زینب نے بھی ابوالعاص کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا ۲؎اس مال میں وہ اپنا ہار بھیجا جو جناب خدیجہ کے پاس تھا جسے دے کر زینب کو ابولعاص کے ہاں بھیجا تھا۳؎تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا حضور کو اس پر بہت ہی رقت طاری ہوئی۳؎اور فرمایا اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور ان کی چیزیں انہیں واپس

کردو۴ سب نے کہا ہاں ضرور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے عہد لیا کہ وہ جناب زینب کا راستہ خالی کردیں۵ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ کو اور ایک انصاری کو بھیجا۶ ان سے فرمادیا کہ تم دونوں بطن یا جج میں رہنا۸ تاآنکہ تم پر زینب گزریں تو انہیں اپنے ساتھ لے آنا (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے کہ ۷۰ کفار تو مسلمانوں کے ہاتھوں کے قتل ہوئے تھے اور ۷۰ قیدی،ان قیدیوں کے متعلق حکم ہوا تھا کہ فدیہ میں مال دو اور آزاد ہوجاؤ،ان لوگوں نے مکہ معظمہ اپنے عزیزوں کو پیغام بھیجے وہاں سے ان کے عزیزوں نے مال بھیج کر انہیں آزاد کرایا۔

۲؎ حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی ہیں جو ابوالعاص ابن ربیع ابن ربیع ابن عبدالعزی ابن عبدشمس ابن عبدمناف کے نکاح میں تھیں اور مکہ معظمہ میں رہتی تھیں،ابوالعاص بی بی خدیجہ کے بھانجے تھے،جنگ بدر میں کفار کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے آئے تھے گرفتار ہوگئے حضرت زینب نے انہیں چھوڑانے کے لیے فدیہ کا مال بھیجا۔خیال رہے کہ اس وقت مؤمنہ عورت کا نکاح کافر مرد سے جائز تھا اس لیے حضرت زینب بنت رسول اللہ جناب ابوالعاص کے نکاح میں رہیں حالانکہ آپ مؤمنہ تھیں ابوالعاص کافر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔اب مؤمنہ عورت نہ تو کافر سے نکاح کرسکتی ہے نہ اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے۔

۳؎ یعنی یہ ہار ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کا تھا جو جہیز میں آپ نے جناب زینب کو دیا تھا حضور کو یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔

۴؎ جناب خدیجہ کو یادکرکے ان کی یہ نشانی دیکھ کر اپنی صاحبزادی زینب کی بےکسی اور بے بسی کا خیال فرماکر آپ کو گریہ طاری ہوگیا حضور کو جناب خدیجہ سے بہت ہی محبت تھی،ایک دفعہ کسی بی بی کی آواز سنی جو حضرت خدیجہ کی سی تھی تو آپ رو پڑے رضی اللہ عنہا۔

۵؎ یعنی اگر تم لوگوں کی رائے ہو تو ابوالعاص کو بغیر فدیہ بطور احسان چھوڑ دیا جائے حضور انور مالک ہیں جو چاہیں کریں مگر یہ رائے لینا ہم لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے۔

۶؎ یعنی ابوالعاص کو چھوڑ تو دیا مگر ان سے یہ عہد لیا کہ مکہ معظّمہ پہنچ کر حضرت زینب کو ہجرت کرکے مدینہ پاک آجانے کی اجازت دے دیں بلکہ حدود دارالاسلام تک پہنچا جائیں،ابوالعاص کے دل میں ایمان تو اسی وقت آگیا تھا مگر اس کا ظہور دوسرے وقت ہوا۔

۷؎ تاکہ جناب زینب کو لے آئیں اس وقت غیر محرم کے ساتھ عورتوں کو سفر کرنا جائز تھا،چونکہ ابوالعاص اس وقت کافر تھے مدینہ منورہ نہ آسکتے تھے اور مسلمان مکہ معظّمہ نہ جاسکتے تھے اس لیے یہ انتظام فرمایا گیا لہٰذا حدیث واضح ہے۔

۸؎ بطن یا جج مکہ معظّمہ سے خارج ایک نالہ ہے جو مقام تنعیم کے پاس مسجد حضرت عائشہ صدیقہ سے قریب ہے۔

۹؎ چنانچہ ابوالعاص نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ مکہ معظّمہ پہنچ کر پہلا کام یہ ہی کیا کہ حضرت زینب کو وہاں پہنچادیا۔کچھ عرصہ کے بعد ابوالعاص شام کے تجارتی سفر سے واپس ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرے مسلمانوں نے چاہا کہ ان کا مال چھین کر انہیں گرفتار کرلیں،حضرت زینب کو پتہ چلا تو بولیں میں انہیں امان دیتی ہوں،یہ سن کر صحابہ کرام بغیر ہتھیار ابوالعاص سے ملےانہیں تبلیغ اسلام کی،انہوں نے جواب دیا کہ ابھی میرے پاس کفار مکہ کی کچھ امانات ہیں میں وہ امانات دے کر مسلمان ہوں گا۔چنانچہ آپ مکہ مکرمہ گئے تمام کی امانتیں واپس کیں پھر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پرانے نکاح پر نیا نکاح پڑھا کہ حضرت زینب کو ان کے حوالہ فرمادیا۔حضور کو ابوالعاص سے بہت ہی محبت تھی،حضرت ابوالعاص خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔(اشعہ)اللہ تعالٰی ان کے طفیل ہم کو ایمان پر استقامت،حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر والوں کو قید کیا تو عقبہ ابن ابی معیط اور نضر ابن حارث کو تو قتل کردیا۱؎ اور ابو عزہ جمحی پر احسان فرمایا۲؎ (شرح سنہ)

۱؎ عقبہ ابن ابی معیط وہ ملعون ہے جس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر بحالت سجدہ اونٹ کی نجاست ڈالی تھی اور جناب فاطمہ نے ہٹائی تھی۔نضر ابن حارث بھی حضور کا بہت سخت دشمن تھا،ان دونوں کے قتل کردینے میں کفر کی طاقت کا توڑ دینا تھا اس لیے قتل کیے گئے۔(اشعہ)

۲؎ ابوعزہ جمحی کفار کا شاعر تھا جو اسلام کے خلاف قصیدے لکھا اور پڑھا کرتا تھا اسے بغیر فدیہ لیے ہی چھوڑ دیا اس کے لیے چھوڑ دینا ہی مفید تھا۔حضور انور حکیم ہیں،حکیم بیماری اور بیمار کے احوال سے خوب خبردار ہوتا ہے۔یہ حدیث ان کی دلیل ہے جو احسان کرکے کفار کو چھوڑ دینا اب بھی جائز سمجھتے ہیں۔احناف کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے۔خیال رہے کہ قیدی کافر کو کوئی غازی خود قتل نہیں کرسکتا بلکہ امام کی رائے سے قتل کرے گا مشرکین عرب اور مرتدین کے لیے یا قتل ہے یا اسلام،نہ انہیں غلام بنایا جائے نہ ان سے جزیہ لیا جائے اور جو کافر قیدی مسلمان ہوجائے اسے قتل نہیں کرسکتے غلام بناسکتے ہیں اور جو کافر قید ہونے سے پہلے مسلمان ہوجائے اسے نہ قتل کیا جائے نہ قید بلکہ وہ آزاد ہوگا۔تفصیل اس جگہ مرقات میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عقبہ ابن ابی معیط کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بولا بچوں کا کون ہے۱؎ فرمایا آگ ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ صبیۃ ص کے کسرہ ب کے سکون سے،جمع ہے صبیؑ کے معنی چھوٹے بچے۔یعنی آپ مجھے تو قتل کیے دیتے ہیں میرے پیچھے میرے چھوٹے بچے کون پالے پرورش کرے گا۔

۲؎ یعنی تیرے لیے آگ ہے اپنی فکر کر بچوں کی فکر کیوں کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تیرے بچوں کو آگ پالے گی۔یہ فرمان اظہار غضب کے لیے ہے اس معنی کی بنا پر یہ غیبی خبر ہے کہ تیرے بچے بھی تیری طرح دوزخی ہیں وہ بھی تیری طرح کافر ہی مریں گے۔

	روایت ہے حضرت علی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کے جبریل امین حضور کے پاس حاضر ہوئے عرض کیا کہ آپ ان حضرات یعنی اپنے صحابہ کو بدر کے قیدیوں کے متعلق قتل و فدیہ کا اختیار دیں۱؎ اس شرط پر کہ آئندہ سال اتنے ہی ان میں سے قتل کیے جائیں گے وہ بولے فدیہ چاہیے اور ہم ہی سے قتل کیے جائیں۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۳؎

۱؎ بدر کے ستر قیدیوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی کہ شاید آئندہ یہ لوگ مسلمان ہوجائیں اور ہم کو اس مال سے قوت حاصل ہو اور حضرت عمر نیز عمرو ابن سعد نے مشورہ دیا کہ سب قتل کردیئے جائیں کہ یہ سرداران کفر ہیں ان کے قتل سے کفر کا زور ٹوٹے گا،تب حضرت جبریل امین نے یہ عرض کیا جو یہاں مذکور ہے کہ تمام صحابہ کرام کے سامنے حضرت صدیق و فاروق کی رائے پیش فرما دیں۔وہ لوگ ان دونوں رایوں میں سے جونسی رائے چاہیں پسند کرلیں اگر انہیں قتل کردیں تو خیر اور اگر انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں تو اس کے عوض اگلے سال غزوہ احد میں ان میں سے بھی ستر صحابہ شہید ہوں گے۔ہماری اس شرح سے حدیث واضح ہوگئی جناب صدیق و فاروق سے رائے لینا اور تمام صحابہ کو اختیار دینا دونوں درست ہوگئے یہ اختیار دینا بھی رب تعالٰی کی طرف سے امتحان تھا۔

۲؎ یعنی ہم کو سال آئندہ شہادت کی سعادت منظور ہے ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔خیال رہے کہ ان بزرگوں نے مال کی محبت میں فدیہ اختیار نہ فرمایا بلکہ اپنی شہادت اور ان لوگوں کے ایمان لانے کی رغبت میں یہ اختیار کیا کہ یا تو خود یہ لوگ یا ان کی اولاد ایمان لاکر دین کی خدمت کریں مگر رب تعالٰی کا ارادہ تو یہ تھا جو صحابہ کی رائے ہو وہی ہو یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دیا جانا مگر مرضی یہ تھی کہ یہ قتل کردیئے جائیں۔صحابہ کرام کی یہ رائے ارادۂ الٰہی کے مطابق ہوئی رضا الٰہی کے خلاف اس لیے ان حضرات پر وہ عتاب آیا جو آیۃ کریمہ میں مذکور ہے "لَوۡلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ"۔ارادہ اور رضا میں بڑا فرق ہے۔آدم علیہ السلام کا گندم کھالینا ارادۂ الٰہی کے عین مطابق تھا رضا الٰہی کے خلاف،رضا کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عتاب ہوا جس سے توبہ کرائی گئی۔ارادۂ الٰہی کی مطابقت کی وجہ سے آپ کو خلافت زمینی عطا ہوئی ان حضرات پر مخالفت رضا الٰہی کی وجہ سے عتاب۔عذاب سے ڈرانا ہوا اور ارادۂ الٰہی کی موافقت کا انجام یہ ہوا کہ یہ قیدی مسلمان ہوئے اسلامی خدمات انجام دیں یہ

جواب نہایت باریک ہے۔خیال میں رکھو اب یہ حدیث آیت عتاب کے خلاف نہیں شارحین نے اور توجیہیں کی ہیں مگر ان شاءاللہ فقیر کی یہ توجیہ قوی ہے حضرات صحابہ اللہ کے محبوب ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غزوہ احد میں پیش آنے والی تکالیف سے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے خبر تھے نہ خاص صحابہ کرام،یہ بھی معلوم ہوا کہ عتاب الٰہی ناراضی کی بنا پر ہی نہیں ہوتا اس میں اور حکمتیں بھی ہوتی ہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بندے کو اختیار دے کر بھی عتاب ہوسکتا ہے بلکہ عذاب سے ڈرایا جاسکتا ہے کہ تم نے دوسری شق اختیار کیوں نہ کی یہ اختیار دینا بھی امتحان تھا۔

۳؎ اس حدیث پر طعن نہیں حدیث بالکل صحیح ہے اگرچہ غریب بھی۔غریب ہونا صحت کے خلاف نہیں،دیکھو مرقات اور اشعۃ اللمعات،غرابت صحت کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عطیہ قرظی سے فرماتے ہیں کہ میں قریظہ کے قیدیوں میں تھا ۱؎ ہم سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیے گئے تو معائنہ کیے جاتے تھے جس کے بال اگ گئے تھے وہ قتل کردیا گیا اور جس کے نہ اگے تھے وہ قتل نہ کیا گیا چنانچہ میرا زیر ناف بدن بھی کھولا تو محسوس کیا کہ نہ اُگے تھے تو مجھے قیدیوں میں کر دیا ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی میری قوم بنی قریظہ کے جوان بوڑھے تو سارے قتل کردیئے گئے بچے چھوڑ دیئے گئے ،جن کے جوان ہونے کا شبہ تھا ان کی تحقیق کی گئی میں اس تیسری جماعت میں تھا۔خیال رہے کہ یہ عطیہ ہیں تو صحابی مگر نہ ان کا پورا نام معلوم ہوسکا نہ ان کے باپ کا نہ حالات کا پتہ چلا۔

۲؎ خیال رہے کہ بچے کے بلوغ کی علامت احتلام ہے اور زیر ناف بال آجانا،چونکہ یہ لوگ قتل کے خوف سے احتلام کے متعلق غلط خبر دے دیتے اس لیے زیر ناف کے بال دیکھے گئے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں دوغلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے ۱؎ تو حضور کی خدمت میں ان کے مولاؤں نے لکھا بولے اے محمد خدا کی قسم یہ لوگ آپ کے پاس آپ کے دین سے محبت کی وجہ سے نہیں گئے وہ تو صرف غلامیت سے بھاگنے کے لیے نکلے ہیں ۲؎ تو کچھ لوگ بولے یارسول اللہ وہ سچے ہیں حضور انہیں ان کی طرف لوٹا دیں ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ۴؎ اور فرمایا کہ اے گروہ قریش تم لوگ باز نہ آؤ گے حتی کہ اللہ تعالٰی تم پر اسے بھیجے جو اس پر تمہاری	

	گردنیں مار دے ۵؎ اور انہیں واپس فرمانے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں ۶؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے میدان میں قیام پذیر ہوچکے تب مشرکین مکہ کے غلاموں میں سے دو غلام مسلمان ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے،صلح نامہ ان کے آچکنے کے بعد لکھا گیا۔اس صلح نامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہوکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوجائے اسے حضور واپس فرمادیں مگر چونکہ یہ دونوں اس تحریر سے پہلے ہی آچکے تھے اس لیے انہیں واپس نہیں کیا گیا اس لیے راوی نے **قبل الصلح** کی تصریح فرمادی۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے ہیں صرف غلامیت سے بھاگ نکلنے کے لیے اسلام ظاہر کرکے آپ کے پاس پہنچ گئے ہیں دل میں کافر ہی ہیں لہذا آپ انہیں واپس فرمادیں۔خیال رہے کہ بعض شارحین نے یہاں غلاموں سے مراد آزادکردہ غلام لیے ہیں وہ یہاں رق سے مراد اثر رق لیتے ہیں۔مرقات میں یہ بھی احتمال لیا ہے مگر پہلی توجیہ بہت قوی ہے کہ یہ دونوں غلام ہی تھے۔

۳؎ یعنی بعض صحابہ نے ظاہر حال کو دیکھ کر کفار کی اس تحریر کی تائید کی کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ آزاد ہونے کے لیے یہاں آئے ہیں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تائید کرنے والے صحابہ پر ناراض ہوئے کیونکہ ان حضرات نے محض اپنے خیال سے حکم شرعی کے خلاف رائے دی،نیز مسلمان ہوجانے والوں پر بلا دلیل شبہ کیا،ان کے اخلاص کا انکار فرمایا،نیز بلا دلیل مشرکوں کی تائید کی ان تین وجہوں سے اظہا ر ناراضگی فرمایا۔

۵؎ گروہ قریش سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے یہ تحریر بھیجی تھی ان ہی پر اظہار غضب ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے یہ فرمان عالی ان پیغامبروں کے سامنے فرمادیا تاکہ وہ لوگ ان تک پہنچادیں تحریر فرما کر نہ بھیجا یعنی تم خود تو کافر ہو مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہو تمہاری اس سرکشی کا انجام یہ ہوگا کہ تم پر مسلمانوں کا راج ہوگا،پھر تم کو مسلمان ہونا پڑے گا۔خیال رہے کہ کفار عرب جزیہ نہیں دے سکتے ان کے لیے صرف تلوار یا اسلام ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تعالٰی فرماتاہے:"لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ"اس آیت سے کفار عرب یا تو مستثنٰی ہیں یا چونکہ کفار عرب کو وطن چھوڑ دینے کی اجازت ہے اس لیے وہ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ھٰذا سے اشارہ اس ظلم و تشدد یا مرتد کرنے کی کوشش کی طرف ہے یعنی ایسا حاکم اسلامی تم پر مقرر ہوگا جو تم کو اس ظلم کی سزا دے گا اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافر غلام مسلمان ہوکر دارالحرب سے دارالاسلام میں آجائے تو وہ آزاد ہوگا،یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کلمہ پڑھ لینے والے پر بلا دلیل شرعی منافقت کا شبہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہاں علامات نفاق یا علامات کفر موجود ہوں تو انہیں کافر یا منافق کہا جاسکتا ہے،رب تعالٰی نے مدینہ کے منافقوں کو جھوٹا اور منافق فرمایا کہ ارشاد فرمایا:"وَاللّٰهُ

یَشۡهَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ"حضرات صحابہ نے منکرین زکوۃ پر جہاد کیا اور منکرین تقدیر کو کافر کہا اگرچہ وہ کلمہ گو تھے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید کو بنی جزیمہ کی طرف بھیجا[1] تو خالد نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے یہ جانا کہ کہہ دیتے ہم اسلام لائے تو وہ کہنے لگے ہم دین سے نکل گئے[2] نکل گئے تو حضرت خالد انہیں قتل کرنے اور قید کرنے لگے[3] اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کا قیدی دیا حتی کہ ایک دن وہ ہوا کہ حضرت خالد نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کردے[4] تو میں بولا اللہ کی قسم میں تو اپنے قیدی کو قتل نہ کروں گا[5] اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے حتی کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ ہم نے حضور سے ذکر کیا تو حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے فرمایا الٰہی میں اس سے تیری طرف بیزاری ظاہر کرتا ہوں ہوں جو خالد نے کہادوبارہ فرمایا[6] (بخاری)	

[1] تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں اگر وہ قبول نہ کریں تو ان پر جہاد کریں۔جزیمہ جیم کے فتحہ ذال کے کسرہ سے ایک مشہور قبیلہ تھا۔

[2] ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے پرانے دین سے نکل گئے اسلام میں داخل ہوگئے،حضرت خالد یہ سمجھے کہ کہتے ہیں ہم دین اسلام سے نکلے ہی رہیں گے مسلمان نہ ہوں گے۔عربی میں صابی بے دین کو کہتے ہیں جو دین سے نکل جاوے غرضیکہ آپ ان کا مقصد نہ سمجھ سکے۔

[3] یعنی بعض کو انہوں نے فی الحال قتل کردیا اور بعض کو قید کرلیا۔آئندہ قتل کردینے یا غلام بنالینے کی نیت سے حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ فورًا قتل کردے یا کچھ بعد میں۔

۴؎ یعنی وہ قیدی غازیوں میں تقسیم کردیئے گئے تاکہ انہیں حکم قتل تک محفوظ رکھیں پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر شخص اپنے پاس محفوظ غلام کو خود قتل کردے۔

۵؎ کیونکہ مجھے شک ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہوچکے ہیں ان کا کافر رہنا یقینی نہیں۔یہ ہے مجتہدین کا اختلاف کہ ایک لفظ کو حضرت خالد نے کفر کی دلیل بنایا اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے اسلام کی دلیل قرار دیا۔یہ دونوں حضرات اپنے خیال میں سچے ہیں مگر حضرت ابن عمر حق پر ہیں حضرت خالد سے خطا ہوئی۔

۶؎ یعنی حضرت خالد نے ان کے متعلق غلط رائے قائم کی اور انہیں قتل یا قید کیا یہ غلط کیا خدایا میں خالد کے اس فعل سے راضی نہیں مگر حضرت خالد کو نہ تو دیت کا حکم دیا نہ توبہ کا۔معلوم ہوا کہ اگرچہ مجتہد سے بڑی بھاری غلطی ہوجائے حتی کہ قتل بھی واقع ہوجائے تب بھی اس کی گرفت نہیں لہذا حضرت علی اور حضرت معاویہ و عائشہ صدیقہ میں سے کسی پر گناہ نہیں کہ وہاں کشت و خون ہوا مگر نفسانیت سے نہیں بلکہ للّٰہیت سے،ان میں کوئی کسی کا ذاتی دشمن نہ تھا،اختلاف رائے سے یہ سب کچھ ہوا،ان کے متعلق رب فرماتاہے:"رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ"۔

باب الامان

باب امان کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ امان وامن ضد ہے خوف کی بھی اور جنگ کی بھی،یہاں کفار کو امان دینا مراد ہے،اس امان کی بہت صورتیں ہیں:مستامن کو امان دینا کہ جو کافر دارالحرب سے ہمارے ملک میں چند روز کے لیے ہماری اجازت سے آئے اسے مستامن کہتے ہیں،بحالت جنگ کسی کافر کو امان دینا،کسی مصلحت سے ذمی کافر کو دائمی امان دینا،جس کافر قوم سے ہماری صلح و معاہدہ ہوگیا ہے اسے زمانہ صلح میں امان دینا،کافروں کا قاصد یا ایلچی کا ہمارے ہاں پیغام رسانی کے لیے آنا اسے امان دینا جیسا کہ ابھی احادیث میں آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب سے ۱؎فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح کے سال گئی ۲؎تو میں نے آپ کو غسل کرتے پایا اور آپ کی بیٹی فاطمہ آپ پر کپڑے سے آڑ کیے تھیں۳؎تو میں نے سلام کیا ۴؎فرمایا یہ کون ہیں میں نے کہا ام ہانی بنت ابو طالب،فرمایا ام ہانی خوب آئیں ۵؎پھر جب اپنے غسل سے فارغ ہوگئے تو کھڑے ہوئے ایک کپڑے میں لپیٹے ہوئے آٹھ رکعتیں پڑھیں ۶؎پھر فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں جائے علی کہتے ہیں ۷؎کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے جسے میں امان دے چکی ہوں ھبیرہ کا بیٹا فلاں ۸؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جسے تم نے امان دے دی اسے ہم نے بھی امان دے دی ۹؎ام ہانی فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کا وقت تھا۔(مسلم،بخاری) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں میں نے اپنے دیوروں میں سے دو شخصوں کو امان دے دی تھی۱۰؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے اسے امان دے دی جسے

	تم نے امان دے دی۔

ا؎ آپ کا نام فاختہ یا عائلہ ہے،ابو طالب کی بیٹی جناب علی مرتضٰی کی بہن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد ہیں، انہی کے گھر سے حضور کو معراج ہوئی،فتح مکہ کے دن ایمان لائیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۱ھ؁ اکیاون میں وفات پائی،آپ سے حضرت علی و عباس اور بہت تابعین نے روایت کی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی خاص فتح مکہ کے دن جب حضور انور سب کو امان دے کر فارغ ہو چکے تھے غسل فرمارہے تھے۔

۳؎ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہبند شریف باندھ کر غسل فرمارہے تھے،چونکہ غسل خانہ میں نہ تھے اس لیے جناب فاطمہ کپڑا تانے سامنے کھڑیں تھیں،یہ کپڑا غسل خانہ کی دیوار کی طرح آڑ کا کام دے رہا تھا،غسل خانہ میں بھی تہبند باندھ کر غسل کرنا چاہیے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا فاطمہ زہرا کو کیونکہ جو تہبند باندھے غسل کررہا ہو اسے سلام کرنا جائز ہے،ہاں ننگے بدن نہانے والے کو سلام نہ کرے کہ ننگا آدمی جواب سلام نہیں دے سکتا اس لیے پیشاب پاخانہ استنجاء کرنے والے کو سلام کرنا منع ہے وہ ننگا ہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ غسل کی حالت میں کلام کرسکتے ہیں،وضو کرتے ہوئے دنیاوی کلام،سلام جواب سلام سب ممنوع ہیں صرف دعائیں پڑھے۔ہر غسل کا یہ ہی حکم ہے جنابت کا غسل ہو یا کوئی اور،یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے والے پیارے کی آمد پر اظہار خوشی کے کلمات کہنا سنت ہے۔

۶؎ نماز چاشت جیسا کہ ترمذی نے شمائل شریف میں فرمایا۔ایک کپڑے میں نماز کے احکام **کتاب الصلوۃ باب الستر** میں گزر گئے۔

۷؎ حضرت علی جناب ام ہانی کے سگے بھائی ہیں مگر صرف ماں کاذکر فرمایا اظہار محبت کے لیے جیسا ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ابن ام۔

۸؎ ہبیرہ ابن وھب ابن عمرو ابن عائذ ابن عمران ابن مخزوم جناب ام ہانی کے خاوند ہیں۔اس فلاں کا نام معلوم نہ ہوسکا یعنی میں نے اپنے خاوند کے بیٹے کو جو میرے پیٹ سے ہیں یا ان کی دوسری بیوی کے پیٹ سے ہیں امان دے دی مگر علی اس کی تلاش میں ہیں قتل کرنے کے لیے۔خیال رہے کہ جناب ام ہانی کے اسلام لانے پر ہبیرہ سے آپ کی جدائی ہوگئی۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس فلاں کا نام حارث ابن ہشام ابن مغیرہ ابن عبدالملک ابن عبداللہ ابن عمرو ابن مخزوم ہے۔مگر پہلی روایت قوی ہے کہ وہ شخص ہبیرہ کا بیٹا ہے ام ہانی کا سگا یا سوتیلا بیٹا۔(دیکھو مرقات اور اشعۃ اللمعات)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غسل یا تو خود ام ہانی کے گھر تھا یا حضرت علی کے گھر یا کسی اور جگہ،بعض روایات میں ہے کہ فرماتی ہیں حضور نے میرے گھر میں غسل فرمایا۔

۹؎ یعنی تمہاری امان ہماری مان ہے۔حضرت علی اسے قتل نہیں کریں گے۔

۱۰؎ یہ دونوں شخص جو حضرت ام ہانی کے دیور ہیں ایک تو عبداللہ ابن ابی ربیعہ ابن مغیرہ ہیں دوسرے حارث ابن ہشام ابن مغیرہ ہیں دونوں مخزومی ہیں۔ان دونوں روایتوں میں کوئی مخالف نہیں۔جناب ام ہانی نے ان دونوں کو بھی امان دی تھی اور ہبیرہ کے بیٹے کو بھی حضور انور نے سب کی امان برقرار رکھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ عورت پوری قوم کے لیے امان دے سکتی ہے ۱؎ یعنی مسلمان پر امان دے سکتی ہے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی ایک مسلمان عورت قوم کفار کو امان میں لے سکتی ہے،کسی قوم سے اس کا کہہ دینا کہ میں نے تم کو امان دی معتبر ہے اور اس قوم کو امان مل جائے گی۔

۲؎ یہ جملہ امان میں لینے کی شرح ہے۔چنانچہ حضرت زینب بنت رسول اللہ نے اپنے خاوند ابوالعاص کو امان دے دی جیساکہ پہلے گزر چکااور حضرت ام ہانی نے اپنے دو دیوروں اور اپنے بیٹے کو امان دے دی اور تمام غازی صحابہ کو یہ امان ماننی پڑی۔

روایت ہے حضرت عمرو بن حمق سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی شخص کو اس کی جان پر امان دے دے پھر اسے قتل کردے اسے قیامت کے دن غداری (بدعہدی) کا جھنڈا دیا جائے گا ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎ آپ قبیلہ بنی خزاعہ سے ہیں،صحابی ہیں،حجۃ الوداع میں حضور کے ہاتھ پر ایمان لائے،حضور کی وفات کے بعد پہلے کوفہ میں پھر مصر میں مقیم رہے، ۵۱ھ اکیاون میں موصل میں عجیب و غریب طریقہ سے قتل کیے گئے،ان کے قتل کا عجیب قصہ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں اور شیخ عبدالحق نے رسالہ تعمیم البشارہ کے حاشیہ میں لکھا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

۲؎ اسے رسوا کرنے کے لیے اور یہ جھنڈا بدعہدی وغداری کی نشانی ہوگا جس سے محشر والے اس کی غداری معلوم کرلیں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ عیوب ظاہر نہ کیے جائیں گے علانیہ عیوب کا اعلان ہوگا لہذا یہ حدیث پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت سلیم ابن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور روم کے درمیان معاہدہ تھا ۲؎ اور جناب معاویہ ان کے شہروں کی طرف چل دیئے تاکہ جب معاہدہ پورا ہو جائے تو فورًا ان پر حملہ کردیں ۳؎ تو ایک شخص ترکی یا عربی گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آیا ۴؎ اللہ اکبر اللہ اکبر وفا عہد ہو بدعہدی نہ ہو ۵؎ لوگوں نے غور کیا تو وہ حضرت عمرو ابن عبسہ تھے ۶؎ تو اس کے	

	متعلق ان سے حضرت معاویہ نے پوچھا ۷؎ تو فرمایا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس کا کسی قوم سے عہد ہو تو وہ نہ تو عہد کھولے نہ اسے بدلے ۸؎ حتی کہ اس کی مدت گزر جائے ۹؎ یا انہیں برابری پر خبر دے دے ۱۰؎ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ لوگوں کو واپس لے گئے ۱۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعی ہیں،شام میں قیام رکھتے تھے،اپنے وقت کے عالم وفقیہ تھے،ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ ہیں۔

۲؎ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں کفار روم سے کچھ روز کے لیے عارضی صلح فرمائی تھی کہ فلاں تاریخ تک ہم تم سے جنگ نہ کریں گے۔

۳؎ یعنی جب مدت صلح ختم ہونے کے قریب ہوئی تو آپ مع لشکر جرار شام سے روم کی طرف روانہ ہوگئے اس ارادہ سے کہ مدت صلح ختم ہونے سے پہلے رومیوں کی سرحد پر پہنچ جائیں اور معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کردیں۔

۴؎ فرس اور برذون دونوں کے معنی ہیں گھوڑا مگر یہاں فرس سے مراد ہے عربی گھوڑا اور برذون سے مراد ہے ترکی گھوڑا۔راوی کو شک ہے کہ وہ کس گھوڑے پر سوار تھے۔

۵؎ یعنی اے جماعت صحابہ یا اے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا اے امیر المؤمنین معاویہ تم لوگوں کی شان وفا عہد ہے بے وفائی تمہاری شان کے خلاف ہے،آپ نے ختم مدت سے پہلے ان کفار کی طرف کوچ کرنا ان کی سرحد پر پہنچ جانا بھی خلاف عہد سمجھا۔یہ اس صورت میں ہے کہ کفار مسلمانوں پر حملہ کی تیاری نہ کررہے ہوں اگر وہ ایسا کررہے ہیں تو مدت صلح میں ان کی سرحد پر پہنچ جانا اور بعد ختم مدت اچانک ان پر حملہ کردینا انہیں حملہ کا موقع نہ دینا ضروری ہے کہ اب بدعہدی ان کی طرف سے ہے نہ کہ ہماری طرف سے اس وقت رومیوں نے یہ حرکت نہ کی تھی۔(مرقات)

۶؎ آپ مشہور صحابی ہیں،چوتھے مسلمان ہیں،شام کے رہنے والے ہیں،آپ کے حالات بار ہا بیان ہوچکے ہیں،آپ نے صلح کے زمانہ میں ان رومی عیسائیوں کی سرحد پر پہنچ جانے کو بھی بدعہدی میں شمار فرمایا اس لیے یہ فرمایا۔

۷؎ یعنی امیر معاویہ نے اس فتویٰ کی دلیل حدیث سے معلوم کرنا چاہی۔

۸؎ بعض روایات میں الفاظ یوں ہیں **فیشدہ ولا یحلہ** یعنی اس عہد کو پختہ تو کردے مگر کھولے یعنی توڑے نہیں یہ عبارت واضح ہے۔**شد** کے معنی مضبوطی کے ہیں،یہاں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو عہد کو مدت کے اندر کھولے توڑے نہ کفار سے تجدید عہد یا توثیق عہد کا مطالبہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ اس عہد کو مضبوط کرو کہ اس سے کفار سمجھیں گے کہ مسلمانوں نے وہ عہد کمزور کردیا اس لیے اب اس کی پختگی کا مطالبہ کررہے ہیں۔اس میں بھی خیانت کی بو ہے ہم نے **لا یشدنہ** کے معنی جو کیے نہ بدلے یہ لازمی معنی ہیں ورنہ معنی یہ ہیں کہ نہ مضبوطی عہد کا مطالبہ کرے۔

۹؎ غرضیکہ مدت صلح گزرنے تک کفار سے کچھ تعرض نہ کرے آپ کا وہاں جانا اس کے خلاف ہے۔سبحان اللہ! اس تقویٰ کے قربان۔

۱۰؎ یعنی اگر صلح توڑنے کی ضرورت ہی پیش آجائے تو حملہ سے سے بہت پہلے انہیں اطلاع بھیج دے کہ ہم مجبورًا اس معاہدے کو توڑ رہے ہیں تم تیار ہوجاؤ،یہ ہی مطلب ہے علیٰ سواء کا،قرآن کریم فرماتاہے:"**وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِیَانَۃً فَانۡۢبِذۡ اِلَیۡہِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ**"یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

۱۱؎ یعنی امیر معاویہ حضور کا یہ فرمان عالی سنتے ہی مع لشکر کے واپس لوٹ گئے۔معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سلطنت میں ۵۱ھ اکیاون ہجری میں فتح ہوا،اس فتح میں یزید ابن معاویہ سپہ سالار تھا۔(اکمال) اور اس لشکر جرار میں حضرت عبداللہ ابن عمرعبداللہ ابن عباس ابو ایوب انصاری عبداللہ ابن زبیر حسین ابن علی جیسے حضرات سپاہیانہ شان سے شامل تھے۔(البدایہ و النہایہ) یزید ابن معاویہ نے حضرت ابو ایوب انصاری کی نماز جنازہ پڑھائی،اس نے قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے آپ کو دفن کیا اور اعلان کیا کہ اگر کسی عیسائی نے اس قبر شریف کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں سارے عرب کے عیسائیوں کے قتل اور عرب کے گرجا منہدم کردوں گا،اللہ کی شان ہے جس سے چاہے دین کی خدمت لے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ۲؎ تو جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا ۳؎ تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا کی قسم میں تو اب ان کی طرف کبھی نہ لوٹوں گا ۴؎ تو فرمایا کہ ہم نہ تو عہد توڑتے ہیں اور نہ قاصدوں کو روکتے ہیں ۵؎ لیکن تم ابھی واپس جاؤ پھر اگر تمہارے دل میں وہ رہے جو اب ہے تو واپس آجانا ۶؎ فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مسلمان ہوگیا ۷؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام شریف اسلم ہے،آپ پہلے سیدنا عباس کے غلام تھے، انہوں نے حضور کو بطور ہدیہ پیش فرما دیا تو آپ حضور انور کے غلام ہوگئے پھر آپ نے ہی حضرت عباس کے ایمان لانے کی خبر حضور انور کو دی۔حضور نے اس خبر لانے کی خوشی میں انہیں آزاد کردیا۔اللہ تعالٰی مجھے ابو رافع حبشی کے غلاموں میں حشر نصیب کرے۔شعر

جو بندہ تمہارا وہ بندہ خدا کا جو بندہ خدا کا وہ بندہ تمہارا

آپ بہت ہی خوش نصیب صحابی ہیں،آپ قبطی النسل ہیں۔(اشعہ،مرقات ولمعات)

۲؎ صلح حدیبیہ کے دن کفار نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر حضور انور کی خدمت میں بھیجا جب کہ حضور حدود حرم میں حدیبیہ کے میدان میں مع جماعت صحابہ کے جلوہ افروز تھے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو رافع وہ نہیں ہیں جو حضور کے آزادکردہ غلام ہیں وہ تو بدر سے پہلے ہی اسلام لاچکے تھے،اب حدیبیہ میں ان کا کفار مکہ کی طرف سے صلح کا نمائندہ بن کر آنا کیسا یہ کوئی اور ابو رافع ہیں۔واللہ اعلم!

۳؎ حضور کا چہرہ پاک خود معجزہ تھا کہ ذی ہوش آدمی صرف دیکھ کر ہی ایمان لے آتا حضرت عبداللہ بن سلام کا بھی یہ ہی واقعہ ہوا کہ چہرہ انور دیکھتے ہی ان کے دل میں ایمان آگیا۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

۴؎ یعنی ایمان بھی نصیب ہوگیا اور وطن بال بچوں،مال و متاع سے محبت ایک دم جاتی رہی۔اس لیے دیس چھوڑ پردیس میں جانے،گھر بار اولاد چھوڑ کرحضور کے پاس بس جانے کے لیے تیار ہوگئے۔گنہگار احمد یار اپنا تجربہ عرض کرتا ہے کہ جب یہ فقیر جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر انوار پر حاضر ہوا تو دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں قبر شریف پر فقیر مجاور بن کر بیٹھ جاؤں یہ کشش بھی ان حضرات کا زندہ جاوید معجزہ و کرامات ہے،جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف میں بہت ہی کشش ہے جو بیان نہیں ہوسکتی۔

۵؎ اخیس بنا ہے **خیس** سے بمعنی غدر یا عہد شکنی یعنی وعدہ خلافی کرنا اورکسی قاصد کو اپنے ہاں روک لیناہماری شان نہیں کہ یہ بھی عہد شکنی ہی ہے۔**برد** جمع ہے **برید** کی بمعنی ڈاکیہ اور قاصد۔تم جیسے ان کا پیغام لے کر ہمارے پاس آئے ہو ویسے ہی ہمارا جواب لے کر ان کے پاس جاؤ۔

۶؎ یعنی وہ وارفتگی جو تمہارے دل میں اب ہے اگر مکہ معظمہ پہنچ جانے ہمارا جواب سنانے کے بعد بھی رہے تو چلے آنا۔خیال رہے کہ حضور انور نے ان کا اسلام تو قبول فرمالیا مگر اس وقت ہجرت کی اجازت نہ دی جس کی وجہ خود بیان فرمادی لہذا یہ حدیث فقہاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ جو مسلمان ہونا چاہے اسے ٹالو نہیں بلکہ فورًا مسلمان کرلواس لیے حضور نے یہ فرمایا کہ ابھی مسلمان نہ بنو واپسی پر بننا،نیز حضور نے اس وقت انہیں اپنا اسلام ظاہر کرنے سے منع فرمایا تاکہ کفار مکہ کے شر سے محفوظ رہیں۔

۷؎ یا حدیبیہ میں ہی صلح نامہ کی تحریر سے پہلے یا کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر مسلمان ہوگیا کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنا اسلام ظاہر کردیا علانیہ مسلمان ہوگیا،مرقات نے یہ ہی توجیہ فرمائی،لہذا حدیث بالکل واضح ہے کہ اسلامی قانون کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت نعیم ابن مسعود سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں سے فرمایا جو مسیلمہ کے پاس سے آئے تھے ۲؎ کہ اگر یہ قانون نہ ہوتا کہ قاصد قتل نہیں کیے جاتے تو میں تمہاری گردنیں مار دیتا(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ آپ اشجعی مدنی ہیں،غزوہ خندق میں ایمان لائے،اسلام سے پہلے احزاب کے واقعہ میں ان کی کوشش رہی کہ بنی قریظہ اور ابوسفیان کے درمیان یہ ہی واسطہ اور پیغام رساں تھے،ابوسفیان اس جنگ احزاب میں کفار کے سردار تھے،خلافت عثمان میں فوت ہوئے یا خلافت حیدری میں جنگ جمل میں قتل ہوئے۔

۲؎ ان دونوں مردوں کے نام عبداللہ ابن نواحہ اور دوسرا ابن اثال ہیں یہ دونوں مسیلمہ کذاب پر ایمان لاچکے تھے جیسے ہمارے ہاں قادیانی جو مرزا غلام احمد مردود پر ایمان لاچکے ہیں۔مسیلمہ کذاب نے حضور کے زمانہ میں ہی دعویٰ نبوت کردیا،خلافت صدیقی میں تلوار صدیقی سے جہنم میں پہنچا۔حضرت وحشی نے اسے نہایت ذلت سے ہلاک کیا،اس سے جنگ یمامہ کا معرکہ ہوا یعنی تم میرے سامنے مسیلمہ کذاب کی نبوت کا اقرار کررہے ہو تو مستحق قتل ہو مگر چونکہ قاصدوں کو قتل کرنا درست نہیں اس لیے تم کو چھوڑتا ہوں اور واپس جانے دیتا ہوں۔قاصدوں،ایلچیوں،نمائندوں اور سفیروں کو قتل نہ کرنے میں بڑی مصلحتیں ہیں،اب بھی اس قانون پر عمل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ دور جاہلیت کے معاہدے پورے کردو کیونکہ اسلام ان کی پختگی ہی بڑھاتا ہے۱؎ اسلام میں بناحلف نہ کرو۲؎ اور حضرت علی کی حدیث المسلمون تتکافا،کتاب القصاص میں ذکر کی گئی۔

۱؎ یعنی تم لوگوں نے اسلام سے پہلے جو عہدومیثاق کفار سے کرلیے تھے وہ تمام کے تمام پورے کرو کہ اسلام میں خلافِ عہد کرنا جرم ہے۔

۲؎ اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ لاحلف فی الاسلام اسلام میں حلف نہیں یعنی کفار کا حلیف بننا جائز نہیں۔حلف میں ایک دوسرے کی مدد کا عہد بھی ہوا تھا اور ایک دوسرے کی میراث کا بھی وعدہ کہ جو معاہد مرے اس کا مال اس کا حلیف لے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسیلمہ کذاب کے قاصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۱؎ تو حضور نے ان سے فرمایا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۲؎ تو وہ بولے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ اور

	رسول پر ایمان لایا۴ اور اگر میں قاصد کو قتل کرتا ہوتا تو تم کو قتل کردیتا۵ عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر طریقہ جاری ہوگیا کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے۶ (احمد)

۱؎ ایلچی بن کر کوئی پیغام لے کر،مسیلمہ کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست منہ در منہ بھی گفتگو کی ہے اور ایلچیوں کے واسطے سے بھی۔چنانچہ ایک بار اس نے حضور انور سے مشافۃً عرض کیا تھا کہ اگر آپ اپنے بعد خلافت میرے لیے تحریر فرمادیں تو میں آپ سے صلح کرلوں یعنی نبوت چھوڑ دوں۔حضور انور کے ہاتھ شریف میں ایک سبز مسواک تھی آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ سبز مسواک بھی مجھ سے مانگے تو تجھ کو نہ دوں گا اور تیرا جو انجام ہونے والا ہے وہ مجھے خواب میں دکھادیا گیا ہے،یہ اسی کی عرض و معروض وہ ہے جو قاصد پیغامبر کے ذریعے سے اس نے کی اس کا ذکر ابھی پچھلی حدیث میں گزرچکا۔

۲؎ یا تو حضور انور نے تبلیغ اسلام کرتے ہوئے یہ فرمایا یا کوئی معجزہ دکھا کر یہ ارشاد کیا۔بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ کافر ایلچی کو تبلیغ اسلام کرنا جائز ہے۔

۳؎ یعنی نعوذباللہ آپ اللہ کے رسول نہیں بلکہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے یا آپ بھی اللہ کے رسول ہیں اور مسیلمہ بھی اللہ کا رسول ہے۔آپ خاتم النبیین نہیں آپ کے زمانہ میں اور رسول بھی ہوسکتے ہیں۔پہلی صورت میں وہ کافر اصلی ہیں،دوسری صورت میں وہ دونوں موجودہ قادیانیوں کی طرح مرتد ہیں کیونکہ اسلامی کلمہ گو گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ جاوے وہ مرتدین ہوتے ہیں اس لیے حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کو مع اس کے معتقدین کے مرتد تصور فرمایا مرتد سے نہ جزیہ لیا جاتا ہے نہ صلح اس کے لیے صرف تلوار یا اسلام ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تُقٰتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ"۔اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حضور انور کے زمانہ میں اور بھی کسی کو نبی مانے وہ مرتد ہے۔اس سے موجودہ دور کے دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے حضور انور خاتم النبیین ہیں کہ نہ تو حضور کے زمانہ میں نہ حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا نہ اصلی نبی نہ ظلی بروزی مراتی مذاقی افیونی چرسی نبی۔حضور کی نبوت تمام نبیوں کی نبوت کی ناسخ ہے،حضور ہی آخری نبی ہیں۔

۴؎ اس فرمان عالی میں رسولہ سے مراد جنس رسول ہے یعنی میں اللہ کے سارے سچے نبیوں پر ایمان لایا۔مسیلمہ کے جھوٹا ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ میں نے اس کو جھوٹا بے دین فرمادیا۔

۵؎ کیونکہ تم مرتد ہو اور مرتد واجب القتل ہوتا ہے مگر ایلچی ہو لہذا قتل نہیں کیے جاؤ گے بخیریت واپس چلے جاؤ۔

۶؎ یعنی قاصد ایلچی اگرچہ بذات خود قتل کے لائق ہو مگر جب قاصد بن کر آوے گا تو سلامتی سے واپس کیا جائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہمارا مسلمان زنا،چوری،قتل کرکے مرتد ہوکر دارالحرب میں چلا جائے پھر وہ کبھی کفار کا ایلچی بن کر ہمارے ہاں آوے تو اس حالت میں قتل نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ چند وجھوں سے مستحق قتل ہے،یہ جملہ مطلق ہر قسم کے مستحق قتل قاصد کو شامل ہے۔یہاں سنت بمعنی قانون اسلامی ہے فرض واجب کا مقابل نہیں یعنی اس فرمان عالی کے بعد یہ قانون جاری ہوگیا اور اب تک یہ قانون ہر ملک و ملت میں جاری ہے۔

باب قسمۃ الغنائم والغلول

باب غنیمتوں کی تقسیم اور ان میں خیانت کرنے کا بیان؂

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ قسمت کے معنی بخشش کرنا بھی ہیں اور اندازہ لگانا بھی اور حصہ کرنا بھی۔غنیمت وہ مال ہے جو بحالت جنگ کفار سے چھینا جاوے۔اور فیٔ ہر وہ مال ہے جو کفار سے حاصل کیاجائے خواہ جبرًا خواہ صلحًا بشرطیکہ حلال طریقہ سے حاصل کیا جائے لہٰذا غنیمت خاص فیٔ عام۔چنانچہ غنیمت،جزیہ،خراج ،مال صلح جو کفار سے صلح کرکے حاصل کیا جائے ان سب کو فیٔ کہا جاتا ہے۔(مرقات) غلول غنیمت کے مال میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہ ہوئیں ۱؎ یہ اس لیے ہے کہ اللہ کمزوری ہماری عاجزی دیکھی تو اس نے ہمارے لیے یہ حلال فرماد	

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے **لم تحل** بغیر ف کے اس صورت میں یہ کلام مستقل ہے اور اگر **فلم تحل** ف سے ہو تو یہ کلام کسی گذشتہ کلام پر مرتب ہے،یہ پورا کلام شریف اسی باب کی تیسری فصل میں آئے گا۔یعنی غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی نبی کی امت کے لیے حلال نہ کیا۔وہ لوگ جب جہا دمیں کفار سے مال چھینتے تھے تو یہ سارا مال جمع کرکے کسی جگہ رکھتے تھے،آسمان سے غیبی آگ بغیر دھوئیں والی آتی تھی اسے جلا جاتی تھی،یہ آگ کا جلا ڈالنا اس کی علامت ہوتی تھی کہ یہ جہاد مقبول ہے اور غنیمت میں خیانت نہیں ہوئی،اگر آگ نہ جلاتی تو وہ لوگ سمجھ جاتے کہ یا تو جہاد مردود ہوگیا یا اس غنیمت میں کچھ خیانت ہوئی ہے یہ ہی حال ان کی قربانیوں کا تھا،ہمارے لیے غنیمت اور قربانی دونوں چیزیں حلال فرمادی گئیں۔(از مرقات ولمعات مع اضافہ)

۲؎ یعنی ان گذشتہ قوموں کے لحاظ سے ہم لوگ جسمًا کمزور بھی ہیں اور مال میں کم بھی اور تاقیامت بہت کمزور و غریب لوگ جہاد کیا کریں گے۔ان وجوہ سے ہمارے لیے غنیمت حلال کردی کہ جہاد میں ثواب بھی حاصل کریں اور مال بھی یہ رعایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد گزشتہ دینوں میں بھی تھے۔ہم نے اپنی تفسیر نعیمی میں ثابت کیا ہے کہ جہاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کے سال گئے ۱؎ تو جب ہم ملے تو مسلمانوں میں بے چینی ہوگئی میں نے مشرکین کے ایک شخص کو دیکھا ۲؎ کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک	

	مسلمان پر غالبا آگیا ۳؎ تو میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری ۴؎ تو میں نے زرہ کاٹ دی وہ مجھ پر متوجہ ہوگیا مجھے خوب لپٹ گیا میں نے اس سے موت کی بو پالی ۵؎ پھر اسے موت نے پالیا تب اس نے مجھے چھوڑ دیا میں حضرت عمر ابن خطاب سے ملا میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہوگیا ہے فرمایا اللہ کا حکم ۶؎ پھر غازی لوٹ پڑے ۷؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو فرمایا کہ جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو جس کی گواہی اس کے پاس ہو تو اس کا سامان قاتل ہی کا ہے ۸؎ تو میں بولا کہ میری گواہی کون دے گا پھر میں بیٹھ گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا میں نے پھر کہا کہ میری گواہی کون دیتا ہے پھر میں بیٹھ گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا میں پھر کھڑا ہوا ۹؎ تو فرمایا اے ابو قتادہ تمہارا کیا حال ہے چنانچہ میں نے حضور کو خبر دی تو ایک شخص بولا حضور یہ سچے ہیں اور اس کافر کا سامان میرے پاس ہے حضور انہیں میرے متعلق راضی فرمائیں ۱۰؎ ابوبکر صدیق نے فرمایا اللہ کی قسم تب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف یہ قصد بھی نہ کریں گے کہ جو اللہ رسول کی طرف جہاد کرے تجھے اس کا سامان دے دیں ۱۱؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچے ہیں اسے سامان دے دو چنانچہ اس نے وہ مجھے دے دیا تو میں نے اس کا ایک باغ بنی سلمہ میں خریدا ۱۲؎ یہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں جمع کیا۔ (مسلم، بخاری)

۱؎ حضرت ابوقتادہ مشہور صحابی ہیں اور حنین مکہ معظّمہ و طائف کے درمیان ایک جنگل ہے وہاں قبیلہ بنی ہوازن سے مسلمانوں کی مشہور جنگ ہوئی ہے فتح مکہ کے بعد۔ فقیر نے اس جنگل کی زیارت کی ہے۔ اس جنگ کا ذکر قرآن کریم میں صراحةً ہوا ہے۔

۲؎ جولۃ کے لغوی معنی ہیں بے قراری،حرکت،آگے پیچھے دوڑنا۔راوی نے غزوہ حنین کی اول حالت کو مسلمانوں کی شکست نہ فرمایا کیونکہ حقیقۃً شکست نہ ہوئی تھی بلکہ ہوازن کی سخت تیر اندازی کی وجہ سے مسلمان پہلے کچھ گھبرا گئے تھے اور ان میں افراتفری مچ گئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت اپنی جگہ سے قطعًا نہ ہلی تھی لہذا مسلمانوں کی یہ افراتفری شکست نہ کہلائی۔اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس جنگ میں مسلمان بارہ ہزار تھے،کفار کی تعداد اس سے کم تھی ان کے دل میں خیال ہوا کہ آج ہم بہت تعداد میں ہیں ضرور غالب آئیں گے۔رب کو یہ پسند نہ آیا کہ مسلمانوں خصوصًا صحابہ کرام کی نظر رب کے کرم سے ہٹے،اپنی کثرت پر ٹھہرے اس لیے یہ ہیجان پیدا ہوگیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ"یہاں اس کا بیان ہے۔

۳؎ اس طرح کہ اس مشرک نے مسلمان کو دبوچ لیا تھا اور قتل کرنے کے لیے تلوار نکال لی تھی کہ پیچھے سے میں نے اس مشرک پر حملہ کردیا

۴؎ حبل عاتقہ وہ رگ ہے جو گردن سے کندھے تک ہے یہ شہ رگ نہیں ہے۔

۵؎ یعنی میں نے اس مشرک پر ایسا سخت وار کیا کہ اس کی زرہ کاٹ کر گردن بھی سخت زخمی کردی وہ اس سے گھبرا گیا اس دبوچے ہوئے مسلمان کو چھوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا مگر اس پر نزع کے آثار نمودار تھے اور وہ قریب موت تھاچنانچہ وہ کافر اسی حال میں مر گیا۔

۶؎ یعنی مسلمانوں کی یہ افراتفری رب تعالٰی کے ارادے سے ہے جو وہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے یا گھبراؤ مت ان شاءاللہ ہمیں اللہ کی نصرت حاصل ہوگی اور مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جم جائیں گے اور مسلمانوں کی فتح ہوگی۔اللہ تعالٰی نے حضرت عمر کی یہ پیش گوئی سچی فرمادی۔(مرقات و اشعہ)

۷؎ اس طرح کہ ابوسفیان آج حضور انور کی سواری کی مہار تھامے تھے اور حضرت عباس سواری کے پیچھے تھے حضرت عباس نے گرج کر پکارا کہ اللہ کے بندو رسول اللہ یہاں ہیں ان کے پاس آؤ یہ آواز تمام غازیوں کے کان میں پہنچی سب لوگ حضور کے پاس جمع ہوگئے اور پھر جم کر حملہ کیا،اللہ تعالٰی کے فضل سے جنگ جیت لی اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شجاعت ظاہر ہوئی کہ سبحان اللہ! حضور انور کے ساتھی چند غازی تھے تمام کفار نے مل کر حضور کی سواری کو گھیر لیا اور چوطرفہ سے حضور پر حملہ کردیاحضور انور یہ کہتے ہوئے سواری سے اترے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں،تلوار سونتی سواری سے اترنا تھا کہ کفار کائی کی طرح پھٹ گئے کوئی حضور پر حملہ نہ کرسکا۔

۸؎ سلبہ سے مراد مقتول کا سامان ہے جیسے جوڑا،گھوڑا،ہتھیار وغیرہ۔اس غزوہ حنین میں حضرت ابوطلحہ نے بیس کفار قتل کیے اور ان سب کا سامان پالیا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی و احمد کے ہاں یہ شرعی قانون ہے کہ جو غازی کسی کافر کو مارے تو اس کا سامان اسے ملے گا بشرطیکہ وہ غنیمت کا حصہ لینے کا حق دار ہو۔امام اعظم کے ہاں یہ قانون نہیں بلکہ بطور نفل ملے گا،اگرحاکم چاہے تو دے کیونکہ ایک حدیث میں یوں ہے کہ حضور نے غازی قاتل سے فرمایا لیس لك حتی سلب قتیلك الا طابت بہ نفس امامك تم کو مقتول کا وہ ہی مال ملے گا جو امام چاہے،نیز ابوجہل کو دو صاحبوں

معاذ ابن عمرو اور معاذ ابن عفرء نے قتل کیا مگر حضور نے اس مردود کا سامان ایک صاحب معاذ ابن عمر ابن جموح کو دیالہٰذا حق یہ ہی کہ حضور عالی کا یہ فرمان قانون جہاد نہیں بلکہ اپنے اختیار کا اعلان ہے۔

۹یہ باربار کھڑا ہونا تلاش گواہ کے لیے تھا۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں قاتل غازی کو مقتول کا سامان شرعی گواہی ملنے پر دیا جائے گا،امام مالک کے ہاں اس بارے میں صرف غازی کا قول معتبر ہوگا گواہی ضروری نہیں،وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ شرعی گواہی ہوتی تو دو گواہ چاہیے تھے ایک کافی نہ ہوتا کیونکہ یہ مال سارے غازیوں کا حق تھاصرف ایک گواہ سے کیسے دیا جاسکتا تھا لہٰذا امام مالک کے ہاں یہاں بیّنہ سے مراد گواہ نہیں بلکہ مطلقًا ثبوت ہے خواہ کسی غازی کی تصدیق ہو یا اور کوئی علامت۔(دیکھو مرقات)

۱۰یعنی واقعی اس کافر کا قاتل یہ ہی ہے اس مقتول کا سامان میں نے لے لیا ہے حضور ان سے فرمادیں کہ وہ سامان مجھے دے دیں یا مجھے اس میں شریک کرلیں ان کی مہربانی ہوگی۔

۱۱سبحان اللہ! حضرت صدیق اکبر واطہر نے کیا اچھا جواب دیا یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بہادری کے جوہر تو ابوقتادہ دکھائیں اور ان کا حق تم کو دے دیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں بہادری دکھانے والوں کو خصوصی انعام و اکرام یا تمغہ وغیرہ دینا جائز ہے۔اس سے غازیوں کی ہمت بڑھتی ہےدوسروں کوبہادری دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔اس انعام سے ثواب اخروی مطلقًا کم نہیں ہوتا اب بھی حکومتیں اس پر عمل کرتی ہیں،ابھی ہماری پاکستانی فوج کے چھوٹے سے دستے نے رن کچھ میں بڑی بھارتی فوج کو شکست فاش دی بہت مال غنیمت حاصل کیاحکومت پاکستان نے ان بہادروں کی بہت حوصلہ افزائی کی یہ عمل اس حدیث سے ثابت ہے۔

۱۲معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال بہت تھا اور قیمتی تھا جس سے پورا باغ خرید لیا گیا۔خیال رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مقتول کا سامان غازی قاتل کو دینا بطور نفل ہے،اگر سلطان چاہے تو دے اور امام شافعی کے ہاں قانون شرعی ہےسلطان راضی ہو یا نہ ہو بہرحال سامان قاتل ہی کو ملے گا۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیلیں تھیں احادیث میں جو یہاں مرقات نے نقل فرمائیں:ایک وہ جو طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط بروایت حبیب ابن سلمہ فہرست نقل کی کہ حضرت حبیب نے صاحب قبرص کو قتل کیا جس کے پاس زمرد یاقوت موتی وغیرہ بہت سامان تھاوہ اس کا یہ سامان اور پانچ خچر ریشمی کپڑا حضرت ابوعبیدہ ابن جراح کی خدمت میں لائے، جناب ابوعبیدہ نے اس میں خمس لینا چاہا انہوں نے یہ ہی حدیث پیش کی **من قتل قتیلا فلہٗ سلبہٗ** تو حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا **انما للمراء ما طابت بہ نفس امامہ**۔دوسری وہ حدیث جو مسلم،بخاری نے نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے دو قاتلوں سے فرمایا کہ تم دونوں نے اسے قتل کیا مگر ابوجہل کا سامان صرف معاذ ابن عمرو کو عطا فرمایا۔تیسرے غزوہ موتہ کا وہ واقعہ جو مسلم وابوداؤد نے بروایت عوف ابن مالک اشجعی روایت کیا کہ ایک شخص نے کسی رومی کافر کو قتل کیا جس کے پاس اعلیٰ گھوڑے سونے کی زین زیوروں سے آراستہ ہتھیار تھے اس شخص نے یہ سب خود لینا چاہاحضرت خالد ابن ولید نے انکار کیا،یہ مقدمہ بارگاہِ نبوت میں پیش ہوااوتًا تو حضور نے فرمایا خالد اسے یہ سب کچھ دے دو،پھر فرمایا اسے کچھ نہ دو ہم اپنے سرداروں کی ذلت نہیں چاہتے لہٰذا یہ سلب نفل ہے اگر امام چاہے دے یا نہ دے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے مرد کو اور اس کے گھوڑے کو تین حصے دیئے ایک حصہ اسے اور دو حصے اس کے گھوڑے کو[1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی ایک جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل غازی کو مال غنیمت سے ایک حصہ دیا اور سوار غازی کو تین حصے اس طرح ایک حصہ غازی کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔اس حدیث کی بنا پر جمہور علماء نے فرمایا کہ سوار غازی کو تین حصے ملیں گے یعنی گھوڑے کے دو،غازی کا ایک مگر حضرت علی،ابوموسیٰ اشعری،امام اعظم ابوحنیفہ کا فرمان ہے کہ سوار غازی کو دو حصے ملیں گےایک گھوڑے کا،ایک غازی کا۔اس حدیث میں قانون کا ذکر نہیں بلکہ ایک خاص موقعہ کا ذکر ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کو تین حصے دیئے تھےاس طرح کہ گھوڑے کا حصہ ایک اور ایک حصہ بطور نفل گھوڑے کو زائد دیا۔امام ابوحنیفہ کی دلائل حسب ذیل ہیں:(۱) مسلم شریف میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ حضور نے **قسم النفل للفارس سھمین والراجل سھما** حضور نے نفل کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ گھوڑے سوار کے دو حصے پیدل کا ایک(۲) معجم طبرانی نے بروایت مقداد ابن عمرو روایت کی کہ میں جنگ بدر میں اپنے گھوڑے **سبحہ** پر سوار ہو کر شریک ہوا تو حضور نے مجھے دو حصے دیئےایک میرا ایک میرے گھوڑے کا(۳) ابن مردویہ نے بروایت عروہ عن عائشہ الصدیقہ روایت کی کہ غزوہ بنی مصطلق میں حضور نے پیدل غازی کو ایک حصہ دیا سوار کو دو(۴) ابن ابی شیبہ نے بروایت حضرت ابن عمر روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار غازی کو دو حصے دیئے پیادہ کو ایک(۵) دارقطنی نے انہی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ہی روایت کی،دیکھو کتاب موتلف للدارقطنی۔ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار غازی کے دو حصے ہیں نہ کہ تین۔جن روایات میں تین حصوں کا ذکر ہے وہاں اتفاقی واقعہ مذکور ہے کہ گھوڑے کو بطور نفل ایک حصہ زیادہ دیا گیااس لیے ان احادیث میں ماضی مطلق فرمایا کہا **کان یعطی من** ہے اس صورت میں احادیث جمع ہوجائیں گی تعارض نہ ہوگا۔اور ان بزرگوں کے قول پر دو حصوں والی روایات چھوڑنی پڑیں گی۔بہرحال مذہب امام اعظم بہت قوی ہے۔دو حصوں کی تائید اس روایت سے بھی ہورہی ہے جو مشکوۃ شریف کی دوسری فصل میں حضرت مجع سے آرہی ہے،ابھی اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ غزوہ ذی قرد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ ابن اکوع کو پیدل اور سوار دونوں کے حصے دیئے تو ایک غازی کو دونوں حصے جمع فرمادینا خصوصیت ہے قانون نہیں ایسے ہی یہ ہے۔

	روایت ہے حضرت یزید ابن ہرمز سے[1] فرماتے ہیں کہ نجدہ حروری نے[2] حضرت ابن عباس کو خط لکھاوہ آپ سے اس غلام و عورت کے متعلق پوچھتا تھاجو غنیمت میں حاضر ہوں کہ کیاانہیں حصہ دیاجائے توآپ نے یزید سے فرمایا کہ اسے لکھ دو کہ ان کے لئے حصہ نہیں مگر یہ کہ کچھ دے دیاجائے[3] اورایک روایت میں ہے کہ اسے حضرت ابن عباس نے لکھا کہ تو نے لکھ کر مجھے پوچھا ہے کہ کیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ساتھ غزوہ فرماتے تھے اور کہاان کے لیے حصہ مقرر فرماتے تھے تو یقیناً حضور انور ان

کے ساتھ غزوہ کرتے تھے یہ بیماریوں کاعلاج کرتی تھیں اور غنیمت سے کچھ دے دی جاتی تھیں لیکن حصہ ان کے لئے مقرر نہ تھا۴؎ (مسلم)	

۱؎ آپ ہمدانی ہیں،بنی لیث کے غلام ہیں،تابعی ہیں،ثقہ ہیں،اہل مدینہ سے ہیں۔
۲؎ نجدہ خوارج سے تھا،حروره ایک بستی کا نام ہے قریب کوفہ،اس بستی میں خوارج کا اجتماع تھااس لیے خوارج کو حروری کہا جاتا ہے جیسے ہمارے ہاں قادیانی ایک مرتد فرقہ کالقب ہے،قادیان بستی کی طرف نسبت ہے۔
۳؎ یعنی اگر غلام جہاد کرے یا عورت زخمی غازیوں کی مرہم پٹی کرے تو غنیمت سے کچھ دے دیا جائے گا جو مقررہ حصے سے کم ہوگاپورا حصہ نہ دیا جائے گا لیکن اگر غلام صرف مولیٰ کی خدمت کرے اور عورت صرف اپنے خاوند کا کام کرے تو انہیں کچھ نہ ملے گا کہ اس صورت میں یہ تاجر کی طرح ہیں جو جہاد میں دو کان لے کر جاوے۔(اشعہ و مرقات و لمعات)
۴؎ اکثر علماء کا یہ ہی قول ہے امام اعظم کا بھی یہ ہی مذہب ہے کہ عورت اور غلام کو غنیمت سے کچھ دے دیا جائے اور باقاعدہ پورا حصہ نہ دیا جائے بشرطیکہ غلام جنگ کرے مولیٰ کی اجازت سے یا بغیر اجازت اور عورت غازیوں کی خدمت کرے کہ عورت کی خدمت مثل جنگ کے ہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری اپنے غلام رباح کے ساتھ بھیجی اور میں ان کے ساتھ تھا۲؎ تو جب ہم نے سویرا کیا تو اچانک عبدالرحمان فزاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر حملہ کردیا ۳؎ تو میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا ۴؎ پھر مدینہ کی طرف منہ کیا اور ندا دی یا صباحاہ پھر میں اس قوم کے پیچھے چل پڑاان پر تیر اندازی کرتا تھا ۵؎ اور یہ گیت شجاعت کہتا تھا ۶؎ کہ میں اکوع کا بیٹا ہوں،آج دودھ چھوٹنے کا دن ہے۷؎ تو میں تیر مارتا رہا ان کے جانور کاٹتا رہا ۸؎ حتی کہ اللہ نے حضور کی سواریوں میں سے کوئی اونٹ پیدا نہ فرمایا تھا مگر میں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیا ۹؎ پھر میں تیر مارتا ہوا ان کے پیچھے چلا حتی کہ وہ لوگ تیس چادروں سے زیادہ اور تیس نیزے پھینک گئے ۱۰؎ ہلکا ہونے کے لیے اور وہ نہیں پھینکتے تھے ۱۱؎ کوئی چیز مگر میں اس پر پتھروں کی نشانیاں رکھ دیتا تھا ۱۲؎ جسے رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پہچان لیں ۱۳؎ حتی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوار فوج دیکھ لی اور ابو قتادہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار عبدالرحمٰن پر جا پڑے اسے قتل کردیا ۱۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے بہترین سواروں میں بہترین سوار ابوقتادہ ہیں اور پیادوں میں بہترین ۱۵؎ سلمہ ہیں پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصے عطا فرمائے ایک حصہ سوار کا اور ایک حصہ پیادے کا یہ دونوں حصے میرے لیے جمع فرمادیئے ۱۶؎ پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے عضباء پر سوار فرمایا ۱۷؎ مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے ۱۸؎ (مسلم)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،بہادری میں بے مثال تھے،اکیلے پیدل بہت سے سوار کفار سے لڑتے تھے،کنیت آپ کی ابو مسلم تھی،مدنی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک رہے،اسی ۸۰ سال عمر ہوئی، ۷۴ھ چوہتّر ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔(اکمال،اشعہ وغیرہ)

۲؎ ظہر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی پشت سواری کے کام آتی ہو یعنی سواری کا اونٹ۔رباح ر کے فتحہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ لائق سواری اونٹ مدینہ منورہ سے کسی جگہ بھیجے ان کی حفاظت کے لیے میں اور رباح بھیجے گئے۔

۳؎ عبدالرحمٰن فزاری عرب کا مشہور کافر ڈاکو تھا جس کے ساتھ اس کے ساتھیوں کی جماعت تھی جیسے اب بھی مشہو رڈاکو جتھہ والے ہوتے ہیں،اس ڈاکو نے اس موقعہ پر صرف دو صحابیوں کو دیکھ کر حضور انور کے اونٹ لوٹ لیے ہانک لے گیا،یہ واقعہ ۶ھ میں ہوا اس کا نام غزوہ ذی قرد ہے،قرد مدینہ کے پاس ایک جگہ ہے۔(مرقات)

۴؎ اکمہ وہ بلند جگہ جو پہاڑ سے چھوٹی ہو جسے اردو میں ٹیلہ کہا جاتا ہے۔

۵؎ عرب میں خطرہ شدیدہ کا اعلان کرنے کے لیے یاصباح کا لفظ پکارا جاتا تھا گویا یہ لفظ خطرہ کا الارم تھا۔عموماً دشمن کا حملہ بوقت صبح ہوتا تھا اس لیے یہ لفظ پکارا جاتا تھا یعنی ہائے اے لوگو صبح کے وقت کا انتظار کرلو صبح کو تم پر حملہ ہونے والا ہے،یہ بھی حضرت سلمہ ابن اکوع کی کرامت تھی کہ ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوکر اپنی پکار تمام مدینہ میں پہنچادی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر جو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ وہ تمام عالم میں پہنچ گئی تاقیامت آنے والی روحوں نے سن لی یہ معجزہ حضرت ابراہیم کا تھا۔

۶؎ یہ ہے حضرت سلمہ کی بہادری کہ مسلمانوں کی کمک پہنچنے کا انتظار نہ کیا صرف اطلاع دے کر اکیلے ہی پوری جماعت کے پیچھے پیدل لگ گئے عربی میں رجز ان اشعار کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے وقت بہادر اپنی بہادری کے اظہار کے لیے پڑھا کرتے ہیں کفار کے مقابل فخر کرنا عبادت ہے۔

۷؎ضع ر کے پیش ض کے شد و زبر سے یا تو راضع بمعنی خبیث کی جمع ہے یا رضیع بمعنی ماں کا دودھ چھوڑا ہوا، بچہ کی جمع ہے یعنی آج کمینوں کی سزا کا دن ہے یا آج تم شیرخوار کمزور بچوں کی ہلاکت کا دن ہے یا تم کو رضیع بنادینے کا دن ہے اور بھی اس کے بہت معنی کیے گئے ہیں۔

۸؎اعقر بنا ہے عقر سے بمعنی پاؤں یا کونچیں کاٹنا۔اس سے مراد ہے جانوروں کا ہلاک کردینا یعنی ان ڈاکوؤں کو بھی مارتا رہا اور تاک تاک کر ان کے جانوروں کو بھی ہلاک کرتا رہا جس سے وہ لوگ میری طرح پیادے ہوتے رہے۔

۹؎یعنی مجھ اکیلے نے حضور انور کے سارے اونٹ ان ڈاکوؤں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیے کہ انہیں اپنے پیچھے کرلیا میں ان کے آگے ہو گیا اور ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑتا رہا۔

۱۰؎عربی میں مخطط اور حاشیہ والی چادر کو بھی بردہ کہتے ہیں اور مربع کمبل کو بھی جو بدوی لوگ پہنتے ہیں یہاں دونوں مراد ہوسکتے ہیں

۱۱؎یعنی ان کافر ڈاکوؤں کو اپنی چادریں کمبل،ہتھیار بھاگڑ میں سنبھالنا مشکل ہوگئے تو انہوں نے ان چیزوں کو وبال سمجھ کر پھینک دینے میں اپنی نجات جانی تاکہ ان کے بوجھ سے ہلکے ہوں اور بھاگنے میں آسانی پائیں،یہ ہے اس محمدی کچھار کے شیر کی دلیری رضی اللہ عنہ۔

۱۲؎یعنی میں نے ان میں سے کوئی چیز اٹھائی بھی نہیں تاکہ مجھے ان کے پیچھا کرنے میں آسان رہے اور بغیر علامت چھوڑی بھی نہیں تاکہ میرے پیچھے آنے والے صحابہ ان پر قبضہ کرلیں۔

۱۳؎عرب کا دستور کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر علامت ڈال دیتا تھا تو اس کے پیچھے آنے والے ساتھی اسے اٹھالیتے تھے۔

۱۴؎یعنی حضرت ابو قتادہ میرے اس راستے سے کترا کر دوسری طرف سے ڈاکوؤں کے سردار عبدالرحمٰن فزاری تک پہنچ گئے اور اسے قتل کردیا،یہ ہے دشمن کو گھیرے میں لے لینا جو آج بڑا کما ل سمجھا جاتا ہے،یہ صحابہ کرام کا معمولی عمل تھا۔

۱۵؎یعنی اس غزوہ ذی قرد میں حضرت سلمہ نے پیادہ فوج کا کمال دکھایا اور ابوقتادہ نے سوار فوج کا کمال دکھایا۔دونوں اپنے اپنے فن میں بڑے ہی کامل ظاہر ہوئے۔فرسان جمع ہے فارس کی بمعنی گھوڑا سوار۔رجال جیم کی شد سے جمع ہے راجل کی بمعنی پیدل جیسے سائر کی جمع سیارہ اور ناظر کی جمع نظارہ ۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: (۱) جنگ کے وقت رجز پڑھنا سنت ہے(۲) دشمن کے جانور جنگ میں قتل کردینا جائز ہے جس سے ان کا زور ٹوٹے(۳)فخریہ طور پر یہ کہنا کہ فلاں کا بیٹا ہوں ایسے موقعہ پر جائز ہے(۴) کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا جائز ہے جب کہ اس میں مصلحت ہو(۵) اپنے کو راہِ خدا میں خطرہ میں پھنسا دینا اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے،دیکھو حضرت سلمہ نے اکیلے اتنے گروہ پر حمل کردیا حالانکہ آپ پیدل تھے(۶) ضرورت کے وقت امام سے بغیر اجازت لیے کفار پر حملہ کردینا بھی جائز ہے۔

۱۶؎یہ دو حصوں کا جمع فرمادینا بطور نفل تھا جو بہادری کے انعام میں دیا گیا۔سوار کے حصے سے مراد یا تو دوہرا حصہ ہے جیسا کہ احناف کہتے ہیں یا تہرا حصہ جیساکہ شوافع کا قول ہے یعنی مجھے تین یا چار حصے دیئے باقی حصے دوسرے ساتھ آنے والے صحابہ کو عطا فرمائے کیونکہ جو بارادۂ جہاد میں پہنچ جائے اگرچہ وہ جہاد نہ بھی کرے تب بھی غنیمت میں حصہ لے گا۔

۱۷؎یہ بہادری و جرات کا تمغہ عطا ہوا یعنی اپنا قرب جو تمام انعامات سے افضل تھا۔

۱۸؎عضبا مؤنث ہے اعضب کا بمعنی کان کٹا جانور تو عضباء کے معنی ہوئے کان کٹی اونٹنی حضور کی یہ اونٹنی پیدائشی طورپر کان کٹی تھی بعد میں کان کاٹے نہ گئے تھے۔(اشعہ)اس اونٹنی کا نام قصواء بھی تھا۔اس لحاظ سے یعنی حضور انور نے مجھے اس بہادری کے صلہ میں یہ تمغہ عطا فرمایا کہ اپنا ردیف بناکر مجھے مدینہ منورہ تک لائے یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔(مرقات) مگر مشکوۃ کے بعض نسخوں میں بخاری کا حوالہ ہے بعض میں مسلم کا۔خیال رہے کہ راجعین تثنیہ بھی ہوسکتا ہے اور جمع بھی دونوں درست ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ زیادہ عطا فرماتے تھے بعض بھیجے ہوئے لشکروں کو ان کی خاص ذات کے لیے سوا لشکر کے عام حصے کے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎نفل کے معنی ہیں زیادتی اس سے ہے انفال اور نافلہ،اصطلاح میں نفل وہ مال کہلاتا ہے جوکسی غازی کو اس کے حصے سے زیادہ دیا جائے یا کسی بہادری کے صلہ میں یا جہاد کی رغبت دینے کے لیے۔حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بعض غازیوں کو ان کے عام حصے کے علاوہ جس کے وہ مستحق ہوتے تھےکچھ زیادہ بھی عطا فرماتے تھے۔اس زیادتی میں بہت حکمتیں ہوتی تھیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہمارے حصہ کے علاوہ خمس سے بطور نفل عطا فرمایا۱؎تو مجھے الگ شارف اونٹنی ملی اور شارف بڑی عمر رسیدہ اونٹنی ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی ایک جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت سے خمس لیا، اس خمس میں سے ہم لوگوں کو ایک ایک اونٹ زائد دیا بطور نفل۔خیال رہے کہ آج کل فوجی سپاہیوں کی تنخواہ ہوتی ہے غنیمت میں حصہ بالکل نہیں ملتامگر اس زمانہ میں تنخواہ نہ ہوتی تھی غنیمت کے پانچ حصے کرکے ایک حصہ اللہ رسول کے نام کا لے لیا جاتا تھا اسے خمس کہتے تھے اور باقی چار حصے غازیوں میں تقسیم ہوجاتے تھے یہاں اس کا ذکر ہے یعنی حضور انور نے یہ نفل ہم لوگوں کو خمس میں سے دیا غازیوں کے حصے سے نہ دیا۔

۲؎شارف کی یہ تفسیر کسی اور راوی نے کی ہے حضرت ابن عمر کی نہیں۔(مرقات) نفل کے معنی ابھی ذکر کیے گئے،اس سے ہے یہ نفلی نمازوروزہ یعنی فرض سے زیادہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میرا گھوڑا بھاگ گیا تو اسے دشمن نے پکڑ لیا پھر ان پر مسلمان غالب آگئے تو وہ گھوڑا حضور ہی کے زمانہ میں انہیں لوٹا دیا گیا۱؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان کا غلام بھاگ کر روم سے مل	

	گیا پھر ان پر مسلمان غالب آ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خالد ابن ولید نے ان پر لوٹا دیا ۲؎(بخاری)

۱؎یعنی بحالت جنگ میرا گھوڑا چھوٹ کر کفار کی طرف چلا گیا انہوں نے پکڑ لیا پھر جنگ کے نتیجہ کے طور پر مسلمان کفار پر غالب آگئے ان کا مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا،اس مال میں یہ گھوڑا بھی تھا تو حضور انور نے اسے غنیمت بنا کر تقسیم میں داخل نہ فرمایابلکہ مجھے دیدیا۔اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کفار اس گھوڑے کو ابھی اپنے ملک میں لے گئے تھے،نیز تقسیم غنیمت سے پہلے یہ گھوڑا حضرت ابن عمر نے پہچان لیا۔ایسا مال احناف کے نزدیک بھی مالک کو ملتا ہے غنیمت میں نہیں۔اختلاف اس مال میں ہے جو مسلمان کا تھا کفار کے ملک میں رہ گیا وہ چھین کر اپنے ملک میں لے گئے اور پھر غنیمت میں آیاجس کو تقسیم کردیا گیاپھر مالک نے پہنچانا۔

۲؎یہ غلام مسلمان تھا اور بھاگ کر دارحرب یعنی روم میں پہنچ گیاکفار نے پکڑ لیاایسا غلام کفار کی ملک نہیں بن جاتا۔جب غنیمت میں آوے گا مالک کو ملے گا،ہاں جو غلام مرتد ہوکر دار حرب میں پہنچ جائے کفار اس پر قبضہ کرلیں پھر غنیمت میں آوے تو یہ مال غنیمت ہوکر تقسیم ہوگامالک کو واپس نہ ملے گا لہذا یہ حدیث بالکل ظاہر ہے۔خیال رہے کہ جو مسلمان یا مال دارحرب میں رہ جائے یا کفار جنگ میں چھین کر اپنے ملک میں لے جاویں وہ مال احناف کے ہاں کفار کی ملک بن جاتا ہےمسلمان کی ملک سے نکل جاتا ہے،لہذا اگر کوئی مسلمان یہ مال کفار سے خرید کر ہمارے ملک میں آئے تو پہلا مالک اس سے نہیں لے سکتایہ خریدار ہی مالک ہوگا،یوں ہی اگر وہ مال غنیمت میں آجاوے تو تقسیم ہوگا اس مالک کو نہ ملے گا یہ ہے مذہب احناف کا مگر امام شافعی کے ہاں وہ مال مسلمان مالک ہی کا رہے گااُسے ہی واپس دیا جائے گا۔وہ اس حدیث سے بھی دلیل پکڑتے ہیں اور اس واقعہ سے بھی کہ ایک بار حضور کی اونٹنی عضباء کو کفار مدینہ لے گئے اور ایک مؤمنہ عورت کو بھی،ایک شب موقعہ پا کر یہ بی بی اسی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ پہنچ گئی اور نذر مانی کہ مولیٰ اگر میں بخیریت مدینہ پہنچ جاؤں تو اس اونٹنی کو ذبح کرکے تیرے نام پر خیرات کردوں گی،جب حضور انور سے یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا کہ غیر کے ملک میں نذر جائز نہیں اور وہ اونٹنی حضور نے خود لے لی کہ آپ کی تھی مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ اونٹنی ابھی دارالحرب تک پہنچی نہ تھی راستہ سے ہی بی بی صاحبہ لے کر آگئیں اور وہ غلام مسلمان تھا لہذا یہ دونوں کفار کے ملک میں نہ آئے۔امام اعظم کے دلائل حسب ذیل ہیں:(۱)قرآن کریم نے ان مہاجرین کو جو مکہ معظمہ میں اپنا بہت مال جائیداد چھوڑ آئے تھے فقرا فرمایا کہ فرمایا: "لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیٰرِهِمْ"اور فقیر وہ ہوتا ہے جو مال کا مالک نہ ہو کہ وہ چھوڑنے کے بعد اپنے متروکہ مالوں کے مالک نہ رہے(۲) حضور انور نے فتح مکہ فرماکر مہاجرین کے مکانات جائیدادیں انہیں واپس نہ فرمائیں حتی کہ کفار نے جو مال ان میں سے فروخت کردیئے تھے ان کی بیع جائز رکھی(۳) عقیل ابن ابو طالب نے جو مکانات فروخت کردیئے ان کی بیع جائز رکھی کہ فتح مکہ کے دن فرمایا ہم کہاں ٹھہریں عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان باقی نہ چھوڑا حالانکہ ان مکانات کے مالک حضرت علی و جعفر بھی تھے(۴) ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں تمیم ابن طرفہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے کسی کے پاس اپنی اونٹنی پائی وہ دونوں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئےمالک نے اپنی ملکیت پرگواہی قائم کردی،مدعٰی علیہ نے اس پر گواہی

قائم کردی کہ میں نے کفار سے یہ خریدی ہے تو حضور نے پہلے مالک سے فرمایا کہ تم خرید سکتے ہو ایسے ہی نہیں لے سکتے(۵) بیہقی و دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی مسلمان کا جو مال کفار اپنے ملک میں لے جاویں پھر مسلمان ان سے غنیمت میں وہ مال لے لیں تو اگر تقسیم غنیمت سے پہلے مالک نے لے لیا تو اس کا ہے بعد تقسیم غنیمت جس کو مل جائے اس کا ہے(٦) دار قطنی حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی(۷) طبرانی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا یہ ہی روایت کی(۸) طحاوی نے بروایت قبیصہ ابن ذویب حضرت عمر سے یہ ہی روایت کی(۹) طحاوی نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ ہی روایت کی(۱۰) طحاوی نے حضرت علی سے روایت کی تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا مال جو کوئی دارالحرب میں کسی کافر سے خریدے تو بیع درست ہے غرضیکہ مذہب حنفی بہت ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان ابن عفان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ نے خیبر کے خمس سے بنی مطلب کو توڑ دیا ۲؎ اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہم لوگ آپ سے ایک ہی درجہ (رشتہ) میں ہیں تو فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی شے ہیں ۳؎ حضرت جبیر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو کچھ نہ دیا ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ جبیر ابن مطعم ابن عدی قرشی نوفلی ہیں، کنیت ابو محمد ہے، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، مدینہ پاک میں رہے ۵۴ھ چون ہجری میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی ہم اور بنی مطلب دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں تو ہمارا ان کا رشتہ آپ سے یکساں ہوا۔خیال رہے کہ عبد مناف حضور کے چوتھے دادا ہیں، محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف اور ان عبد مناف کے بیٹے ہاشم مطلب نوفل عبدشمس ہیں، جبیر نوفل کی اولاد ہیں اور عثمان غنی عبدشمس کی اولاد اور حضور ہاشم کی اولاد سے جبیر ابن مطعم ابن عدی ابن نوفل ابن عبد مناف ہیں اور عثمان ابن عفان ابن ابوالعاص ابن امیہ ابن عبدشمس ابن مناف ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ یہ مطلب مناف کے بیٹے ہیں یہ اور ہیں اور عبدالمطلب جو حضور کے دادا ہیں وہ اور ہیں۔مقصد یہ ہے کہ واقعی نسبی لحاظ سے یہ چاروں خاندان یکساں ہیں یعنی بنی ہاشم و بنی مطلب، بنی نوفل بنی عبدالشمس سب ہی عبد مناف کی اولاد ہیں مگر تحالف تعاون کے لحاظ سے بنی ہاشم اور بنی مطلب تو ایک ہیں وہ ہی خمس کے حصہ کے مستحق مگر بنی نوفل اور بنی عبدالشمس الگ ہیں وہ اس کے مستحق نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے بنی نوفل اور بنی عبدشمس دوسرے مشرکین مکہ سے مل کر مسلمانوں کے بائیکاٹ میں شریک ہو گئے اور بنی مطلب و بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیا۔اس تعاون کی وجہ سے یہ دونوں ایک ہیں اور یہ دونوں ہی خمس کے مستحق۔

۴؎ خیال رہے کہ قرآن مجید میں خمس کے حقدار اللہ تعالٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضور کے قرابت دار یتیم، مساکین اور مسافروں کو قرار دیا گیا کہ ارشاد ہوا"وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی

الْقُرْبٰی"الخ اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے کل مصرف پانچ رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خمس کے پھر پانچ حصے کرتے تھے:ایک حصہ یعنی غنیمت کا پچیسواں حصہ اپنے پر خرچ فرماتے تھے،ایک حصہ بنی ہاشم بنی مطلب کے عزیزوں پر باقی تین حصے یتیموں،مسکینوں،۔مسافروں پر حضور کی وفات کے بعد حضور کا اپنا حصہ تو ختم ہوگیا وہ حضور کی ازواج پاک یا اولاد پاک کو نہ دیا گیا جیسے کہ حضور انور کبھی غنیمت سے کوئی خاص چیز لے لیتے تھے جسے صفی کہا جاتا تھا۔چنانچہ حضور نے عتبہ ابن حجاج کافر کی تلوار ذوالفقار خود رکھی اور خیبر کی غنیمت میں سے صفیہ بنت حیی ابن اخطب کو خود قبول فرمایا مگر حضور کی وفات سے یہ صفی بند ہوگیا،ایسے ہی آپ کا خمس بھی ختم ہوگیا،اسی طرح حضور کے پردہ فرمانے سے ذی قربی یعنی قرابت داروں کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔چنانچہ اس خمس کے حصے بجائے پانچ کے تین کیے جائیں گے جو یتیموں،مسکینوں،مسافروں پر صرف ہوں گے،ہاں حضور کے عزیز و اہل قرابت،یتیموں،مسکینوں،مسافروں کو مقدم رکھا جائے گا کہ پہلے انہیں بعد میں دوسروں کو عطا ہوگا کیونکہ دوسرے فقراء تو زکوۃ بھی لے سکتے ہیں مگر یہ حضرات زکوۃ نہیں لے سکتے یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مگر امام شافعی کے ہاں اب بھی خمس کے پانچ حصے ہوں گے،حضور کا حصہ سلطان اسلام کو ملے گا اور حضور کے قربی کا حصہ بدستور ویسے ہی جاری ہوگا جو سادات کو دیا جائے گا خواہ وہ فقیر ہو یا امیر مگر قول امام اعظم بہت قوی ہے کیونکہ حضرات خلفاء راشدین نے خمس کے تین حصے ہی کیے نہ حضور کا حصہ اور نہ اہل قرابت کا حصہ کسی نے نہ کہا اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔یہ بھی خیال رہے کہ یہ تین حصے خواہ تینوں قسموں کو دیئے جائیں یا ایک ہی کو ہر طرح جائز ہے جیسے زکوۃ کے مصارف کا حال ہے۔کسی شخص نے ابو جعفر محمد ابن علی سے پوچھا کہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں ذی قربی کا حصہ خمس سے نکالا یا انہیں تو آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ حضرت علی صدیق اکبر کی راہ ہی چلے۔(طحاوی،مرقات) بہرحال اس کے تین حصے کرنے پر خلفاءراشدین کا عمل صحابہ کا اجماع ہوا۔اس کی نفیس تحقیق فتح القدیر میں دیکھو یا یہاں ہی مرقات میں مطالعہ فرماؤ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بستی میں تم پہنچو اور اس میں تم قیام کرو تو اس میں تمہارا حصہ ہے[1] اور جو بستی اللہ رسول کی نافرمانی کرے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہے پھر بقیہ تمہارا[2] (مسلم)	

[1] یعنی کفار کی جو بستی بغیر جہاد کے صرف صلح سے قبضہ میں آجائے تو وہ غنیمت نہ ہوگی بلکہ فئ ہوگی جس میں سب مسلمان مجاہدین یا دوسرے برابر کے حق دار ہوں گے کہ فئ کا حکم یہ ہی ہوتا ہے۔اس فئ میں خمس بھی نہیں لیا جاتا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔امام شافعی کے ہاں فئ میں سے بھی خمس لیا جائے گا،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

[2] یعنی جو علاقہ جہادکر کے تم حاصل کرو وہ غنیمت ہوگا۔اس میں خمس نکال کر باقی چار حصے غازیوں پر تقسیم ہوں گے۔خیال رہے کہ جو شہر جنگ سے فتح ہواس میں سلطان اسلام کو اختیار ہے خواہ وہ زمین وہاں کے باشندے اموال خمس نکال کر باقی چار حصے نمازیوں میں تقسیم کردے جیسا کہ حضور انور نے خیبر میں کیا خواہ وہ زمین خود وہاں کے کفار باشندوں کے حوالہ کرکے ان پر جزیہ قائم کردے اور زمین پر عشر لگا دے اس لیے حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں

کی آئندہ نسلوں کا مجھے خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ فتح ہوتا وہ میں بعد خمس غازیوں میں بانٹ دیتا جیساکہ حضور انور نے خیبر تقسیم فرمادیا۔حضور انور نے نصف خیبر تو اپنی ضروریات کے لیے اور نصف خیبر کے چھتیس حصے کیےایک حصہ سو غازیوں کو دیا اور حضرت عمر نے عراق جہاد سے فتح فرمایا مگر اسے غازیوں میں تقسیم نہ کیا اور اس آیت سے دلیل پکڑی "مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى "الی قولہ "وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ "الخ تمام صحابہ نے آپ کا یہ فیصلہ مانا سوا سلمان فارسی و بلال کے پھر بعد میں یہ دونوں صاحب بھی مان گئے، یہ پوری بحث مرقات میں دیکھو۔

	روایت ہے خولہ انصاریہ سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق گھس پڑتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ خولہ بنت ثامر ہیں،مشہور صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں۔

۲؎ یعنی بعض لوگ زکوۃ،غنیمت،فئ وغیرہ پر ناجائز قبضہ و تصرف کرتے ہیں،اگر یہ حلال سمجھ کر کرتے ہیں تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے،اگر حرام سمجھ کر کرتے ہیں تو فاسق ہیں دوزخ میں سزا کے لیے جائیں گےاگرچہ سارے مال اللہ کے ہیں اللہ کے مال سے مراد وہ مال ہے جس کو راہِ خدا میں خرچ کرنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک دن ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو خیانت کا ذکر فرمایا ۱؎ تو اسے اور اس کے معاملہ کو بڑا گناہ بتایا پھر فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن یوں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو بلبلاتا،عرض کرے یارسول اللہ میری مدد فرماؤ ۲؎ میں کہہ دوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھے تبلیغ کرچکا ۳؎ میں تم میں سے کسی کو یوں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہو ہنہناتا ۴؎ پھر کہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد فرماؤ میں کہہ دوں کہ تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھ کو تبلیغ کرچکا ۵؎ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں یوں کہ وہ قیامت میں اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری ہو جس کی ممیاہٹ ہو ۶؎ عرض کرے یا رسول اللہ

	میری مدد فرماؤ میں فرما دوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تو تجھے تبلیغ کرچکامیں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر غلام ہوں جس کی چیخ ہو ےکہے یارسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں کہ میں تیرے لیےکسی چیز کا مالک نہیں میں تم کو تبلیغ کرچکا ہوں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر کپڑے ہوں چرچر کرتے ۸؎ تو وہ کہے یارسول اللہ میری مددکرو میں کہہ دوں میں تیرے لے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھے تبلیغ کرچکا اور میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آوے کہ اس کی گردن پر سونا چاندی ہو ۹؎ وہ کہے یارسول اللہ میری مدد فرماؤ میں کہہ دوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا۔(مسلم،بخاری) اور یہ لفظ مسلم کے ہیں وہ بہت مکمل ہیں۔

۱؎ غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں یہاں تو یہ ہی مراد ہے یا مطلقًا ہر خیانت،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔واللہ اعلم!

۲؎ اس طرح کہ میری شفاعت فرماکر عذاب الٰہی سے بچائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوبوں سے مددمانگنا انہیں مدد کے لیے پکارنا جائز ہے،قیامت میں سب سے پہلے یہ ہی استعانت کا کام ہوگادوسرے کام بعد میں۔لہٰذا آج بھی یہ کہنا کہ یارسول اللہ اغثنی بالکل درست ہےآج حضور سے مدد مانگو تاکہ کل قیامت میں یہ استمداد کام آئے۔

۳؎ اگر یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو خیانت حلال جان کر کریں وہ تو کافر ہوچکے اور کافر کے لیے شفاعت نہیں اور اگر مسلمان فاسق مراد ہیں جو یہ حرکات حرام سمجھتے ہوئے کریں تو یہ فرمان دھمکانے ڈرانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی شفاعت بڑے سے بڑے گنہگار مسلمانوں کو نصیب ہوگی۔فرماتے ہیں شفاعتی لاھل الکبائر من امتی اور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خاص دعا قیامت میں شفاعت کرنے کے لیے چھپا رکھی ہے اور وہ دعا ہر مسلمان کو پہنچے جو ایمان پر مرے۔

۴؎ اس طرح کہ اس نے غنیمت کے مال سے گھوڑے کی خیانت کی وہ گھوڑا قیامت میں اس کی گردن پر سوار ہوا جیسے بے زکوۃ والا مال اس پر سوار ہوگا۔

۵؎ یعنی دنیا میں ہم تم سب سے فرماچکے تھے کہ خیانت و غلول کرنا سخت جرم ہے یہ حق العباد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا،تو نے ہمارے فرمان پر عمل کیوں نہ کیا خیانت کیوں کی اب میرے پاس کیوں اور کس منہ سے آیا۔ابھی ہم عرض کرچکے کہ یہ فرمان عالی ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے مگر انجام یہ ہوگا۔شعر

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آ گیا گھبرا کے ہو گئے وہ گنہگار کی طرف

۶؎ **ثغاءٌ** بکری کی آواز کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں ہے ممیانا۔یہ بکری و گھوڑے وغیرہ جانور ہیں جنہیں اس شخص نے خیانۃً لے لیا تھاان کی آوازیں اس شخص کو بدنام و رسوا کرنے کے لیے ہوں گی۔ہم نے عرض کیا ہے کہ مسلمانوں کے چھپے گناہ قیامت میں چھپائے جائیں گے مگر علانیہ گناہ وہاں ظاہر کردیئے جائیں گے،یہ خیانت و غلول آخر کار ظاہر ہوجاتے ہیں اس لیے ان کا وہاں اعلان فرمادیا گیا۔

۷؎ نفس سے مراد وہ لونڈی غلام ہیں جنہیں اس نے خیانت کے طور پر لے لیا تھا اس خائن کی گردن پر سوار شور مچاتے ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں نیک اعمال انسان کی سواری بنیں گے اور برے اعمال انسان پر سوار ہوں گے جیسے یہاں تھوڑی غذا پر گویا انسان سوار ہوتا ہے اور بہت غذا انسان پر سوار ہوتی ہے جسے وہ اٹھائے پھرتا ہے لہذا حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۸؎ رقاع جمع ہے **رقعة** کی بمعنی کپڑے۔**خفق** کہتے ہیں چرچرانے کو یہاں **رقعه** سے مراد یا تو کپڑے کے تھان ہیں جنہیں اس نے خیانۃً لے لیا یا وہ کاغذ کے دفتر ہیں جن میں غازیوں مجاہدوں کے نام مع ان کے غنیمت کے حصوں کے لکھے تھے اس نے وہ گم کردیئے تاکہ نئے کاغز بنیں جن میں یہ کمی بیشی کرکے آپ خود بہت زیادہ لے لے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔(اشعہ)

۹؎ **صامت** بنا ہے **صمت** سے بمعنی خاموشی،**صامت** بمعنی خاموشی اس سے مراد ہوتا ہے سونا چاندی وغیرہ مال کہ جانور تو آواز رکھتے ہیں یہ بولتے نہیں نہ آواز دیں۔اور اس سے وہ سونا چاندی مراد ہے جو اس نے خیانۃً لی تھیں وہ بھی خائن کے سر پر سوار ہوں گی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام پیش کیا جسے مدعم کہا جاتا تھا ۱؎ تو اس حالت میں کہ مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اتار رہا تھا کہ اسے غائبانہ ۲؎ تیر لگا جس نے اسے قتل کردیا تو لوگ بولے مبارک ہو اسے جنت ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے لے لی تھی وہ اس پر آگ بھڑکا رہی ہے ۴؎ جب لوگوں نے یہ سنا تو ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یا دو تسمے لایا تو فرمایا کہ یہ تسمہ آگ کا ہے دو تسمے آگ ہیں ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ مدعم میم کے کسرہ دال کے سکون سے یہ حضرت رفاعہ ابن زید ابن وہب خدامی کے غلام حبشی تھے جنہیں رفاعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کردیا تھا،پیش کرنے والے حضرت رفاعہ ابن زید تھے۔(اشعہ و مرقات)
۲؎ کسی منزل پر سفر میں یہ خدمات انجام دے رہے تھے۔
۳؎ کیونکہ مدعم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص رہے اور اب شہید ہوئے یہ خدمت اور شہادت یقینًا جنت کا ذریعہ ہے۔
۴؎ یعنی مدعم نے ایک غلطی کی تھی کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے ایک چادر بغیر تقسیم لے لی تھی یہ ہوئی خیانت کیونکہ غنیمت کا مال تقسیم سے پہلے غازیوں کا مشترکہ ہوتا ہے اس کا مالک کوئی شخص نہیں بن سکتا بعد تقسیم ملکیت میں آتا ہے اس لیے اس وقت تکلیف میں ہے ابھی جنت میں نہیں پہنچا۔مرقات میں ہے کہ بعض روایات میں یوں ہے کہ میں اسے آگ میں دیکھ رہا ہوں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے کھلے چھپے اعمال کو ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ چادر لینا ایک چھپا ہوا عمل تھا جو حضور کی نگاہ میں تھا۔دوسرے یہ کہ حضور انور دنیا میں رہ کر آخرت اور وہاں کے حالات کو دیکھ رہے ہیں کہ فرماتے ہیں مدعم آگ میں ہے۔تیسرے یہ کہ شہادت سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر حق العبد معاف نہیں ہوتا،دیکھو مدعم شہید ہوگئے مگر حق العبد کی وجہ سے گرفتار ہوگئے۔خیال رہے کہ مدعم کا وہ چادر لے لینا یا تو مسئلہ غنیمت سے بے خبری کی وجہ سے تھا یا گناہ صغیرہ تھا لہذا اس سے ان کی عدالت میں فرق نہیں آیا،سارے صحابہ عادل ہیں،انہوں نے چادر کو بہت معمولی چیز سمجھا اس کی اہمیت سے خبردار نہ ہوئے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ سن کر بعض صحابہ تسمے لائے لہذا اس روایت کی بنا پر صحابہ پر طعن نہ کیا جائے۔خیال رہے کہ مدعم کو یہ عذاب عارضی تھا جو اس وقت ہو رہا تھا۔
۵؎ یعنی اگر تم یہ تسمے حاضر نہ کردیتے تو یہ بھی تمہاری موت کے بعد تمہارے لیے آگ بن جاتے ان حضرات کے وہم وگمان میں بھی ان کی اتنی اہمیت نہ تھی۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہر شخص کے ہر کھلے چھپے عمل سے واقف ہیں مگر آپ پر یہ لازم نہیں کہ ہر ایک کی خفیہ عمل پر پکڑ فرمائیں کہ اس میں مسلمانوں کی عیب جوئی بھی ہے اور پردہ دری بھی اس لیے نہ تو حضور نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ وہ تسمے حاضر کرو نہ مدعم کو حکم دیا تھا کہ وہ چادر حاضر کرو لہذا حدیث واضح ہے،یہ بھی خیال رہے کہ مدعم کی شہادت قبول تھی مگر فائدہ شہادت کا ظہور کچھ عرصہ بعد ہوا۔اولًا چادر کی غلول کی سزا پہنچ گئی۔شہادت کے لیے ضروری نہیں کہ شہید گناہوں قرض وغیرہ حقوق سے پاک وصاف ہو تب شہید ہو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک شخص تھا جسے کرکرہ کہا جاتا تھا۱؎ وہ مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آگ میں ہے تو لوگ تلاش کرنے لگے ایک کمبل پایا جس کی اس نے خیانت کرلی تھی ۲؎(بخاری)	

۱؎ مغرب میں ہے کہ ہر نفیس و قیمتی سامان کو ثقل کہا جاتا ہے۔کرکرہ یا تو دونوں کاف کے فتحہ سے ہے یا کسرہ سے یا پہلے کاف کے فتحہ سے دوسرے کے کسرہ سے۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یہ غلول کیا ہوا کمبل اس کے اس عذاب کا سبب بن گیا۔اس کی تحقیق ابھی ہوچکی کہ یہ عمل ان صحابی کی عدالت کے خلاف نہیں۔تمام صحابہ عادل ہیں معصوم یا محفوظ نہیں۔حضور کی نگاہ عالی کے قربان کہ اس جہان میں بیٹھ کر اس جہان کی خبر دے رہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے جہاد میں شہد انگور پاتے تھے تو کھالیتے تھے اور اسے پیش نہ کرتے تھے ۱؎(بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ غازی میدان جنگ میں کفار سے حاصل کیا ہوا کھانا،دودھ،گھی،پھل،روٹی،گوشت وغیرہ بقدر ضرورت کھا سکتا ہےاس کے لیے امیر جہاد سے اجازت لینا ضروری نہیں،یوں ہی دوائیں استعمال کرسکتا ہے،اپنے جانور کو اس مال سے چارہ دے سکتا ہے مگر ذخیرہ کرکے اپنے گھر میں نہیں لاسکتا،یوں ہی جنگ کے ہتھیار استعمال کرسکتا ہے مگر وہ بعد استعمال غنیمت میں واپس کرنے ہوں گے،یوں ہی ٹھنڈے گرم کپڑے ضرورۃً پہن سکتا ہے مگر یہ بھی بعد میں غنیمت میں شامل کردینا ہوں گے،اگر یہ چیزیں استعمال سے خراب یا ہلاک ہوجائیں تو ان کا تاوان اس غازی پر نہیں،یوں ہی ضرورۃً کفار سے حاصل کیے ہوئے جانور ذبح کرکے کھا سکتا ہے مگر انکی کھال غنیمت میں شامل کرنا ہوگی۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں اور مرقات میں دیکھو۔مگر یہ اجازت غازیوں کے لیے ہے جو تجار یا خدمت گار ان کے ساتھ گئے ہیں انہیں اس کی اجازت نہیں لیکن اگر وہ بھی استعمال کرلیں تو ان پر ضمان نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن میں نے ایک چربی کا تھیلا پایا تو میں اسے لپٹ گیا میں نے کہا کہ آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا ۲؎ پھر میں نے ادھر ادھر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف مسکرارہے تھے ۳؎(مسلم،بخاری) حضرت ابوہریرہ کی حدیث ماأعطیکم الخ حکام کی روزی کے باب میں ذکر کردی گئی ۴؎

۱؎ آپ صحابی ہیں،اصحاب صفہ سے ہیں،مزنی ہیں،مدینہ منورہ میں رہے،خلافت فاروقی میں دس فقہاء بصرہ بھیجے گئے لوگوں کو علم دین سکھانے کے لیے ان میں آپ بھی تھے،وہاں ہی ۶۰ھ میں وفات پائی،خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ان سے بہتر کوئی نہ ہوا۔

۲؎ غالبًا اس وقت آپ کو اس کی سخت ضرورت تھی اس لیے مجبوری میں یہ لفظ آپ کے منہ سے نکلا ورنہ حضرات صحابہ اپنی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھتے تھے"وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"۔

۳؎ یعنی حضور انور نے مجھے اس ارادے سے اور اس قبضہ سے روکا نہیں بلکہ تبسم فرمایا جس سے اجازت معلوم ہوئی کیونکہ کسی عمل کو دیکھ کر منع نہ فرمانا اجازت کی علامت ہے،محدثین اسے سنت سکوتی کہتے ہیں۔
۴؎ یعنی یہ حدیث مصابیح میں مکرر تھی کتاب القضا باب رزق ولاۃ میں بھی تھی اور یہاں بھی،میں نے صرف وہاں بیان کی یہاں سے اُڑا دی۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ نے مجھے تمام نبیوں پر بزرگی دی ۱؎ یا فرمایا کہ میری امت تمام امتوں پر بزرگی دی گئی ۲؎ اور ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرمادیں۳؎ (ترمذی)

۱؎ تمام نبیوں پر بے شمار بزرگیاں بخشیں،حضور کو آخری نبی،تمام خلق کا نبی،ہمیشہ تک کا نبی بنایا،رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین قرار دیا،تمام انبیاءورسل کل قیامت میں حضور کے جھنڈے تلے ہوں گے۔غرضیکہ ان کو وہ بزرگیاں بخشیں جو مخلوق کے وہم و گمان سے وراء ہیں یا دینے والا رب جانے یا لینے والا محبوب۔شعر

ندانم کدامی سخن گویمت　　　که بالا تری زانچه من گویمت

حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

۲؎ چونکہ یہ امت خیرالرسل کی امت ہے اس لیے تمام امتوں سے افضل ہے،رب فرماتاہے:"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ"شعر

لما دعا اللہ راعینا لدعوته　　　بافضل الرسل کنا افضل الامم

یعنی جب اللہ تعالٰی نے ہمارے رسول کو افضل رسل کہا تو ہم افضل امم ہوگئے۔خیال رہے کہ جیسے حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے حضور کی نسبت سے یوں ہی حضور کے والدین تمام نبیوں کے غیر نبی والدین سے،حضور کے صحابہ تمام صحابہ سے،حضور کے اہل بیت تمام نبیوں کے اہل بیت سے،حضور کا زمانہ تمام زمانوں سے،حضور کا شہر مدینہ تمام نبیوں کے شہروں سے غرضیکہ حضور کی ہر منسوب چیز دیگر انبیاء کرام کی ہر چیز سے افضل ہے،حضور کی ازواج پاک تمام نبیوں کی ازواج سے افضل،رب تعالٰی فرماتاہے:"يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ"۔
۳؎ یعنی اس امت کی بہت سی خصوصیات ہیں:ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف اس امت کے لیے جہاد کی غنیمتیں حلال کی گئیں پچھلی امتوں میں جہاد تھا مگر غنیمتیں حلال نہ تھیں جیسے قربانی کا گوشت کہ صرف ہمارے لیے حلال ہوا۔لنا میں حضور انور نے اپنی ذات کریم کو بھی امت کے ساتھ ذکر فرمایا کرم نوازی کے طور پر۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یعنی حنین کے دن فرمایا کہ جو کسی کافر کو قتل

کرے تو اس کافر کا سامان اسی کا ہوگا۱ چنانچہ اس دن ابو طلحہ نے بیس آدمی مارے اور انکے سامان لئے۲(دارمی)	

۱ مَن کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مسلمان جہاد میں کافر کو قتل کرے اسے مقتول کا سامان ملے گا خواہ وہ غنیمت کے حصہ کا مستحق ہو یا نہ ہو لہذا غلام،بچہ،عورت،نوکر،تاجر وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔بعض نے فرمایا کہ مَن سے مراد صرف مجاہدین ہیں یعنی غنیمت کے حصے کے مستحق لوگ مگر اول احتمال قوی معلوم ہوتا ہے۔اسی سلب کے بارے میں اماموں کا اختلاف ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ احناف کے ہاں یہ قانون شرعی نہیں، اگر حاکم جہاد میں یہ اعلان کردے تو ملے گا ورنہ نہیں،شوافع کے ہاں یہ قانون ہے۔

۲ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف ایک سلب کے لیے نہیں جتنے مقتول مارے سب کا سامان لے۔سامان میں سواری،کپڑے،زیور،ہتھیار سب داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی۱ اور خالد ابن ولید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے سامان کا فیصلہ قاتل کے لیے کیا اور اس سامان سے خمس نہ لیا۲(ابوداؤد)	

۱ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ غزوہ خیبر میں شریک رہے اور فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا شام میں قیام رہا، وہاں ہی ۷۳ھ میں وفات پائی اور حضرت خالد ابن ولید تو آسمان تاریخ پر سورج کی طرح چمک رہے ہیں،امت رسول اللہ کے بڑے بہادر صحابی،جماعت صحابہ میں بڑے پایہ کے صحابی ہیں، آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲ یعنی سارا سلب قاتل غازی کو بخشا اس سے خمس بھی نہ لیا غنیمت میں خمس لیا جاتا ہے اس میں نہیں،اس کی تفصیل پہلی فصل میں گزر چکی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ابوجہل کی تلوار عطا فرمائی اور اسے انہی نے قتل کیا تھا ۱(ابوداؤد)	

۱ ابوجہل کو قتل تو کیا تھا دو انصاری بچوں نے جب حضرت ابن مسعود اس پر پہنچے تو وہ سسک رہا تھا آپ نے اس کا سر تن ناپاک سے جدا کیا لہذا یہ حدیث اس آنے والی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ان دو بچوں کو قاتل فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت عمیر سے جو ابی اللحم کے مولیٰ ہیں۱ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مولاؤں کے ساتھ خیبر میں حاضر ہوا تو ان مولاؤں نے میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کی۲ اور عرض کیا کہ	

	میں غلام ہوں تو میرے متعلق حکم دیا مجھے ایک تلوار پہنادی گئی تو میں اسے کر ہیٹر تا گھسیٹتا تھا۳ پھر میرے لیے کچھ معمولی سامان کا حکم دیا۴ اور میں نے حضور پر ایک منتر پیش کیا جو میں دیوانوں پر کرتا تھا تو حضور نے مجھے کچھ نکال دینے کا حکم دیا اور کچھ کے باقی رکھنے کا ۵(ترمذی،ابوداؤد) مگر ابوداؤد کی روایت ان کے قول متاع پر ختم ہوگئی۔

۱ حضرت عمیر اس وقت غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے،انہیں اس وقت مولیٰ(مفتی)فرمانا آئندہ کے لحاظ سے ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

۲ یا غزوہ میں بھرتی فرمالینے کی سفارش کی یا میری بہادری کی کچھ تعریف کی، دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۳ یہ تلوار کی عطا جہاد سے پہلے یا دوران جہاد میں تھی کہ حضور انو رکی طرف سے مجھے تلوار پہنائی گئی مگر میں اتنا چھوٹا یا پست قد تھا کہ تلوار میرے جسم کے نیچے گھسٹتی تھی۔

۴ خرثی خ کے پیش ر کے جزم سے بمعنی سرخ چیونٹی،اب اصطلاح میں معمولی اور چھوٹی چیز کو کہتے ہیں۔متاع سے مراد گھر کا سامان جیسے ہانڈی لوٹا وغیرہ یعنی مجھے بعد جہاد تقسیم غنیمت کے وقت کچھ معمولی سامان بطور عطیہ عنایت فرمایا باقاعدہ حصہ نہ دیا کیونکہ غلام کو غنیمت کا حصہ نہیں ملتا۔

۵ یعنی مجھے کچھ دم یاد تھا جو دیوانوں پر پڑھ کر دم کیا کرتا تھا جب حضور انور پر پیش کیا تو ناجائز یاشرکیہ کفریہ الفاظ کے نکال دینے کا حکم دیا اور جو الفاظ جائز تھے ان کے باقی رکھنے کی اجازت دی۔قرآنی آیات اور منقولہ دعاؤں کے علاوہ تمام وظیفوں کا یہ ہی حکم ہے کہ جائز الفاظ باقی رکھے جائیں ناجائز نکال دیئے جائیں۔ان شاءاللہ اس کی تحقیق باب الرقی میں آئے گی۔

	روایت ہے حضرت مجمع ابن جاریہ سے۱ فرماتے ہیں کہ خیبر حدیبیہ والوں پر بانٹ دیا گیا۲ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھارہ حصوں پر تقسیم فرمایا اورلشکر پندرہ سو نفری تھا جن میں تین سو سوار تھے تو سوار کو دو حصے عطا فرمائے اور پیادہ کو ایک حصہ ۳(ابوداؤد)اور ابوداؤد نے کہا کہ ابن عمر کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اس پر عمل ہے ۴ مجمع کی حدیث میں وہم یہ ہوگیا کہ انہوں نے کہا تین سو سوار حالانکہ تھے دوسو سوار ۵

۱ مجمع میم کے پیش سے جیم کے فتحہ سے دوسری میم کے شد سے،آپ خود تو صحابی ہیں مگر آپ کا باپ جاریہ سخت منافق تھا، ان منافقوں میں سے تھا جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔حضرت مجمع مدنی ہیں، قاری قرآن تھے،حضرت عبداللہ

ابن مسعود نے نصف قرآن آپ سے ہی سیکھا تھا،امیر معاویہ کی خلافت کے آخری دور میں وفات پائی۔(اکمال،مرقات،اشعہ)رب کی شان ہے کہ باپ منافق بیٹا مخلص"یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ"۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین خیبر کا آدھا حصہ اپنے واسطے رکھا اور آدھا حصہ مجاہدین میں تقسیم فرمایا اور آدھے حصے کی تقسیم کا یہاں ذکر ہے،فتح خیبر صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ہوئی،اس جنگ میں صرف حدیبیہ والے صحابہ ہی شریک کیے گئے اور کسی کو شرکت کی اجازت نہ دی گئی تھی اس لیے تقسیم بھی انہیں میں ہوئی اس کا ذکر سورۂ فتح شریف میں ہے۔(از اشعہ،مرقات)

۳؎ یعنی حضور انور نے اس نصف خیبر کے اٹھارہ حصے کیے جو غازیوں میں تقسیم کے لیے تھا،ایک حصہ سو غازیوں کے لیے مقرر فرمایا۔غازیان خیبر کل پندرہ سو تھے جن میں سے تین سوسوار اور بارہ سو پیادہ۔ان تین سو سواروں کو چھ حصے(پلاٹ)بخشے اور بقیہ بارہ سو پیادوں کو بارہ حصے یعنی بارہ پلاٹ عطا فرمائے تو پیادوں میں سے ایک پلاٹ سو غازیوں کو عطا فرمایا اور سواروں میں سے ایک پلاٹ پچاس غازیوں کو بخشالہٰذا چھ پلاٹ ان کے اور بارہ پلاٹ پیادوں کے لہٰذا سوار کو دوگنا دیا گیاپیادہ کو اکہرا۔یہ حدیث حضرت امام اعظم کی دلیل ہے کہ سوار غازی کو پیادہ غازی سے دوگنا ملتا ہے،امام شافعی کے ہاں سوار کو تگنا ملتا ہے ان کے حساب سے خیبر کے اکیس حصے ہونے چاہئیں تھے تین سو غازی سواروں کے نو حصے اور بارہ سو کے بارہ پلاٹ مگر حصے ہیں اٹھارہ۔

۴؎ یعنی مجمع کی حدیث سے حضرت ابن عمر کی حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ سوار کے تین حصے ہیں جو ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔ہم نے وہاں ہی عرض کردیا کہ حدیث ابن عمر میں تعارض ہے،آپ سے دوگنے حصہ کی روایت بھی ہے لہٰذا کم کی روایت پر احناف نے عمل کیا کہ کم یقینی ہے زائد مشکوک ہے۔دوسرے اماموں نے زیادہ کی مشکوک روایت پر عمل فرمایا۔

۵؎ مگر اس حساب سے بھی یہ تقسیم صحیح نہیں ہوتی کیونکہ غازیان خیبر کل پندرہ سو تھے، اگر دوسو سوار ہوں اور ان کے حصے چھ پلاٹ ہوں تو باقی پیادہ غازی تیرہ سو ہوئے انہیں تیرہ پلاٹ ملنے چاہئیں۔تو کُل انیس پلاٹ ہوتے ہیں حالانکہ حضور انور نے اٹھارہ پلاٹ تقسیم فرمائے۔خیال رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے کہ سوار غازی کے دو حصے ہیں۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت حبیب ابن مسلمہ فہری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابتداء میں حضور نے چہارم نفل دیا اور لوٹنے پر تہائی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ قرشی فہری ہیں،آپ کو حبیب روم کہا جاتا تھاکیونکہ آپ نے روم پر بہت جہاد کیے،بڑے بزرگ مقبول الدعاء صحابی ہیں ۴۲ھ میں شام میں وفات پائی۔(اکمال،اشعہ،مرقات)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو الجزائر پر حاکم بنایا تھا۔

۲؎ جب فریقین کے لشکروں کا کچھ حصہ میدان جنگ میں پہنچ چکا ہو باقی لشکر پیچھے آرہا ہو اسے بدء کہتے ہیں اور جب لشکر جہاد سے واپس لوٹ جائیں کچھ لوگ وہاں رہ گئے ہوں اسے رجوع کہتے ہیں۔بدء والوں کی جنگ آسان ہے کہ لشکر پیچھے

آرہا ہے ان کی مدد مل جاوے گی مگر رجعت والوں کا جہاد بہت مشکل کہ انہیں مدد ملنے کی امید نہیں کہ لشکر جاچکا اس لیے حضور انور نے بدء والوں کو کم نفل دیا یعنی چہارم اور رجوع والوں کو زیادہ دیا یعنی کل غنیمت کا تہائی۔

روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہارم نفل دیتے تھے خمس کے بعد اور جب لوٹتے تو تہائی نفل دیتے تھے خمس کے بعد ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر کسی کوغنیمت کے مال سے نفل دیتے تو خمس نکال کردیتے تھے خواہ چہارم عطا فرمادیں یا تہائی اس طرح کہ اولًا تمام غنیمت سے خمس نکال لیا پھر بقیہ چار حصوں میں سے یہ نفل دی پھر بقیہ غنیمت غازیوں پر تقسیم فرمادیا لیکن سلب یعنی مقتول کے سامان سے خمس نہ لیتے تھے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور انور سلب سے خمس نہ لیتے تھے۔بعض شارحین نے اس جملہ کے معنی یہ کیے ہیں کہ یہ نفل خمس میں سے عطا فرماتے تھے یعنی اولًا تمام غنیمت سے خمس نکال لیا پھر اس خمس کا چہارم یا تہائی خاص بہادروں کو نفل کے طریق پر عطا فرمایا مگر یہ معنی بہت بعید ہیں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوجویریہ جرمی سے کہ میں نے سلطنت معاویہ کے زمانہ میں ۱؎زمین روم میں ایک سرخ گھڑا پایا جس میں اشرفیاں تھیں اور ہمارے حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب تھے نبی سلیم کے جنہیں معن ابن یزید کہا جاتا تھا ۲؎میں وہ سب ان کے پاس لایا آپ نے وہ مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردیا اور اس میں سے مجھے اتنا ہی دیا جتنا ان میں سے ایک شخص کو دیا۳؎ پھر فرمایا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے نہ سنا ہوتا کہ نہیں ہے نفل مگر خمس کے بعد تو میں تم کو دے دیتا۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام حطان ابن خفاف ہے،قبیلہ جرم سے ہیں،تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن مسعود اور معن ابن یزید سے سماع ثابت ہے، بصرہ کے باشندے،حضرت ابن عباس اور عبادہ ابن صاعت سے بھی ملاقات ہے،ثقہ ہیں۔

۲؎ یعنی امیر معاویہ کی سلطنت و حکومت کے زمانہ میں ملک روم پر غزوات ہوئے ان میں سے ایک غزوہ میں بھی شریک تھا جس میں یہ واقعہ میرا پیش آیا،یہ واقع فتح قسطنطنیہ کا نہیں کیونکہ اس غزوہ میں معن ابن یزید سپہ سالار نہ تھے بلکہ یزید ابن معاویہ سپہ سالار تھا،یہ غزوہ ۵۱ھ اکیاون ہجری میں ہوا،اس لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاری اور امام حسین اور عبداللہ ابن عباس،عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن زبیر جیسے حضرت سپاہیانہ شان سے شامل ہوئے۔(البدایہ والنہایہ جلد۸ص۱۵۱حاشیہ بخاری،اکمال)لہذا یہ غزوہ ہے تو روم پر ہی مگر فتح قسطنطنیہ کا غزوہ نہیں۔

۳؎ معن ابن یزید ابن اخنس سلمی خود بھی صحابی والد بھی دادا بھی،بدر میں حاضر ہوئے کوفہ میں قیام رہا بہت شاندار صحابی ہیں۔(اکمال) یعنی مجھے اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا مل گیا۔غنیمت میں حاصل نہ کیا گیا تھامیں وہ گھڑا اسی طرح سپہ سالار کے پاس لایا۔

۴؎ یعنی اس گھڑے میں آپ نے دو عمل کیے:ایک یہ کہ اس میں سے خمس نہ لیا۔دوسرے یہ کہ مجھے کچھ بھی زیادہ نہ دیا سب غازیوں کی برابر دیا۔

۵؎ اس جملہ کے بہت سے معنے کیے گئے ہیں۔قوی معنی وہ ہیں جو شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمائے وہ یہ کہ یہ مال غنیمت نہیں بلکہ فئ ہے جو بغیر لڑے کفار سے حاصل ہوا ہے اور غنیمت میں دو چیزیں ایسی ہیں جو فئ میں نہیں:ایک یہ کہ غنیمت سے خمس لیا جاتا ہے کہ پانچواں حصہ اللہ رسول کا،باقی چار حصے مجاہدین کے۔دوسرے یہ کہ غنیمت میں نفل بھی دیا جاسکتاہے،فئ میں سے نہ خمس لیا جائے نہ نفل دیا جائے اس لیے میں تم کو کچھ زیادہ نہیں دے سکتا، اگر یہ مال قابل خمس ہوتا تو میں تم کو نفل بھی دیتااب سب مجاہدین کو برابر ہی دوں گا لہذا یہاں **لاعطیتك نفلًا** تھا۔**نفلًا** محذوف ہے۔مرقات نے ایک معنی یہ بھی بیان کیے کہ نفل خمس کے بعد ہی ہوتا ہے اور خمس جب لیا جاتا ہے جب وہ مال دار اسلام میں محفوظ ہوجائے،ابھی یہ مال وہاں پہنچا نہیں لہذا نہ قابل خمس ہے نہ قابل نفل،مرقات نے اس توجیہ کو پسند فرمایا۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ ہم آئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پایا جب آپ نے خیبر فتح فرمایا۱؎ تو حضور نے ہمارے لیے بھی حصہ مقرر فرمایا کہ اس میں سے ہم کو بھی دیا اور جو فتح خیبر سے غائب رہا تھا اسے غنیمت سے کچھ نہ دیا سوائے ان کے جو آپ کے ساتھ حاضر ہوا سوا ہماری کشتی والوں جعفر اور انکے ساتھیوں کے کہ ان کے ساتھ ان کا بھی حصہ کیا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضرت ابو موسیٰ اشعری یمن کے رہنے والے تھے،مکہ معظمہ میں آکر مسلمان ہوگئے،پھر یمن چلے گئے،پھر وہاں سے بارادہ ہجرت مدینہ منورہ براستہ دریا روانہ ہوئے،باد مخالف نے ان کی کشتی کو بجائے مدینہ منورہ کے حبشہ میں جا پھینکا،وہاں جعفر اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ساتھ ہجرت کرکے آئے،اتفاقًا فتح خیبر کے دن خیبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے،حضور انور کو ان لوگوں کی آمد سے بہت ہی خوشی ہوئی۔حضرت ابو موسیٰ اشعری سے یہاں پہنچنے کے متعلق اور روایات بھی ہیں مگر یہ روایت حاشیۃ اللمعات میں منقول ہےاور صحیح شرح بعض روایات میں ہے۔حضرت ابوموسیٰ پہلے حبشہ میں ہجرت کر گئے تھے،پھر وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

۲؎ یعنی خیبر کی غنیمتوں سے حصہ صرف ان مجاہدین کو ہی دیا جو اس غزوہ میں ہی شریک تھے صرف ہماری جماعت وہ تھی جو غزوہ میں شریک نہ ہوئی اور اسے غنیمت کا حصہ ملا۔احناف کے نزدیک اس حصہ دینے کی وجہ انکی خصوصیت ہے کہ سرکار انور نے غازیوں سے اجازت لے کر ان حضرات کو بھی حصہ دے دیا جیسے کہ غازیان حنین سے اجازت لے کر ہوازن کو ان کے قیدی واپس فرمادیئے،امام شافعی کے ایک قول میں اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات اگرچہ فتح خیبر کے بعد پہنچے لیکن ابھی مال غنیمت جمع نہ کیا گیا تھا کہ یہ لوگ پہنچ گئے۔اس بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ اگر جہاد کے بعد غازیوں کو کمک پہنچے جب کہ غنیمت اکٹھی نہ کی گئی ہو تو ان کمک والوں کو بھی غنیمت سے حصہ ملے گا۔حضور انور نے ان بزرگوں کو کمک قرار دیا، بعض نے فرمایا کہ حضور انور نے انہیں یہ حصہ اپنے خمس میں سے دیا جو آپ کا اپنا حصہ تھا مگر پہلی توجیہ بہت قوی ہے اس لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فخریہ طور پر اس واقعہ کا ذکر فرمایا۔معلوم ہوا کہ یہ حصہ عطا ہونا ان کی خصوصیات سے ہے۔خیال رہے حضرت ابو موسیٰ مع اپنے دو بڑے بھائیوں کے قریبًا پچپن آدمی یمن سے حبشہ پہنچے تھے وہاں سے خیبر۔(مرقات)

	روایت ہے یزید ابن خالد سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص خیبر کے دن وفات پاگیا لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا تم لوگ اپنے صاحب کے لیے نماز پڑھ لو اس سے لوگوں کے منہ کے رنگ بدل گئے ۲؎ تو فرمایا کہ تمہارے اس صاحب نے راہِ خدا میں خیانت کی ہے ۳؎ چنانچہ ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو ہم نے کچھ منکے یہود کے منکوں سے پائے جو دو درہموں کے برابر نہ تھے ۴؎(مالک،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہاں مؤلف سے خطا ہوگئی،یزید ابن خالد کوئی صحابی نہیں بلکہ آپ زید ابن خالد ہیں،ان کی کنیت ابو طلحہ ہے یا ابو عبدالرحمٰن جہنی ہیں،کوفہ میں رہے،پچاسی سال عمر پائی، ۸۵ھ پچاسی ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ افسوس یا حیرت کی وجہ سے کہ حضور انور نے خود ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی حاضرین صحابہ سے پڑھوادی۔معلوم ہوا کہ حضور ناراض ہیں یہ حضور کا نماز نہ پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے سرکار عالی نے مقروض میت کی نماز نہ پڑھی صحابہ کرام سے پڑھوادی۔

۳؎ یعنی غنیمت میں خیانت کی اور غنیمت کا مال راہِ خدا کا مال ہے۔

۴؎ یعنی اس مرنے والے نے نہایت معمولی قیمت کے کچھ چھوٹے موتی تقسیم سے پہلے لے لیے تھے اس معمولی چیز کی وجہ سے حضور کی نماز سے محروم ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ جرم گناہ صغیرہ ہے جو ایک بار ان صحابی سے سرزد ہوا،لہذا یہ فسق نہیں تمام صحابہ عادل ہیں۔فسق کے معنی ہیں گناہ کبیرہ کرنا یا گناہ صغیرہ ہمیشہ کرتے رہنا۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کے صحابہ کو فسق سے بچایا ہے "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" لہذا وہ مقروض صحابہ جن پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز نہ پڑھی اور یہ صحابی ان کی صحابیت مقبولیت یقینی ہے۔حضور انور کی یہ سرزنش فرمانا ہم لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے گندم کھالینے سے آدم علیہ الاالسلام نبی ہی رہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غنیمت حاصل فرماتے تو بلال کو حکم دیتے وہ لوگوں میں اعلان کرتے لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے آپ خمس نکال لیتے اور اسے تقسیم فرمادیتے۱ ایک دن ایک شخص بالوں کی لگام اس کے بعد لایا۲ بولا یا رسول اللہ یہ بھی اس ہی غنیمت سے ہے جو ہم نے حاصل کی تھی تو فرمایا کہ کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ بلال نے تین آوازیں دیں تھیں بولا ہاں فرمایا تو تجھے اس کے لانے سے کس نے روکا وہ عذر کرنے لگا۳ فرمایا تم یوں ہی رہو کہ اسے قیامت کے دن لاؤ گے۴ میں تم سے ہرگز قبول نہ کروں گا۵(ابوداؤد)

۱ یعنی صحابہ کرام فتح سے فارغ ہوکر کفار کے چھوڑے ہوئے مالوں پر قبضہ کرلیتے تھے،پھر یہ مقبوضہ مال دارالاسلام میں لے آتے تھے،پھر حضرت بلال اعلان فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ جس کے پاس جو مال غنیمت ہو وہ حاضر کرو۔چنانچہ سب لوگ حضور کے پاس مال جمع کردیتے پھر حضور یہ عمل فرماتے تھے۔

۲ یعنی مال غنیمت جمع ہوچکنے خمس نکالنے تقسیم کردینے کے بعدلایا۔

۳ یعنی اس نے کوئی ایسا عذر کیا جو قابل سماع نہ تھااس طرح کہ کوئی بہانہ بنایاشرمندگی مٹانے کے لیے مگر خبیروعلیم کے سامنے کیا چلے۔

مصرع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

۴ یعنی اب تم اسے اپنے پاس ہی رکھو تم ہی استعمال کرو۔یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لیے ہے انہیں مالک بنادینے کے لیے نہیں اور وہ صاحب اس فرمان عالی سے اس چیز کے مالک نہیں ہوگئےاور انہیں اس کا استعمال جائز نہ ہوگیا۔

۵ کیونکہ اس لگام میں تمام مجاہدین کا حصہ تھا اور وہ سب حضرات متفرق ہوگئے نہ معلوم یہ کس کے حصہ میں آتی،اب ہم کس سے معافی دلوادیں۔خیال رہے کہ یہ سب کچھ بھی اظہار ناراضی کے لیے ہے۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس جرم کی توبہ ہی نہیں ہوسکتی توبہ تو کفر سے بھی ہوجاتی ہے۔خیال رہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر غاصب کو توبہ کی توفیق ملے مگر مال مغصوبہ کا مالک نامعلوم ہو یا غائب ہوچکا ہو تو اس کے نام پر یہ چیز خیرات کردی جائے لیکن اگر خیرات کرنے کے بعد پھر مالک آجائے تو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔یہ فقہی مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ یہاں مقصود ہے اظہار غضب اور ہم جیسوں کوغصب سے ڈرانا۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد

سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور حضرت عمر نے غلول کرنے والے کا سامان جلایا اسے مارا [1] (ابوداؤد)	

[1] اس حدیث کی بنا پر خواجہ حسن بصری وغیرہم فقہاء نے فرمایا کہ سوا جانور،غلام،قرآن مجید کے باقی سامان مغصوبہ جلا دیا جائے۔امام احمدواسحاق نے فرمایا کہ یہ مال مغصوبہ نہ جلایا جائے کہ یہ تو مجاہدین کا حق ہے۔غاصب کا خود اپنا وہ مال جلادیا جائے جسے لےکر وہ میدانِ جہاد میں گیا تھا۔امام اعظم وشافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ عمل شریف زجر تھا اب اس کا کوئی مال جلایا نہ جائے گا بلکہ اسے تعزیر و سزادی جائی گی۔چنانچہ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ حضور انور نے غالی کو سزا دی مگر اس کا مال جلایا نہیں،نیز اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق عثمان غنی علی مرتضٰی نے بھی جلایا نہیں لہٰذا یہ عمل فقط زجروتوبیخ کے لیے تھا۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو کوئی غلول کرنے والے کو چھپائے تو وہ بھی اس ہی کی طرح ہے [1] (ابوداؤد)	

[1] کیونکہ جرم کی مددکرنا بھی جرم ہے اور مدد دینے والا مجرم۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے حصوں کی خریداری سے منع فرمایا [1] (ترمذی)	

[1] شری سے مراد بیچناوخریدنا دونوں ہیں یعنی کوئی غازی اپنا غنیمت کا مال تقسیم اور قبض سے پہلے فروخت نہ کرے اور نہ کوئی اسے خریدے کیونکہ تقسیم سے پہلے یہ اپنے حصہ کا مالک ہی نہیں اور غیر مالک فروخت نہیں کرسکتااور اگر اس طرح فروخت کیا کہ جو مجھے حصہ ملے گا وہ فروخت کرتا ہوں تو یہ مجہول و نامعلوم چیز کی بیع ہے یہ بھی ممنوع ہے،نیز کیا خبر کہ اسے غنیمت سے کچھ ملے گا یا نہیں،بہت دفعہ کسی وجہ سے غازی غنیمت سے محروم ہوجاتا ہے لہٰذا یہ بیع خطرناک بھی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے تقسیم سے پہلے حصوں کے بیچنے سے منع فرمایا [1] (دارمی)	

[1] اس کا مطلب اور وجہ ابھی بیان ہوچکے۔خیال رہے کہ زمین کا حصہ مشاع (غیرمقرر) فروخت ہوسکتا ہے جیسے مشترکہ زمین میں سے کوئی شریک اپنا حصہ فروخت کردے مگر وہاں جہالت سے جھگڑا نہیں ہوگا۔یہاں جھگڑا پیدا ہونے کا قوی امکان ہے اس لیے مکان یا دوکان کا حصہ مشاع بیچنا ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت خولہ بنت قیس سے [1] فرماتی ہیں میں	

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ مال سرسبز میٹھا ہے۲؎ جو اسے حق سے لے گا اسے اس میں برکت دی جائے گی۳؎ بہت وہ لوگ جو اللہ رسول کے مال میں گھس پڑتے ہیں جیسے ان کا دل چاہے قیامت کے دن ان کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ۴؎(ترمذی)	

۱؎ آپ کو خویلہ بھی کہا جاتا ہے جناب حمزہ کی زوجہ ہیں،قبیلہ وہینیہ سے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یہاں مال سے مراد مال غنیمت ہے یا مال سے مراد اموال جمع ہے اس لیے اسے مال مانا گیا اور **خضرۃ** مؤنث ارشاد ہوا،چونکہ لفظًا مذکر ہے اس لیے **اصابہ** وغیرہ صیغہ میں مذکر لائی گئیں۔غرضیکہ معنی سے مؤنث ہے لفظًا مذکر لہذا ضمیروں کے اختلاف سے اعتراض نہیں ہوسکتا یعنی یہ مال دیکھنے میں اچھے استعمال میں مزیدار معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر حرام ہوں تو ہیں بڑے خطرناک۔

۳؎ حق سے مراد جائز ذریعہ ہے یا اپنا استحقاق یعنی اگر مال حلال راستے سے آئے تو برکت والا ہے ورنہ ہلاکت۔اگر ہوا باغ کے راستہ سے آئے تو بیماروں کو شفا دے دیتی ہے،اگر روڑی کے راستے سے آئے تو تندرستوں کو بیمار کردیتی ہے۔

۴؎ **تخوض** بنا ہے **خوض** سے بمعنی پانی میں گھس جانا جیسے بغیر سوچے سمجھے پانی میں گھس جانا باعث ہلاکت ہے کہ ڈوب کر یا لہروں سے یا بہ کر انسان مر جاتا ہے یوں بغیر تحقیق کیئے ہر طرح مال لے لینا کا باعث ہلاکت ہے۔خیال رہے کہ حضور انور نے مال کو سبزے سے تشبیہ دی کہ جیسے سبزہ جلد خشک ہوجاتا ہے یوں ہی مال بہت جلد ختم ہوجاتا ہے اس کے لیے اپنا ایمان و تقویٰ برباد کرلینا اللہ رسول کو ناراض کرلینا سخت غلطی ہے۔اس افصح الناس کی فصاحت پر قربان صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے بدر کے دن تلوار ذوالفقار خود بطور نفل قبول فرمائی ۱؎ ابن ماجہ،ترمذی نے یہ زیادتی بھی کی کہ یہ وہ ہی تلوار ہے جس کے متعلق حضور نے احد کے دن خواب دیکھا تھا ۲؎	

۱؎ **تنفل** بنا ہے **نفل** سے،اس کے معنی ہیں نفل یعنی زیادتی قبول فرمانا لے لینا۔ **تنفیل** باب تفعیل کے معنی ہوتے ہیں دوسرے کو نفل دینا یعنی حضور اقدس نے خود یہ تلوار قبول فرمائی اسے شریعت میں صفی کہتے ہیں یعنی حضور انور کا پسند فرمایا ہوا مال۔**فقار** جمع ہے **فقرہ** کی بمعنی جوڑ اس لیے عبارت کے جملے کو فقرہ کہا جاتا ہے، چونکہ اس تلوار میں جوڑ تھے، پرت پرت جیسے ہاکی کی لکڑی یا اس میں منکے موتی ایسے جڑے ہوئے تھے جیسے پیٹھ کی ہڈی اس لیے اسے ذوالفقار یعنی جوڑوں والی تلوار کہا جاتا تھا۔یہ تلوار عنبہ ابن حجاج کافر کی تھی جو بدر میں مارا گیا پھر حضور انور کے پاس رہی،حضور انور اس تلوار سے جہاد فرماتے تھے،کچھ عرصہ بعد حضور نے یہ ذوالفقار علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔(اشعہ

و مرقات)امام ابوجعفر محمد ابن علی باقر سے روایت ہے کہ بدر کے دن ایک فرشتہ نے پکارا تھا لاسیف الاذوالفقار لافتی الاعلی۔(مرقات)اب لوگوں نے اسےاس طرح بنالیا۔شعر

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافتی الاعلی لاسیف الاذوالفقار

۲؎ حضور انور نے غزوہ احد سے پہلے خواب دیکھی تھی کہ ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے ہم نے ہلائی تو اس کا درمیانہ حصہ ٹوٹ گیادوبارہ ہلائی تو پہلے سے بھی اچھی ہوگئی وہ خواب اسی تلوار کے متعلق تھی کہ ٹوٹی اور جڑ گئی۔تعبیر دی تھی کہ احد میں مسلمانوں کو تکلیف ہوگی،پھر پہلے سے بھی اچھے ہوجائیں گے،ایسا ہی ہوا کہ احد میں تکلیف پائی پھر ہر میدان جیتا۔

	روایت ہے حضرت رویفع ابن ثابت سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمانوں کی غنیمت سے کسی گھوڑے پر سوار نہ ہو کہ جب اسے دبلا کردے تو غنیمت میں لوٹا دے ۲؎ اور جو شخص ایمان رکھتا ہو اللہ اور آخری دن پر تو وہ مسلمانوں کی غنیمت سے کپڑا نہ پہنے کہ جب اسے پرانا کردے تو غنیمت میں لوٹا دے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ صحابی ہیں،انصاری ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے طرابلس کے حاکم رہے،۴۶ھ میں امیر معاویہ کے حکم سے افریقہ فتح فرمایا،۴۷ھ میں فتح افریقہ ہوا،۵۴ھ شام میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی کوئی غازی تقسیم سے پہلے مال غنیمت کا گھوڑا بلا ضرورت استعمال نہ کرے کہ اسے دبلا کرکے پھر واپس غنیمت میں رکھ دے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایسے گھوڑے پر جہاد کرنا جائز ہے کہ یہ ضرورت استعمال ہے اور بلا ضرورت بھی،اگر کچھ سواری کرلے جس سے گھوڑا کمزور نہ ہوجائے جائز ہے۔(اشعہ)

۳؎ یعنی غنیمت کے مال کا کپڑا قبل تقسیم بلاضرورت استعمال نہ کرو اور ایسی حرکت نہ کرو کہ کپڑا پرانا کرکے پھاڑ کر پھر واپس کردو۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن ابی المجالد سے وہ عبداللہ ابن ابی اوفی سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کیا آپ لوگ ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھانے سے خمس نکالا کرتے تھے ۳؎ وہ بولے کہ ہم نے خیبر کے دن کھانا پایا تو کوئی شخص آتا تو اس ہی سے اپنی کفایت کی بقدر لے لیتا پھر لوٹ جاتا ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ محمد ابن ابی المجالد تابعی ہیں،کوفہ کے رہنے والے ہیں،بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے اور عبداللہ ابن ابی اوفی مشہور صحابی ہیں،انصاری ہیں،احد اور بعد احد غزوات میں شریک ہوئے، ۸۷ھ چون میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ محمد ابن ابوالمجالد نے حضرت عبداللہ ابن اوفی صحابی سے تمام صحابہ کرام کا عمل پوچھا اس نے **کنتم** اور **تخمسون** جمع بولا۔

۳؎ **طعام** سے مراد سے پکا ہوا کھانا اور سبزیاں اور سبز میوے جو جلد خراب ہوجاتے ہیں کہ ان میں بھی خمس کے بعد تقسیم غنیمت ہوتی تھی یا ان چیزوں میں آزادی تھی۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی غنیمت سے خمس نہ لیا جاتا تھالیکن ہر مجاہد اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا اور ذخیرہ کرکے گھر نہ لاتا تھا وہاں ہی استعمال کرلیتا تھا اس کا تفصیلی بیان گزرچکا یعنی ان ضروریات سے جو باقی بچتا تھا اس سے خمس نہ لیا جاتا تھا تقسیم باقاعدہ کیاجاتا تھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لشکر نے کھانا اور شہد غنیمت میں حاصل کیا تھا تو اس سے خمس نہ لیا گیا ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو غلہ شہد وغیرہ کھالیا گیا اس میں سے خمس نہ لیا گیا،اس طعام میں کھائے ہوئے دانے کھائے ہوئے جانور وغیرہ سب داخل ہیں۔

	روایت ہے حضرت قاسم مولیٰ عبدالرحمٰن سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ میں ایک اونٹ کھا لیا کرتے تھے اسے تقسیم نہ کرتے تھے کہ حتی جب ہم اپنی منزل کی طرف لوٹتے اس طرح کہ ہماری خورجیاں اس سے بھری ہوتیں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ قاسم تابعی ہیں،شامی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن،آپ کی ملاقات چالیس صحابہ کرام سے ہے، ۱۲۲ھ ایک سو بائیس ہجری میں وفات پائی،آپ کی اکثر روایات حضرت علی سلمان،معاویہ اور عمرو بن عبسہ سے ہیں۔(اشعہ) آپ کے مولیٰ کا نام عبدالرحمٰن ابن خالد ہے وہ تابعی ہیں،ان کی ملاقات حضرت ابو امامہ سے ہے۔

۲؎ **اخرجه** جمع **خرج** کی خ کے پیش سے بمعنی گون،بوری،توبڑے اور منزل سے مراد اپنا وطن کا گھر نہیں بلکہ بحالت سفر خیمہ مراد ہے جہاں مسافر عارضی ٹھہرتے ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہم خیمے والے مسافروں میں سے ایک آدمی اس اونٹ کے گوشت سے بوری بھر لاتا تھا اپنے سارے خیمہ والوں کا حصہ۔فقہاء فرماتے ہیں کہ غازی بچا ہوا کھانا چارہ وغیرہ غنیمت میں واپس کرے۔فقہا کا یہ فتویٰ اس حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ نبی صلی اللہ

	علیہ وسلم فرماتے تھے کہ دھاگہ اور سوئی تک ادا کرو۱ اور خیانت سے بچو کہ یہ خیانت قیامت کے دن خائن پر عار ہوگی ۲(دارمی)

۱ مرقات میں فرمایا کہ **خیاط** اور **مخیط** دونوں کے معنی ہیں دھاگہ،**خیاط** جمع **خیط** نہیں ہے۔سنا ہے کہ اس کی جمع **خیوط** یا **اخیاط** آتی ہے نہ کہ **خیاط** یہ تکرار تاکید کے لیے ہے مگر اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ **مخیط** بروزن **منیر** ہے سینے کاآلہ یعنی سوئی،لہذا **اخیاط** کے معنی دھاگہ اور **مخیط** کے معنی سوئی لہذا تکرار میں مطلب یہ ہے کہ معمولی سے معمولی ادنی سے ادنی چیز بھی بغیر تقسیم نہ لو۔

۲ کیونکہ خیانت کا مال خائن کے کندھے پر ہوگا جسے یہ سخت مشکل سے اٹھائے پھرے گا،تکلیف بھی اٹھائے گا بدنام بھی ہوگا جیساکہ پہلے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا۔

	اور نسائی نے بروایت عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب ہوئے تو اس کے کوہان سے ایک بال لیا۱ پھر فرمایا اے لوگو اس فئ میں سے میرے لیے کچھ نہیں اور نہ یہ بال ۲ اور اپنی انگلی شریف اٹھائی سوائے خمس کے۳ اور خمس بھی تم پر ہی لوٹ جاتا ہے۴ لہذا سوئی دھاگہ بھی ادا کردو تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کے ہاتھ میں بالوں کی بنڈلی تھی بولا میں نے یہ لیا ہے تاکہ اس سے کمبل کو درست کروں ۵ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری یا عبدالمطلب کی اولاد کی ہو تو وہ تیرے لیے ہے ۶ وہ بولا کہ یہ اس حد تک پہنچی ہوئی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ۷(ابوداؤد)

۱ **دبرہ** خاص اونٹ کے بال کو کہتے ہیں اور شعر ہر بال کو کہاجاتا ہے،سنام اونٹ کی پیٹھ میں ابھری ہوئی ہڈی جسے کوہان کہاجاتا ہے۔

۲؎ یعنی حقیر سے حقیر اور معمولی سے معمولی چیز بھی غنیمت سے میرا حصہ نہیں،اس سے صفی مستثنٰی ہے۔صفی وہ چیز ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمالیں۔جیسے ابھی ذوالفقار کا واقعہ گزرا کہ وہ صفی تھی یا غزوہ خیبر میں بی بی صفیہ یہود کے سردار کی بیٹی تھیں ان کا حضور انور کے نکاح میں ہونا ہی موزوں تھا یا ذوالفقار کفار کے سردار کی تلوار حضور انور کے ہاتھ اس کا ہونا کفار کے زیادہ جلنے کا باعث تھا،بہرحال یہاں قانون کا ذکر ہے اور صفی کا اختیار فرمانا دائمی قانون نہ تھا کبھی اتفاقیہ تھا۔

۳؎ اشارہ کے لیے صرف ایک انگلی اٹھائی یعنی صرف ایک خمس ہی ہمارا حق ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

۴؎ یعنی وہ بھی تمہاری مصلحتوں میں ہی خرچ ہوتا ہے کہ اس خمس سے ہم جنگی سامان گھوڑے تیر وغیرہ خریدتے ہیں موقعہ بموقعہ مساکین کی مدد فرماتے ہیں۔

۵؎ یعنی یہ اونی دھاگہ کی گچھی ہے۔مقصود صرف یہ ہے کہ میرا کمبل پھٹا یا ادھڑا ہوا ہے اسے درست کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو لے لوں۔

۶؎ یعنی اگر یہ دھاگہ کی گچھی میرے خمس میں آگئی تو میری طرف سے تجھے اجازت ہوگی اور اگر میرے کسی عزیز مطلبی کو غنیمت کے حصے سے مل گئی تو میں ان کی طرف سے تجھے اجازت دیتا ہوں لیکن اگر کسی اور کے حصہ میں پہنچ گئی تو پھر تو جانے اور وہ مالک جانے۔

۷؎ یعنی جب اس معمولی چیز میں ایسی پابندی اور ایسی تنگی ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ پہلے تو کسی کی ملکیت میں آنے کا انتظار کروں پھر مالک سے خوشامد کرکے مانگوں یہ کہا اور گچھی وہاں ہی رکھ دی۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈر گیا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے کچھ اونٹوں کی طرف نماز پڑھائی ۱؎ پھر جب سلام پھیرا تو اونٹ کے کروٹ سے بال لیا پھر فرمایا کہ تمہاری غنیمتوں سے میرے لیے اتنا بھی حلال نہیں سوا خمس کے اور خمس بھی تم میں ہی لوٹایا جاتا ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ اس اونٹ کو سترہ بناکر اس کے پیچھے نماز پڑھائی۔معلوم ہوا کہ بیٹھے ہوئے جانور یوں ہی بیٹھے ہوئے انسان کی پیٹھ کو سترہ بنانا درست ہے۔

۲؎ یہ واقعہ دوسرا ہے اور جو پہلے مذکور ہوا اور واقعہ تھا یہ ہی ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرابت داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم فرما دیا ۲؎ تو میں اور حضرت عثمان ابن عفان حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ	

	ہمارے بھائی بنی ہاشم ہم ان کی بزرگی کے منکر نہیں آپ کے ہونے کی وجہ سے کہ رب نے آپ کو ان میں پیدا فرمایا ۳؎ہمارے بھائیوں بنی مطلب کے متعلق حضور فرمائیں کہ آپ نے انہیں دیا اور ہم کو چھوڑ دیا۴؎حالانکہ ہمارا ان کا رشتہ ایک ہی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنی مطلب اس طرح ایک ہیں اور اپنی انگلیوں کو مختلط فرمادیا ۵؎(شافعی،ابوداؤد)اور نسائی کی روایت میں اسی طرح ہے اور اس میں یہ ہے کہ میں اور بنی مطلب نہ دور جاہلیت میں الگ ہوئے نہ اسلام میں ہم اور وہ ایک ہی چیز ہیں اور اپنی انگلیوں شریف میں ۶؎اختلاط فرمادیا۔

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،نوفل ابن عبدمناف کی اولاد سے ہیں،عبدمناف کے چار بیٹے تھے ہاشم،مطلب،نوفل اور عبدشمس،حضرت جبیر تو نوفل کی اولاد سے تھے حضرت عثمان اور تمام بنی امیہ عبدشمس کی اولاد سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کی اولاد سے اسکی تفصیل پہلے فصل اول میں گزرچکی۔

۲؎اور نوفل و عبدالشمس کی اولاد کو اس خمس میں سے کچھ نہ دیا جیساکہ پہلے گزرچکا اور نوفل کی اولاد سے میں تھا،عبدشمس کی اولاد سے حضرت عثمان۔

۳؎یعنی اگرچہ نسبی رشتہ میں ہم سب حضور سے برابر تعلق رکھتے ہیں مگر بنی ہاشم کو اس لیے بزرگی ہے کہ حضور ان میں سے ہیں۔

۴؎ کیا ہم حضور کے ذی قرابۃ نہیں ہیں یقینًا ہیں تو حضور انور نے ہم کو ذی قربیٰ کا حصہ خمس سے کیوں نہ دیا۔

۵؎یعنی نسبت میں تم اور بنی مطلب برابر ہو مگر خدمت میں بنی مطلب تم سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ابتداء اسلام میں انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں،تم لوگ بعد میں اسلام میں داخل ہوئے۔بائیکاٹ کے زمانہ میں بنی ہاشم و مطلب ایک رہے مگر بنی نوفل اور بنی عبدشمس بائیکاٹ میں کفار کے ساتھ مل گئے لہذا ان کو تم پر فوقیت حاصل ہے۔

۶؎اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت ساتھ دینے والے بڑی قدرومنزلت کے مستحق ہیں،یہ لوگ چونکہ مصیبت کے ساتھی ہیں لہذا اس خمس کے حق دار ہیں۔اس کے متعلق فقہی احکام پہلے گزرچکے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عوف سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا تو میں نے

	اپنے داہنے بائیں دیکھا تو میں انصار کے دونو عمر بچوں کے درمیان تھا ۲؎ میں نے تمنا کی کہ میں ان سے بہادروں کے درمیان ہوتا ۳؎ ان دونوں میں سے ایک نے مجھے اشارہ کیا ۴؎ بولا اے چچا کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں ۵؎ میں بولا تجھے اس سے کیا کام ہے اے بھتیجے؟ وہ بولا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے جدا نہ ہوگا تاآنکہ ہم سے جلد موت والا مرجائے ۶؎ فرماتے ہیں میں نے اس پر تعجب کیا ۷؎ فرماتے ہیں کہ دوسرے نے بھی مجھے اشارہ کیا تو مجھے اس طرح کہا تو میں نہ ٹھہرا حتی کہ میں نے ابوجہل کو دیکھ لیا جو لوگوں کے بیچ گھوم رہا تھا ۸؎ تو میں بولا کیا تم دیکھتے نہیں یہ تمہارا وہ یار ہے ۹؎ جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے فرماتے ہیں کہ وہ دونوں اپنی تلواریں لے کر اس پر جھپٹے اسے مارا حتی کہ اسے قتل کردیا ۱۰؎ پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے حضور کو اس کی خبر دی ۱۱؎ تو فرمایا تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے تو ان میں سے ہر ایک بولا کہ اسے میں نے مارا ہے ۱۲؎ فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھ لی ہیں وہ بولے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواریں دیکھیں فرمایا تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے ۱۳؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلب کا فیصلہ معاذ ابن عمرو ابن جموح کے لیے کیا ۱۴؎ اور وہ دونوں صاحب معاذ ابن جموح اور معاذ ابن عفرا تھے ۱۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،زہری ہیں،قریشی ہیں،عشرہ مبشرہ سے ہیں،حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام لائے، صاحب ہجرتین ہیں کہ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ منورہ کی طرف تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،حضور انور نے غزوہ تبوک میں فجر کی ایک رکعت آپ کے پیچھے پڑھی،غزوہ احد میں بیس زخم کھائے۔بعض زخموں کی

وجہ سے آپ کا ایک پاؤں بیکار ہوگیا تھا، عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے، ۳۲ھ میں وفات ہوئی،بہتر۷۲ سال عمر پائی،مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

۲؎ جنگ بدر ۲ھ ماہ رمضان میں ہوئی جس میں مسلمان تین سو تیرہ تھے، کفار اوگا ساڑھے نو سے تھے، ابوسفیان کا قافلہ مل جانے کے بعد ایک ہزار ہوگئے تھے،مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ تلواریں تھیں،باقی غازیوں کے پاس کھجور کی لکڑیاں تھیں۔

۳؎ تاکہ جنگ کے وقت مجھے ان سے مدد ملتی کیونکہ سپاہی کو اپنے بازوؤں سے مدد ملتی ہے۔چونکہ وہ دونوں نو عمر تھے اس لیے حضرت عبدالرحمٰن نے انہیں کمزور سمجھا،نیز وہ دونوں انصار تھے اور بہادری میں مہاجرین مشہور تھے۔(مرقات)

۴؎ **غمز** کے معنی دبانے کے بھی ہیں اور آنکھ سے اشارہ کرنے کے بھی یہاں بمعنی دبانا ہے یعنی میرا ہاتھ دبا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر چپکے سے یہ پوچھا۔

۵؎ اہل عرب اپنے سے بڑے کو چچا کہہ کر پکارتے ہیں یہاں یہ ہی محاورہ استعمال ہوا ہے ورنہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رشتہ نسبی میں ان بچوں کے چچا نہ تھے،لشکر کفار سامنے تھا ان دونوں نے پوچھا کہ وہ جو سامنے لشکر ہے ان میں ابوجہل کون ہے۔

۶؎ **سبحان اللّٰه!** یہ ہے ایمان اور یہ ہے عشق رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم۔ابوجہل کو حضور انور کی شان میں گستاخیاں کرتے سنا تھا بلکہ یوں ہی اڑتی اڑتی خبر پہنچی تھی کہ تڑپ گئے اور مارنے مرنے کو تیار ہوگئے۔اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

قسم کھائی ہے دونوں نے کریں گے قتل ناری کو　　سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

۷؎ کیونکہ میں نے سمجھا کچھ تھا اور ظاہر کچھ اور ہوا یہ دونوں تو بہادروں کے سردار نکلے،حوصلہ بہت بلند ظاہر ہوا۔

۸؎ یعنی اپنے لشکر میں چکر لگا رہا تھا انہیں درست کررہا تھا۔

۹؎ یہاں صاحب یا کہ یار بمعنی دوست نہیں بلکہ بمعنی مطلوب ہے جس کی طلب ہو یعنی تم جس کی جستجو میں ہو وہ یہ ہی ہے سامنے وہ دیکھو۔

۱۰؎ یعنی یہ دونوں اکیلے اس کی فوج میں پہنچے اور بغیر یارومددگار ساتھ لیے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا کہ اسے مار گرایا۔خیال رہے کہ ان دونوں نے اسے بالکل مار نہ ڈالا تھا بلکہ قریب الہلاک کردیا تھا جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا اسے سسکتا ہوا چھوڑکر بھاگے کہ ان کی فوج میں گھر گئے۔ان دونوں چاندوں کو دو ہالوں نے گھیر لیا،اس موقعہ پر ایک کا ہاتھ بازو سے کٹ گیا جسے انہوں نے خود پاؤں سے دبا کر توڑ دیا اور پھر وہ کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حضور انور نے وہ ہاتھ کاندھے پر رکھ کر لعاب دہن لگادیا وہ ہاتھ جڑ گیا اور دوسرے ہاتھ سے زیادہ مضبوط ہوگیا جیساکہ **ان شاءاللّٰه باب المعجزات** میں ذکر کیا جائیگا۔

۱۱؎ قتل ابوجہل کی بھی خبر دی اور واقعہ قتل کی بھی خبردی کہ اس طرح ہم نے اسے پچھاڑا اور اس طرح قتل کیا،حضور صلی اللّٰه علیہ وسلم نے قتل ابوجہل کی خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔خیال رہے کہ اپنے جانی مالی دشمن کے فوت ہونے پر خوشی منانا ممنوع ہے۔

اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست　　که زندگانی مانیز جاودانی نیست

مگر قومی دینی ملکی دشمن کے مرجانے پر شکر کرنا سنت ہے۔عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ اسی لیے سنت ہے کہ اس دن فرعون غرق ہوا ہے۔دینی دشمن کے مرجانے سے مخلوق خدا اس کے فساد سے محفوظ ہوجاتی ہے۔

۱۲؎ دونوں نے سچ کہا کیونکہ تلوار کے وار اس مردود پر دونوں ہی نے کیے تھے اگرچہ ایک نے سبقت کی ہوگی اور ایک ہی کا وار کاری لگا ہوگا جس سے وہ ناری جہنم رسید ہوا ہوگا بہرحال دونوں سچے ہیں۔خود حضور نے بھی ان کی تصدیق فرمائی جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۱۳؎ یعنی واقعی تم دونوں اس کے قتل میں شریک ہوتم دونوں کے واروں سے اسے اللہ نے نار میں داخل کیا ہے تم دونوں سچے ہو۔یہ فرمان ان دونوں کو خوش کرنے کے لیے ہے۔

۱۴؎ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات سے معلوم فرمالیا کہ اصل قاتل یہ ہیں۔حضرت شیخ نے اشعہ میں لکھا کہ قتل کرنے میں یہ دونون شریک تھے مگر اسے گرانے پچھاڑنے والے معاذ ابن عمرو ابن جموح تھے اس لیے سلب صرف ان کو عطا فرمایا گیا غرضیکہ تخصیص بلاوجہ نہ تھی وجہ سے تھی۔

۱۵؎ خیال رہے کہ ان دونوں بزرگوں کا نام معاذ یا معوذ ہے یہ دونوں حضرات اخیافی یعنی ماں شریکی بھائی ہیں، ان کی والدہ کا نام عفراء ہے،ان کے ایک خاوند کا نام عمرو ابن جموح ہے دوسرے خاوند کا نام حارث ہے لہذا معاذ ابن عفراء میں نسبت ماں کی طرف ہے،بعض روایات میں ان دونوں معاذوں کو ابن عفراء کہا جاتا ہے وہ بھی درست ہے دونوں کی نسبت ماں کی طرف ہے۔(اشعہ)اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہوئے:ایک یہ کہ کسی مسلمان کو اس کی نوعمری کی وجہ سے ضعیف نہیں سمجھنا چاہیے بسا اوقات چھوٹے اور دبلے آدمی وہ کام کردکھاتے ہیں جو عمر والے موٹے تازے آدمیوں سے نہ ہوسکیں۔دوسرے یہ کہ اللہ رسول کے لیے عداوت و محبت سنت صحابہ ہے۔تیسرے یہ کہ جنگ میں ہر کام ہمت و پھرتی سے ہی ہوتا ہے۔چوتھے یہ کہ علامات دیکھ کر بغیر گواہ کے سلب دینا جائز ہے کہ حضور انور نے ان کی تلواریں دیکھ کر ایک کو سلب عطا فرمایا جہاں گواہ طلب فرمانے کا ذکر ہے وہاں علامات نہ ہونے کی صورت ہے۔پانچویں یہ کہ حضرت صحابہ کی ہمت و جرات بے مثال تھی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ۱؎ کہ کون دیکھ کر ہم کو بتادے گا کہ ابوجہل کو کیا ہوا ۲؎ تو ابن مسعود چلے اسے پایا کہ عفرا کے بیٹوں نے اسے مار دیا ہے حتی کہ ٹھنڈا ہوگیا ہے ۳؎ آپ نے اس کی داڑھی پکڑکر فرمایا ۴؎ کہ کیا تو ہی ابوجہل ہے وہ بولا کہ کیا تم نے مجھ سے اوپر والے کو بھی قتل کیا ہے ۵؎ ایک روایت ہے کہ بولا کاش مجھے کسان کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ ارشاد عالی غزوہ بدر ختم ہوچکنے اور سکون حاصل ہونے کے بعد ہوا،دوران جنگ میں اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی یعنی کوئی شخص کفار کی نعشوں میں زخمیوں میں ابوجہل کو تلاش کرے کہ وہ جی رہا ہے یا مرگیا ہے مردوں میں پڑا ہے یا زخمیوں میں۔

۲؎ اگر صنع معروف ہے تو ترجمہ وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کیااور اگر صنع مجہول ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ابوجہل کے ساتھ کیا کیا گیا۔رب نے اس سے کیا معاملہ فرمایا اسے موت دے دی یا ابھی نہیں اور موت دے دی ہے تو کس حالت میں۔

۳؎ یہاں ٹھنڈا ہوجانے سے مراد اگر مرجانا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ٹھنڈا ہوجانے کے قریب ہوگیا ہے اور اگر مراد جسم کا خون نکل کر حرارت عزیزی ختم ہوجانا ہے تو مطلب بالکل ظاہر ہے یعنی اس کا جسم ٹھنڈا ہوچکا ہے اور وہ قریب الموت ہے کتے کی طرح سسک رہا ہے۔خیال رہے کہ ابوجہل کو تمام کفار مکہ اس حالت میں چھوڑکر بھاگ چکے تھے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مشرکین بھی ایک مشت داڑھی رکھتے تھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کی داڑھی کی کوئی عزت و حرمت نہیں اسے پکڑنا کھینچنا جائز ہے،مسلمان کی داڑھی بڑی حرمت کی چیز ہے کہ سنت رسول اللہ ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم

۵؎ یعنی آج کے مقتولین میں سب سے بڑی عزت و عظمت والا میں ہی ہوں کہ تمام کفار مکہ بلکہ کفار عرب کا سردار ہوں۔

۶؎ یعنی مجھے اس ذلت کا غم ہے جو اس قتل میں مجھے پہنچی کہ مجھے مدینہ کے انصار کے دو بچوں نے قتل کیا۔اہل مدینہ عموماً کھیتی وباغبانی کیا کرتے تھے اس لیے اس نے انہیں اکاریعنی کسان کہا مجھے کوئی بڑی عزت والا قتل کرتا۔معلوم ہوا کہ ابوجہل بمقابلہ فرعون زیادہ متکبر تھا کہ فرعون ڈوبتے وقت بول اٹھا"اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِہٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ"مگریہ مردود اب اس حالت میں بھی شیخی ہی بھگار رہا ہےاگر اس حالت میں کلمہ پڑھ لیتا تو شاید کچھ فائدہ اٹھالیتا۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو عطیہ فرمایا میں بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا جو ان سب میں مجھے زیادہ پسندیدہ تھا۱؎ میں اٹھا اور میں نے عرض کیا فلاں کے متعلق کیا رائے عالی ہے میں تو اسے مؤمن سمجھتا ہوں۲؎ تب حضور نے فرمایا بلکہ مسلم کہو۳؎ سعد نے یہ تین بار عرض کیا اور حضور نے اسی طرح جواب دیا پھر فرمایا کہ میں کبھی کسی شخص کو دیتا ہوں حالانکہ

	دوسرا شخص مجھے زیادہ پیارا ہوتا ہے ۴؎ اس خوف سے کہ اپنے منہ کے بل آگ میں گرایا جائے ۵؎ (مسلم،بخاری)اور ان کی ایک روایت میں ہے زہری نے فرمایا ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کلمہ طیبہ ہے اور ایمان نیک عمل ہے ۶؎

۱؎ یعنی حضور نے ایسے شخص کو عطیہ نہ دیا جو ایمان و اعمال میں مجھے بہت پسندیدہ تھا۔

۲؎ یعنی جہاں تک مجھے علم ہے یہ صاحب مؤمن کامل اور عالم تام ہیں،ایمان و تقویٰ دونوں کے جامع ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی میں ان صاحب کے ایمان کی نفی نہیں بلکہ حضرت سعد کو تعلیم ہے کہ کسی کے متعلق اس کے ایمان کی گواہی قطعی نہ دو کہ ایمان دلی تصدیق کا نام ہے جس پر اللہ تعالٰی ہی خبردار ہے۔اسلام ظاہر کا نام ہے تم اس کی گواہی دے سکتے ہو۔خیال رہے کہ کبھی ایمان و اسلام ہم معنی آتے ہیں اور کبھی ان میں فرق کیا جاتا ہے کہ دلی عقیدوں کا نام ایمان ہوتا ہے اور ظاہری اطاعت کا نام اسلام یہاں دوسرے معنی مراد ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰکِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا"اور فرماتاہے:"فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ"اور فرماتاہے:"اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"ان آیات میں اسلام سے مراد ظاہر اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

۴؎ یعنی ہمارا کسی کو کم دینا نہ دینا اس کی علامت نہیں کہ ہم اس سے ناراض ہیں یا اس کو مسلمان نہیں سمجھتے اور کسی کو زیادہ دینا اس کی علامت نہیں کہ ہم اس سے راضی ہیں اسے مؤمن کامل سمجھتے ہیں بلکہ کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ مؤمن کامل کو کم دیتے ہیں یا کچھ نہیں دیتے اور مذبذب کو زیادہ عطا فرماتے ہیں۔

۵؎ یعنی یہ عطا فضائل کی وجہ سے نہیں بلکہ ضعیف الایمان لوگوں کو ہم عطائیں دیتے ہیں کہ اگر ان کو نہ دیں تو خطرہ ہے کہ وہ پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں اور دوزخ میں گر جائیں۔پختہ مؤمنین پر ہم کو اعتماد ہے کہ انہیں مال ملے یا نہ ملے وہ مؤمن ہی رہیں گے ان کو دینے کا اہتمام نہیں فرماتے انہیں نہ دینا ان کی پختگی ایمان کی وجہ سے ہے یہ ہی سنت الٰہیہ ہے۔بار بار مقبول بندوں پر مصیبتیں بھیج دیتا ہے یا انہیں کم عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ بہرحال مؤمن رہیں گے کچھ ملے یا نہ ملے۔کچی کھیتی کو پانی بہت دیا جاتا ہے اس کی رکھوالی زیادہ کی جاتی ہے کہ اس کی جڑیں مضبوط نہیں پانی نہ ملنے پر خشک ہوجائے گی،مضبوط درختوں کی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی کہ اس کی جڑیں پختہ ہیں پانی نہ ملنے پر بھی ہرے بھرے رہتے ہیں۔

۶؎ یعنی سرکار عالی کے **اومسلمًا** فرمانے سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام میں فرق ہے۔اس فرق میں کئی احتمال ہیں: ایک یہ کہ صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا اسلام ہے اور ساتھ ہی نیک اعمال بھی کرنا ایمان اور دونوں میں اور بھی فرق کیے گئے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یعنی بدر کے دن پس فرمایا کہ

	عثمان اللہ تعالٰی کے کام اور اس کے رسول کی خدمت میں گئے ہیں ۱؎ان کی بیعت میں کرتا ہوں ۲؎چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا ان کے سوا کسی غائب شخص کا حصہ مقرر نہ کیا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضور انور کی صاحبزادی بی بی رقیہ جو حضرت عثمان غنی کی زوجہ مطہرہ تھیں سخت بیمار تھیں،ان کی تیمارداری کرنے کے لیے عثمان غنی کو حضور انور نے مدینہ منورہ میں ہی چھوڑا بدر میں ساتھ نہ لے گئے حتی کہ حضور کے پیچھے ہی ان کی وفات ہوگئی اور دفن کردی گئیں۔(مرقات)یہ فرمان عالی بدر کی غنیمت تقسیم فرماتے وقت کا ہے۔خیال رہے کہ جناب رقیہ کی تیمارداری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تھی مگر اس کو اللہ رسول کا کام فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ حضور کی فرمانبرداری رب تعالٰی کی اطاعت ہے۔

۲؎چنانچہ حضور انور نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ ہمارا ہاتھ ہے اور خود ہی حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی، اس بیعت عثمان کا واقعہ دوبار ہوا۔ایک تو غزوہ بدر میں دوسرے بیعت الرضوان میں مقام حدیبیہ میں یہ ہے حضرت عثمان کی شان رضی اللہ عنہ۔

دست حبیب خدا جو کہ ید اللہ تھا ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

۳؎یعنی حضرت عثمان کو بدر والوں کا صرف ثواب نہ ملا بلکہ غنیمت کا حصہ بھی ملا آپ صرف حکمًا غازی بدر نہ ہوئے بلکہ حقیقتًا غازی مانے گئے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں اگر چاہیں تو مدینہ کی زمین کو بدر کا میدان بنادیں،گھر میں رکھ کر غازیوں میں ملادیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حضور کی اطاعت رب تعالٰی کی اطاعت ہے،دیکھو حضرت عثمان مدینہ منورہ میں حضور کے کام کے لیے رہے تھے یعنی بی بی رقیہ کی تیمارداری مگر فرمایا **فی حاجة الله وحاجة رسوله** حاجت سے مراد کام یا خدمت ہے نہ کہ ضرورت کہ اللہ تعالٰی ضرورت اور محتاجی سے پاک ہے۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت کی تقسیم میں دس بکریاں ایک اونٹ کے مقابل میں فرماتے تھے ۲؎ (نسائی)

۱؎ آپ صحابی انصاری خوارزمی یا حارثی اوسی ہیں،غزوہ بدر کے سوا تمام غزوات میں حاضر رہے،بدر کے دن آپ کمسن تھے، ۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،چھیاسی ۸۶ سال عمر ہوئی آپ کے حالات پہلے بھی بیان ہوچکے ہیں۔(اشعہ)

۲؎یعنی تقسیم غنیمت میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کی برابر رکھتے تھے کہ اگر کسی غازی کو ایک اونٹ حصہ میں ملا تو دوسرے غازی کو دس بکریاں عطا ہوئیں،قربانی میں ایک اونٹ و گائے سات بکریوں کی برابر مانا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نبیوں میں سے ایک نبی نے جہاد کیا ۱؎تو اپنی قوم سے فرمایا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جو کسی عورت کے بضع کا مالک ہو اور

	رخصتی کرنا چاہتا ہے ابھی تک کی نہیں ہے ۲؎ اور نہ وہ جائے جس نے مکانات بنائے ہیں اور ان کی چھتیں تیار نہ کی ہیں ۳؎ اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکری یا حاملہ اونٹنیاں خریدیں اور وہ ان کے بیاہنے کا منتظر ہے ۴؎ چنانچہ انہوں نے جہاد کیا تو بستی سے نماز عصر یا اس کے قریب ہوئے تو انہوں نے سورج سے فرمایا کہ تو بھی حکم کے ماتحت ہے اور میں بھی الٰہی اسے ہم پر روک دے ۵؎ چنانچہ سورج روک دیا گیا حتی کہ اللہ نے انہیں فتح دی ۶؎ پھر غنیمتیں جمع فرمائیں تو وہ یعنی آگ کھانے کے لیے آئی مگر انہیں کھایا نہیں ۷؎ فرمایا کہ ضرور تم میں خیانت ہے ۸؎ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص مجھ سے بیعت کرے چنانچہ ایک آدمی کا ہاتھ ان ہی سے چمٹ گیا تو فرمایا تم لوگوں میں خیانت ہے ۹؎ پھر وہ سونے کا سر لائے جو گائے کے سر کی طرح تھا ۱۰؎ اسے رکھ دیا پھر آگ آئی اسے کھالیا ۱۱؎ مسلم کی روایت میں ہے یہ زیادتی کی کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہ ہوئیں پھر اللہ نے ہمارے لیے غنیمتیں حلال کردیں ہماری کمزوری ہماری عاجزی دیکھی تو انہیں ہمارے لیے حلال فرمایا ۱۲؎

۱؎ نبی سے مراد حضرت یوشع علیہ السلام ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور غزوہ سے مراد بیت المقدس پر جہاد،یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی جس کا نکاح ہوچکا ہے ابھی رخصت نہیں ہوئی ہے اس کی تیاری میں ہے۔اہل عرب زفاف کے وقت خیمہ وغیرہ بناتے تھے۔اس میں زفاف کرتے تھے اس لیے زفاف کو بنا رکھتے تھے۔(اشعہ)

۳؎ یعنی مکان بنانے میں مشغول ہے ابھی عمارت نامکمل ہے اس کی تکمیل کررہا ہے۔

۴؎ یعنی جس کی بکریاں یا اونٹنیاں گابھن ہیں اسے ان کے بچے دیکھنے دودھ پینے کا بڑا انتظار ہے۔مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ جہاد میں فارغ البال جائے جس کا دل دنیا میں لگا ہے وہ نہ جائے تاکہ اس عبادت میں دھیان نہ بٹے جیسے آج پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت لے کر نماز پڑھنا ممنوع ہے کہ اس سے نماز میں دل نہ لگے گا۔

۵؎ یعنی اے سورج تجھے رفتار کا حکم الٰہی ہے اور مجھے جہاد کا حکم ہے اگر تو ابھی ڈوب گیا اور میں بیت المقدس فتح نہ کرسکا تو ہفتہ کا دن شروع ہوجائے گا جس میں جہاد کرنا قتال کرنا حرام ہے پھر کفار کو کافی مہلت مل جائے گی اور بیت

المقدس فتح کرنا مشکل ہوجائے گاخدایا تو سورج کو روک دے جب یہ بیت المقدس فتح کرلوں تب غروب ہو۔معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام چاند سورج سے بھی کلام فرماتے ہیں اور وہ ان سے گفتگو اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

نطق آب ونطق خاک ونطق گل — ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی گو منکر حنانہ است — از حواس اولیاء بیگانہ است

یہ جہاد جمعہ کے دن ہوا تھا۔اس دین میں ہفتہ کے دن جہاد بھی ممنوع تھا۔(مرقات)

۶؎ بحکم الٰہی سورج ٹھہر گیاجب بیت المقدس فتح ہوگیا تب ڈوبا،یہ حضرت یوشع علیہ السلام کا معجزہ ہوا۔خیال رہے کہ یوشع علیہ السلام کے سوا کسی نبی کے لیے سورج روکا نہیں گیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک بار سورج روکا گیا اور ایک بار لوٹا یا گیا۔چنانچہ بعد معراج جب کفار مکہ نے حضور سے پوچھا کہ آپ نے ہمارا فلاں قافلہ راہ میں دیکھا ہوگا،فرمایا ہاں بولے مکہ کب پہنچے گا فرمایا بدھ کی صبح کو،قافلہ کو واپسی میں کچھ دیر ہوگئی تو بدھ کے دن سورج کو روک لیا گیا حتی کہ جب قافلہ مکہ معظّمہ پہنچا تب سورج طلوع ہوا اور غزوہ خیبر کے موقع پر مقام صہباء میں بعد عصر حضور نے حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمایا تھا،جناب علی نے نماز عصر نہ پڑھی سورج ڈوب گیاتب حضور کی دعا سے سورج واپس ہوا،حضرت علی نے نماز عصر پڑھی پھر ڈوبا۔ابن جوزی نے ان احادیث کو موضوع کہا مگر طحاوی نے مشکل الحدیث میں قاضی عیاض نے شفاء شریف میں انہیں صحیح کہا۔ابن المنذر ابن شاہین نے ان کی تصحیح کی،طبرانی نے معجم میں بہ سند حسن حضرت جابر سے سورج روک لیے جانے کی حدیث نقل فرمائی ہے۔بہرحال آفتاب کا رکنا حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہوااور رکنا اور واپس لوٹنا ہمارے حضور کے لیے ہوا۔وہ جو حدیث میں ہے کہ یوشع علیہ السلام کے سوا کسی کے لیے سورج نہ رکااس سے مراد حضور سے پہلے کے نبی ہیں۔(مرقات،اشعہ)فقیر نے مقام صہباء کی زیارت کی ہے جہاں سورج لوٹایا گیا تھا،یہ جگہ خیبر سے قریبًا ایک میل دور جانب مدینہ منورہ ہے۔عام لوگ زیارت کرتے ہیں،اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔شعر

اشارہ سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا

گئے ہوئے دن کوعصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لیے

۷؎ اس زمانہ میں غنیمت کا مال جمع کرکے کسی پہاڑی یا میدان میں رکھ دیا جاتا تھاغیبی آگ آکر اسے جلاجاتی تھی اس لیے یہ کیا گیا۔

۸؎ اس لیے آگ آئی تو تھی مگر اسے جلایا نہیں۔یہاں کھانے سے مراد جلانا ہے گزشتہ دینوں میں یہ مال غنیمت اور قربانیوں کے گوشت غیبی آگ جلایا کرتی تھی۔

۹؎ یہ بھی یوشع علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ جس میں خیانت تھی اس کے سردار کا ہاتھ یوشع علیہ السلام کے ہاتھ سے چمٹ گیا جس سے خیانت پکڑی گئی۔

۱۰؎ یعنی اس غنیمت کے مال میں سونے کی گائے کا سر جو عام گایوں کے سر کے برابر تھا اس کی خیانت کی گئی جو اب حاضر کی گئی۔

اا؎ اس زمانہ میں غیبی آگ کا جلا جانا قبولیت کی علامت تھی اور نہ جلانا مردودیت کی علامت تھی خیانت والی غنیمت مردود مانی جاتی تھی۔ہابیل و قابیل نے بھی اپنی قربانیاں پہاڑ پر رکھی تھیں ہابیل کی قربانی کو آگ جلاگئی اور قابیل کی قربانی ویسی ہی پڑی رہی۔

۱۲؎ یعنی ہماری امت عمومًا کمزور اور غریب ہوگی لہذا اس کے لیے مال غنیمت حلال فرمادیا گیا کہ اس مال کے ذریعہ جہاد میں قوت حاصل کریں،یہ رب تعالٰی کی خاص مہربانی ہے۔اسی طرح قربانی کا گوشت بھی اس امت کے لیے حلال کردیا گیا کہ قربانی عبادت بھی ہے اور مسلمانوں کی خوراک بھی ہے،یہ ہے خاص کرم۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے خبردی کہ جب خیبر کا دن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت آئی وہ بولے فلاں اور فلاں شہید ہے حتی کہ ایک شخص پر گزرے تو بولے فلاں شہید ہے ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے آگ میں دیکھا ہے ۲؎ ایک چادر یا ایک عبا کی وجہ سے ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر ابن خطاب جاؤ لوگوں میں تین بار اعلان کردو کہ جنت میں نہ جائیں گے مگر مؤمن چنانچہ میں نکلا اور میں نے اعلان کیا کہ جنت میں نہ جائیں گے مگر مؤمن لوگ تین بار ۴؎ (مسلم)	

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں چند حضرات شہید ہوئے تھے ہم نے خیبر میں سترہ شہداء خیبر کے مزارات کی زیارت کی جو تبوک سڑک پر واقع ہیں جن میں سے حضرت سلمہ ابن اکوع اور براء ابن بشر کے نام معلوم ہوسکے،باقی کے نام ہمارے مزور کو بھی معلوم نہ تھے۔واللہ اعلم! ان بزرگوں کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ شہید ہیں اور فورًا جنت میں پہنچ گئے کیونکہ شہید کی روح مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے اس لیے اسے شہید کہتے ہیں یعنی جنت میں حاضر ہوجانے والا۔

۲؎ یعنی وہ شخص شہید تو ہے مگر جنت میں نہ پہنچا دوزخ کی آگ کی سزا پارہا ہے کیونکہ خیانت شہادت کے لیے مضر نہیں ثواب کے لیے نقصان دہ ہے۔

۳؎ یعنی چونکہ اس نے غنیمت کے مال سے ایک چادر قبل تقسیم سے لے لی تھی لہذا وہ آگ کا عذاب پارہا ہے میں اسے آگ میں دیکھ رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ حضور اس دنیا میں رہ کر عالم غیب کی بھی ہر چیز دیکھ رہے ہیں اور ہر شخص کے ہر کھلے چھپے عمل بھی ملاحظہ فرمارہے ہیں،کہ فرمایا وہ آگ میں ہے کیونکہ اس نے خیانت کی تھی،آگ میں ہونا عالم غیب کی خبر ہے اور خیانت یہاں کا چھپا ہوا عمل،یہاں آگ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔

۴؎ یہاں جنت میں داخل ہونے سے مراد ہے اول داخلہ بغیر سزا بھگتے اور مؤمن سے مراد مؤمن کامل یعنی متقی مسلمان یعنی جنت میں اول داخلہ کامل کو مؤمن کا نصیب ہوگا جو ایمان و اعمال کا جامع ہو۔خیانت کرنے والا مؤمن اگرچہ شہید بھی

ہوجائے مگر اولًا جنت میں نہ جاسکے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں وہاں حقوق الہیہ کے گناہ مراد ہیں انسانی حقوق کی معافی مراد نہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

باب الجزیة

جزیہ کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ جزیہ بنا ہے جزاءٌ سے بمعنی بدلہ،جزیہ بدلہ کا مال۔شریعت میں جزیہ وہ ٹیکس ہے جو سلطانِ اسلام کافر رعایا سے وصول کرتا ہے،ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلہ میں یہ جزیہ نہایت معمولی رقم ہے۔مسلمانوں سے زکوۃ وصول کی جاتی ہے جو کہیں زیادہ ہے،یوں ہی مسلمانوں پر فطرہ ،قربانی سب کچھ واجب ہے جو کفار پر نہیں۔آج جزیہ پر اعتراض کرنے کی بجائے مروجہ ٹیکسوں کی بھرمار کو دیکھیں کہ بہتّر ۷۲ روپیہ فی سینکڑہ تک مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ رعایا سے وصول کیا جاتا ہے۔جزیہ دو قسم کا ہے:ایک وہ جس پر ذمی کفار سے صلح ہوجائے وہ جزیہ بقدر مصالحت ہی رہے گا۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے دو ہزار جوڑے سالانہ پر صلح فرمائی تھی ایک ہزار جوڑے ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں،حضرت عمر نے بنی تغلب کے عیسائیوں سے یہ صلح فرمائی تھی کہ مسلمانوں سے وصول رقم سے دوگنی ادا کریں۔دوسرا وہ جزیہ جو سلطان اسلام خود مقرر فرماوے اس کے لیے شرعی قانون یہ ہے کہ مالدار ذمیوں پر سالانہ اڑتیس درہم یعنی چار درہم ماہوار(سوا روپیہ)درمیانہ حیثیت کے کفار پر چوبیس درہم دو درہم ماہوار(آٹھ آنہ)غریب کفار پر بارہ درہم سالانہ ایک درہم ماہوار(چار آنہ)یہ ہی مذہب احناف ہے،امام شافعی کے ہاں ہر بالغ کافر پر بارہ درہم سالانہ،امام مالک کے ہاں مالدار کافر سے چار دینار یعنی اڑتالیس درہم سالانہ اور فقیر سے دس درہم سالانہ،امام احمد کا ہاں جزیہ مقرر نہیں،امام اور ذمی رعایا جس پر صلح کرلیں وہ ہی مقرر ہوگا۔(مرقات)لیجئے یہ ہے وہ جزیہ جس پر موجودہ عیسائیوں اور ہندو وغیرہ شور مچارہے ہیں کہ اسلام نے ذمی کفار پر جزیہ مقرر کرکے ظلم کردیا۔

	روایت ہے حضرت مجالہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں احنف کے چچا جزء ابن معاویہ کا کاتب تھا ۲ ہمارے پاس حضرت عمر ابن خطاب کا تحریری فرمان آیا ان کی وفات سے ایک سال پہلے کہ مجوسی کے ہر رحمی قرابت دار کے درمیان جدائی کردو ۳ اور حضرت عمر نے مجوس سے جزیہ نہ لیا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمان ابن عوف نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول فرمایا تھا ۴(بخاری)اور بریدہ کی حدیث اذا امر امیر الخ کتاب الکفار کے باب میں بیان کر دی گئی ۵

۱مجالہ کے میم کے فتح جیم کے فتح سے،تابعی ہیں،آپ کا نام مجالہ ابن عبدتمیمی مکی ہے،ثقہ ہیں،حضرت عمران ابن حصین صحابی سے ملاقات ہے۔

۲جزء ابن معاویہ جیم کے فتحہ ز کے سکون سے،یہ تابعی ہیں،تمیمی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقام اہواز کے حاکم تھے اور احنف ابن قیس تابعی ہیں،انہوں نے حضور کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہیں کی،بڑے عالم متقی حضرت عمرو عثمان علی و عباس سے ملاقات کی، ۶۲ھ باسٹھ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی،جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،آپ نے حضرت علی کی بڑی امداد کی رضی اللہ عنہم،حضرت علی کی وفات کے بعد امیر معاویہ نے ان کا بڑا احترام کیا۔(مرقات،اشعہ)

۳مجوس اپنی بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح کرلیتے تھے،حضرت عمر نے حکم دیا کہ انہیں ایسا نہ کرنے دو اور جس مجوسی کے نکاح میں اس کی بہن بیٹی ہو انہیں علیحدہ کردیا جائے کہ یہ اگرچہ ان کے دین میں جائز ہے اور ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہے مگر یہ حرکت انسانیت کے خلاف ہے اس لیے انہیں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۴ہجر یمن کا ایک شہر بھی ہے اور مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی بھی اور بحرین کا ایک گاؤں بھی جہاں کے گھڑے مٹکے مشہور ہیں وہ مدینہ پاک کے پاس والا ہجر ہے اور یہاں بحرین والا ہجر مراد ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے اور مجوس اہل کتاب نہیں لہذا ان سے جزیہ نہ لیا جائے مگر جب آپ کو یہ حدیث پہنچی تب آپ نے ان سے جزیہ قبول فرمایا۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجوسی بھی اہل کتاب ہیں ان کی کتاب ان سے اٹھالی گئی۔(مرقات)

۵یعنی لمعات میں وہ حدیث اس جگہ تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس باب میں نقل کردی اور یہاں بیان کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ یعنی احتلام والے سے ایک دینار یا اس کی برابر معافری ۱یعنی معافری وہ کپڑا ہے جو یمن میں ہوتا ہے ۲ (ابوداؤد)	

۱اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ صرف ذمی مرد عاقل بالغ سے لیا جائے گا عورت،بچے،دیوانہ پر جزیہ نہیں،اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔یوں ہی اندھے،بے دست و پا،فالج زدہ،بہت بوڑھے ذمی پر جزیہ نہیں،نیز جو فقیر کمائی کے قابل نہ ہو اس پر جزیہ نہیں،اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔حضرت عمر نے جب عثمان ابن حنیف کو حاکم بناکر بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ فقیر ذمی سے جزیہ نہ لیں،نیز حضرت عمر نے ایک بوڑھے ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا تو کیوں بھیک مانگتا ہے وہ بولا مجھ پر جزیہ لازم ہے اس کی ادائیگی کے لیے مانگتا ہوں تب آپ نے اپنے احکام کو لکھا کہ بوڑھے ذمیوں سے جزیہ نہ

لیں،یوں ہی ذمی غلام مکاتب مدبرام ولد پر جزیہ نہیں،ان کے راہبوں پر بھی جزیہ نہیں۔(مرقات)یہ حدیث بظاہر امام شافعی کی دلیل ہے کہ ہر ذمی پر جزیہ واجب ہے غنی ہو یا فقیر مگر ہمارے ہاں یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے جس سے فقراء ذمی علیحدہ ہیں یا اس قوم سے صلح اس پر ہی ہوئی ہوگی کہ ہر بالغ پر جزیہ ہو یا اتفاقًا اس قوم میں تمام امیر ہوں گے کوئی فقیر نہ ہوگا جیسے آج خوجے اور جوہری کہ ان میں کوئی فقیر نہیں۔

۲؎ معافر یمن میں ایک بستی ہے،چونکہ اسے معافر ابن یعفر نے بسایا تھا لہذا معافر کہلاتی ہے وہاں کا کپڑا بہت مشہور ہے جیسے ہمارے ہاں ڈھاکہ کی ململ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک زمین میں دو قبلے مناسب نہیں ۱؎ اور مسلمان پر جزیہ نہیں ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ ارض واحدہ سے مراد زمین عرب ہے اور دو قبلوں سے مراد دو قبلہ والے لوگ ہیں یعنی مسلمان اور یہود و نصاریٰ یعنی زمین عرب یا زمین حجاز میں یہود ونصاریٰ کو نہ بسنے دو،یہ ملک صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ جزیرہ عرب سے یہود ونصاریٰ کو نکال دو۔اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔دوسرے یہ کہ ایک زمین سے مراد عام زمین ہے اور دو قبلوں کے اجتماع سے مراد مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کا برابری کی شان سے ایک ملک میں رہنا ہے یعنی نہ تو مسلمان کفار کے ملک میں دب کر رہیں،اگر انہیں آزادی دینی نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کرجائیں اور نہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے ملک میں برابر ہوکر رہیں بلکہ اگر رہیں تو ذمی ہوکر رہیں اور وہ ہمارے ملک میں اپنے دین کی اشاعت نہ کرسکیں نہ کسی مسلمان کو اپنے مذہب میں لے سکیں بلکہ صرف خود آزاد ہیں اور بس۔

۲؎ اس فرمان شریف کے بھی دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ اگر کوئی ذمی اداء جزیہ سے پہلے مسلمان ہوجائے تو اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے نہ آئندہ لیا جائے کیونکہ اب یہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں۔دوسرے یہ کہ کوئی مسلمان کفار کے ملک میں جزیہ دے کر ذلیل ہوکر نہ رہے۔مسلمان پر جزیہ کیسا عزت اللہ رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔خیال رہے کہ اگر کافر غلام مسلمان ہوجائے تو آزاد نہ ہوجائے گا غلام ہی رہے گا،یونہی جس کافر کی زمین پر خراج لگ گیا اگر وہ مسلمان نے خریدلی تو اس پر خراج ہی رہے گا مگر جزیہ کا حکم جداگانہ ہے۔اس کی پوری بحث اس جگہ مرقات اور کتب فقہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید کو دومہ والے اکیدر کی طرف بھیجا ۱؎ تو مسلمانوں نے اسے گرفتار کرلیا اسے لے آئے تو حضور نے اس کا خون محفوظ فرمادیا اور اس سے جزیہ پر صلح فرمالی ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎دومہ شام کی ایک بستی ہے جو تبوک سے قریب ہے اور اکیدر وہاں کے بادشاہ کا نام تھا جو عیسائی تھاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا اور حضرت خالد سے فرمادیا کہ تم اکیدر کو شکارکرتے پاؤ گے جو گورخر کا شکار کرتا ہوگا۔چنانچہ وہ اور اس کا بھائی حسان دونوں چاندنی رات میں شکارکرتے پکڑ لیے گئے حسان کو قتل کردیا گیا اور اکیدر کو مدینہ منورہ حاضر کیا گیاحضور نے اکیدر کے قتل سے منع فرمادیا۔(مرقات)
۲؎پھر بعد میں اکیدر نہایت مخلص مسلمان ہوگئے رضی اللہ عنہ۔(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حرب ابن عبیداللہ سے وہ نانا سے راوی وہ اپنے والد سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر صرف یہودیوں اور عیسائیوں پر ہی ہے اور مسلمانوں پرعشر نہیں ۲؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎حرب ابن عبید اللہ ثقفی ہیں،تابعی ہیں،ان کے نانا اور نانا کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے۔
۲؎یہاں عشر سے مراد پیداوار کا عشر (دسواں حصہ)نہیں کہ وہ تو مسلمان پر واجب ہے بلکہ اس سے مراد تجارتی مال کا ٹیکس (چونگی)کا محصول ہے،اگر کفار ہمارے مسلمان تاجروں سے چونگی محصول دسواں حصہ لیتے ہوں گے تو ہم بھی ان سے یہ محصول اتنا ہی لیں گے اور اگر وہ ہم سے کم و بیش لیتے ہوں گے تو ہم بھی ان کے تاجروں سے اتنا ہی لیں گے،اگر وہ ہم سے کچھ نہ لیتے ہوں گے تو ہم بھی ان سے کچھ نہ لیں گے،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کسی قوم پر گزرتے ہیں تو وہ نہ تو ہماری مہمانی کرتے ہیں اور نہ ہم کو وہ حق دیتے ہیں جو ہمارا ان پر ہے اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ کسی طرح نہ مانیں بجز اس کے کہ تم ان سے جبرًا وصول کرو تو لے لو ۱؎ (ترمذی)

۱؎اس سوال و جواب میں ان ذمی کفار کی طرف اشارہ ہے جن سے صلح میں یہ شرط لگائی جاتی تھی کہ اگر تمہاری بستیوں پر ہماری غازی فوج گزرے تو تم ان کو راشن یا دعوت دینا اس شرط پر کہ ان پر اسلامی فوج کی یہ دعوت لازم تھی،اگر وہ یہ شرط پوری نہ کریں تو فوج کو اجازت تھی کہ ان سے جبرًا اپنا یہ حق وصول کرلے،اگر یہ شرط نہ ہو تو ذمی سے جبرًا دعوت لینا ہرگز جائز نہیں مگر اضطرار شرعی کی صورت میں جب کہ بھوک سے جان پر بن جائے اور بجز اس کے اور کوئی صورت نہ ہوتو جائز ہے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے اسلم سے ۱؎ کہ حضرت عمر ابن خطاب نے سونے والے پر جزیہ چار اشرفیاں مقرر فرمائیں ۲؎ اور چاندی والوں پر چالیس درہم اس کے ساتھ مسلمانوں کا کھانا یعنی تین دن کی مہمانی ۳؎ (مالک)

۱؎ آپ کا نام اسلم ہے،کنیت ابو خالد ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں،حبشی تھے،حضرت عمر نے آپ کو ۱۱ھ میں خریدا،بڑے متقی تابعی ہیں،مروان کی حکومت میں وفات پائی،ایک سو چودہ سال عمر ہوئی۔

۲؎ سونے والوں سے مراد یا تو سونے کے تاجر ہیں یا وہ لوگ جن کو سونا دینا آسان ہو ان پر سالانہ چار اشرفیاں اور ششماہی دو اشرفیاں لازم ہیں۔

۳؎ تین دن کی مہمانی تفسیر ہے مسلمانوں کے کھانے کی یعنی ان پر مذکورہ جزیہ بھی مقرر ہوا اور یہ بھی کہ جب اسلامی لشکر یا اور کوئی مسلمان انکی بستی سے گزریں تو انہیں تین دن دعوت دیں،یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ اگر تم کو مہمانی نہ دیں تو جبرًا لے لو۔

خاتمہ: جزیہ کے متعلق چند امور خیال میں رہیں۔ایک یہ کہ عجمی کفار پر جزیہ ہے خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب یا مجوس۔دوسرے یہ کہ مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہاں کے اہل کتاب سے جزیہ ہوگا،مشرکین عرب کے لیے یا اسلام یا قتل مگر شوافع کے ہاں صرف اہل کتاب و مجوس سے جزیہ لیا جائے گا،مشرکین سے مطلقًا نہ لیا جائے گا۔تیسرے یہ کہ مرتد مرد سے جزیہ نہ لیا جائے گا،اس کے لیے یا قتل ہے یا اسلام۔رب فرماتا ہے:"تُقٰتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ"۔چوتھے یہ کہ مرتدین کی بیوی بچے جو مرتد ہوجائیں قتل نہ کیے جائیں گے غلام بنالیے جائیں گے۔چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والے بنی حنیفہ پر جہاد کیا ان کی عورتیں بچے غلام لونڈی بنائے۔چنانچہ خولہ بنت جعفر حنفیہ حضرت علی کو دی گئیں جن سے محمد ابن حنفیہ پیدا ہوئے۔(مرقات)

باب الصلح

صلح کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صلح و صلاح بھی بمعنی درستی و مصالحت ہے،اس کا مقابل فساد ہے بمعنی لڑائی و جھگڑا۔حربی کفار سے صلح جائز ہے بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ؁ میں کفار مکہ سے مقام حدیبیہ میں صلح فرمائی جس میں منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک ہم سے تم سے جنگ نہ ہو مگر کفار مکہ نے اس صلح نامہ کی ایک شرط توڑ دی کہ انہوں نے اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کی حضور کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابل اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرکے مکہ معظّمہ فتح فرمایا۔

	روایت ہے مسور ابن مخرمہ سے اور مروان ابن حکم سے ۱؎ دونوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال چند اور دس سو صحابہ کی جماعت میں تشریف لے گئے ۲؎ تو جب ذوالحلیفہ پہنچے تو ہدی کو ہار پہنایا اور اشعار کیا ۳؎ اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور چلے حتی کہ جب اس پہاڑی پر پہنچے جہاں سے مکہ والوں پر اترا جاتا ہے ۴؎ تو آپ کو لےکر آپ کی سواری بیٹھ گئی تو لوگ بولے اٹھ اٹھ قصواء اڑیل ہوگئی قصواء اڑیل ہوگئی ۵؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصواء اڑیل نہیں ہوگئی نہ اس کی یہ عادت ہے لیکن اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ۶؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ مجھ سے کوئی مطالبہ ایسا نہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کریں گے مگر میں انہیں دے دوں گا ۷؎ پھر اسے ڈانٹا تو وہ کود کر اٹھی پھر حضور نے ان سے عدول فرمایا ۸؎ حتی کہ حدیبیہ کے کنارہ اترے تھوڑے پانی والی جگہ پر کہ وہاں سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی لیتے تھے ۹؎ تو نہ چھوڑا اسے لوگوں

نے حتی کہ اسے خشک کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی ۱۰؎تو حضور نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا پھرانہیں حکم دیا کہ یہ اس کنوئیں میں ڈال دیں ۱۱؎تو اللہ کی قسم وہ کنواں پانی سے جوش مارتا رہا حتی کہ وہ لوگ وہاں سے لوٹ گئے ۱۲؎وہ اس حال میں تھے کہ بدیل ابن ورقاء خزاعی خزاعہ کی ایک جماعت حضور کے پاس آئی ۱۳؎پھر آپ کے پاس عروہ ابن مسعود آیا ۱۴؎حدیث پوری بیان کی یہاں تک کہا کہ جب سہیل ابن عمرو آیا ۱۵؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد نے فیصلہ فرمایا ۱۶؎تو سہیل بولا خدا کی قسم اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے نہ آپ سے جنگ کرتے لیکن آپ یوں لکھیں محمد ابن عبداللہ ۱۷؎ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ میں رسول اللہ ہوں اور اگر تم جھٹلاتے ہی ہو تو لکھ لو محمد ابن عبداللہ ۱۸؎پھر سہیل بولا کہ اس شرط پر صلح ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہ آوے اگرچہ آپ کے دین پر ہو مگر آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں ۱۹؎جب لکھت پڑھت کے جھگڑے سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اصحاب سے قربانیاں کرو پھر سر منڈواؤ ۲۰؎پھر کچھ عورتیں مؤمنہ آئیں تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری،اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کرکے آئیں الخ،چنانچہ انہیں اللہ تعالٰی نے ان عورتوں کے واپس کرنے سے منع فرمادیا ۲۱؎اور یہ حکم دیا کہ ان کے مہر واپس کردیں ۲۲؎پھر حضور مدینہ واپس ہوئے تو آپ کی خدمت میں ایک قرشی شخص ابو بصیر مسلمان ہوکر آئے ۲۳؎مکہ والوں نے ان کے طلب کے لیے دو شخص بھیجے حضور نے انہیں ان دو شخصوں کے حوالہ کردیا وہ	

	انہیں لے کر نکلے حتی کہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو اپنی کھجوریں کھانے کے لیے اترے۲۴ تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا اے فلاں خدا کی قسم میں تیری اس تلوار کو بہت ہی اچھی دیکھ رہا ہوں مجھے دکھا تو میں اسے دیکھوں اس نے انہیں تلوار پر قابو دے دیا انہوں نے اسے مار دیا حتی کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا اور دوسرا بھاگ گیا ۲۵ حتی کہ مدینہ پہنچا دوڑتا ہوا مسجد میں آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اس نے کوئی سخت ڈر دیکھا ہے ۲۶ وہ بولا واللہ میرا ساتھی تو قتل کردیا گیا اور میں بھی قتل ہوجاؤں گا۲۷ اتنے میں ابوبصیر آگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ماں کی خرابی ہے ۲۸ اگر اس کا کوئی مددگار ہو تو یہ جنگ بھڑکاوے۲۹ انہوں نے جب یہ سنا تو پہچان گئے کہ حضور انہیں مکہ والوں کے حوالہ کردیں گے۳۰ تو یہ نکل کھڑے ہوئے حتی کہ سمندر کنارہ آگئے ۳۱ فرماتے ہیں کہ ادھر ابوجندل ابن سہیل چھوٹ گئے تو ابوبصیر سے مل گئے ۳۲ پھر قریش کا کوئی آدمی جو مسلمان ہوجاتا وہ نہ نکلتا مگر ابوبصیر سے مل جاتا ۳۳ تاآنکہ ان کی ایک جماعت جمع ہوگئی پھر تو خدا کی قسم یہ لوگ نہ سنتے قریش کے کسی قافلہ کو جو شام کی طرف نکلتا مگر یہ اس کے آڑ ہوتے انہیں قتل کردیتے اور ان کے مال لے لیتے ۳۴ تب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا جس میں وہ حضور کو اللہ تعالٰی کی قسم قرابت داری کا واسطہ دینے لگے کہ حضور انہیں بلا بھیجیں اب جو آپ کے پاس آئے اسے امان ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا ۳۵ (بخاری)

۱؎ مروان ابن حکم قرشی اموی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا مگر حضور کی زیارت نہ کرسکا لہذا صحابی نہیں کیونکہ حضور انور نے اس کے باپ حکم کو مدینہ منورہ سے شہر بدر فرماکر طائف بھیج دیا۔مروان اس کے ساتھ گیا اس کے کچھ حالات باب الاسراء کی پہلی فصل میں گزر چکے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ھ؁ دو شنبہ کے دن بقصد عمرہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور حدیبیہ میں فروکش ہوئے۔حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے اسی نام سے وہ میدان مشہور ہوگیا جس میں یہ کنواں ہے۔یہ جگہ جدہ مکہ معظّمہ کے درمیان ہے مکہ معظّمہ سے قریب ہے اس کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے بعض حصہ حل میں،مکہ معظّمہ سے قریبًا بارہ میل عربی پر واقعہ ہے یا نو میل۔اس سال کا نام سال حدیبیہ ہے کیونکہ اس سال میں صلح حدیبیہ کا واقعہ ہوا۔ عربی میں لفظ **بضع** تین سے نو تک کی اکائیوں کو کہتے ہیں۔اس میں شرکت کرنے والے صحابہ چودہ یا پندرہ سو تھے۔حضور چودہ سو کی جماعت لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے راستہ میں اور لوگ ملتے رہے۔حدیبیہ پہنچتے پہنچتے پندرہ سو ہوگئے۔(اشعہ) اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا کو اپنا نائب مقرر فرما گئے۔

۳؎ ذوالحلیفہ وہ ہی جگہ ہے جسے بیر علی کہا جاتا ہے،یہ مدینہ منورہ سے جانب مکہ معظّمہ تین میل کے فاصلے پر ہے یہ مدینہ والوں کا میقات یعنی احرام کی جگہ ہے جیساکہ حج کے بیان میں گزرچکا۔تقلید کے معنی ہیں ہدی جانور کے گلے میں جوتے یا کسی اور چیز کو مضبوط رسی میں باندھ کر جانور کے گلے میں ہار کی طرح ڈال دینا۔ اشعار کے معنی ہیں اونٹ کے کوہان کے داہنے یا بائیں حصے میں نیزہ مارکر کوہان کو لیپ دینا،یہ دونوں عمل بطور نشانی ہدی میں کیے جاتے ہیں اس کی بحث باب حج میں گزرگئی۔

۴؎ **ثنیه** اس پہاڑی کو کہتے ہیں جس میں راستہ ہوجہاں سے گزر کر دوسری جانب پہنچا جائے یعنی آپ قریب مکہ معظّمہ پہنچے کہ اس پہاڑی کو عبور فرماکر مکہ معظّمہ داخل ہوجاتے۔

۵؎ **قصواء** کے معنی ہیں کان کٹی ہوئی اونٹنی حضور کی اونٹنی کان کٹی ہوئی نہ تھی یہ اس کا نام تھا۔مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام سمجھے کہ آج قصواء میں اڑ جانے کا عیب پیدا ہوگیا۔

۶؎ یعنی قصواء نہ تو پہلے اڑیل تھی نہ آج ہے۔اسے رب تعالٰی نے روک لیا جیسے کہ ہاتھی والوں کو روک لیا تھا۔مقصد یہ ہے کہ حرم شریف میں بے وقت جنگ اور کشت و خون نہ ہو۔خیال رہے کہ جب **ابرہہ** بادشاہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی تو جب ذوالمجاز پہنچا تو اس کا ہاتھی مکہ معظّمہ کیطرف نہ چل سکاجب اسے اور طرف چلاتے چل پڑتاادھر چلاتے نہ چلتا۔اس فرمان عالی کا اسی طرف اشارہ ہےذوالمجاز عرفات سے ایک میل دور بازار تھا۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب صحابہ کرام کو گواہ بنا کر یہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ مقصد جنگ نہیں حتی الامکان ہم جنگ سے گریز کریں گے اور کفار مکہ کی ہر وہ شرط مان لیں گے جس میں حرم الٰہی کی اہانت نہ ہو یہ فرمان عالی آئندہ صلح کی تمہید تھا۔

۸؎ یعنی اس راستہ پر تشریف نہ لے گئے جدھر سے عام لوگ مکہ معظّمہ جاتے ہیں اور جدھر کفار مکہ کا اجتماع تھا بلکہ دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔خیال رہے کہ حضور انور کو غدیر اشطاط پر خبر مل گئی تھی کہ قریش ہمارے روکنے کے لیے اسی طرف جمع ہیں۔

۹؎ **ثمد** ث اور میم کے فتحہ سے بمعنی تھوڑا پانی۔یہاں وہ جگہ مراد ہے جہاں تھوڑا پانی ہو کیونکہ آگے تھوڑے پانی کا ذکر آرہا ہے۔(مرقات و اشعہ)

۱۰؎ یعنی عرض کیا یارسول اللہ پیاس ہے پانی کی ضرورت ہے اور کنواں خشک ہوگیا۔معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ سکتے ہیں،جب حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی اور پالی تو اور چیزوں کی کیا حقیقت ہے،حضور خزائن اللہ کے مالک ہیں۔

۱۱؎ سبحان اللہ! اس تیر کو کنوئیں میں ڈلوانے سے اشارۃً سمجھایا کہ جس چیز کو ہمارا ہاتھ لگ جائے اس کے ذریعہ بھی نعمت الٰہیہ مل جاتی ہیں یہ پانی میں برکت دے دینا تیر کا کمال نہ تھا کمال اس ہاتھ پاک کا تھا جس سے تیر مس ہوا۔(مرقات)اولیاءاللہ حضور کی نگاہ کرم سے قدرت کا تیر ہیں،ان کی نگاہ کرم سے تقدیریں پلٹ جاتی ہیں،میاں محمد قدس سرہ فرماتے ہیں۔شعر

ہر مشکل دی کنجی یار ہتھ مرداں دے آئی مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

دردمنداں دے دردنہ چھوڑن اوگن دے گن کردے کامل لوگ محمد بخشا لعل بنان پتھر دے

۱۲؎ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کنواں بعد میں خشک ہوگیا۔مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام اسے جوش مارتا چھوڑ آئے۔

۱۳؎ خزاعہ ازد کے ایک محلّہ کا نام ہے،یہاں کے لوگ خزاعی کہلاتے ہیں،یہ لوگ اپنا یہ مقام چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے تھے،یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت خیر خواہ تھے،یہ بدیل مع اپنے بیٹے عبداللہ کے فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئے۔(اشعہ)

۱۴؎ یہ صاحب ثقفی ہیں ۹ھ میں غزوہ طائف کے بعد ایمان لائے۔(اشعہ)

۱۵؎ سہیل ابن عمرو سرداران قریش سے تھے،غزوہ بدر میں قیدی ہوکر مدینہ منورہ آئے،حضرت عمر نے عرض کی یارسول اللہ ان کے دانت توڑ ڈالیے کہ اب اس منہ سے آپ کی بدگوئی کرتے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس کا انجام اچھا ہوگا۔چنانچہ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگئے اور حضور کی وفات کے بعد جب بعض مکہ والے مرتد ہونے لگے تو آپ نے ان کو نہایت اچھے طریقے سے ارتداد سے روکا اور حضور کی خبر غیب و پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی،آج جب سہیل آئے تو حضور نے فرمایا ان شاءاللہ کام سہل و آسان ہوگیا،چنانچہ سہیل نے صلح نامہ لکھوایا۔

۱۶؎ یہ فرمان عالی حضرت علی سے ہے کیونکہ صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔صالح باب مفاعلہ سے ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے نے آپس میں صلح کی۔(مرقات)حضور انور نے فرمایا تھا اے علی لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم تو سہیل بولے اس بسم اللہ کو ہم نہیں جانتے آپ وہ ہی بسم اللہ لکھیں۔باسمك اللھم حضور نے فرمایا اچھا اے علی یوں ہی لکھو پھر یہ فرمایا جو یہاں مذکور ہے۔(مرقات)

۱۷؎ یعنی چونکہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے اس لیے اس صلح نامہ میں یہ نہ لکھنے دیں گے وہ لکھوائیں گے جس پر ہم اور آپ متفق ہیں یعنی محمد ابن عبداللہ لکھئے(صلی اللہ علیہ وسلم) اکتب کا مطلب یہ ہے کہ آپ جناب علی کو یہ لکھنے کا حکم دیجئے کیونکہ وکیل کا کام خود مؤکل کا کام ہوتا ہے۔

۱۸؎چنانچہ حضور انور نے حضرت علی کو حکم دیا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹاکر ابن عبداللہ لکھ دو،حضرت علی نے عرض کیا قسم خدا کی میں اس لفظ کو نہ مٹاؤں گا۔چنانچہ حضور انور نے صلح نامہ خود اپنے دستِ اقدس میں لے کر وہ لفظ مٹاکر اپنے دستِ اقدس سے لکھاابن عبداللہ۔(مرقات،بخاری وغیرہ)یہاں تین چیزیں یاد رکھو:ایک یہ کہ حضور انور کا خود لکھنا معجزہ ہے کیونکہ حضور انور نے لکھنا نہ تو سیکھا تھا نہ کبھی لکھا تھا۔قرآن کریم فرماتاہے:"وَ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ"قرآن کریم نے لکھنے کی عادت کا انکار فرمایااور یہاں لکھنا بطور معجزہ کا ثبوت ہے۔اس کی مکمل بحث یہاں مرقات میں دیکھو۔دوسرے حضرت علی کے بازوؤں میں یہ طاقت ہے کہ خیبر کا دروازہ اکھیڑ لیں مگر بازو حیدری میں حضور انور کے نام کو کاٹنے کی طاقت نہیں،کیوں ہو وہ نام بلند کرنے والے ہیں نہ کہ کاٹنے والے۔تیسرے یہ کہ حضرت علی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تبدیلی پر کوئی معذرت نہ کی حضور کے لقب شریف کی تبدیلی پر معذرت کردی پتہ لگاکہ شعر

ادب گاہےاست زیرآسماں ازعرش نازک تر　　　نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید اینجا

باخدا دیوانہ وبامصطفٰی ہوشیار باش۔عقیدۂ نبوت عقیدۂ الوہیت سے زیادہ نازک تر ہے،جناب علی کے اس ادب پر ہمارے جان و مال قربان رضی اللہ عنہ۔

۱۹؎یعنی صلح نامہ میں بہت سی شرائط لکھی گئیں منجملہ ان کے ایک شرط تو یہ تھی کہ جو مکہ والا مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے اسے آپ مدینہ منورہ میں نہ رکھیں ہم کو واپس کردیں اور چند شرائط اس کے علاوہ تھیں جو اپنے موقعہ پر ذکر کی جائیں گی۔

۲۰؎اور فریقین کے دستخط صلح نامہ پر ہوگئے۔اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعہ پرخصوصًا جب کہ حرم شریف کا احترام اور مسلمانوں کے خون کا مسئلہ درپیش ہو۔ہر وہ جائز شرط قبول کرلینا جائز ہے جس میں شرعًا کوئی حرج نہ ہو اور بڑا فساد رک جاتا ہو کیونکہ شریعت میں یہ دونوں تحریریں باسمك اللھم اور محمد ابن عبداللہ لکھنا حرام نہیں اور اس تحریر میں مصلحت تھی۔

۲۱؎اسے شریعت میں کہتے ہیں دم احصار کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے پھر حج و عمرہ نہ کرسکے تو وہ وہاں ہی احرام کھول دے اور جانور ذبح کرے۔اس دم احصار کے لیے امام اعظم کے نزدیک حرم میں ذبح ہونا شرط ہے،امام شافعی کے ہاں حل میں بھی ذبح ہوسکتا ہے۔حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل ہے یہ ذبح اسی حصہ میں ہوا۔چونکہ اس صلح نامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ آپ اس وقت بغیر عمرہ کیے واپس جائیں سال آئندہ اسی مہینہ ذی قعدہ میں تشریف لائیں عمرہ کریں اور مکہ معظّمہ میں تین دن قیام فرمائیں اس لیے احصار(یعنی رکاوٹ)پائی گئی اور وہاں ہی احرام کھول دیا گیا،دم احصار کے متعلق مذہب حنفیہ قوی ہے کہ اس کی تائید رب تعالٰی کے اس فرمان سے ہوتی ہے"وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ"اور دوسری جگہ فرماتاہے:"هَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ"یہاں کعبہ سے مراد مکہ ہے۔

۲۲؎ یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظّمہ سے کچھ عورتیں مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئیں تو ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان عورتوں کو واپس لو ٹانے سے منع فرمادیا گیا۔خیال رہے کہ صلح نامہ جو حدیبیہ میں لکھا گیا اس کی تحریر یہ تھی لا یاتیك رجل الا رددته ہمارا جو رجل آپ کے پاس آئے اسے آپ واپس کردیں۔رجل مرد کو کہتے ہیں جس میں عورتیں داخل نہیں۔جن روایات میں بجائے رجل کے احد ہے وہاں روایت بالمعنی ہیں۔راوی نے بجائے رجل کے احد کی روایت کردی۔بعض نے فرمایا کہ صلح مرد و عورت دونوں کے متعلق تھی مگر اس آیت سے وہ شرط عورتوں کے حق میں منسوخ ہوگئی مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

۲۳؎ یعنی جو شادی شدہ مشرکہ کافرہ عورتیں مسلمان ہوکر آئیں تو تم ان کے مہران کے خاوندوں کو پھیردواور اگر کنواری لڑکیاں ہوں یا شادی شدہ عورتو ں نے مہر اپنے خاوندوں سے لیے نہ ہوں تو کسی چیز کی واپسی کی ضرورت نہیں۔اس لیے معلوم ہوا کہ اگر کافرہ عورت مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آئے تو وہ اپنے کافر خاوند کے نکاح سے نکل جائے گی اور اب نکاح ثانی کے لیے عدت واجب نہ ہوگی۔صرف استبراء کے لیے ایک حیض دیکھا جائے گا۔بعض علماء نے فرمایا کہ مہر بھیجنے کا حکم منسوخ۔عطاء،قتادہ اور مجاہد کا یہ ہی فرمان ہے بعض کے نزدیک یہ حکم باقی ہے۔تفسیر مدارک نے منسوخ مانا،دیکھو تفسیر مدارک اور مرقات۔

۲۴؎ ان کا نام عتبہ ابن اسید ہے،ثقفی ہیں،صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات شریفہ میں ہی فوت ہوگئے۔

۲۵؎ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے تین میل فاصلہ پر جانب مکہ معظّمہ ایک منزل ہے جسے اب بیر علی کہا جاتا ہے،یہ اہل مدینہ کا میقات ہے اب وہاں بڑی آبادی ہے۔

۲۶؎ خیال رہے کہ یہ دونوں کافر حربی تھے اور ابوبصیر مسلمان اور کافر حربی کو ہر طرح حیلے بہانے سے قتل کردینا جائز ہے اسی لیے ابوبصیر پر قصاص یا اور کوئی کفارہ لازم نہ ہوا۔

۲۷؎ ذعر ذال کے پیش ع کے جزم سے بمعنی خوف و ڈر اس کی تنوین تعظیم کی ہے تو معنی ہوئے سخت ڈرو خوف و ہراس۔(مرقات و اشعہ)

۲۸؎ کیونکہ ابوبصیر ننگی تلوار لیے ابھی میرے پیچھے آرہے ہیں مجھے چھوڑیں گے نہیں۔

۲۹؎ یہ کلمہ یعنی ویل امه تعجب اور ناراضگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے یہاں تعجب کے لیے ہے اور تعجب ابوبصیر کی جرأت و تدبیر پر ہے جو انہوں نے اپنے چھٹکارے کے لیے کی ہے کہ حضور انور کا عہد بھی قائم رہا اور وہ چھوٹ بھی گئے۔

۳۰؎ اس جملہ کے بہت معانی کیے گئے ہیں ہم نے جو معنی کیے ہیں بہت واضح ہیں یعنی مسعر حرب جزا مقدم ہے اور لو کان الخ شرط مؤخر اور لو کی جزا شرط سے پہلے آسکتی ہے۔بعض نے لو کی جزاء پوشیدہ مانی ہے اور اسے علیحدہ جملہ بنایا ہے۔مسعر سعار سے اسم آلہ ہے جو سعرت النار سے بنا ہے بمعنی آگ دھونکنے کا آلہ۔جنگ کو آگ سے تشبیہ دی گئی اور ابوبصیر کو دھونکنی قرار دیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ باب افعال کا اسم فاعل ہو یعنی اگر کوئی بھی اسے مددگار مل جائے تو یہ مکہ والوں سے کار زار کا بازار گرم کردے۔

۳۱؎ یعنی ابو بصیر اس فرمان عالی سے سمجھ گئے کہ اگر میں مدینہ منورہ میں ٹھہرا تو کفار مکہ پھر مجھے پکڑنے کے لیے آجائیں گے اور حضور انور مجھے ان کے حوالہ کردیں گے اور اب میں مکہ پہنچ کر قتل کردیا جاؤں گا کیونکہ میں نے ان کا ایک آدمی مار دیا ہے۔

۳۲؎ یہ وہ مقام تھا جہاں سے کفار مکہ کے تجارتی قافلے گزرا کرتے تھے۔

۳۳؎ یہ ابوجندل ابن سہیل ابن عمرو وہ ہی ہیں جو مکہ معظّمہ میں ایمان لے آئے تھے،اس پر ان کے باپ نے انہیں قید کردیا تھا اور جب ان کے باپ سہیل ابن عمرو حضور سے صلح نامہ لکھوارہے تھے تو یہ مسلمان کے پاس پہنچ گئے تھے اور پھر مکہ معظّمہ واپس کردیئے گئے تھے اور پھر وہاں قید کردیئے گئے تھے،انہوں نے اسلام کی خاطر بہت مصیبتیں برداشت کی تھیں۔اب یہ کسی صورت سے چھوٹے تو بجائے مدینہ منورہ آنے کے سیف البحر پر ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔

۳۴؎ کیونکہ مکہ معظّمہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ مدینہ منورہ سے ہم واپس کردیئے جائیں گے مطابق صلح نامہ کے اس لیے بجائے مدینہ منورہ آنے کے وہاں جانے لگے۔

۳۵؎ کیونکہ یہ جگہ مکہ معظّمہ اور شام کے درمیان واقع ہے،اہل مکہ کا گزارہ اسی شام کی تجارت پر تھا اس لیے یہ لوگ اس طرف سفر پر مجبور تھے۔

۳۶؎ یہ حضور کی پہلی فتح تھی جو آپ کو اللہ نے کفار پر عطا فرمائی کہ کفار مکہ نے خود ہی اپنی شرط توڑ دی اور حضور کی خوشامد کرکے اس شرط کے توڑنے کی درخواست کی۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین چیزوں پر صلح فرمائی ۱؎ اس چیز پر کہ آپ کے پاس کفار میں سے جو آوے اسے ان کی طرف لوٹا دیں ۲؎ اور مسلمانوں میں سے جو کوئی ان کے پاس پہنچے اسے وہ نہ لوٹائیں اور اس پر کہ سال آئندہ آپ مکہ آئیں ۳؎ اور وہاں تین دن قیام کریں اور وہاں نہ آویں مگر ہتھیار تلوار کمان وغیرہ ڈھکے ہوئے ۴؎ تو آپ کے پاس ابوجندل اپنی قیدیوں میں گھستے ہوئے آئے تو آپ نے انہیں کفار کی طرف واپس کردیا ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ تقریبی تین شرطیں مراد ہیں ورنہ ان کے علاوہ اور شرطیں بھی تھیں مثلًا یہ کہ دس سال تک ہماری آپ کی جنگ نہ ہوگی اور یہ کہ اگر ہمارے آپ کے حلیف آپس میں لڑیں تو آپ اور ہم غیر جانبدار رہیں کہ نہ تو آپ اپنے حلیف کی مدد کریں نہ ہم اپنے حلیف کی مدد کریں۔

۲؎ یہ شرط مسلمانوں کی کمزوری کی بنا پر قبول نہ کی گئی تھی بلکہ حرم شریف کے احترام کے طور پر ورنہ مسلمان اس وقت بفضلہٖ تعالٰی بہت طاقتور تھے،چاہتے یہ تھے کہ حرم کی زمین میں خونریزی نہ ہو ورنہ اب مسلمان بادشاہ یہ شرط قبول نہ کرے گا۔(مرقات)

۳؎ یہ شرط اس لیے لگائی تھی کہ وہ اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرلینے میں اپنی توہین سمجھتے تھے کہ لوگ کہیں گے کفار مکہ دب گئے اور مسلمانوں کو عمرہ کی اجات دے دی۔

۴؎ کیونکہ اس زمانہ میں بند تلوار صلح کی علامت تھی اور ننگی تلوار جنگ کی پہچان تھی اس لیے ان لوگوں نے یہ قید لگائی۔

۵؎ اگرچہ ابوجندل کی آمد صلح نامہ کی تحریر کے دوران میں تھی اور صلح نامہ کا اجراء تکمیل کے بعد ہوتا ہے مگر سہیل نے ضد کی کہ اگر آپ اسے واپس نہ کرتے تو میں صلح نہیں کرتا اس کی ضد کی بنا پر انہیں واپس کیا گیا جیساکہ بخاری شریف وغیرہ میں ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شرط لگائی کہ تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم تم کو واپس نہ دیں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس جائے گا آپ اسے ہم پر لوٹا دیں گے ۱؎ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ یہ لکھ رہے ہیں ۲؎ فرمایا ہاں جو ہم میں سے ان کے پاس جاوے تو اسے اللہ نے دور کردیا ۳؎ اور ان میں سے ہمارے پاس آوے گا تو اللہ اس کے لیے راستہ اور گنجائش کردے گا ۴؎(مسلم)

۱؎ اس کی شرح ابھی گزرچکی کہ جو کافر مکہ معظّمہ سے مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے اسے آپ مکہ لوٹا دیں اور جو مسلمان مرتد ہوکر مکہ معظّمہ آئے اسے ہم مدینہ منورہ واپس نہ کریں گے اپنے ہاں ہی رکھ لیں گے۔آنے سے مراد اپنا دین چھوڑکر وہاں بسنے کے لیے آنا ہے۔

۲؎ یہ سوال تعجب کے لیے ہے ان حضرات کو دو وجہ سے تعجب ہوا:ایک یہ کہ یہ شرط قبول کرنا بظاہر کفار سے انتہائی دبنا ہے حالانکہ ہم اس وقت پندرہ سو جوان ہیں،غزوہ بدر میں ہم نے تین سو تیرہ ہوکر کفار پر فتح پالی تھی تو دبنے کی کیا وجہ۔دوسرے یہ کہ کافر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے اسے مکہ واپس بھیجنا گویا اس کے مرتد ہوجانے کی راہ کھول دینا ہے کیونکہ مکہ واپس جاکر اس کا مسلمان رہنا مشکل ہے مگر اس شرط کی مصلحتیں بعد کے واقعات نے ظاہر کردیں حضور جیسا سیاست دان نہ پیدا ہوا نہ پیدا ہوگا۔یہ تو صحابہ کرام کی انتہائی وفاداری تھی کہ ایسی شرطیں دیکھتے رہے اور سرتابی نہ کی۔اگر یہاں اصحاب موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو بغاوت کردیتے جیسے حضور انور تمام نبیوں کے سردار ہیں ویسے ہی حضور کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ کے سردار ہیں۔

۳؎ یعنی جو مسلمان مرتد ہوجائے اس کا مدینہ منورہ میں رہنا خطرناک ہے اسے مکہ معظّمہ بھیج دینا ہی مفید ہے۔گلا ہوا عضو جسم سے علیحدہ ہوجانا ہی اچھا ہے۔

۴؎ یعنی جو کافر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آجائے اور ہم اسے واپس کردیں تو وہ مکہ معظّمہ پہنچ کر مرتد نہ ہوگا بلکہ اسلام کا مبلغ ہوکر اور مکہ والوں کو مسلمان بنائے گا جسے ہم نگاہ بھر کر دیکھ لیں وہ کہاں جاسکتا ہے۔شعر

تو جو للکار دے آتا ہوا الٹا پھر جائے تو جو چمکار دے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا

اس کے ساتھ ہی ان شاءاللہ وہ مکہ والوں کے ہاتھ ہلاک نہ ہوگا۔اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے گا۔اس کے لیے کوئی راہ نکال دے گا۔اس نے تو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گود میں پرورش کرادیا۔وہ فرعون جس نے موسیٰ علیہ السلام کو روکنے کے لیے اسی ہزار بچے ذبح کرائے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غیبی خبر ہی پوری ہوئی جیساکہ احادیث سے وتواریخ سے ثابت ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے آپ عورتوں کی بیعت کے متعلق فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اس آیت سے امتحان لیتے تھےاے نبی!جب آپ کے پاس مؤمنہ عورتیں بیعت کرنے آئیں،الخ تو ان میں سے جو بی بی اس شرط کا اقرار کرلیتی اس سے حضور فرماتے کہ میں نے تمہیں بیعت کرلیا اس کلام سے جو آپ اس سے کرتے اللہ کی قسم بیعت میں حضور کا ہاتھ مبارک کسی عورت سے نہ چھوا۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے تو مصافحہ فرماکر بیعت لیتے مگر عورتوں سے کبھی مصافحہ نہ فرماتے صرف کلام سے بیعت فرماتے کیونکہ غیر عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے خواہ پیر ہو یا عالم یا شیخ یا کوئی اور۔حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط مؤمنہ مہاجرہ ہو کر مدینہ منورہ آئیں،کنواری تھیں،ان کے اہل نے انہیں بلایا حضور انور نے واپس فرمانے سے انکارکردیااور اس طرح ان سے بیعت لی۔بہرحال مشائخ کو چاہیے کہ عورتوں سے اس طرح بیعت لیا کریں۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے مسور اور مروان سے کہ مسلمانوں نے دس سال تک جنگ بند رہنے پر صلح کی ان سالوں میں لوگ امن سے رہیں۱؎ اور اس شرط پر کہ ہمارے درمیان بند صندوق ہو۲؎ اور یہ کہ نہ تلوار سونتنا ہو نہ زرہ پہننا	

۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ مگر اس شرط کے باوجود فتح مکہ دو سال بعد ہی ہوگئی کیونکہ مشرکین نے اس صلح نامہ کی دو شرطیں خود توڑ دیں اور جب صلح نامہ کی ایک شرط بھی ٹوٹ جائے تو کُل شرطیں ٹوٹ جاتی ہیں۔

۲؎ **عیبہ** چمڑے وغیرہ کا وہ بقچہ یا صندوق جس میں نفیس کپڑے رکھے جائیں۔**مکفوفہ** بنا ہے کف سے یعنی روکنا یعنی کھلنے سے روکنا(مضبوطی سے بندومقفل)یعنی ان دس سال میں ہمارے آپ کے درمیان جنگ ایسی بند رہے کہ کھل نہ سکے جیسے مقفل صندوق۔

۳؎ **اسلال** بنا ہے سلٌّ سے بمعنی تلوار سونتنا اس لیے ننگی تلوار کو سیف مسلول کہتے ہیں۔**اغلال** مصدر ہے جس کا مصدر ہے غل بمعنی چھپانا اس سے بنا ہے **غلالہ** یعنی نیچے کی واسکٹ یا صدری۔یہاں مراد ہے زرہ پہننا جس سے جسم ڈھک جاتا ہے۔بعض شارحین نے کہا کہ اسلال کے معنی ہیں چھپی ہوئی عداوت اور اغلال کے معنی ہیں خیانت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔(اشعہ)مطلب یہ ہے کہ اس دس سال کے دوران جنگ تو کیا جنگ کی تیاری بھی نہ ہو۔

روایت ہے صفوان ابن سلیم سے ۱؎ وہ متعدد صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں سے ۲؎ راوی وہ اپنے والدوں سے ۳؎ راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ خبردار رہو جس نے کسی معاہدہ والے کافر پر ظلم کیا یا عہد توڑا ۴؎ یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کوئی چیز ناخوش دلی سے لی ۵؎ تو قیامت کے دن اس کا مقابل میں ہوں گا ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،اہل مرتبہ سے ہیں،بڑے عابد زاہد تھے،چالیس سال زمین سے اپنی پیٹھ نہ لگائی، زیادتی سجود کی وجہ سے پیشانی میں گڑھا پڑ گیا تھا،حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ تھے۔بیٹھ کر جان دی،آپ کی ولادت ۶۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی،عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن جعفر،انس ابن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات ہے اور ان حضرات سے اور بہت سے تابعین سے روایت احادیث کرتے ہیں۔(اشعہ)

۲؎ ان بیٹوں میں بعض خود بھی صحابی ہیں اور بعض تابعی۔(مرقات)

۳؎ وہ تمام صحابہ ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ تمام عادل ہیں ان کا نام روایت میں نہ آنا حدیث کو ضعیف نہیں کرتا مگر ان صحابہ کے وہ بیٹے جن سے صفوان یہ روایت لے رہے ہیں وہ تمام حضرات صفوان کے نزدیک ثقہ ہیں اس لیے ان کا نام بتائے بغیر بے دھڑک حدیث نقل فرمارہے ہیں۔

۴؎ معاہدہ والے سے مراد کافر ذمی اور کافر مستامن سب ہی ہیں۔عہد توڑنے سے مراد یا تو مستامن کی مدت امان میں بلاوجہ کمی کردینا ہے یا جو وعدے اس سے کیے گئے تھے انہیں پورا نہ کرنا ہے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں بہت وسعت ہے ذمیوں پر جزیہ ان کی حیثیت سے زیادہ مقرر کردینا،پیداوار کا خراج اندھا دھند مقرر کردینا،جزیہ خراج کی وصولی میں ان پر ناجائز سختی کرنا،ان سے ہدیے تحفے ڈالی کے بہانے ان کا مال وصول کرنا،ان سے رشوتیں لینا وغیرہ۔

۶؎ یعنی میں اس ظالم حاکم کی شفاعت کرنے کی بجائے اس کی شکایت کروں گا اور عذاب سے بچانے کی بجائے اسے عذاب میں گرفتار کراؤں گا یہ اس رحمۃ اللعالمین کا رحم کہ اس رحم سے کفار بھی محروم نہیں۔

روایت ہے حضرت امیمہ بنت رقیقہ سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند عورتوں کی جماعت میں بیعت کی تو فرمایا اس میں جس میں تم طاقت و قدرت رکھو ۲؎ میں نے کہا اللہ کے رسول ہم پر ہم سے زیادہ رحیم ہیں ۳؎ بولی یارسول اللہ ہم سے بیعت لیجئے یعنی ہم سے مصافحہ کیجئے تو فرمایا میرا سو عورتوں سے فرمان ایسا ہی ہے جیسے ایک عورت سے فرمان ۴؎	

۱؎ **امیمہ** تصغیر سے ہے،آپ امیمہ بنت عبداللہ ہیں،رقیقہ آپ کی والدہ کا نام ہے،رقیقہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ام المؤمنین کی بہن ہیں تو امیمہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ کی بھانجی ہیں،آپ کی والدہ رقیقہ بنت خویلد ہیں۔

۲؎ یعنی ہم نے بیعت میں اعمال صالح کرنے،گناہوں سے بچنے کا عہد کیا مگر یہ بھول گئے کہ بقدر طاقت کی قید لگالیتے تو حضور انور نے ہم کو خود یاد دلایا کہ یہ قید لگالو کہ بقدر طاقت نیکیاں کریں گے۔

۳؎ یا تو زبان سے کہا یا دل میں سوچا،چونکہ حضور انور کا فرمان رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔**اللہ و رسولہ** فرمایا **سبحان اللہ!** اللہ رسول کی مہربانی ہم پر اتنی ہے کہ خود ہم کو اپنے پر اتنی مہربانی نہیں ان کا رحم و کرم ہمارے خیال سے وراء ہے۔

۴؎ آپ سمجھیں کہ بغیر مصافحہ بیعت ہوتی ہی نہیں اس لیے عرض کیا حضور بیعت میں جواب عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں سے بیعت صرف کلام سے لی جاتی ہے اور ایک عورت سے بیعت سو عورتوں سے بیعت ایک ہی کلام شریف سے ہوجاتی ہے۔اس حدیث کو برک،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،موطا امام مالک نے بروایت محمد ابن منکدر نقل فرمایا مگر صاحب مشکوۃ کو یہ حوالے ملے نہیں اس لیے انہوں نے رواہ فرماکر جگہ خالی چھوڑ دی۔ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے،اس کے راوی محمد ابن منکدر ہیں۔(مرقات،اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا ۱؎ تو	

	مکہ والوں نے مکہ میں داخلہ کی اجازت دینے سے انکارکردیا حتی کہ ان سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ اگلے سال تشریف لائیں مکہ میں تین دن قیام فرمائیں۲؎ تو جب انہوں نے تحریر لکھی تو لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے فیصلہ فرمایا وہ بولے ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ اگر ہم جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو نہ روکتے لیکن آپ محمد ابن عبداللہ ہیں ۳؎ تو فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد ابن عبداللہ بھی ہوں۴؎ پھر علی ابن ابی طالب سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو محو کردو ۵؎ وہ بولے اللہ کی قسم میں کبھی آپ کو محو نہ کروں گا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا حالانکہ آپ اچھی طرح لکھتے نہ تھے پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد ابن عبداللہ نے صلح فرمائی ۷؎ کہ مکہ میں داخل نہ ہوں گے ہتھیاروں کے ساتھ سوا تلوار کے وہ بھی میان میں ۸؎ اور یہ کہ مکہ کے باشندوں میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے اسے نہ لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے صحابہ میں سے نہ روکیں گے اگر وہ مکہ میں رہنا چاہے ۹؎ پھر جب حضور مکہ میں تشریف لائے اور مدت گزر گئی تو مکہ والے علی کے پاس آئے بولے اپنے ایمان کے ساتھی سے عرض کرو۱۰؎ کہ ہمارے پاس سے تشریف لے جاویں کہ معیاد گزر چکی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ۱۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی عمرہ کا ارادہ فرمایا،احرام باندھ لیا،یہ واقعہ ۶ھ؁ دوشنبہ کو ہوا۔(مرقات)

۲؎ یہ واقعہ پہلے بیان ہوچکا۔

۳؎ یعنی آپ اس صلح نامہ میں اپنے نام شریف کے ساتھ رسول اللہ تحریر نہ کریں بلکہ ابن عبداللہ لکھوائیں کیونکہ آپ کو رسول اللہ نہ مانتے تھے نہ مانتے ہیں،آج یہ لفظ سہیل ابن عمرو کے منہ سے نکل رہے ہیں عنقریب یہ ہی سہیل کلمہ شہادت پڑھیں گے مسلمان بنیں گے،یہ ہے تیرے رب کی بے نیازی۔

۴؎ یعنی یہ دونوں لفظ حق ہیں،ہم میں دونوں صفات موجود ہیں جو چاہو لکھ لو ہم کو اس پر اعتراض نہیں سبحان اللّٰہ! یہ ہے تحمل ہمارے نبی کا صلی اللہ علیہ وسلم۔مقصد یہ تھا کہ جنگ نہ ہوتاکہ حرم شریف اور بیت اللہ میں خونریزی نہ ہو صلح ہوجائے۔

۵؎ اور اس کی جگہ لکھ دو ابن عبداللہ جیساکہ سہیل کا اصرار ہے۔

۶؎ یعنی علی کے ہاتھ سے لفظ رسول اللہ پر قلم نہ چلے گا،یہ حکم سے سرتابی نہیں بلکہ انتہائی جوش ایمانی اور جذبہ عشق رسول اللہ ہے محبت و اخلاص کی حد ہوگئی۔آپ جانتے تھے کہ یہ حکم وجوب شرعی کے لیے نہیں ہے۔بہرحال جناب علی مرتضٰی کا یہ عمل قابل صد ستائش ہے۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کسی سے لکھنا سیکھا نہ خود کبھی لکھنے کی مشق کی نہ اس سے پہلے کبھی کچھ لکھا تھا،آج اچانک اپنے دست اقدس سے پوری عبارت تحریر فرمائی۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت قرآنیہ کے خلاف نہیں "وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ" کیونکہ آیت کریمہ میں ظہور نبوت سے پہلے کتاب پڑھنے کی اور لکھنے کی نفی ہے اور یہاں اس موقعہ پر لکھنے کا ثبوت ہے۔یہ موقعہ ظہور نبوت سے برسوں کے بعد ہے اور یہ لکھنا بھی حضور انور کا معجزہ ہے یا یوں کہو کہ آیۃ کریمہ میں لکھنے کی عادت کی نفی ہے اور یہاں ایک بار لکھنے کا ثبوت جیسے قرآن مجید فرماتاہے:"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ"ہم نے اپنے محبوب کو شعر گوئی نہ سکھائی اور احادیث سے ثابت ہے کہ کئی دفعہ حضور انور کے منہ شریف سے شعر صادر ہوئے جیسے **ھل انت الااصبع رمیت** اور جیسے **کل امرئی مصبح فی اھلہ** وغیرہ کہ آیت کریمہ سے شعر گوئی کی عادت کی نفی ہے اور حدیث شریف میں دو چار شعر صادر ہونے کا ثبوت ہے۔

۸؎ یعنی ہم سال آئندہ عمرہ کرنے اس ماہ ذیقعدہ میں آئیں گے تیر کمان وغیرہ سامان جنگ ساتھ نہ لائیں گے صرف تلوار ساتھ لائیں گے وہ بھی میان میں بند۔

۹؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی یہاں صرف تین شرطوں کا ذکر ہے مگر شرائط ان کے علاوہ اور بھی تھیں جو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ جو مکہ معظّمہ کا کافر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ رہنا چاہے آپ اسے نہ رکھیں اور جو مدینہ منورہ کا مسلمان مرتد ہو کر مکہ معظّمہ رہنا چاہے تو آپ اسے نہ روکیں حضور انور نے یہ شرط منظور فرمالی۔

۱۰؎ **صاحبك** کا یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے۔ساتھی بہت قسم کے ہوتے ہیں:وطن کے ساتھی،پیشہ کے ساتھی،گھر کے ساتھی،باہر کے ساتھی،دل کے ساتھی،جان کے ساتھی،ایمان کے ساتھی،یہاں ایمان کے ساتھی مراد ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے ایمان کے ساتھی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۱؎ چنانچہ جب حضور روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ کی دختر حضور انور کے ساتھ آگئیں جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔

باب اخراج الیھود من جزیرۃ العرب

جزیرہ عرب سے یہودیوں کے نکالنے کا بیان ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ عرب اس جزیرہ کا نام ہے جو بحر ہند،بحر شام،دجلہ و فرات سے گھرا ہوا ہے۔عدن سے شام تک طول ہے،جدہ سے عراق تک عرض ہے۔اس کے پانچ صوبے ہیں:حجاز،عراق،یمن،نجد، بحرین،باقی دیگر ممالک کا نام عجم ہے اگرچہ عرب سے یہودونصاریٰ دونوں ہی کو نکالا جائے گا مگر یہاں صرف یہود کا ذکر کیا گیاکیونکہ حضور انور نے حکم تو دونوں فرقوں کے نکالنے کا دیامگر عمل شریف صرف یہود کے نکالنے کا کیا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تھے کہ حضور نے فرمایا یہود کی طرف چلو۱؎چنانچہ ہم حضور کے ساتھ چلے حتی کہ ہم ان کے مدرسہ میں پہنچے تو ۲؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرماکر فرمایا اے یہود کی جماعت اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے ۳؎جان رکھو کہ زمین اللہ رسول کی ہے۴؎اور میں ارادہ کررہا ہوں کہ تم کو اس زمین سے جلا وطن کردوں ۵؎تو تم میں سے جو اپنا کچھ مال پائے تو اسے فروخت کردے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎تبلیغ کے لیے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎مدارس یا تو درس سے بنا ہے یا دراسۃ و تدریس سے،بیت المدارس کے معنی سبق لینے تعلیم حاصل کرنے کا گھر،کبھی یہودیوں کے عالم کو بھی مدرس کہتے ہیں یعنی درس دینے والا،بعض روایا ت میں یوں ہے حتی اتی المدارس۔بہرحال اس سے مراد یا یہود کا دینی مدرسہ ہے یا ان کے پوپ پادری کا گھر جو مدینہ منورہ میں تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے لیے کفار کے گھروں ان مدرسوں،خانقاہوں میں جانا سنت سے ثابت ہے۔

۳؎یعنی آپ وہاں بیٹھے نہیں بلکہ کھڑے کھڑے ان سے یہ کلام فرمایا یا اس لیے کہ وعظ و خطبہ کھڑے ہوکر کرنا بہتر ہے یا اس لیے کہ آپ نے ان کفار کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ فرمایا۔سلامت رہو گے کے معنی ہیں دین ودنیا کی آفات سے بچے رہو گے،اسلام اور نماز رحمانی قلعہ ہے جس میں داخل ہوکر انسان بہت سی آفات سے بچ جاتا ہے،اس کا بہت تجربہ

ہے۔معلوم ہوا کہ تبلیغ نرمی سے کرنا بہتر ہے اور نذارت سے بشارت اعلیٰ کہ حضور انور نے انہیں اسلام لانے پر سلامتی کی بشارت دی۔

۴؎ظاہر ہے کہ ارض سے مراد ساری زمین ہے اور مطلب یہ ہے کہ زمین مخلوق و مملوک رب تعالیٰ کی ہے پھر اس کے مالک بنانے سے میری ملکیت ہے"اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ"۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کا ملا کر ذکر کرنا حرام نہیں اور یہ کہنا کہ ہم اللہ رسول کے ہیں دنیا و آخرت اللہ و رسول کی ہے شرک نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تملیک الٰہی سے اللہ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔شعر

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنادیا دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

۵؎تاکہ زمین مدینہ تمہارے وجود نامسعود سے پاک ہوجائے اور یہاں صرف اسلام ہی رہے،ان یہود کی وجہ سے دن رات فتنے رہتے تھے،احزاب جیسی تکلیف مسلمانوں کو انہی یہود مدینہ کی وجہ سے پہنچی،ہمیشہ سلطنتیں اپنے ملک سے غداروں فتنہ گروں کو نکالتی ہیں،جرمنی کے ہٹلر نے یہودیوں کو جرمن سے نکالا تھا،اب بھی خاص مجرموں کو کالا پانی دیا جاتا ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود مدینہ بنی نضیر کو نکالنا حکم الٰہی سے تھا،چونکہ آپ خلیفۃ اللہ ہیں لہذا فرماتے ہیں کہ میں تم کو جلا وطن کرنا چاہتا ہوں۔

۶؎بمالہ کی ب بمعنی عن ہے یعنی ہم تم کو ضبط مال کی سزا نہیں دیتے تم منقول مال ساتھ لے جاؤ اور غیر منقول مال فروخت کرکے قیمت حاصل کرلو۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر۔جب انہوں نے مسلمانوں کو مکمل مٹا دینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے احزاب کا واقعہ پیش آیا تب حضور انو رنے بنی قریظہ کو تو قتل کرادیا اور بنی نضیر کو جلا وطن فرمادیا یہ گفتگو بنی نضیر سے ہے،یہ واقعہ ۴ھ میں ہوا اور قتل بنی قریظہ ۵ھ میں ہوا اور حضر ابوہریرہ ۷ھ میں ایمان لائے۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے مجبور کی بیع جائز مانی۔خیال رہے کہ بیع مضطراور ہے بیع مکرہ اور ہے،یہاں بیع مضطر ہوگی بیع مکرہ نہ ہوگی۔بیع مکرہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی چیز فروخت کرنا نہ چاہے اسے مار پیٹ کر بیع کرالی جائے یہ بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔خیال رہے کہ امام مالک کے ہاں کسی کافر کو ملک عرب میں رہنے کی اجازت نہیں،امام شافعی کے ہاں مکہ،مدینہ،یمامہ کے لیے یہ حکم ہے،نیز علماء فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو حجاز میں آنے کی اجازت نہیں ہاں بطور سیر آئیں تو تین دن سے زیادہ وہاں قیام نہ کریں،اگر خفیہ طور پر آجائیں تو نکال دیئے جائیں،اگر وہاں مرکر دفن ہوجائیں تو ان کی نعش حجاز سے نکال دی جائے۔اما م اعظم کے ہاں کفار عارضی طور پر حجاز بلکہ حرم میں جاسکتے ہیں،اس کی پوری بحث کتب فقہ اور مرقات میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جناب عمر خطبہ فرمانے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود سے ان کے مالوں پر معاملہ طے کیا تھا اور فرمایا تھا جب تک اللہ تم کو برقرار رکھے ہم تم کو برقرار رکھیں گے ۱؎میں ان کی جلاوطنی

	مناسب سمجھتا ہوں ۲؎ جب حضرت عمر نے اس کا پورا ارادہ کرلیا تو بنی ابوحقیق کا ایک شخص آیا۳؎ بولا اے امیر المؤمنین آپ تو ہم کو نکال رہے ہیں حالانکہ حضور نے ہم کو برقرار رکھا تھا اور ہم سے مالوں پر معاملہ فرمایا تھا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا تو سمجھتا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھول گیا کہ تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا کہ تجھ کو تیری اونٹنیاں رات بہ رات لیے پھرتی رہیں گی۴؎ وہ بولا یہ تو ابوالقاسم کا تمسخر تھا تو آپ نے فرمایااے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے ۵؎ چنانچہ ان کو نکال دیا اور ان کو ان کے جو کچھ پھل،مال،اونٹ،سامان،رسیاں وغیرہ تھیں ان کی قیمت دے دی ۶؎ (بخاری)

۱؎ یعنی حضور نے فتح خیبر فرماکر یہود خیبر کو وہاں عارضی قیام کی اجازت دی تھی اس طرح کہ اپنے باغوں میں وہ کام کاج کریں پیداوار آدھی ان کی ہو آدھی مسلمانوں کی اور فرمایا تھا کہ یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے نہیں جب ہم چاہیں گے تم کو نکال دیں گے،یہ حضور انور کی خصوصیات سے ہے،ورنہ اب باغ یا کھیت کا ٹھیکہ اس طرح دینا جائز نہیں،ٹھیکہ کے لیے معیاد مقرر ہونا ضروری ہے کہ فلاں وقت تک۔(مرقات)

۲؎ یعنی اب چاہتا ہوں کہ ان یہود کو خیبر سے بھی نکال دوں کہ ان کا خیبر میں رہنا بھی خطرناک ہے اور میرا نکالنا خود حضور انور کا نکالنا ہے۔

۳؎ بنی حقیق یہود کا بہت بڑا مالدار قبیلہ تھا،حقیق بروزن کریم،ان کا کوئی امیر یا سردار آیا اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۴؎ سبحان اللہ! حضور کی یہ غیبی خبر تو معجزہ اور حضرت عمر کا یہ فرمان اس طرح یاد رکھنا آپ کی کرامت ہے گویا آپ اس وقت کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اس فرمان میں یہ بھی اشارہ تھا کہ تم لوگ عرب سے ایسے نکالے جاؤ گے کہ کوئی ملک تمہیں قبول نہ کرے گا،مارے مارے پھرو گے،یہ اب تک مارے مارے پھرتے رہے،اب امریکہ نے انہیں فلسطین میں بسایا چودہ سو برس کے بعد ان شاءاللہ پھر نکلیں گے۔

۵؎ کیونکہ حضور کی کوئی بات غلط نہیں ہوتی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے۔

۶؎ اس طرح کہ اس سال کی پیداوار کے نصف حصہ کی قیمت ان کو دی اور وہ جو سامان نہ لے جاسکے اس کی قیمت عطا فرمادی،اگر آج کی حکومتیں ہوتیں تو ان کے سارے مال ضبط کرکے نکال دیتیں کہ وہ ملک اور اسلام کے غدار تھے،انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا اور بھی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی وصیت کی مشرکین کو

جزیرہ عرب سے نکال دو ۱؎ اور وفود کو عطیہ دو جیسے انہیں عطیہ دیتا تھا ۲؎ ابن عباس نے فرمایا کہ تیسری وصیت سے خاموشی فرمائی ۳؎ یا کہا کہ میں بھول گیا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ بعض شارحین نے یہاں جزیرہ عرب سے مراد حجاز لیا ہے،امام شافعی کے ہاں بھی صرف حجاز مراد ہے یعنی مکہ مدینہ اور یمامہ۔(اشعہ)

۲؎ یہ دوسری وصیت ہے یعنی جو لوگ اپنی قوم کے نمائندے بن کر مدینہ منورہ آئیں ان کی خاطر و مدارات کرو،انہیں تحفے تحائف دو جیساکہ ہمارا عمل رہا۔سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ان وفدوں کی آمد پر بہت خوشی ظاہر فرماتے تھے،یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے ایمان انکی وفاداری کے عہد کے پیغام لے کر آتے تھے،حضور سے بیعت کراتے تھے حضور سے بیعت کرتے تھے،ان کی بیعت ساری قوم کی بیعت ہوتی تھی۔

۳؎ یہا ں کچھ کتابت کی غلطی ہے **قال** کا فاعل حضرت ابن عباس نہیں ہیں بلکہ سلیمان احول ہیں جو سعید ابن جبیر سے راوی وہ عبداللہ ابن عباس سے راوی،یعنی سلیمان کہتے ہیں کہ سعید ابن جبیر تیسری وصیت کے بیان سے خاموش رہے یا انہوں نے بیان فرمائی تھی مجھے یاد نہ رہی،ممکن ہے کہ تیسری وصیت یہ ہو کہ تم میری قبر کو بت نہ بنالینا جس کی پرستش کی جائے۔**واللہ ورسولہ اعلم**!(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں مجھے عمر ابن خطاب نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں یہودیوں عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا حتی کہ اس میں نہ چھوڑوں گا مگر مسلما ن کو ۱؎ (مسلم)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو **ان شاءاللہ** یہود وعیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا ۲؎	

۱؎ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ عرب سے تمام دینوں کو نکال دوں،یہاں صرف مسلمان رہیں تاکہ یہ جگہ فتنہ و فساد کی نہ رہے صرف حج وعمرہ،زیارت اور ذکر الٰہی کے لیے رہے جہاں صرف عبادات ہوں سیاسی اڈہ اور فتنہ فساد کا اکھاڑہ نہ بنے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو یہود سے خالی کرالیا،اس طرح کہ وہاں کے یہودیوں میں سے بنی قریظہ کو قتل کردیا اور بنی نضیر کو جلا وطن فرمادیا،خیبر فتح فرمایا تو وہاں کے یہود کو عارضی طورپر کچھ روز رہنے سہنے کی اجازت دی،پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہاں سے بھی نکال دیا،اس طرح حضور انور کی یہ خواہش رب نے پوری فرمادی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	اس میں صرف حضرت ابن عباس کی ہی روایت ہے کہ دو قبلہ نہ ہوں اور وہ جزیہ کے باب میں گزر گئی۔1

1یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں ہی تھی اور دوسری فصل میں صرف وہ ایک ہی حدیث تھی ہم نے اسے باب الجزیہ میں بیان کردیا،اگر یہاں بھی لاتے تو مکرر ہوجاتی اس لیے ہم یہاں نہ لائے اور دوسری فصل حدیث سے خالی رہی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے یہود و نصاریٰ کو حجاز کی زمین سے نکال دیا1 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر والوں پر غالب ہوئے تھے تو وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا تھا2 جب حضور اس پر غالب ہوئے تو وہ زمین اللہ رسول اور سارے مسلمان کی تھی3 تب یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ انہیں یہاں ہی چھوڑدیں اس شرط پر کہ وہ لوگ کام کاج کریں اور مسلمانوں کے لیے آدھے پھل ہوں4 تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم کو اس ہی شرط پر رکھتے ہیں جب تک چاہیں چنانچہ وہ قائم رہے حتی کہ ان کو حضرت عمر نے اپنی خلافت میں تیما اور اریحا کی طرف جلاوطن کردیا5 (مسلم،بخاری)

1یہاں مرقات نے فرمایا کہ زمین حجاز سے مراد جزیرہ عرب ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ملک عرب سے یہود کو نکال دیا۔

2اس نکالنے کی چند وجہیں ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

3یعنی یہ زمین مسلمانوں کی ملک قرار دی گئی دوسرے علاقوں کی طرح زمین وہاں کے باشندوں کی نہ رکھی گئی اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے۔

۴؎ یعنی باغات کی خدمات یہ لوگ کریں مالک مسلمان ہوں اور پیداوار آدھی آدھی ہو اس طرح کہ مسلمانوں کو ملکیت کی وجہ سے آدھی پیداوار ملے اور ان یہود کو خدمت کی وجہ سے آدھی پیداوار ملے اسے اردو میں ٹھیکہ کہتے ہیں۔

۵؎ یہ دونوں بستیاں بیت المقدس کے پاس ہیں ملک فلسطین میں،بعض شارحین نے فرمایا کہ تیما تو عرب میں واقع ہے اور اریحاء ملک فلسطین کہلاتا ہیں۔

باب الفیٔ

فیٔ کا بیان ۱ؐ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ کبھی فیٔ بمعنی غنیمت آتا ہے یعنی جو مال کفار سے بحالت جنگ لڑکر لیا جائے،اور کبھی فیٔ وہ مال کہلاتا ہے کہ جو کفار سے بغیر جنگ ملے۔غنیمت سے خمس نکال کر باقی چار خمس مجاہدین کو دیئے جاتے تھے مگر فیٔ میں نہ خمس ہے نہ تقسیم،یہاں فیٔ کے یہی معنی ہیں جیساکہ اس باب میں مذکورہ حدیث سے معلوم۔اس فیٔ میں حضور مختار مطلق تھے جہاں چاہیں خرچ کریں۔اب فیٔ خراج کے حکم میں ہے کہ وہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ ہوگا جیسے پل بنانا،قاضیوں،علماء کی تنخواہ،پولیس پر خرچ۔(مرقات)امام شافعی کے ہاں فیٔ،جزیہ،خراج میں سے بھی خمس لیا جائے گا مگر یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج سے خمس لیا۔(مرقات)اور ان سے پہلے پیچھے کسی نے یہ قول نہ کیا۔

روایت ہے حضرت مالک ابن اوس ابن حدثان سے ۱؎ فرماتے ہیں حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فیٔ میں سے ایسی چیز سے خاص فرمایا جو ان کے سوا کسی کو نہ دی ۲؎ پھر یہ آیت تلاوت کی وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ، قَدِیْرٌ تک ۳؎ پس یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص رہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو اس مال سے سال بھر کا خرچ دیتے تھے ۴؎ پھر جو بچتا تھا تو اسے لیتے اللہ کے مال کے مصرف میں خرچ فرماتے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ بصری ہیں،صحیح تر یہ ہے کہ صحابی ہیں لیکن آپ سے کوئی روایت ثابت نہیں صحابہ کرام سے ہی احادیث روایت کرتے ہیں،آپ کی اکثر روایات حضرت عمر سے ہیں،مدینہ منورہ میں رہے، ۹۲ھ میں وفات پائی۔(مرقات واشعہ)

۲؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے:"فَمَآ اَوۡ جَفۡتُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ خَيۡلٍ وَّ لَا رِكَابٍ"یعنی کفار کا جو مال بغیر جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے اس میں نہ خمس ہے نہ تقسیم بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے مالوں میں بالکل اختیار ہے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

۳؎ خیال رہے کہ قبیلہ بنی نضیر کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا،ان کے مال مدینہ پاک میں رہ گئے،یہ قوم مدینہ منورہ سے صرف دو میل فاصلہ پر تھی،صحابہ کرام پاپیادہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوکر وہاں پہنچے اور بغیر جنگ ان پر قبضہ کرلیا گیا،مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ بھی مال غنیمت کی طرح تقسیم ہوں گے تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ تقسیم غنیمت میں ہوتی ہے یہ غنیمت نہیں ہے فئ ہے لہذا یہ اموال حضور انور کے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

۴؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات کے لیے کبھی کچھ جمع نہ فرمایا مگر اپنی ازواج پاک کو ایک سال کا خرچہ اس زمانہ کے بعد عطا فرمایا لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جو مروی ہے کہ حضور نے کل کے لیے کچھ نہ رکھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بال بچوں کے لیے سال بھر کا گندم لکڑی وغیرہ خرید لینا سنت ہے کہ اس میں بےفکری بھی ہے اور برکت بھی۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فئ میں سے اپنے سال کا خرچ نکال کر باقی فقراء مساکین اور ضروریات دینی میں خرچ فرماتے تھے،یہ ہی اب سلاطین اسلامیہ کو حکم ہے کہ فئ کا تمام مال مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں،اس مال سے پلوں کی تعمیر،لشکروں کے واسطے ہتھیاروں کی خریداری،قاضیوں و علماء دین کی تنخواہیں ادا کریں،یہ ہی امام اعظم قدس سرہ کا مذہب ہے۔بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ فئ میں سے بھی خمس لیا جائے گا غنیمت کی طرح باقی چار خمس مجاہدین پر خرچ ہوں گے۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ بنی نضیر کے مال ان میں سے تھے جو اللہ تعالٰی نے اپنے رسول پر فئ فرمائے جن پر مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ چنانچہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے خاص طور پر رہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو ایک سال کا خرچ دیتے تھے پھر جو باقی بچتا تھا اسے اللہ کی راہ میں ہتھیاروں جانوروں میں خرچ کرتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے کہ بنی نضیر کے جلاوطن ہوجانے کے بعد ان کے متروکہ مالوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح خرچ کرتے تھے کہ اولًا اپنے گھر کا سال بھر کا خرچ نکالا پھر باقی مال مجاہدین پر خرچ فرمایا۔خیال رہے کہ وہ جو احادیث پاک میں ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن متواتر شکم سیر کھانا نہ ملاحظہ فرمایا یہ واقعات بنی نضیر کے مال حاصل کرنے سے پہلے کے ہیں بعد میں رب تعالٰی نے وسعت دے دی،پھر اس زمانہ کے بعد جو فقروفاقہ کی نوبت آتی تھی اس کی وجہ ازواج پاک کا زیادہ خیرات و صدقات تھے کہ یہ حضرات فقراء پر بہت خرچ فرمادیتی تھیں سال بھر کا خرچہ

جلد ختم ہوجاتا تھا اور نوبت فاقہ کو پہنچتی تھی،نیز اس سال کے خرچہ میں کچھ جو کچھ کھجوریں ہوتی تھیں سال ان ہی سے نکالا جاتا تھا۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور دنیا سے تشریف لے گئے مگر پھر بھی مسلسل دو دن گندم کی روٹی شکم سیر ہوکر نہ کھائی،اس کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ کھانا کبھی روٹی کبھی کھجوریں تھا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ چونکہ اس زمانہ پاک میں پلوں کی تعمیر،قاضیوں،علماء کی تنخواہوں کا رواج نہ تھا اور ہر وقت تیاری جہاد رہتی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فئ کا مال اس پر ہی خرچ فرماتے تھے۔اب سلاطین پل،مساجد کی آبادی،فقہاء،علماء دین کی تنخواہوں پر بھی خرچ کریں گے،سرکار اسی فئ سے فقراء مہاجرین پر بھی خرچ کرتے تھے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فئ آتا تھا اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے اس طرح کہ گھر بار والے کو دو حصے اور(چھڑے)اکیلے کو ایک حصہ دیتے ۲؎ چنانچہ میں بلایا گیا تو مجھے دو حصے دیئے میرے گھر والے تھے پھر میرے بعد عمار ابن یاسر کو بلایا گیا تو انہیں ایک حصہ عطا فرمایا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ قبیلہ بنی اشجع سے ہیں،غزوہ خیبر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کے علم بردار تھے،شام میں قیام رہا وہاں ہی وفات پائی۔

۲؎ یعنی شادی شدہ کو دو حصے اس کا اور اس کی بیوی کا،کنوارے یا بغیر زوجہ والے کو ایک حصہ صرف اسی کا۔(مرقات)اصطلاح میں اھل بیوی کو کہا جاتا ہے،اھل اسم فاعل بمعنی بیوی والا۔

۳؎ کیونکہ اس وقت حضرت عمار کے پاس زوجہ نہ تھیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب پہلے کوئی چیز آتی تو آزاد شدگان سے شروع فرماتے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ شارحین نے محررین کے تین معنے کیے ہیں:آزادکردہ غلام کیونکہ وہ اکثر فقراء ہوتے ہیں۔مکاتبین جو مال دے کر آزاد ہوں ان کی امداد اس مال سے فرماتے۔عابدین جنہوں نے اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف کردیا ہو۔(مرقات)ان میں علماء قاضی صاحبان داخل ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

	ایک تھیلی لائی گئی جس میں منکے تھے تو اسے آزاد لونڈی میں تقسیم فرمایا ۱ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے والد آزاد و غلام میں تقسیم فرماتے تھے ۲ (ابوداؤد)

۱ یعنی فئ میں ایک تھیلی موتیوں کی آئی تو حضور انور نے وہ موتی عورتوں میں تقسیم فرمائے لونڈیوں کو بھی دیئے آزاد عورتوں کو بھی۔

۲ معلوم ہوا کہ موتی صرف عورتوں کے لیے خاص نہیں مردوں کو بھی دیئے جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی تفسیر یہ عمل شریف ہے۔غلام سے مراد یا آزاد کردہ غلام ہیں یا مکاتب غلام کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک ہوتا ہی نہیں اس کا خرچ مولیٰ یا بیت المال پر ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت مالک بن اوس حدثان سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے ایک دن فئ کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ اس فئ کا نہ تو میں تم سے زیادہ حقدار ہوں ۱ نہ ہم میں سے کوئی اس کا زیادہ حق دار ہے ۲ مگر ہم میں سے ہر ایک کتاب اللہ سے اپنے درجہ پر ہے حضور کی تقسیم پر لہذا مرد کو دیا جائے گا اس کے قدیم الاسلام ہونے پر ۳ اور مرد اس کی مشقت پر ۴ اور مرد اس کے بال بچوں پر اور مرد اس کی ضروریات پر ۵ (ابوداؤد)

۱ یعنی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال فئ کے حقدار تھے کہ حضور اس سے اپنا خرچ وصول فرماتے تھے پھر جہاں چاہتے خرچ کرتے میرا یہ حال نہیں ہے میں صرف مسلمانوں کی فلاح وبہبود پر ہی خرچ کروں گا۔معلوم ہوا کہ سلطان اسلام اور خلیفۃ المسلمین مال فئ کے نہ مالک ہیں نہ مستحق،نہ ان کا اس میں کچھ حصہ مقرر ہے وہ صرف قومی کاموں میں خرچ کریں۔

۲ یعنی ہم مسلمانوں سے یا ہمارے گھر والوں میں سے کوئی اس فئ کا زیادہ حقدار نہیں۔سبحان اللہ! کس قدر صاف اور انصاف والا کلام ہے۔

۳ قدم قاف کے کسرہ سے بھی ہوسکتا ہے بمعنی پرانا ہونا اور ق کے فتح سے بھی بمعنی ثابت قدم ہونا دین پر یعنی اب فئ کی تقسیم میں انسان کا قدیم الاسلام ہونا یا دین پر ثابت قدم ہونا دیکھا جائے گا کہ ہر ایسے مؤمن اور ثابت قدم مؤمن کو فئ سے ضرور دیا جائے گا۔واؤ یا عاطفہ ہے یا بمعنی مع اگر عاطفہ ہو تو قدم کو پیش ہوگا اور اگر بمعنی مع ہو تو فتح ہوگا اس طرح وبلاءہ و وعیالہ کی ترکیب ہے۔

۴ یعنی فئ کی تقسیم میں مسلمان کی صبر یا شجاعت کا لحاظ ہوگا۔بلاؤ کے معنی مصیبت بھی ہے اور شجاعت بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔یعنی جن مسلمانوں نے جہادوں میں شجاعتیں دکھائی ہیں ان کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے

گا،جن مسلمانوں نے کفار کے ہاتھوں مصیبتیں زیادہ جھیلی ہوں ان کو زیادہ مقدم رکھا جائے گاغرضیکہ دینی درجہ والے کو فوقیت دی جائے گی۔

۵؎ ان دونوں میں دنیاوی وجہ استحقاق کا بیان ہے یعنی حاجتمند مسلمان کو یوں ہی بال بچوں والے مؤمن کو،دوسرے غیر حاجتمند اور چھڑے اکیلے پر مقدم رکھا جائے گا۔خیال رہے کہ یہ چیزیں نفس استحقاق میں فرق کا باعث نہیں بلکہ درجے مرتبہ اور زیادتی حصہ میں فرق کا باعث ہیں۔آپ معلوم کرچکے ہیں اہل و عیال والے کو دو حصہ عطا ہوئے اوراکیلے چھڑے آدمی کو ایک حصہ۔یہ فرق یا تو رب تعالٰی کی طرف سے ہےکہ رب نے فرمایا:"وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ" یاحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔(مرقات)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے کہ فئ میں سے خمس نہیں لیا جائے گا،یہی احناف کا قول ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے یہ آیت تلاوت کی کہ صدقے فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں حتی کہ علیم حکیم تک پہنچے پھر فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں۱؎ پھر تلاوت کی جان لو جو چیز تم غنیمت لو اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہے حتی کہ پہنچے ابن سبیل تک پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے۲؎ پھر تلاوت کی جو بستی والے اللہ اور اپنے رسول پر فئ کریں حتی کہ للفقراء تک پہنچے۳؎ پھر تلاوت کی وہ جو آئے ان کے بعد پھر فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کو گھیر لیا۴؎ اگر میں زندہ رہا تو چرواہا آئے گا جو بسر اور حمیر کا ہوگا۵؎ اس کا حصہ بھی اس سے ہوگا کہ جس میں اس کی پیشانی پسینہ والی نہ ہوئی۶؎(شرح سنہ)

۱؎ یعنی زکوۃ کے مصرف وہ آٹھ ہیں جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں:فقراء،مساکین،عاملین،مؤلفۃ القلوب،گردنیں چھوڑانا،مقروض،مسافر فی سبیل اللہ یعنی مجاہدین۔

۲؎ یعنی اب مال غنیمت کا خمس ان چار مصرفوں پر صرف ہوگا ذی قربی،یتیم،مساکین،مسافر یہ خمس کے اہل ہیں۔

۳؎ یعنی فئ جو کہ کفار کا مال ان سے بغیر لڑے بھڑے مل جائے وہ اللہ رسول کا ہے،اسے ان پانچ مقامات پر خرچ کیا جائے جو اس آیت میں مذکور ہیں:اللہ رسول،ذی قربٰی،یتیم،مسکین،مسافر،اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی نے فئ کی تقسیم کے بیان میں"وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ"فرماکر تا قیامت مسلمانوں کو شامل فرمالیا۔جس سے معلوم ہوا کہ فئ کو ایسے کاموں پر خرچ کیا جائے گاجس سے تمام مسلمان ان کی آئندہ نسلیں فائدہ

اٹھاتی رہیں جیسے غازیوں،علماء،قاضیوں،پل کی تعمیروں پر بخلاف پچھلی دو آیتوں کے کہ زکوۃ کے مصارف اور غنیمت کے مصرف خاص لوگ قرار دیئے گئے۔

۵؎ بسر اور حمیر یمن کی دو بستیاں ہیں،بسر یمن کا ایک گاؤں ہے اور حمیر وہاں کا مشہور شہر ہے،یہ بستیاں مدینہ منورہ سے کافی فاصلہ پر ہیں اس لیے بطور مثال ان کا نام لیا یعنی دوردراز ملکوں کے مسلمانوں کا بھی فئ میں حصہ ہے۔

۶؎ یعنی وہ دوردراز ملکوں کے مسلمان جنہوں نے کبھی جہاد نہ کیے وہ بھی اس فئ کے حصہ دار ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقسیم فئ میں برابر کے قائل تھے کہ سب کو برابر حصہ دیا جائے۔مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرق مراتب کے لحاظ سے تقسیم میں فرق کرنے کے قائل تھے یہ تھا ان کا اجتہادی اختلاف۔چنانچہ حضرت عمر عطا فئ میں جناب عائشہ کو اپنی بیٹی حفصہ پر ترجیح دیتے تھے،فرماتے تھے کہ اگرچہ یہ دونوں حضور کی زوجہ ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محبوبہ زوجہ ہیں اور حفصہ کے والد یعنی میں حضور کو اتنے پیارے نہ تھے جتنے عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر حضور کو پیارے تھے۔(مرقات)حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک بار فئ کا حصہ حضرت اسامہ ابن زید سے کم دیا تو حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ میں اور اسامہ ہجرت میں یکساں ہیں پھر آپ نے عطا میں فرق کیوں فرمایا تو آپ نے جواب دیا کہ اسامہ کے باپ زید حضور کو زیادہ پیارے تھے تمہارے باپ عمر سے اور اسامہ رضی اللہ عنہ حضور کو زیادہ پیارے تھے تم سے۔(مرقات)بہرحال حضرت فاروق اعظم تقسیم فئ میں فرق کے قائل تھے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مساوات کے قائل ہیں،وہ فئ کو میراث اور غنیمت پر قیاس کرتے ہیں کہ میراث عالم و جاہل بیٹے کو برابر ملتی ہے یوں ہی غنیمت کا مال افضل و ادنی مجاہد کو برابر ملتا ہے۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ جن سے حضرت عمر نے دلیل پکڑی ان میں یہ تھا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین چیزیں پسند کی ہوئی تھیں ۱؎ بنی نضیر،خیبر اور فدک ۲؎ تو بنی نضیر یہ تو آپ کی حاجات کے لیے مخصوص تھا ۳؎ لیکن فدک تو وہ مسافروں کے لیے مخصوص موقوف تھا ۴؎ لیکن خیبر تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصوں پر تقسیم فرمادیا ۵؎ دو حصوں کو مسلمانوں کے درمیان اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کا خرچہ پھر اپنے گھر کے خرچ سے جو بچا اسے فقراء مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیا ۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ صفایا جمع ہے صفیہ کی بمعنی پسند کی ہوئی چھانٹی ہوئی چیز۔حق تعالٰی کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ مال غنیمت میں جو چاہیں اپنے واسطے پسند فرمالیں باقی تقسیم فرمادیں۔حضرت صفیہ ام المؤمنین کو صفیہ اسی واسطے

کہا جاتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے واسطے خاص فرمایا تھا کیونکہ آپ یہود کے سردار کی بیٹی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی اولاد سے تھیں،انہیں آزاد فرماکر ان سے نکاح کرلیا تھا۔

۲؎ بنی نضیر کی زمین مدینہ منورہ سے تین میل فاصلہ پر تھی،خیبر وہاں سے ایک سو ساٹھ میل فاصلہ پر ہے اور فدک خیبر سے تین میل ہے۔اب صرف زمین سفیدہ ہے وہاں باغ نہیں۔ہم نے خیبر کی زیارات کی ہیں۔

۳؎ کہ وہاں کی آمدنی اپنی ازواج پاک،مہمانوں وغیرہ پر خرچ کرتے تھے۔

۴؎ یعنی مسافروں کے لیے نامزد یا موقوف تھا کہ ہر مسافر حاجت مند اس سے خرچ کرے۔

۵؎ یعنی حضور انور نے خیبر کے تین حصے کردیئے تھے کیونکہ خیبر کی بہت سی بستیاں تھیں،نیز خیبر کا کچھ حصہ لڑکر حاصل ہوا تھا کچھ صلح سے لہذا یہ فئ بھی تھا اور غنیمت بھی۔(مرقات)جو حصہ لڑکر فتح ہوا تھا اس میں حضور انور کا خمس تھا اور جو حصہ بغیر لڑے حاصل ہوا تھا وہ خالص حضور انور کا تھا اسی تقسیم کا باعث یہ تھا۔

۶؎ وہ خالص اپنی ملک تھا،اسی سے گھر کا خرچ چلتا تھا لیکن اس خرچ سے جو بچ رہتا تھا وہ بھی مہاجرین فقراء پر خرچ فرمادیتے تھے ان کی غریبی کی وجہ سے،انصار بفضلہٖ تعالٰی غنی تھے اس لیے ان پر خرچ نہ فرماتے۔(اشعۃ اللمعات)اس توجیہ سے حدیث بالکل ظاہر ہوگئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مروان کی اولاد کو جمع فرمایا ۲؎ جب آپ خلیفہ ہوئے پھر فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جس سے آپ خرچ فرماتے تھے اور اس سے بنی ہاشم کے بچوں پر لوٹاتے تھے اسی میں سے اور اسی سے ان کی بیوگان کا نکاح کرتے تھے ۳؎ اور حضرت فاطمہ نے آپ سے سوال کیا تھا کہ یہ انہیں دے دیں تو انکار فرمادیا تھا ۴؎ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں اسی طرح رہا حتی کہ حضور اپنی راہ تشریف لے گئے پھر جب ابوبکر صدیق خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے اس میں وہ ہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی شریف میں کرتے تھے حتی کہ آپ بھی اپنی راہ گئے پھر جب حضرت عمر ابن	

خطاب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اس میں وہ ہی کام کیے جو ان دونوں بزرگوں نے کیے تھے ۵؎ حتی کہ وہ بھی اپنی راہ گئے پھر اسے مروان نے بانٹ لیا ۶؎ پھر وہ عمر ابن عبدالعزیز کے پاس پہنچا تو میں سمجھتا ہوں کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کو نہ دیا اس میں میرا حق نہیں کہ تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اسے اسی حال کی طرف لوٹاتا ہوں جہاں پر وہ تھا یعنی حضور اور ابوبکروعمر کے زمانہ میں ۷؎ (ابوداؤد)	

۱؎ خیال رہے کہ مغیرہ تین ہیں:ایک صحابی،دو تابعی مغیرہ ابن شعبہ صحابی ہیں جن کے حالات بارہا بیان ہوچکے اور اکثر صرف مغیرہ کہنے سے یہ ہی مراد ہوتے ہیں۔دوسرے مغیرہ ابن زید موصلی یہ تابعی ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ منکرالحدیث ہیں۔تیسرے مغیرہ ابن مقسم کوفی نابینا تھے،فقیہی و متقی تھے،۱۳۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔یہاں یہ تیسرے مغیرہ مراد ہیں نہ کہ مغیرہ ابن شعبہ صحابی کیونکہ حضرت مغیرہ صحابی کا انتقال ۵۰ھ پچاس ہجری میں ہوا اور عمر ابن عبدالعزیز ۹۹ھ ننانوے ہجری میں والی بنے تو یہ واقعہ حضرت مغیرہ صحابی کیسے بیان کرسکتے ہیں۔(مرقات)مگر حضرت شیخ کو یہاں سخت دھوکا لگا کہ وہ مغیرہ ابن شعبہ فرماگئے،یہاں تیسرے مغیرہ یعنی ابن مقسم کوفی مراد ہیں۔

۲؎ آپ عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم ہیں،قرشی ہیں،اموی ہیں،تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابوحفص ہے،آپ کی والدہ لیلیٰ بنت عاصم ابن عمرابن خطاب ہیں یعنی حضرت عمرفاروق کی پوتی،سلیمان ابن عبدالملک کے بعد خلیفہ ہوئے، ۹۹ھ میں اور ۱۰۱ھ ایک سو ایک میں وفات پائی،مدت خلافت کل دو سال پانچ مہینہ،عمر شریف چالیس سال ہوئی یا اس سے بھی چند ماہ کم،متقی زاہد شب بیدار،بہت ہی خوفِ خدا رکھنے والے بزرگ تھے،جب آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے آپ کے زمانہ خلافت کے حالات پوچھے گئے تو فرمانے لگیں کہ خلیفہ بننے کے بعد کبھی غسل جنابت نہ کیا،رات کا اکثر حصہ آہ وزاری میں گزارتے تھے۔

۳؎ یعنی باغ فدک کی آمدنی سے حضور انور یہ کام کرتے تھےاولًا اپنے گھر بار پر خرچ،پھر فقراءواقارب پر خرچ فرماتے۔**یعود** کے معنی ہیں باربار ان پر خرچ فرمانایہ فرق ہے عائدہ اور فائدہ کے درمیان،**فائدہ** ایک بارنفی اور **عائدہ** بار بارنفی۔

۴؎ یعنی حضرت فاطمہ زہرا نے حضور کی زندگی پاک میں باغ فدک حضور سے مانگا۔آپ نے تملیک سے انکار فرمادیا،حضور چاہتے تھے کہ باغ میرے بعد وقف رہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام کا متروک مال وقف ہوتا ہے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا حتی کہ حضرت علی نے بھی اسے اپنی خلافت میں تقسیم نہ فرمایا۔

۵؎ یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق نے صرف متولی ہونے کی حیثیت سے اس باغ کی آمدنی کا انتظام فرمایا،کسی نے اسے اپنی ملکیت قرار نہ دیا۔حضرات امہات المؤمنین نے عثمان غنی کو حضرت صدیق اکبر کے پاس طلب میراث کے لیے بھیجنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے منع فرمادیا وہ حدیث سنا کر کہ حضرات انبیاءکرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔(دیکھو اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح)جناب فاطمہ زہرا نے صدیق اکبر سے میراث مانگی تو آپ نے وہ ہی حدیث سناکر تقسیم میراث سے انکار فرمادیا جسے حضرت زہرا نے قبول فرمایا اور اس کے متعلق کبھی ذکر تک نہ کیا،کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ سرکار فرمان مصطفیٰ سن کر ناراض ہوتیں۔**فغضبت** کے معنی ہیں کچھ اور ہیں جو ان شاءاللہ اپنے مقام پر بیان ہوں گے بہرحال یہ باغ وقف رہا۔

۶؎ یعنی مروان ابن حکم نے اپنے دور حکومت میں باغ فدک پر اپنے آپ میں تقسیم کرلیا کہ کچھ حصہ اپنے پاس رکھا کچھ اپنے عزیزوں کو دیا یہ ہی صحیح ہے۔مرقات نے فرمایا کہ مروان کی یہ تقسیم خلافت عثمانی میں ہوئی محض غلط ہے۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان و علی زندہ ہوں اور مروان کی یہ حرکت دیکھ کر خاموش رہیں اور حضرت علی اپنے دور حکومت میں اس کی یہ تقسیم قائم رکھیں مرقات نے یہ سخت غلطی کی ہے۔اشعۃ اللمعات نے یہ ہی فرمایا کہ مروان کی یہ حرکت اپنے دور حکومت میں تھی۔خیال رہے کہ مروان ابن حکم حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دادا ہے،یہ زمانہ نبوی میں پیدا تو ہوا مگر حضور کے دیدار سے محروم رہا کیونکہ حضور انور نے ان کے باپ حکم کو مدینہ سے طائف نکال دیا تھا،یہ اس وقت بہت کم سن تھا خلافت عثمان میں یہ مدینہ منورہ آیا لہذا مروان صحابی نہیں۔

۷؎ یعنی اس باغ میں میرا کچھ حصہ نہیں یہ اسی طرح وقف رہے گا جیسے ان حضرات کے زمانہ میں وقف تھا۔چنانچہ آپ نے تمام بنی امیہ سے وہ باغ واپس لے کر ویسے ہی وقف قرار دے دیا۔یہ عدل و انصاف آپ کے انتہائی تقویٰ،طہارت خوفِ خدا کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت میں باغ فدک حضرت علی و عباس کی تولیت میں دے دیا تھا،یہ دونوں حضرات متولی تھے نہ کہ مالک،پھر ان دونوں نے اس کی تقسیم چاہی تو جناب فاروق نے فرمایا کہ تقسیم کیسی یہ تمہاری ملکیت نہیں صرف تولیت ہے،یہ قصہ بخاری شریف وغیرہ میں بہت تفصیل سے مذکور ہے۔خیال رہے کہ حضرت علی و عباس نے ملکیت کی تقسیم نہ چاہی تھی بلکہ تولیت کی تقسیم کی خواہش کی تھی حضرت عمر نے اس کو بھی قبول نہ فرمایا تاکہ آگے چل کر یہ تقسیم ملکیت کا ذریعہ نہ بن جائے،حضور کا متروکہ مال سارے مسلمانوں کے نفع پر خرچ ہوگا مگر اس کا انتظام یا بادشاہ کرے گا یا جسے بادشاہ اسلام مقرر فرمادے۔

کتاب الصید والذبائح

شکاراورذبیحوں کابیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صید مصدر ہے بمعنی شکار کرنا،کبھی خود شکار کردہ جانور کو بھی صید کہتے ہیں یعنی مفعول پر مصدر بول دیتے ہیں۔شکارِحرم حرام ہے،یوں ہی بحالت احرام شکار کرنا حرام ہے،محض تفریح یعنی لہوولہب کے لیے شکار کرنا بہتر نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکار نہ کیا،بعض صحابہ کرام شکار کرتے تھے،حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کیا کرتے تھے۔ذبائح جمع ہے ذبیحہ کی بمعنی ذبح کیا ہوا جانور۔

روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا کتا چھوڑو تو اللہ کا نام لے دو۲؎ پھر اگر کتا تم پر روک رکھے پھر تم اسے زندہ پالو تو ذبح کرلو۳؎ اور اگر ایسے پاؤ کہ کتے نے قتل کردیا ہو اور اسے کھایا نہ ہو تو بھی کھالو اور اگر کھالیا ہو تو اس نے اپنی ذات کے لیئے روکا ہے۴؎ اگر اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پاؤ حالانکہ قتل کیا گیا ہو تو نہ کھاؤ۵؎ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کس نے قتل کیا اور جب تم اپنا تیر مارو تو اللہ کا نام لے لو۶؎ پھر اگر شکار تم سے دن بھر غائب رہے تم اس میں اپنے تیر کے اثر کے سوانہ پاؤ تو اگر چاہو تو کھالوے۷؎ اور اگر تم اسے پانی میں ڈوبا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ عدی ابن حاتم بن عبداللہ ابن سعد طائی ہیں۔شعبان ۷ھ؁ سات ہجری میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے،پھر حضرت علی کے پاس کوفہ میں رہے،حضرت علی کے ساتھ جنگ جمل صفین نہروان میں حاضر رہے،جنگ جمل میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی،مقام کوفہ میں ۶۷ھ؁ سرسٹھ میں وفات پائی،ایک سو بیس سال کی عمر پائی،آپ بہت قد آور سخی تھے۔

۲؎ یعنی شکاری کتے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑو کہ شکاری کتا تیر کی طرح مانا گیا ہے جیسے شکار پر تیر پھینکتے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے ایسے ہی اس وقت لہذا اگر شکاری کتا خود ہی شکار پر حملہ کردے تو بغیر ذبح شکار حلال نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی کتے نے جانور کو پکڑ لیا مگر ہلاک نہ کیاتم نے اسے زندہ پالیا تو ذبح کرنا فرض ہےاور اگر ذبح نہ کیا اور اب وہ مرگیا تو حرام ہوگیا۔

۴؎ یہ امر اباحت کے لیے ہےیعنی یہ جانور حلال ہے اسے کھاسکتے ہو اورنہی تحریم کے لیے ہےیعنی اگر کتے نے اس کے گوشت سے کچھ کھالیا تو تمہیں اس کا کھانا حرام ہےکیونکہ اس کھالینے سے معلوم ہوا کہ ابھی کتا معلم نہیں شکار میں جاہل ہے اور جاہل کتے کا شکار حرام ہے اگر مرگیا ہو۔

۵؎ یہ اسی صورت میں ہے کہ دوسرا کتا غیر معلم ہو تو اسے شکار پر نہ چھوڑا گیا ہو یا دیدہ دانستہ بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو یا کسی مجوسی یا ہندو وغیرہ نے چھوڑا ہو جس کا ذبیحہ حرام ہے۔اگر دوسرا کتا بھی معلم کسی مسلمان شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہوپھر ان دونوں نے شکار کیا تو شکار حلا ل ہے۔(دیکھو کتب فقہ اور مرقات)اگر شرائط میں سے کسی شرط کا علم نہ ہو تب بھی شکار حرام ہے بہرحال اس میں بہت پابندی ہے۔(اشعہ)

۶؎ تیر سے مراد ہر دھاردار یا نوکیلا ہتھیار ہے جو جسم کو دھار سے کاٹ سکےلہذا اگر شکاری جانور پر تلوار یا چاقو پھینک کر مارا اور وہ دھار یا نوک کی طرف سے لگا تو بھی حلال ہےلیکن غلہ یا گولی کا مارا ہوا حرام ہے تاوقتیکہ ذبح نہ کیا جائے۔

۷؎ یعنی اگر تمہارا دل گواہی دے کہ یہ تمہارے تیر سے ہی مرا ہے تو کھاسکتے ہو اگر دل نہ چاہے اس میں شبہ ہو کہ شاید کسی اور وجہ سے مرا ہوگا تو نہ کھاؤ۔(مرقات)

۸؎ کیونکہ اب شبہ ہے کہ شاید یہ ڈوب کر مرا ہو مشکوک چیز سے پرہیز کرو۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنے سکھائے ہوئے کتے چھوڑتے ہیں ۱؎ فرمایا جو تم پر روک لیں وہ کھالو میں نے کہا اگرچہ قتل کردیں فرمایا اگرچہ قتل کر دیں ۲؎ میں نے کہا ہم تیر سے مارتے ہیں ۳؎ فرمایا جو پھاڑ دے وہ کھالو اور جو چوڑائی میں لگے پھر قتل کردے تو وہ موقوذہ ہے وہ نہ کھاؤ ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کلب معلم(شکاری)وہ کتا ہے جو مالک کے چھوڑنے پر دوڑ جائے واپسی کے اشارہ پر واپس آجائے اور شکار میں کچھ نہ کھائے۔جب تین بار اس کا تجربہ کرلیا جائے تو وہ معلم ہے اگر وہ جانور کو زخمی کردے اور جانور مرجائے تو حلا ل ہے اگر بغیر زخم کے مرگیا تو حرام ہے۔

۲؎ بشرطیکہ جانور اس کے دانت سے زخمی ہوخون بہا ہو۔

۳؎ معراض وہ بھاری تیر ہے جس میں نہ پر ہو نہ نوک والا لوہا،لکڑی نوکیلی ہو۔

۴؎ یعنی وہ تیر وسط کے لحاظ سے لاٹھی ہےکنارہ کے لحاظ سے تیر ہےلہذا اگر نوک کی طرف سے لگے تو حلال ہےاگر لاٹھی کی طرح بیچ سے لگےجس کے بوجھ سے شکار مرجائے تو وہ لاٹھی سے مارا ہوا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوثعلبہ خشنی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض	

	کیا یا نبی اللہ ہم اہل کتاب کی زمین میں رہتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھاسکتے ہیں ۲ اور ہم شکار کی زمین ہی میں ہیں اپنی کمان اور اپنے سکھائے ہوئے کتے سے اور بغیر سکھائے کتے سے شکار کرتا ہوں تو کیا چیز درست ہے ۳ فرمایا جو تم نے کتابیوں کے برتنوں کے متعلق پوچھا تو اگر تم اس کے سوا اور برتن پاؤ تو اس میں نہ کھاؤ اور اور اگر نہ پاؤ تو اسے دھولو اور اس میں کھاؤ ۴ اور جو تم اپنی کمان سے شکار کرو اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو کھاؤ ۵ اور جو تم اپنے سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرو اس پر اللہ کا نام لو تو کھالو اور جو اپنے غیر سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرو تو اس کی ذبح کو پالو تو کھالو ۶ (مسلم،بخاری)

۱ آپ اپنی کنیت میں مشہور ہیں،قبیلہ خشن سے ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی قوم کا مبلغ بناکر بھیجا،آپ کی تبلیغ سے وہ سب مسلمان ہوگئے،آپ کا قیام شام میں رہا،۷۵ھ پچھتّر ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲ یعنی ہم کو ان اہل کتاب کے گھروں یا دوکانوں میں کبھی کھانا پڑ جاتا ہے یا وہ لوگ کبھی ہم کو سالن وغیرہ بھیجتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیا کریں۔خیال رہے کہ اہل کتاب سے خریدوفروخت بھی جائز ہے ان کے ہدیے قبول کرنا بھی جائز ہے۔

۳ یعنی ہمارے ملک میں شکار بہت پایا جاتا ہے اور ہم لوگ عمومًا شکار کیا کرتے ہیں،تیروں سے بھی،شکاری کتوں سے بھی اور آوارہ کتوں سے بھی ان میں سے کون سا شکار حلا ل ہے کون سا نہیں،نہایت قابلیت کا سوال ہے ایک عبارت میں چار مسئلے پوچھ لیے۔

۴ اس بے نظیر و بے مثال جواب میں فتویٰ بھی ہے،تقویٰ بھی۔تقویٰ یہ ہے کہ ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور فتویٰ یہ ہے کہ دھوکر کھالو۔یہ ان کفار کے استعمال کے برتنوں کا ذکر ہے جن میں قوی احتمال یہ ہے کہ وہ سؤر اور شراب استعمال کرتے ہوں گے ان کے غیر استعمالی برتن جو بالکل نئے ہوں ان کے دھونے کی ضرورت نہیں،ان کے ہاں کا پکا ہوا کھانا بھی اسی تفصیل پر ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ نہ کھائے ممکن ہے کہ انہوں نے ایسے برتن میں پکایا ہو جس میں سؤر بھی پکاتے ہوں اور فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس کی طہارت غالب گمان سے معلوم ہو تو کھالے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۵ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیر مارا ہو حقیقتًا پڑھا ہو یا حکمًا اور جانور مرگیا ہو تو کھالو کہ اس کا یہ ذبیحہ ہوگیا۔خیال رہے کہ اگر مسلمان ذبح یا تیر مارتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو تو ذبیحہ وشکار حلال ہے،دانستہ چھوڑ دیا تو احناف کے ہاں حرام ہے،شوافع کے ہاں جائز ہے۔تحقیق کتب فقہ پر ملاحظہ کرو۔

۶؎ یعنی شکاری کتا جس پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ دی گئی ہو اگر جانور اس سے زخمی ہوکر مرگیا ہو تب بھی حلال ہے اور آوارہ کتے کا شکار اگر زندہ مل جائے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام۔خلاصہ یہ ہے کہ مردہ شکار کے حلال ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائیں:کتے کا معلم یعنی شکاری ہونا،اسے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لینا،زخمی ہوکر جانور کا مرنا کہ اس کا خون بہہ جائے اگر ان میں سے کوئی شرط نہ ہو تو شکار حرام ہے۔رب تعالٰی کا فضل ہے کہ میں آج کل تفسیر قرآن کا چھٹا پارہ لکھ رہا ہوں اور مرآت کی چھٹی جلد اور حسنِ اتفاق ہے کہ آج تفسیر نعیمی میں سورۂ مائدہ کی تفسیر میں شکار کی آیت کی تفسیر شکار کے مسائل آج ہی لکھے ہیں اور مرآت میں بھی یہ ہی مسائل آج ہی لکھ رہا ہوں،رب تعالٰی قبول فرمائے۔یہ آج پندرہ جمادی الاخر ۱۳۸۵ھ گیارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز دوشنبہ لکھ رہا ہوں،رب تعالٰی دونوں کتابیں قبول فرماکر صدقہ جاریہ بنائے۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور نے اس کے متعلق فرمایا جو اپنا شکار تین دن بعد پائے تو کھالو جب تک بو نہ دے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ اس صورت میں ہے جب معلوم ہو کہ جانور تیر سے ہی مرا ہے کسی اور سبب سے نہ مرا لیکن اگر اس میں شک ہو تو نہ کھائے مثلًا تیر خوردہ جانور پانی میں ڈوبا ہوا ہو تو نہ کھاؤ کہ شاید پانی میں ڈوب کر مرا ہو،سڑا بسا گوشت یا اور غذا جو بدبودار ہو اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر مضر صحت ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔(شامی،مرقات)مگر سڑی چربی جو بودے رہی ہو اگر پکاکر کھائی جائے جس سے اس کی بو اور ضرر دونوں جاتے رہیں تو جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اپنا تیر مارو پھر شکار تم سے غائب ہو جائے پھر تم اسے پالو تو جب تک بو نہ دے کھالو ۱؎ (مسلم)

۱؎ تین دن کی قید اتفاقی ہے۔اگر موسم گرما ہو اور ایک دو دن میں ہی بو پیدا ہوجائے تو نہ کھائے اور اگر سخت سردی کا موسم ہو کہ چار دن میں بھی بو پیدا نہ ہو تو کھالیا جائے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہاں کچھ ایسی قومیں ہیں جن کا زمانہ شرک کے قریب میں ۱؎ ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہم جانتے نہیں کہ اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں فرمایا تم بسم اللہ کرو اور کھاؤ ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی وہ لوگ مسلمان تو ہوگئے ہیں مگر انہیں مسلمان ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے،اسلامی احکام سے بے خبر ہیں،ذبح وغیرہ کے احکام نہ جانتے ہوں گے ان کے متعلق شک ہی ہے کہ انہوں نے بسم اللہ سے ذبح کیا ہے یا بغیر بسم اللہ یوں ہی۔

۲؎ یعنی تم بلاوجہ مسلمان کے ذبیحہ پر شک نہ کرو وہ حلال ہے تم بلا دغدغہ بسم اللہ کرکے کھاؤ۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر بوقت ذبح بسم اللہ نہ پڑھی گئی تو اب کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا کافی ہوگا یہ تو ناممکن ہے لہٰذا یہ حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت ابو طفیل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت علی سے پوچھا گیا کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز سے خاص کیا ہے فرمایا ۲؎ ہم کو حضور نے کوئی خاص چیز نہ دی جو عام لوگوں کو نہ دی ہو ۳؎ سوائے اس کے جو میری اس تلوار کے پرتلے میں ہے ۴؎ چنانچہ آپ نے ایک کتابچہ نکالا جس میں تھا کہ اللہ اس پر لعنت کرے جو غیر خدا کے نام پر ذبح کرے ۵؎ اور اللہ اس پر لعنت کرے جو زمین کے نشان چرائے،ایک روایت یوں ہے کہ جو زمین کے نشان بدلے ۶؎ اور اپنے باپ پر لعنت کرے ۷؎ اور اللہ اس پر لعنت کرے جو بدعتی کو جگہ دے ۸؎(مسلم)	

۱؎ آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،لیثی کنانی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہیں،حضور کی وفات سے آٹھ سال پہلے ایمان لائے،حضور کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، ۱۰۲ھ ایک سو دو میں مکہ معظمہ میں وفات پائی،روئے زمین پر آخری صحابی آپ ہی ہیں جن کی وفات سے دور صحابہ ختم ہوگیا اور آپ کی وفات سے زمین صحابہ سے خالی ہوگئی،بہت فصیح اور حاضر جواب تھے رضی اللہ عنہ۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ خلافت حیدری میں روافض کا ظہور ہوا،ان لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ اصلی قرآن اور اصلی تعلیم اسلام اہل بیت اطہار کے خصوصًا حضرت علی کے پاس ہے جو ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں اور کسی کے پاس نہیں ہے اس لیے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایسے سوالات کیا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی وہ ہی قرآن اور حضور کی وہ ہی تعلیم میرے پاس ہے جو عام مسلمانوں کے پاس ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری شریعت سارے لوگوں کو دے گئے ہیں۔

۴؎ تلوار سے مراد ذوالفقار ہےجو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو عطا فرمائی تھی۔قراب قاف کے کسرہ سے تلوار کا ظرف جس میں میان کی ہوئی تلوار رکھی جاتی ہے یعنی کچھ اوراق تھوڑے سے ہیں جو میں نے اپنی یاداشت کے لیے اس پر تلے میں رکھ لیے ہیں اور اتنے تھوڑے ہیں جو اس میں آگئے ستر گز لمبا چوڑا قرآن مجید اس پر تلے میں کیونکر آسکتا ہے۔
۵؎ جیسے مشرکین اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں جو مسلمان یہ عمل جائز سمجھ کر کرے وہ مشرک و مرتد ہے۔
۶؎ منار جمع ہے منارۃ کی بمعنی علامت۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے زمین کی حدود کی علامات مراد ہیں جو ملکی حدود ہو یا شخصی حدود مثلًا کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کے کھیت باغ مکان کے حصوں پر ناجائز قبضہ کرنے کے لیے اس کی حدود مٹادے۔ا یسے ہی ملکی سرحدوں کی علامات کا حال ہے اور ہوسکتا ہے کہ علامات سے مراد راستہ کے راہبری کے نشانات ہوں جو مسافر کی رہنمائی کرتے ہیں جیسے میل،فرلانگ یا راستہ دکھانے والے علامات جیسے چوراہوں پر لکڑی کے ہاتھ لگے ہوتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شہر کا راستہ یہ ہے،چونکہ انکے مٹانے سے مسافر کو سخت تکلیف ہوتی ہےاس لیے اس پر یہ عتاب فرمایا گیا۔
۷؎ اپنے باپ کو گالی دینے کی دو صورتیں ہیں: براہ راست گالی دینا،دوسرے اس طرح کہ تم کسی کے باپ کو گالی دو تو جواب میں تمہارے باپ کو گالی دے کہ یہ در پردہ تمہارا ہی گالی دینا ہے۔شعر

گر مادر خویش دوست داری　　　　دشنام مدہ بمادر کس

(ترجمہ)اگر تم کو اپنی ماں کی عزت پیاری ہے تو دوسرے کی ماں کو گالی نہ دو۔
۸؎ محدث دال کے کسرہ سے،اس کے دو معنی ہیں:ایک تو ظالم جانی جوکسی کو قتل یا زخمی کرے جس سے اس پر قصاص لازم ہو جو اسے چھپائے اس کی پناہ بنے،اس کی حمایت کرے،اس پر لعنت ہے۔ظالم کو سزا دلوانا چاہیے،اسے چھپانے بچانے کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔(مرقات)دوسرے بدعتی اور اس سے مراد اعتقادی بدعت ہے یعنی اسلام میں نئے عقائد نکالنے والا بھی لعنتی ہے اور جو اس کی حمایت و حفاظت و مدد کرے وہ بھی لعنتی ہےجیسے معتزلہ،خوارج،روافض وغیرہ ان کی اصلاح کرنا چاہیے نہ کہ انکی حمایت۔(اشعہ)خیال رہے کہ مؤمن گنہگار کو وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت مگر نام لےکر لعنت صرف کفار کے لیے ہے اور بعد موت اس کافر پر لعنت جائز ہے جس کا کفر کرنا دلائل سے معلوم ہووہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کافر لعنتی تھا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھریاں ہی نہیں تو کیا ہم بانس سے ذبح کریں ۱؎ فرمایا جو خون بہادے اور اللہ کا نام لیا جائے تو کھالو ۲؎ سواء دانت اور ناخن کے میں اس کے متعلق بتاتا ہوں لیکن دانت تو ہڈی ہے ۳؎ لیکن ناخن وہ حبشیوں کی چھری ہے ۴؎ اور ہم نے اونٹ و بکریاں غنیمت میں حاضر کیں تو ان میں سے ایک	

	اونٹ بھاگ گیا تو ایک شخص نے اسے تیر مار کر دھرلیا ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اونٹوں کی عادات وحشیوں کی عادات سی ہیں ۶؎ تو جب ان میں سے کوئی جانور تم پر غالب آئے تو تم ان سے یہ ہی کرو ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کل سے مراد یا تو اگلا زمانہ ہے یا اگلا کل۔مقصد یہ ہے کہ ہم جہاد میں جاتے ہیں،ان کے جانور غنیمت میں ملتے ہیں کبھی انہیں ذبح کرنا پڑجاتاہےاور ہمارے پاس چھری ہوتی نہیں کیا ہم بانس کی کھپچ سے ذبح کرلیں کیونکہ اس میں بھی دھار ہوتی ہےجانور ذبح ہوسکتا ہے۔بانس کا نام بطور مثال لیا ہے مراد ہے ہر دھاردار چیز بانس کا ٹکڑا ہوکانچ کا یا پتھر کا۔

۲؎ یعنی ہاں ذبح کرسکتے ہو اور کھاسکتے ہو،یہ حکم شکار اور غیر شکار سب کو شامل ہے تیر یا تلوار سے شکار کو قتل کیا تو حلال ہے یوں ہی دھار دار آلہ سے بکری کو ذبح کیا حلال ہے۔

۳؎ اور ہڈی سے جیسے استنجاء کرنا منع ہے کہ اس سے وہ نجس ہوجاتی ہے ایسے ہی ذبح کرنا منع ہے کہ اس سے وہ نجس ہوگی،یہ ہمارے بھائی جنات کا کھانا ہے۔

۴؎ لہٰذا اس سے ذبح کرنے میں کفار حبشہ سے مشابہت ہے لہٰذا اس سے بچو۔خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک جبڑے میں جڑے ہوئے دانتوں سے اور اپنے مقام پر لگے ہوئے ناخن کا ذبیحہ حرام ہے اور الگ دانت الگ ناخن سے ذبح کرنا مکروہ مگر اس سے ذبح ہوجائے گا،باقی اماموں کے ہاں مطلقًا دانت و ہڈی کا ذبیحہ حرام ہے،دلائل کتب فقہ میں اور مرقات و اشعہ میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ یعنی غنیمت کا ایک اونٹ سرکش ہوکر بھاگ گیا پکڑا نہ جاتا تھاتو ایک شخص نے اسے تیر مارا جس سے وہ زخمی ہوکر گر گیا اور مرگیا۔(مرقات)

۶؎ اوابد جمع ہے آبدۃ کی،آبدۃ کے معنی ہیں نفرت اور وحشت کی عادت یعنی اونٹ ہے تو پالتو جانور مگر کبھی اس میں وحشی جانوروں کی نفرت و وحشت ہوجاتی ہے اور یہ وحشی بن جاتاہے۔

۷؎ یعنی پالتو جانور کا ذبح حلق و گلے میں ہوتا ہے اور شکار کا جانورجو قبضہ میں نہ ہو اس کا ذبح یہ ہے کہ جہاں بھی شکاری کا تیر لگ جائے و خون بہہ جائے ذبح ہوجائے گا مگر جب پالتو جانور وحشی ہوکر قبضہ سے باہر ہوجائے تو اس کا ذبح بھی اس طرح درست ہوگا کہ جہاں تیر لگ جائے خون نکل جائے ذبح درست ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر بکری یا مرغی کنوئیں میں گرجائے وہاں مرر ہی ہو تو اس کا ذبیحہ بھی اسی طرح ہوجائے گا۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎ کہ ان کی ایک بکری تھی سلع میں چرتی تھی ۲؎ تو ہماری ایک لونڈی نے ایک بکری کو مرتے دیکھا تواس نے ایک پتھر توڑااس سے اسے ذبح کردیا ۳؎ توانہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور نے اس کے کھانے کی اجازت دی ۴؎ (بخاری)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،انصاری ہیں،آپ ہی غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے،آپ ہی کے متعلق سورۂ توبہ کی مشہور آیات نازل ہوئیں۔

۲؎ سلع مدینہ منورہ میں غربی جانب مشہور پہاڑ ہے جس پر غار واقع ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔فقیر نے بھی بار ہا اس کی زیارت کی ہے۔

۳؎ یعنی ایک بکری ریوڑ میں اچانک مرنے لگی تو چرانے والی لونڈی نے ایک پتھر لمبائی میں توڑا جس سے اس میں دھاردار کنارہ پیدا ہوگیا،اس دھار کی طرف سے اسے ذبح کردیا کیونکہ چھری موجود نہ تھی۔

۴؎ یعنی بکری حلال ہوگئی اس کا کھانا جائز ہے۔معلوم ہوا جس دھاردار چیز سے ذبح کردیا جائے ذبح ہوجاتا ہے چھری یا چاقو تو شرط نہیں۔

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ تعالٰی نے ہر چیز پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے ۲؎ لہذا جب تم قتل کرو تو احسان و بھلائی سے قتل کرو ۳؎ اور جب تم ذبح کرو تو ذبح بھلائی سے کرو ۴؎ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری تیز کرلیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت دے ۵؎ (مسلم)

۱؎ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجے ہیں کیونکہ اوس اور حسان دونوں ثابت کے بیٹے ہیں،خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد یعنی ثابت ابن منذر بھی صحابی ہیں،حضرت ابوالدرداء اور عبادہ ابن صامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے شداد ابن اوس کو علم و حلم دونوں عطا فرمائے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی انسان ہو یا جانور مؤمن ہو یا کافرسب کے ساتھ اس کے مناسب بھلائی و سلوک کرنا لازم ہے۔ظلم کسی پر جائز نہیں،یہ ہے حضور کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی شان۔

۳؎ یعنی اگر تم قاتل یا کافر کو قصاص یا جنگ میں قتل کرو تو ان کے اعضاء نہ کاٹو مثلہ نہ کرو پتھر کی چھری اور کھٹل تلوار سے ذبح نہ کرو کہ یہ رحم کے خلاف ہے۔

۴؎ اس بھلائی کی کئی صورتیں ہیں: مثلًا جانور کو ذبح سے پہلے خوب کھلاپلالیا جائے ایک کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کیا جائے اس کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے،ماں کے سامنے بچے کو اور بچے کے سامنے ماں کو ذبح نہ کیا جائے،مذبح کی طرف گھسیٹ کر نہ لے جایا جائے اور جان نکل جانے سے پہلے اس کی کھال نہ اتاری جائے کہ یہ تمام باتیں ظلم و زیادتی ہیں۔

۵؎ تیز چھری سے ذبح کردینے میں راحت ہے،کھنڈی چھری سے ذبح کرنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے اس سے بچے،پوری گردن نہ کاٹ دے صرف حلقوم اور رگیں کاٹے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ حضور جانور وغیرہ کو قتل کرنے لئے

	باندھنے سے منع فرماتے تھے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎اس طرح کہ جو جانور اپنے قبضہ میں ہو اسے باندھ دیا جائے اور اس پر تیر کا نشانہ لگایا جائے اور شکار کی طرح اسے مارا جائے یا یہ مطلب کہ ذبح سے کئی دن پہلے اسے بھوکا پیاسا باندھ کر رکھا جائے پھر کمزور ہوجانے پر اسے ذبح کیا جائے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت کی جو ایسی چیز کو نشانہ بنائے جس میں روح ہو ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جانور کو باندھ کر اسے تیر کا نشانہ بنایا جائے یہ حرام ہے کہ اس میں اگر وہ مرگیا تو جانور حرام ہوگیا نہ مرا اور ذبح کیا گیا تو اسے بلاوجہ ڈبل تکلیف دی گئی بہرحال مطلب واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسی چیز کو نشانہ نہ بناؤ جس میں جان ہے ۱؎(مسلم)

۱؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا ورنہ شکار تو حلال ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے میں مارنے چہرے میں داغ لگانے سے منع فرمایا ۱؎(مسلم)

۱؎انسان یا جانور کے چہرے پر مارنا سخت منع ہے منہ پر نہ طمانچہ مارے نہ کوڑا وغیرہ کیونکہ چہرے میں نازک اعضاء ہیں جیسے آنکھ،ناک،کان جن پرچوٹ لگنے سے موت یا اندھے ہوجانے یا چہرہ بگڑ جانے کا خطرہ ہے اور چہرے میں داغ لگانا تو بہت ہی برا ہے کہ اس میں تکلیف بھی بہت ہے اور منہ کا بگاڑ دینا۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گدھا گزرا جس کے چہرے میں داغ لگایا گیا تھا تو فرمایا کہ اللہ اس پر لعنت کرے جس نے اسے داغا ۱؎ (مسلم)

۱؎اگر یہ گدھا کسی کافر یا منافق کا تھا اور اس نے ہی یہ حرکت کی تھی تب تو لعنت کے معنی بالکل ظاہر ہیں اور اگر کسی مسلمان کا تھا تو لعنت بالوصف گنہگار مسلمان پر جائز ہے جیسے کہا جائے کہ جھوٹے پر لعنت۔خیال رہے کہ چہرے میں داغ لگانا مطلقًا حرام ہے خواہ جانور کے لگائے یا انسان کے۔چہرے کے علاوہ جانوروں کو داغنا علامت و پہچان کے لیے جائز ہے خصوصًا زکوۃ وجزیہ کے جانور۔انسان کے داغ لگانا علاج کے لیے جائز ہے جیسے بعض بیماریوں کا علاج داغ دینا ہی ہوتا ہے،علاج کے علاوہ ممنوع۔حضرت ابی ابن کعب،سعد ابن معاذ،حضرت جابر اور اسعد ابن زرارہ وغیرہم صحابہ کرام نے بعض زخموں میں داغ لگائے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔اس داغ کو عربی میں کیّ کہتے ہیں۔جن احادیث میں کیّ یعنی داغنے سے منع فرمایا ہے وہاں وجہ کچھ اور ہے جو ان شاء اللہ ہم کتاب الطب میں عرض کریں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبداللہ ابن ابوطلحہ کو لے گیا تاکہ آپ اس کی تحنیک فرمادیں ۱؎ تو میں نے آپ کو پایا کہ آپ کے ہاتھ میں داغنے کا آلہ تھا صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے تھے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ عبداللہ ابن ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے بھائی ہیں یعنی ماں شریک بھائی ہیں،حضرت انس تو ام سلیم کے پہلے خاوند سے پیدا ہوئے تھے مگر یہ عبداللہ حضرت ابوطلحہ سے تھے،حضرات صحابہ اپنے نومولود بچے کو حضور کی خدمت میں لاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور چباکر اپنی زبان شریف سے بچے کے تالو میں لگادیتے تھے تاکہ بچے کے منہ میں سب سے پہلے حضور کا لعاب شریف پہنچے،اس عمل کا نام تحنیك ہے۔

۲؎ یعنی آپ بنفس نفیس اس آلہ سے زکوۃ کے اونٹوں کو داغ دے رہے تھے تاکہ زکوۃ کے اونٹ دوسرے اونٹوں سے چھٹ جائیں۔یہ داغ چہرے کے علاوہ اورکسی عضو پر لگائے جاتے تھے۔لوہے کا ٹکڑا گرم کرکے جانور کے ران یا ٹانگ پر داغ دیا جاتا ہے،یہ داغ پھر کبھی چھوٹتا نہیں،رنگ وغیرہ کے نشانات مٹ جاتے ہیں۔ہم نے بعض حبشیوں کو دیکھا کہ ان کے رخسار پر لکیریں داغی ہوتی ہیں یہ حرام ہے جیساکہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا۔

روایت ہے ہشام ابن زید سے وہ حضرت انس سے راوی فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ طویلہ میں تھے آپ کو دیکھا کہ آپ بکریوں کو داغ رہے تھے مجھے خیال ہے کہ فرمایا ان کے کانوں میں ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حسبته میں ہ کا مرجع حضرت انس ہیں اور یہ قول ان ہشام ابن زید تابعی کا ہے جو حضرت انس سے یہ حدیث روایت فرمارہے ہیں۔یعنی مجھے خیال ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی بکریوں کے کانوں میں داغ لگارہے تھے۔معلوم ہوا کہ کان میں داغ لگانا بھی بالکل جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ ہم میں سے کوئی شکار پائے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا پتھر سے یا لاٹھی کی پھاڑی سے ذبح کردے ۱؎ تو فرمایا جس چیز سے چاہو خون بہادو ۲؎ اور اللہ کا نام لے	

	دو۔(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ **مروہ** سفید پتھر کو کہتے ہیں اس لیے ایک پہاڑ مکہ کا نام بھی مروہ ہے"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ" پتھر سے مراد پتھر کا وہ ٹکڑا ہے جو دھار دار ہو،یوں ہی لاٹھی کے ٹکڑے سے مراد بانس کی دھاردار کھپچ ہے جس سے ذبح کیا جاسکتا ہے۔

۲؎ **امر** بنا ہے **امراء** سے بمعنی گزارنا اور بہانا یہاں بمعنی بہانا ہے،بعض نسخوں میں **امر** ر کے کسرہ سے ہے۔چونکہ خون بہہ کر اپنی جگہ سے گزرتا ہے اس لیے بہانے کو امراء کہہ دیتے ہیں **بم شئت** میں **ما** کاالف گرادیا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو العشراء سے وہ اپنے والد سے ۱؎ راوی کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ذبح حلق اور سینہ کے بغیر ہی نہیں ہوتا ۲؎تو فرمایا اگر تم اس کی ران میں نیزہ مارو تو کافی ہے۳؎(ترمذی، ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ گرے ہوئے کاذبح ہے ۴؎اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ ضرورت کی حالت میں ہے ۵؎

۱؎ابوالعشراء عین کے پیش سے،ان کا نام اسامہ ابن مالک ہے،تابعی ہیں،دارمی بصری ہیں،اپنے والد سے روایت کرتے ہیں،بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے،چنانچہ ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور امام احمد ابن حنبل نے ان کو ضعیف فرمایا۔(اشعہ)

۲؎ **لبہ** حلق کا آخری کنارہ جو سینہ سے متصل ہے یا سینہ کے اوپری کنارہ جو حلقوم سے قریب ہے۔سوال کا مقصد یہ ہے کہ کیا ذبح کی یہ ہی صورت ہے کہ گلے اور سینے کے درمیان ہو،اگر یہ ہی ذبح ہے تو جو جانور قبضہ میں نہ ہو اور مررہا ہو کیسے کیاجائے جیسے کنوئیں میں گری ہوئی بکری۔

۳؎ یہ اضطراری ذبح کاذکر ہے جب جانور قبضہ میں نہ ہو اور اس کاذبح کرنا ضروری ہو تو جہاں کہیں نیزہ بھالامار دیا جائے اور خون بہہ جائے ذبح ہوجائے گاجیسے بھاگی ہوئی گائے،کنوئیں میں گرا ہوا جانور اور تیر سے مارا ہوا شکار۔

۴؎یعنی کنوئیں میں گرا ہوا جانور جب اس کے نکالنے کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے مرجانے کا اندیشہ ہو تب اس طرح ذبح کرلیا جائے۔

۵؎یہ تفسیر پہلی تفسیر سے زیادہ عام اور زیادہ شامل ہے،اس میں کئی صورتیں داخل ہیں جو ابھی ہم نے حاشیہ نمبر۲ میں بیان کیں جسے ذبح اضطراری کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کتے یا باز کو تم سکھا لو پھر اسے چھوڑو اور اللہ کا نام ذکر کردو تو اس میں سے کھاؤ

	۱؎جو اس نے تمہارے لیے روک رکھا ہے میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ قتل کردے فرمایا اگرچہ قتل کردے ۲؎اور اس میں سے کچھ نہ کھائے کیونکہ اس نے تمہارے واسطے روکا ہے۳؎(ابوداؤد)

۱؎کتے اور باز کا ذکر بطور مثال ہے ورنہ ہر شکاری جانور کا یہ ہی حکم ہے جیسے سکھایا ہوا چیتا یا شکرہ،ہاں بلی اس حکم سے خارج ہے کہ وہ اس معنی سے شکاری نہیں کہ جنگل میں دوڑ کر حملہ کرکے جانور شکارکرے وہ تو صرف گھر کے چوہوں مرغیوں کا شکار کرتی ہے۔

۲؎معلوم ہوا کہ اس قسم کے شکار،شکاری جانور کا قتل کرڈالنا مضر نہیں بلکہ کھانا مضر ہےاگرچہ کھالیا ہے تو بقیہ گوشت حرام ہے ورنہ حلال۔

۳؎یعنی اس کا کچھ نہ کھانا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے وہ گوشت تمہارے لیے بچا کر رکھا ہے اور وہ سدھا ہوا شکاری ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں شکار کو تیر مارتا ہوں تو کل اس میں اپنا تیر پاتا ہوں۱؎فرمایا جب تم یقین کرلو کہ تمہارے تیر نے اسے مارا ہے اور اس میں درندے کا اثر نہ دیکھو تو کھالو۲؎ (ابوداؤد)

۱؎یعنی آج میرا شکار غائب ہوگیاتلاش پر بھی نہ ملا کل مرا ہواملا جس میں میرے گزشتہ کل کے تیر کا زخم ہے وہ حلال ہے یا نہیں۔

۲؎درندے کا ذکر بطور مثال ہےورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی اور وجہ سے اس کے مرنے کا احتمال ہو تو ہرگز نہ کھایا جائے مثلًا پانی میں ڈوبا ہےکیونکہ نہیں معلوم وہ مرکر پانی میں گرا ہے یا گر کر مرا ہےایسے مشکوک شکار کو ہرگز نہ کھایا جائے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم کو مجوسیوں کے کتے کے شکار سے منع فرمایا گیا۱؎ (ترمذی)

۱؎کیونکہ مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اگر مسلمان کا کتا مجوسی نے چھوڑا تو اس کا مارا شکار حرام ہے اور اگر مسلمان و مجوسی دونوں نے اپنے کتے چھوڑےدونوں نے مل کر شکار کیاتب بھی جانور حرام ہے مسلمان ہرگز نہ کھائے۔غرضیکہ کتا چھوڑنے والے کا اعتبار ہے،کتاکااعتبار نہیں یہ بہت خیال رہنا چاہیے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ عیسائی یہودی کا شکاری کتا شکار کرے تو حلال ہےاگرچہ اسے عیسائی یا یہودی نے چھوڑا ہوا۔اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے تو اس کا شکار بھی حلال مگر شرط یہ ہے کہ وہ کتا بھی بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے مسیح یا عزیز کے نام پر نہ چھوڑے کہ غیر خدا کے نام پر ذبیحہ تو مسلمان کا بھی حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوثعلبہ خشنی سے فرماتے ہیں میں نے عرض

کیا یارسول اللہ ہم لوگ سفر والے ہیں ۱؎ یہود اور عیسائیوں اور مجوسیوں پر گزرتے ہیں تو ان کے برتنوں کے سوا اور برتن نہیں پاتے فرمایا اگر ان کے علاوہ نہ پاؤ تو انہیں پانی سے دھو لو پھر اس میں کھاؤ پیو ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی میں اور میرے قبیلہ والے لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں اور ہم کو اکثر یہ واقعات پیش آتے ہیں جو عرض کررہے ہیں۔

۲؎ یہ حکم احتیاطی ہے،چونکہ یہودونصاریٰ اپنے برتنوں میں سوٴروشراب استعمال کرتے ہیں پھر باقاعدہ انہیں پاک نہیں کرتے اس لیے اس احتیاط کا حکم دیا گیا۔فتویٰ یہ ہے کہ یہودونصاریٰ بلکہ مشرکین کے برتن ان کے پکائے ہوئے کھانے پاک ہیں جب تک کہ ہم کو انکے ناپاک ہونے کا علم نہ ہو شریعت ظاہر پر ہے۔آج ولایتی دوائیں،گھی اور بہت سی قسم کے بسکٹ،چاکلیٹ وغیرہ ولایت سے بن کرآتی ہیں،مسلمان عموماً استعمال کرتے ہیں،یوں ہی ولایتی دودھ بلکہ ولایتی ڈبوں کا گوشت یہ سب کچھ شرعًا پاک و حلال ہیں کیونکہ ان کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔تقویٰ یہ ہے کہ ان کے کھانے سے پرہیز کرے،یوں ہی ولایتی کپڑے پاک ہیں ان کا دھونا لازم نہیں۔حضرات صحابہ کرام بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیۃً بھیجے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے،ان میں نمازیں پڑھیں یہ سب فتویٰ ہے یہاں تقویٰ کی تعلیم ہے اور یہ امر استحبابی ہے۔

روایت ہے قبیصہ ابن ھلب سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسائیوں کے کھانے کے متعلق پوچھا اورایک روایت میں ہے کہ حضور سے ایک آدمی نے پوچھا ۲؎ تو فرمایا کھانوں میں سے ایک کھانا ہے جس میں ہم حرج سمجھتے ہیں ۳؎ فرمایا تمہارے سینہ میں کچھ نہ چبھنا چاہیے ۴؎ تم اس بارے میں عیسائیت سے مشابہہ ہوگئے ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ قبیصہ تابعی ہیں،ان کے والد ھلب صحابی ہیں،ھلب ان کا لقب ہے،نام یزید ابن قنافہ ہے،قبیلہ بنی طی سے ہیں۔قبیصہ کو نسائی اور ابن مدین نے مجہول کہا،امام عجلی اور ابن حبان نے ثقہ فرمایا۔(اشعہ،مرقات)ابوداؤد اور ترمذی نے ان سے صرف یہ ہی حدیث روایت کی۔

۲؎ یعنی یہودونصاریٰ کے پکائے ہوئے حلال کھانے مسلمانوں کو کھانا مباح ہیں یا نہیں جیسے ان کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی،چاول،دال،بکری وغیرہ کا گوشت،یہ پوچھنے والے عدی ابن حاتم تھے جو پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہوئے جیساکہ اشعہ میں ہے۔

۳؎ یعنی اہل کتاب وغیرہم کے پکائے ہوئے کھانوں میں ہم کو شبہ رہتا ہے کہ یہ کھانے یا پانی یا برتن پاک ہیں یا نہیں ہم انہیں کھائیں یا نہ کھائیں۔

۴؎ یعنی ایسے کسی کھانے میں بلاوجہ شک نہ کرو شوق سے کھاؤ بغیر دلیل کسی چیز کو ناپاک نہ سمجھو،اسلام میں آسانی ہے ایسی سختیاں نہیں۔خیال رہے کہ یہاں وہم کا ذکر ہے یعنی بلا دلیل ایسے کھانوں کو ناپاک یا حرام سمجھنا کہ شاید پکانے والے کے ہاتھ یا برتن گندے ہوں یا محض وہم۔

۵؎ یعنی تم ایسے شبہات کرکے متقی نہ ہو گے بلکہ عیسائیت کے مشابہ ہوجاؤ گے جو اس قسم کے وہم میں مبتلا ہو کر تارک دنیا اور راہب بن جاتے ہیں اسلام میں ایسے وہموں کا اعتبار نہیں،چونکہ حضرت عدی ابن حاتم پہلے عیسائی تھے اس لیے حضور انور نے عیسائیت کا ذکر فرمایا کہ تم مسلمان ہوجانے کے بعد بھی عیسائیوں کے مشابہ کیوں بنتے ہو۔(اشعہ)اسلام میں ظاہر کا اعتبار ہے۔جھوٹے وسوسے،شبہے اسلام میں معتبر نہیں۔اس حدیث نے معاملہ ہی صاف کردیا۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ۱؎ مجثمہ وہ جانور ہے جو تیر سے دھرلیا جائے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جو جانور اپنے قبضہ میں ہو اسے باندھ کر تیر کا نشانہ بنایا جائے اور بجائے شرعی ذبح کے اسے اس طرح مارا جائے وہ حرام ہے۔قبضہ کا جانور ذبح ہوجانا چاہیے،تیر کا ذبح مجبوری کی حالت میں ہے جب جانور قبضہ میں نہ ہو۔

۲؎ **مجثمہ** بنا ہے **جثوم** سے جس کے معنی ہیں سینہ زمین سے لگادینا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیٰرِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ**"یہاں **جاثمین** کے یہ ہی معنی ہیں۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہر کیل والے درندے سے ۲؎ اور ہر پنجے والے پرندے سے ۳؎ اور پلاؤ ہوا گدھوں کے گوشتوں سے ۴؎ اور مجثمہ سے اور خلیہ سے منع فرمایا ۵؎ اور اس سے کہ حاملہ عورت سے صحبت کی جائے حتی کہ اپنے پیٹوں کے بچے جن دیں ۶؎ محمد ابن یحیی نے کہا ابو عاصم سے مجثمہ کے متعلق پوچھا گیا ۷؎ تو فرمایا وہ ہے کہ پرندہ یا کوئی چیز باندھی جائے پھر تیر سے مارا جائے ۸؎ اور خلیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا بھیڑیا اور درندہ جسے آدمی پالے تو اس کو چھڑالے پھر وہ ذبح کرنے سے پہلے اس کے قبضہ میں مرجائے ۹؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،صفہ والے فقراء صحابہ رضی اللہ عنھم سے تھے،آپ اس جماعت سے ہیں جنہوں نے جہاد کے لیے حضور انور سے سواریاں مانگیں مگر نہ پائیں تو روتے ہوئے واپس ہوئے جن کا یہ ہی واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، ۷۵ھ؁ پچھتّر ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ جیسے کتا،بلی،شیر،چیتا،بھیڑیا وغیرہ جن کے منہ میں کیلیں ہوتی ہیں مگر وہ شکار نہیں کرتا لہذا حلال کیل میں شکاری کی قید اس لیے لگائی۔

۳؎ یہاں بھی پنجے والی شکاری چڑیاں مراد ہیں جیسے شکرہ،باز،صقر وغیرہ کوّا بھی شکاری ہے پنجہ والا بھی ہے وہ بھی حرام ہے۔طوطے میں اختلاف ہے،بعض کے ہاں وہ حلال ہے اگر چہ وہ پنجے والا تو ہے مگر شکاری نہیں۔عربی میں اسے یلغار کہتے ہیں۔جن بے وقوفوں نے کوّا حلال مانا انہوں نے یہ حدیث نہ دیکھی ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے۔

۴؎ حمار وحشی نیل گائے حلال ہے،گدھا پہلے حلال تھا خیبر کے دن حرام فرمایا گیا۔

۵؎ خلیہ کی تفسیر آگے آرہی ہے۔اس کا کھانا جب حرام ہے جب کہ وہ بغیر ذبح مرجائے اگر ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے پھر وہ خلیہ نہیں۔

۶؎ یعنی جہاد میں جو عورتیں قید ہوکر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں لونڈیاں بنائیں جائیں مگر ہوں حاملہ ان سے صحبت حرام ہے اگر حاملہ نہ ہوں تو ایک حیض انتظار کرکے ان سے صحبت درست ہے۔

۷؎ ابو عاصم شیخ ہیں محمد ابن یحیی کے اور محمد ابن یحیی شیخ ہیں امام ترمذی کے جو اس حدیث کے راوی ہیں،یعنی میں ابو عاصم کے پاس تھا کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ مجثمہ کس جانور کو کہتے ہیں،جسے شریعت نے حرام کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

۸؎ یعنی مرغی،بکری وغیرہ اپنے قبضہ کا جانور ہے باندھ کر اسے تیر مارا جائے اس طرح وہ مرجائے ہے یہ حرام ہے۔اگر اس زخمی کو ذبح کرلیا جائے تو گوشت حلال ہے مگر یہ کام حرام ہے۔

۹؎ یعنی اگر مرغی کو بلی یا بکری کو بھیڑیا یا چیتا وغیرہ جانور پکڑے لوگ اس کے منہ سے چھڑالیں ذبح نہ کرسکیں وہ زخم کی وجہ سے مرجائے وہ خلیہ ہے اور حرام ہے۔خلیہ بنا ہے **خلس** سے بمعنی اچک لین، چھین لینا،اس سے ہے **اختلاس**۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے اور ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے کونچھے ہوئے سے منع فرمایا ۱؎ ابن عیسیٰ نے یہ زیادہ فرمایا کو وہ ایسا ذبیحہ ہے جس کی کھال کاٹ دی جائے اور رگیں نہ کاٹی جائیں پھر چھوڑ دیا جائے حتی کہ مرجائے ۲؎(ابوداود)

۱؎ **شریطہ** بنا ہے **شرط الحجام** سے یعنی فصد کھولنے والے کا نشتر مارنا،کھال چیر کر خون نکالنا۔جو شخص جانور کی صرف کھال کاٹ دے حلقوم اور رگیں نہ کاٹے وہ گویا حجام کا سا نشتر مارتا ہے،چونکہ ایسا ذبح شیطانی تعلیم سے ہے جو کفار میں رائج تھا اس لئے اسے شریطہ شیطان کہا گیا یعنی شیطان کا سکھایا ہوا نشتر۔

۲؎ اس حرکت سے جانور کو سخت تکلیف بھی ہوتی ہے کہ جان بہت دیر میں اور مشکل سے نکلتی ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہو جاتا ہے۔**لاتفری** بنا ہے **فری** سے بمعنی کاٹنا۔اصطلاح میں فساد کے لیے کاٹنے کو **فری** کہا جاتا ہے اور **اوداج** جمع ہے **ودج** کی،**ودج** حلقوم کے آس پاس کی رگیں جن کا کاٹنا ذبح کے لئے ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے۱؎(ابوداود،دارمی)	
اور ترمذی نے حضرت ابوسعید سے روایت کی۔	

۱؎ یعنی اگر بکری یا گائے ذبح کی گئی اس کے پیٹ میں بچہ مردہ نکلا وہ حلال ہے کہ ماں کی ذبح سے وہ بھی ذبح مانا جائے گا۔خیال رہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایسا بچہ مطلقًا حلال ہے خواہ اس کے جسم پر بال جمع ہوں یا فقط گوشت کا لوتھڑا ہو۔امام مالک کے ہاں اگر بچہ پورا بن چکا ہے حتی کہ اس کے جسم پر بال بھی اگ گئے ہیں تو حلال ہے،ورنہ حرام۔ہمارے امام اعظم قدس سرہ کے نزدیک اگر بچہ زندہ نکلا اور اسے ذبح کرلیا گیا تو حلال ہے ورنہ حرام۔یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے،بعض نے فرمایا کہ اگر بچہ زندہ نکلا پھر مرگیا تو بھی حلال ہے،بعض نے فرمایا کہ ایسا بچہ حرام ہے،امام صاحب فرماتے ہیں کہ اولًا تو یہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پیٹ کے بچہ کا اس کی ماں کی ذبح کی طرح ہے یعنی جیسے اس کی ماں کو حلقوم ورگوں کو کاٹ کر ذبح کیا جاتا ہے ایسے ہی اس کے بچہ کو ذبح کیا جائے گا۔اور **زکوۃ** **امہ** میں **زکوۃ** منصوب ہے کاف جارہ پوشیدہ ہے یہ منصوب نزع الخافض ہے کیونکہ ایسا شکار اگر پانی میں ڈوبا پایا جائے تو کھانا حرام ہے کہ شاید پانی سے مرا ہو،یوں ہی اس مردہ بچہ میں شبہ ہے کہ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے مرا ہو،امام شافعی کی دلیل یہ حدیث جب نہیں جبکہ عبارت یوں ہوتی **زکوۃ الحیوان زکوۃ الجنین**۔لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے نہ کہ امام شافعی کی۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اونٹنی ذبح کرتے ہیں اور گائے و بکری ذبح کرتے ہیں تو ان کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں آیا اسے پھینک دیں یا کھالیں۱؎ فرمایا اگر چاہو تو کھالو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کے ذبح کی طرح ہے۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اگر زندہ بچہ نکلا تو اسے یوں پھینک کر مرجانے دیں یا اسے ذبح کرکے کھالیں اس کے متعلق ارشاد ہو۔

۲؎ اس جملہ کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ اگر اسے کھاؤ تو ذبح کرکے کھاؤ اور اس کا ذبح بھی اس کی ماں کی طرح ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ عمرو ابن عاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی چڑیا یا اس سے اوپر کے کسی جانور کو ناحق مار ڈالے۱؎ تو اس کے قتل کے متعلق اللہ اس سے پوچھے گا عرض کیا گیا یارسول اللہ اس کا حق کیا ہے فرمایا کہ اسے ذبح کرکے کھائے یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹے پھر اسے پھینک دے ۲؎(احمد،نسائی،دارمی)	

۱؎حلال جانور کے شکار کا حق ہے اسے شکار کر کے کھانا،اگر کھانا مقصود نہ ہو محض تفریح اور وقت گزاری کے لیے شکار کرے تو آخرت میں پکڑ ہے۔حرام جانور کے شکار کا مقصود یا اس کی کھال و بال سے نفع حاصل کرنا یا اس تکلیف سے خلق کو بچانا جیسے جنگلی سؤروں کا شکار کہ یہ دفع شر کے لیے بھی ہے اور ان کے اجزاء سے نفع لینے کے لیے بھی۔چنانچہ ہاتھی کی ہڈی،دانت وغیرہ بہت کام میں آتی ہے ایسے ہی شیر و چیتے کی کھال چربی مختلف طرح استعمال کی جاتی ہے۔یہاں حلال جانوروں کے شکار کا ذکر ہے لہذا احادیث سے یہ لازم نہیں کہ حرام جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے کہ وہ کھائے نہیں جاتے،یہ تحقیق خیال میں رہے۔

۲؎اس حدیث کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ حلال جانوروں کا شکار صرف کھانے کے لئے کیا جائے اور وہ ضرور کھالیا جائے۔(مرقات)یہ حکم شکار کے لیے ہے قربانی میں مقصود گوشت نہیں ہوتا صرف خون بہاکر رب کو راضی کرنا ہوتا ہے۔لہذا مکہ معظّمہ میں جو ہزارہا زیادہ قربانیاں غار میں گاڑھ دی جاتی ہیں بالکل جائز ہے کہ وہاں مقصود حاصل ہو گیا خون بہانا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار کا جانور اگر زندہ مل جائے تو اسے ذبح ہی کرنا پڑے گا بغیر ذبح حلال نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو واقد لیثی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے حالانکہ لوگ اونٹ کی کوہان اور بکری کی چوتڑ کاٹ لیا کرتے تھے۲؎ تو حضور نے فرمایا کہ جو حصہ جانور کا کاٹ لیا جائے اور جانور زندہ ہو تو وہ حصہ مردار ہے نہ کھایا جائے۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎آپ کا نام حارث ابن عوف ہے،ابو واقد کنیت ہے،قبیلہ بنی لیث سے ہیں،قدیم الاسلام ہیں،بدر میں حاضر ہوئے،بعد میں مکہ معظّمہ رہے،وہاں ہی ۶۸ھ اڑسٹھ میں وفات پائی،پچھتّر سال عمر ہوئی۔

۲؎یعنی بقدر ضرورت زندہ اونٹ زندہ بکری کے اعضاء کاٹ کر کھالیتے جانور اسی طرح چیختا رہتا تھا۔مہینوں تک اس کے اعضاء کاٹ کاٹ کر کھاتے رہتے وہ زندہ تڑپتا رہتا،جو قوم اپنی بچیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کردیتے اس سے یہ کام کیا بعید ہے۔

۳؎یعنی زندہ جانور کا جو عضو کٹ جاوے وہ مردار ہے،اس کا کھانا حرام ہے لہذا اگر شکار کو نیزہ یا تیر مارا جس سے اس کا ہاتھ یا پاؤں کٹ کر الگ ہوگیا پھر اسے ذبح کیا گیا تو وہ کٹا ہوا پاؤں حرام ہے باقی حلال۔بعض لوگ زندہ دنبہ کی چکی سے چربی نکال لیتے ہیں وہ چربی کھانا بھی حرام ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اعضاء جانور کے کھانے کے متعلق ہے۔زندہ بھیڑ کی اون،زندہ ہاتھی کے کاٹے ہوئے دانت کا استعمال حلال ہے اور زندہ جانور کے پیٹ سے نکالا ہوا بچہ جو پیٹ چاک کرکے نکالا جائے اور ہو مردہ وہ کھانا حرام ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے۱؎ وہ بنی حارثہ کے ایک شخص سے روای۲؎ وہ احد کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں اونٹنی چرایا کرتے تھے۳؎ تو اس پر موت دیکھی،ایسی چیز نہ پائی جس سے اسے ذبح کریں انہوں نے ایک میخ لی وہ اس کی گھنڈی میں گھونپ دی

	۴ حتی کہ اس کا خون بہادیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو حضور انور نے اس کے کھانے کا حکم دیا(مالک) اوران کی روایت میں ہے کہ فرمایا اسے دھار دار لکڑی سے ذبح کرو ۵

۱ تابعی ہیں، کنیت ابو محمد ہے، ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں، مدینہ منورہ میں قیام رہا، چوراسی سال عمر پائی ۹۷ھ ستانوے میں وفات پائی۔

۲ چونکہ یہ صاحب صحابی ہیں اور صحابہ تمام کے تمام عادل ثقہ ہیں اس لئے ان کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں۔

۳ لقمہ وہ حاملہ اونٹنی جسکا بچہ عنقریب پیدا ہونے والا ہو یا قریب ہی میں پیدا ہو چکا ہو۔ شعب پہاڑ کا درہ یا دو پہاڑوں کے درمیان راستہ یا پانی کی گزرگاہ۔(مرقات واشعہ) احد مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔

۴ اس طرح کے اس میخ کے گھونپنے سے اس کے گلے میں سوراخ ہوگیا اور خون بہ گیا اور حلقوم کٹ گیا۔

۵ شظاظ شین کے کسرہ، پہلی ظ کے شد بمعنی وہ دھاری لکڑی جس کے دونوں طرف دھار ہو گئی ہو۔(اشعہ)

	روایت حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی دریائی جانور حلال نہیں مگر اسے اللہ نے اولاد آدم کے لیے ۱ حلال فرمادیا۔(دار قطنی)

۱ یعنی دریائی جانور کے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں وہ بغیر ذبح حلال ہے کیونکہ اس میں بہتا خون نہیں۔ خیال رہے مچھلی بالاتفاق حلال ہے، مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانور امام اعظم کے نزدیک حرام ہیں، دریائی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے۔

باب ذکر الکلب

کتے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یہ بیان کہ کون سا کتا پالنا جائز ہے کون سا نہیں اور کس کتے کا قتل جائز ہے کس کا نہیں،چونکہ شکار کے بیان میں کتے کا ذکر بھی تو کیا تھا کہ شکاری کتے کا شکار حلال ہے،اگرچہ وہ کتے کے منہ میں مرجائے اس لیے اب مؤلف نے کتے کے اقسام و احکام باندھا گویا یہ باب پچھلے باب کا تتمہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جانوروں یا شکاری کتے کے سوا۱؎ کوئی اور کتا پالے تو روزانہ اس کے عمل سے دو دانگ کم ہوں گے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جانوروں کی حفاظت یا شکار کے لیے کتا پالنا بالکل درست ہے جس سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑا۔ضار اصل میں ضاری تھا،ی تخفیف کرکے گرادی گئی تھی،ضاری بنا ہے ضری سے بمعنی بھڑکانا ضاری بمعنی شکار کو بھڑکانے والا کتا یعنی شکاری کتا۔

۲؎ عمل سے مراد نیک اعمال کا ثواب ہے نہ کہ اصل عمل کیونکہ مذہب اہل سنت یہ ہے کہ کسی گناہ کی وجہ سے نیکی برباد نہیں ہوتی نیکیاں صرف کفر سے برباد ہوتی ہیں اور کتا پالنا گناہ ہے کفر نہیں۔مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کا جو ثواب کتا نہ پالنے والے کو ملتا ہے وہ کتا پالنے والے کو نہیں ملتا،اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ ایسے کتے سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے یا اس لیے کہ کتے سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے یا اس لیے کہ کتے والے گھر کے برتن اور کپڑے مشکوک ہوتے ہیں کہ کبھی کتا یہ چیزیں چاٹ لیتا ہے گھر والوں کو خبر نہیں ہوتی لہذا جتنی یقینی پاکی وطہارت بغیر کتے والے گھر میں ہوتی ہے ایسی طہارت کتے والے گھر میں نہیں ہوتی یہ تحقیق ضرور خیال میں رکھی جائے۔(مرقات)بہرحال نیکیوں سے تو گناہ مٹتے ہیں"اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ"مگر گناہوں سے نیکیاں کبھی نہیں مٹتیں وہ صرف کفر سے مٹتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْہِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔قیراط ایک خاص وزن کا نام ہے،یہاں قیراط فرمانا سمجھانے کے لیے ہے ورنہ ثواب اعمال یہاں کے باٹوں سے نہیں تولا جاتا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے جانوروں یا شکار یا

	کھیتی باڑی کے کتوں کے سواء اور کوئی کتا پالا تو اس کے ثواب سے روزانہ ایک قیراط کم ہوگا۱(مسلم،بخاری)

۱اس حدیث میں کھیتی باڑی کے کتے کا اضافہ ہےیعنی کھیت کی حفاظت کے لیے کتا پالنا بھی جائز ہے اسی طرح باغ کی حفاظت بھی ہے اور گھر کی حفاظت بھی۔خیال رہے کہ مکہ معظّمہ مدینہ منورہ میں بلاضرورت کتے پالنے پر دو قیراط کی کمی ہوگی اورکسی جگہ ایک قیراط کی،یا گاؤں و جنگلوں میں کتے پالنے پر ایک قیراط کی کمی ہےشہر میں دو قیراط کی کہ کتے سے زیادہ تکلیف شہر میں ہوتی ہے،یا اولًا دو قیراط کی کمی کا قانون تھاپھر احکام نرم ہونے پر ایک قیراط کی کمی رہ گئی،غرضیکہ یہ حدیث گزشتہ دو قیراط والی حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ **اقتناء** اور ہے**اتخاذ** کچھ اور،**اقتناء** میں دو قیراط کم ہوں گے **اتخاذ** میں ایک قیراط،محبت سے کتا پالنااسے اپنے ساتھ بٹھانا ساتھ کھلانا **اقتناء** ہے مگر اسے پالنا اس سے محبت نہ کرنا اس سے علیٰحدہ رہنا**اتخاذ** ہےلہذا احادیث متعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے ہلاک کردینے کا حکم دیا۱حتی کہ ایک عورت دیہات سے اپنا کتا ساتھ لاتی تو ہم اسے قتل کردیتے تھے۲پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ تم کالے بھجنگے دو داغ والے کو قتل کرو۳کہ وہ شیطان ہے۴(مسلم)

۱عام کتے یا خاص کتے مدینہ منورہ کے مار ڈالنے کا حکم دیاکیونکہ مدینہ منورہ نزول وحی کی جگہ ہےوہاں ایسی گندی چیز کی موجودگی اچھی نہیں۔

۲عورت کا ذکر اتفاقی ہے کہ اکثر عرب عورتیں ہی کتے ساتھ رکھتی تھیں۔مطلب یہ ہے کہ جو باہر کا کتا مدینہ منورہ میں آجاتا ہم اس کو بھی نہ چھوڑتے تھے،اس کی مالکہ کے بغیر اذن ہی اسے مار دیتے تھے۔معلوم ہوا کہ ناجائز کتا،سؤر،شراب،جوئے کا سامان وغیرہ یوں ہی طبلہ،سارنگی وغیرہ ناجائز و حرام گانے کے آلات مالک کے بغیر اجازت بھی ضائع کیے جاسکتے ہیں اس میں ضائع کرنے والے پر تاوان نہیں،یہ حدیث بہت سے احکام کی ماخذ ہے۔

۳**اسود** کالا اور **بھیم** خاص کالا جس میں اور کوئی رنگ نہ ہو،**ذوالنقطتین** وہ کتا یا سانپ جس کی آنکھوں کے اوپر دو داغ ہوں یہ زیادہ خطرناک ہوتا ہےاور ڈراؤنا بھی،اس قسم کا سانپ تو بہت ہی خطرناک ہے،کتا دیوانہ ہوکر سانپ سے زیادہ خطرناک ہوجاتا ہے کہ دیوانے کتے کا کاٹا ہوا اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ بھی ویسا ہی ہوجاتا ہے اور دیوانے کتے کا کاٹا خود دیوانہ ہوکر بڑی مصیبت سے بہت عرصہ میں مرتا ہے،کتے کی طرح خود بھونکتا ہے۔

۴یعنی ایسا کتا نقصان و ضرر میں شیطان کی طرح ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں پہلے تمام کتوں کے قتل کا حکم دیا گیا پھر صرف کالے آنکھوں پر داغ والے کتے کے قتل کا حکم رہا،تمام کتوں کے قتل کا حکم منسوخ ہوا،اب حکم یہ ہے کہ بے ضرر کتوں کے قتل کا حکم منسوخ ہےخواہ کالے ہوں یا کچھ اور ضرر والے خصوصًا دیوانے کتے کا قتل ضروری ہے اور بلاضرورت کتا پالنا منع ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے کتے اور بکریوں کے کتے اور جانوروں کے کتے کے سوا باقی سب کتوں کے مارنے کا حکم دیا ۱(مسلم)	

۱اس کے متعلق مسئلہ ابھی عرض کیا گیا کہ کتوں کے قتل کا عمومی وجوب منسوخ ہے،ایک شرط کے ماتحت حکم استحبابی باقی ہے،مضر اور دیوانہ کتوں کا قتل اب بھی واجب ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اگر یہ نہ ہوتا کہ کتے بھی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے تو میں ان سب کے قتل کا حکم دیتا۱پس تم ہر خالص کالے کتے کو قتل کردو۲(ابوداؤد،دارمی) اور ترمذی،نسائی نے یہ زیادتی کی کہ کوئی گھر والے نہیں جو کتا پالیں مگر ہر دن ان کے عمل سے ایک قیراط کم ہوتا ہےسواء شکاری کتے یا کھیتی کے لیے یا بکریوں کے کتے کے۳	

۱اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ"۔مطلب یہ ہے کہ کتے بھی مخلوق ہیں،ایک گروہ ہےجس کے پیدا فرمانے میں حکمت ہے اور انسان کو اس سے فائدہ بھی ہے کہ حفاظت و شکار میں کام آتا ہے اس لیے اس کا بالکل فنا کرنا مناسب نہیں۔خیال رہے کہ کتے پالنے کا اور حکم ہے اسے ہلاک کرنے کا دوسرا حکم۔بلا فائدہ اس کا پالنا ناجائز۔فائدہ حفاظت یا شکار ہے اور بلا ضرر اس کا مارنا ممنوع ہے نقصان خواہ بالفعل ہو یا بالاحتمال۔

۲یہاں مرقات نے فرمایا کہ حیوانات کا ذبح کرنا صرف دو وجہ سے جائز ہے یا نفع حاصل کرنے کے لیے یا ان کا نقصان دفع کرنے کے لیے،چونکہ خالص کالا کتا فائدہ کم دیتا ہے نقصان زیادہ اس لیے اس کے مار دینے کا حکم ہے،ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ حکم بھی منسوخ ہے۔اب صرف نقصان دہ کتا ہلاک کیا جائے کالا ہو یا اور رنگ کا۔اس سے معلوم ہوا کہ بچھو،سانپ،بھیڑیا،شیر،چیتا وغیرہ تمام وہ جانور جو صرف نقصان دہ ہیں ان سے نفع کوئی نہیں ان کو مارنا مطلقًا درست ہے۔

۳؎ بکری سے مراد تمام مویشی ہیں جیسے گائے بھینس وغیرہ کہ ان کی حفاظت کے لیے کتا پالنا جائز ہے،یوں ہی باغ،گھرو دکان کی حفاظت کے لیے پالنا درست ہے،ریوڑ کی حفاظت والے کتے بھیڑیئے کو بھی بھگا دیتے ہیں۔اعمال کم ہونے کے معنی اور اس کی وجہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور لڑوانے سے منع فرمایا۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ اللہ تعالٰی رحم فرمائے،آج مسلمانوں میں مرغ لڑانا،کتے لڑانا،اونٹ،بیل لڑانے کا بہت شوق ہے یہ حرام سخت حرام ہے کہ اس میں بلا وجہ جانوروں کو ایذاء رسانی ہے،اپنا وقت ضائع کرنا۔بعض جگہ مال کی شرط پر جانور لڑائے جاتے ہیں یہ جوا بھی ہے حرام درحرام ہے۔جب جانوروں کو لڑانا حرام ہے تو انسان کو لڑانا سخت حرام ہے۔خیال رہے کہ اسلامی فوج کو کفار سے لڑانا جہاد ہے،یونہی مشن کے لیے تیاری اور جہاد کے لیے کشتی لڑنا اور لڑانا جہاد کی تیاری ہے یہ دونوں کام عبادت ہیں،مسلمانوں کی آپس میں جنگ کرانا یہ حرام ہے،لڑانا اور چیز ہے،کشتی اور جہاد اور چیز۔

باب مایحل اکلہ ومایحرم

باب اس کا بیان کہ کس جانور کا کھانا حلال ہے اور کس کا حرام۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ اصلی حالت حلال ہونا ہے عارضی حالت حرام ہونا،نیز حلال چیزیں زیادہ ہیں،حرام کم،ان وجوہ سے حلال کا ذکر پہلے فرمایا حرام کا بعد میں۔(مرقاۃ)قرآن کریم نے صرف چھ چیزیں حرام فرمائیں:(۱)مردار(۲)خون(۳)سؤر کا گوشت(۴)غیر خدا کے نام پر ذبیحہ(۵)گلا گھوٹنا جانور(۶)گر کر مرجانے والا۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ چیزیں حرام فرمائیں:جیسے ہر کیل والا شکاری،درندہ جانور جیسے کتا،بلی وغیرہ اور ہر پنجہ والا شکاری جیسے کوّا،باز،شکرہ وغیرہ۔جن جانوروں کی حرمت قطعی و یقینی حدیث سے ثابت ہے ان کی حرمت میں تمام امت کا اتفاق ہے جیسے کتا،بلی وغیرہ۔جن کی حرمت احادیثِ ظنّیہ سے ثابت ہے ان کی حرمت میں اختلاف ہے۔چنانچہ ہمارے امام اعظم کے ہاں سواء مچھلی کے تمام دریائی جانور حرام ہیں،امام مالک کے ہاں سوائے دریائی خنزیر اور دریائی انسان کے تمام دریائی جانور حلال ہیں،امام شافعی کے ہاں سارے دریائی جانور حلال ہیں،وہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں"اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الْبَحۡرِ"اور اس حدیث سے **ھوالطھور ماء والحل میتتہ**،ہمارے امام صاحب کی دلیل یہ آیت"وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔غرضیکہ حرام و حلال کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے،امام احمد کے ہاں سواء منصوص محرمات کے جسے عرب طیب و حلال کہیں وہ حلال ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر کیل والا درندہ اس کا کھانا حرام ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی جو کیل والے جانور اپنے دانتوں سے شکار کریں وہ حرام ہیں جیسے چیتا،بھیڑیا،کتا وغیرہ یہ قاعدہ بہت ہی عام اور ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے درندے اور ہر پنجے والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا ۱؎(مسلم)	

۱؎ خیال رہے کہ حرام جانور کا دودھ بھی حرام ہے سوا انسان کے،یوں ہی حرام جانور کے انڈے حرام ہیں،یہ خیال رہے۔

روایت ہے حضرت ابوثعلبہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھے کے گوشت کو حرام	

فرمایا۱(مسلم،بخاری)	

۱؎ وحشی گدھا یعنی نیل گائے بالاتفاق حلال ہے،پالتو گدھے کی حرمت میں گفتگو ہے۔جمہور علماء کے نزدیک گدھا حرام ہے۔حضرت شریح،حسن،عطا ابن ابی رباح،سعید ابن جبیر،حماد ابن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ وہ اسے حلال کہتے ہیں۔(مرقات)مگر عام فقہاء مجتہدین حرام کہتے ہیں،ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہےاور یہ آیت "وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً"۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے،خچر،گدھے کھانے کے لیے نہیں بلکہ سواری باربرداری اور آرائش کے لیے ہیں،اس لیے آیت کریمہ میں گھوڑے،کھچر اور گدھوں کو ملاکر بیان فرمایا ہے اور ان تینوں کا ایک ہی مقصد بیان فرمایاجس سے معلوم ہوا کہ یہ تینوں جانور حرام ہیں،یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔

پہچان: حرام و حلال جانور پہچاننے کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ دریائی جانور سارے حرام ہیں سواء مچھلی کے،خشکی کے بے خون والے جانور سارے حرام ہیں سواٹڈی کے۔خون والے خشکی کے جانور دو قسم کے ہیں:پرندے اور چرندے۔پرندے جانور شکاری پنجے والے حرام ہیں،باقی حلال۔چرندے جانوروں میں کیڑے مکوڑے حرام ہیں جیسے سانپ چوہے گوہ وغیرہ ان کے علاوہ کیل والے شکاری جانور حرام ہیں باقی حلال ہیں،یہ ہی مذہب حنفی ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا۱اور گھوڑوں کے گوشتوں کی اجازت دی۲ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی شروع اسلام میں گدھا پالتو حلال تھا،غزوہ خیبر میں قیامت تک کے لیے حرام کردیا۔اس خیبر میں عورتوں سے متعہ حرام ہوا اس کی حرمت بھی تاقیامت ہے۔

۲؎ گھوڑے کی حلت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔امام شافعی،احمد اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے،یہ حدیث حلال فرمانے والوں کی دلیل ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ آیت کریمہ ہے جو پچھلی حدیث میں ہم نے عرض کی کہ رب تعالٰی نے گدھا،خچر،گھوڑا ان تینوں کو جمع فرماکرفرمایا"لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً"کہ یہ تینوں جانور سواری اورزینت کے لیے پیدا فرمائے۔معلوم ہوا کہ ان تینوں میں سے کوئی کھانے کے لیے نہیں مگر چونکہ گھوڑے کی حرمت شرافت وکرامت کی بناء پر ہے اس لیے اس کا جھوٹا پاک ہے جیسے انسان کہ اس کا گوشت حرام مگر جھوٹا پاک،نیز ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے حصرت خالد ابن ولید سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے،خچر اورگدھے کے گوشتوں سے منع فرمایا،نیز نسائی شریف نے حضرت سلمہ ابن نفیل سکونی سے روایت کی کہ حضور نے گھوڑے کو ذلیل کرنے اور اس پر ذلت سے بوجھ لادنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث کے چند جواب دیئے: ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہےاس کی ناسخ وہ ہی حدیث خالد ہے جو ابھی عرض کی گئی۔دوسرے یہ کہ گھوڑے کے متعلق حلت و حرمت دونوں کی روایات ہیں اور جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔تیسرے یہ کہ یہاں اذن بمعنی رخص ہےبلکہ بعض روایات میں رخص ہی ہے لہذا مطلب یہ

ہوا کہ غزوہ خیبر میں ایک ضرورت کی وجہ سے گھوڑا کھانے کی اجازت دی یہ اجازت خصوصی تھی۔چوتھے یہ کہ اگر گھوڑا گائے بھینس کی طرح حلال ہوتا تو اس کی قربانی بھی جائز ہوتی،حالانکہ اس کی قربانی کسی نے جائز نہ کی۔پانچویں یہ کہ حضور اور خلفاء راشدین سے گھوڑا کھانا کبھی ثابت نہیں۔خیال رہے کہ پہلے گھوڑا وحشی جانور تھا،حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سب سے پہلے اس پر سواری کی جب سے یہ جانور پالتو ہوا۔(مرقات واشعہ)بہر حال گھوڑے کے متعلق مذہب امام اعظم میں احتیاط ہے اور باقی مذاہب میں گنجائش۔خیال رہے کہ صحابہ کرام میں سواء حضرت ابن عباس کے کوئی صحابی گدھے کی حلت کے قائل نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ انہوں نے وحشی گدھے کو دیکھا تو اسے ہلاک کردیا۱ تب نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کیا اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس ہے،عرض کیا ہمارے پاس اس کا پاؤں ہے حضور نے قبول فرمایا اور کھایا۲(مسلم،بخاری)	

۱ یعنی اس کا شکار کرلیا۔وحشی گدھا یعنی نیل گائے بالاتفاق حلال ہے ہر جگہ شکار کیا جاتا ہے اور کھایا جاتا ہے گھوڑے کی طرح ہوتا ہے یوں ہی جنگلوں میں پایاجاتاہے۔

۲ حضرت ابوقتادہ نے تو پوچھا تھا کہ کیا یہ حلال ہے حضور انور نے جواب عطا فرمایا کہ اسے کھا کر دکھادیا،یہ جواب قوی جواب سے زیادہ قوی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نے **مرالظھران** میں۱ ایک خرگوش کو بھڑکایا تو میں نے اسے پکڑ لیا تو میں اسے ابوطلحہ کے پاس لایا انہوں نے ذبح کیا۲ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا چوتڑ اور دونوں ران بھیجی تو حضور نے اسے قبول فرمالیا۔(مسلم،بخاری)	

۱ **مرالظھران** حرمین شریفین کے درمیان مکہ معظّمہ کے قریب ایک بستی ہے وہاں انہوں نے خرگوش زندہ پکڑ لیا،حضرت ابوطلحہ نے ذبح کیا،حضرت ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں۔

۲ معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے یہ ہی اکثر اہل اسلام کا عقیدہ ہے،بعض لوگوں نے اس مکروہ کہا ہے اس لیے کہ اس کی مادہ کو حیض آتا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گوہ کو نہ تو میں کھاتا ہوں نہ اسے حرام کرتا ہوں ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو گوہ کو حلال کہتے ہیں جیسے امام شافعی و احمد،ہمارے یہاں ممنوع ہے ہماری دلیل دوسری فصل میں آرہی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا تعارض کی وجہ سے مرجوح ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ نرگوہ کے دو ذکر ہوتے ہیں اور اس کی مادہ کی دو فرجیں،کبھی پانی نہیں پیتا،چالیس دن میں ایک بوند پیشاب کرتا ہے،بیک وقت ستر انڈے دیتا ہے،اس کی عمر سات سو برس تک ہوتی ہے،گوہ نے ہی حضور کی گواہی بزبان فصیح دی تھی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ خالد ابن ولید نے انہیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میمونہ کے پاس گئے وہ ان کی اور ابن عباس کی خالہ ہیں۱؎ تو انکے پاس بھنی ہوئی گوہ پائی۲؎ تو انہوں نے گوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے اپنا ہاتھ اٹھالیا۳؎ تب خالد بولے کیا گوہ حرام ہے فرمایا نہیں لیکن میری قوم کی زمین میں نہ تھی۴؎ لہذا میں اپنے کو گھن کرتا پاتا ہوں،خالد فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کھینچ لیا تو میں نے گوہ کھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھتے رہے۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ام المؤمنین بی بی میمونہ حضرت خالد کی بھی خالہ ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس کی بھی خالہ ہیں،یہ جملہ معترضہ ہے جس میں وجہ بیان فرمائی کہ میں حضرت میمونہ کے پاس کیوں گیا۔

۲؎ **عشویٰ** وہ گوشت ہے جو دیگچی میں بھونا گیا ہو اور **محنوذا** وہ گوشت ہے جو گرم پتھر سے بھونا گیا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"**جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ**"۔

۳؎ یعنی یہ گوشت نہ کھایا بلکہ چہرہ انور پر کراہت کے آثار نمودار ہوئے جس سے وہ سوال کیا گیا جو آئندہ مذکورہ ہے۔

۴؎ یعنی گوہ حرام شرعی نہیں لیکن مجھے اس سے نفرت طبعی ہے کیونکہ ہماری پرورش جناب حلیمہ کے ہاں ہوئی ہے وہاں گوہ نہ ہوتی تھی اس لیے ہم نے کبھی کھائی نہیں ہے اب کھانے کو دل نہیں چاہتا کراہۃ طبعی ہے۔

۵؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی و دیگر ائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ گوہ حلال ہے،امام اعظم قدس سرہ کے نزدیک ممنوع۔وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگرحرام ہوتی تو حضور انور کے سامنے نہ کھائی جاتی،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ حدیث آگے آرہی ہے۔جب اباحت اور ممانعت میں تعارض ہو تو ترجیح ممانعت کی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کھاتے دیکھا[1] (مسلم،بخاری)	

[1] دجاج نرومادہ دونوں کو کہتے ہیں،دیک فقط نرمرغ کو۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ فقراء کو مرغیاں پالنا چاہیے اور اغنیاء بکریاں پالیں اور یہاں انہوں نے عجیب عجیب حکایات نقل کیں۔بہرحال اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مرغ حلال ہے۔دوسرے یہ کہ مرغ کھانا تقویٰ کے خلاف نہیں،اللہ دے تو اعلیٰ نعمتیں بھی کھاؤ مگر اپنے کو مزیدار غذاؤں کا عادی نہ بناؤ اپنی طبیعت کو ہر طرح کا عادی رکھو۔

روایت ہے حضرت ابن ابی اوفی سے[1] فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوہ کیے ہم حضور کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے[2] (مسلم،بخاری)	

[1] ان کا نام عبداللہ ہے،والد کا نام انیس،قبیلہ جہنیہ سے ہیں،غزوہ احد میں شریک ہوئے، ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

[2] ٹڈی حلال ہے حضور کے سامنے صحابہ کرام نے کھائی ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کبھی نہ کھائی بلکہ فرمایا کہ یہ اللہ تعالٰی کی بڑی مخلوق ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام کرتا ہوں،ہم نے پہلے عرض کردیا ہے کہ خشکی کے بے خون جانور سارے حرام سوا ٹڈی کے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے پتوں والے لشکر میں غزوہ کیا[1] اور ابوعبیدہ امیر بنائے گئے تو ہم سخت بھوکے ہوگئے پھر دریا نے ایسی مری مچھلی پھینکی کہ اس جیسی دیکھی نہ گئی[2] جسے عنبر کہا جاتا تھا ہم نے اس میں سے آدھا ماہ کھایا[3] پھر ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی لی تو سوار اس کے نیچے سے گزر گیا[4] پھر جب ہم آئے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا کھاؤ وہ روزی جو اللہ نے تمہاری طرف ظاہر کی اور ہم کو بھی کھلاؤ اگر تمہارے پاس ہو،فرماتے ہیں پھر ہم نے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے اس سے کھایا[5] (مسلم،بخاری)	

[1] خبط کے معنی ہیں درختوں کے پتے،چونکہ اس غزوہ میں حضرات صحابہ نے بھوک کی وجہ سے پتے کھائے تھے اس لیے اسے غزوہ خبط بھی کہتے ہیں اور ان غازیوں کے لشکر کو جیش خبط،یہ غزوہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ دریا نے مچھلی کنارہ پر پھینکی وہ خشکی میں آکر مرگئی ورنہ جو مچھلی دریا میں مرکر تر جائے وہ حرام ہے لہذا حدیث واضح ہے۔وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ دریا کا میتہ حلال ہےاس کے معنی یہ ہیں کہ جو دریا کی وجہ سے مرجائے یعنی پانی نہ ملنے سے جو پانی میں مرکر تیر جائے وہ دریا کا مردہ نہیں بلکہ کسی بیماری کی مردہ ہے۔

۳؎ یعنی وہاں رہ کر پندرہ دن کھائی اور واپسی میں راستہ میں پندرہ دن یا مدینہ منورہ پہنچ کر پندرہ دن تک کھاتے رہے لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں جس میں ایک ماہ تک کھانے کا ذکر ہے۔اس مچھلی کو عنبر اس لیے کہتے ہوں گے کہ اس سے عنبر نکلتا ہے یا اس قسم کی مچھلی کا نام عنبر ہے۔(اشعہ)

۴؎ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ نے سب سے اونچا اونٹ اس کی ہڈی کے نیچے سے گزارا تو وہ اونٹ اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا۔

۵؎ اس عمل شریف سے مچھلی کی حلت عملی طور پر دکھادی گئی گویا قولی فتویٰ بھی دے دیا گیااور عملی فتویٰ بھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس ساری کو ڈبو دے پھر اسے پھینک دے۱؎ کیونکہ اس کے بازوؤں میں سے ایک بازو میں شفاء ہے اور دوسرے میں بیماری ہے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ذباب بنا ہے ذب سے بمعنی دفع کرنا،مکھی کو ذباب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو بار بار دفع کیا جاتا ہے مگر یہ آتی رہتی ہے،ذباب بمعنی دفع کی ہوئی چیز۔اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ مکھی نجس نہیں ہے پاک ہے اور چونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہےاس لیے پانی،دودھ،شوربے وغیرہ میں ڈوب کر مرجانا اسے نجس نہیں کرتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف یہ احتمال کہ شاید مکھی نجاست پر بیٹھ کر آتی ہو،شاید اس پر گندگی لگی ہو اس لیے یہ شوربا ناپاک ہوگیا ہو معتبر نہیں،شریعت ظاہر پر ہے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی میں ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالٰی نے بہت جانوروں میں زہر و تریاق جمع فرمادیا ہے۔شہد کی مکھی کے منہ سے شہد نکلتا ہےجو بیماریوں کی شفاء ہے اور اس کے ڈنگ سے زہر نکلتا ہے جو بیماری ہے،بچھو کے ڈنگ میں زہر ہے اور خود بچھو کے جسم کی راکھ زہر کا علاج ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ مکھی پہلے زہریلا بازو ڈالتی ہے تم دوسرے بازوؤں کو غوطہ دے کر پھینکو،زہریلا بازو پہلے ڈالنا اس کی فطری بات ہے،دیکھو چیونٹی کو رب تعالٰی نے کیسی کیسی باتیں سکھادی ہیں،گندم جمع کرتی ہے اگر بھیگی گندم ہو تو اسے خشک کرتی ہے پھر ایسے طریقہ سے رکھتی ہے کہ آئندہ نہ بھیگ سکے،دو ٹکڑے کاٹ کر رکھتی ہے تاکہ اگ نہ جائے،دھنیہ کو نہیں کاٹتی کہ وہ ثابت بھی نہیں اگتا۔پاک ہے وہ رب بے نیاز جس نے بے عقل جانوروں کو یہ سمجھ بخشی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مخلوق کی ہر خاصیت سے خبردار ہیں حاکم بھی ہیں حکیم بھی صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت میمونہ سے کہ گھی میں چوہا گر کرمرگیا

	تو۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا فرمایا اس کو اور اس کے آس پاس کو گرا دو اور اسی گھی کو کھاؤ۲(بخاری)

۱گھی جما ہوا تھا جیسا کہ آئندہ مضمون میں معلوم ہورہا ہے۔
۲یعنی اگر جمے ہوئے گھی میں چوہا مرجائے تو اس کے میت جسم سے متصل جو گھی ہے وہ نجس ہوگیا ہے،باقی پاک ہے اس نجس کو پھینک دو باقی کھالو۔وہ نجس گھی کھانے کے سوا دوسرے استعمال میں لاسکتے ہیں جیسے اس سے چراغ روشن کرسکتے ہیں،کشتی میں مل سکتے ہیں،پتلے تیل میں اگر چوہا مرجائے تو اسے نہ کھایا جائے،ہاں وہ چند طریقوں سے پاک ہوسکتاہے جن میں سے آسان طریقہ یہ ہے کہ نجس گھی یا تیل کو پاک گھی کے ساتھ اس طرح بہادیا جائے کہ کوئی آگے پیچھے نہ ہوساتھ بہے،اس کی تحقیق شامی میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سانپوں کو مارو۱خصوصًا دو دھاری والے کو اور بنڈے کو ۲کیونکہ وہ دونوں بینائی ختم کردیتے ہیں اور حمل گرادیتے ہیں۳عبداللہ فرماتے ہیں۴اس دوران میں کہ میں ایک سانپ پر حملہ کررہا تھا کہ اسے مار ڈالوں مجھے ابولبابہ نے پکارا کہ اسے نہ مارو تو میں نے کہا رسول اللہ نے سانپوں کے قتل کا حکم دیا ہے وہ بولے کہ اس کے بعد حضور انور نے گھر والے سانپوں سے منع فرمایا یہ سانپ گھر والے ہیں۵(مسلم،بخاری)

۱یعنی ہر قسم کے سانپ قتل کردو موٹے پتلے،کالے پیلے،گوبرے اور غیر گوبرے۔
۲**طفیہ** بمعنی دہاری،یہ ایک قسم کا کالا سانپ ہےاس کے جسم پر دو سفید دھاریاں ہوتی ہیں،یہ خبیث ترین سانپ ہے۔بنڈا وہ سانپ جس کی دم موٹی اور چھوٹی ہوتی ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب سانپ کی عمر دو سو سال ہوجاتی ہے تو اس کی دم موٹی پڑجاتی ہےاور بہت ہی زہریلا ہوجاتا ہے۔**واللہ اعلم**!اللہ تعالٰی دونوں سے محفوظ رکھے۔
۳یعنی اگر انسان کی نظر ان کی نظر سے مل جائے تو آدمی اندھا ہوجاتا ہےاور اگر حاملہ عورت کی نظر اس کی نظر سے لڑجائے تو اس کا حمل گرجاتا ہے یا خوف کی وجہ سے یا زہر کے اثر سے۔اللہ کی پناہ!یہاں مرقات نے لکھا ہے کہ ایک سانپ ناظر کہلاتا ہےوہ جس جاندار کو دیکھ لے وہ مرجاتا ہے،ہم نے سنا ہے کہ ایک سانپ کا یہ حال ہے کہ جس جاندار کو دیکھ لے وہ پانی ہوکر بہہ جاتا ہے۔اللہ کی پناہ!
۴محدثین جب عبداللہ مطلقًا بولتے ہیں تو عبداللہ بن مسعود مراد لیتے ہیں مگر یہاں عبداللہ ابن عمر مراد ہیں کیونکہ ابھی ان کا نام شریف بھی گزرا۔(مرقات)

۵؎ یعنی جو سانپ گھروں میں رہتے ہیں بستے ہیں کسی کو تکلیف نہیں دیتے وہ جنات ہیں سانپ نہیں،یہ حکم یا تو مدینہ منورہ کے لیے ہے یا عام مکانوں کے لیے۔حضرت ابوہریرہ و ابن مسعود سے مرفوعًا روایت ہے کہ سانپ کو مارنا ایسا ثواب ہے جیسے غازی کا کافر کو قتل کرنا۔

	روایت ہے حضرت ابو سائب سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم ابو سعید خدری کے پاس گئے اس دوران میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہم نے ان کے تخت کے نیچے حرکت سنی ۲؎ تو ہم نے دیکھا وہاں سانپ تھا میں اسے قتل کرنے کے لیے کودا اور جناب ابو سعید نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ ۳؎ میں بیٹھ گیا جب وہ فارغ ہوئے تو گھر کی ایک کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا فرمایا کیا تم اس کوٹھڑی کو دیکھتے ہو میں نے کہا ہاں فرمایا اس میں ہمارا ایک نو عروس جوان تھا ۴؎ فرماتے ہیں کہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی طرف گئے ۵؎ تو وہ جوان دوپہریوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیا کرتا تھا اور اپنے گھر لوٹ جاتا تھا ۶؎ ایک دن اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہتھیار لیتے جاؤ کیونکہ میں تمہارے متعلق قریظہ سے ڈرتا ہوں ۷؎ چنانچہ اس شخص نے اپنے ہتھیار لے لیے پھر چلا گیا اچانک اس کی بیوی دروازہ میں کھڑی تھی ۸؎ اس نے بیوی کی طرف نیزے کا اشارہ کیا تاکہ اسے مار دے اسے غیرت آگئی ۹؎ وہ بولی کہ اپنا نیزہ روک رکھو گھر میں جاؤ تاکہ خود دیکھ لو کہ مجھے کس چیز نے نکالا ہے ۱۰؎ چنانچہ وہ گیا تو ایک بڑا سانپ بستر پر کنڈلی مارے ہے (لہرارہا ہے) ۱۱؎ وہ اس سانپ کی طرف نیزہ لے کر جھکا اسے نیزہ میں پرولیا ۱۲؎ پھر نکلا پھر گھر میں چبھولیا تو سانپ نے تڑپ کر اس پر حملہ کیا ۱۳؎ پھر خبر نہیں کہ ان دونوں میں جلدی کون مرا سانپ یا جوان ۱۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ پھر ہم رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا اور ہم نے عرض کیا۱۵؎ کہ اللہ سے دعا فرمادیں کہ اسے ہمارے لیے زندہ فرمادے۱۶؎ فرمایا اپنے ساتھی کے لیے دعا بخشش کرو۱۷؎ پھر فرمایا کہ ان گھروں میں کچھ جنات رہنے والے ہیں۱۸؎ جب تم ان میں سے کچھ دیکھ لوتو ان پر تین دن تنگی کروپھر اگر وہ چلا جائے تو خیر ورنہ اسے مار دو کہ وہ کافر ہے۱۹؎ اور فرمایا کہ جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کردو۲۰؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ میں کچھ جن ہیں جو مسلمان ہوچکے ہیں ۲۱؎ تو جب ان میں سے کچھ دیکھو تو اسے تین دن تک خبردار کرو اگر وہ پھر اس کے بعد ظاہر ہو تو اسے مار دو کہ وہ شیطان ہے۲۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،ہشام ابن نمیرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،مدینہ منورہ میں رہے۔

۲؎ یعنی ہم کو ان کے بستر پر سرسراہٹ محسوس ہوئی۔

۳؎ نماز میں اشارۃً کسی کو کچھ سمجھادینا ضرورۃً جائز ہے بلا ضرورۃً ممنوع،اشارہ ایسا نہ ہو جو مفسد نماز ہوتا ہے۔

۴؎ جس کی شادی نئی نئی ہوئی تھی،عرس بمعنی شادی،عروس دولہا دلہن دونوں کو کہتے ہیں۔

۵؎ غزوہ خندق کے موقعہ پر یہ جوان بھی خندق کھودنے پر مامور تھاان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۶؎ کیونکہ نیا دولہا تھادوپہر میں آرام کرنے گھر جاتا تھادن ڈھلے واپس آجاتا،اپنے کام یعنی خندق کھودنے میں لگ جاتا تھا۔

۷؎ قریظہ یہود کی وہ جماعت جو مدینہ منورہ کے قریب حوالی میں رہتی تھی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی تھی کفار مکہ سے مل کراس جماعت نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرائی تھی،ان لوگوں سے اندرونی حملہ کا ہر وقت ہی خطرہ رہتا تھااس لیے یہ ارشاد فرمایا

۸؎ دروازے کی چوکھٹ کے دو بازوؤں کے درمیان کھڑی تھی اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۹؎ اگرچہ گلی میں اس وقت کوئی مرد نہ تھاجس سے بے پردگی ہومگر اس غیرت مند صحابی کو غیرت آئی کہ میری بیوی ایسی جگہ کیوں آئی جہاں بے پردگی کا خطرہ ہو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی بہو بیٹیوں کو بے پردہ پھراتے ہیں۔

۱۰؎ تاکہ تم کو پتہ لگے کہ میں مجبوری میں باہر نکلی ہوں،ایسی مجبوری میں پردہ لازم نہیں رہتا،زبان سے نہ بتایا بلکہ اسے دکھانے کی کوشش کی۔

۱۱؎ اب اس جوان کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی باہر کیوں نکلی تھی۔

۱۲؎ اس طرح کہ نیزہ سانپ کے جسم میں گھونپ دیااور سانپ کو طوق کی طرح بنالیا،اسے اس ہار سے مشابہت دی گئی جس میں موتی پرولیے جائیں۔

۱۳؎اس طرح کہ زخمی سانپ نے زور مارااس کے برچھے سے الگ ہو کر جوان کو کاٹ لیازخمی بلکہ لاٹھی کھایا ہوا سانپ ضرور حملہ کرتا ہے اس لیے سانپ کو مارنے والے اسے لاٹھی مارکر فورًا اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں کیونکہ سانپ اچھل کر اس جگہ آگرتا ہے جہاں لاٹھی والا کھڑا ہو۔

۱۴؎یعنی جوان فورًا ہی مرگیاسانپ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے غیرمحسوس وقفہ سے،عرب کا سانپ عمومًا بہت ہی زہریلا ہوتا ہے،ہمارے ہاں بھی ریتیلے علاقوں کے سانپ بہت زہریلے ہوتے ہیں۔

۱۵؎یہ واقعہ نقل فرمانے والے حضرت ابو سعید خدری ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کرنے والے عام حاضرین ہیں۔(مرقات)

۱۶؎صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کبھی مردے زندہ کرنے کے متعلق عرض نہ کیاآج یہ عرض کرنا یا تو اس مرحوم نو عروس اور اس کی نئی نویلی دولہن پر ترس کھاتے ہوئے تھایا وہ حضرات سمجھے کہ جوان مرا نہیں ہے بلکہ بے ہوش ہوگیا ہے،اشعۃ اللمعات نے دوسرا احتمال اختیار فرمایا۔

۱۷؎یعنی اسے زندہ کرانے سے بہتر یہ ہے کہ رب تعالٰی سے اسے بخشواؤ،دعائے خیر دوبارہ زندگی سے افضل ہے۔خیال رہے کہ اس فرمان عالی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معجزہ پر قادر نہیں ہیں،حضور کے دستِ اقدس پر کئی مردے زندہ ہوئے ہیں جس کو ہم نے اپنی کتب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔والدین کریمین کو زندہ فرماکر انہیں مؤمن صحابی بنانا تو مشہور ہی ہے،حضرت شیخ نے مدارج النبوت میں مردے زندہ فرمانے کے واقعات بہت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں جو ذات کریم بے جان لکڑیوں میں زندگی پیدا فرما کر کلمہ پڑھوا سکتی ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کرسکتی ہے۔

۱۸؎یعنی آج کل مدینہ منورہ کے گھروں میں کچھ جنات بہ شکل سانپ رہتے ہیں جن میں سے بعض مؤمن بھی ہیں لہذا یہ حکم ہر جگہ کے لیے نہیں بلکہ خاص مدینہ منورہ کے لیے ہے،وہ بھی اسی زمانہ پاک کے لیے ہے جیساکہ ابھی اس روایت میں آرہاہے۔

۱۹؎یعنی اگر تمہاری اس مہلت سے وہ فائدہ نہ اٹھائے گھر سے نہ بھاگے تو یا تو وہ واقعی سانپ ہی ہے یا کافر جن ہے پھر اسے مار دو۔

۲۰؎اس کے کفن دفن کا انتظام کرو،پھر اس کی میت ہمارے پاس لاؤہم نمازجنازہ پڑھائیں گےکیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر صحابی کی نماز جنازہ حتی الامکان خود پڑھاتے تھے۔

۲۱؎اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حکم صرف مدینہ منورہ کے لیے تھاوہ بھی اس خاص زمانہ میں تھا جیسے مسلم انسان مدینہ کی گلیوں کو ترستے ہیں،یوں ہی اس زمانہ میں مؤمن جنات بھی وہاں رہنے کے خواہش مند تھے،ان کی رعایت فرماتے ہوئے یہ حکم دیا گیا تھا۔

۲۲؎یعنی موذی سانپ ہے یا کافر جن ہے یا واقعی ابلیس کی ذریت ہے۔معلوم ہوا کہ جن وہ آتشی مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرسکتی ہے۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں سانپ کو یہ مہلت دینے کا حکم استحبابی تھا وجوبی نہ تھا۔اگر کوئی مسلمان جن سانپ کی شکل میں ہو اور مسلمان کے ہاتھ مارا جائے تو مارنے والا مسلمان نہ تو گنہگار ہے نہ اس پر دیت یا قصاص ہے کیونکہ وہ غیرشکل میں مارا گیا ہے،یہ قتل مسلم نہیں بلکہ سانپ کا مارنا ہے جیسے کوئی شخص چور

کی شکل میں اپنے کسی دوست کے گھر گھس جاوے گھر والا اپنی حفاظت کے لیے اسے ماردے،پھر پتہ لگے کہ یہ میرا فلاں دوست ہے جو دل لگی مذاق کے لیے چور کی شکل میں آیا تھا تو اس قاتل پر قصاص یادیت نہیں کیونکہ یہ قتل نہ تو قتل عمد ہے نہ قتل خطایہ تو اپنی جان کی حفاظت میں دشمن کا قتل ہے یوں ہی جہاد میں غازی کسی مسلمان کو حربی کافر سمجھ کر مار دے تو اس پر قصاص یادیت نہیں۔

	روایت ہے حضرت ام شریک سے۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹوں کے مارنے کا حکم دیا۲ کہ وہ حضرت ابراہیم پر پھونکیں مارتا تھا۳(مسلم،بخاری)

۱ام شریک دو ہیں اور دونوں صحابیہ ہیں،ایک کا نام عزمہ بنت دہ دان ہے،قرشیہ عامریہ ہیں،لوی ابن غالب کی اولاد سے،دوسری انصاریہ ہیں خبر نہیں یہ کون سی ام شریک ہیں۔(مرقات واشعہ)مگر یہ بے خبری مضر نہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

۲وزغ جمع ہے وزغة کی بمعنی گرگٹ،مشہور جانور ہے چھپکلی سے کچھ بڑا ہوتا ہے،دم لمبی ہوتی ہے،رنگ بدلتا ہے،سبزیوں میں رہتا ہے۔

۳یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرودی آگ میں ڈالا گیا تو یہ مردود آگ سے میلوں دور بیٹھا ہوا آگ کی طرف پھونکیں ماررہا تھاکہ آگ تیز ہوکر حضرت ابراہیم کو تکلیف پہنچے،اگرچہ اس کی پھونک سے آگ تیز نہ ہوگئی وہ تو گلزار کردی گئی مگر اس حرکت سے اس کی دل کی حالت معلوم ہوگئی کہ یہ دشمن خلیل ہے اس لیے اس کو مار دینے کا حکم دیا گیا،اس کے برعکس ہدہداپنی لمبی چونچ میں پانی لاتا دور سے آگ پر ڈال دیتا تھاکہ آگ بجھ جائے،اس کو پانی کا بادشاہ کردیا گیا کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مصاحب بنایا گیا،اس کے ذریعہ ملکہ یمن بلقیس کو ہدایت دی گئی جیساکہ قرآن کریم سورۂ نمل میں مذکور ہے۔معلوم ہوا کہ عداوت نبی کا انجام برا ہے،محبت رسول کا انجام اچھا،یہ بھی معلوم ہوا جانوروں میں بھی بعض نبی کے محب ہیں بعض نبی کے دشمن،حضور فرماتے ہیں کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے،عیر پہاڑ ہم سے بغض کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار دینے کا حکم دیا اور اس کا نام بدکار رکھا۱(مسلم)

۱فویسق تصغیر ہے فاسق بمعنی بدکار کی یعنی جیسے چوہا،چیل،کوّا،بچھو وغیرہ موذی جانوروں کو حل و حرم میں قتل کردینا جائز ہے بلکہ ثواب ہے چیل کوّا وغیرہ تو اس لیے فویسق ہیں کہ وہ اپنے نفع کے بغیر انسانوں کا نقصان کرتے ہیں اور یہ اس لیے فویسق ہے کہ دشمن خلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی گرگٹ کو پہلی چوٹ میں مار دے تو اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور

	دوسری چوٹ میں اس سے کم اور تیسری چوٹ میں اس سے کم ۱؎(مسلم)

۱؎اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ گرگٹ کو جلد مار دینے کی رغبت دینازور کی چوٹ لگانا کہ ایک ہی چوٹ میں لوٹ پوٹ ہوجائے ہلکی چوٹ میں ممکن ہے کہ بھاگ جائے۔احمد و ابن حبان نے بروایت حضرت ابن مسعود مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو سانپ کو مارے اس کو سات نیکیاں ہیں اور جو گرگٹ کو مارے تو اسے ایک نیکی۔طبرانی نے بروایت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو گرگٹ کو مار دے اللہ تعالٰی اس کے سات گناہ معاف فرمائے گا۔(مرقات)بہرحال اس کا قتل ثواب ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیونٹی نے نبیوں میں سے کسی نبی کو کاٹ لیا۱؎ تو انہوں نے چیونٹیوں کی بستی جلانے کا حکم دیا جلادی گئی۲؎ تو اللہ تعالٰی نے انہیں وحی کی کہ آپ کو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے امتوں میں سے ایک امت کو جلادیا جو تسبیح پڑھتی ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎وہ نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں،بعض شارحین نے فرمایا وہ نبی داؤد علیہ السلام ہیں۔عربی میں نوچنے کو **قرص** کہتے ہیں اور کاٹ کھانے کو **عض** مگر یہاں **قرص** بمعنی **عض** ہے کہ چیونٹی کاٹتی ہے نوچتی نہیں۔(مرقات) خیال رہے کہ **عض** منہ سے کاٹ کھانے کو کہتے ہیں،چھری چاقو سے کاٹ ڈالنے کو **قطع**،پھاڑ دینے کو **خرق**،توڑ دینے کو **کسر** کہتے ہیں،یہ اصطلاحیں خیال میں رہنی چاہئیں۔فرق باریک ہے ڈسنے کو **لدغ** کہتے ہیں۔

۲؎چیونٹیوں کی بستی سے مراد ان کے اجتماع کی جگہ ہے جہاں بہت چیونٹیاں رہتی ہیں،یہاں مرقات نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولٰی تو کفار کی بستیوں پر عذاب بھیجتا ہے حالانکہ ان میں بعض مؤمنین بلکہ صالحین بھی ہوتے ہیں وہ کیوں تباہ کردیئے جاتے ہیں تب وہ ایک درخت کی جڑ میں گئے ٹھنڈی ہوا تھی سوگئے سوتے ہی ایک چیونٹی نے کاٹ لیا جس سے انکی نیند اچاٹ ہوگئی تب انہوں نے وہ چیونٹیوں کا کھڈ ہی جلوادیا یعنی رب تعالٰی نے خود ہی ان کے عمل شریف سے ان کو جواب سمجھادیا۔ (مرقات)

۳؎ان کے دین میں موذی جانوروں کا زندہ جلادینا جائز ہوگا اس لیے ان پر عتاب نہ ہوا،اسلام میں زندہ کو جلانا ممنوع ہے،نیز ہمارے ہاں چار جانوروں کو مارنا ممنوع ہے جن میں چیونٹی بھی ہے جیساکہ دوسری فصل میں آوے گا۔خیال رہے کہ اگر موذی جانور کو بغیر زندہ جلائے مارنا ممکن نہ ہو تو اسے جلا ڈالنا جائز ہے۔(مرقات) جیسے چار پائی کے کھٹمل،سوراخ میں گھسا ہوا سانپ جو کھولتے پانی سے مارے جاتے ہیں یا بھڑوں کا چھتہ جو آگ سے جلایا جاتا ہے کہ اس کے بغیر ان کو مارنا ممکن نہیں اگرچہ ہر چیز رب تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے،مگر چیونٹی تسبیح بھی کرتی ہے اور بے ضرر بھی ہے،جو چیونٹی نقصان پہنچائے یا کاٹ کھائے اسے مار دینا جائز ہے،کبھی چیونٹی کا کاٹا جوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے اس کا قتل جائز ہے جیسے بلی کا قتل جائز نہیں لیکن موذی بلی کا قتل جائز ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب چوہا گھی میں گرجائے تو اگر گھی جما ہوا ہو تو چوہا پھینک دو اور وہ جو اس کے آس پاس ہے[1] اور اگر پتلا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ[2] (احمد اور ابوداؤد)	
ددارمی بروایت ابن عباس۔	

[1] یعنی اگر چوہا جے گھی میں گرکر مرجائے تو اسے نکال کر پھینک دو،اس سے متصل گھی بھی کھرچ کر پھینک دو اگر زندہ چوہا نکلا تو گھی پاک ہے۔

[2] بعض علماء نے اس کے معنی یہ کیے کہ اسے کسی طرح بھی استعمال نہ کرو نہ کھانے میں نہ لگانے میں نہ چراغ جلانے میں،مگر حق یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کھانے کے قریب نہ جاؤ دوسری طرح اس کا استعمال درست ہے جیسے اس سے چراغ روشن کرنا،اگر تیل ناپاک ہوجائے تو اس کا صابن میں استعمال کرلینا۔خیال رہے کہ اس حدیث کا مطلب وہ ہی ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ پتلے ناپاک گھی کا آس پاس پھینک دینا کافی نہیں اسے اس طرح پاک نہیں کیا جاسکتا۔پتلا گھی،تیل،دودھ ان کے پاک کرنے کا وہ طریقہ ہے جو پہلے بیان ہوا کہ اسے پتلے پاک گھی کے ساتھ بہادو پاک ہو جائے گا من دو من گھی،تیل یا دودھ کا پھینکا نہ جائے گا،پتلی چیزوں کے پاک کرنے کے تین چار طریقے شامی وغیرہ نے لکھے ہیں۔

روایت ہے حضرت سفینہ سے[1] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بٹیر کا گوشت کھایا[2] (ابوداؤد)	

[1] آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں،ام المؤمنین نے آپ کو اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ زندگی بھر حضور کی خدمت کریں۔آپ کا نام رباح یا مہران یا رومان ہے،ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں تلوار،ڈھال نیزہ،کچھ اور سامان ان پر لاد دیا اور فرمایا تم ہماری سفینہ یعنی کشتی ہو تب سے آپ کا لقب سفینہ ہوگیا،آپ کے چار بیٹے ہیں،عبدالرحمٰن محمد،زیاد اور کثیر۔

[2] معلوم ہوا کہ بٹیر حلال ہے اس کا کھانا سنت ہے،نہایت سیدھا پرندہ ہے،عرب والے بے وقوف آدمی کو کہتے ہیں انت حباری تو تونرا بٹیر ہے،حباری واحد بھی ہے جمع بھی ہے،مذکر بھی ہے مؤنث بھی اس کا الف اصلی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کے کھانے اور ان کے	

	دودھوں سے منع فرمایا[1] (ترمذی) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جلالہ کی سواری سے منع فرمایا[2]

[1] جلالہ وہ گائے ہے جو بہت نجاست کھاتی ہے حتی کہ اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے،اس کا بدبودار گوشت،دودھ،کھانا،پینا مکروہ ہے۔اسے کچھ روز تک باندھ کر رکھا جائے جب اس کے جسم سے بو آنا بند ہوجائے تب ذبح کیا جائے۔امام مالک کے ہاں جلالہ کا گوشت بلاکراہت جائز ہے،وہ فرماتے ہیں کہ اس کا گوشت اچھی طرح دھولیا جائے،حضرت عبداللہ ابن عمر چھوٹی ہوئی مرغی کو تین دن باندھ کر رکھتے پھر ذبح فرماتے۔جو جانور کبھی کبھی گندگی کھالے وہ جلالہ نہیں۔(مرقات)

[2] یہ ممانعت کراہت تنزیہی ہے کیونکہ جلالہ کا پسینہ بھی بدبودار ہوتا ہے،ممکن ہے کہ سوار کے کپڑے میں پسینہ لگے اور وہ بھی بدبودار ہوجائے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن شبلی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا[1] (ابوداؤد)

[1] یہ حدیث امام اعظم اقدس سرہٗ کی دلیل ہے کہ گوہ حرام ہے اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔یہ حدیث ابن عساکر نے بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کھانے سے اور اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا[1] (ابوداؤد،ترمذی)

[1] تمام آئمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ بلی کھانا حرام ہے البتہ اس کی فروخت اور اسکی قیمت کے متعلق علماء کا اختلاف ہے،بعض کے نزدیک بلی کی قیمت بلاکراہت جائز ہے،بعض کے نزدیک مکروہ ہے،یہ حدیث مکروہ فرمانے والوں کی دلیل ہے اس کی بحث کتاب البیوع میں گزرچکی۔خیال رہے کہ بلی شکاری جانور بھی ہے اور کیل والی بھی لہذا اس قاعدے سے بھی حرام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے شکاری جانور کھانے سے منع فرمایا یہ حدیث ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن[1] پالتو گدھے اور خچروں کے گوشت حرام فرمائے اور ہر کیل والے درندے اور ہر پنجہ والے پرندے حرام فرمائے[2] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے[3]

[1] فتح خیبر سے پہلے عرب میں گدھا کھانے کا رواج تھا،شروع اسلام میں بھی رہا،خیبر کے دن اسے حرام فرمایا گیا جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔خیال رہے کہ حمار وحشی جنگلی گدھا جسے فارسی میں گورخر اور اردو میں نیل گائے کہتے ہیں وہ حلال ہے عموماً اس کا شکار کیا اور کھایا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی پنجے والے شکاری پرندے حرام فرمادیئے،جیسا کہ پہلی فصل میں گزر چکا ہے۔
۳؎ یعنی اس اسناد اور ان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے ورنہ مسلم،بخاری نے حضرت براء ابن عازب جابر علی مرتضٰی ابن عمر ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات کیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھے کھانے سے منع فرمایااور صحاح ستہ میں ابو ثعلبہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پنجہ والے شکاری پرندے سے منع فرمایا،یوں ہی بجّو کھانا حرام ہے جیساکہ احمد و اسحٰق نے ابو یعلٰی موصلی عن عبداللہ ابن زید سے مرفوعًا روایت کی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت خالد ابن ولید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں،خچروں اور گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۱؎ (ابوداؤد،نسائی)۲؎	

۱؎ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ گھوڑا حرام ہے جیسے کہ خچر وگدھا حرام ہے،اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے"وَالْخَیۡلَ وَ الْبِغَالَ وَالْحَمِیۡرَ لِتَرْکَبُوۡهَا وَزِیۡنَةً"۔جس سے معلوم ہوا کہ گھوڑرے،گدھے اور خچر کی پیدائش سواری اورزینت کے لیے ہے نہ کہ کھانے کے لیے،نیز گھوڑا ذریعہ جہاد ہے حتی کہ غنیمت میں اس کا بھی حصہ رکھا جاتا ہے،اس کو کھانے سے جہاد کے آلہ کی کمی ہوجانے کا خطرہ ہے۔الحمدللہ! کہ عملًا تمام مسلمان امام اعظم کا قول مانتے ہیں،ہم نے عرب و عجم کہیں بھی گھوڑے کا گوشت کھاتے فروخت ہوتے مارکیٹ میں آتے نہ دیکھا۔
۲؎ یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی،منذری نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے،ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے،صحابہ کرام سے گھوڑا کھانا ثابت ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث قرآنی آیات اور دوسری روایات کی تائید سے قوی ہے۔جن صحابہ کرام نے گھوڑا کھایا وہ یا تو حرام ہونے سے پہلے کھایا یا انہیں ممانعت کی حدیث پہنچی نہیں،بے خبری میں کھایا۔(ازمرقات)ہم مرآت کے مقدمہ میں عرض کرچکے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کی احادیث کو ضعیف ثابت کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے،وہاں اسنادوں میں ضعیف راوی ذرا مشکل سے ہی داخل ہوسکتے ہیں اگر بعد کے محدثین کو کئی حدیث ضعیف ہوکر ملے تو امام اعظم کو یہ ضعف مضر نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تو یہود آئے انہوں نے شکایت کی کہ لوگوں نے ان کی سرسبز کھجوروں کی طرف جلدی کی۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار ذمہ والوں کے مال ناحق حلال نہیں۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ خضائر جمع ہے خضیرہ کی،خضیرہ اس کھجور کا نام ہے جس کے پھل ابھی کچے ہوں،ہرے ہوں،خضرۃ سے بنا بمعنی سبزی یعنی مسلمان ہمارے باغوں میں پہنچے اور انہوں نے ہمارے ہرے پھل توڑکر کھائے نہ ہم کو قیمت دی نہ ہم سے اجازت لی۔

۲؎ یعنی چونکہ یہود خیبر ہمارے ذمی بن چکے ہیں اور ذمی سے بجز جزیہ اور مستامن سے بجز ٹیکس تجارت اور مال لینا جائز نہیں لہذا تم خیبر کے یہود کے مال سے کچھ نہ لو۔حقھا سے وہ ہی حق مراد ہے جو عرض کیا گیا یعنی جزیہ یا جس مال پر ان سے صلح ہوجائے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے دو مردے تو مچھلی اور ٹڈی ہے۱؎ اور دو خون کلیجی اور تلی ہے۲؎ (احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی دونوں جانور بغیر ذبح حلال ہیں کیونکہ ان میں بہتا خون نہیں اور ذبح کرنا اسی کو اللہ کے نام پر نکال دینے کے لیے ہوتا ہے جب وہ چیزیں ان میں نہیں تو ان کا ذبح بھی نہیں۔خیال رہے کہ مچھلی بہت قسم کی ہے اور ہر قسم کی حلال ہے بغیر ذبح کھانا درست ہے،بعض مچھلیوں میں خون نکلتا معلوم ہوتا ہے مگر وہ خون نہیں ہوتا بلکہ سرخ پانی ہوتا ہے اس لیے دھوپ میں سفید ہو جاتا ہے خون کی طرح نہ سیاہ پڑتا ہے نہ جمتا ہے۔فقیر نے خود اس کا تجربہ کیا ہے،بہرحال مچھلی بغیر ذبح حلال ہے۔

۲؎ یعنی کلیجی و تلی جما ہوا خون ہے اور حلال ہے۔یہ دونوں چیزیں گوشت نہیں اس لیے جو گوشت نہ کھانے کی قسم کھالے پھر کلیجی یا تلی کھا لے تو حانث نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو الزبیر سے ۱؎ وہ حضرت جابر سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو دریا پھینک دے اور اس سے پانی ہٹ جائے تو اسے کھالو اور جو دریا میں مرجائے اور وہ تیر جائے تو اسے نہ کھاؤ ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) اور محی السنہ نے فرمایا کہ اکثر محدثین اس پر ہیں کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے۳؎	

۱؎ آپ کا نام محمد ابن مسلم ہے،مکی ہیں،حضرت حکیم ابن حزام کے آزاد کردہ غلام ہیں،مکہ معظمہ کے تابعین میں سے ہیں،حافظ ہیں،ثقہ ہیں،وسیع العلم ہیں،حضرت جابر،عائشہ صدیقہ،ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے مگر اکثر حضرت جابر سے روایت لیتے ہیں،۱۲۵ھ ایک سو پچیس یا ایک سو اٹھائیس ہجری میں وفات پائی،آپ سے بہت محدثین نے روایات لیں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ جس مچھلی کی موت پانی نہ ملنے یا کم ملنے کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے اور جس مچھلی کی موت بیماری کی وجہ سے ہو کہ پانی میں رہتے ہوئے مرجائے اور پانی پر تیر کر آجائے تو ممنوع ہے،یہ ہی حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ طافی مچھلی مکروہ ہے،طافی اسی کو کہتے ہیں،امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما اسے بلاکراہۃ جائز فرماتے ہیں،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ **جزر** کے معنی ہیں سمٹ جانا،اس کا مقابل ہے **مدّ**،اسی سے ہے **مدو جزر**۔وہ جو حدیث شریف میں ہے **حل میتته** دریا کا مردار حلال ہے تو وہاں دریا کے مردار سے مراد وہ ہی ہے جس کی موت کا سبب دریا بنے نہ وہ جس کی موت کا سبب کوئی مرض و بیماری ہو۔ابھی جو حدیث گزری کہ دو مردار حلال ہیں یہ حدیث اس کی شرح ہے کہ دریا کا وہ مردار مراد ہے جو دریا کی وجہ سے مرے۔

۳؎ کوئی مضائقہ نہیں اس قسم کی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے اور اس پر حدیث مرفوع کے احکام جاری ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ امام شافعی صحابہ کرام کے اجتہادی مسائل میں ان کی پیروی نہیں کرتے،وہ فرماتے ہیں **هم رجال ونحن رجال** وہ بھی مرد تھے ہم بھی مرد ہیں مگر امام ابوحنیفہ تقلید صحابہ کو لازم جانتے ہیں ان کے اجتہادی مسائل پر عمل ضروری جانتے ہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ کا بڑا لشکر ہے۲؎ میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ اسے حرام کرتا ہوں۳؎(ابوداؤد) محی السنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۴؎	

۱؎ کہ ان کے پیدا فرمانے میں کیا حکمت ہے اور ان کا کھانا حلال ہے یا حرام۔

۲؎ یعنی پرندوں میں سب سے بڑی جماعت ٹڈیوں کی ہے اور جب خدا تعالٰی کسی قوم پر غضب کرتا ہے تو اس پر ٹڈی کا عذاب بھیجتا ہے،یہ اس قوم کی کھیتی باڑی،درخت،پھل وغیرہ سب کچھ کھا جاتی ہیں اور اس پر قحط مسلط ہوجاتا ہے،ورنہ رب کی بڑی سے بڑی مخلوق فرشتے ہیں،حق تعالٰی ان کے متعلق فرماتا ہے:"**وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ**"۔(مرقات)

۳؎ یعنی ٹڈی شرعًا حرام نہیں ہم خود اسے کھاتے نہیں طبعًا اس سے نفرت ہے۔شاید سائل کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ حضور کھاتے ہیں یا نہیں اور ہم کھائیں یا نہیں،لہذا جواب بالکل مطابق ہوگیا کہ ہم نہیں کھاتے تم کھاؤ۔خیال رہے کہ ٹڈی کے حلال ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجتماع ہے۔

۴؎ یہ حدیث اسناد سے بھی ضعیف ہے اور معنی سے بھی،اسناد سے تو اس لیے کہ اس کے سارے راوی قوی و ثقہ نہیں،معنی سے اس لیے کہ بہت سی احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے جن میں ٹڈی کی حلت صراحۃً مذکور ہے۔یہاں مرقات نے ٹڈی کے حلال ہونے کے متعلق بہت سی عجیب روایات بیان کیں۔چنانچہ فرمایا کہ حضرت مریم بنت عمران نے دعا کی تھی کہ مولٰی مجھے بغیر خون والا گوشت دے تو رب نے انہیں یہ ہی ٹڈی دی،آپ نے دعا کی کہ الٰہی اسے بغیر

ماں کے دودھ کے زندہ رکھ اور بغیر کسی ہانکنے والے اور بغیر آواز کے ان میں تنظیم دے اور فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام عموماً ٹڈی کھایا کرتے تھےاور فرمایا کہ حضور انورکی ازواج مطہرات ایک دوسری کو طباق بھرکر ٹڈیاں ہدیہ کرتی تھیں وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت خالد ابن زید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو برا کہنے سے منع فرمایا۱ اور فرمایا کہ یہ نماز کی اطلاع دیتا ہے۲(شرح سنہ)

۱دیك اسم جنس ہے واحد و جمع سب پر بولا جاتا ہےبمعنی مرغ نر،مادہ کو دجاجه کہتے ہیں یعنی مرغ کو نہ برا کہو نہ برا سمجھو،یہ بڑا مبارک جانور ہے۔

۲یعنی نماز تہجد اور نماز فجر کے لیے اٹھاتا ہے۔مرغ میں قدرت نے عجیب کرشمہ رکھا ہے کہ یہ رات کے اوقات سے خبردار رہتا ہے،رات لمبی ہو یا چھوٹی آخری تہائی رات میں بھی بولتا ہے اور صبح صادق کے وقت بھی،حتی کہ بعض علماء نے مجرب مرغ کی آواز پر نماز تہجد پڑھنا جائز فرمایا اور کہا کہ اس کی آواز پر اعتماد جائز ہے،بعض صحابہ کرام سفر میں مرغ ساتھ رکھتے تھے نمازوں کے لیے۔سفید مرغ کے بڑے فضائل ہیں اس کا گوشت اور دل بہت ہی قوی ہوتا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرغ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۱(ابوداؤد)

۱بعض روایات میں ہے کہ عرش اعظم کے نیچے ایک جانور سفید مرغ کی شکل کا ہے،ہر سحر کو اذان دیتا ہے،اس کی اذان سنکر زمین کے تمام مرغ اذانِ سحر دیتے ہیں اس لیے مرغ سحر کی اذان کے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ سے۱فرماتے ہیں فرمایا ابولیلیٰ نے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گھر میں سانپ نمودار ہو تو اس سے کہہ دو کہ ہم حضرت نوح و حضرت سلیمان کے معاہدوں کے واسطے تجھ سے سوال کرتے ہیں۲کہ تو ہم کو نہ ستا اگر پھر ہوئے تو اسے مار دو (ترمذی،ابوداؤد)۳

۱آپ کی کنیت ابو عیسیٰ ہے،ثقہ تابعی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے جب چھ سال باقی رہے تو آپ پیدا ہوئے،کوفے کے رہنے والے ہیں،تراسی ۸۳ھ میں بصرہ کی نہر میں ڈوب کر آپ کی وفات ہوئی،بیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے جن میں حضرت عثمان و علی،ابوایوب انصاری،ابوالدرداء ہیں،آپ سے بہت لوگوں نے روایات کیں،آپ کے بیٹے کا

نام محمد تھاابن ابی لیلیٰ کنیت تھی،کوفہ کے قاضی تھے،بڑے فقیہ تھے،جب فقہاء ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں تو وہ ہی محمد مراد ہوتے ہیں،محمد ۷۴ھ چوہتّر میں پیدا ہوئے،۱۴۸ھ ایک سو اڑتالیس میں وفات ہوئی۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ غالبًا عہد نوحی سے مراد وہ معاہدہ ہے جو آپ نے اپنی کشتی میں سوار کرتے وقت سانپ سے لیا تھا کہ بلاوجہ کسی کو ایذا نہ دینا۔معلوم ہوا کہ بعض سانپ انسانوں کی بولی سمجھتے ہیں اور ان کو عہد یاد بھی آجاتے ہیں۔(از مرقات)بعض سانپوں کے سمجھنے کے واقعات مشہور ہیں۔

۳؎ سانپ کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے،ہر سال اپنی کھال اتارتا ہے،اس کی آنکھ میں پتلی گردش نہیں کرتی،اس کے دانت توڑ دیئے جائیں تو پھر جلد ہی اگ جاتے ہیں،دم کاٹ دی جائے تو جلد ہی اگ آتی ہے،انسان سے بہت ڈرتا ہے،آگ سے خوش ہوتا ہے،دودھ بہت رغبت سے پیتا ہے،اگر ذبح کردیا جائے تو کئی دن تک زندہ رہتا ہے،جب اندھا ہوجائے تو سبز سونف جو درخت میں لگی ہو اس سے اپنی آنکھیں ملتا ہے انکھیارا ہوجاتا ہے،سانپ کھانا حرام ہے اس کے گوشت سے بنا ہوا تریاق کھانا بھی حرام ہے الا بحالت اضطرار۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی فرماتے ہیں ا؎ کہ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے حدیث کو مرفوع کیا کہ وہ سانپ کے قتل کا حکم دیتے تھے ۲؎ اور فرمایا کہ جو انہیں بدلہ کے خوف سے چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎(شرح سنہ)	

ا؎ اس قال کا فاعل یا تو عکرمہ ہیں یا اسناد کے ایک راوی ایوب ہیں یعنی عکرمہ یا ایوب کہتے ہیں کہ مجھے گمان غالب ہے کہ یہ حدیث مرفوع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے،خود ان کا اپنا قول نہیں یعنی حدیث موقوف نہیں۔

۲؎ یہ حکم استحبابی ہے،مدینہ منورہ کی آبادی یعنی گھروں کے سانپوں کو مہلت دینے کے بعد قتل کیا جائے اور دوسری جگہ کے سانپوں کو فورًا دیکھتے ہی ماردیا جائے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اب مدینہ منورہ کے گھروں کے سانپوں کو بھی فورًا قتل کردیا جائے،اس صورت میں یہ حدیث سانپ کو مہلت دینے کی حدیث کی ناسخ ہے۔

۳؎ یعنی ہماری سنت کا تارک ہے۔پہلے جہلاء عرب کہتے تھے اور جہلاء ہند اب تک کہتے ہیں کہ سانپ کو مارنے والے سے اس کی ناگنی بدلہ لیتی ہے اس لیے سانپ کو مت مارو۔اس فرمان عالی میں اسی خیال کی تردید ہے بھلا سانپنی یعنی ناگن کو کیا خبر کہ کس نے مارا ہے۔لوگوں میں مشہور ہے کہ مارے ہوئے سانپ کی آنکھوں میں مارنے والے کا فوٹو آجاتا ہے اس فوٹو سے ناگن قاتل کو پہچان لیتی ہے اس لیے سانپ کو مارکر اس کا سر جلا دیا جاتا ہے تاکہ آنکھوں میں فوٹو نہ رہے مگر یہ بھی غلط ہے اس کا سر جلادینا اسے مار ڈالنے کے لیے ہے،وہ لاٹھی کھاکر بیہوش ہوجاتا ہے لوگ مردہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں،وہ کچھ عرصہ بعد پھر ہوش میں آکر چلا جاتا ہے آگ میں جلانا اس لیے ہے تاکہ واقعی مر جائے۔خیال رہے کہ جب تک سانپ الٹا نہ پڑ جائے کہ پیٹ اوپر آجائے تب تک وہ زندہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب سے ہم نے سانپوں سے جنگ کی پھر صلح نہ کی ۱؎اور جو کوئی ان میں سے کسی سانپ کو چھوڑ دے ڈرتے ہوئے تو ہم میں سے نہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے سانپ جنت میں رہتا تھا،نہایت خوبصورت تھا،شیطان جب جنت سے نکالا گیا تو وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیااور حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دیا،انہیں گندم کھلایا،رب تعالٰی نے فرمایا:"اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ"اے آدم تم اور حوا اور سانپ جنت سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن رہیں گے،یعنی انسان سانپ کا دشمن اور سانپ انسان کا دشمن،تب سے ہماری اور سانپ کی دشمنی قائم ہے،مشرکین سانپ کے فوٹو کو تو پوجتے ہیں اصلی سانپ سے بھاگتے ہیں اسے مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔(ازمرقات)

۲؎اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جو ناگن کے بدلہ کے ڈر سے سانپ کو نہ مارے وہ میری سنت میرے طریقہ سے الگ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے سانپوں کو مار دو جوان کے بدلہ سے ڈرے وہ مجھ سے نہیں ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ہوسکتا ہے کہ اس عام حکم میں مدینہ منورہ کے سانپ بھی داخل ہوں اور یہ حدیث گزشتہ مہلت کی حدیث کی ناسخ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم چاہ زمزم کو صاف کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ جنان یعنی پتلے چھوٹے سانپ ہیں ۱؎تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مار دینے کا حکم دیا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎جنان جیم کے کسرہ نون کے شد سے جمع جانّ کی،بمعنی پتلا سانپ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"كَاَنَّهَا جَآنٌّ" عصا موسوی پتلے سانپ کی طرح ہوگیا یعنی زمزم کے کنوئیں میں چھوٹے سانپ بہت ہیں جن کے مارے بغیر کنوئیں کی صفائی نہیں ہوسکتی،پھر حضور والا کا ان سانپوں کے قتل کے متعلق کیا حکم ہے۔چاہ زمزم میں ایک حبشی گرکر مرگیا تھاحضرت عباس زمزم کے منتظم تھے،انہوں نے چاہ زمزم پاک کرنا چاہا تب یہ سوال کیاوہ چاہتے یہ تھے کہ اب کنواں پاک تو کرنا ہی ہے لاؤ س کی صفائی بھی کردو،اس کے کیچڑ وغیرہ سب نکال دو۔(مرقات)

۲؎ان سانپوں کے قتل کا حکم چاہ زمزم کی صفائی کے لیے ہے لہذا یہ حدیث آئندہ آنے والی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے سانپوں کو مار دو سوا پتلے سفید سانپ کے جو چاندی کی شاخ کی طرح ہوا(ابوداؤد)

۱؎ یا اس لیے کہ ایسے سانپ بےضرر ہوتے ہیں وہ کاٹتے نہیں اگر کاٹ بھی لیں تو ان میں زہر نہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچتا یا اس لیے کہ مؤمن جن اس قسم کے سانپ میں تبدیل ہوجاتے ہیں لہذا انہیں نہ مارو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے دو کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے دوسرے میں شفاء ہے۱؎ اور وہ اپنے اس بازو سے بچاؤ کرتی ہے جس میں بیماری ہے لہذا اس پوری کو ڈبو دو۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اس کی شرح بھی کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالٰی نے بہت چیزوں بلکہ بہت جانوروں میں دو ضدیں جمع فرمادیں ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ تجربہ یہ ہے کہ مکھی شور بے وغیرہ میں اپنا بایاں بازو ڈالتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بائیں بازو میں زہر ہے داہنے میں شفاء۔مکھی کی خلقت میں چند عجیب چیزیں ہیں:(۱)اس میں زہر اور تریاق دونوں جمع ہیں(۲)وہ جانتی پہچانتی ہے کہ کس بازو میں زہر ہے کس میں تریاق اس لیے پہلا زہر یلا بازو ڈالتی ہے(۳)سفید کپڑے پر کالا پاخانہ کرتی ہے،کالے کپڑے پر سفید(۴)کدّو کے درخت پر بہت ہی کم بیٹھتی ہے اس لیے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے پر کدو کے درخت کے نیچے رکھا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے تاکہ آپ مکھیوں سے محفوظ رہیں(۵)وہ گندی اور عفونت کی جگہ میں بہت ہوتی ہے مگر زمانہ حج میں منٰی شریف میں نہیں ہوتی حالانکہ وہاں قربانیوں،حاجیوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے گندگی و عفونت بہت ہوتی ہے(۶)اتنی بہادر ہے کہ بادشاہوں کے منہ و سر پر بے تکلف جا بیٹھتی ہے،اس سے متکبرین کا تکبر ٹوٹتا ہے،یہ ہی جواب امام شافعی نے مامون رشید کو دیا تھا جب اس نے پوچھا تھا کہ مکھی کیوں پیدا کی گئی(۷)اس کی عمر چالیس دن ہوتی ہے(۸)سوا شہد کی مکھی کے باقی تمام مکھیاں دوزخ میں ہوں گی دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے (۹)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر اور آپ کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہ بیٹھی(۱۰)یہ ہضم نہیں ہوتی اگر پیٹ میں چلی جائے تو انسان کو قے ہوجاتی ہے۔ (مرقات)
۲؎ معلوم ہوا کہ مکھی ڈوب کر مرجانے سے پانی یا شوربا،دودھ وغیرہ نہ تو ناپاک ہوتا ہے نہ حرام بلکہ وہ پاک رہتا ہے حلال رہتا ہے کہ مکھی میں خون نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے دو کہ اس کے ایک بازو میں زہر دوسرے میں شفا ہے اور وہ زہریلا بازو آگے ڈالتی ہے شفا والا پیچھے رکھتی ہے۱؎ (شرح سنہ)

۱؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ مکھی حرام نہیں،ہاں اس سے طبیعت گھن کرتی ہے اور یہ مضر بھی ہےاس وجہ سے کھانا ممنوع ہے،بعض بیماریوں میں مکھی کا پاخانہ پتاشے میں رکھ دیا جاتا ہے،فقیر نے بھی یہ دیکھا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سےفرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا۱؎چیونٹی،شہد کی مکھی،ہدہد اور ممولا۲؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎انکے مارنے کی ممانعت کی حکمتیں اس جگہ مرقات نے بہت ہی بیان فرمائیں وہاں ملاحظہ فرماؤ ہم بھی کچھ عرض کرتے ہیں۔

۲؎کیونکہ یہ جانور حرام بھی ہیں اور بے ضرر بھی،ان کے قتل میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور بلا فائدہ جانور کو قتل کرنا ممنوع ہے۔شہد کی مکھی بڑی مبارک ہےکہ اس کے منہ سے شہد اور موم ملتا ہے،بےضرر ہے اس کی پرورش کرنی چاہیے،اسے مارنا ممنوع ہے۔**نملہ** سے مراد بڑی چیونٹی ہےجس کے پاؤں بڑے بڑے ہوتے ہیں وہ بالکل ہی بے ضرر ہوتی ہے۔یوں ہی ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاص خادم ہے،اس کا کھانا حرام ہے،گوشت بدبودار بھی ہوتا ہے۔**صرد** ایک عجیب الخلقت پرندہ ہے اس کا سر بڑا ہوتا ہے،چڑیوں کا شکار کرتا ہے،اس کے پر بڑے ہوتے ہیں آدھے سفید آدھے کالے،اہل عرب اس کو منحوس جانتے ہیں،اس کی آواز سے یہ فال لیتے ہیں جیسے ہمارے ملک کے جہلاء اُلّو کو منحوس سمجھتے ہیں۔چھوٹی چیونٹی کو ذر بڑی چیونٹی کو **نمل** کہتے ہیں۔یہاں مرقات نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ ہدہد کے لیے زمین صاف شیشہ کی مثل ہے،وہ زمین کی تہ میں پانی دیکھ لیتا ہےاس لیے حضرت سلیمان نے ایک سفر میں ہدہد کو یوں فرمایا"**مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الْھُدْھُدَ**"کیونکہ آپ کو وضو کی ضرورت تھی ہدہد زمین کی تہ کا پانی بتاتا،جنات کنواں تیار کرتے آپ وضو فرماتے،یہاں ہی مرقات نے اس دعوت کا ذکر فرمایاجو ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کی تھی۔یہاں مرقات نے جانوروں کے اقسام انکے احکام بہت شرح و بسط سے بیان فرمائے کئی صفحات میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جاہلیت والے لوگ کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ چیزیں گھن کرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۱؎تب اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا اور اپنی کتاب اتاری اور حلال کو حلال فرمایا حرام کو حرام ٹھہرایا۲؎تو جو حلال کر دیں وہ حلال ہیں اور جو حرام کردیں وہ حرام ہیں اور جن سے خاموشی فرمائی وہ

	معاف ہیں[3] اور یہ آیت تلاوت کی فرمادو میں اپنی وحی میں کوئی چیز کسی کھانے والے پر جسے وہ کھالے حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ ہو مردار، پوری آیت[4] (ابوداؤد)

[1] یعنی ان کے ہاں حرام و حلال کا کوئی قاعدہ نہ تھا محض اپنی رائے سے بعض چیزوں کو حرام سمجھتے تھے بعض کو حلال، محض لاقانونی تھی کیونکہ تعلیم ابراہیمی دنیا سے گم ہوچکی تھی،آج بھی مشرکین ہند کے دین میں کوئی قانون نہیں،بعض ہندو ہر جانور کو حرام سمجھتے ہیں،بعض صرف گائے کو،بعض فرقے ان میں کے گائے بھی کھالیتے ہیں،یوں ہی حرام و حلال عورتوں کے لیے کوئی قانون نہیں،نہایت نفیس قوانین تو اسلام ہی کے ہیں۔

[2] یعنی جو چیزیں حلال ہونے کے قابل تھیں انہیں حلال کیا اور جو چیزیں حرام ہونے کے قابل تھیں انہیں حرام کیا،یہود پر بعض طیب چیزیں بھی حرام کردی گئی تھیں جیسے حلال جانوروں کی بعض چربیاں اور عیسائیوں پر بعض خبیث چیزیں بھی حلال کردی گئی تھیں جیسے شراب۔اسلام دین فطرت ہے،اس میں بری چیزوں کو حرام کیا گیا ہے اور اچھی چیزوں کو حلال۔

[3] خلاصہ یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں:وہ جن کا حلال ہونا قرآن یا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے،وہ جن کا حرام ہونا قرآن یا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے،وہ جن کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں،پہلی قسم حلال قطعی ہے،دوسری قسم حرام قطعی،تیسری قسم معاف یعنی وہ بھی حلال ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں اصل اباحت ہے کہ جن سے سکوت یعنی خاموشی ہے وہ مباح ہے،یہ ا سلام کا کلیہ قانون ہے جس سے لاکھوں چیزوں کے حال معلوم ہوسکتے ہیں۔آم مالٹا وغیرہ کیوں حلال ہیں اس لیے کہ شریعت میں ان کی ممانعت نہیں آئی۔خیال رہے کہ انسانی نباتات بھی کھانا ہے جیسے سبزیاں،دانے،کبھی جمادات بھی جیسے موتی عنبر،مشک وغیرہ حیوانات بھی۔نباتات و حیوانات کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ جو سبزیاں یا دانہ صحت کو مضر ہو وہ حرام،جو مضر نہ ہو وہ حلال حتی کہ سنکھیا بھی مارکر کھایا جائے توحلال۔حیوانات بعض حرام ہیں،بعض حلال،قرآن کریم نے حرام بعینہٖ صرف ایک جانور کا ذکر کیا یعنی سؤر کا وہ بھی اس کے گوشت کا ذکر فرمایا،باقی حرام لغیرہ میں آٹھ جانوروں کا ذکر فرمایا **میتۃ منخنقۃ** وغیرہ،باقی تمام حرام جانوروں کو حدیث پاک نے بیان فرمایا،کتا،بلی،ریچھ،ہاتھی،گدھا وغیرہ حضور انور نے ہی حرام کیے،سؤر کا صرف گوشت قرآن پاک نے حرام کیا،باقی اس کے کلیجی گردے،چربی حدیث نے حرام کی،پھر ان حرام جانوروں کی حرمت بعد ہجرت قرآن پاک میں آئی۔مدنی سورتوں میں ہی حرام عورتوں،حرام غذاؤں کا ذکر ہے مگر حضور انور نے قبل ہجرت ہی ان سب سے مسلمانوں کو منع فرمادیا تھا،مسلمانوں کو کبھی ماں بہن سے نکاح اور سؤر کتا بلی کھانے کی اجازت نہ دی۔معلوم ہوا کہ حرام و حلال فرمانے والے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اس کی بحث ہماری تفسیر نعیمی پارہ ہشتم میں ملاحظہ کرو۔

[4] یعنی اس آیت نے بھی یہ ہی بتایا کہ جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے،اصل اشیاء میں اباحت ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں دیکھواور راہ جنت میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے زاہر اسلمی سے[1] فرماتے ہیں کہ میں گدھوں کے گوشت پر ہانڈیوں کے نیچے آگ جلارہا تھا کہ کسی

	حضور کے منادی نے آواز دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھوں کے گوشت سے تم کو منع فرماتے ہیں۲(بخاری)

۱؎ آپ زاہر ابن اسود ہیں،اسلمی ہیں،بیعۃ الرضوان میں حاضر ہوئے،کوفہ میں قیام رہا(مرقات)صحابی ہیں۔
۲؎ معلوم ہوا کہ پالتو گدھا شروع اسلام میں حلال تھا خیبر کے دن حرام ہوا اور قیامت تک کے لیے حرام ہوگیا،گدھا خچر گھوڑا حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں کہ جن تین قسم کے ہیں:ایک قسم وہ جن کے پَر ہیں وہ ہوا میں اڑتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں ایک قسم ہے جو قیام بھی کرتے ہیں اور سفر بھی کرتے ہیں۱(شرح سنہ)

۱؎ جو لوگ جنات کے عامل ہیں انہوں نے جنات کی یہ تینوں قسمیں مشاہدہ کیں ہیں۔مدینہ منورہ میں اکثر کتے عجیب حرکات کرتے دیکھے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات ہیں۔انسان بھی تین قسم کے ہیں:بعض جانوروں کی طرح بے سمجھ،بعض شیاطین کی طرح گمراہ اور بعض ملائکہ سے بھی اعلیٰ۔(مرقات)